

— ۱۰۰ —

—دانش و فن

چین و هند ۱۶۰۰

A. v. p.

ایک وقت آسمانوں

2022 (10/10/22) 10/10/22

میں نے اسے دیکھا تھا۔

—مجلسه ۱۰۰۰—

بسم الله الرحمن الرحيم

—وہابیہ، صفحہ ۱۶۴

١٠٠٠ و ١٠٠٠

.....

792. —

دیس دیس کی • ماؤں پر ہمارے میں مہربانی سمانی نوشت



جو لائی

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, AL-LAHABAD-3.

نیا ہند

ڈی. پی. پبلیکیشنز، دہلی

نمبر 1 نمبر 1 جلد 20 جلد 20
5 AUG 1955

جولائی 1955

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈل گنج، ایلاہ آباد

145 مڈل گنج، ایلاہ آباد

جولائی 1955 جولائی

کس سے	صفحہ	کیا کس سے
ہاں بٹکے ؟		1. کہاں بٹکے ؟
—ڈاکٹر بھگوانداس	1	—ڈاکٹر بھگوان داس
بین کا بھیم سوار آندولن		2. چین کا بھومی سدھار آندولن
—شری ہریشللمہ پریکھ	6	—شری ہری ولیہ پریکھ
ایڈورٹ آئینسٹائن		3. ایڈورٹ آئینس ٹاین
—مہاتما بھگواندین	16	—مہاتما بھگوان دین
ہری ماں بولی کا رپ		4. میری ماں بولی کا رپ
—شری مہن گوپال	21	—شری مہن گوپال
ہمبہ کا ایک دھبہ نچارا		5. ہمبہ کا ایک دھبہ نچارا
—پنڈت سندرلال	27	—پنڈت سندرلال
اچھ جیون		6. اچھ جیون
—لکھک—سب ڈا۔ ہریشاد دےسائی		—لکھک—سورگیہ ڈاکٹر ہری پوساد دیسانی
—انوادک—شری گنونت مہتا	32	—انوادک—شری گنونت مہتا
پرم، بیوگ اور ورشا		7. پرم، بیوگ اور ورشا
—ویشو مہر ناٹھ پانڈے	37	—ویشو مہر ناٹھ پانڈے
ہماری راتھ	45	8. ہماری راتھ
ایٹمی جنگ کے خلاف سائنس دانوں کی اپیل—		ایٹمی جنگ کے خلاف سائنس دانوں کی
گوشا کا سत्याگرہ اور اس سے سبق—		اپیل— گوشا کا سत्याگرہ اور اس سے سبق—
بی. سی. جی. کا ٹیکا—کانپور کے مزدوروں کی ہڑتال—سندرلال.		بی. سی. جی. کا ٹیکا—کانپور کے مزدوروں کی

کہاں بٹکے ؟

کہاں بٹکے ؟

ڈاکٹر بھگوان داس

ڈاکٹر بھگوان داس

ہم دو छोटी और सुन्दर कहानियाँ नीचे देते हैं, एक हिन्दू धर्म की किताबों से और दूसरी इसलामी किताबों से. हैं अबे एक ऐसी जगह पहुंचे जहाँ एक हाथी खड़ा हुआ था. वह हाथी के रूप के बारे में एक दूसरे से मगड़ने लगे. एक ने हाथी की दुम को टटोलकर कहा कि हाथी एक झाड़ू की तरह है. दूसरे ने हाथी की सूँड़ को टटोलकर कहा कि हाथी एक बड़े अजगर की तरह है. तीसरे का हाथ हाथी के कान पर पड़ा. वह कहने लगा कि हाथी एक बड़े छाज की तरह है. चौथे ने हाथी के पेट को टटोलकर कहा कि हाथी एक बड़े ढोल की तरह है. पाँचवें ने हाथी की टांग को थपथपा कर देखा और कहा कि हाथी एक मोटे खंभे की तरह है. छठे ने हाथी के एक दाँत को छूकर कहा कि हाथी एक बड़े सोटे की तरह है. सबको अपनी अपनी बात का पक्का विश्वास था. हर एक दूसरे की बात को गलत मान रहा था. हठ और मगड़ा बढ़ने लगा. इतने में एक सातवाँ आदमी उधर से निकला. उसके आँखें थीं. वह देख और समझ सकता था. उसने उनमें से हरेक को समझाया कि हाथी उन सबके अलग अलग खयालों का मेल है. उसने उन्हें यह भी बतलाया कि हाथी कोई बेजान मिट्टी या लकड़ी की चीज नहीं है. वह एक प्राणी है जो अपने इन सब अंगों से काम लेता है.

इसी तरह हमारी सब अलग अलग माही साइसें इस माही (भौतिक) दुनिया के किसी एक पहलू से वास्ता रखती हैं. दुनिया का हरम ज़हब आत्मा या परमात्मा की किसी एक सिफ़त या एक पहलू पर जोर देता है. लेकिन वह चीज़ जिसे हम तसवुफ़, वेदान्त और ज़िन्दगी की असली फ़िलोसोफी कहते हैं और जिसे मजहबी साइन्स या साइन्सी मजहब भी कहा जा सकता है वह इन सब धर्मों के अलग अलग पहलुओं को मिलाकर उनका संगम या समन्वय करती है.

दूसरी कहानी यह है—चार मुसाफ़िर, एक रूमी, एक अरब, एक ईरानी और एक तुर्क ज़िन्दगी की सड़क पर साथ साथ चले जा रहे थे. रेतीली, पथरीली, कंटीली, कहीं बरफ़ की तरह ठंडी और कहीं जलती हुई राहों पर चलते चलते उन चारों को भूख और प्यास सताने लगी. उन्हें किसी ऐसे जगह की ज़रूरत थी जिससे उन्हें शांति और

هم در چپونی اور سند کہانیاں نیچے دیتے ہیں، ایک ہندو دھرم کی کتابوں سے اور دوسری اسلامی کتابوں سے . چہ اندھے ایک ایسی جگہ پہونچے جہاں ایک ہانی کھڑا ہوا تھا . وہ ہانہی کے روپ کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے . ایک نے ہانہی کی دم کو ٹٹول کر کہا کہ ہانہی ایک جھارڑ کی طرح ہے . دوسرے نے ہانہی کی سونڈ کو ٹٹول کر کہا کہ ہانہی ایک بڑے اجگر کی طرح ہے . تیسرے کا ہاتھ ہانہی کے کان پر پڑا . وہ کہنے لگا کہ ہانہی ایک بڑے چھاج کی طرح ہے . چوتھے نے ہانہی کے پیٹ کو ٹٹول کر کہا کہ ہانہی ایک بڑے ڈھول کی طرح ہے . پانچویں نے ہانہی کی ٹانگ کر تھپ تھپ کر دیکھا اور کہا کہ ہانہی ایک موٹے کھمبے کی طرح ہے . چھٹے نے ہانہی کے ایک دانت کو چھو کر کہا کہ ہانہی ایک بڑے سوٹے طرح ہے . سب کو اپنی اپنی بات کا پکا وشواس تھا . ہر ایک دوسرے کی بات کو غلط مان رہا تھا . ہٹ اور جھگڑا بڑھنے لگا . انے میں ایک ساتواں آدمی ادھر سے نکلا . اُسکے آنکھیں تھیں . وہ دیکھ اور سمجھ سکتا تھا . اُسنے ان میں سے ہر ایک کو سمجھایا کہ ہانہی ان سب کے الگ الگ خیالوں کا مہل ہے . اُسنے انہیں یہ بھی بتایا کہ ہانہی کوئی بیجان مٹی یا لکڑی کی چیز نہیں ہے . وہ ایک پرانی ہے جو اپنے ان سب انگوں سے کام لیتا ہے .

ایسی طرح ہماری سب الگ الگ مادی سائنسیں اس مادی (بیونک) دنیا کے کسی ایک پہلو سے واسطہ رکھتی ہیں . دنیا کا ہر مذہب انما یا پرما انما کی کسی ایک صفت یا ایک پہلو پر زور دیتا ہے . لیکن وہ چیز جسے ہم تصوف، ویدانت اور زندگی کی اصلی فلاسفی کہتے ہیں اور جسے مذہبی سائنس یا سائنسی مذہب بھی کہا جا سکتا ہے وہ ان سب دھرموں کے الگ الگ پہلوؤں کو ملاکر اُنکا سنگم یا سنگم کرانی ہے .

دوسری کہانی یہ ہے—چار مسافر، ایک رومی، ایک عرب، ایک ایرانی اور ایک ترک زندگی کی سڑک پر ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے . ریتیلی، پتھریلی، کٹیلی، کھین برف کی طرح ٹھنڈی اور کہیں جلتی ہوئی راہوں پر چلتے چلتے ان چاروں کو بھوک اور پیاس ستانے لگی . انہیں کسی ایسے کھانے کی ضرورت تھی جس سے انہیں شانتی اور

शाकि मिले. वह एक दूसरे की बोली नहीं समझते थे. उंगलियों से इशारा करके उन्होंने अपने चारों के पास के सब दाम विरम जमा किए, इसलिए कि उससे कुछ खाना खरीदें. पर सबाल हुआ कि क्या चीज खरीदी जाय. अरब ने कहा कि 'अनब' खरीदा जाय. तुर्क ने गुर्गकर कहा 'उजम' खरीदो. ईरानी ने कहा 'अंगूर' खरीदना चाहिए. रूमी ने कड़क कर कहा 'अस्ताकील' लिये जायें. वे मगड़ने लगे. आँखें लाल हो गईं. मुट्टियाँ मिचने लगीं. हाथापाई की नौबत आ गई. इतने में एक फेरी लगाकर फल बेचने वाला पास से निकला. इस तरह के फेरी लगाने वाले आम तौर पर बहुत सी जवानों के खास खास शब्दों से वाकिफ होते हैं. उन्हें तरह तरह के गाहकों से वास्ता पड़ता है. उन चारों के बीच में जाकर उसने अपना टोकरा जिसमें जीवन का मेवा भरा हुआ था उनके सामने खोलकर रख दिया. मुट्टियाँ ढीली पड़ गईं. आँखें नरमा गईं. आवाज में मिठास आ गई, चेहरे मुस्कुराने लगे. चारों को उस टोकरे के अंदर अपनी दिल चाही चीज दिखाई दे गई. अरबी अनब, तुर्की उजम, ईरानी अंगूर, रूमी अस्ताकील, पहलवी दाख, संस्कृत द्राक्ष और अंग्रेजी ग्रेप सबके एक ही मानी हैं, सब एक ही मीठे फल को जाहिर करते हैं.

हम में से हरेक ने दूसरों को बाहर रखने के लिए अपने चारों तरफ एक दायरा खींच लिया है. हमारे अपने दायरे से बाहर सब हमें नास्तिक, काफिर, मलेच्छ और गौर दिखाई देते हैं. प्रेम ने ज्ञान के साथ मिलकर एक बड़ा दायरा खींचा जिसके अंदर सब छोटे दायरे समा गए. सूफी कहता है कि :—

फ़क़त तफ़ावत है नाम ही का,
दर अस्त सब एक ही हैं, यारो !
जो आबे साफ़ी कि मौज में है,
उसी का जलवा हवाब में है !

यानी केवल नामों का फ़रक़ है. ऐ यारो ! हकीक़त में सब एक हैं. जो साफ़ पानी दरिया की लहर में चमक रहा है उसी की चमक बुलबुले के अंदर भी है.

प्यारे भाइयो और बहनो ! कहाँ कहाँ से, कोई दूर से और कोई नज़दीक से आकर हम यहाँ ज़िन्दगी की राह पर मिल गए हैं. हम सब भूखे और प्यासे हैं. सबको उस खाने और उस पानी की ज़रूरत है जो हमें सच्ची ज़िन्दगी दे सके. वह खाना और पानी 'प्रेम' है. यह प्रेम आदमी के अपने अंदर उबलता है, पर उस समय उबलता है जब आदमी इस बात को महसूस करने लगे कि एक ही जान, एक ही परमात्मा सब जगह और घट घट के अंदर मौजूद है. पर हममें से बहुत सों के अंदर अभी सच्ची प्यास की कमी है.

शुकी मले. وہ ایک دوسرے کی بولی نہیں سمجھتے تھے. آنکلوں سے اشارہ کر کے انہوں نے اپنے چاروں کے پاس کے سب دام درم جمع کئے. اس لئے کہ اس سے کچھ کھانا خریدیں. پر سوال ہوا کہ کیا چیز خریدی جائے. عرب نے کہا کہ 'عنب' خریدا جائے. ترک نے غرا کر کہا 'عظم' خریدو. ایرانی نے کہا 'انگو' خریدنا چاہئے. رومی نے ٹوک کر کہا اُسطافیل لئے جانیں. وہ جھگڑنے لگے. آنکھیں لال ہو گئیں. منہاں بیچنے لگیں. ہاتھ پائی کی نوبت آگئی. اِنہ میں ایک پھری لگا کر پھل بیچنے والا پاس سے نکلا. اِس طرح کے پھری لگانے والے عام طور پر بہت سی زبانوں کے خاص خاص شبدوں سے واقف ہوتے ہیں. انہیں طرح طرح کے گلفوں سے واسطہ پڑتا ہے. اُن چاروں کے بیچ میں جاکر اس نے اپنا ٹوکرا جس میں جیوں کا میوہ بھرا ہوا تھا اُن کے سامنے کھول کر رکھ دیا. منہاں ڈھیلی پڑ گئیں. آنکھیں نرم گئیں. آواز میں مٹھاس آگئی. چہرے مسکرائے گئے. چاروں کو اُس ٹوکرے کے اندر اپنی دل چاہی چیز دکھائی دے گئی. عربی 'عنب' ترکی 'عظم' ایرانی 'انگو' رومی 'اُسطافیل' پہلوی 'داکھ' سلسکرت 'دراکھ' اور انگریزی 'گریپ' سب کے ایک ہی معنی ہیں 'سب ایک ہی میٹھے پھل کو ظاہر کرتے ہیں.

ہم میں سے ہر ایک نے دوسروں کو باہر رکھنے کے لئے اپنے چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ لیا ہے. ہمارے اپنے دائرے سے باہر سب ہمیں 'ناستک' کا ذر' ملےچھ اور غیر دکھائی دیتے ہیں. پریم نے گیان کے ساتھ مل کر ایک بڑا دائرہ کھینچا جس کے اندر سب چھوٹے دائرے سما گئے.

صوفی کہتا ہے کہ:—

نقط تفاوت ہے نام ہی کا
دراصل سب ایک ہیں، یارو !
جو آب صافی کہ موج میں ہے
اُسی کا جلوہ حباب میں ہے !

یعنی کیول ناموں کا فرق ہے. اے یارو ! حقیقت میں سب ایک ہیں. جو صاف پانی دریا کی لہر میں چمک رہا ہے اُسی کی چمک ہلے کے اندر بھی ہے.

پیارے بھائیو اور بہنو ! کہاں کہاں سے، کوئی دور سے اور کوئی نزدیک سے آکر ہم یہاں زندگی کی راہ پر مل گئے ہیں. ہم سب بھوکے اور پیاسے ہیں. سب کو اُس کھانے اور اُس پانی کی ضرورت ہے جو ہمیں سچی زندگی دے سکے. وہ کھانا اور پانی 'پریم' ہے. یہ پریم آدمی کے اپنے اندر اُبلتا ہے، پر اُس سے اُبلتا ہے جب آدمی اُس بات کو محسوس کرے کہ ایک ہی پرماں سب جگہ اور گھٹ گھٹ کے اندر موجود ہے. پر ہم میں سے بہت سوں کے اندر ابھی سچی پیاس کی کمی ہے.

میلانا روم نے کہا ہے :—

“پانی मत دूँद, पहले अपने अंदर प्यास पैदा कर. जब सच्ची प्यास पैदा होगी तो पानी अपने आप तेरे आगे और पीछे, ऊपर और नीचे फव्वारों की तरह फूटने लगेगा.”

بڑے لوگ جنکے دل دیا اور پریم سے لبالب بھرے تھے، جن کے لئے کوئی غیر نہ تھا، بڑے بڑے دھرموں کی پاک کتابوں کو لکھنے اور ترتیب دینے والے، جواب بھی ہمیشہ پریم کے ساتھ منشیہ جاتی پر اسی طرح نگاہ رکھتے ہیں جس طرح ماٹیں اپنے چھوٹے بچوں پر نگاہ رکھتی ہیں، وہ بڑے لوگ ہمارے لئے جیوں کے اچھے سے اچھے مہوں اور مہنت سے مہنت پھلن کے باغ لگا کر چھوڑ گئے ہیں۔ اُن کی لگائی ہوئی انکوروں کی بیلیں بارہ ماسی بیلیں ہیں۔ اُن کے انکور جتنے ادھک توڑے جاویں اُنہی ہی پھلتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ اُن کی اِن سدا بہار بیلیوں سے ہم نے کچھ گچھے چن کر جمع کر دیئے ہیں، تاکہ سب اُن میں برابر کا حصہ بٹا سکیں، سب اُن کا اُند لے سکیں۔ اور جب کبھی ہم باہر پردیس جاویں یا اپنے اپنے گھروں کو لوٹیں تو اِن پھلوں کی مٹھاس ہماری زبانوں اور ہمارے ہونٹوں پر بنی رہے۔ ہم جہاں جاویں اِس ایکٹا اور پریم کے سندھ بیج ہمارے ساتھ ہوں اور ہم یہاں وہاں اور سب جگہ اِن بیجوں کو بکھیرتے رہیں۔

ایک ہندستانی سنت نے کہا ہے :—

“اب ہوں کسوں بئر کروں،
”گھٹ گھٹ پکارت پر بہو نیچ مکہ تے
”گھٹ گھٹ ہوں وھروں،
”آپ سمان سبے جک لیکھنوں،
”بھکتن ادھک دتوں،
”اب ہوں کسوں بئر کروں۔“

کبیر صاحب نے کہا ہے :—

”گھٹ گھٹ رمتا رام رمتا۔“

کلک بچن مت بول ! تو ہے رام ملیں گے۔“

ایک انگریز کوئی نے کہا ہے :—

“So many castes, so many creeds,
“So many paths that wind and wind,
“When all, the sad world needs,
“Is the art of being kind !”

یعنی بہت سی جات پات ہیں، بہت سے الگ الگ دھرم ہیں، بہت سے راستے ہیں جن پر لوگ چکر کھاتے رہتے ہیں۔ پر اُس دکھی دنیا کو جس ایک چیز کی ضرورت ہے وہ ہے سب کے ساتھ پریم کا برتاؤ !

سب کے ساتھ پریم کا برتاؤ کرنا تبھی اُسکا ہے جب ہم محنت کے ساتھ اُس بڑی سچائی کو اپنے دلوں

میلانا روم نے کہا ہے :—

“پانی मत दूँद, पहले अपने अंदर प्यास पैदा कर. जब सच्ची प्यास पैदा होगी तो पानी अपने आप तेरे आगे और पीछे, ऊपर और नीचे फव्वारों की तरह फूटने लगेगा.”

بڑے لوگ جنکے دل دیا اور پریم سے لبالب بھرے تھے، جن کے لئے کوئی غیر نہ تھا، بڑے بڑے دھرموں کی پاک کتابوں کو لکھنے اور ترتیب دینے والے، جواب بھی ہمیشہ پریم کے ساتھ منشیہ جاتی پر اسی طرح نگاہ رکھتے ہیں جس طرح ماٹیں اپنے چھوٹے بچوں پر نگاہ رکھتی ہیں، وہ بڑے لوگ ہمارے لئے جیوں کے اچھے سے اچھے مہوں اور مہنت سے مہنت پھلن کے باغ لگا کر چھوڑ گئے ہیں۔ اُن کی لگائی ہوئی انکوروں کی بیلیں بارہ ماسی بیلیں ہیں۔ اُن کے انکور جتنے ادھک توڑے جاویں اُنہی ہی پھلتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ اُن کی اِن سدا بہار بیلیوں سے ہم نے کچھ گچھے چن کر جمع کر دیئے ہیں، تاکہ سب اُن میں برابر کا حصہ بٹا سکیں، سب اُن کا اُند لے سکیں۔ اور جب کبھی ہم باہر پردیس جاویں یا اپنے اپنے گھروں کو لوٹیں تو اِن پھلوں کی مٹھاس ہماری زبانوں اور ہمارے ہونٹوں پر بنی رہے۔ ہم جہاں جاویں اِس ایکٹا اور پریم کے سندھ بیج ہمارے ساتھ ہوں اور ہم یہاں وہاں اور سب جگہ اِن بیجوں کو بکھیرتے رہیں۔

ایک ہندستانی سنت نے کہا ہے :—

“اب ہوں کسوں بئر کروں،
”گھٹ گھٹ پکارت پر بہو نیچ مکہ تے
”گھٹ گھٹ ہوں وھروں،
”آپ سمان سبے جک لیکھنوں،
”بھکتن ادھک دتوں،
”اب ہوں کسوں بئر کروں۔“

کبیر صاحب نے کہا ہے :—

”گھٹ گھٹ رمتا رام رمتا۔“

کلک بچن مت بول ! تو ہے رام ملیں گے۔“

ایک انگریز کوئی نے کہا ہے :—

“So many castes, so many creeds,
“So many paths that wind and wind,
“When all, the sad world needs,
“Is the art of being kind !”

یعنی بہت سی جات پات ہیں، بہت سے الگ الگ دھرم ہیں، بہت سے راستے ہیں جن پر لوگ چکر کھاتے رہتے ہیں۔ پر اُس دکھی دنیا کو جس ایک چیز کی ضرورت ہے وہ ہے سب کے ساتھ پریم کا برتاؤ !

سب کے ساتھ پریم کا برتاؤ کرنا تبھی اُسکا ہے جب ہم محنت کے ساتھ اُس بڑی سچائی کو اپنے دلوں

ایک ہندوستانی سنت نے کہا ہے :—

“अब हौं कासों बैर करौं,
”कहत पुकारत प्रभु निज मुखते
”घट घट हौं विहरौं,
”आप समान सबै जग लेख्यौं,
”भक्तन अधिक डरौं,
”अब हौं कासों बैर करौं“

کبیر ساہب نے کہا ہے :—

“घट घट रमता राम रमैया

“कटुक बचन मत बोल ! तोहे राम मिलेंगे.”

ایک انگریز کوی نے کہا ہے :—

“So many castes, so many creeds,
“So many paths that wind and wind,
“when all, the sad world needs,
“Is the art of being kind !”

یانی बहुत सी जात पात हैं, बहुत से अलग अलग धर्म हैं, बहुत से रास्ते हैं जिन पर लोग चक्कर खाते रहते हैं. पर इस दुखी दुनिया को जिस एक चीज की जरूरत है वह है सब के साथ प्रेम का बरताव !

सब के साथ प्रेम का बरताव करना तभी आ सकता है जब हम मेहनत के साथ इस बड़ी सच्चाई को अपने दिलों

اور دمہلیں میں جمالیں کہ ایک ہی ہے انت، انت اور وہ ایک
 آتیا ہمارے اپنے اور سب کے اندر رمی ہوئی ہے۔ جیوں کا ایک
 سمبلیز ہے جو لگانا بہ رہا ہے۔ وہی پریم ہے، وہی ایشور ہے، پریم
 ہی ایشور ہے، ایشور پریم ہے، دیوں کہ ایشور سب کے اندر موجود
 ہے۔ اس ایکتا کو انوہو کرنا ہی ایشور بھگتی یا عشق حقیقی
 ہے۔

اُپنشد میں لکھا ہے :—

’ایدا چرم و آو کشم . ویشٹ اشیفتی مانواہ

”ندا دیوم آو گیائے دہسیتہ انتو بہر شہتی“

یعنی جس دن لوگ مارے آکلش کو ایک چٹائی کی طرح لپٹ کر اپنے ہاں میں لے لیئے اُس دن یہی دن سب کے اندر ایک ایسور کو دیکھے دنیا کے دکھ کا انت ہو سکیگا ۔

صوفی کہتا ہے :-

”شاد باش! اے عشق! خوش سوداے ما!

”اے دو آنے جملہ علمتھائے ما ا

”اے علیؑ نخوت و ناموس ما ا

”آء تو اطلالون و جالهنوس ما !

”وید“ اوستا“ القرآن“ انجیل“ نیز“

”لعبه“ و ”بتخانه“ و ”آتشکده“

”قلب من“ مقبول کردہ جملہ چیز‘

”جسے مراجز عشق نے دیگر خدا!“

یعنی اے میرے پیارے باگن پن ! آے پریم ! خوش رہو۔
تم ہی میری ساری بیماریوں کی دوا ہو ! تم ہی میرے گہمزد
اور میری خردی کا علاج ہو ! میرے اندر کے روگوں کے لئے تم
افلاطون فلاسفر ہو اور تم ہی میری باہر کی بیماریوں کے لئے
جالینوس حکیم ہو ! وید، زند اوستا، قرآن، انجیل، کعبہ،
ہت خانہ اور آتشکدہ، میرے دل نے ان سب کو اپنا لیا ہے،
چونکہ میرے لئے اب سوا 'پریم' کے اور کوئی مذہب ہی
نہیں رہا۔

شیخ سعدی نے اپنی مشہور کتاب 'مقامیماں' میں لکھا ہے: —

”قابہ امروختیم ابجد عشق

”رقم غیر ازین نمی دانیم

”کہ ہر چشما دار دل مہیں جز دوست

”عجبه پدنی، بدان که مظهر اوست !

”حوں، کہ واقف شدیم ز پندہ راز

پیش رویم
قرآنہ میگوئیم

”یہ ہے چشمہ دل مہیوں جز دوست

”وہ جہ بیٹے ہمارے کے مظهر اوست!“

یعنی جب کہ ہم نے پریم کی افہمے، تے پوئی ہے تب سے سوا اسی ایک بات کے ارد نوئی بات ہم جانتے ہی نہیں کہ دل کی آنکھوں سے کسی کو بھی سوائے درست کے

اور کچھ نہیں دیکھا چاہئے۔ جو کچھ تو دیکھتا ہے سمجھ لے کہ سب اسی ایک ایشور کا جلوہ ہے۔ جب سے ہم بھید کے پردے سے واقف ہوئے ہیں تب سے ہر دم ہم یہی راگ گڑھے ہیں کہ دل کی آنکھوں سے کسی کو بھی سوائے دوست کے اور کچھ نہیں دیکھنا چاہئے۔ جو کچھ تو دیکھتا ہے سمجھ لے کہ سب اسی ایک ایشور کا جلوہ ہے۔

’ورلڈ فیلوشپ آف فیتھس‘ میں جو کچھ سب دھرموں کی طرف سے لکھا گیا تھا اوسکا مطلب یہ ہے :—

”دنیا کے سب رہنے والے भाई भाई ہیں !

”سب کے بھلے میں ہرے کا بھلا ہے۔

”سب کا نیکاس ایک سے ہے، ایک ईश्वर سب کا ईश्वर ہے۔

”ایک کانون سب کے ऊपर ہے۔

”ایک منجیل سب کے سامنے ہے۔

”ایک جیون سب کو لپٹے ہے۔

”سب کا راستا پریم ہے۔

”لوم، لالچ، ڈر، غمناک اور نافرست

”ہنہونے बहुत दिनों हमें वीरान किए रक्खा,

”ہنکا राज अब खतम हुआ.

”نسل، رنگ، سंप्रदाय और जात पात,

”सब एक बीते हुए बुरे सपने की तरह मुरझा गए.

”आदमी ने आखिर जागकर यह सीख लिया

”कि सबके अंदर एक ही जान है !”

وہ جس سے میں سب کی طرف سے نیچے لکھی پڑھتا ہوں
گئی تھی :—

”अमन और खुशहाली लोगों में फिर से वापस आ जाँ !

”सब मिलकर काम करें, एक प्रेम सब को बाँधे हुए हो !

”एक भाई चारा सबको लिए हुए हो, सबको धीरज हो !

”सबमें आत्म संयम का बल हो !

”सब एक दूसरे की पिछली बातों को भूल जाँ,

”सब सबके भविष्य को बनाना अपना पोक कर्ज समझें,

”अमन और खुशहाली सब में लौट आवें !”

कुरान में ईश्वर سے प्रार्थना की गई है :—

”اھدینس سیراتلے مستحکم”

یانی ہے ईश्वर ! हम सबको सीधी राह दिखता.

वेद में लिखा है :—

”अग्ने ! नय सुपथा !”

یانی ہے ईश्वर हमें सीधे रास्ते पर ले चल !

महाभारत में लिखा है :—

”सर्वस्तरतु दुर्गाणि सर्वो भद्राणि पर्यतु !

”सर्वः सद् बुद्धिमाप्रोतु सर्वः सर्वत्र नंदतु !”

یانی سب अपनी अपनी कठिनाइयों का पार कर सकें,
सबको भलाई ही भलाई दिखाई दे, सबको नेक समझ हो,
और सब सब जगह खुश रहें ! यही सीधा रास्ता है.

ओम् ! आमीन ! एमन !

’ورلڈ فیلوشپ آف فیتھس‘ میں جو کچھ سب دھرموں کی طرف سے لکھا گیا تھا اوسکا مطلب یہ ہے :—

”دنیا کے سب رہنے والے भाई भाई ہیں !

”سب کے بھلے میں ہر ایک کا بھلا ہے۔

”سب کا نکاس ایک سے ہے، ایک ایشور سب کا ایشور ہے۔

”ایک فائرن سب کے اوپر ہے۔

”ایک منزل سب کے سامنے ہے۔

”ایک جیون سب کو لپٹے ہے۔

”سب کا راستہ پریم ہے۔

”لوم، لالچ، ڈر، غمناک اور نفرت

”ہنہونے बहुत दिनों हमें वीरान कئے رکھا,

”ہن کا राज अब ختم ہوا.

”نسل، رنگ، سंप्रदाय اور जात पात,

”सब एक बीते हुए बुरे सपने की तरह मुरझा گئے.

”آدمی نے آخر جاگ کر یہ سیکھ لیا

”کہ سب کے اندر ایک ہی جان ہے !”

اُس جیسے میں سب کی طرف سے نیچے لکھی پڑھتا ہوں
گئی تھی :—

”अमन और خوشحالی لوگوں میں پھر سے واپس آجائیں !

”सब मिल कर काम करें, एक प्रेम सब को बाँधे हुए हो !

”एक भाई चारों सबको लिए हुए हो, सबको धीरज हो !

”सबमें आत्म संयम का बल हो !

”सब एक दूसरे की पिछली बातों को भूल जाँ,

”सब सबके भविष्य को बनाना अपना पोक कर्ज समझें !

”अमन और खुशहाली सब में लौट आویں !”

قرآن میں ایشور سے پڑھتا ہوں گئی ہے :—

”اھدنا الصراط المستقیم !”

یعنی ہے ایشور ! ہم سب کو سیدھی راہ دکھا !

وید میں لکھا ہے :—

”اگنے ! نئے سہتا !”

یعنی ہے ایشور ہمیں سیدھے راستے پر لے چل !

مہابھارت میں لکھا ہے :—

”सर्वस्तरतु दुर्गाणि सर्वो भद्राणि पर्यतु !

”सर्वः सद् बुद्धिमाप्रोतु सर्वः सर्वत्र नंदतु !”

یعنی سب اپنی اپنی دشمنائیوں کو پار کر سکیں،

بھلائی ہی بھلائی دہائی دے، سب کو نیک سمجھ ہو، اور سب

سب جگہ خوش رہیں ! یہی سیدھا راستہ ہے۔

اوم ! آمین ! آمین !

شری हरिवल्लभ परीख

شروی هروللبه پریکھ

[लेखक सितम्बर 1954 में शुमेच्छु मंडल के सदस्य की हैसियत से चीन गये थे. इस लेख में उनका भाँखों देखा वर्णन है—एडीटर]

[लिखक सتمبر 1954 میں شوہیچھو منڈل کے سدسبہ کی حیثیت سے چین گئے تھے . اس لیکم میں ان کا آنکھوں دیکھا ورنن ہے—اڈیٹر .]

आपके पास कितनी जमीन है ? 2.6 माउ के हिसाब से 15 माउ जमीन है. मुस्कराते हुये दक्षिण चीन के एक बौध मठाधीरा ने कहा. चीन में आप कहीं भी चले जाइये पूर्व से पश्चिम तक और उत्तर से दक्षिण तक जमीन के बारे में आप चाहे किसान से पूछें, जमीनदार से पूछें, संत या महंत से पूछें—एक ही जबाब मिलेगा, 2.6 माउ. इस 2.6 माउ में क्या कमाल है, यह हमें विस्तार से समझना होगा.

चीन के भूमि सुधार आन्दोलन को हमें दो हिस्सों में बांटना होगा—एक जमीन का फिर से समान बटवारा और दूसरा ज्यादा पैदावार. अब हम इन दोनों सबालों पर सिलसिले बार विचार करें.

चीन भारत की तरह खेती प्रधान देश है. चीन की 60-70 फीसदी जनता खेती पर ही गुजारा करती है. स्वाभाविक रूप से चीन के नेताओं ने जमीन के सबाल को सबसे पहले हाथ में लिया. उनका ऐसा करना मुनासिब और जरूरी था. किसी भी लोकशाही सरकार के अपने बहुजन समुदाय की मांगों को उनके सुख दुःख को समझने व सुलझाने की कोशिश सबसे पहले करनी ही चाहिये.

जनता का जीवन जमीन के साथ जुड़ा हुआ था. जमीन अधिकतर जमीनदारों के हाथ में थी. जमीन पर मजदूरी करने वाले किसानों को तबाह करने व शोषण करने के अनेक अधिकार भी जमीनदारों को हासिल थे. यारज यह कि साधन सम्पत्ति और हुकूमत पर जमीनदारों का कब्जा था. यही जरिया था जिससे वह चीन की मेहनतकश जनता का बेरोक टोक शोषण कर सकते थे.

1949 में लोकराज कायम हुआ. उसने अपनी जमीन सम्बन्धी नीति साफ की. जमीनदारों की सदियों से चली आती ताकत को यह सबसे बड़ी चुनौती थी. सियासी ताकत लोगों के हाथ में आ चुकी थी. हुकूमत पर जनता ने अधिकार पा लिया था. अब सबाल साधन और दौलत

आप के पास कتنی زمين ھے ؟ 2.6 ماؤ کے حساب سے 15 ماؤ زمين ھے مسکراتے ہوئے دکھن چین کے ایک بونہ مٹھا دھیش نے کہا . چین میں آپ کہیں بھی چلے جائیے پورب سے پچھم تک اور اتر سے دکھن تک زمین کے بارے میں آپ چاہے کسلی سے پوچھیں ' زمیندار سے پوچھیں ' سنت یا مہنت سے پوچھیں ' ایک ہی جواب ملے گا—2.6 ماؤ . اس 2.6 ماؤ میں کیا کمال ھے ' یہ ہمیں وستار سے سمجھنا ہو گا .

چین کے بھومی سدھار آندولن کو ہمیں دو حصوں میں بانٹنا ہوگا—ایک زمین کا پھر سے سمان بٹوارہ اور دوسرا زیادہ پیداوار . اب ہمارے دونوں سوالوں پر سلسلے وار وچار کریں .

چین بھارت کی طرح کھیتی پردھان دیش ھے . چین کی 60-70 فیصدی جنتا کھیتی پر ہی گزارہ کرتی ھے . سواہیادک روپ سے چین کے فیتاؤں نے زمین کے سوال کو سب سے پہلے ہاتھ میں لیا . ان کا ایسا کرنا مناسب اور ضروری تھا . کسی بھی لوک شاہی سرکار کے اپنے بھوجن سمودایہ کی مانگیں کو ان کے سکھ دکھ کو سمجھنے و ساجھانے کی کوشش سب سے پہلے کرنی ہی چاہئے .

جنتا کا جیون زمین کے ساتھ جڑوا ہوا تھا . زمین اھمک تر زمینداروں کے ہاتھ میں تھی . زمین پر مزدوری دینے والے کسانوں کو تباہ کرنے و شوشن کرنے کے انیک ادھیکار بھی زمینداروں کو حاصل تھے . غرض یہ کہ سادھن ' سمپتی اور حکومت پر زمینداروں کا قبضہ تھا . یہی ذریعہ تھا جس سے وہ چین کی محنتکش جنتا کا پوروک ٹوک شوشن کرسکتے تھے .

1949 میں لوک راج قائم ہوا . اس نے اپنی زمین سمبندھی نہتی صاف کی . زمینداروں کی صدیوں سے چلی آتی طاقت کو یہ سب سے بڑی چنوتی تھی . سیاسی طاقت لوگوں کے ہاتھ میں آچکی تھی . حکومت پر جنتا نے ادھیکار پا لیا تھا . اب سوال سادھن اور دولت

کو जनता के हाथ में पहुंचाने का था. 1949 से ही चीनी अगुवाओं ने ज़मीन के प्रश्न पर जनमत तैयार करना शुरू कर दिया था. 1950 में ज़मीन सुधार कानून बना दिया. इस कानून में ज़मीन सम्बन्धी सारे प्रश्नों पर क्रान्तिकारी तरीके से विचार किया गया. ज़मीन पर जोतने वाले का अधिकार, समान रूप से माना गया. आज तक के ज़मीन सम्बन्धी पुरतैनी अधिकारों को इससे ज़बरदस्त चोट पहुंची. यहां एक महत्वपूर्ण सवाल खड़ा होता है. 1950 में इसे कानून का रूप देने में चीनी अगुवाओं ने जल्दबाजी से काम लिया है क्योंकि एक वर्ष में जनमत तैयार होना संभव नहीं माना जाता. यह प्रश्न सब को सूझेगा. हमने भी इस सवाल की सफाई मांगी. इसकी सफाई मैं आपको चीन के महान किसान नेता और मौजूदा लोकराज के कृषि मंत्री के मुख से सुनाऊंगा. कृषि मंत्री श्री लियाओ-दू-मेन ने बताया :--

“लोगों का मन बदले बिना कोई कानून कारगर साबित नहीं हो सकता, और इस ज़मीन सम्बन्धी कानून को तो उन सदियों पुरानी परम्परा का विरोध करना था जो अबाधित रूप से आज तक सत्ता पर आसीन थी. इसका मुकाबला जन जाग्रति के बिना असंभव था. सिर्फ कानून बनाकर हम इस सवाल का हल नहीं पा सकते थे. मैं यहां एक चीज साफ करना चाहूंगा. ज़मीन सुधार कानून के लिये लोकमत अनुकूल था काफ़ी से ज्यादा. मैं आगे चलकर यह भी कहना चाहूंगा कि लोक या जनता का अर्थ जिस देश के शब्दकोश में आम जनता, करोड़ों मेहनतकश किसान मजदूर होता हो, उन सब देशों में जीवन के इस बुनियादी हक को हासिल करने के लिये जनमत एकदम अनुकूल है. यह दूसरा सवाल है कि कहीं इसे हल करने वाला नेतृत्व शोरदार रहा हो, कहीं कमजोर, कहीं इस अधिकार में हकाबट डालने वाले सत्ताधारी हैं, कहीं इनकी सत्ता टूटती जा रही है. प्यासों की जमात को यह पूछना कि आपका मत पानी पीने का हो तो आपको पानी दिया जायेगा, इसमें जितनी अत्रलमन्दी है, उतनी ही अत्रलमन्दी इस दलील में है कि जनमत तैयार होने पर जोतने वाले मेहनतकश मजदूरों को ज़मीन दिलाने का कदम उठाया जायेगा. रोटी जन साधारण की बुनियादी ज़रूरत है. इसे पूरा करने के लिये ज़मीन का जातने वाले के पास होना भी उतना ही ज़रूरी है. जब उसे ज़मीन मिलती है तो जनता का खुश होना और उसके उत्साह में बढ़ती होना स्वाभाविक ही है. इसीलिये हमने एक वर्ष में ही कानून बनाया. इसका इतिहास बहुत पुराना है. जन आन्दोलन के इतिहास के साथ साथ इसका इतिहास चला है. इस प्रश्न पर हमारा तज़रिया बरसों पहले तय हो चुका था. जनता के

को जितने हाथों में پہنچانے کا تھا. 1949 سے ہی چینی اگواؤں نے زمین کے پرشن پر جنمت تیار کرنا شروع کر دیا تھا. 1950 میں زمین سدھار قانون بنا دیا. اس قانون میں زمین سبندھی سارے پرشنوں پر کرانتکاری طریقے سے وچار کیا گیا. زمین پر جوٹنے والے کا ادھیکار، سمان روپ سے مانا گیا. آج تک کے زمین سبندھی پشتینی ادھیکاروں کو اس سے زبردست چوت پہنچی. یہاں ایک مہتمیون سوال کھڑا ہوتا ہے. 1950 میں اسے قانون کا روپ دینے میں چینی اگواؤں نے جلدی بازی سے کام لیا ہے کیونکہ ایک برس میں جنمت تیار ہونا سمبھو نہیں جانا جاتا. یہ پرشن سب کو سوچھ گا. ہم نے یہی اس سوال کی صفائی مانگی. اس کی صفائی میں آپ کو چین کے یہاں کسان نہتا اور موجودہ لوک راج کے کرسی منتری کے مکے سے سناؤں گا. کرسی منتری شری لیا او. ہو. میں نے بتایا:—

”لوگوں کا من بدلے بنا کوئی قانون کرگر ثابت نہیں ہو سکتا، اور اس زمین سبندھی قانون کو تو ان صدیوں پرانی پرمرہا کا وردھ کرنا تھا جو اہادعت روپ سے آج تک ستا پر آسہن تھی. اس کا مقابلہ جن جاگرتی کے بنا آسہو تھا. صرف قانون بناکر ہم اس سوال کا حل نہیں پا سکتے تھے. میں یہاں ایک چیز صاف کرنا چاہوں گا. زمین سدھار قانون کے لئے لوک مت انوکول تھا کافی سے زیادہ. میں آگے چل کر یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ لوک یا جنتا کا ارٹھ جس دیہش کے شبدکوش میں عام جلتا، کروڑوں محنت کش کسان مزدور ہوتا ہو، ان سب دیہشوں میں جیون کے اس بنیادی حق کو حاصل کرنے کے لئے جنمت ایک دم انوکول ہے. یہ دوسرا سوال ہے کہ کہیں اسے حل کرنے والا نیقترتو زوردار رہا ہو کہیں کمزور، کہیں اس ادھیکار میں رکاوٹ ڈالنے والے ستادھاری ہیں، کہیں ان کی ستا ٹوٹتی جا رہی ہے. پیاسوں کی جماعت کو یہ پوچھنا کہ آپ کا مت پانی پینے کا ہو تو آپ کو پانی دیا جائے گا، اس میں جتنی عقلمندی ہے، اتنی ہی عقلمندی اس دلیل میں ہے کہ جنمت تیار ہونے پر جوٹنے والے محنت کش مزدوروں کو زمین دلانے کا قدم اٹھا یا جائے گا. روٹی جن سدھارن کی بنیادی ضرورت ہے. اسے پورا کرنے کے لئے زمین کا جوٹنے والے کے پاس ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے. جب اسے زمین ملتی ہے تو جنتا کا خوش ہونا اور اس کے اتساہ میں بڑھتی ہونا سرباھارک ہی ہے. اس لئے ہم نے ایک برس میں ہی قانون بنا یا. اس کا اتبھاس بہت پرانا ہے. جن آندولن کے اتبھاس کے ساتھ ساتھ اس کا اتبھاس چلا ہے. اس پرشن پر ہمارا نظریہ برسوں پہلے طے ہو چکا تھا. جنتا کے

سامنے ساکھ تھا۔ اسی لئے زمین ہمارے کا قانون اتنا سہل ہو سکا اور لوگ پرہیز بنا۔ جنت ہمارے ساتھ ہے۔ یہی اس کا سب سے بڑا پرمان ہے۔“

اس چتر لوگ نایک کی بات سے ہمیں چین کی بھومی کو آگے کی پوزیشن مل جاتی ہے۔ اب ہم اس بھومکا کی روشنی میں ان ساری باتوں کی جانچ پڑتال کر سکیں گے جو اس اندولن کے کارن آپسٹھت ہوئیں؛ مثلاً زمینداروں کے آپسٹھت کیا پروڈکٹ ہوا؟ دہلی کسانوں نے کسکا ساتھ دیا؟ غریب کسانوں، مزدوروں و ادیبوں کے لئے کس طرح سگھت ہوکر کرشمہ کی؟ شہر کی بدھ جیویوں نے دیہاتی شہر جمہوں کے اس اندولن کو کیسے اپنایا؟ 11 کروڑ 50 لاکھ ایکڑ زمین کس طرح بے زمین و کم زمین کسانوں میں بانٹی گئی؟

سب سے پہلے چین کے آگواواؤں نے ملک کے سامنے ایک بات پیش کی۔ اسی میں انہوں نے صاف بتایا کہ جب تک غلہ کی پیداوار دیش میں بڑھے گی نہیں تب تک دیش میں اودبویگی کرن کبھی سہل نہیں ہو سکے گا۔ دیش کی خوشحالی کا پورا دارومدار غلہ کی پیداوار پر ہے۔ ان اتھان بڑھے تو ہی دیش کا جیون مان بڑھے گا۔ جیون مان کے بڑھنے سے جنتا کی مانگیں بڑھیں گی اور انہیں پورا کرنے کے لئے اودبویگی کرن ضروری ہوگا اور سہل بھی۔ اس لئے زمین سدھار آندولن کو سہل بنانے میں ہمیں جی جان سے جت جانا چاہئے اس اپیل کا چینی جنتا نے سواکت کیا اور ہر دے سے اس کام کو پورا کرنے میں سب کدھے سے کدھا ملا کر چٹ گئے۔ پانچ پچیس نہیں، سو ہزار نہیں، 30-30 لاکھ مرد عورتوں نے جن میں مل مزدور سے لگا کر مل کے منیجر بھی شامل تھے، ویدوان تھے، پروفسر تھے، پردھان اور پردھان کی پتنیاں بھی تھیں، ہر ایک طبقے کے بدھجیوی لوگ تھے، اس طرح سب کوئی زمانے کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے میدان میں آ کھڑے ہوئے۔ ان 30 لاکھ سینکڑوں کو کوریا کے لڑائی کے مورچے پر نہیں بھیجا گیا۔ اس مہا فوج کو دھاتوں کی اور کوچ کروایا گیا۔ اس فوج کا نام دیا گیا ”بھومی سدھار دل“۔ ان دلوں کو انیک فکریوں میں بانٹا گیا۔ صوبہ، ضلع، تحصیل و دیہات تک کی یوجنا بنائی گئی۔ ہر ٹولی کو یوجنا پروک حصہ سونپ دیا گیا۔ بھومی سدھار دلوں کام مہیمہ کا تھا دھاتوں میں کسان سپناؤں کی رچنا کرنا۔ ان کسان سپناؤں کو اپنے ادھکار و فرض کا پھان کروانا۔ برسوں سے دیے، کچلے دھاتوں میں ہست پیدا کر کے انہیں آگے بڑھانا، اور زمینداروں کے دانوں بیج سے بچانا۔

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

ہے۔ جو بچے بچے چلنے والے تھے انہوں نے شروع شروع میں اپنی شعلی ہر زمین سدھار آندولن کو ناکامیاب بنانے کی کوشش کی۔ طرح طرح کے پرینچ رچے۔ کہیں کہیں کسان سپاہ کے گریہ کرتاں کو پسے اور استریوں دوارا خرید لیا۔ یہ سب بارے کی تیز دھار کو لائے سے روکے جیسا مورخ پرینٹ ٹامپٹ ہوا۔ وہاں کی جلتا جاگ اٹھی تھی۔ اسے یوگتہ پتہ مل چکا تھا۔ پرانی سماج وپوستہ کو ختم کرنے کے لئے 30 لاکھ سماج سرگرمیوں کا دل بدل کی طرح گرج کر ٹوٹ پڑا تھا۔ پریم اور شکتی کا مانوتا روپی مہاسگر آج آشا کے آکاش پر سے اُتر پڑا تھا۔ آج تک کی نوبل جنتا 30 لاکھ ساتھیوں کے سہارے چلنے کے لئے سبل ہو اُٹھی تھی۔

زمین سدھار دل کے سینک تین تین مہینے تک دوہاتوں میں باری باری سے ٹھہرتے تھے۔ انیک کھٹ جھلٹے تھے۔ جلتا ٹیٹل نوچاگرتی پھیلاتے تھے۔ سرکار کے بھومی سدھار نیٹی کا پورا سام دیتے تھے ملک کس راہ پر جا رہا ہے، جانا چاہتا ہے، اس کی پوری تصویر جنتا کے سامنے پیش کرتے تھے۔

شروع کے دنوں کی کچھ گزری کو چھوڑ کر ادھار زمینداروں نے زمانے کی مانگ کو سمجھ لیا۔ ہوا کے انوکھل اپنے نو بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ کچھ زمیندار اب بھی ایسے باقی تھے جن کا استیقا کسانوں کو اکر رہا تھا۔ جن کو دیکھ کر کسانوں کے دل آگ بکولا ہو اُٹھتے تھے۔ یہ وہ زمیندار تھے جنہوں نے کسانوں کی بہن بیٹیوں کی عزت لوٹی تھی۔ آج بھی ایسی نیک بیٹیاں ان لوگوں کے گھر میں داس کنھاؤں کے روپ میں سرکار کٹ رہی تھیں، ان میں سے کچھ زمینداروں نے انیک بانوں سے ان کے پتر چھین لئے تھے۔ انیک سدھواؤں کو بدھوا ہلایا تھا؛ دو دو چار چار سال کے معصوم بچوں سے ان کے ماں باپ چھین لئے تھے۔ بچوں کو سدا کے لئے اُتار بنا دیا تھا۔ یہ کچھ زمینداروں کا استیتو مکتی کے بعد لوگوں کو حد سے یادہ کھٹنے لگا۔ انہوں نے نئے لوکراج کے سامنے دھول اُڑانے ! درساحس کر کے اپنے سروراش کو ٹیوتا دیا۔ جنتا اور پیناؤں نے محسوس کیا کہ جانم وکس کے مارگ میں یہ بہت سی آچن کھڑی کر رہے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے جنتا کے لوں سے درد اور تر کو نکال پھانکا ہوگا۔ چھٹی نیتاؤں نے ایسے چھ ظالم زمینداروں کو عام سپاہ کے سامنے پیش کیا۔ کسانوں و کہا کہ تیر ہو کر اپنی باتیں پیش کرو۔

ایک استری نے زمیندار کی طرف اُنکلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا ! بولو

جمنی زمیندار کی طرف بٹنگلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا ! بولو

ایک استری نے زمیندار کی طرف اُنکلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا ! بولو

ایک استری نے زمیندار کی طرف اُنکلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا ! بولو

ایک استری نے زمیندار کی طرف اُنکلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا ! بولو

یہ سچ ہے یا نہیں؟“ ایسے کچھ وشیش انتہاچاریوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ زیادہ تر زمینداروں کو سدھرنے کا موقع دیا گیا۔ ان کو بھی 2.6 ماو کے حساب سے زمین دی گئی تاکہ وہ بھی محنت کر کے گزارہ کر سکیں۔ مسجیددار اور اچھے زمینداروں کا گرام وکس ہو جانا میں اہمگ کر لیا گیا۔

زمینداروں کی ادھنکتر جائداد کو بے زمین کسانوں میں بانٹا گیا۔ ضرورت سے زیادہ جو سادھن سہتی تھی وہ بھی ضرورت مندوں کے پاس پہنچائی گئی۔ بٹوارے میں مسجیددار کسانوں کو نہ بہت لایا ہوا اور نہ نقصان۔ غریب کسان اور بے زمین مزدوروں کو جن کی تعداد کافی تھی لایا پہنچا۔ اس پرکار 11 کروڑ 55 لاکھ ایکڑ زمین 30 کروڑ کسانوں میں بانٹی گئی۔ بیکاری و بے روزگاری کی ایک بہت بڑی سمسیا اس سے حل ہو گئی۔ لین دین و بھومی سمبندھی جو بھی کٹنی دستاویز موجود تھے ان سب کی عام جگہ پر ہولی جلائی گئی۔

پورے چین میں کسان سभाओं کی رचना نے نیا उत्साह व साहस पैदा किया, जनता को अपनी शक्ति का खयाल हुआ और यह विश्वास भी पैदा हुआ कि हम भी कुछ कर सकते हैं. अब इन किसान सभाओं का सब से पहला काम था गांव में वर्गीकरण करने का. गांव को मोटे तौर पर पांच वर्गों में बांटा गया. जमीन की समस्या हल करने के लिये वर्गीकरण आवश्यक था :—

1. जमीनदार :—वह जो खुद काशत न करता हो, किन्तु ज्यादा जमीन का मालिक हो.
2. धनी किसान :—वह जो खुद काशत करता हो, किन्तु अधिक जमीन दूसरों को उठवाता हो.
3. मझोला किसान :—जिसके पास जमीन अपनी हो, और किली तरह गुजारा कर लेता हो.
4. गरीब किसान :—नाम मात्र की जमीन हां, काशत करने पर भी जो भूखा रहता हो.
5. जो दूसरों की जमीन पर मजदूरी करते हों और पूरी मेहनत करने पर भी जिन्हें भर पेट रोटी न मिलती हो.

इसके आधार पर ग्राम सभाओं ने 1950 में बने जमीन सुधार कानून के अनुसार बंटवारे का कार्य शुरू किया. यह 1953 तक चलता रहा. आज पूरे चीन में जमीन का समान रूप से बंटवारा हो गया है. 2.6 माउ जमीन हर व्यक्ति को मिली जो बंटवारे के दिन तक ज़िन्दा था या पैदा हो चुका था. इस 2.6 माउ ने जादू का काम किया. यही वह जादू है जिसने चीन की जनता के मुरमाये हुये चेहरों में फिर से जान भर दी. इस क्रान्ति ने जनता में उत्साह पैदा किया. उत्पादन काफी से ज्यादा बढ़ने लगा. 1949 से 1952 में 45 फीसदी उत्पादन बढ़ा. लड़ाई से

1. زمیندار :—وہ جو خود کاشت نہ کرتا ہو، کنتو زیادہ زمین کا مالک ہو.

2. دھنی کسان :—وہ جو خود کاشت کرتا ہو، کنتو ادھک زمین دوسروں کو اٹھواتا ہو.

3. مچھولا کسان :—جس کے پاس زمین اپنی ہو اور کسی طرح گزارہ کر لیتا ہو.

4. غریب کسان :—نام मात्र کی زمین ہو، کاشت کرنے پر بھی جو بھوکا رہتا ہو.

5. جو دوسروں کی زمین پر مزدوری کرتے ہوں اور پوری محنت کرنے پر بھی جنہیں بھر پوت روٹی نہ ملتی ہو.

اس کے آدھار پر گرام سبھاؤں نے 1950 میں بھہ زمین سدھار قانون کے انوسار بٹوارے کا کاریہ شروع کیا. یہ 1953 تک چلتا رہا. آج پورے چین میں زمین کا سمان روپ سے بٹوارہ ہو گیا ہے. 2.6 ماو زمین ہر دیکتی کو ملی جو بٹوارے کے دن تک زندہ تھا یا پیدا ہو چکا تھا. اس 2.6 ماو نے جادو کا کام کیا. یہی وہ جادو ہے جس نے چین کی جنتا کے مرجھائے ہوئے چہروں میں پھر سے جلن بوردی. اس کرانتی نے جنتا میں اُتساہ پیدا کیا. اُتھادن کافی سے زیادہ بڑھنے لگا. 1949 سے 1952 میں 45 فیصدی اُتھادن بڑھا. لڑائی سے

پہلے کے 1937 کے اکرانوں کو لے کر 1952 میں 9 کراسیدی
 उत्पादन बढ़ा. इससे किसानों की खरीद करने की शक्ति में
 76 क्रासदी की बढ़ोतरी हुई. जिन दुकानों पर सिबा जमीन-
 दारों के कोई नफर नहीं आता था वहां आज किसानों के
 मुँह के मुँह जाते हैं.

अब आन्दोलन का दूसरा हिस्सा शुरू होता है जिसे
 इस भूमि सुधार व उत्पादन बढ़ाने वाला हिस्सा कहेंगे. हां,
 तो जमीन का बंटवारा हो जाने से जमीन के बहुत छोटे छोटे
 टुकड़े हो गये. भारत में भूदान आन्दोलन के कारण जमीन
 के टुकड़े टुकड़े हो जायेंगे, और फलस्वरूप देश के उत्पादन
 को नुकसान पहुँचेगा, यह बलील हमारे भारत के अर्थ शास्त्रियों
 ने की थी और बड़ा शोर मचा दिया था. चीन के बंटवारे ने
 यह साबित कर दिया कि बड़े पैमाने पर भी छोटे टुकड़े होने
 से उत्पादन घटता नहीं बढ़ता है. भारत के भूमि आन्दोलन
 का भी यही अनुभव हो रहा है.

समाजवाद का आधार योजना है. वह योजनापूर्वक
 आगे बढ़ता है. जमीन के बंटवारे के मौके पर उसने समाज
 को पांच वर्गों में बांटा. ठीक वैसे ही उत्पादन बढ़ाने के लिये
 भी उसने किसानों को चार विभागों में बांट दिया.

व्यक्तिगत खेती :—जिनके पास पूरे साधन हों, जो
 खुद काशत करते हों, इसमें धनी किसानों का क़रीब क़रीब सारा
 वर्ग शामिल हुआ. उसके लिये यह अनुकूल योजना थी.

सहयोगी दल खेती :—इसे मिच्युअल एंड टीम्स के नाम
 से प्रचारित किया. पुराने छोटे किसान व मजदूरों के पांच
 पांच दस दस कुटुम्बों को इकट्ठा करके उनकी सहयोगी
 टोलियां बनाई गईं. क्योंकि बंटवारे में सब को सब प्रकार
 के साधन व जानवर नहीं मिल सके थे इन टोलियों द्वारा
 वह कमी पूरी की गई. शुरू में गांव में ऐसी एक दो टोलियां
 मुश्किल से बनी थीं. मगर इसकी शान देखकर गांव गांव में
 टोलियों की धूम सी मच गई. कहीं कहीं तो ऐसी 15-20
 टोलियां एक ही देहात में बन गई हैं. जमीन और साधनों
 पर का अधिकार इन दोनों क्रिसम की खेती में किसान का
 ही रहता है. चीन में 60 क्रासदी किसान आज इन सहयोगी
 दलों की खेती में शामिल हैं. व्यक्तिगत खेती से इस सहयोगी
 दल खेती में 20 क्रासदी उत्पादन अधिक बढ़ा है.

खेती उत्पादक सहकारी मंडलियां :—इसमें मगोले
 किसान व पुराने ज़मींदार ज़्यादा शरीक हुए. जो आज
 के पहले खुद काशत नहीं करते थे उनके लिये इसमें शरीक
 होना लाभदायक था. 10, 15 और कहीं कहीं अधिक कुटुम्बों
 की ऐसी मंडलियां हैं. खाद बीज आदि सारी खेती संबंधी बातों
 का ज़्यादा मंडली का व्यवस्थापक मंडल करता है. शामिल
 खेती होती है. उत्पादन को तीन हिस्सों में बांटा जाता है.
 (1) रिज़र्व फंड, जो नये मशीन साधन व खरीदने के काम

ले के 1937 के अकरानों को लें तो भी 1952 में 9 फ़ेसदी
 पैदान बढ़ा. इस से किसानों की खरीद करने की शक्ति में
 76 फ़ेसदी की बढ़ोतरी हुयी. जिन दुकानों पर सबा ज़मींदारों के
 भी नज़र न्हें आता था वहां आज किसानों के जेहद के जेहद
 जाते हैं.

अब आन्दोलन का दूसरा हिस्सा शुरू होता है जसमें हम भूमि
 सुधार व अतपान बज़हाने वाला हिस्सा कहेंगे. हां, तो जमीन
 का बंटवारा हो जाने से जमीन के बहुत छोटे छोटे
 टुकड़े हो गये. भारत में भूदान आन्दोलन के कारण जमीन
 के टुकड़े टुकड़े हो जायेंगे, और फलस्वरूप देश के उत्पादन
 को नुकसान पहुँचेगा, यह बलील हमारे भारत के अर्थ शास्त्रियों
 ने की थी और बड़ा शोर मचा दिया था. चीन के बंटवारे ने
 यह साबित कर दिया कि बड़े पैमाने पर भी छोटे टुकड़े होने
 से उत्पादन घटता नहीं बढ़ता है. भारत के भूमि आन्दोलन
 का भी यही अनुभव हो रहा है.

* समाजवाद का आधार योजना है. वह योजनापूर्वक
 आगे बढ़ता है. जमीन के बंटवारे के मौके पर उसने समाज
 को पांच वर्गों में बांटा. ठीक वैसे ही उत्पादन बढ़ाने के लिये
 भी उसने किसानों को चार विभागों में बांट दिया.

व्यक्तिगत खेती :—जिनके पास पूरे साधन हों, जो
 खुद काशत करते हों, इसमें धनी किसानों का क़रीब क़रीब सारा
 वर्ग शामिल हुआ. उसके लिये यह अनुकूल योजना थी.

सहयोगी दल खेती :—इसे मिच्युअल एंड टीम्स के नाम
 से प्रचारित किया. पुराने छोटे किसान व मजदूरों के पांच
 पांच दस दस कुटुम्बों को इकट्ठा करके उनकी सहयोगी
 टोलियां बनाई गईं. क्योंकि बंटवारे में सब को सब प्रकार
 के साधन व जानवर नहीं मिल सके थे इन टोलियों द्वारा
 वह कमी पूरी की गई. शुरू में गांव में ऐसी एक दो टोलियां
 मुश्किल से बनी थीं. मगर इसकी शान देखकर गांव गांव में
 टोलियों की धूम सी मच गई. कहीं कहीं तो ऐसी 15-20
 टोलियां एक ही देहात में बन गई हैं. जमीन और साधनों
 पर का अधिकार इन दोनों क्रिसम की खेती में किसान का
 ही रहता है. चीन में 60 क्रासदी किसान आज इन सहयोगी
 दलों की खेती में शामिल हैं. व्यक्तिगत खेती से इस सहयोगी
 दल खेती में 20 क्रासदी उत्पादन अधिक बढ़ा है.

खेती उत्पादक सहकारी मंडलियां :—इसमें मगोले
 किसान व पुराने ज़मींदार ज़्यादा शरीक हुये. जो आज
 के पहले खुद काशत नहीं करते थे उनके लिये इसमें शरीक
 होना लाभदायक था. 10, 15 और कहीं कहीं अधिक कुटुम्बों
 की ऐसी मंडलियां हैं. खाद बीज आदि सारी खेती संबंधी बातों
 का ज़्यादा मंडली का व्यवस्थापक मंडल करता है. शामिल
 खेती होती है. उत्पादन को तीन हिस्सों में बांटा जाता है.
 (1) रिज़र्व फंड, जो नये मशीन साधन व खरीदने के काम

जमीन पर एक ही प्रकार का टेक्स लिया जाता है। यह टेक्स अनाज के रूप में इकट्ठा किया जाता है। यह टेक्स उत्पादन के रूप में इकट्ठा किया जाता है। यह टेक्स उत्पादन के 7 से 10 कीसदी तक होता है।

चीनी गाँव की मॉडेली:—किसी भी चीज की सच्ची कल्पना उसके परिणामों पर से ही हो सकती है। चीन के भूमि सुधार आन्दोलन का क्या नतीजा हुआ, इसे समझने के लिये हमें चीन के देशों की जांच करनी होगी। जेनचेन गाँव में 332 कुटुम्ब हैं। गाँव की कुल आबादी 1542 व्यक्तियों की है। कुल जमीन 4300 माउ यानी 715 एकड़ है। 20 जमीनदार 22 माझदार किसान, 60 मझोले किसान, 110 गरीब किसान और 120 खेत मजदूर हैं। बंटवारे से पहले 95 कीसदी जमीन 45 कुटुम्बों के पास थी। बाकी के 290 कुटुम्ब सिर्फ 5 कीसदी जमीन पर गुजारा करते थे। 60 कीसदी मकान और 10 कीसदी खेती के साधन भी 42 कुटुम्बों के पास ही थे। बंटवारे के बाद सारा नक्शा बदल गया। सब को 2.6 माउ के हिसाब से फी व्यक्ति जमीन मिली। अधिक मकान व साधनों का बंटवारा भी बेजामीन किसानों के बीच किया गया। बंटवारे का सारा काम ग्राम सभा ने ही पूरा किया।

मुक्ति से पहले यहाँ 1 माउ जमीन में 200 केटी: 1 1/4 रबल अनाज पैदा होता था। बंटवारे के बाद 1952 में एक माउ जमीन में 340 केटी अनाज हुआ। 1953 में 469 केटी। 1951 में 7 सहकारी दल थे। 1952 में 18 बने। 1943 में खेती उत्पादक मन्डली की स्थापना की गयी। इसमें 34 कुटुम्ब शरीक हुए। मन्डली ने 7 मकान पशुओं के लिये बनाये। 12 मकान रास्ला जमा करने के गोदाम के लिये बनाये। मुक्ति से पहले गाँव में 7 कमरे थे, मुक्ति के बाद आज 22 कमरे हैं। 7 वर्ष से उपर के बच्चे स्कूल में पढ़ते हैं। रात्री वर्ग में जवान और बूढ़े भी। एक गाँव सभा है जो हर साल निश्चित सदस्यों द्वारा गाँव का कारोबार चलाती है। गाँव का सारा कारोबार गाँव सभा ही कर लेती है। जमीनदारों को ग्रामसभा में बोट देने का अधिकार नहीं है। किन्तु गाँव सभा ऐसा अधिकार दे सकती है, जब उसे यह महसूस हो कियह व्यक्ति समाज के हित में ही काम करेगा। जेनचेन गाँव सभा ने 24 में से 10 जमीनदारों को ऐसा अधिकार दे रखा है।

सहकारी उत्पादन खेती मन्डली के पास 1400 माउ जमीन है! सहकारी दलों के पास 180 माउ जमीन है। 2720 घाउ व्यक्तिगत किसानों के पास है।

गाँव में एक खी मंडल है। वह मंडल गाँव की खी सुधार आन्दोलन को संचालन करता है। निरक्षर स्त्रियों को पढ़ाने का काम मंडल करता है। छोटे छोटे घरेलू उद्योगों की वालीम भी यही मंडल देता है। सेना में जिन के पति गये हुए हैं, या जिनके बेटे सेना में गये हैं

जमीन पर एक ही प्रकार का टेक्स लिया जाता है। यह टेक्स अनाज के रूप में इकट्ठा किया जाता है। यह टेक्स उत्पादन के रूप में इकट्ठा किया जाता है। यह टेक्स उत्पादन के 7 से 10 कीसदी तक होता है।

चीनी गाँव की मॉडेली:—किसी भी चीज की सच्ची कल्पना उसके परिणामों पर से ही हो सकती है। चीन के भूमि सुधार आन्दोलन का क्या नतीजा हुआ, इसे समझने के लिये हमें चीन के देशों की जांच करनी होगी। जेनचेन गाँव में 332 कुटुम्ब हैं। गाँव की कुल आबादी 1542 व्यक्तियों की है। कुल जमीन 4300 माउ यानी 715 एकड़ है। 20 जमीनदार 22 माझदार किसान, 60 मझोले किसान, 110 गरीब किसान और 120 खेत मजदूर हैं। बंटवारे से पहले 95 कीसदी जमीन 45 कुटुम्बों के पास थी। बाकी के 290 कुटुम्ब सिर्फ 5 कीसदी जमीन पर गुजारा करते थे। 60 कीसदी मकान और 10 कीसदी खेती के साधन भी 42 कुटुम्बों के पास ही थे। बंटवारे के बाद सारा नक्शा बदल गया। सब को 2.6 माउ के हिसाब से फी व्यक्ति जमीन मिली। अधिक मकान व साधनों का बंटवारा भी बेजामीन किसानों के बीच किया गया। बंटवारे का सारा काम ग्राम सभा ने ही पूरा किया।

मुक्ति से पहले यहाँ 1 माउ जमीन में 200 केटी: 1 1/4 रबल अनाज पैदा होता था। बंटवारे के बाद 1952 में एक माउ जमीन में 340 केटी अनाज हुआ। 1953 में 469 केटी। 1951 में 7 सहकारी दल थे। 1952 में 18 बने। 1943 में खेती उत्पादक मन्डली की स्थापना की गयी। इसमें 34 कुटुम्ब शरीक हुए। मन्डली ने 7 मकान पशुओं के लिये बनाये। 12 मकान रास्ला जमा करने के गोदाम के लिये बनाये। मुक्ति से पहले गाँव में 7 कमरे थे, मुक्ति के बाद आज 22 कमरे हैं। 7 वर्ष से उपर के बच्चे स्कूल में पढ़ते हैं। रात्री वर्ग में जवान और बूढ़े भी। एक गाँव सभा है जो हर साल निश्चित सदस्यों द्वारा गाँव का कारोबार चलाती है। गाँव का सारा कारोबार गाँव सभा ही कर लेती है। जमीनदारों को ग्रामसभा में बोट देने का अधिकार नहीं है। किन्तु गाँव सभा ऐसा अधिकार दे सकती है, जब उसे यह महसूस हो कियह व्यक्ति समाज के हित में ही काम करेगा। जेनचेन गाँव सभा ने 24 में से 10 जमीनदारों को ऐसा अधिकार दे रखा है।

सहकारी उत्पादन खेती मन्डली के पास 1400 माउ जमीन है! सहकारी दलों के पास 180 माउ जमीन है। 2720 घाउ व्यक्तिगत किसानों के पास है।

गाँव में एक खी मंडल है। वह मंडल गाँव की खी सुधार आन्दोलन को संचालन करता है। निरक्षर स्त्रियों को पढ़ाने का काम मंडल करता है। छोटे छोटे घरेलू उद्योगों की वालीम भी यही मंडल देता है। सेना में जिन के पति गये हुए हैं, या जिनके बेटे सेना में गये हैं

یہی پستوں اور ماتوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوششیں بھی اس سلسلہ کی رہی ہیں۔

زمین کے بارے میں اب کوئی جھگڑا نہیں ہے، اور نہ اب سرکل انسپکٹر یا پولیس کی ہی ضرورت ہے۔ سارا کام گرام سبھا کرتی ہے۔ کو بھی گرام سبھا ہی سرکاری گھڑوں پر پہنچاتی ہے۔ گاؤں کے سب سے بڑے بڑے زمینداروں میں سے ایک زمیندار نے کہا ہے کہ اب پولیس کی ضرورت ہے۔ اب تو چانگ کی سرکار چکی ہے۔

زمینداروں کو شروع شروع میں کچھ بے چینی تھی۔ اب وہ بھی آندے سے نشہ چنت ہو کر رہنے لگے ہیں۔ محنت مشقت کرنے لگے ہیں۔ اب انہیں یہ وشواس ہو گیا ہے کہ ہم بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اب جہاں وہ ہیں، وہاں سے انہیں کوئی سرکار نہ بچے نہیں پھینک سکتی۔ اب وہ دفاتر پر ہیں جہاں سے وہ کہیں نہیں گر سکتے۔ محنت کی روٹی آندے کی پریرک ہوتی ہے، اسلئے اب چھین کے زمینداروں میں ایک نیا اتساہ اور اتم وشواس دیکھنے کو ملتا ہے۔ زمیندار، سادھارن کسان، دھنی کسان، کھیت مزدور سب آندے پرورک اپنے دن بتا رہے ہیں۔ ملک کس راہ پر جا رہا ہے، جتنا چاہتا ہے، اسکا سب کو گمان ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے، جو ہم نے چھین کے سبھی دیہاتوں و کامداروں میں دیکھی۔ چھین کی خوشحالی کا مکھیاکارن ایک ہی ہے، اور وہ ہے، ایک دھیت، ایک سوارتھ، سوارتھ کی دھیتا ہی سنگرشوں کو جنم دیتی ہے۔ جہاں سوارتھ سامان ہوتا ہے، ایک ہوتا ہے، وہاں سب کوئی ایک ہی دشا میں پورے زور سے کوشش کرتے ہیں۔ سماج کے سک کی یہ گرو چاہی ہے۔

بھومی سمدھار آندولن کا فلیٹارٹھ یہ آیا کہ 30 کروڑ لوگوں کو کام ملا۔ 11 کروڑ 50 لاکھ ایکڑ زمین کا سامان بنوڑا ہوا جو چھین کی قابل کاشت زمین کا آدھا حصہ ہے۔

14 کروڑ من غلہ جو کئی طرح کے لگانوں کے روپ میں زمینداروں کو دئے گئے، یہ کسانوں کے گھر میں بچا۔

کسانوں کو محنت کرنے کے سادھن ملے۔ اناج اگلے لائق زمین ملی، دھیتے کے لئے گھر ملے۔

غلے کے دام ملے کرنے کے کام سٹے باجوں کے ہاتھ سے نکل کر کسان پانچائیکوں کے ہاتھ میں آیا، یہ بھی ایک مہتورون بات ہے جسے آندادن کے بڑھانے میں یوگ دیا ہے۔

فالتو سے زمین چلنے والے گرام میں دھندوں و گرام آدیوگوں کے لئے بازار ملے کر دیا۔ اُسے مل آدیوگ کے ساتھ ہوز لینے کی ضرورت ہے اور نہ لاجاری سے اپنا

بھومی سمدھار آندولن کا فلیٹارٹھ یہ آیا کہ 30 کروڑ لوگوں کو کام ملا۔ 11 کروڑ 50 لاکھ ایکڑ زمین کا سامان بنوڑا ہوا جو چھین کی قابل کاشت زمین کا آدھا حصہ ہے۔

14 کروڑ من غلہ جو کئی طرح کے لگانوں کے روپ میں زمینداروں کو دئے گئے، یہ کسانوں کے گھر میں بچا۔

کسانوں کو محنت کرنے کے سادھن ملے۔ اناج اگلے لائق زمین ملی، دھیتے کے لئے گھر ملے۔

غلے کے دام ملے کرنے کے کام سٹے باجوں کے ہاتھ سے نکل کر کسان پانچائیکوں کے ہاتھ میں آیا، یہ بھی ایک مہتورون بات ہے جسے آندادن کے بڑھانے میں یوگ دیا ہے۔

فالتو سے زمین چلنے والے گرام میں دھندوں و گرام آدیوگوں کے لئے بازار ملے کر دیا۔ اُسے مل آدیوگ کے ساتھ ہوز لینے کی ضرورت ہے اور نہ لاجاری سے اپنا

کسانوں کو محنت کرنے کے سادھن ملے۔ اناج اگلے لائق زمین ملی، دھیتے کے لئے گھر ملے۔

غلے کے دام ملے کرنے کے کام سٹے باجوں کے ہاتھ سے نکل کر کسان پانچائیکوں کے ہاتھ میں آیا، یہ بھی ایک مہتورون بات ہے جسے آندادن کے بڑھانے میں یوگ دیا ہے۔

فالتو سے زمین چلنے والے گرام میں دھندوں و گرام آدیوگوں کے لئے بازار ملے کر دیا۔ اُسے مل آدیوگ کے ساتھ ہوز لینے کی ضرورت ہے اور نہ لاجاری سے اپنا

مال بچانے کی۔ بس وہ ہلکا چلا جائے۔ سرکار و ساج اُسے وگتہ قیمتوں پر خرید لینے کے لئے ہادھیہ ہے، اِس چیز نے اُنک غریب بے کار کارکنوں میں جان فُک دی۔ جسے ہمیشہ اپنی ظلمتوں کے لئے در در گھومنا پڑتا تھا اور آخر میں سستی قیمتوں پر بچانے کے لئے مجبور ہونا پڑتا تھا، ہات ہلکے ختم ہو گئی۔ اِس سے گرامین دھندوں میں بہتری ہوئی۔

یہ سب چیزیں ہیں جو کسی بھی ساج کے سبکی و دھکی بونے کی بات بتاتی ہیں۔ یہ سب چیز ہوتے ہوئے بھی جان بزرگ نہیں بنا ہے۔ اُسے ابھی بگنی لمبا سفر طے کرنا ہے۔ اِنٹا لی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آج ٹھیک دشا میں تیزی سے چلا جا رہا ہے۔

یہ سب چیزیں ہیں جو کسی بھی ساج کے سبکی و دھکی بونے کی بات بتاتی ہیں۔ یہ سب چیز ہوتے ہوئے بھی جان بزرگ نہیں بنا ہے۔ اُسے ابھی بگنی لمبا سفر طے کرنا ہے۔ اِنٹا لی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آج ٹھیک دشا میں تیزی سے چلا جا رہا ہے۔

یہ سب چیزیں ہیں جو کسی بھی ساج کے سبکی و دھکی بونے کی بات بتاتی ہیں۔ یہ سب چیز ہوتے ہوئے بھی جان بزرگ نہیں بنا ہے۔ اُسے ابھی بگنی لمبا سفر طے کرنا ہے۔ اِنٹا لی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آج ٹھیک دشا میں تیزی سے چلا جا رہا ہے۔

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

مہاتما بھگواندین

مہاتما بھگواندین

کچھ اर्थوں میں ایلبرٹ آئنسٹاइन شانتی کے ہونے کے لئے جتنی بھارت کے مہاتما گاندھی جی سے یہ آرا نہیں ہو سکتا کہ وہ کبھی کوئی ایسی بات کہیں جس سے کوئی آدمی آفت میں پڑ جائے، ویسے ہی آئنسٹائن مہاتما سے ایسی آرا نہیں کی جا سکتی۔ گاندھی جی دنیا کو آفت میں ڈالیں، کیا دنیا کا کوئی بھی آدمی ایسا سوچ سکتا ہے؟ آئنسٹائن کے بارے میں بھی ایسا نہیں سوچا جا سکتا۔ پر، سوچنا سیدھے آئنسٹائن کے ساپیکس سائنس نے امریکہ کو ایٹم بم بنانے کے لئے دیرت کیا۔ لیکن ایٹم بم کے بن جانے پر آئنسٹائن نے کوشش کی کہ اسکا استعمال نہ ہو، پر وہ روک نہ پائے۔

ان شانتی کے دیوتا آئنسٹائن کا ساپیکس سائنس بہت بڑی چیز ہے۔ اس پر کتابوں پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس سائنس کے ٹھیک ٹھیک جانکار اُن گئے ہیں۔ پھر یہی گنہگار کے ایک سمکھن میں اُنکے سائنس کا جو نیچوڑ ہے، وہ ایسا ضرور ہے جو معمولی آدمی کی سمجھ میں آجائے۔ یہی وہ نیچوڑ ہے جس نے ایٹم بم کو جنم دیا۔ اسی نے شانتی کے دیوتا ایلبرٹ آئنسٹائن کی شانتی کی سفید چادر پر ایک دھبہ ڈال دیا۔

ان شانتی کے دیوتا آئنسٹائن کا ساپیکس سائنس بہت بڑی چیز ہے۔ اس پر کتابوں پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس سائنس کے ٹھیک ٹھیک جانکار اُن گئے ہیں۔ پھر یہی گنہگار کے ایک سمکھن میں اُنکے سائنس کا جو نیچوڑ ہے، وہ ایسا ضرور ہے جو معمولی آدمی کی سمجھ میں آجائے۔ یہی وہ نیچوڑ ہے جس نے ایٹم بم کو جنم دیا۔ اسی نے شانتی کے دیوتا ایلبرٹ آئنسٹائن کی شانتی کی سفید چادر پر ایک دھبہ ڈال دیا۔

اس سمکھن کا خلاصہ یہ ہے:—

اس سمکھن کا خلاصہ یہ ہے:—

جتنی ماترا ہے یعنی جتنی کوئی چیز ہے، اگر اسکو پرکاش کی چال کے ورگ سے گنا کیا جائے تو جو گنن پیل ہوگا، اتنی ہی شکتی اس چیز سے پیدا ہوگی۔ دوسرے شبدوں میں اسے یوں سمجھئے، ایک گرام ماترا میں نو کھرب ورگ کی شکتی چھپی رہتی ہے۔ یعنی ایک گرام پدارت، جو بجلی پیدا کرے گا وہ تھائی کروڑ کلووات گھنٹوں کے برابر ہوگی۔ کلووات کو صاف صاف سمجھنے کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ لکھنؤ کا ریڈیو اسٹیشن پچاس کلووات طاقت سے چلایا جاتا ہے۔ اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آئنسٹائن نے دنیا کے لوگوں کے ہاتھ شکتی کے کلمے بڑے خزانے کی کوٹھری کے نالے کی کلبھی سوئچ دی۔

امریکہ نے اس کلبھی سے نلا کھلا اور جاپان پر ایٹم بم گرا کر اس لڑائی کا انت کر دیا جو اُن لڑائیوں میں سب سے بڑی تھی چنکا انہیں میں ذکر آتا ہے۔

امریکا نے اسی کونجی سے تالا کھولا اور جاپان پر ایٹم بم گرا کر اس لڑائی کا انت کر دیا جو اُن لڑائیوں میں سب سے بڑی تھی چنکا انہیں میں ذکر آتا ہے۔

बहुत से लोगों ने लड़ाई की विजय का आनन्द माना होगा, पर अमरीकी आइन्स्टाइन का दिल तो धक रह गया होगा।

आइन्स्टाइन जैसे आदिमियों को किसी देश का निवासी कहना भला नहीं मालूम होता। वे दुनिया भर को प्यार करते थे और सारी दुनिया उनका आदर करती है। आइन्स्टाइन थे तो जर्मनी निवासी, पर न जाने क्यों हिटलर को मालूम हुआ कि वह उनकी आँख का काँटा है। दूसरी लड़ाई छिड़ने पर उनका जर्मनी से देश निकाला हो गया और वह अमरीका पहुँच गये। कुछ वर्षों से वह अमरीका वासी बन गये थे। इसलिये उन्हें अमरीकी कहना पड़ता है।

आइन्स्टाइन ने अपने जीवन से यह सिद्ध कर दिया कि विज्ञान की सड़क की आखिरी मंजिल वही है जो धर्म की सड़क की। विज्ञान सत्य की खोज में लगता है। यही हाल धर्म का है। गाँधी जी के शब्दों में यदि सत्य परमात्मा है, तब यह कहा जा सकता है कि हर विज्ञानी परमात्मा की खोज में लगा हुआ है।

अपने को हिम्मत के साथ महात्मा कहने वाले बर्नार्डशा का तो यह कहना है कि 'जिन लोगों ने जगत का भेद खोला, आइन्स्टाइन उनमें से एक थे' और शा ने ऐसे कुल तीन आदिमी गिनाये हैं—एक पाइथागोरस, दूसरे न्यूटन, तीसरे आइन्स्टाइन। (हमारे लिये इनके प्यारे नाम ये हो सकते हैं—बाबा पीथागोरस, महात्मा नवतन, महर्षि अंशतनु।) एशिया आमतौर से और भारत खास तौर से अपने नायकों को भगवान कहने लगता है, अवतार कहने लगता है। अगर कहीं आइन्स्टाइन ने हमारे यहाँ जन्म लिया होता तो क्या उनकी गिनती अवतारों में नहीं हुई होती ?

आइन्स्टाइन अपने समय के ऐसे प्रकाश थे जो उन आँखों में चकाचौंध डाल देते थे जो उल्टी राह चल रही होती थीं। तभी तो वह जर्मनी से निकाले गये और अमरीका में बंदी रहे, सीधे अर्थों में वह बंदी भले ही न हों। जितनी स्वाधीनता उन्हें मिलनी चाहिये, उतनी तो अमरीका उन्हें दे ही नहीं सकता था, क्योंकि अमरीका के पास उतनी स्वाधीनता है ही नहीं। पर दुख तो यह है कि उनको उतनी भी स्वाधीनता प्राप्त नहीं थी जितनी कि एक मामूली अमरीकी को है या जितनी हमें-तुम्हें भारत में हासिल है।

अमरीका में ऊँचे दर्जे का विज्ञानी होना और पराधीनता की कोठरी का बंदी होना एकार्थ वाची है। हो सकता है अमरीका वाले अपने देश के विज्ञानियों को सबसे बड़ा सम्मान दें और उन्हें आदिमियों में हीरा मानते हों, पर इससे क्या ? हीरा बनना कौन अच्छी बात है ? हमारे देश के संत कबीर का कहना है :—

हीरा पाय गांठ गठयायो,
बार-बार बाय खोले क्यों ?

बहुत से लोगों ने लड़ाई की विजय का आनन्द माना होगा, पर अमरीकी आइन्स्टाइन का दिल तो धक रह गया होगा।

आइन्स्टाइन जैसे आदिमियों को किसी देश का निवासी कहना भला नहीं मालूम होता। वे दुनिया भर को प्यार करते थे और सारी दुनिया उनका आदर करती है। आइन्स्टाइन थे तो जर्मनी निवासी, पर न जाने क्यों हिटलर को मालूम हुआ कि वह उनकी आँख का काँटा है। दूसरी लड़ाई छिड़ने पर उनका जर्मनी से देश निकाला हो गया और वह अमरीका पहुँच गये। कुछ वर्षों से वह अमरीका वासी बन गये थे। इसलिये उन्हें अमरीकी कहना पड़ता है।

आइन्स्टाइन ने अपने जीवन से यह सिद्ध कर दिया कि विज्ञान की सड़क की आखिरी मंजिल वही है जो धर्म की सड़क की। विज्ञान सत्य की खोज में लगता है। यही हाल धर्म का है। गाँधी जी के शब्दों में यदि सत्य परमात्मा है, तब यह कहा जा सकता है कि हर विज्ञानी परमात्मा की खोज में लगा हुआ है।

अपने को हिम्मत के साथ महात्मा कहने वाले बर्नार्डशा का तो यह कहना है कि 'जिन लोगों ने जगत का भेद खोला, आइन्स्टाइन उनमें से एक थे' और शा ने ऐसे कुल तीन आदिमी गिनाये हैं—एक पाइथागोरस, दूसरे न्यूटन, तीसरे आइन्स्टाइन। (हमारे लिये इनके प्यारे नाम ये हो सकते हैं—बाबा पीथागोरस, महात्मा नवतन, महर्षि अंशतनु।) एशिया आमतौर से और भारत खास तौर से अपने नायकों को भगवान कहने लगता है, अवतार कहने लगता है। अगर कहीं आइन्स्टाइन ने हमारे यहाँ जन्म लिया होता तो क्या उनकी गिनती अवतारों में नहीं हुयी होती ?

आइन्स्टाइन अपने समय के ऐसे प्रकाश थे जो उन आँखों में चकाचौंध डाल देते थे जो उल्टी राह चल रही होती थीं। तभी तो वह जर्मनी से निकाले गये और अमरीका में बंदी रहे, सीधे अर्थों में वह बंदी भले ही न हों। जितनी स्वाधीनता उन्हें मिलनी चाहिये, उतनी तो अमरीका उन्हें दे ही नहीं सकता था, क्योंकि अमरीका के पास उतनी स्वाधीनता है ही नहीं। पर दुख तो यह है कि उनको उतनी भी स्वाधीनता प्राप्त नहीं थी जितनी कि एक मामूली अमरीकी को है या जितनी हमें-तुम्हें भारत में हासिल है।

अमरीका में ऊँचे दर्जे का विज्ञानी होना और पराधीनता की कोठरी का बंदी होना एकार्थ वाची है। हो सकता है अमरीका वाले अपने देश के विज्ञानियों को सबसे बड़ा सम्मान दें और उन्हें आदिमियों में हीरा मानते हों, पर इससे क्या ? हीरा बनना कौन अच्छी बात है ? हमारे देश के संत कबीर का कहना है :—

हीरा पाये गांठ गठयायो,
बार बार दाने कुल्ले क्यों ?

تھک اسی طرح امریکہ والے اپنے دیکھائیں کہ کتنے کھانے
دیتے ہیں۔

21 مئی کی واشنگٹن کی خبر ہے کہ ایڈورٹ انسٹانٹ
ایک ریل یعنی وصیت کر کے چھوڑ گئے ہیں۔ اُس ریل
کا ایکریڈیوٹر یعنی عامل اُنہوں نے مسٹر اوٹونیتھن کو
بنایا ہے۔ اوٹونیتھن نیویارک یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔
ول کو پورا کرنے کے لئے اوٹونیتھن کو ایک باز یورپ جانا ضروری
ہے۔ اوٹونیتھن نے یہ سب باتیں لکھ کر امریکہ کی سرکار کو یورپ
کے پاسپورٹ کے لئے لکھا۔ امریکہ کی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے
پاسپورٹ دینے سے اِس بنا پر انکار کر دیا کہ اوٹونیتھن کسی
زمانے میں جرمن کمیونسٹ پارٹی کے ممبر رہ چکے ہیں اور
اب بھی وہ کمیونسٹ وچاروں سے سہاٹی ہوئی رکھتے ہیں۔

پروفیسر اوڈونیتھن نے کہا ہے کہ اس انکار کے کارن وہ سرورگیتہ
 آنفسٹائن کی وصیت کو پورا نہیں کر سکتے۔ (21 مئی کے فری
 پریس جرنل سے)

امریکہ خاص طور سے، دنیا کے اور دیس عام طور سے اپنے اونچے درجے کے وگھانیوں کے ساتھ یا گیانیوں کے ساتھ کیسا ہرناؤ کرتے ہیں، اسے ہمارے پائیک اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ آزاد کھلانے والے ملک کتنے آزاد ہیں اور آزادی کے کتنے گہرے پانی میں ہیں، اس سے پتہ لگ سکتا ہے۔

آئسٹائن کی وصیت کے ساتھ جب یہ ویوہار رہو رہا ہے تو
آئسٹائن کے ساتھ امریکہ کا کیا ویوہار رہا ہوگا، اِس سے انومان
کیا جا سکتا ہے ۔

کہنا اور ہنسا کی نیو پر کھڑا شکتی کا محل ہماری رائے میں
سدا کانپتا ہوا ملیگا۔ اسکے وپریت پر دم یا اہنسا کی نیو پر کھڑا
شکتی کا محل استہر اور اقل ملیگا، پروپکر میں لگا ملیگا، سبکو
شرن دیتا ملیگا۔ ہنسک شور پے حد قریوک ہونا ہے؛ پتے کی
کھڑ کھڑاٹ سے بھاگنا ہے۔ جیسے وہ شکار کی تاک میں رہتا ہے
وہی ہے وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کوئی اسکی تاک میں ہے۔
اسلئے وہ قرنا ہے اور سترک رہتا ہے۔ اسکے وپریت اہنسک پرانی
کم قریوک ہوتے ہیں۔ جتنے اشوں میں وہ دوسروں کو ستاتے
ہیں، اُنہی اشوں میں وہ بھی قریوک ملینگے۔ ہمنے حال ہی
میں کسی پتر میں پڑھا ہے کہ ایک آدمی کا یہ انوبھو ہے کہ
کیسا ہی جنگلی جانور کہوں نہ ہو، اگر کوئی اُسکے پاس نذر ہو
کو پریم بھاؤ سے جانیکو تو وہ جانور اُسے کبھی نہیں ستانے گا، اُلٹا بھار
کرنے لگیگا۔ امریکہ، جو اتنا قزاق ہوا ہے (اگر ایسا نہیں ہوتا تو کیا اپنے
وگہانوں کے ساتھ ایسا دیوار کرتا ؟) تبھی تو اُسے اپنے دیش میں قزاق

दिखाई दे रहा और दूसरे देशों से डर की कौजें आती दिखाई दे रही हैं।

महर्षि अंशतनु ! आप धन्य हैं ! आप अमरीका में थे, पर अपनी मर्षी से नहीं। शेर का बरा चलता तो क्या वह पिंजरे में रहता ? आप अमरीका में बंदी थे, अपनी मर्षी से नहीं। प्रकाश का बल चलता तो क्या वह चिमनी के अंदर बंद रहता और रंग-बिरंगी चिमनियों का शिकार बनता ? आप जिन अंशों में आज्ञाद थे, उन अंशों में दुनिया के लिए आप आदर्श हैं। इसराईल ने आपके सामने प्रेसीडेन्टी भेंट की। आपने उसे छूकर लौटा दिया और कह दिया कि "मैं प्रेसीडेन्टी के लिए पैदा नहीं हुआ हूँ। मैं जिस काम के लिए पैदा हुआ हूँ, उसमें खुश हूँ।" आप त्याग के लिए आज्ञाद थे। त्याग आपका स्वभाव बन गया था। त्याग करने के लिये आपको तनिक भी ज़ोर नहीं लगाना पड़ता था। पार्सल पर लिपटे हुए कागज़ को उतारने में किसी को प्रयास भी क्यों करना पड़े ? वह गोंद से चिपका हुआ होता ही नहीं। वही हाल आपका था। आप में ममता मोह नाम के लिए थे। जो कुछ आपके पास था या व्यवहार के नाते आपका समझा जा सकता था, वह सब परिग्रह तो था, पर उसके पीछे न मोह था न ममता थी। तो फिर उसके अलग होते हुए आपको दुख-सुख भी क्या होता ?

देह छोड़ते समय हम आपके पास नहीं थे, पर विश्वास के साथ कह सकते हैं कि आपने देह ऐसे ही छोड़ी होगी जैसे कबीर ने। "दास कबीर जतन से आँदी, ज्यों की त्यों धर दीनी चढ़रिया।" इस दुनिया को छोड़ते समय अगर कोई भारतीय आपके पास होता तो वह इस पहलू पर नज़र डालता। भला अमरीकी क्यों इस पहलू को देखने लगे ?

महर्षि अंशतनु ! आप इस दुनिया में ऐसे उलट-फेर कर गये, जो जहाँ एक ओर बड़े-बड़े विद्वानों के परे हैं, वहाँ दूसरी ओर ऐसे भी हैं, जो हर चलते-फिरते की समझ में आ सकते हैं। आपने यह कहकर कितनी बड़ी बात कह दी कि शक्ति और पदार्थ एक ही चीज़ है, यानी मेटर और इनर्जी एक ही चीज़ के दो पहलू हैं, एक द्रव्य की दो पर्याय हैं। इतनी बड़ी हिम्मत कौन कर सकता था ? और यह सब सुझाया आपको आपकी पैनी निगाह ने। अब तक लोग यही समझे हुये थे कि सेर भर पानी सेर भर भाप बन जाता है। यह आप ही को पता चला कि नहीं, कुछ कम सेर भाप बनता है। वह कभी कितनी ही कम क्यों न हो, वही शक्ति है। तभी तो आप कह सके कि इतना पानी भाप बनाकर क्यों नष्ट करते हो ? जितनी ताक़त इस भाप में है, उतनी ताक़त तो एक बूँद पानी के लाखवें हिस्से में मौजूद है।

दक़्क़ाई दे रहा है और दूसरे दिशों से तर्की नुज्जिन आती दक़्क़ाई दे रही हैं।

मهرشی انشتو ! آپ دغنیہ ہیں ! آپ امریکہ میں تھے، پر اپنی مرضی سے نہیں۔ شیر کا ہل چلتا تو کیا وہ پنجرے میں رہتا ؟ آپ امریکہ میں بندی تھے، اپنی مرضی سے نہیں۔ پرکاش کا بل چلتا تو کیا وہ چمکی کے اندر بند رہتا اور رنگ برنگی چمکیوں کا شکار بنتا ؟ آپ جن انشوں میں آزاد تھے، ان انشوں میں دنیا کے لئے آپ آدرش ہیں۔ اسرائیل نے آپ کے سامنے پریسیڈینٹ کی بھینٹ کی۔ آپ نے اسے چھوڑ کر لوٹا دیا اور کہہ دیا کہ "میں پریسیڈینٹ کی بھینٹ کے لئے پیدا نہیں ہوا ہوں۔ میں جس کام کے لئے پیدا ہوا ہوں، اُس میں خوش ہوں۔" آپ تیاگ کے لئے آزاد تھے۔ تیاگ آپکا سوہاؤ بن گیا تھا۔ تیاگ کرنے کے لئے آپکو تنگ بھی زور نہیں لگانا پڑتا تھا۔ پارسل پر لپٹے ہوئے کاغذ کو اُتارنے میں کسی کو پریاس بھی کیوں کرنا پڑے ؟ وہ گوند سے چپکا ہوا ہوتا ہی نہیں۔ یہی حال آپکا تھا۔ آپ میں ممتا موه نام کے لئے تھے۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا یا دیوار کے ناتے آپکا سمجھا جا سکتا تھا، وہ سب ریگرہ تو تھا، پر اُسکے پیچھے نہ موه تھا نہ ممتا تھی۔ تو پھر اُسکے الگ ہوتے ہوئے آپکو دکھ سکھ بھی کیا ہوتا ؟

دہم چھوڑتے سمئے ہم آپکے پاس نہیں تھے، پر وشواس کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے دہم ایسے ہی چھوڑی ہوئی جیسے کبیر نے "داں کبیر جتن سے اڑھی" جیوں کی تھوں دھر دینی چڑیا۔" اِس دنیا کو چھوڑتے سمئے اگر کوئی بھاریہ آپ کے پاس ہوتا تو وہ اِس پہلو پر نظر ڈالتا۔ بھلا امریکی کیوں اِس پہلو کو دیکھنے لگے ؟

مهرشی انشتو ! آپ اِس دنیا میں ایسے اُلٹ پھیر کر گئے، جو جہاں ایک اور بڑے بڑے درانوں کے پرے ہیں، وہاں دوسری اور ایسے بھی ہیں، جو ہر چلتے پھرتے کی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ آپ نے یہ کہہ کر کتنی بڑی بات کہہ دی کہ شکتی اور پدارتھ ایک ہی چیز ہے، یعنی میٹر اور انرجی ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں، ایک درویہ کی دو بریایہ ہیں۔ اتنی بڑی ہمت کون کر سکتا تھا ؟ اور یہ سب سمجھایا آپ کو آپ کی اپنی نگاہ نے۔ اب تک لوگ یہی سمجھے ہوئے تھے کہ سیر پھر پانی سیر پھر بھاپ بنتا ہے۔ یہ آپ ہی کو پتہ چلا کہ نہیں، کچھ کم سیر بھاپ بنتا ہے۔ وہ کبھی کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، وہی شکتی ہے۔ تبھی تو آپ کہہ سکے کہ اتنا پانی بھاپ بنا کر کیوں نشت کرتے ہو ؟ جتنی طاقت لس بھاپ میں ہے، اُننی طاقت تو ایک بوند پانی کے لاکھوں حصہ میں موجود ہے۔

یہ سب وچار کرائتی نہیں تو کیا ہے ؟ اس کے لئے ہم آپکو جتنا برا سمجھیں، اتنا توہرا ۔

آکاش اور کال، ایک دروبہ کی دو پربایہ ہیں، ایک سے کے دو پہلو ہیں، دونوں ایک ہیں—اس بات کو آپنے ایسے کہہ ڈالا، جیسے کوئی کہہ بیٹھا ہے کہ ایک اور ایک دو ہوتے ہیں۔ پر یہ کتنی بڑی بات ہے ! بڑے بڑے وکیانوں کے گلے اترنے میں اتنی تھی ! پر آج ہے کہ اُسے ہما شما سمجھ لیتا ہے ۔ اس کے بارے میں آپکا کہنا ہے کہ کال کے بنا آکاش کی بات ہی نہیں کی جا سکتی۔ اکیلے کال کو کہیں جگہ ہی نہیں ہے ۔ ”اُنہ گھنٹے میں“ کہہ کر ہمیں یہ کہنا ہی پڑیگا، ”اُنہ دور گئے۔“ کال کی بات کہی کہ آکاش آیا۔ اب تو دوری بھی گھنٹوں میں نہیں ناپی جانے لگی !

یہ وچار کرائتی نہیں تو کیا ہے ؟ آپ کے یہ اہسان کبھی بھلائے جاسکتے ہیں ؟

18 اپریل سن 1955 کو آپ ہمیں چھوڑ کر چل دیئے ۔ اب آپ ہم میں نہیں ہیں ۔ یوں وچاروں سے آپ ساری دنیا میں موجود ہیں ۔ اب ہم میں سے کچھ آپکے گیت گاسکتے ہیں ۔ آپکی یادگار کہی کر سکتے ہیں ۔ اُنے گئے آپکے جیون کا انوکھ کر سکتے ہیں، اُس سے بھی کم اُس راہ لگ سکتے ہیں، جس راہ آپ چلے تھے ۔ دے ستیہ کی اور کچھ ۔ قدم بڑھ سکتے ہیں اور دنیا کو اُس اور لے جا سکتے ہیں ۔

آپ کے لئے ہم کیا پرا رتھنا کریں، یہ ہم کچھ نہیں جانتے ۔ اِس بارے میں آپ ہمیں کچھ نہیں بتا گئے ۔ ہاں، اپنی چندریا کا ایک کونا یعنی اپنا سر آپ ڈاکڑوں کے سپرد کر گئے ہیں، اُسے ادھیں کر کے، دیکھیں ڈاکڑ لوگ کیا کہتے ہیں ؟

امن یا جنگ

”اگر دنیا کی جنیتا امن قائم رکھنے اور آخر تک امن کی رکشا کرنے کا کام خود اپنے ہاتھ میں لے لے تو امن قائم رہے گا اور مضبوطی پکڑے گا۔ لیکن اگر جنگ کی باتیں پھیلانے والے دنیا کی عام جنیتا کو جھوٹی باتوں کے جال میں پھنسانے، انہیں دھوکا دینے اور ایک نئی بڑی جنگ میں گھسٹ لائے میں کامیاب ہو گئے تو ممکن ہے جنگ نہ ٹل سکے۔“

—اسٹالین

امن یا جنگ

”اگر دنیا کی جنیتا امن قائم رکھنے اور آخر تک امن کی رکشا کرنے کا کام خود اپنے ہاتھ میں لے لے تو امن قائم رہے گا اور مضبوطی پکڑے گا۔ لیکن اگر جنگ کی باتیں پھیلانے والے دنیا کی عام جنیتا کو جھوٹی باتوں کے جال میں پھنسانے، انہیں دھوکا دینے اور ایک نئی بڑی جنگ میں گھسٹ لائے میں کامیاب ہو گئے تو ممکن ہے جنگ نہ ٹل سکے۔“

—اسٹالین

میری ماں بولی کا دوپ

श्री मदन गोपाल

شہری مدین گویاں

मेरी मां मुजफ्फरनगर के जिले की थी. उसकी बोली मुजफ्फरनगर के जिले में ही नहीं आस पास के कुछ जिलों में लगभग सब लोग बोलते हैं. कुछ तिजारती, कुछ तबारीखी और बहुत कुछ जुगुराई कारनों से यह बोली धीरे धीरे, चुपके चुपके देस में ऐसी फैली कि सारे हिन्दुस्तान और पाकिस्तान में समझी जाने लगी और उस पुल की वजह से अब यह मुमकिन हो गया कि एक आम अनपढ़ आदमी इस देस के किसी कोने में जाकर गुजारा कर सकता है. इसलिये गो उसे देस की आम बोली हम कह सकते हैं, उसे क्रौमी बोली या राष्ट्रभाषा कहना ठीक नहीं. क्रौमी बोली तो वह ही हो सकती है जो सारे देस के कम से कम सत्तर फीसदी अपने घरों में बोलते हों. यहां उल्टा हिसाब है. यहां सत्तर से भी ज्यादा फीसदी अपने कुन्बों में अपनी अपनी और बोली बोलते हैं. इसलिये अगरचे यह देस की आम बोली है, उसे देस बोली कहना ठीक नहीं.

उस बोली के नाम के बारे में कुछ मतभेद है। चूंकि मैं यहां नाम के भगड़े में नहीं पड़ना चाहता इसलिये इस लेख में उसे मेरी मां-बोली या मेरी बोली कहूंगा। और बोलियों की तरह मेरी बोली भी गिन्ती की कुछ खास आवाजों के जोड़ से बनी हुई है, इसलिये उसका रूप परखने के लिये उसकी खास आवाजों और उनके जोड़-तोड़ का इल्म जरूरी है। मेरी बोली में कहने को तो दस लेकिन असल में कुल छै स्वरें हैं। कहने को तो अ, आ, इ, ई, उ, ऊ, ए, ऐ और ओ, औ दस स्वरें हैं लेकिन सिवाय छोटे और बड़े अ के जोड़े के बाक़ी के चारों जोड़े आपस में भेदरू नहीं हैं। भेदरू उन आवाजों को कहते हैं जिनके आपस में बदल जाने से सैकड़ों लफ़्ज़ों के माने कुछ के कुछ हो जाते हैं, मसलन कल काल, खल खाल ऐसे बहुत से जोड़े लफ़्ज़ों के मेरी बोली में हैं जिनके माने सिर्फ़ छोटे और बड़े अ के हेरफेर से बदल जाते हैं। बाक़ी चार जोड़ों में यह भेद बहुत कम पाया जाता है। मैं जानता हूँ कि कुछ जोड़े मेरी बोली में ऐसे आ गये हैं जिनके छोटी बड़ी इ, उ वगैरा के हेरफेर से माने बदल जाते हैं, लेकिन यह जोड़े बहुत कम ही नहीं उनमें से अकसर ऐसे हैं जो हम पढ़े हुए लोगों की ग़फ़लत से या शेखी से हमारे पढ़े हुआओं की बोली में आ गये हैं, लेकिन जो बहुत दिन मेरी बोली में टिक नहीं सकते। वजह

میری ماں مظفرنگر کے ضلع کی تھی۔ اُسکی بولی مظفرنگر
 کے ضلع میں ہی نہیں اُس پاس کے کچھ ضلعوں میں لگ
 بگ سب لوگ بولتے ہیں۔ کچھ تجارتی، کچھ تواریخی اور
 بہت کچھ چندرائٹی کارنوں سے یہ بولی دھیرے دھیرے، چپکے چپکے
 دیس میں ایسی پھیلی کہ سارے ہندستان اور پاکستان میں
 سمجھی جانے لگی اور اُس پل کی وجہ سے اب یہ ممکن ہو گیا
 کہ ایک عام انڈیہ آدمی اُس دیس کے کسی کوئے میں جا کر
 مذاقہ کر سکتا ہے۔ اسلئے گو اسے دیس کی عام بولی ہم کہہ
 سکتے ہیں، اسے قومی بولی یا راشٹر بھاشا کہنا ٹھیک نہیں۔
 قومی بولی تو وہ ہی ہو سکتی ہے جو سارے دیس کے کم سے
 کم ستر فیصدی اپنے گھروں میں بولتے ہوں۔ یہاں اُلٹا حساب
 ہے۔ یہاں ستر سے بھی زیادہ فیصدی اپنے کنبوں میں اپنی اپنی
 در بولی بولتے ہیں۔ اسلئے اگرچہ یہ دیس کی عام بولی ہے،
 یہ دیس بولی کہنا ٹھیک نہیں۔

اس بولی کے نام کے بارے میں کچھ مت بھید ہے۔ چونکہ میں یہاں نام کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا اسلئے اس لفظ میں اسے میری ماں بولی یا میری بولی کہوں گا۔ اور بولیوں کی طرح میری بولی بھی گنتی کی کچھ خاص آوازوں کے جوڑ سے بنی ہوئی ہے، اسلئے اسکا روپ پرکھنے کے لئے اسکی خاص آوازوں اور انکے جوڑ توڑ کا علم ضروری ہے۔ میری بولی میں کہنے کو تو دس لیکن اصل میں کل چھ سوزیں ہیں۔ کہنے کو تو 'ا'، 'آ'، 'ای'، 'اُ'، 'اے'، 'اُ' اور 'اُو' دس سوزیں ہیں لیکن سوائے چھوٹے اور بڑے 'ا' کے جوڑے کے باقی کے چاروں جوڑے آپس میں بھید نہ ہیں۔ بھیدرو ان آوازوں کو کہتے ہیں جنکے آپس میں بدل جانے سے سینکڑوں لفظوں کے معنے کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں، مثلاً 'کل کال' ہل کھال ایسے بہت سے جوڑے لفظوں کے میری بولی میں ہیں جنکے معنے صرف چھوٹے اور بڑے 'ا' کے ہیر پھیر سے بدل جاتے ہیں۔ باقی چار جوڑوں میں یہ بھید بہت کم پایا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ جوڑے میری بولی میں ایسے آگئے ہیں جنکے چھوٹی پڑی 'ای'، 'اُو' وغیرہ کے ہیر پھیر سے معنی بدل جاتے ہیں لیکن یہ جوڑے بہت کم ہی نہیں انمیں سے اکثر ایسے ہیں جو ہم پڑے ہوئے لوگوں کی غفلت سے یا شیخی سے ہمارے پڑے ہوئے کی بولی میں آگئے ہیں، لیکن جو بہت دن میری بولی میں ٹک نہیں سکتے۔ وجہ

ساک ہے۔ مہری بولی اتنی سہل سہل گئی ہے کہ اسکی آوازیں کم ہوتے ہوتے گنتی کی رہ گئی ہیں۔ سہل سہل ہے!

یہ ایک عجیب لہجہ اگر ذرا سوچو تو ایک قدرتی قانون یا نظم علم بولی کا ہے کہ جتنی کسی دیس کی سہل پرائی ہے اتنی ہی اس دیس کی عام بولی کی آوازیں گنتی میں کم اور اس کے لفظ اور اسکی گرامر گھس گھس کر چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ اسوقت دنیا میں سب سے پرائی سہل چین کی ہے اور اسلئے جتنی بولی لسی نکہری، دنیا کی کوئی اور بولی نہیں نکہری۔ گرامر تو اسمیں نام کو بھی نہیں۔ لفظ ایک کڑی کے چھوٹے ہو اسکی آوازیں گنتی کی۔ شروع شروع میں جبکہ علم بولی پچھم میں ابھی پیدا ہی ہوا تھا، پچھم وداؤں کی یہ رائے تھی کہ چینی ایک بگڑی ہوئی بولی ہے۔ لیکن جب علم بولی پلا پھلا اور ہزاروں بولوں کے آگے، بڑھنے، پھلنے کی خوب جانچ پڑتال کی گئی تو انہوں نے چینی کو 'لول' فارسی کو دوسرے اور مہری بولی کو تیسرے نمبر پر ٹھہرایا۔ سو چو تو سہی، پچھم وداؤں مہری بولی کو خوبصورتی میں دنیا بھر کی ہزاروں بولوں میں سے تیسرا درجہ دیتے ہیں۔ سب سے بڑی تعریف جو انہوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اسکی گرامر ایک پوسٹکارڈ پر لکھی جا سکتی ہے اور یہ کہ اسمیں دنیا بھر کی سامانجک، دھارمک اور ادبی کتابیں—وید، قرآن، انجیل، ناطک اور کہانیاں بلا کسی اور زبان کی مدد کے آسانی سے بخوبی ادا ہو سکتی ہیں۔ ایسی بولی ہر جتنا آدمی گھمڈ کرے تھوڑا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے اسکولوں میں اتنا پڑھایا جاتا ہے، ہمارے انجان پنڈت اور لہذہ اسے بگاڑنے پر تلم ہوتے ہیں۔ کہیں نہ ہوں، انکی آنکھوں پر سنسکرت اور انگریزی جیسی بھدی زبانوں کا چشمہ چڑھا ہوا ہے۔ یہاں سنسکرت کو اسبھیہ کہنا تو الگ، یہ سچ بھی کہنا کہ سنسکرت نہ کبھی بولی ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے ہزاروں کے چہتے میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ سنسکرت کی کرپا سے ہمارے پنڈت بولی کا آرنہ بھی نہیں جانتے۔ بولی صرف اس زبان کو کہہ سکتے ہیں جسکے ذریعہ دنیا کے اسی حصہ کے لوگ نہیں تو اسی فیصدی آدمی اپنا کام دھندا چلاتے ہوں۔ ورنہ وہ زبان چاہے اسے پنڈت آپس میں بولتے ہوں یا ٹیس، اسکی حیثیت چور بولی سے زیادہ نہیں۔ ایسی بولی کو انگریزی میں سلینگ (Slang) کہتے ہیں چاہے اسمیں لہجہ کتابیں لکھی گئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہماری یونیورسٹیوں میں بہت سی بولیاں سکھائی جاتی ہیں کسی میں علم بولی نہیں سکھایا جاتا، اور نہ جب تک سنسکرت کا بھوت ہمارے سرو سوار ہے یہ مضمون کبھی سکھایا جائیگا، کیونکہ اسکے سکھانے سے سنسکرت کی پول کھل جاتی ہے۔

یہ ایک عجیب لہجہ اگر ذرا سوچو تو ایک قدرتی قانون یا نظم علم بولی کا ہے کہ جتنی کسی دیس کی سہل پرائی ہے اتنی ہی اس دیس کی عام بولی کی آوازیں گنتی میں کم اور اس کے لفظ اور اسکی گرامر گھس گھس کر چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ اسوقت دنیا میں سب سے پرائی سہل چین کی ہے اور اسلئے جتنی بولی لسی نکہری، دنیا کی کوئی اور بولی نہیں نکہری۔ گرامر تو اسمیں نام کو بھی نہیں۔ لفظ ایک کڑی کے چھوٹے ہو اسکی آوازیں گنتی کی۔ شروع شروع میں جبکہ علم بولی پچھم میں ابھی پیدا ہی ہوا تھا، پچھم وداؤں کی یہ رائے تھی کہ چینی ایک بگڑی ہوئی بولی ہے۔ لیکن جب علم بولی پلا پھلا اور ہزاروں بولوں کے آگے، بڑھنے، پھلنے کی خوب جانچ پڑتال کی گئی تو انہوں نے چینی کو 'لول' فارسی کو دوسرے اور مہری بولی کو تیسرے نمبر پر ٹھہرایا۔ سو چو تو سہی، پچھم وداؤں مہری بولی کو خوبصورتی میں دنیا بھر کی ہزاروں بولوں میں سے تیسرا درجہ دیتے ہیں۔ سب سے بڑی تعریف جو انہوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اسکی گرامر ایک پوسٹکارڈ پر لکھی جا سکتی ہے اور یہ کہ اسمیں دنیا بھر کی سامانجک، دھارمک اور ادبی کتابیں—وید، قرآن، انجیل، ناطک اور کہانیاں بلا کسی اور زبان کی مدد کے آسانی سے بخوبی ادا ہو سکتی ہیں۔ ایسی بولی ہر جتنا آدمی گھمڈ کرے تھوڑا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے اسکولوں میں اتنا پڑھایا جاتا ہے، ہمارے انجان پنڈت اور لہذہ اسے بگاڑنے پر تلم ہوتے ہیں۔ کہیں نہ ہوں، انکی آنکھوں پر سنسکرت اور انگریزی جیسی بھدی زبانوں کا چشمہ چڑھا ہوا ہے۔ یہاں سنسکرت کو اسبھیہ کہنا تو الگ، یہ سچ بھی کہنا کہ سنسکرت نہ کبھی بولی ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے ہزاروں کے چہتے میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ سنسکرت کی کرپا سے ہمارے پنڈت بولی کا آرنہ بھی نہیں جانتے۔ بولی صرف اس زبان کو کہہ سکتے ہیں جسکے ذریعہ دنیا کے اسی حصہ کے لوگ نہیں تو اسی فیصدی آدمی اپنا کام دھندا چلاتے ہوں۔ ورنہ وہ زبان چاہے اسے پنڈت آپس میں بولتے ہوں یا ٹیس، اسکی حیثیت چور بولی سے زیادہ نہیں۔ ایسی بولی کو انگریزی میں سلینگ (Slang) کہتے ہیں چاہے اسمیں لہجہ کتابیں لکھی گئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہماری یونیورسٹیوں میں بہت سی بولیاں سکھائی جاتی ہیں کسی میں علم بولی نہیں سکھایا جاتا، اور نہ جب تک سنسکرت کا بھوت ہمارے سرو سوار ہے یہ مضمون کبھی سکھایا جائیگا، کیونکہ اسکے سکھانے سے سنسکرت کی پول کھل جاتی ہے۔

یہ ایک عجیب لہجہ اگر ذرا سوچو تو ایک قدرتی قانون یا نظم علم بولی کا ہے کہ جتنی کسی دیس کی سہل پرائی ہے اتنی ہی اس دیس کی عام بولی کی آوازیں گنتی میں کم اور اس کے لفظ اور اسکی گرامر گھس گھس کر چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ اسوقت دنیا میں سب سے پرائی سہل چین کی ہے اور اسلئے جتنی بولی لسی نکہری، دنیا کی کوئی اور بولی نہیں نکہری۔ گرامر تو اسمیں نام کو بھی نہیں۔ لفظ ایک کڑی کے چھوٹے ہو اسکی آوازیں گنتی کی۔ شروع شروع میں جبکہ علم بولی پچھم میں ابھی پیدا ہی ہوا تھا، پچھم وداؤں کی یہ رائے تھی کہ چینی ایک بگڑی ہوئی بولی ہے۔ لیکن جب علم بولی پلا پھلا اور ہزاروں بولوں کے آگے، بڑھنے، پھلنے کی خوب جانچ پڑتال کی گئی تو انہوں نے چینی کو 'لول' فارسی کو دوسرے اور مہری بولی کو تیسرے نمبر پر ٹھہرایا۔ سو چو تو سہی، پچھم وداؤں مہری بولی کو خوبصورتی میں دنیا بھر کی ہزاروں بولوں میں سے تیسرا درجہ دیتے ہیں۔ سب سے بڑی تعریف جو انہوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اسکی گرامر ایک پوسٹکارڈ پر لکھی جا سکتی ہے اور یہ کہ اسمیں دنیا بھر کی سامانجک، دھارمک اور ادبی کتابیں—وید، قرآن، انجیل، ناطک اور کہانیاں بلا کسی اور زبان کی مدد کے آسانی سے بخوبی ادا ہو سکتی ہیں۔ ایسی بولی ہر جتنا آدمی گھمڈ کرے تھوڑا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے اسکولوں میں اتنا پڑھایا جاتا ہے، ہمارے انجان پنڈت اور لہذہ اسے بگاڑنے پر تلم ہوتے ہیں۔ کہیں نہ ہوں، انکی آنکھوں پر سنسکرت اور انگریزی جیسی بھدی زبانوں کا چشمہ چڑھا ہوا ہے۔ یہاں سنسکرت کو اسبھیہ کہنا تو الگ، یہ سچ بھی کہنا کہ سنسکرت نہ کبھی بولی ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے ہزاروں کے چہتے میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ سنسکرت کی کرپا سے ہمارے پنڈت بولی کا آرنہ بھی نہیں جانتے۔ بولی صرف اس زبان کو کہہ سکتے ہیں جسکے ذریعہ دنیا کے اسی حصہ کے لوگ نہیں تو اسی فیصدی آدمی اپنا کام دھندا چلاتے ہوں۔ ورنہ وہ زبان چاہے اسے پنڈت آپس میں بولتے ہوں یا ٹیس، اسکی حیثیت چور بولی سے زیادہ نہیں۔ ایسی بولی کو انگریزی میں سلینگ (Slang) کہتے ہیں چاہے اسمیں لہجہ کتابیں لکھی گئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہماری یونیورسٹیوں میں بہت سی بولیاں سکھائی جاتی ہیں کسی میں علم بولی نہیں سکھایا جاتا، اور نہ جب تک سنسکرت کا بھوت ہمارے سرو سوار ہے یہ مضمون کبھی سکھایا جائیگا، کیونکہ اسکے سکھانے سے سنسکرت کی پول کھل جاتی ہے۔

मैं पहले लिख आया हूँ कि आवाजों का आदिस्ता आदिस्ता कम होना लफ्जों और ग्रामर का छोटा होना हर सभ्य देस की बोली का कुदरती स्वभाव है. बोली बनती है सिर्फ मतलब अदा करने के लिये. अगर किसी वजह से बोली वह अपना फर्ज अच्छी तरह से अदा न कर सके तो हर सभ्य समाज की कोशिश होती है कि वह उस वजह को दूर करे. मसलन जहां दो आवाजें कुछ आपस में मिलती जुलती हों तो यह मुमकिन ही नहीं, अरालब है कि अगर जरा भी नुक्स खान (हलक) या कान में हो जाये तो उस आवाजों में तमीज करनी मुश्किल हो जाये. इसलिये हर सभ्य देस की यही कोशिश होती है कि वह ऐसे लफ्ज न इस्तेमाल करे जिनकी आवाजों में तमीज ठीक न होने की वजह से मतलब खल होने का डर हो. मसलन फ और फ, और क और ज आपस में मिलती जुलती आवाजें हैं इसलिये किसी सभ्य बोली में दोनों नहीं होतीं. जिस बोली में फ है वहां क नहीं रहती और जहां क है वहां ज नहीं रहती. इन्सान ही नहीं हर जीव फिजूल की मेहनत और तकलीफ से जी चुराता है. हमारे व्याकरणियों ने सुख आचरण की चाहे कितनी निन्दा की हो ईश्वर की ऐसी रचना है कि आदमी कष्ट से बचता है. सच पूछो तो आदमी की सारी सभ्यता की जड़ है उसकी यह रुचि. उसे बुरा कहना बेबकरी है.

मेरी बोली में बाप को बाप कहते हैं न कि पित्र, पिदर, फादर. लड़की को बेटी कहते हैं न कि दोहत्तर, दुस्तर, डाटर. मां को मां कहते हैं न कि मात्र, मादर, मदर. ऐसे निजी रिश्तों के नाम से जाहिर है कि आर्यभाषा का संस्कृत, फारसी और अंग्रेजी पर ज्यादा असर पड़ा है, मेरी बोली पर कम. मेरी बोली ने बहुत सी बोलियों के लफ्ज लिये, आर्य भाषा के भी लिये, लेकिन उसकी जमीन रही हमेशा देसी बोली की यानी उस देसी बोली की जो आर्यों के यहां आने से पहले बोली जाती थी. अगरचे जमीन संस्कृत की भी देसी बोली की है लेकिन चूंकि उसमें कुछ आर्य भाषा के ज्यादा लफ्ज लिये गये और खास कर इस वजह से कि देसी बोली के भी जो लफ्ज उसमें लिये गये उन्हें संस्कृत बनानेवालों ने बिगाड़ कर आर्य शकल दी. इसलिये हमारे देस में यह गलत कयाल आम फैला हुआ है कि संस्कृत एक शुद्ध आर्य भाषा है. जमीन दोनों की द्रावड़ी होने की वजह से संस्कृत के बहुत लफ्ज मेरी बोली के लफ्जों जैसे हैं, इसलिये बहुत लोग गलती से मेरी बोली को एक आर्य भाषा कहते हैं. असल में मेरी बोली द्रावड़ी है. कहने को मद्रास की बोलियों का द्रावड़ी कहा जाता है, लेकिन उनमें से कोई भी इतनी द्रावड़ी नहीं जितनी मेरी बोली. लिपि बनने से पहले आर्य भाषा में क्या आवाजें शामिल थीं वल्कि कौन कौन सी उसमें शामिल न थीं कहना मुश्किल

میں پہلے ہم آیا ہوں کہ آوازوں کا آہستہ آہستہ کم ہونا
لفظوں اور گرامر کا چھوٹا ہونا ہر سبب سے دیکھ کر کی بولی کا
قدرتی سبب ہے ۔ بولی بنتی ہے صرف مطلب ادا کرنے کے لئے ۔
اگر کسی وجہ سے بولی یہ اپنا فرض اچھی طرح سے ادا نہ کر
سکے تو ہر سبب سے سبب کی کشش ہوتی ہے کہ وہ اس وجہ کو دور
کرے ۔ مثلاً چھل دو آوازیں کچھ آپس میں ملتی جلتی ہوں تو
یہ ممکن ہی نہیں اُٹھتا ہے کہ اگر ذرا ہی نقص زبان (حلق)
یا گلے میں ہو جائے تو ان آوازوں میں تمیز کرنی مشکل
ہو جائے ۔ اسلئے ہر سمجھدار کی بھی کشش ہوتی ہے کہ وہ ایسے
لفظ نہ استعمال کرے جنکی آوازوں میں تمیز ٹھیک نہ ہونے کی
وجہ سے مطلب خبطا ہونے کا ڈر ہو ۔ مثلاً پ اور ف اور چ اور ز
آپس میں ملی جلتی آوازیں ہوں اسلئے کسی سبب سے بولی میں
دونوں نہیں ہوتیں ۔ جس بولی میں پ ہے وہاں ف نہیں
رہتی اور جہاں ج ہے وہاں ز نہیں رہتی ۔ انسان ہی نہیں
ہر جانور فلول کی محنت اور تکلیف سے جی چراتا ہے ۔ ہمارے
ویا کرتے ہیں نے سب سے اچان کی چائے کتنی غذا کی ہو ایشور کی
ایسی رچنا ہے کہ آدمی کشت سے بچتا ہے ۔ سچ پوچھو تو
آدمی کی ساری سہیتا کی جڑ اسکی یہ رچی ۔ اسے برا کہنا
بیوقوفی ہے ۔

میری بولی میں باپ کو باپ کہتے ہیں نہ کہ پتر، پدر، فادر۔ لڑکی کو بیٹی کہتے ہیں نہ کہ دوہتر، دختر، دائتر۔ ماں کو ماں کہتے ہیں نہ کہ ماتر، مادر، مدر۔ ایسے نجی رشتوں کے نام سے ظاہر ہے کہ آریہ بھاشا کا سنسکرت، فارسی اور انگریزی پر زیادہ اثر پڑا ہے، میری بولی پر کم میری بولی نے بہت سی بولوں کے لفظ لئے، آریہ بھاشا کے بھی لئے، لیکن اسکی زمین دھی ہمیشہ دیسی بولی کی یعنی اس دیسی بولی کی جو آریوں کے یہاں آئے سے پہلے بولی جاتی تھی۔ اگرچہ زمین سنسکرت کی بھی دیسی بولی کی ہے لیکن چونکہ اسمیں کچھ آریہ بھاشا کے زیادہ لفظ لئے گئے اور خاص کر اسوجہ سے کہ دیسی بولی کے بھی جو لفظ اسمیں لئے گئے انہیں سنسکرت بنانے والوں نے بگاڑ کر آریہ شکل دی۔ اسلئے ہمارے دیس میں یہ غلط خیال عام پھلا ہوا ہے کہ سنسکرت ایک شدہ آریہ بھاشا ہے۔ زمین دونوں کی دراڑی ہونے کی وجہ سے سنسکرت کے بہت لفظ میری بولی کے لفظوں جیسے ہیں، اسلئے بہت لوگ غلطی سے میری بولی کو ایک آریہ بھاشا کہتے ہیں۔ اصل میں میری بولی دراڑی ہے۔ کہنے کو مدراس کی بولیں کو دراڑی کہا جاتا ہے، لیکن انہیں سے کوئی بھی اتنی دراڑی نہیں جتنی میری بولی۔ لہی بننے سے پہلے آریہ بھاشا میں کیا آوازیں شامل تھیں بلکہ کون کون سی اسمیں شامل نہ تھیں کہنا مشکل

व्यंजन भी मेरी बोली में गिन्ती के हैं. क, ख, ग, घ,

دینجن بھی مڑی بولی میں گنتی کے ہیں۔ ک، گ، کم، گ، کم،

کی۔ فرائیج کی 350 کھڑیاں آسٹریا میں ایک منٹ میں بولی جاتی ہیں، جاپانی کی 310، جرمنی کی 250 اور انگریزی کی صرف 220۔ میرا خیال ہے کہ سنسکرت اور اسکی نقلی ہندی کی 150 بھی نہیں۔ شاید میری بولی فرائیج کو بھی مات کرتی ہے، لیکن اسطرف کون دیکھائی دے؟ کیا رکھا ہے ان باتوں میں؟ مات کی ہاتھ کھسکتی ہے ہمارا علم کا شوق!

میری بولی کے رُپ میں 21 व्यंजन, सब शुद्ध, انमें कोई मिलावट या जोड़ नहीं, और इसलिये वह एक भीठी, सुरीली, बहती मौसीकी है. खूबसूरती में सारी दुनिया की बोलियों में उसे तीसरा दर्जा दिया गया है. अगर उसमें जिन्स (लिंग) की बीमारी न होती तो दूसरी गिनी जाती. ग्रामर न होने के बराबर, सीधी सादी सुन्दरी जिसे गहने पाते से नफ़रत, बोलने में आसान, समझने में आसान, सीखने में आसान. उसकी इस आसानी ने उसे फैलने में बहुत कुछ मदद दी. बड़ी खराबी उसमें है तो यह कि उसमें एक आदमी दूसरे का आसानी से धोका नहीं दे सकता, और हमारे लीडर चाहते हैं ऐसी ज़बान जिसमें वह धोका दे सकें या कम से कम लارے लपे लगा सकें. यही लीडर कहते हैं यहां है जनता का राज! सब धोका, कहने की बात! जिस देस में इस देस की आम बोली या उसकी राजधानी की बोली, सरकारी बोली नहीं है, वहां कोई चीज जनता की नहीं हो सकती.

میری بولی کے (دہا) میں 21 سوریں, سب شدد, انمیں کوئی ملاوٹ یا جوڑ نہیں اور اسلئے وہ ایک میٹھی, سربلی, بہتی, موسیقی ہے. خوبصورتی میں ساری دنیا کی بولیوں میں اسے تیسرا درجہ دیا گیا ہے. اگر اسمیں جنس (لنگ) کی بیماری نہ ہوتی تو دوسری گنی جاتی. گرامر نہ ہونیکے برابر, سیدھی سادی سادری جسے کہنے پاتے سے نفرت, ہولہ میں آسان, سمجھنے میں آسان, سیکھنے میں آسان. اسکی آسانی نے اسے پھیلنے میں بہت کچھ مدد دی. بڑی خرابی اسیں ہے تو یہ کہ اسمیں ایک آدمی دوسرے کو آسانی سے دھوکا نہیں دےسکتا, اور ہمارے لیڈر چاہتے ہیں ایسی زبان جس میں وہ دھوکا دے سکیں یا کم سے کم لارے لگا سکیں. یہی لیڈر کہتے ہیں یہاں ہے جنتا کا راج! سب دھوکا, کہنے کی بات! جس دیس میں اس دیس کی عام بولی یا اسکی راجدھانی کی بولی, سرکاری بولی نہیں ہے وہاں کوئی چیز جنتا کی نہیں ہو سکتی.

एक खास भियाद के अन्दर हर सूबे की अदालतों और असेम्बलियों का काम काज उसी सूबे की भाषा में जारी होना चाहिये. अपील की आखिरी अदालत की ज़बान हिन्दुस्तानी करार दी जाय, लिखावट चाहे देवनागरी हो या फ़ारसी. सेन्ट्रल गवर्नमेन्ट और असेम्बलियों की भाषा भी हिन्दुस्तानी ही हो. अन्तर्राष्ट्रीय राज ब्योहार की भाषा अंगरेज़ी रहे. मुझे भरोसा है कि अगर आपको यह तजवीज़ अपने विचार के मुताबिक़ नज़र न आई और आपने यह खयाल किया कि मैं स्वराज की इच्छा में हद से बाहर चला गया हूँ तो भी आप छूटते ही इसकी हंसी न उड़ाने लगेंगे.

—महात्मा गांधी

ایک خاص مہیاد کے اندر ہر صوبے کی عدالتوں اور اسمبلیوں کا کام کاج اسی صوبے کی بھاشا میں جاری ہونا چاہیئے. اپیل کی آخری عدالت کی زبان ہندستانی قرار دی جائے, لکھارت چاہے دیوناگری ہو یا فارسی. سینٹرل گورنمنٹ اور اسمبلیوں کی بھاشا بھی ہندستانی ہی ہو. انٹرنیشنل راج بیوہار کی بھاشا انگریزی رہے. مجھے یوروسہ ہے کہ اگر آپ کو یہ تجویز اپنے وچار کے مطابق نظر نہ آئی اور آپ نے یہ خیال کیا کہ میں سراج کی چھا میں حد سے باہر چلا گیا ہوں تو بھی آپ چھوٹے ہی اس کی ہلسی قہ اڑانے لگیں گے.

—مہاتما گاندھی

بمبئی کا ایک دکھ بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دکھ بھرا نظارہ

شری سندر لال

شری سندر لال

شری بی. جی. خیر کئی سال تک بمبئی کے چیف منسٹر رہ چکے ہیں۔ اسکے بعد وہ انگلینڈ میں بھارت کے ہائی کمشنر تھے۔ ہم انہیں ایک زمانے سے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہمارے دل میں اُن کا بڑا آدر ہے۔

شری بی. جی. کھدر کئی سال تک بمبئی کے چیف منسٹر رہ چکے ہیں۔ اسکے بعد وہ انگلینڈ میں بھارت کے ہائی کمشنر تھے۔ ہم انہیں ایک زمانے سے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہمارے دل میں اُن کا بڑا آدر ہے۔

شری بی. جی. خیر کو ان کے ساتھی 'بالا ساہب' کہتے ہیں۔ بمبئی کے پچھلے دورے میں ہمیں بالا صاحب سے کئی بار ملنے کا سہواگیتہ پڑا ہے۔ پہلی بار ہم اُن سے اُن کے کھار کے مکان پر ملے۔ قریب گھنٹے تک وہ ہمیں بڑے شوق کے ساتھ یہ بتاتے رہے کہ آجکل وہ اپنا سمنے کس کام میں خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی سہوا کا میدان آجکل بمبئی کے اندر غریب لوگوں کی کچھ بستیاں ہیں۔ اگلے دن صبح ہم نے اُن کے ساتھ جاکر ان بستیوں کی حالت اور بالا صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے کام کو دیکھا۔ اس میں تین گھنٹے سے اوپر خرچ ہوئے۔ شام کو پھر انہیں نے ہمیں اپنے کام کی بابت اور ادھک جانکاری کرائی۔

شری بی. جی. کھدر کو اُن کے ساتھی 'بالا صاحب' کہتے ہیں۔ بمبئی کے پچھلے دورے میں ہمیں بالا صاحب سے کئی بار ملنے کا سہواگیتہ پڑا ہے۔ پہلی بار ہم اُن سے اُن کے کھار کے مکان پر ملے۔ قریب گھنٹے تک وہ ہمیں بڑے شوق کے ساتھ یہ بتاتے رہے کہ آجکل وہ اپنا سمنے کس کام میں خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی سہوا کا میدان آجکل بمبئی کے اندر غریب لوگوں کی کچھ بستیاں ہیں۔ اگلے دن صبح ہم نے اُن کے ساتھ جاکر ان بستیوں کی حالت اور بالا صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے کام کو دیکھا۔ اس میں تین گھنٹے سے اوپر خرچ ہوئے۔ شام کو پھر انہیں نے ہمیں اپنے کام کی بابت اور ادھک جانکاری کرائی۔

بمبئی کی میونسپلٹی آجکل ایک بڑی میونسپلٹی ہے جسے گریٹر بمبئی یعنی بڑی بمبئی کہتے ہیں۔ اس بڑی بمبئی کے اندر باندرا کے بوچرخانے سے ملا ہوا دور تک پھیلا ہوا ایک علاقہ ہے جس میں لگ بھگ بیس ہزار مرد عورت اور بچے بستے ہیں۔ اس میں الگ الگ کئی بستیاں ہیں۔ ان لوگوں کی غریبی، ان کی مصیبتوں اور اُن کے رہن سہن کو دیکھ کر ہمیں بالکل یہ خیال آیا کہ سچ مچ اگر ترک کہیں دھرتی پر ہو سکتا ہے تو یہیں ہے۔

بمبئی کی میونسپلٹی آجکل ایک بڑی میونسپلٹی ہے جسے گریٹر بمبئی یعنی بڑی بمبئی کہتے ہیں۔ اس بڑی بمبئی کے اندر باندرا کے بوچرخانے سے ملا ہوا دور تک پھیلا ہوا ایک علاقہ ہے جس میں لگ بھگ بیس ہزار مرد عورت اور بچے بستے ہیں۔ اس میں الگ الگ کئی بستیاں ہیں۔ ان لوگوں کی غریبی، ان کی مصیبتوں اور اُن کے رہن سہن کو دیکھ کر ہمیں بالکل یہ خیال آیا کہ سچ مچ اگر ترک کہیں دھرتی پر ہو سکتا ہے تو یہیں ہے۔

یہ لگ بھگ سارا علاقہ نچلیں میں ہے۔ وہاں کی ادھک تر دھرتی پانی اور کچھ سے بھری ہوئی ہے۔ بیس ہزار کی آبادی میں کہیں کہیں تھوڑی اونچائی پر سو پچاس مکان ایسے ہیں جو آدمیوں کے رہنے کے مکان کہلا سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر اُن لوگوں کے ہیں جو پاس کے بوچرخانے میں ٹھیکے داری وغیرہ کا کام کرتے ہیں یا ریل کے ملازم ہیں جن میں سے کچھ کے لئے ریلوے نے کوارٹر بنوا دیئے ہیں۔ یہ لوگ خوش حال یا کم سے کم کھاتے پیتے کہہ جاسکتے ہیں۔ باقی ہزاروں جھونپڑوں اور اُن کی حالت کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان میں انسان

یہ لگ بھگ سارا علاقہ نچلیں میں ہے۔ وہاں کی ادھک تر دھرتی پانی اور کچھ سے بھری ہوئی ہے۔ بیس ہزار کی آبادی میں کہیں کہیں تھوڑی اونچائی پر سو پچاس مکان ایسے ہیں جو آدمیوں کے رہنے کے مکان کہلا سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر اُن لوگوں کے ہیں جو پاس کے بوچرخانے میں ٹھیکے داری وغیرہ کا کام کرتے ہیں یا ریل کے ملازم ہیں جن میں سے کچھ کے لئے ریلوے نے کوارٹر بنوا دیئے ہیں۔ یہ لوگ خوش حال یا کم سے کم کھاتے پیتے کہہ جاسکتے ہیں۔ باقی ہزاروں جھونپڑوں اور اُن کی حالت کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان میں انسان

اچھے ہونگے۔ نہ دیواروں میں نہ دروازے، نہ کھڑکیاں نہ فرش، نہ فرش، نہ چھت، کچھ ختوں میں سے پڑنے لگیں یا ڈال کے ٹکڑے جمع کر کے ایک طرح کی جھونپڑیاں سی ڈال لی گئی ہیں جن میں سے ایک ایک میں چار چار اور پانچ پانچ آدمیوں کا کنبہ رہتا ہے۔ اکثر جگہ نیچے کیچڑ ہے۔ اینٹ پتھروں کے ٹکڑوں پر لکڑی وغیرہ رکھ کر اُسے کسی طرح سولے بیٹھنے کے کام کا کر لیا گیا ہے۔ کسی اوسط گاؤں کے لوگ اپنے جانوروں کو اس طرح کے مکانوں میں نہیں رکھ سکتے۔

ان لوگوں کے لئے کوئی پاخانے نہیں ہیں۔ پاس کوئی کھل چنل ہی نہیں ہے۔ ایک جھونپڑی سے دوسری جھونپڑی یا ایک چھوٹی بستی سے دوسری بستی جانے کے لئے کوئی ٹھیک راستہ بھی نہیں ہیں۔ بالا صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے ہمراہ جب ہم ان بستیوں کو دیکھتے ہوئے پھر رہے تھے تو چھوٹے چھوٹے راستوں پر ہمیں سنبھال سنبھال کر پیر رکھنے پڑتے تھے۔ یہ ہزاروں مرد، عورت اور بچے جہاں چاہے پاخانے کے لئے بیٹے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم نے بالا صاحب سے شکایت کی تو انہوں نے بڑے درد کے ساتھ ہم سے کہا:— ”یہ بیچارے اور کر بھی کھا سکتے ہیں؟ اور کہاں بیٹھیں؟“

ان بیس ہزار لوگوں میں سے بہت سے مسلمان ہیں، کچھ عیسائی، کچھ ہریجن اور کچھ دوسری جاتوں کے ہندو۔ کچھ ایسے غریب مسلمان بھی ہیں جو ہندو مسلم دونوں کے دونوں میں شہر کے دوسرے حصوں سے بھاگ بھاگ کر یہاں آکر بس گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ شہر میں جگہ جگہ چاکر مزدوروں کرتے ہیں بشرطیکہ مزدوری مل جائے۔ کچھ شہر سے پھل کی دکانیں یا چھوٹے خرید کر یا جمع کر کے انہیں بیچ لیتے ہیں، کچھ ناداری سے منجبر ہو کر ادھر ادھر چوری چھاری بھی کر لیتے ہیں۔ غریبی کی تصویر اس سے بڑھ کر شاید ہی دنیا میں کہیں اور دیکھنے کو مل سکے اور یہ اُس ”بڑی بمبلی“ کے ٹھیک اندر جو ہنگاموں، آٹاریوں اور مکملوں سے بھری ہوئی ہے۔

ان بستیوں تک پہنچنے کا راستہ ریل کی کئی چوڑی لٹلیں پار کر کے ملتا ہے۔ نہ کوئی پل ہے، نہ کوئی سڑک۔ ہم شری بی۔ جی۔ کپور کے ساتھ جہاں تک موٹر سے جاسکتے تھے گئے۔ شری بی۔ جی۔ کپور نے ہم سے پھر بڑے درد کے ساتھ کہا کہ ریل کے پٹاؤں کو کھولنے کے لئے، تاکہ موٹر ادھر سے ادھر جاسکے، انہیں کبھی کبھی تیز دیر تھکے انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اُس فاصلے کے لئے جو شاید سو گز بھی نہ ہوگا۔ اگر ان بستیوں سے کسی بیمار کو شہر کے کسی اسپتال تک لانے کی کوشش کی جائے یا بچہ ہونے کی صورت میں کسی کو لہتی ڈاکٹر کی مدد کی ضرورت ہو تو ایک دو فرلانگ پار کرنے کے

ان لوگوں کے لئے کوئی پاخانے نہیں ہیں۔ پاس کوئی کھل چنل ہی نہیں ہے۔ ایک جھونپڑی سے دوسری جھونپڑی یا ایک چھوٹی بستی سے دوسری بستی جانے کے لئے کوئی ٹھیک راستہ بھی نہیں ہیں۔ بالا صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے ہمراہ جب ہم ان بستیوں کو دیکھتے ہوئے پھر رہے تھے تو چھوٹے چھوٹے راستوں پر ہمیں سنبھال سنبھال کر پیر رکھنے پڑتے تھے۔ یہ ہزاروں مرد، عورت اور بچے جہاں چاہے پاخانے کے لئے بیٹے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم نے بالا صاحب سے شکایت کی تو انہوں نے بڑے درد کے ساتھ ہم سے کہا:— ”یہ بیچارے اور کر بھی کھا سکتے ہیں؟ اور کہاں بیٹھیں؟“

ان بیس ہزار لوگوں میں سے بہت سے مسلمان ہیں، کچھ عیسائی، کچھ ہریجن اور کچھ دوسری جاتوں کے ہندو۔ کچھ ایسے غریب مسلمان بھی ہیں جو ہندو مسلم دونوں کے دونوں میں شہر کے دوسرے حصوں سے بھاگ بھاگ کر یہاں آکر بس گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ شہر میں جگہ جگہ چاکر مزدوروں کرتے ہیں بشرطیکہ مزدوری مل جائے۔ کچھ شہر سے پھل کی دکانیں یا چھوٹے خرید کر یا جمع کر کے انہیں بیچ لیتے ہیں، کچھ ناداری سے منجبر ہو کر ادھر ادھر چوری چھاری بھی کر لیتے ہیں۔ غریبی کی تصویر اس سے بڑھ کر شاید ہی دنیا میں کہیں اور دیکھنے کو مل سکے اور یہ اُس ”بڑی بمبلی“ کے ٹھیک اندر جو ہنگاموں، آٹاریوں اور مکملوں سے بھری ہوئی ہے۔

ان بستیوں تک پہنچنے کا راستہ ریل کی کئی چوڑی لٹلیں پار کر کے ملتا ہے۔ نہ کوئی پل ہے، نہ کوئی سڑک۔ ہم شری بی۔ جی۔ کپور کے ساتھ جہاں تک موٹر سے جاسکتے تھے گئے۔ شری بی۔ جی۔ کپور نے ہم سے پھر بڑے درد کے ساتھ کہا کہ ریل کے پٹاؤں کو کھولنے کے لئے، تاکہ موٹر ادھر سے ادھر جاسکے، انہیں کبھی کبھی تیز دیر تھکے انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اُس فاصلے کے لئے جو شاید سو گز بھی نہ ہوگا۔ اگر ان بستیوں سے کسی بیمار کو شہر کے کسی اسپتال تک لانے کی کوشش کی جائے یا بچہ ہونے کی صورت میں کسی کو لہتی ڈاکٹر کی مدد کی ضرورت ہو تو ایک دو فرلانگ پار کرنے کے

ان بستیوں تک پہنچنے کا راستہ ریل کی کئی چوڑی لٹلیں پار کر کے ملتا ہے۔ نہ کوئی پل ہے، نہ کوئی سڑک۔ ہم شری بی۔ جی۔ کپور کے ساتھ جہاں تک موٹر سے جاسکتے تھے گئے۔ شری بی۔ جی۔ کپور نے ہم سے پھر بڑے درد کے ساتھ کہا کہ ریل کے پٹاؤں کو کھولنے کے لئے، تاکہ موٹر ادھر سے ادھر جاسکے، انہیں کبھی کبھی تیز دیر تھکے انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اُس فاصلے کے لئے جو شاید سو گز بھی نہ ہوگا۔ اگر ان بستیوں سے کسی بیمار کو شہر کے کسی اسپتال تک لانے کی کوشش کی جائے یا بچہ ہونے کی صورت میں کسی کو لہتی ڈاکٹر کی مدد کی ضرورت ہو تو ایک دو فرلانگ پار کرنے کے

ہرے پورے دن لگ سکتا ہے۔ ان آہاگوں کے لئے شاید دلہیا کی یہ سہولیاتیں ہیں ہی نہیں۔ کہیں کہیں ان تک پہنچنے کے لئے بمبئی وائر درکس کے موٹے موٹے بمبوں (میلنس) پر سے کود کود کر جانا پڑتا ہے۔

اس پر کہا جاتا ہے کہ بمبئی میونسپلٹی ان لوگوں سے اسی حساب سے ٹیکس وصول کرتی ہے جس طرح سڑک کے دوسری طرف کے اتاری والوں سے ہالا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے ہمیں بتایا کہ اُس علاقے سے قریب ایک لاکھ ٹیکس وصول ہوتا ہے اور ان پر خرچ صرف قریب دو ہزار روپیہ سالانہ۔ یعنی ایک ٹیکس جمع کرنے والا ہے جس کو قریب سو روپیہ مہینہ دیا جاتا ہے۔ ممکن ہے ان آنکڑوں میں تھوڑی بہت غلطی ہو۔ یہ ہمیں رہائی کھول یاد سے بتاتے گئے تھے۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر ہالا صاحب کے شہدوں میں ”چوری اور رشوت خوری“ بھی وہاں خوب چلتی ہے۔ کچھ غذا قسم کے انسان بھی وہاں اسی غرض کے لئے رہتے دکھائے گئے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ اُس بستی کے ایک حصے سے کوئی ایک آدمی خلف قانون ان غریبوں سے لگ بھگ چودہ سو روپیہ مہینہ وصول کر لیتا ہے۔ حال میں سنا ہے اس پر مقدمہ بھی قائم ہو گیا ہے۔ نتیجہ جو کچھ ہو۔ بڑے آدمیوں کے جرم بڑے جرم ہوتے ہیں۔ ان کے پاپ اونچے اتاریوں اور مضمحل کے گدوں میں چھو رہے ہیں۔ غریبوں، ناداروں اور بدستوں کے چھوٹے چھوٹے گناہ اور گندے جرم ان کی غریبی کے ساتھ لپٹ کر چمکتے ہیں۔ کئی دکھ بھری گھٹائیں اُس بستی کے رہنے والوں کی ہم نے ان تین گنتوں کے اندر ہلاچی اور ان کے ساتھیوں سے سنیں۔ ہمارا دل برداشت نہیں کرتا کہ ہم انہیں یہاں دھراویں۔

اس پر کہا جاتا ہے کہ بمبئی میونسپلٹی ان لوگوں سے اسی حساب سے ٹیکس وصول کرتی ہے جس طرح سڑک کے دوسری طرف کے اتاری والوں سے ہالا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے ہمیں بتایا کہ اُس علاقے سے قریب ایک لاکھ ٹیکس وصول ہوتا ہے اور ان پر خرچ صرف قریب دو ہزار روپیہ سالانہ۔ یعنی ایک ٹیکس جمع کرنے والا ہے جس کو قریب سو روپیہ مہینہ دیا جاتا ہے۔ ممکن ہے ان آنکڑوں میں تھوڑی بہت غلطی ہو۔ یہ ہمیں رہائی کھول یاد سے بتاتے گئے تھے۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر ہالا صاحب کے شہدوں میں ”چوری اور رشوت خوری“ بھی وہاں خوب چلتی ہے۔ کچھ غذا قسم کے انسان بھی وہاں اسی غرض کے لئے رہتے دکھائے گئے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ اُس بستی کے ایک حصے سے کوئی ایک آدمی خلف قانون ان غریبوں سے لگ بھگ چودہ سو روپیہ مہینہ وصول کر لیتا ہے۔ حال میں سنا ہے اس پر مقدمہ بھی قائم ہو گیا ہے۔ نتیجہ جو کچھ ہو۔ بڑے آدمیوں کے جرم بڑے جرم ہوتے ہیں۔ ان کے پاپ اونچے اتاریوں اور مضمحل کے گدوں میں چھو رہے ہیں۔ غریبوں، ناداروں اور بدستوں کے چھوٹے چھوٹے گناہ اور گندے جرم ان کی غریبی کے ساتھ لپٹ کر چمکتے ہیں۔ کئی دکھ بھری گھٹائیں اُس بستی کے رہنے والوں کی ہم نے ان تین گنتوں کے اندر ہلاچی اور ان کے ساتھیوں سے سنیں۔ ہمارا دل برداشت نہیں کرتا کہ ہم انہیں یہاں دھراویں۔

ان لوگوں کی تندرستی کی یہ حالت ہے کہ اور بیماروں کو چھوڑ دیجئے حال میں ہالا جی اور ان کے ساتھیوں نے جو اُن بستیوں کی سروے کرائی اُس میں معلوم ہوا کہ قریب ایک ہزار بیمار اُن بستیوں میں ایسے ہیں جن پر کورز کا شک ہے۔ جانکروں کی رائے ہے کہ اگر اسے روکا نہ گیا تو تھوڑے دنوں میں یہ سارا علاقہ ایک بڑا کورز خانہ ہو جائیگا۔ جن حالتوں میں وہ رہ رہے ہیں اُن کا اور کچھ نتیجہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ شری بی۔ جی۔ ٹھہر نے اس بارے میں بمبئی سرکار کے ڈاکٹری کے انسروں سے پترو پتھر شروع کر رکھا ہے۔ اس کا جب اور جو کچھ نتیجہ نکل سکے۔

انگلینڈ سے لوٹنے کے کچھ دنوں بعد ہالا صاحب کا دھیان ان بستیوں کی طرف گیا۔ انہوں نے اُن کی حالت کو جا کر اچھی طرح دیکھا۔ اُس علاقے کا تین سنسٹھاؤں سے سمبندھ ہے—ایک بمبئی میونسپلٹی، دوسرے بمبئی سرکار اور تیسرے ریلوے۔ ہالا صاحب نے انہیں کے ساتھ

ان لوگوں کی تندرستی کی یہ حالت ہے کہ اور بیماروں کو چھوڑ دیجئے حال میں ہالا جی اور ان کے ساتھیوں نے جو اُن بستیوں کی سروے کرائی اُس میں معلوم ہوا کہ قریب ایک ہزار بیمار اُن بستیوں میں ایسے ہیں جن پر کورز کا شک ہے۔ جانکروں کی رائے ہے کہ اگر اسے روکا نہ گیا تو تھوڑے دنوں میں یہ سارا علاقہ ایک بڑا کورز خانہ ہو جائیگا۔ جن حالتوں میں وہ رہ رہے ہیں اُن کا اور کچھ نتیجہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ شری بی۔ جی۔ ٹھہر نے اس بارے میں بمبئی سرکار کے ڈاکٹری کے انسروں سے پترو پتھر شروع کر رکھا ہے۔ اس کا جب اور جو کچھ نتیجہ نکل سکے۔

انگلینڈ سے لوٹنے کے کچھ دنوں بعد ہالا صاحب کا دھیان ان بستیوں کی طرف گیا۔ انہوں نے اُن کی حالت کو جا کر اچھی طرح دیکھا۔ اُس علاقے کا تین سنسٹھاؤں سے سمبندھ ہے—ایک بمبئی میونسپلٹی، دوسرے بمبئی سرکار اور تیسرے ریلوے۔ ہالا صاحب نے انہیں کے ساتھ

پتر ویدھار شروع کیا۔ یہ پتر ویدھار فضول نہیں گیا پر اس سے بالا صاحب کو ادھک امید بھی نہیں بندھی۔ پتر ویدھار جاری ہے۔ ہم سے باتیں کرتے کرتے ایک بار پھر انہوں نے بڑی مایوسی سے کہا—“کوئی پرવાہ نہیں کرتا!” پر اس حالات میں بالا ساہب نے بڑی سمجھداری اور ہمت سے کام لیا۔ انہوں نے ہم سے کہا—“لوگوں کو یہ سب کام سرکار ہی پر نہیں ڈھونڈنا چاہیے۔ ہمیں اپنا کام خود کرنا چاہئے۔” اس اصول کے انوسار انہوں نے ان اہیگی ہستیوں کی حالت سدھارنے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آجکل ان کا لگ بھگ سب سمنے اسی میں بہتتا ہے۔ کچھ بہت اچھے نیاہیگی لوگوں سے کام کرنے والے بھی ان کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ بالا صاحب نے اپنی نجی پونجی کی ایک خاصی بڑی رقم یعنی لگ بھگ سب کچھ جو ان کا اپنا تھا اس کام کے لئے دے دیا ہے۔ بستی کے بچوں کے لئے اب ایک چھوٹا سا اسکول وہاں بن گیا ہے جس میں آجکل لگ بھگ چار سو لڑکے اور لڑکیاں لکھنا پڑھنا سیکھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے دھننے کے لئے کہیں کہیں زمین کو ذرا اونچا کر کے اس طرح کے سیدھے سادے مکان بھی نمونے کے طور پر بنا دیئے گئے ہیں جن میں انسان رہ سکیں۔ ایک چھوٹا سا کامن ہال یعنی پنچائنت گھر ان کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ بالا صاحب اور ان کے ساتھی ان لوگوں کے لئے روزگار کا بھی انتظام کر رہے ہیں۔ پاس کے ہوچرخانے میں جو بھیڑیں کتنی ہیں ان کی اون کی کٹ کر ابھی تک ملک کے باہر بھیج دی جاتی تھی۔ بالا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے اب اس اون کو خرید کر وہیں رکھنا شروع کر دیا ہے۔ وہ اون انہیں لوگوں سے کٹوانی جاتی ہے اور ہاتھ کرکھوں پر انہیں سے اس سے کمبل اور کوٹنگ کا کپڑا بنوایا جاتا ہے۔ ہم نے ان کا حال کا بنا ہوا ایک کمبل اور ایک کوٹنگ کا تھان بھی دیکھا۔ مال بہت سندر تھا۔ پر یہ کام ابھی تو من میں چھٹانک بھی نہیں۔ روٹی سے چرخوں پر سوت کاتنے اور اس سے کھدر بننے کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ ہاتھ کا کاغذ بنانے اور صابن بنانے کا کام بھی بہت جلدی شروع ہونے والے ہیں۔ بالا صاحب اور ان کے ساتھیوں کے کام میں ہندو، مسلمان، ہریجن ہیں، اونچ نیچ کے فرق کی کہیں گندھ تک نہیں ہے۔ ان کے ساتھیوں میں بھی سب دھرموں کے اور سب طرح کے لوگ بڑی خوشی سے شامل ہیں۔ بالا صاحب نے ہمیں وشواس دلایا کہ پانچ برس کے اندر وہ اس ساری بستی کو ایک “گرڈین سٹی” یعنی سندر بستی اور ہراہرا باغ بنادینگے۔

ہم نے بالا صاحب سے پوچھا کہ وہ بنا کئی دھن کے یا سرکاری مدد کے اس اتنے بڑے کام کو کیسے پورا کر سکیں گے؟ انہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ جواب دیا کہ “جب ہم سے اپنے پاس کا پیسہ ختم ہو جائے گا تب میں

ہم نے بالا صاحب سے پوچھا کہ وہ بنا کئی دھن کے یا سرکاری مدد کے اس اتنے بڑے کام کو کیسے پورا کر سکیں گے؟ انہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ جواب دیا کہ “جب ہم سے اپنے پاس کا پیسہ ختم ہو جائے گا تب میں

سرکار سے بھی مانگوں گا اور لوگوں سے بھی مانگوں گا اور مجھے
بیمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دم بھرا نظارہ

लेखक—स्व. डा. हरि प्रसाद देसाई

लेखक—سرگندہ ڈاکٹر ہری پرساد دیسائی

अनुवादक—श्री गुनवंत मेहता

انواندک—شوری گنونت مهتا

پہلا دن

پہلا دن

विस्तर में आधी जागृति और आधी नींद में आलसी अवस्था में पड़े रहने से कुछ फायदा नहीं; जागते ही कौरव छठ बैठो! हमारा सबसे बड़ा जिस्मानी दुश्मन आलस्य (काहिली) है।

بستر میں آدھی جاگرتی اور آدھی نیند میں آنسی اوستھا میں پڑے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں؛ جاگتے ہی فوراً اٹھ بیٹھو! ہمارا سب سے بڑا جسمانی دشمن آلسیہ (کاہلی) ہے۔

तबे-दिल से इस्तजा करो कि 'सब इन्सानों की तरफ़्ती हो! सचवाई के राहगीरों को हे भगवान! ताक़त दो कि वे क्यादा हिम्मत और मेहनत से कार्य करते रहें और वे इन्द्रियों के विकारों के गुलाम न बनकर साबित क़दक रहें!'

تہ دل سے استجا کرو کہ 'سب انسانوں کی ترقی ہو! سچائی کے راہگیروں کو ہے بھگوان! طاقت دو کہ وہ زیادہ محنت اور ہمت سے کاریہ کرتے رہیں اور وہ اندریوں کے وکاروں کے ظلم نہ بنکر ثابت قدم رہیں!'

फिर अपने इष्ट देवता का सुमिरन करो, ध्यान धरो, सच्चे भक्ति भाव से भगवान से प्रार्थना करो कि, 'हे भगवान! आज के दिन तक क़स्मे-के क़ाबिल काम न करके और न करने के काम करके मैंने जो जो पाप किये हैं, उन सबको माफ़ करो!' [इस अवसर पर ऐसे कामों की जाँच-पड़ताल भी करो और जितने याद आयें उन सबको भगवान के सामने निवेदन करो.]

پھر اپنے ایشٹ دیوتا کا سمرن کرو، دھیان دھرو، سچے بھکتی بھاؤ سے بھگوان سے پراتھنا کرو کہ، 'ہے بھگوان! آج کے دن تک کرنے کے قابل کام نہ کر کے اور نہ کرنے کے کام کر کے میں نے جو جو پاپ کئے ہیں، ان سب کو معاف کرو!' [اس اوسر پر ایسے کاموں کی جانچ پڑتال بھی کرو اور جتنے یاد آئیں ان سب کو بھگوان کے سامنے نویدن کرو.]

इतना करने से मन की एकाग्रता बढ़ेगी, आत्म परीक्षा करना आएगा, हृदय पवित्र होगा और उच्च जीवन के लिये आग्रह बँधेगा. इसका मतलब यह नहीं कि तुम सारे दिन गंभीर और भारी बने हुए फिरा करो. मासूम हँसी-बिस्लगी में वक्त गुज़ारना तो जीवन विकास में निहायत जरूरी है.

اتنا کرنے سے من کی ایکگرتا بڑھیکی، آتم پریشکا کرنا آئیگا، ہر دے پوتر ہوگا اور اُدچ جہوں کے لئے آکرہ بندھے گا. اسکا مطلب یہ نہیں کہ تم سارے دن گمبھیر اور بھاری بنے ہوئے پھرا کرو. معصوم ہنسی دالمگی میں وقت گزارنا تو جہوں کے وکس میں نہایت ضروری ہے.

सिर्फ़ हैवान के माफ़िक न रहकर मानव जीवन का मुकम्मिल विकास करके, उच्च जीवन हासिल करने का आज से ही पूरा इरादा करलो. इस बात को गाँठ में बांध लेने की खास जरूरत है.

صرف حیوان کے موافق نہ رہ کر مانو جیون کا مکمل وکس کر کے، اُدچ جہوں حاصل کرنے کا آج سے ہی پورا ارادہ کرلو. اس بات کو گانٹہ میں باندھ لینے کی خاص ضرورت ہے.

हातुन करते वक्त और नहाते समय भी पाक-साफ़ विचार बराबर जारी रहने दो. पक्का इरादा करो कि, 'मेरी जिस्मानी गंदगी के साथ-साथ मेरी विली गंदगी भी दूर हो!'

دانین کرتے وقت اور نہاتے سمٹہ بھی پاک صاف وچار برابری جانی رہنے دو. پکا ارادہ کرو کہ، 'میری جسمانی گندگی کے ساتھ ساتھ میری دلی گندگی بھی دور ہو!'

भोजन करते समय भी यह बात ध्यान में रहे कि खुराक केवल जिस्म की परवरिश के लिये और सेहत के लिये है, सिर्फ़ खानी खाए के लिये नहीं है. भूखण्ड बनकर

بوجن کرتے سمٹہ بھی یہ بات دھیان میں رہے کہ خوراک کھول جسم کی پرورش کے لئے اور صحت کے لئے ہے، صرف زبانی سواد کے لئے نہیں ہے. بھوک بنکر

कभी मत खाना. पेट में जितनी भूक लगी हो उससे ज़रा कम खाना. खाने के बाद अचेतन-सा बन जाना कि जिससे तुरन्त काम न हो सके; ऐसी स्थिति लज्जास्पद है.

भगवान का उपकार मानना कि, जब हज़ारों इन्सान के पूरे पेट भी नहीं पलते तब उन्हें भोजन मिलता है. भोजन के समय इरादा करना कि, 'खुराक बराबर हज़म हो जाओ और जिस्म अपने फर्ज अदा करो और रूहानी नीयतों के रास आओ! बुरे विकार या मनहूस विचार पैदा न हो!'

खाने के बाद फिर आत्म परीक्षा करो, चारित्र में बसे हुए ऐबों का खयाल करो. ऐब कितना मनहूस करने वाले है, यह सोचते रहो. उनमें से मिलता हुआ सुख कितना क्षणिक है, इस बात का चिंतन करो!

आईदा ऐसे ऐबों के मातहत न हाने का मजबूत इरादा करो.

ऐसे आत्म निरीक्षण से भगवान, जो कि तुम्हारे ही अंतर में न्यायाधीश की सूरत में बैठा है, उनसे अपनी चाल-ढाल का न्याय कराने से तुम्हारी कल्पना से भी ज़्यादा रूहानी तरक्की होने लगेगी.

सारे दिन चलते-फिरते, काम करते करते, जब समय मिले तब आज के बारे में विचार शुद्धि की क्रिया जारी रखो.

शाम के वक्त सैर या मर्दानगी भरे खेल कूद में रहो. पाबंदी और व्यायाम से बदन को चंगा और हट्टाकट्टा करो. तमाम धम अदा किये जा सकने के बल पर पहिले-पहल बदन तो तंदुरुस्त होना ही चाहिये.

दुनिया भर के तमाम मंदिरों में देह जैसा चमत्कारक व आलीशान मंदिर दूसरा एक भी नहीं है.

सो जाने से पहले प्रातःकाल के माफ़िक फिर प्रार्थना करो. सारे दिन में तुमने जो कुछ किया हो, उन सबकी अंतर्थासी की गवाही में तीन दफा तलाश करो. विचारों में किये गये कुछ पापों को ढूँढ़ निकालो. क्रोध, राग, द्वेष, ईर्ष्या, असत्य, व्यभिचार, लोभ या मोह का गोया अनजाने में संग हुवा हो, समय का दुरुपयोग किया हो इत्यादि को खबरदार पहरेगीर की तरह जाँचो, बार बार तलाश करो या तो डायरी में सविस्तार लिख डालो. वह पढ़ जाओ. क्रसूर और गुनाहों के लिये परचाताप करा [तोबा करी] भगवान से क्षमा माँगो और 'फिर ऐसे विचारों से या कर्मों से दोष नहीं करूँगा' ऐसा मन में ठानो.

'कल से ही मैं आज से ज़्यादा नेक बनूँगा' ऐसा इरादा करने के बाद सो जाओ.

कभी मत खाना. पेट में जितनी भूक लगी हो उससे ज़रा कम खाना. खाने के बाद अचेतन-सा बन जाना कि जिससे तुरन्त काम न हो सके; ऐसी स्थिति लज्जास्पद है.

भगवान का उपकार मानना कि, जब हज़ारों इन्सान के पूरे पेट भी नहीं पलते तब उन्हें भोजन मिलता है. भोजन के लक्ष्य इरादा करना कि, 'खुराक बराबर हज़म हो जाओ और जिस्म अपने फर्ज अदा करो और रूहानी नीयतों के रास आओ! बुरे विकार या मनहूस विचार पैदा न हो!'

खाने के बाद फिर आत्म परीक्षा करो, चारित्र में बसे हुए ऐबों का खयाल करो. ऐब कितना मनहूस करने वाले है, यह सोचते रहो. उनमें से मिलता हुआ सुख कितना क्षणिक है, इस बात का चिंतन करो!

आईदा ऐसे ऐबों के मातहत न हाने का मजबूत इरादा करो.

ऐसे आत्म निरीक्षण से भगवान, जो कि तुम्हारे ही अंतर में न्यायाधीश की सूरत में बैठा है, उनसे अपनी चाल-ढाल का न्याय कराने से तुम्हारी कल्पना से भी ज़्यादा रूहानी तरक्की होने लगेगी.

सारे दिन चलते-फिरते, काम करते करते, जब समय मिले तब आज के बारे में विचार शुद्धि की क्रिया जारी रखो.

शाम के वक्त सैर या मर्दानगी भरे खेल कूद में रहो. पाबंदी और व्यायाम से बदन को चंगा और हट्टाकट्टा करो. तमाम धम अदा किये जा सकने के बल पर पहिले-पहल बदन तो तंदुरुस्त होना ही चाहिये.

दुनिया भर के तमाम मंदिरों में देह जैसा चमत्कारक व आलीशान मंदिर दूसरा एक भी नहीं है.

सो जाने से पहले प्रातःकाल के माफ़िक फिर प्रार्थना करो. सारे दिन में तुमने जो कुछ किया हो, उन सबकी अंतर्थासी की गवाही में तीन दफा तलाश करो. विचारों में किये गये कुछ पापों को ढूँढ़ निकालो. क्रोध, राग, द्वेष, ईर्ष्या, असत्य, व्यभिचार, लोभ या मोह का गोया अनजाने में संग हुवा हो, समय का दुरुपयोग किया हो इत्यादि को खबरदार पहरेगीर की तरह जाँचो, बार बार तलाश करो या तो डायरी में सविस्तार लिख डालो. वह पढ़ जाओ. क्रसूर और गुनाहों के लिये परचाताप करा [तोबा करी] भगवान से क्षमा माँगो और 'फिर ऐसे विचारों से या कर्मों से दोष नहीं करूँगा' ऐसा मन में ठानो.

'कल से ही मैं आज से ज़्यादा नेक बनूँगा' ऐसा इरादा करने के बाद सो जाओ.

آत्म پریکھا، آत्म सम्मान और आत्म विश्वास जिन्हों ने पाये हैं, वे सब अपने देह रूपी राज्य के बादशाह हैं. प्रथम अपने आप पर स्वराज्य हासिल करो.

آتم پریکھا، آتم سمان اور آتم وشواس جنہوں نے پائے ہیں، وہ سب دیہہ روپی راجیہ کے بادشاہ ہیں۔ پرتم اپنے آپ پر سوراچیہ حاصل کرو۔



دوسرا दिन

‘टाईم-टेबुल’ यानी समय-पत्रक तैयार करो और बा-पाबंदी उसका पालन करो. व्यायाम, पढ़ाई, कर्तव्य-कर्म, आराम और नींद के लिये समय को बराबर बाँट कर सुकरें कर दो. इस युग के आज्ञा व उम्दा व्रत-नियम टाईम-टेबुल के अनुसार चलने में हैं।

शरीर को साफ रखो. हर रोज दंत मंजन के साथ दातुन करो. खूब कुल्ले करो. दो दफा स्नान करो. वस्त्र बहुत ही साफ सुथरे रखो.

अपना कमरा साफ और सुन्दर बनाओ. सारा घर भगवान के मंदिर जैसा साफ, सुशोभित और सुन्दर रहना चाहिये. पाखाने में बदबू न रहे, नालियां साफ रहें और घर-आंगन व गलियां साफ व आकर्षक (दिलकश) बनना चाहिये. गंदगी की वजह से मानो भगवान आजकल हमसे रूठ गये हैं. जब स्वच्छता, शांति, सौंदर्य, फूल व पेड़ और धूप-दीप से हमारे घर-आंगन पवित्र बनेंगे तब रूठे हुए भगवान मन जायेंगे. फिर जहाँ चौबीस घंटों तक खूद भगवान विराजमान होने वाले हैं तब तो वहाँ हमें अपनी गलियाँ, आंगन, घर का हर एक कमरा साफ, सुन्दर और दिलकश बनाना चाहिये. महा पुरुषों की, देवों की और सृष्टि-सौंदर्य के नजारों की प्रेरक तस्वीरें घर के हर कमरे में लगा दो. अपनी शक्ति के अनुसार पुस्तकालय रखो. चुनी हुई बढ़िया पुस्तकों की पढ़ाई, इस युग में गुरुओं की रहनुमाई के बराबर है. अच्छे अखबार, महावारी पत्र और सामयिक पढ़ते रहो. मित्रों के साथ का समय ज्ञान चर्चा में बिताओ. हमारी आत्मोन्नति हां, ऐसी एकाध गंभीर पुस्तक भी मननपूर्वक पढ़ते रहो.

और बाद में पढ़े हुए पर खूब सोच-विचार करो. सिरुं पढ़ा हुआ याद रखने से कुछ नहीं होने का. श्रवण और पाठन के मानी जो जो सुना और पढ़ा हुआ हो, हर एक के बारे में मनन और लगातार चिंतन करने की बहुत जरूरत है. मनन के मानी हैं गहरा सोचने की आदत. पुस्तकों में जो कुछ भी हो, वह सब सही ही हो, ऐसा मान लेना नहीं चाहिये. हर एक राय पर हम अपने स्वतंत्र निजी विचार करके जीवन के और देश के महान प्रश्नों के बारे में हमें अपने सिद्धान्त रचने चाहियें.

دوسرا دن

ٹائم ٹیبل یعنی سمنہ پترک تیار کرو اور با پابندی اسکا پالن کرو. ویایام، پڑھائی، کرتوبہ کرم، آرام اور نیند کے لیئے سمنہ کو برابر بانٹ کر مقرر کردو. اس یگ کے اعلیٰ و عدہ ورت نیم ٹائم ٹیبل کے انوسار چلنے میں ہیں.

شریر کو صاف رکھو. ہر روز دنت منجن کے ساتھ داتون کرو. خوب فلی کرو. دو دفعہ اسنان کرو. وستر بہت ہی صاف ستھرے رکھو.

اپنا کمرہ صاف اور سندر بنائو. سارا گھر بھکوان کے مندر جیسا صاف، سرشوبہت اور سندر رہنا چاہیئے. پادانہ میں بدبو نہ رہے، نا لیاں صاف رہیں اور گھر آنکھیں دگلیاں صاف و آکرشک (دلکش) بننا چاہیئے. گندگی کی وجہ سے مانو بھکوان آچکل ہم سے روٹھ گئے ہیں. جب سوچھتا، شوہتا، سوندریہ، پھول و پھڑ اور دھوپ دیپ سے ہمارے گھر آنکھیں پوتر بنوگے تب رونے ہوئے بھکوان من جانئگیے. پھر جہاں چوبیس گھنٹوں تک خود بھکوان دراجمان ہونے والے ہیں تب تو یہاں ہمیں اپنی گلیاں، آنکھیں، گھر کا ہر ایک کمرہ صاف، سندر اور دلکش بنانا چاہیئے. مہاپرشوں کی، دیوں کی اور سرشت سوندریہ کے نظاروں کی پریک تصویریں گھر کے ہر کمرے میں لگادو. اپنی شکتی کے انوسار پسکالیہ رکھو. چنی ہوئی بڑھیا پستکوں کی پڑھائی. اس یگ میں گروہ کی رہنمائی کے برابر ہے. اچھے اخبار، مامواری پرچے اور سامیک پڑھتے رہو. متروں کے ساتھ کا سمہ گلیاں چرچا میں بتاؤ. ہماری آتمونتی ہو، ایسی ایک آدہ گمبھیر پستک بھی منن پرورک پڑھتے رہو.

اور بعد میں پڑھے ہوئے پر خوب سوچ وچار کرو. صرف پڑھا ہوا یاد رکھنے سے کچھ نہیں ہونے کا. شروں اور پائین کے معنی جو جو سنا اور پڑھا ہوا ہو، ہر ایک کے بارے میں منن اور لگاتار چنتن کرنے کی بہت ضرورت ہے. منن کے معنی ہیں گہرا سوچنے کی عادت. پستکوں میں جو کچھ بھی ہو، وہ سب سہی ہی ہو، ایسا مان لینا نہیں چاہیئے. ہر ایک رائے پر ہم اپنے سولنتر تھی وچار کر کے چٹون کے اور دیہ کے مہان پرشنوں کے بارے میں ہمیں اپنے سدھانت رچانے چاہیئے.

एकान्त में अपने मन के साथ अकेला रहने की आवृत्त बालो. तुम्हारे सिवा तुम्हारा अपना उद्धार और कोई नहीं कर सकेगा, इस भावना को हृदय में क्रायम करो. राहु या शनि की ग्रहदशा तुम्हारी राह का रोड़ा नहीं बनती. अपना मित्र या दुश्मन तुम अपने आप ही हो. जैसे विचार तुम करोगे वैसे बनोगे. कामनाएँ नेक करोगे तो नेक बनोगे और जैसे कर्म करोगे वैसे फल पाओगे. क्रिस्मत के हामी न बनो, पुरुषार्थ के हामी बनो. स्वार्थ के लिये नहीं, बल्कि ज्ञान की खातिर आत्मज्ञान हासिल करना चाहिये. ज्ञान के लिये प्रीति होनी चाहिये. सच्चा ज्ञान दिखावे के लिये नहीं बरन् हमारे अपने विकास के लिये है. ज्ञान से हम में लियाकत तो आती है पर जो जो कर्म संसार में करने का है, हर एक को आला तरीके से कर सकते हैं, लेकिन सच्चा फल आत्मोन्नति है. इससे विवेक वृत्ति बढ़ती है, तसल्ली होती है और आत्मा-परमात्मा के दर्शन होते हैं.

ज्ञानी या भक्त संसार के लिये ना-क्राविल हो जाता है, यह बात गलत है. सच्चा ज्ञानी या सच्चा भक्त तो संसार के लिये ज्यादा शक्तिवान और ज्यादा क्राविल बनता है.

हमारे अन्दर बसे हुए हमारे अंतर्धामी प्रभु ही प्रेम, सत्य, न्याय, दया, और शक्ति का स्वरूप हैं. उस पर ही हमें हर वृम अपना प्रेम रखना चाहिये, उस पर पहाड़ की नाई अविचल श्रद्धा होनी चाहिये. सच्चा विश्वास भी हम उसका ही रख सकेंगे. जब जगत हमारा त्याग करेगा तब उसकी ही शरण हमारे काम आनेवाली है. वह हमारे हाथ-पैरों से और श्वासोच्छ्वास से भी नजदीक है और हमेशा हम को सन्मार्ग पर चलने की हिदायत करता है. उसकी धीमी कोमल आवाज को पहचानो.

हमेशा वह हमारे साथ बोलता रहता है, लेकिन खास तौर पर जब हम कुछ खोटा काम करने को पाप के मार्ग की ओर अग्रसर होने के लिये आमादा होते हैं तब तो वह हमको अवश्य रोकता है. जब बुद्धि सारासार वस्तु नहीं समझ सकती, तब अंतर्धामी के हुक्म के मुताबिक चलना श्रेयस्कर है.

एक ही बार तुम उस आवाज को अगर इच्छत करोगे तो बार बार वह तुम्हारी मदद के लिये दौड़कर खड़ी रहेगी और अधिक से अधिक स्पष्ट बनती जायेगी. लेकिन सुनते हुए भी अगर तुमने अनसुनी कर दी, एक, दो, या तीन बार उस मधुर नाद को ठुकरा कर तुम पाप-मार्ग पर जाओगे तो फिर न रहेगा बांस और न बजेगी बांसुरी. फिर वह कल्याणकारी आवाज तुम को नहीं सुनाई देगी. कान हांते हुए भी तुम बहरे हो जाओगे और आहिस्ता आहिस्ता पतन

अिकान्त में अपने मन के साथ अकेला रहने की आवृत्त. तुम्हारे सिवा तुम्हारा अपना उद्धार और कोई नहीं कर सकेगा, इस भावना को हृदय में क्रायम करो. राहु या शनि की ग्रहदशा तुम्हारी राह का रोड़ा नहीं बनती. अपना मित्र या दुश्मन तुम अपने आप ही हो. जैसे विचार तुम करोगे वैसे बनोगे. कामनाएँ नेक करोगे तो नेक बनोगे और जैसे कर्म करोगे वैसे फल पाओगे. क्रिस्मत के हामी न बनो, पुरुषार्थ के हामी बनो. स्वार्थ के लिये नहीं, बल्कि ज्ञान की खातिर आत्मज्ञान हासिल करना चाहिये. ज्ञान के लिये प्रीति होनी चाहिये. सच्चा ज्ञान दिखावे के लिये नहीं बरन् हमारे अपने विकास के लिये है. ज्ञान से हम में लियाकत तो आती है पर जो जो कर्म संसार में करने का है, हर एक को आला तरीके से कर सकते हैं, लेकिन सच्चा फल आत्मोन्नति है. इससे विवेक वृत्ति बढ़ती है, तसल्ली होती है और आत्मा-परमात्मा के दर्शन होते हैं.

गिानी या भक्त संसार के लिये नाक्राविल हो जाता है, यह बात गलत है. सच्चा गिानी या सच्चा भक्त तो संसार के लिये ज्यादा शक्तिवान और ज्यादा क्राविल बनता है.

हमारे अन्दर बसे हुए हमारे अंतर्धामी प्रभु ही प्रेम, सत्य, न्याय, दया, और शक्ति का स्वरूप हैं. उस पर ही हमें हर वृम अपना प्रेम रखना चाहिये, उस पर पहाड़ की नाई अविचल श्रद्धा होनी चाहिये. सच्चा विश्वास भी हम उसका ही रख सकेंगे. जब जगत हमारा त्याग करेगा तब उसकी ही शरण हमारे काम आनेवाली है. वह हमारे हाथ-पैरों से और श्वासोच्छ्वास से भी नजदीक है और हमेशा हम को सन्मार्ग पर चलने की हिदायत करता है. उसकी धीमी कोमल आवाज को पहचानो.

हमेशा वह हमारे साथ बोलता रहता है, लेकिन खास तौर पर जब हम कुछ खोटा काम करने को पाप के मार्ग की ओर अग्रसर होने के लिये आमादा होते हैं तब तो वह हमको अवश्य रोकता है. जब बुद्धि सारासार वस्तु नहीं समझ सकती, तब अंतर्धामी के हुक्म के मुताबिक चलना श्रेयस्कर है.

एक ही बार तुम उस आवाज को अगर इच्छत करोगे तो बार बार वह तुम्हारी मदद के लिये दौड़कर खड़ी रहेगी और अधिक से अधिक स्पष्ट बनती जायेगी. लेकिन सुनते हुए भी अगर तुमने अनसुनी कर दी, एक, दो, या तीन बार उस मधुर नाद को ठुकरा कर तुम पाप-मार्ग पर जाओगे तो फिर न रहेगा बांस और न बजेगी बांसुरी. फिर वह कल्याणकारी आवाज तुम को नहीं सुनाई देगी. कान हांते हुए भी तुम बहरे हो जाओगे और आहिस्ता आहिस्ता पतन

کی راہ میں پھسل جاؤ گے ! پاپ کے آادی بنے हुए کیتنے ہی آدمیوں نے انتر یامی کے اس ناد کو ٹھکرا دیا ہے ۔ ویسی دردناک تمہاری نہ ہو !

جمنات اور جہنم دونوں اس پڑھوی پر ہی ہیں ۔ جنہوں نے انتر یامی کے ناد کو ٹھکرایا ہے اور جو سوجھا چاری جہنم گزارتے ہیں وہ جیتے جی جہنم میں ہیں ۔ وہ کسی نہ کسی دن ضرور پچھتاؤنگے اور اُس پچھتاوے کی آگ اُن کی نس نس میں سما جائیگی ۔ ”اوہ ! مجھے زہر لے سائیں نے تس لیا !“ ایسا انکو محسوس ہوگا ۔ آخر کار وہ پچھتاوے کی آگ سے شدہ ہو کر اُس انتر یامی کی شرر دہندہ کی تو ضرور۔ تو دین دیا ہو ، کرونا ساگر ہے ، یت پان ہے۔ وہ پھر تمہیں سنگارگ ہو چڑھا دیگا اور پہلے کی بیانی آواز سنائے گا ۔

جو انتر یامی کا ناد سنتے ہیں اور اُسے انو سار چلتے ہیں وہ جیتے جی جنت میں ہیں ۔ جیسا کہ گویوں کو شری کرشن کی مدھو ہنسی سنکر ہونا بھا ویسا ہی سکھ ہمیشہ انکو ملتا ہے ۔

”یمنو پر بچ رہی بانسوریا“ وہ صبر سنتوش نرالا ہے ۔

جنت اور جہنم دونوں اس پڑھوی پر ہی ہیں ۔ جنہوں نے انتر یامی کے ناد کو ٹھکرا دیا ہے اور جو سوجھا چاری جہنم گزارتے ہیں وہ جیتے جی جہنم میں ہیں ۔ وہ کسی نہ کسی دن ضرور پچھتاؤنگے اور اُس پچھتاوے کی آگ اُن کی نس نس میں سما جائیگی ۔ ”اوہ ! مجھے زہر لے سائیں نے تس لیا !“ ایسا انکو محسوس ہوگا ۔ آخر کار وہ پچھتاوے کی آگ سے شدہ ہو کر اُس انتر یامی کی شرر دہندہ کی تو ضرور۔ تو دین دیا ہو ، کرونا ساگر ہے ، یت پان ہے۔ وہ پھر تمہیں سنگارگ ہو چڑھا دیگا اور پہلے کی بیانی آواز سنائے گا ۔

جو انتر یامی کا ناد سنتے ہیں اور اُسے انو سار چلتے ہیں وہ جیتے جی جنت میں ہیں ۔ جیسا کہ گویوں کو شری کرشن کی مدھو ہنسی سنکر ہونا بھا ویسا ہی سکھ ہمیشہ انکو ملتا ہے ۔

”یمنو پر بچ رہی بانسوریا“ وہ صبر سنتوش نرالا ہے ۔

میں یہ ماننا ہوں کہ اُن کو کوئی یوجنا اس طرح بنائی جائے جس میں کسی دیش کے کچے حال کو تو خوب کام میں لایا جائے پر وہاں کی زبردست آبادی کی رتی بھر بھی پرواہ نہ کی جائے تو وہ یوجنا نہیں ہے مذاق ہے۔۔۔۔۔ ہندستان کے لئے وہی یوجنا بگدی ٹھیک ہو سکتی ہے جو یہاں کی کل کی کل آبادی سے اچھے سے اچھا کام لے اور یہاں کے کچے مال کو یہاں کے لاہوں گلوں میں تقسیم کر دے ۔ ایسی ہی یوجنا سے ہندستان کا سچا منت ہو سکتا ہے ۔

—مہاتما گاندھی

—مہاتما گاندھی

विश्वम्भरनाथ पाँडे

وشومبھر ناتھ پانڈے

वर्षा रितु आती 'है और जली तपी धर्ती को नई जिन्दगी में शराबोर कर जाती है. इनसान ही नहीं पशु, पक्षी, पेड़ और पौधे, तपन के सताये हुए सभी बरसात की फुहारों में चैन की साँस लेने लगते हैं. हमारे देश में वर्षा रितु को 'वर्षा'मंगल' का नाम दिया गया है. महाकवि बाल्मीकि, कवि गुरु कालिदास, कविभक्त तुलसीदास और कवि-सम्राट रवीन्द्रनाथ सबने वर्षा को अपनी कविताओं के ताने-बाने में बुना है. खड़ी बोली के आदि कवि भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र, 'सावन मन भावन' में अपने आप को भूलने का उपदेश देते हैं. हिन्दी और उर्दू कवियों और शायरों की कविताएँ और नज़्में वर्षा की मधुर फुहारों में रस से पगी हुई लगती हैं.

भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र सावन के महीने की मादकता का वर्णन करते हुये कहते हैं—

यह सावन मास सुहावन है, मन भावन या में न शोक करो,
जमुना पै चलो जु सबै मिलिकै औ गाय वजाय के शोक हरो.

और वे सिर्फ यहीं तक नहीं रुके, मर्यादा के बन्धन लाँघ कर वह नव यौवनाओं से बिनती करते हैं—

‘हरिचन्द’ की तुम सों यही बिनती

यहि पाखैं पती ब्रत ताखैं धरो.

टीकाकार और आलोचक शायद कहें कि यहाँ कवि की पतिव्रत से मुराद आत्म संयम से है, नपसकृशी से है; मगर क्या बूँदनियों के तार सब कुछ भुला देने वाले नहीं होते ? सावन की झड़ी से एक सर्माँ बँध जाता है और शायर खिंचकर कल्पना की दुनिया में सैर करने लगता है.

गुरुदेव रबीन्द्रनाथ ने सावन भादों की अंधेरी घटाटोप रातों का जिक्र करते हुए पूछा है—

शशि तारा हीना अन्ध तामसी यामिनी,

कहाँ आज विस्मृत विह्वल फिरतीं सारी पुर कामिनी ?

चमके दीप्त दामिनी,

शून्य पड़ी हैं सारी शैया, कहां गई पुर कामिनी ?

यानी—अंधेरी घनी रात जिसमें न चाँद है न तारे,

ऐसी इस रात में खोई हुई सी व्याकुल गाँव की बालाएँ
कहाँ फिर रही हैं ?

ورشا رت آتی ہے اور جلی تپتی دھرتی کو نئی زندگی میں
 شراور کر جاتی ہے۔ انسان ہی نہیں پشو، پکٹی پیر، اور پردہ،
 نہن کے ستائے ہوئے سبھی ہر سات کی پھوہاروں میں چین کی
 سانس لینے لگتے ہیں۔ ہمارے دیش میں ورشا رت کو 'ورشا
 منگل' کا نام دیا گیا ہے۔ مہا کی والیک، کوئی گرو کانہداس،
 کوئی بھگت تلسی داس اور کوئی سمراٹ رویندر ناتھ سب نے ورشا کو
 اپنی کویتاؤں کے نالے نالے میں بنا ہے۔ کھڑی بولی کے ادبی کوئی
 بھارتیندو یا بوہریشچندر 'سارن من بھارن' میں اپنے آپ کو
 بھولنے کا اُپدیش دیتے ہیں۔ ہندی اور اُردو کوہوں اور شاعروں
 کی کویتائیں اور نظمیں ورشا کی مدھر پھوہاروں میں رس سے
 پکی ہوئی لگتی ہیں۔

بھارتیندو باپو ہریشچندر سارن کے مہینے کی یادگاہ کا
ورنن کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ ساروں ماس سوعاؤں ہے، من بھاون یا میں نہ شوک کرو،
 جمونا پہ چلو جو سبے مل کے، آگائے بجائے کے شوک ھرو۔
 اور وہ صرف یہیں تک نہیں رکے۔ مریدانہ کے بندن
 لانکے کر وہ نو یونناؤں سے بستی کرتے تھیں۔

ہریش چند کی تم سوں یہی بنتی

یہی پاکستانی پتی ورت ناکہیں دھرو۔

تیکا کار اور آلوچک شاید کہیں کہ یہاں کوئی کی پتی روت سے مراد آنم سنگم سے ہے، ناس کشی سے ہے؛ مگر کیا ہونڈنیوں کے تار سب کچھ بھلا دینے والے نہیں ہوتے؟ سانوں کی چڑی سے ایک سماں بندھ جا نا ہے اور شاعر ٹہنچ کر کلپنا کی دنھا میں سیر کرنے لگتا ہے۔

گرو دیو رویندر ناتھ نے سارن بھادوں کی اندھیری گھٹا ٹوپ
راتوں کا نذر کرتے ہوئے پوچھا ہے۔

ششی تارا هیئا آندہ قامسی یامنی

کہاں آج وسمرت و شول پھرتی ساری پور کلمنی؟

چمکے دیوت دامنہ

شونہ پڑیں ہیں ساری شیا، کہاں گئیں پور کامنی ؟

یعنی — اندھیری گہنی رات جس میں نہ چاند ہے نہ تارے،

ایسی اس رات میں کہوئی ہوئی سی ویا کل گلں کی

بالائیں کہاں پھر رہی ہیں؟

बिजली प्रकाश के साथ चमक रही है,
सेवें सूनी पड़ी हैं, और यह प्राम वधुयें गईं कहीं ?
संस्कृत के कवियों ने ऐसी भयंकर बरसाती रात में इन
पुर कामिनियों को कड़कती हुई बिजलियों, गरजते हुए
बादलों और बरसती हुई मूसलाधारों के बीच भी अपने
प्रियतमों से अभिसार के लिये घरों से निकाला है.

गुरुदेव रबीन्द्रनाथ अपनी एक कविता में कहते हैं—

बर्षा आई है, नई बर्षा !

बर्षा क्या है ? रस में पगी हुई मोहब्बत है.

बन और बारां में सन-सन पवन बह रहा है.

आज पेड़ और लताएँ सबने हरियाली की चादरें ओढ़ ली हैं.

हे कवि ! यह बादल हजाराँ-हजाराँ युगों से आकाश में

इसी तरह आते हैं और छाते हैं.

हवाएँ नशे में भूम-भूम कर गुल-शोर कर रही हैं.

बर्षा क्या है ? हजाराँ हजाराँ युग का स्नेह से सना हुआ

प्रेम का एक गीत है.

बर्षा अगर वियोगी और वियोगिनों की सुधबुध हरती
है तो दूसरी ओर बर्षा का राजा सावन बहनों और बेटियों
को मैके की याद में बिलखाता है. सुसराल में बैठी हुई बहन
अपने मैके में नीम की डाल पर पड़े हुए भूलों की पेंग को
याद करती है. रह-रह कर उसका मन सलूनो के लिये
मचलता है और वह आहें भर कर कहती है—

बिरन ! मेरो सावन बीतो जाय !

दूसरी ओर एक साजन-बिहीना बर्षा को नये संदेशों
का साधन समझ कर अपने साजन को निमंत्रण देते हुए
कहती है—

आ, मिल गाएँ गीत !

नीली-नीली बदली छाई,

ठन्डी-ठन्डी वायु आई,

हल्की-हल्की बूँदें बरसें,

नैन तेरे दर्शन को तरसें,

आ, मिल गाएँ गीत, साजन ! प्रीत हमारी रीत.

आ, हिल-मिल कर भूला भूलें,

जग के सारे संकट भूलें,

सैर करें हम प्रेमनगर की,

आजा, बरखा की यह रितु भी,

जाय न यों ही बीत, साजन ! प्रीत हमारी रीत.

और जब इस बिनती पर भी साजन नहीं आता तो
वियोगन दुख से भर कर कहती है—

किस विध बीतेगी, उन बिन काली रात !

बिजली पल-पल छिन-छिन तड़पे,

बादल कड़-कड़, कड़-कड़, कड़के,

पानी रिमरिम-रिमरिम बरसे,

आई यौवन पर बरसात !

बिजली प्रकाश के साथ चमक रही है,

संस्कृत के कवियों ने ऐसी भयंकर बरसाती रात में इन
पुर कामिनियों को कड़कती हुई बिजलियों, गरजते हुए
बादलों और बरसती हुई मूसलाधारों के बीच भी अपने
प्रियतमों से अभिसार के लिये घरों से निकाला है.

गुरुदेव रबीन्द्रनाथ अपनी एक कविता में कहते हैं—

बर्षा आई है, नई बर्षा !

बर्षा क्या है ? रस में पगी हुई मोहब्बत है.

बन और बारां में सन-सन पवन बह रहा है.

आज पेड़ और लताएँ सबने हरियाली की चादरें ओढ़ ली हैं.

हे कवि ! यह बादल हजाराँ-हजाराँ युगों से आकाश में

इसी तरह आते हैं और छाते हैं.

हवाएँ नशे में भूम-भूम कर गुल-शोर कर रही हैं.

बर्षा क्या है ? हजाराँ हजाराँ युग का स्नेह से सना हुआ

प्रेम का एक गीत है.

बर्षा अगर वियोगी और वियोगिनों की सुधबुध हरती
है तो दूसरी ओर बर्षा का राजा सावन बहनों और बेटियों
को मैके की याद में बिलखाता है. सुसराल में बैठी हुई बहन
अपने मैके में नीम की डाल पर पड़े हुए भूलों की पेंग को
याद करती है. रह-रह कर उसका मन सलूनो के लिये
मचलता है और वह आहें भर कर कहती है—

बिरन ! मेरो सावन बीतो जाँ !

दूसरी ओर एक साजन-बिहीना बर्षा को नये संदेशों
का साधन समझ कर अपने साजन को निमंत्रण देते हुए
कहती है—

आ, मिल गाँव गीत !

नीली-नीली बदली छाई,

ठन्डी-ठन्डी वायु आई,

हल्की-हल्की बूँदें बरसें,

नैन तेरे दर्शन को तरसें,

आ, मिल गाँव गीत, साजन ! प्रीत हमारी रीत.

आ, हिल-मिल कर भूला भूलें,

जग के सारे संकट भूलें,

सैर करें हम प्रेमनगर की,

आजा, बरखा की यह रितु भी,

जाय न यों ही बीत, साजन ! प्रीत हमारी रीत.

और जब इस बिनती पर भी साजन नहीं आता तो
वियोगन दुख से भर कर कहती है—

किस विध बीतेगी, उन बिन काली रात !

बिजली पल-पल छिन-छिन तड़पे,

बादल कड़-कड़, कड़-कड़, कड़के,

पानी रिमरिम-रिमरिम बरसे,

आई यौवन पर बरसात !

پ্রেम، بھونوگ اور ویرا

کھا جانے کھا گئے سر پر،
جی گھرا تا ہے رہ رہ کر،
ایسا سونا ہے ان بن گھر،
جیسے کوئی روک بنو پات !

ایک دوسری نایکا کا پریتم پردیس میں تو نہیں ہے،
لیکن پھر بھی اتنا نردنی ہے کہ بھری ہر سات میں اپنی پریتما
کو چھوڑ کر جانا چاہتا ہے اور وہ دم کی ماری اس سے ملت
کوئی ہے۔

پریتم ! رہ جا آج کی رات !
آج کی رات جیسا بھراوے،
آج کی رات گھر آئے،
سونا جی من کی بات، پریتم ! رہ جا آج کی رات !
بجلی کڑکے بادل برسے،
آج کی رات نکل نہیں گھر سے،
آج کی رات نکل نہیں گھر سے،
پریتم ! رہ جا آج کی رات !
آج کی رات دھیا مورا بھڑکے،
آج کی رات آؤں موری فڑکے،
جوڑ رہی ہوں ہات، پریتم ! رہ جا آج کی رات !

اور اس کے پریتم کا دل بھی کھو رہا ہے کہ وہ منتیں کرے
پر بھی نہیں رکتا اور چلا جاتا ہے۔ رہ جاتی ہے دیو گن جسم
تسلی دینے والا اور کوئی نہیں سوانہ پیہرے کے، جسکی کوک
سن کر آہیں بھرتی ہوتی وہ کہتی ہے۔

کوک پیہرے کوک !
بادل گر جے رین آؤں،
سُنی-سُنی دُنیا مَری،
جینا مَرا ہا گیا دُہر،
آؤں لگے نا بھوک، کوک پیہرے کوک !

تو بن باسی خول کر روئے،
مَرا رونا مُکے ڈبوئے،
تَری تَرح سے نہ لگاوا،
چُک گئی مَیں چُک، کوک پیہرے کوک !
مَیں بھی اکیلے تُو بھی اکیلے،
مَوہ کا ساگر دُخ: کا رَلا،
تَری گَلی مَیں پی کا فَندا،
مَری مَن مَیں بھوک، کوک پیہرے کوک !

اور تب وہ ہرے میں بھر کر اپنے پریتم کو پانی لکھتی
—

ہم گھڑی جی مَیں اُٹ رہی ہے،
بَٹاؤں بَیر-بَیر کے بَٹا رہی ہے،
پَڑوسِین بھولنے کو بھُلا،
بَنے-بَنے بَن کو جا رہی ہے۔

پریتم، دیوگ اور ویرا

کھا جانے کھا گئے سر پر،
جی گھرا تا ہے رہ رہ کر،
ایسا سونا ہے ان بن گھر،
جیسے کوئی روک بنو پات !

ایک دوسری نایکا کا پریتم پردیس میں تو نہیں ہے،
لیکن پھر بھی اتنا نردنی ہے کہ بھری ہر سات میں اپنی پریتما
کو چھوڑ کر جانا چاہتا ہے اور وہ دم کی ماری اس سے ملت
کوئی ہے۔

پریتم ! رہ جا آج کی رات !
آج کی رات جیسا بھراوے،
آج کی رات گھر آئے،
سن جا من کی بات، پریتم ! رہ جا آج کی رات !
بجلی کڑکے بادل برسے،
آج کی رات نکل نہیں گھر سے،
آج کی رات نکل نہیں گھر سے،
پریتم ! رہ جا آج کی رات !
آج کی رات دھیا مورا دھڑکے،
آج کی رات آؤں موری بھڑکے،
جوڑ رہی ہوں ہات، پریتم ! رہ جا آج کی رات !

اور اس کے پریتم کا دل بھی کھو رہا ہے کہ وہ منتیں کرے
پر بھی نہیں رکتا اور چلا جاتا ہے۔ رہ جاتی ہے دیو گن جسم
تسلی دینے والا اور کوئی نہیں سوانہ پیہرے کے، جسکی کوک
سن کر آہیں بھرتی ہوتی وہ کہتی ہے۔

کوک پیہرے کوک !
بادل گر جے رین آؤں،
سُنی-سُنی دُنیا مَری،
جینا مَرا ہا گیا دُہر،
آؤں لگے نا بھوک، کوک پیہرے کوک !

تو بن باسی خول کر روئے،
مَرا رونا مُکے ڈبوئے،
تَری تَرح سے نہ لگاوا،
چُک گئی مَیں چُک، کوک پیہرے کوک !
مَیں بھی اکیلے تُو بھی اکیلے،
مَوہ کا ساگر دُخ: کا رَلا،
تَری گَلی مَیں پی کا فَندا،
مَری مَن مَیں بھوک، کوک پیہرے کوک !

اور تب وہ ہرے میں بھر کر اپنے پریتم کو پانی لکھتی
—

اُمک ایک جی مَیں اُٹ رہی ہے،
گَٹاؤں گَٹاؤں گَٹا رہی ہے،
پَڑوسِین بھولنے کو بھُلا،
بَنے-بَنے بَن کو جا رہی ہے۔

کہیں پہ با دل برس رہے ہیں،
کہیں پہ بجلی چمک رہی ہے،
ہری-ہری ڈالیاں پہ چڑیاں،
کھڑک رہی ہیں، چھک رہی ہیں۔

لگا ہے ساون دھیرا ہے بادل،
پکا ہے مولا لگی ہیں لڑیاں،
بڑے بڑے پتے چل رہے ہیں،
پڑوسن گیت گا رہی ہیں۔

دھیر پپیہ کی پی-کھاؤں،
بھڑتی ہے بڑے بیٹا مومکو،
دھیر نیگوڑی یہ کوئلے،
اور مہی جی جلا رہی ہیں۔

جھاؤں-جھاؤں پڑ چکا ہے پانی،
مہی دھڑے ہیں بھاؤں کی مہلیاں،
اور اس میں جا کر سہاگنیں سب،
میل لپٹا لپٹا نہا رہی ہیں۔

ہمیں نہیں چن بیلن تومہارے،
اکہلے دھیر میں چل رہی ہیں۔
پھاڑ سے دین سوتا رہے ہیں،
سودھانی راتوں رات رہی ہیں۔

ہو توں توں پردیس میں اے ساجن،
میں کسے کاٹوں گی ان دنوں کو،
اے میرے پیارے تومہاری باتوں،
بھڑک کھڑا دھیر رہی ہیں۔

اور جب اس پانی پانے کے بعد بھی ساجن نہیں آتا
اور ساون بیٹا جاتا ہے تب وہ دکھی اور کانڈ ویوگن اپنی
سہیلی سے کہتی ہے—

ساون بیٹا جاتا ہے سجنی، پریتم دھیر نہیں آتا،
کسے کاٹوں رات بھر کی ناگین بن-بن کھاؤں،
ٹنڈی ٹنڈی پوروا سنے کے بادل دھیر-دھیر کھاؤں،
نہیں نہں بڑے دھیر کے اور بیجلی لہراؤں،

یا دھیر کی میرے دل کو رہ-رہ کر تڑپاؤں،
ساون بیٹا جاتا ہے سجنی پریتم دھیر نہیں آتا۔

مور، پپیہ، مہی، سارس میل کر شور مچاؤں،
ناچیں، کودیں، کریں کھولیں، پھولے نہیں سہاگنیں،
کھج کھج میں پڑے ہیں چھوٹے مل کر سکھیاں چھوٹیں،
پتنگ بڑھائیں، تان اڑائیں اپنے من میں پھولیں،

ہنسی خوشی کی بات یہ میرے من کو اور چلاؤں،
ساون بیٹا جاتا ہے سجنی، پریتم دھیر نہیں آتا۔

ورشا کے تار دھرتی کو چل مکن بنا رہے ہیں۔ سردھا
کی تپن تو مٹ چکی مگر ویوگن کی تپن کون

بھوکا ؟ وہ اپنے کو کوستی ہوئی کہتی ہے—

آگ لگے اس من کو آگ !
لو فیر رات بھر کی آگ،
چاروں اور اداسی چھائی،
جان مری تن میں گہرائی،
اپنی قسمت اپنے بھاگ !

کالی اور ہرسانی دین،
اس بن نید کو ترسین نہیں،
جسکے ساتھ گیا سکھ چھن،
اسکی یاد کہے اب جاگ !

جس دن سے وہ پاس نہیں ہے،
کوئی خوشی کی راس نہیں ہے،
جینے تک کی آس نہیں ہے،
جان کو ہے اب تن سے لاگ !

کون جیتے اور کس کے سہارے،
میٹھے میٹھے بول سیوارے،
گیت کھاؤں وہ پیارے-پیارے،
اب وہ تان نہ اب وہ راگ !

اور تب پور اپنے کو ملامت کرتی ہوئی کہتی ہے—

درس دیکھا کر جو छिپ جاتے،
کون ایسے سے پریٹ لگاتے،
کیوں اپنی کوئی دشا سناٹے،
چھوڑ موہو بھت کا خدراگ !
آگ لگے اس من کو آگ !

مگر طعنہ دیکر کہا کبھی دیوگن کے من کو شانتی ملتی ہے ؟
سونا گھر اور ادااس راتیں اُسے کھائے جانی ہیں . وہ کہتی ہے—

درس دیکھا کر جو چھپ جائے،
کون ایسے سے پریٹ لگائے،
کیوں اپنی کوئی دشا سناٹے،
چھوڑ موہو بھت کا خدراگ !
آگ لگے اس من کو آگ !

مگر طعنہ دیکر کہا کبھی دیوگن کے من کو شانتی ملتی ہے ؟
سونا گھر اور ادااس راتیں اُسے کھائے جانی ہیں . وہ کہتی ہے—

گھر ہے سونا رات ادااس !
دیرگم دن اندھیری راتیں،
نیسے گزریں گی ہرسانیں،
جھوٹی تھیں سب اُنکی باتیں،
رہتا ہے اب یہ وشواس !
میں دھیری پریٹ کی ماری،
پڑ گئی مگر پے پیدا بھاری،
من میں سلگ رہی چنگاری،
کون بجھائے دل کی پھاس !
چھائی ہیں گھنہور گھنٹائیں،
چلتی ہیں پرشر ہوائیں،
من کا مہیت اگر آجائے،
تو پوری ہو من کی آس—گھر ہے سونا رات ادااس !

کالی اور ہرسانی دین،
اس بن نید کو ترسین نہیں،
جسکے ساتھ گیا سکھ چھن،
اسکی یاد کہے اب جاگ !
جس دن سے وہ پاس نہیں ہے،
کوئی خوشی کی راس نہیں ہے،
جینے تک کی آس نہیں ہے،
جان کو ہے اب تن سے لاگ !
کون جیتے اور کس کے سہارے،
میٹھے میٹھے بول سیوارے،
گیت کھاؤں وہ پیارے-پیارے،
اب وہ تان نہ اب وہ راگ !

اور تب پور اپنے کو ملامت کرتی ہوئی کہتی ہے—

درس دیکھا کر جو چھپ جائے،
کون ایسے سے پریٹ لگائے،
کیوں اپنی کوئی دشا سناٹے،
چھوڑ موہو بھت کا خدراگ !
آگ لگے اس من کو آگ !

مگر طعنہ دیکر کہا کبھی دیوگن کے من کو شانتی ملتی ہے ؟
سونا گھر اور ادااس راتیں اُسے کھائے جانی ہیں . وہ کہتی ہے—

گھر ہے سونا رات ادااس !
دیرگم دن اندھیری راتیں،
نیسے گزریں گی ہرسانیں،
جھوٹی تھیں سب اُنکی باتیں،
رہتا ہے اب یہ وشواس !

میں دھیری پریٹ کی ماری،
پڑ گئی مگر پے پیدا بھاری،
من میں سلگ رہی چنگاری،
کون بجھائے دل کی پھاس !

چھائی ہیں گھنہور گھنٹائیں،
چلتی ہیں پرشر ہوائیں،
من کا مہیت اگر آجائے،
تو پوری ہو من کی آس—گھر ہے سونا رات ادااس !

اور اسکا پریم بھی کسایے درد ہے جو سدھ ہی نہیں
لہتا ! دیدنا کی لمبی رانیں آئے بے چین کر دیتی ہیں ۔ وہ
نراہی ہو کر کہتی ہے—

سوس نوا کر چرنا رونے،
خوڑ کے उत्तम دےس۔
اسکی بینتا رامہی جانے،
جیسکا پی پردیس۔
ساہن اور پھر کالی بدلی،
بُدنیاؤں کے تار۔
ریت جگت کی پریٹ سے خالی،
سپنا ہے سنسار !

بلیوگن کے من میں ایک پرتیکریا پیدا ہوتی ہے۔ وہ
ماہی موہوبت کا خدراگ خڑکھڑا کر اور سونے کے سنسار کی
ماہیا توڑکر گوکول اور بیندراہن کی سیر کرتی ہے۔ وہ
کونج بنوں اور کونج گلیوں میں ڈھونڈتی ہے۔ وہ کنبھیا کی
بکسی-بھنی سوننا چاہتی ہے۔ وہ اب منشیہ نہیں، بھگوان سے پریٹ کا
رشتہ چرنا چاہتی ہے۔ مگر کنبھیا کیا سہج ملنے والا ہے ؟ آسمان تو برج
کی گوبیوں کو لا کر ملا کر ہلاک کر ڈالا۔ دیوگ کے اس امتحان میں
اب یہ نئی گوبی بھی اتری ہے۔ صبح ہوئی ہے، سورج نکلتا ہے۔
شام ہوتی ہے، دن ڈھلتا ہے۔ مگر اس نئی گوبی کو بھی
کنبھیا کا پیغام نہیں ملتا—

تڑپ تڑپ کر ہور ہوئی،
پر نا آیا پیغام، کنبھیا آج چلا من گرام !
بادل گرजे بیجلی چمکے،
اٹھی غٹاویں شام، کنبھیا آج چلا من-گرام !
آؤں میں آؤں، کسک ہر دھم میں،
بھر آئی ہے شام، کنبھیا آج چلا من-گرام !
برسات کا موسم ہے۔ کجراہے بادل چاروں اور چھائے
ہوئے ہیں۔ انہیں آنکھ بھر کر دیکھتی ہوئی دیوگن کہتی
ہے—

غٹاویں پیر آئی، غنچور،
ہواویں چلتی ہیں پورشور۔
مست پپیہا، بسوڈ کوہل،
اور پاگل ہے مور، غٹاویں پیر آئی غنچور !
بیجلی چمکے بادل برسے،
آہن ملو چت چور، غٹاویں پیر آئی غنچور !
آخر میں اس نئی گوبی کی تھسپا اپنا پل اتی ہے
اور بندراہن کے کنبھیا بن سے، بیونا کے تھ سے، کدھب کے ہٹ
سے دیوگن کے کانوں میں چت چور کنبھیا کی بانسری کی دھن
سنائی پڑتی ہے—

برسات کا یہ موسم، یہ نہلکوں گھٹائیں
برسات کا یہ عالم، یہ گلشاش نہائیں

سوس نوا کر چرنا رونے،
خوڑ کے اتم دیس۔
اس کی چننا رام ہی جائے،
جسکا پی پردیس۔
ساہن اور پھر کالی بدلی،
بُدنیاؤں کے تار۔
ریت جگت کی پریٹ سے خالی،
سپنا ہے سنسار !

تڑپ تڑپ کر ہور ہوئی،
پر نا آیا پیغام، کنبھیا آج چلا من گرام !
بادل گرजे بیجلی چمکے،
اٹھی گھٹائیں شام، کنبھیا آج چلا من گرام !
آنکھ میں آنسو، کسک ہر دھم میں،
بھر آئی ہے شام، کنبھیا آج چلا من گرام !
برسات کا موسم ہے۔ کجراہے بادل چاروں اور چھائے
ہوئے ہیں۔ انہیں آنکھ بھر کر دیکھتی ہوئی دیوگن کہتی
ہے—

غٹاویں پیر آئی، غنچور،
ہواویں چلتی ہیں پورشور۔
مست پپیہا، بسوڈ کوہل،
اور پاگل ہے مور، گھٹائیں گھر آئیں گھٹھور !
بیجلی چمکے بادل برسے،
ان ملو چت چور، گھٹائیں گھر آئیں گھٹھور !
آخر میں اس نئی گوبی کی تھسپا اپنا پل اتی ہے
اور بندراہن کے کنبھیا بن سے، بیونا کے تھ سے، کدھب کے ہٹ
سے دیوگن کے کانوں میں چت چور کنبھیا کی بانسری کی دھن
سنائی پڑتی ہے—

برسات کا یہ موسم، یہ نہلکوں گھٹائیں
برسات کا یہ عالم، یہ گلشاش نہائیں

یہ رستمی ہوا ہے۔

یہ رنگ و بو کے طوفان، یہ برج کے نظارے،
یہ جلنتی خیابان، جملہ کے یہ کنارے،
یہ سو پن پیارے پیارے۔

یہ کوئلوں کی کو کو، یہ مور کی صدائیں،
یہ نازنین آہو، اور یہ غریب گانیں،
یہ نشہ گریں فضا میں۔

سب سے نکھر رہا ہے، راندی مہک رہی ہے،
نشہ بکھر رہا ہے، ہلبل چھک رہی ہے،
فطرت بھک رہی ہے۔

یہ کون اس سمنے میں، ہنسی ہنسا رہا ہے،
اس درجہ مست لے میں، الفت لٹا رہا ہے،
نفس بہا رہا ہے۔

شاید کوئی رشی ہے، سنیاس کی لگان میں،
شاید کوئی مونی ہے، مسرور کیرتن میں،
توحید کے بیچن میں۔

ہاں، آؤ پلس چل کر، پوچھیں کہ نام کیا ہے،
تلوں سے آنکھیں مل کر، پوچھیں کہ کام کیا ہے،
اسکا پیام کیا ہے۔

تھہرو ذرا نگاہیں، پہچانتی ہیں اُسکو،
فطرت کی جلوہ گاہیں، سب جانتی ہیں اُسکو،
اور مانتی ہیں اُسکو۔

ہاں ہاں پے ہنسی والا، چوکی نظر ہماری،
یہ برج کا گواہ ہے نند کا مراری،
اور آرزو ہماری۔

ہنسی میں سے پریشان، نفعہ مچل رہے ہیں،
یا سینکڑوں گلستاں، کروت بدل رہے ہیں،
اور پھول اگل رہے ہیں۔

ساوین اور درشا جس طرح سے پریتما اور ویوگنوں کو ویوگ
میں ویاہل کر دیتی ہیں اسی طرح وہ نو رواہتا بدھ کو اپنے مہم
اور اپنے مل باپ کی یاد میں بھر دیتی ہیں۔ غریبوں کی اس
دنیا میں چکی کی صدا پر گاؤں کی ایک دلہن ویوگ کا
گیت گاتی ہے۔ اُس کسک بھرے ترانے کو سن کر شاعر
کہتا ہے—

سنو یہ کہی آواز آرہی ہے،
کوئی گاؤں کی لڑکی گا رہی ہے۔

سحر کے دھندلے دھندلے منظروں کو،
شراب نیمہ پلا رہی ہے۔

اُٹھی ہے شاید آٹا پیسے کو،
کہ چکی کی صدا بھی آرہی ہے۔

غموں سے چور اپنے نچے دل کو،
ترانہ چھیڑ کر بہلا رہی ہے۔

سنو یہ کہی آواز آرہی ہے،
کوئی گاؤں کی لڑکی گا رہی ہے۔

سحر کے دھندلے دھندلے منظروں کو،
شراب نیمہ پلا رہی ہے۔

اُٹھی ہے شاید آٹا پیسے کو،
کہ چکی کی صدا بھی آرہی ہے۔

غموں سے چور اپنے نچے دل کو،
ترانہ چھیڑ کر بہلا رہی ہے۔

کھیتا پر، بستیوں پر، جنگلوں پر،
 ڈھواں دار ایک بدلتی آ رہی ہے۔
 جہاں مہم کی بوندیں پڑ رہی ہیں،
 کہ ساون کی پری کچھ گاہی ہے۔
 یہ بادل ہیں کہ ہیں ساون کے سپنے؟
 ہوا جن کو آزا کر رہی ہے۔
 یہ بجلی ہے کہ اک مر مر کی ناکیں؟
 دھوئیں کے جھیل پر لہرا رہی ہے۔
 یہ بوندیں ہیں کہ بجلی آسمان سے؟
 ستارے توڑ کر برس رہی ہے۔
 مگر وہ غمزدہ معصوم لڑکی،
 برابر گھٹ گائے جا رہی ہے۔
 یہ گھر سسرال ہوگا شاید آسکا،
 جہی ماں باپ کی سدا آ رہی ہے۔
 جہی مصروف ہے آہ و فغاں میں،
 جہی غمکین لے میں گاہی ہے۔
 اور وہ گلوں کی دلہن کیا گاہی ہے؟ —
 یہ ہو گیا رت بھی بیٹی چارہی ہے!
 ہوا جو گلوں کو مہکا رہی ہے،
 مرے میکے سے شاید آ رہی ہے۔
 گھٹا کی اُردی اُردی چاندیوں سے،
 میری سبکدوش کی بو باس آ رہی ہے۔
 مجھے لینے نہ آئے اچھے بادل،
 تمہاری یاد آنت دہا رہی ہے۔
 میری اماں کو شو اسکی خبر کیا،
 کہ 'چمپا' اس جگہ ٹھہرا رہی ہے۔
 نہ لی بھینا نے بھی سدا بدھما،
 جہاں سے چاہا اُٹھتی جا رہی ہے۔
 بھلا کیونکر تمہیں آنسو نہ جی پر،
 آداسی کی بدریا چھا رہی ہے۔
 کیا پینکین بڑھانے کا زمانہ،
 وہ امریں پر کوبل گاہی ہے۔
 یونہی وہ اپنی غمکین راگنی سے،
 دیر و دیرار کو تپتا رہی ہے۔

ساون اسی طرح آتا ہے اور آتا رہے گا۔ ساون کی
 بھینا اور مائی-بھینا بھینا کو وہ یوں سے اسی پرکار تپتا رہا ہے اور
 تپتا رہے گا۔ کالیڈاس سے لے کر تلسی داس تک اور حنیظ
 جالندھری سے لے کر اندرجیت تک نئے اور پرانے شاعروں کے من
 کو وہ اسی طرح غم اور ویوگ کے ہفتے میں جھلانا رہا ہے۔
 سیتا کے ویوگ پر رامچندر جی کی ویتھا کا درنن تلسی داس
 نے بھری ہرسات کے پٹ پر کتنی مارمکتا سے کیا ہے۔
 ہرسات کوہیں اور شاعروں کو لہانی رہی ہے اور ہمیشہ لہانی

ساون اسی طرح آتا ہے اور آتا رہے گا۔ ساون کی
 بھینا اور مائی-بھینا بھینا کو وہ یوں سے اسی پرکار تپتا رہا ہے اور
 تپتا رہے گا۔ کالیڈاس سے لے کر تلسی داس تک اور حنیظ
 جالندھری سے لے کر اندرجیت تک نئے اور پرانے شاعروں کے من
 کو وہ اسی طرح غم اور ویوگ کے ہفتے میں جھلانا رہا ہے۔
 سیتا کے ویوگ پر رامچندر جی کی ویتھا کا درنن تلسی داس
 نے بھری ہرسات کے پٹ پر کتنی مارمکتا سے کیا ہے۔
 ہرسات کوہیں اور شاعروں کو لہانی رہی ہے اور ہمیشہ لہانی



ایٹمی جنگ کے خلاف سائنسدانوں کی اپیل

9 جولائی سن 55 کو جنرل اور اخباروں کے پڑتی ندھیوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے لندن کے ایک حال میں انگلینڈ کے بیسی بیس کی عمر کے مشہور فلاسفر شری برٹریڈ رسل نے اپنی اور دنیا کے بڑے سے بڑے سائنسدانوں کی طرف سے دنیا کی سب سے شگفتہ شالی سرکاروں کے نام ایک اعلان پڑھ کر سنایا۔ جن سائنسدانوں کے اس اعلان پر دستخط تھے ان میں سب سے بڑا نام پروفیسر آئنسٹائن کا ہے۔ پروفیسر آئنسٹائن نے 18 اپریل سن 1955 کو اپنی موت سے ٹھیک پہلے اس اعلان پر دستخط کیے تھے۔ اعلان کے خاص خاص وائے یہ ہیں:—

”ہم آپ سے اس کرائم یا اس کرائم، اس مہادیپ یا اس مہادیپ، یا اس مذہب یا اس مذہب کے آدمیوں کی حیثیت سے بات نہیں کر رہے ہیں۔ ہم سائنس کے سیکڑ ہیں اور کیوں منشروں کی حیثیت ہے، اس انسانی نسل کے لوگوں کی حیثیت سے جس کا رہنا نہ رہنا اس سے خطرے میں ہے، آپ سے بات کر رہے ہیں۔“

”اس میں کوئی شک نہیں کہ ہائڈروجن بموں کی لڑائی میں بڑے بڑے شہر بالکل مٹ چارینگے۔ پر یہ نہ ایک بہت چھوٹی سی دگرگھٹا شوگی جس کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر لندن، نیویارک اور ماسکو کے سب لوگ ختم ہو جائیں تب بھی ہمارا ستا ہے کہ کچھ صدیوں کے اندر دنیا پر اس صدمہ سے پھپھ چارے۔“

”پر خاص کر ہیکینی کے تجربہ کے بعد ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے بموں سے جتنی دور تک ہم نے سوچ رکھا تھا اس سے اب کہیں زیادہ دور تک ذہنی پھیل سکتی ہے۔“

”سب جاننے والوں کی راے ہے اور سب ایک آواز سے کہتے ہیں کہ ہائڈروجن بموں کی لڑائی سے بہت ممکن ہے کہ انسانی نسل ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔“

ایٹمی جنگ کے خلاف سائنس دانوں کی اپیل

9 جولائی سن 55 کو جنرل اور اخباروں کے پڑتی ندھیوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے لندن کے ایک حال میں انگلینڈ کے بیسی بیس کی عمر کے مشہور فلاسفر شری برٹریڈ رسل نے اپنی اور دنیا کے بڑے سے بڑے سائنسدانوں کی طرف سے دنیا کی سب سے شگفتہ شالی سرکاروں کے نام ایک اعلان پڑھ کر سنایا۔ جن سائنسدانوں کے اس اعلان پر دستخط تھے ان میں سب سے بڑا نام پروفیسر آئنسٹائن کا ہے۔ پروفیسر آئنسٹائن نے 18 اپریل سن 1955 کو اپنی موت سے ٹھیک پہلے اس اعلان پر دستخط کیے تھے۔ اعلان کے خاص خاص وائے یہ ہیں:—

”ہم آپ سے اس کرائم یا اس کرائم، اس مہادیپ یا اس مہادیپ، یا اس مذہب یا اس مذہب کے آدمیوں کی حیثیت سے بات نہیں کر رہے ہیں۔ ہم سائنس کے سیکڑ ہیں اور کیوں منشروں کی حیثیت ہے، اس انسانی نسل کے لوگوں کی حیثیت سے جس کا رہنا نہ رہنا اس سے خطرے میں ہے، آپ سے بات کر رہے ہیں۔“

”اس میں کوئی شک نہیں کہ ہائڈروجن بموں کی لڑائی میں بڑے بڑے شہر بالکل مٹ چارینگے۔ پر یہ نہ ایک بہت چھوٹی سی دگرگھٹا شوگی جس کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر لندن، نیویارک اور ماسکو کے سب لوگ ختم ہو جائیں تب بھی ہمارا ستا ہے کہ کچھ صدیوں کے اندر دنیا پر اس صدمہ سے پھپھ چارے۔“

”پر خاص کر ہیکینی کے تجربہ کے بعد ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے بموں سے جتنی دور تک ہم نے سوچ رکھا تھا اس سے اب کہیں زیادہ دور تک ذہنی پھیل سکتی ہے۔“

”سب جاننے والوں کی راے ہے اور سب ایک آواز سے کہتے ہیں کہ ہائڈروجن بموں کی لڑائی سے بہت ممکن ہے کہ انسانی نسل ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔“

اس بات کا تر ہے کہ اگر بہت سے ہائڈروجن بم استعمال کئے گئے تو سب آدمی مر جائیں گے۔ ان میں سے تھوڑے سے نوراً مر کر چھوٹ جائیں گے اور باقی ادھک تر طرح طرح کی بیماریوں سے گل گل کر دھوڑے دھوڑے تکیوں کے ساتھ مرینگے۔ اس بارے میں جو لوگ سب سے ادھک جانکار ہیں وہی سب سے ادھک دکھی اور نراش ہیں۔

”دنیا کے عام لوگ اس بات کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے کہ وہ خود اور ان کے سب سگہ سمبندھی جنہیں وہ بھار کرتے ہیں اس خطرے میں ہیں کہ وہ سب کے سب رت رت کر بڑی تکیوں کے ساتھ مریں اور یہ خطرہ ان کی بالکل آنکھوں کے سامنے ہے۔

”ہم دنیا کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ آسا کرنا کہ جنگ میں اگر ایتم بم اور ہائڈروجن بم جیسے نئے ہتھیاروں پر بندش لگادی گئی تو سمجھو کہ دنیا باقی رہ جاوے، بہت بڑا دھوکا ہے۔ یہی کسی طرح بھی ایک بار جنگ شروع ہو گئی تو اس طرح کی بندش کسی کو بھی نہیں روک سکے گی اور جنگ کے چھڑنے ہی دونوں طرف کے لوگ ہائڈروجن بم تیار کرنا شروع کر دیں گے۔

”ہم بہت اچھی سند کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح کے بم نے ہیروشیما کے پورے شہر کو مٹا دیا تھا اس سے اب دعائی ہزار گنا ادھک شکتی والا بم تیار کیا جا سکتا ہے۔

”اس طرح کا بم اگر کہیں بھی زمین کے اوپر یا پانی کے اندر پٹا تو ساری زمین کے اوپر کی ہوا میں اٹھتا تو ساری زمین پر ہوا کی ہوا میں اس سے ریڈیو ایکٹیو پرمانو بھر جائیں گے۔ وہاں سے پھر وہ دھوڑے دھوڑے ایک ایسی گرد یا بارش کے روپ میں زمین پر اتریں گے جو سب کو مار کر ختم کر دیگی۔ یہی گرد تہی جس نے جاپانی مجتہاروں اور ان کی پڑی ہوئی مجتہادوں کو سزا کر ختم کر دیا تھا۔

”اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ بھوشیہ کی کسی بھی جنگ میں ایتم بم اور ہائڈروجن بم جیسے ہتھیار ضرور کام میں لائے جائیں گے اور اس بات کو بھی جاننے بوجھتے ہوئے کہ اس طرح کے ہتھیاروں سے ساری انسانی نسل کے ختم ہو جانے کا تر ہے، ہم دنیا کی سرکاروں پر زور دیتے ہیں کہ وہ اس بات کو سمجھیں اور کہیں کہ کسی بھی عالم گیر جنگ سے ان کا کوئی مطلب یا ان کی کوئی غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے ہم دنیا کی سرکاروں پر زور دیتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے ساتھ جو بھی جھگڑے باقی ہیں ان سب کو حل کرنے کے لئے وہ شانتی کے طریقے ہی کام میں لائیں۔

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

بائیں سب باتیں بھول جائیے۔ اگر آپ ایسا کر سکیں تو ایک نئے سورگ کے لئے دروازہ آپ کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو ساری انسانی نسل کی موت کا در آپ کے سامنے ہے۔

”بہی صاف اور دھڑلے سے سب باتیں ہم آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ دنیا اس سب سے بچ نہیں سکتی۔ سوال یہ ہے کہ ہم انسانی نسل کو ختم کر دیں گے یا ہم ملکر جنگ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں گے؟“

پروفیسر رسل نے 9 جولائی کو لندن کے اس جلسے میں کہا کہ وہ اسی دن اوپر کے اس اعلان کی کاپیاں روس، امریکہ، چین، کینیڈا، فرانس اور انگلینڈ کی حکومتوں کے پاس بھیج چکے تھے۔

اعلان کے ساتھ ایک ایک چٹھی تھی جس میں ان سرکاروں کے مکہوں سے اور بھی زوردار شجودوں میں اپیل کی گئی تھی کہ وہ اعلان کا جواب دیں کیونکہ ”اس سے زیادہ گہرا سوال آج تک کبھی انسانی نسل کے سامنے نہیں آیا۔“

اعلان کی کاپیاں ایشیا اور یورپ سب جگہ کے بڑے بڑے سائنس دانوں کے پاس بھیجی گئی تھیں۔

پروفیسر آئنسٹائن اور پروفیسر ڈی. ڈبلیو. براؤن کی ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جنہیں فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(1) پروفیسر پی. ڈبلیو. براؤن، امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جنہیں فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(2) پروفیسر ای. اینکلف، بارسا یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے پروفیسر آئنسٹائن کے ساتھ مل کر ”دی ایوولوشن آف موشن“ نام کی مہم شروع کی ہے۔

(3) پروفیسر جے. مائلر، جو ماسکو اور بھارت میں دونوں جگہ پروفیسر رہ چکے ہیں اور اب امریکہ کی انڈیانا یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انہوں نے فزکس اور میڈیسن میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(4) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(5) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(6) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(7) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

باقی سب باتیں بھول جائیے۔ اگر آپ ایسا کر سکیں تو ایک نئے سورگ کے لئے دروازہ آپ کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو ساری انسانی نسل کی موت کا در آپ کے سامنے ہے۔

”یہی صاف اور دھڑلے سے سب باتیں ہم آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ دنیا اس سب سے بچ نہیں سکتی۔ سوال یہ ہے کہ ہم انسانی نسل کو ختم کر دیں گے یا ہم ملکر جنگ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں گے؟“

پروفیسر رسل نے 9 جولائی کو لندن کے اس جلسے میں کہا کہ وہ اسی دن اوپر کے اس اعلان کی کاپیاں روس، امریکہ، چین، کینیڈا، فرانس اور انگلینڈ کی حکومتوں کے پاس بھیج چکے تھے۔

اعلان کے ساتھ ایک ایک چٹھی تھی جس میں ان سرکاروں کے مکہوں سے اور بھی زوردار شجودوں میں اپیل کی گئی تھی کہ وہ اعلان کا جواب دیں کیونکہ ”اس سے زیادہ گہرا سوال آج تک کبھی انسانی نسل کے سامنے نہیں آیا۔“

اعلان کی کاپیاں ایشیا اور یورپ سب جگہ کے بڑے بڑے سائنس دانوں کے پاس بھیجی گئی تھیں۔

پروفیسر آئنسٹائن اور پروفیسر ڈی. ڈبلیو. براؤن کی ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جنہیں فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(1) پروفیسر پی. ڈبلیو. براؤن، امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جنہیں فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(2) پروفیسر ای. اینکلف، بارسا یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے پروفیسر آئنسٹائن کے ساتھ مل کر ”دی ایوولوشن آف موشن“ نام کی مہم شروع کی ہے۔

(3) پروفیسر جے. مائلر، جو ماسکو اور بھارت میں دونوں جگہ پروفیسر رہ چکے ہیں اور اب امریکہ کی انڈیانا یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انہوں نے فزکس اور میڈیسن میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(4) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(5) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(6) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ ”پروفیسر فریڈرک جولیو کیوری کے دستخطوں سے مجھے خاص طور پر خوشی ہوئی کیونکہ وہ ایک مشہور کمیونسٹ ہیں۔“ پروفیسر فریڈرک جولیو کیوری ورلڈ پیس کو نسل کے یعنی دنیا بھر کی شانتی پریشد کے صدر ہیں اور دنیا سے جنگ کو ختم کرنے اور شانتی قائم کرنے کے سب سے بڑے کوشش کرنے والوں میں سے ہیں۔

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری برٹریڈ رسل نے کہا کہ اس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور انہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمیت ہیں۔“

پ্রেम और अहिंसा के उन उपदेशों की गूँज मालूम होता है जो महात्मा बुद्ध से लेकर गाँधी जी तक संसार के अनेक सच्चे मार्ग दर्शक दुनिया को देते रहे हैं। हम आशा करते हैं कि दुनिया की सरकारें साइन्सदानों की इस अपील पर पूरा पूरा ध्यान देंगी। इनसानी नसल के भले और उसकी सलामती के नाम पर हम चाहते हैं कि यह अपील पूरी तरह सफल हो।

13-7-55

—सुन्दरलाल

गोआ का सत्याग्रह और उससे सबक

आज भी दुनिया में इस तरह के लोग मौजूद हैं जो दूसरों की राजकाजी या कौमी आजादी के हक को स्वीकार नहीं करते ! कौमों की आजादी के हक के खिलाफ लड़ना आज ऐसा ही है जैसा क्रुदरत के अटल कानूनों से लड़ना या आंधी से भिड़ना। पर तुच्छ और तात्कालिक स्वार्थ हमें अन्धा कर देता है। छोटा सा पुर्तगाल शायद इस मामले में लड़ने की हिम्मत न करता लेकिन दुनिया के साम्राजवादियों यानी दूसरों को गुलाम रखने की इच्छा रखने वालों का गुट अभी टूटा नहीं है। क्रुदरत के कानूनों या इतिहास की शक्तियों को कोई उलट नहीं सकता। पर पुर्तगाल के इस रुख का यह मतलब जरूर है कि अपनी अपनी और दुनिया की आजादी चाहने वालों को अभी कुछ और कुरबानियां करनी होंगी।

जाहिर है कोई भारतवासी ऐसा नहीं हो सकता जिसे गोआ के सत्याग्रह के साथ पूरी हमदर्दी न हो। उन वीरों को जो गोआ के पवित्र और शानदार सत्याग्रह में शरीक हुए हैं और हो रहे हैं, जिनमें से कुछ शहीद भी हो चुके और सैकड़ों ने अकथनीय शारीरिक और मानसिक कष्ट भेले, हम आदर के साथ नमस्कार करते हैं। पुर्तगाली शासकों ने जिस तरह के अमानुषिक अत्याचारों को इन निहत्थे और अहिंसात्मक सत्याग्रहियों पर रवा रक्खा है उनके लिये हमें पुर्तगालियों से कुछ नहीं कहना। हमें विश्वास है कि हमारे देशवासी, पुर्तगाली समझे जाने वाले इलाक़े के अन्दर के हों या उससे बाहर के, इन अत्याचारों के कारन अपने संकल्प में और भी पक्के साबित हाने रहेंगे।

गोआ के सत्याग्रह में सबसे अधिक खुशी की बात यह हुई कि देश की सब पोलिटिकल पार्टियों के लोग कम्युनिस्ट, जनसंघी, प्रजा सोशलिस्ट और कांग्रेसी उसमें कंधे से कंधा मिला कर भाग लेने के लिये बेचैन हैं और ले रहे हैं। यह सुन्दर घटना दो बातें साबित करती है। एक यह कि विचारों और आदर्शों के थोड़े बहुत फरक के होते हुए भी सब पार्टियों के लोग सच्चे, त्यागी और देश भक्त हैं।

پریم اور امنسا کے اُن اُپدیشوں کی گونج معلوم ہوتا ہے جو مہاتما بدھ سے لے کر گاندھی جی تک سنسار کے انہک سچے مارگ درشک دنیا کو دیتے رہے ہیں۔ ہم آشا کرتے ہیں کہ دنیا کی سرکاری سنس دانوں کی اس اپیل پر پورا پورا دھیان دینگی۔ انسانی نسل کے بیلے اور اُس کی سلامتی کے نام پر ہم چاہتے ہیں کہ یہ اپیل پوری طرح سپہل ہو۔

—سندرل

13.7.55

گووا کا ستیاگرہ اور اُس سے سبق

آج بھی دنیا میں اِس طرح کے لوگ موجود ہیں جو دوسروں کی راج کاجی یا قومی آزادی کے حق کو سوچا نہیں کرتے! قوموں کی آزادی کے حق کے خلاف لڑنا آج ایسا ہی ہے جیسا قدرت کے اٹل قانونوں سے لڑنا یا آندھی سے بیڑنا۔ پر تجھ اور تاتکانک سوارتھ ہمیں اندھا کر دیتا ہے۔ چھوٹا سا پرتگال شاید اِس معاملے میں لڑنے کی ہمت نہ کرتا لیکن دنیا کے سامراج وادیوں یعنی دوسروں کو غلام رکھنے کی اچھا رکھنے والوں کا گت ابھی توٹا نہیں ہے۔ قدرت کے قانونوں یا انہاس کی شکستوں کو کوئی اُت نہیں سکتا۔ پر پرتگال کے اِس رخ کا یہ مطلب ضرور ہے کہ اپنی اپنی اور دنیا کی آزادی چاہنے والوں کو ابھی کچھ اور قربانیاں کرنی ہونگی۔

ظاہر ہے کوئی بھارت و اسی ایسا نہیں ہو سکتا جسے گووا کے ستیاگرہ کے ساتھ پوری ہمدردی نہ ہو۔ اُن دوسروں کو جو گووا کے پوتر اور شاندار ستیاگرہ میں شریک ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں، جن میں سے کچھ شہید بھی ہو چکے اور سینکڑوں نے اکتھلیہ شایرک اور مانسک کشت جھلے، ہم اُن کے ساتھ نمسکار کرتے ہیں۔ پرتگالی شامسکوں نے جس طرح کے امانسک انتہاچاروں کو اِن نہتے اور امنساتمک ستیاگرھیوں پر روا رکھا ہے اُن کے لئے ہمیں پرتگالیوں سے کچھ نہیں کہنا۔ ہمیں وشواس ہے کہ ہمارے دیس و اسی پرتگالی سمجھے جانے والے علانے کے اندر کے عوں یا اُس سے باہر کے، اِن انتہاچاروں کے کارن اپنے سنگلپ میں اور بھی پکے ثابت ہوتے دھینکے۔

گووا کے ستیاگرہ میں سب سے ادھک خوشی کی بات یہ ہوئی کہ دیس کی سب پولیٹکل پارٹیں نے لوگ کمیونسٹ، جن سنگھی، پرچا، سوشلسٹ اور کانگریسی اُس میں کدھے سے کدھا ملا کر بھاگ لینے کے لئے بے چین ہیں اور لے رہے ہیں۔ یہ سندر گھٹنا دو باتیں ثابت کرتی ہے۔ ایک یہ کہ وچاروں اور آدرشوں کے تھوڑے بہت فرق کے ہوتے ہوئے بھی سب پارٹیوں کے لوگ سچے، تھائی اور دیس بہکت ہیں۔

دوسری بات یہ کہ کسی بھی کام میں اگر ہم مل جاویں اور ملکر کام کریں تو ہم دیش کو بہت ادھک اونچا اٹھا سکتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ یہ رائے ہے کہ یہ ایک الگ پارٹیوں دیش کے لئے ضروری نہیں ہیں۔ کم سے کم راج نیک چناؤ ان پارٹیوں کے اعداد پر ہونا ایک ہماری ہے جو ہمیں یورپ سے لگی ہے۔ انگریزی پڑھے بھارت واسیوں نے انہیں ہند کر کے اسے حالہلند جیسے دیشوں سے نقل کر لیا ہے۔ ہمیں اس سے کافی نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ ہمیں اس بات کا بھی پورا وشواس ہے کہ ان پارٹیوں کے ایک درجے تک رھتے ہوئے بھی ہم میں اگر ہمت اور سمجھ ہو تو ہم اپنی ودھان سہاؤں کے لئے اس طرح کے آدمی سب کی ملی ہوئی رائے سے چن سکتے ہیں جن کے لئے ہمیں چناؤ لڑنے، کروڑوں روپے برباد کرنے اور دیش کے اندر کڑواپن بڑھانے کی ضرورت نہ ہو۔ سینٹر میں اور پارٹیوں میں ہم اس طرح کی سرکاریں بھی بنا سکتے ہیں جن میں سب پارٹیوں کے اچھے سے اچھے اور اونچے سے اونچے سببدار اور چتروان لوگ شامل ہیں۔ اس طرح کی گورنمنٹوں کے سامنے ہم دیش کے پہلے کے اس طرح کے پروگرام بھی آسانی سے رکھ سکتے ہیں جن پر سب سمجھتے ہیں اور ہم جنہیں ملکر پورا کر سکیں۔ گورنمنٹ چلانے کے لئے ایک سرکار پکش اور ایک ورودھی پکش ضروری ہیں یہ ایک اندھ وشواس، ایک پاگل پن ہے جو ہم نے دوسروں سے سیکھ لیا ہے۔ نئے چین میں ہمیں سب سے اچھی بات یہی لگی کہ نیا چین لگ بھگ اسی راستے پر چلا ہے۔ روس کے پچھلے عام چناؤ میں وہاں کی کمیونسٹ پارٹی نے جن لوگوں کو نامزد کیا اور ووٹ دینے والے ان میں ساٹھ فی صدی غیر کمیونسٹ تھے۔ ہم اس معاملے میں چین یا روس سے کہیں بڑھکر چل سکتے ہیں بشرطیکہ ہمیں اتنی سمجھ ہو کہ بھلائی اور برائی سب کے اندر ایک برابر ہے، اچھے اور برے سب میں ہیں، ایک بھوکا سب کے اندر ہے۔ جو لوگ متبھیدوں سے شروع کرتے ہیں انہیں متبھید ہی دکھائی دیتے ہیں۔ جو ایکٹا دیکھنا چاہتے ہیں ان کی آنکھیں ایکٹا کی ہی سامگری تھوڑی نکالتی ہیں۔ ہماری بھارت کے لئے ہمیں یہی سب سے اچھا راستہ دکھائی دیتا ہے۔

2-7-55

—سندھلال

—سندھلال

2. 7. 55

بی. سی. جی. کا ٹیکہ

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ ہماری آجکل کی سرکار نے جو بڑے سوائے برسر کے ویدشی راج کے بعد ہماری پہلی ویدشی سرکار ہے کئی اچھے کام کیے ہیں اور کر رہی ہے۔ خاص کر اپنے پردھان منتری پنڈت جواہر لال

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ ہماری آجکل کی سرکار نے جو تیز سو برس کے ویدشی راج کے بعد ہماری پہلی ویدشی سرکار ہے کئی اچھے کام کیے ہیں اور کر رہی ہے۔ خاص کر اپنے پردھان منتری پنڈت جواہر لال

نہرو کی ان کرشموں کو جو وہ دیہی کے اندر امن بلانے کے لئے تنگ سامہود تک پرور نہیں، جات پات، چھو چھوٹ غلط قسم کی پروانچیتا آدمی کو ختم کرنے، ایک سچے سچے سیکولر یعنی مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار راج کی جڑوں کو مضبوط کرنے، دنیا کے دوسرے دیہیوں کے ساتھ پریم سمبندھ قائم کرنے اور ساری انسانی قوم کے لئے جنگ کے خطروں کو کم کرنے اور دھیرے دھیرے ختم کرنے کی رہ رہے ہیں، ہماری زبان اور لکھنی کی بھی سرائے نہیں تھکتی۔ ان سب باتوں میں انہوں نے پچھلے سات برس کے اندر ہماری دیہی کو اونچا اٹھایا ہے اور ایک بڑے درجے تک گاندھی جی کے بتائے آدرشوں کو قائم رکھا ہے۔ لیکن کئی باتوں میں ہماری اچکل کے شامک غلط بھی گئے ہیں اور جا رہے ہیں۔ دیہی کی جنتا کے بے لے کے لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم سچائی اور پریم کے ساتھ ان باتوں کے بارے میں بھی اپنے وچار پرکٹ کرتے رہیں۔

اس طرح کی غلطیوں کی ایک مثال ہمارے صحت دہاک کے کچھ کام ہیں۔ گاندھی جی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے دیہی کو انگریزی راج سے اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا انگریزیت یعنی پچھم کے آنوکوں سے۔ گاندھی جی اپنے ان وچاروں کو تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کر چکے ہیں۔ ہم ان دیہی بھکتوں کی جو ہمارے صحت دہاک کے چارج میں ہیں نہایت پر شک نہیں کرتے پر پچھمی طریقوں کا اچت سے ادھک پریم ان سے کئی کام ایسے کرا رہا ہے جو دیہی کے لئے ہائیکر ہیں۔

دیہی بھر کے اندر بی. سی. جی. کا زوروں کے ساتھ پرچار ایسا ہی ایک کام ہے۔ بی. سی. جی. سے آج بھارت کے لوگ کافی پرہجت ہیں۔ یہ کچھ بے ہونے کیڑے ہیں جو سوئی کے ذریعہ آدمیوں اور بچوں کے خون میں داخل کرائے جاتے ہیں تاکہ اُس خون کے اندر جو خاص خاص بیماریوں کے کیڑے ہوں یا آئندہ کیبی پیدا ہو جائیں انہیں یہ بھر کے کیڑے مار کر ختم کر سکیں اور جس کے سوئی بھونکی گئی ہے اُسے ان بیماریوں سے بچا سکیں۔ بی. سی. جی. کا یہ ٹیکہ لوگوں کو خاص کر تپانے سے بچانے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ کروڑوں روپے کے یہ ٹیکے یورپ سے خرید کر لائے جا رہے ہیں اور دیہی کے بچوں پر آزمائے جا رہے ہیں۔

اس طرح کے ٹیکے بہت سی بیماریوں کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ ان سے بہت سی صورتوں میں ایک درجے تک لاپ بھی ہوتا ہے۔ ان میں شروع کی ایک مثال چیچک کے ٹیکے کی ہے۔ جب کوئی اس طرح کی بیماری کسی خاص علاقے میں زور کے ساتھ پھیلی ہوئی ہو تو اس طرح کے ٹیکے کئی بار اُسے روکنے میں مدد دیتے ہیں۔ پر دھیرے دھیرے یورپ کے سمجھدار ڈاکٹروں نے ہی یہ پتہ لگایا اور دنیا کو بتانا

نہرو کی ان کرشموں کو جو وہ دیہی کے اندر امن بلانے کے لئے تنگ سامہود تک پرور نہیں، جات پات، چھو چھوٹ غلط قسم کی پروانچیتا آدمی کو ختم کرنے، ایک سچے سچے سیکولر یعنی مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار راج کی جڑوں کو مضبوط کرنے، دنیا کے دوسرے دیہیوں کے ساتھ پریم سمبندھ قائم کرنے اور ساری انسانی قوم کے لئے جنگ کے خطروں کو کم کرنے اور دھیرے دھیرے ختم کرنے کی رہ رہے ہیں، ہماری زبان اور لکھنی کی بھی سرائے نہیں تھکتی۔ ان سب باتوں میں انہوں نے پچھلے سات برس کے اندر ہماری دیہی کو اونچا اٹھایا ہے اور ایک بڑے درجے تک گاندھی جی کے بتائے آدرشوں کو قائم رکھا ہے۔ لیکن کئی باتوں میں ہماری اچکل کے شامک غلط بھی گئے ہیں اور جا رہے ہیں۔ دیہی کی جنتا کے بے لے کے لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم سچائی اور پریم کے ساتھ ان باتوں کے بارے میں بھی اپنے وچار پرکٹ کرتے رہیں۔

اس طرح کی غلطیوں کی ایک مثال ہمارے صحت دہاک کے کچھ کام ہیں۔ گاندھی جی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے دیہی کو انگریزی راج سے اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا انگریزیت یعنی پچھم کے آنوکوں سے۔ گاندھی جی اپنے ان وچاروں کو تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کر چکے ہیں۔ ہم ان دیہی بھکتوں کی جو ہمارے صحت دہاک کے چارج میں ہیں نہایت پر شک نہیں کرتے پر پچھمی طریقوں کا اچت سے ادھک پریم ان سے کئی کام ایسے کرا رہا ہے جو دیہی کے لئے ہائیکر ہیں۔

دیہی بھر کے اندر بی. سی. جی. کا زوروں کے ساتھ پرچار ایسا ہی ایک کام ہے۔ بی. سی. جی. سے آج بھارت کے لوگ کافی پرہجت ہیں۔ یہ کچھ بے ہونے کیڑے ہیں جو سوئی کے ذریعہ آدمیوں اور بچوں کے خون میں داخل کرائے جاتے ہیں تاکہ اُس خون کے اندر جو خاص خاص بیماریوں کے کیڑے ہوں یا آئندہ کیبی پیدا ہو جائیں انہیں یہ بھر کے کیڑے مار کر ختم کر سکیں اور جس کے سوئی بھونکی گئی ہے اُسے ان بیماریوں سے بچا سکیں۔ بی. سی. جی. کا یہ ٹیکہ لوگوں کو خاص کر تپانے سے بچانے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ کروڑوں روپے کے یہ ٹیکے یورپ سے خرید کر لائے جا رہے ہیں اور دیہی کے بچوں پر آزمائے جا رہے ہیں۔

اس طرح کے ٹیکے بہت سی بیماریوں کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ ان سے بہت سی صورتوں میں ایک درجے تک لاپ بھی ہوتا ہے۔ ان میں شروع کی ایک مثال چیچک کے ٹیکے کی ہے۔ جب کوئی اس طرح کی بیماری کسی خاص علاقے میں زور کے ساتھ پھیلی ہوئی ہو تو اس طرح کے ٹیکے کئی بار اُسے روکنے میں مدد دیتے ہیں۔ پر دھیرے دھیرے یورپ کے سمجھدار ڈاکٹروں نے ہی یہ پتہ لگایا اور دنیا کو بتانا

شروع کیا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی خاص بیماری کے ٹیکے سے وہ بیماری رک ہی جائے اور بہت بار ٹیکہ لگانے کے بعد اگر وہ بیماری ہوتی ہے تو کہیں ادھک خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ چھپچک کے ٹیکے کے بارے میں اس کی سیکڑوں مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یورپ ہی کے بہت سے دیشوں میں چلنا کی طرف سے اور خود ڈاکڑوں کی طرف سے اس طرح کے ٹیکوں کے خلاف آندولن بھی ہوئے۔ چھپچک کے ٹیکے کے خلاف انگلینڈ میں عرصہ ہوا ایک 'نیشنل اینٹی ویکسینیشن لیگ' قائم ہوئی اور اُسے پوری کامیابی ملی۔ وہاں چھپچک کا ٹیکہ سب بچوں کے لئے لازمی نہیں رہا۔ کم یا زیادہ اسی طرح کی تحریکیں یورپ کے اور دیشوں میں بھی چھپچک کے اور دوسرے اسی طرح کے ٹیکوں کے خلاف شروع ہوئیں اور ایک نہ ایک درجہ تک کامیاب ہوئیں۔

دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکڑوں کی یہ بھی رائے ہے کہ اس طرح کی بیماریوں کا اصلی کارن ارتھک ہونا ہے۔ غریبی سب بیماریوں کی جڑ ہے—یعنی کھانے کی کمی اور حیض کی بستی نہ کھانے کی کمی اور حیض کی موتی موتی ضروری سہولتوں کا نہ ملنا۔ اسی لئے ڈاکڑوں کی رائے ہے کہ ان بیماریوں کا اصلی علاج اور انکی روک تھام کا اصلی طریقہ جتنا کی غریبی کو دور کرنا ہے۔ سب کو اچھا اور کافی مائرا میں کھانا ملے اور حیض کی معمولی سہولتیں ملیں تو بیماریاں اپنے آپ بھاگ جاتی ہیں۔ بڑے بڑے سائنسدانوں کی رائے ہے کہ اس طرح کی بیماریوں کا اصلی علاج کمزور جسم کے اندر ہمارے بیماریوں کے زمرے کیڑوں کا داخل کرنا نہیں ہے بلکہ خون کے اسد کے مدد سے کیڑوں کو خوراک اور آرام کے ذریعہ مضبوط کرنا ہے۔ اس وجہ پر امریکہ، انگلینڈ، جرمنی اور دیشوں میں ہزاروں ڈابیں چھپ چکی ہیں جن میں سے کافی بھارت کے بازاروں میں بھی مل سکتی ہیں۔ پر ہماری حالت یہ ہے کہ کبھی کبھی ایک روسی وڈولن کے شبہوں میں جس سے ہماری پیکنگ میں ملازمت ہوتی ہے "طرح طرح کے کیڑوں سے بھرے کرتے کرتے یورپ والے جن کیڑوں کو غلط سمجھ کر اُتار کر پھینک دیتے ہیں انہیں ہمارے بچہم پریمی بھارت و اسی بڑے شوق سے اڑھتے ہیں اڑھتے ہیں۔" بچہم کے بیا پاری بھی اس بارے میں بہت قوشمار ہیں۔ جو چھڑ یورپ میں پرانی پڑ جانے کے کارن نہیں بکتی اُسے ہمارے جیسے دیشوں میں کھوا کو وہ آسانی سے کیڑوں بنا لیتے ہیں۔ لگ بھگ یہی معاملہ آجکل کئی طرح کی بیماریوں کے ٹیکوں کا ہے۔

دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکڑوں کی یہ بھی رائے ہے کہ اس طرح کی بیماریوں کا اصلی کارن ارتھک ہونا ہے۔ غریبی سب بیماریوں کی جڑ ہے—یعنی کھانے کی کمی اور حیض کی بستی نہ کھانے کی کمی اور حیض کی موتی موتی ضروری سہولتوں کا نہ ملنا۔ اسی لئے ڈاکڑوں کی رائے ہے کہ ان بیماریوں کا اصلی علاج اور انکی روک تھام کا اصلی طریقہ جتنا کی غریبی کو دور کرنا ہے۔ سب کو اچھا اور کافی مائرا میں کھانا ملے اور حیض کی معمولی سہولتیں ملیں تو بیماریاں اپنے آپ بھاگ جاتی ہیں۔ بڑے بڑے سائنسدانوں کی رائے ہے کہ اس طرح کی بیماریوں کا اصلی علاج کمزور جسم کے اندر ہمارے بیماریوں کے زمرے کیڑوں کا داخل کرنا نہیں ہے بلکہ خون کے اسد کے مدد سے کیڑوں کو خوراک اور آرام کے ذریعہ مضبوط کرنا ہے۔ اس وجہ پر امریکہ، انگلینڈ، جرمنی اور دیشوں میں ہزاروں ڈابیں چھپ چکی ہیں جن میں سے کافی بھارت کے بازاروں میں بھی مل سکتی ہیں۔ پر ہماری حالت یہ ہے کہ کبھی کبھی ایک روسی وڈولن کے شبہوں میں جس سے ہماری پیکنگ میں ملازمت ہوتی ہے "طرح طرح کے کیڑوں سے بھرے کرتے کرتے یورپ والے جن کیڑوں کو غلط سمجھ کر اُتار کر پھینک دیتے ہیں انہیں ہمارے بچہم پریمی بھارت و اسی بڑے شوق سے اڑھتے ہیں اڑھتے ہیں۔" بچہم کے بیا پاری بھی اس بارے میں بہت قوشمار ہیں۔ جو چھڑ یورپ میں پرانی پڑ جانے کے کارن نہیں بکتی اُسے ہمارے جیسے دیشوں میں کھوا کو وہ آسانی سے کیڑوں بنا لیتے ہیں۔ لگ بھگ یہی معاملہ آجکل کئی طرح کی بیماریوں کے ٹیکوں کا ہے۔

پچاس سال سے اوپر ہوا جب ہمارے انگریز حاکموں نے زبردستی ہر ہندوستانی کے بلیک کا ٹیکہ لگانے کی

پچاس سال سے اوپر ہوا جب ہمارے انگریز حاکموں نے زبردستی ہر ہندوستانی کے بلیک کا ٹیکہ لگانے کی

کاروبار شروع کی تھی۔ ایک مانیہ ملک کی کوششوں اور کچھ نوجوانوں کی قربانیوں نے دیہ کی جلتا کو شروع ہی میں اُس خطرے سے بچا لیا۔

بی. سی. جی. کا ٹیکا اب پورے پورے کے ساتھ دیہ کے بچوں پر آزمایا جا رہا ہے۔ جن مسجددار دیہ بچوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی ہے اُن میں سب سے چمکتا نام شری سی. راجا گوبالا چاری کا ہے۔ حال میں مدراس میں لکچر دیتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ—”بی. سی. جی. کا پرچار دیہ کے بچوں کے اوپر بیماری کے کیڑوں کی جنگ کو آزمانا ہے۔“ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ—”بی. سی. جی. کے خلاف میں جو رخ لے رہا ہوں وہ کسی روزگاری دشمنی کے کزن نہیں ہے۔ میرا وردہ کسی بھولائوں کے ادعا پر بھی نہیں ہے۔ میرے وردہ کے سائنسی کارن ہیں۔ میں نے اس رشتہ پر بہت کتابیں دیہان سے پڑھی ہیں اور اُنہیں پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بی. سی. جی. کا پرچار بہت بڑی غلطی ہے اور خطرناک ہے... سرکار نے طے کر لیا ہے کہ اس کے پرچار کو جلتا میں بڑھارے اور لاکھوں بچوں کے جسم میں ایک جانا بوجھا زہر داخل کرے... اب یہ معاملہ ہماری قانون سبھاؤں سے سمجھ رہا ہے۔ یہ اُن سب لوگوں سے سمجھ رہا ہے جو ہمارے شاسن کے لئے ذمہ دار ہیں۔ اس کا سمجھ عام جلتا سے ہے، بچوں کے ملى باپ سے ہے اور سب مسجددار آدمیوں سے ہے... ہمارے اس غلط کام سے جلتا نقصان ہوتا ہے اتنا انٹر راشیہ بدعاشیوں سے بھی نہیں ہوتا۔ ہم جلتا میں بی. سی. جی. کا پرچار اس لئے کر رہے ہیں کیونکہ ہم ایک خیال کے پیچھے پائل ہو گئے ہیں۔ ہمیں اگر سچائی کی کھوج ہے تو ہمیں ایک یوگی کی طرح بے لاگ ہونا چاہئے۔ ہمیں سوچنا یہ ہے کہ کیا بی. سی. جی. کے ٹیکے لگانا مفید ہے اور کیا ان ٹیکوں سے کوئی نقصان نہیں ہوتا؟ اس سے کوئی فائدہ نہیں کہ ہم لاکھوں بچوں کے موٹوں بھونٹتے پھریں اس لئے کہ شاید اُن میں سے کچھ کسی بیماری سے بچ جائیں۔ یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ بی. سی. جی. ہندستان کے لئے ضروری ہے۔ بڑے بڑے ماهر اور سائنس دان یہ رائے ظاہر کر چکے ہیں کہ خاص کر جن دیہوں میں لوگوں کو اچھا اور کئی ماترا میں کھانا نہیں ملتا اُن میں بی. سی. جی. کا استعمال خطرناک ہے...”

شری راجا گوبالا چاری نے کوئمبٹور کے سات بچوں کا حال سنایا جن کے بی. سی. جی. لگایا گیا تھا۔ اُن میں کہا جاتا ہے کہ دو اُسی ٹیکے سے مر گئے۔ مدراس ہی کی طرف سے بی. سی. جی. کے کان کچھ بچوں کے اندھے ہو جانے کی خبر بھی اخباروں میں چھپ چکی ہے۔ اس پر سرکار نے اپنے ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ کمیٹی کی رپورٹ پر سرکار نے ایک پریس نوٹ نکال دیا کہ

جین بھڑوں کو نیکوئی پہنچا ہے ان کے اس نقصان کا ہی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیم سے کوئی سہارا نہیں۔ شری راجا گوبالاچاری نے کہا کہ—”سرکار کے اس پریس نوٹ سے مجھے بڑی نراشا ہوئی ہے۔ میں اسے نہیں مانتا.....“

شری راجا گوبالاچاری کی اس صاف رائے کے بعد ہمیں اس وجہ پر کچھ ادھک کہنے کی اڑشکتا نہیں ہے۔ حال میں بڑے بڑے ہندوستانی روس جا چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بڑے ہندوستانی نے روس کے صحت منسز سے پوچھا—”کیا آپ امریکہ سے دوائیاں خرید کر اپنے یہاں نہیں منگاتے؟“ انہوں نے جواب دیا—”ہم نہ ان کی دوائیاں منگاتے ہیں اور نہ ان کی بیماریاں۔“ یہ جواب کہول ایک مزاقی ہی کا جواب نہ تھا۔ اس میں کافی سچائی چھپی ہوئی ہے۔ ہم بی۔ سی۔ جی۔ جیسے ٹیموں کو دیش کی جنتا دیش کے بچوں، آئندہ آنے والی نسلوں اور ان سب کی تندرستی کے لئے بہت برا اور خطرناک مانتے ہیں۔ جنتا کی بیماریوں کا اصلی علاج ان میں گندی اور خطرناک دوائیاں ٹھونسنا اور ملک کا بے رحم برباد کرنا نہیں ہے۔ اصلی علاج ہے ایک ایک جھونپڑے کے اندر کام پہنچانا، روزی پہنچانا اور جھون کی وہ سہولیتیں پہنچانا جو تندرستی کا سب سے بڑا بیمہ ہوتی ہیں۔

ہم بی۔ سی۔ جی۔ جیسے ٹیموں کو دیش کی جنتا دیش کے بچوں، آئندہ آنے والی نسلوں اور ان سب کی تندرستی کے لئے بہت برا اور خطرناک مانتے ہیں۔ جنتا کی بیماریوں کا اصلی علاج ان میں گندی اور خطرناک دوائیاں ٹھونسنا اور ملک کا بے رحم برباد کرنا نہیں ہے۔ اصلی علاج ہے ایک ایک جھونپڑے کے اندر کام پہنچانا، روزی پہنچانا اور جھون کی وہ سہولیتیں پہنچانا جو تندرستی کا سب سے بڑا بیمہ ہوتی ہیں۔

—سند:لال

2. 7. 55

2-7-55

—سند:لال

پنجاب کا میڈیکل پریکٹیشنرس بیل اور علاج کے الگ الگ طریقے

ہمارے صحت دہیا کی غلطیوں میں سے ایک اور بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ ایلوپیتھک علاج کا جسے عام طور پر ڈاکٹروں کہتے ہیں اتنا شہدا ہے کہ اس کے سامنے وہ ویدک، یونانی، ہومیو پیتھی، نیچروپیتھی، آدی علاجوں اور ان کے ویدیوں، حکیموں اور ڈاکٹروں کو بس چلے تو نہیں رہنے دینا چاہتا۔ یہ بھی ایک خطرناک خطہ ہے۔ دنیا کی ساری سائنس انڈیکشن یعنی تجربوں پر قائم ہے۔ گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں ہمارا اور ہمارے جیسے لاکھوں آدمیوں کا یہ تجربہ ہے کہ پرانے دیسی طریقوں کے علاجوں سے، ہومیو پیتھک دواؤں سے اور قدرتی علاج کے طریقوں سے دیش کے لاکھوں بیمار اچھے ہوتے ہیں اور آسانی سے اور کم خرچ میں اچھے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایلوپیتھک علاج جبکہ اور سب علاجوں کی طرح بہتوں کو کچھ فائدہ بھی کرتا ہے لاکھوں کو اس سے کافی نقصان بھی پہنچاتا ہے۔ دیش واسیوں کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ایلوپیتھک کا علاج عام طور پر اتنا مہنگا پڑتا ہے کہ نہ کہول عام جنتا کے لئے ہی بلکہ لاکھوں بچے کے درجے کے لوگوں کے لئے بھی یہ

پنجاب کا میڈیکل پریکٹیشنرس بیل اور علاج کے الگ الگ طریقے

ہمارے صحت دہیا کی غلطیوں میں سے ایک اور بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ ایلوپیتھک علاج کا جسے عام طور پر ڈاکٹروں کہتے ہیں اتنا شہدا ہے کہ اس کے سامنے وہ ویدک، یونانی، ہومیو پیتھی، نیچروپیتھی، آدی علاجوں اور ان کے ویدیوں، حکیموں اور ڈاکٹروں کو بس چلے تو نہیں رہنے دینا چاہتا۔ یہ بھی ایک خطرناک خطہ ہے۔ دنیا کی ساری سائنس انڈیکشن یعنی تجربوں پر قائم ہے۔ گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں ہمارا اور ہمارے جیسے لاکھوں آدمیوں کا یہ تجربہ ہے کہ پرانے دیسی طریقوں کے علاجوں سے، ہومیو پیتھک دواؤں سے اور قدرتی علاج کے طریقوں سے دیش کے لاکھوں بیمار اچھے ہوتے ہیں اور آسانی سے اور کم خرچ میں اچھے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایلوپیتھک علاج جبکہ اور سب علاجوں کی طرح بہتوں کو کچھ فائدہ بھی کرتا ہے لاکھوں کو اس سے کافی نقصان بھی پہنچاتا ہے۔ دیش واسیوں کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ایلوپیتھک کا علاج عام طور پر اتنا مہنگا پڑتا ہے کہ نہ کہول عام جنتا کے لئے ہی بلکہ لاکھوں بچے کے درجے کے لوگوں کے لئے بھی یہ

ناممکن ہے یا بہرہ دہی ہے۔ سرکاری اسپتالوں کی ہم ان عام برائوں میں یہاں جانا نہیں چاہتے جن سے دیش کا ایک ایک بچہ لگی لگی میں پریشان ہے۔ اسی لئے نئے چین نے ایلو-پیٹک طریقے کو اپنے یہاں زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کے ساتھ ساتھ دیش کے پرانے علاج کے طریقوں اور سیکڑوں پرانی دواؤں کو بھی نہ کھل زندہ ہی رکھا ہے بلکہ بڑھتے اور ترقی کرنے کا بھی پورا موقعہ دیا ہے۔ چین کا پرانا طریقہ بالکل ہمارے دیشی طریقے سے ملتا ہے۔ وہی نبض دیکھنے کا ڈھنگ، وہی کف، بات، اور پست اور وہی دیشی جڑی بوٹیوں کے کارے۔ چین کی لٹی سرکار نے ان طریقوں کو خوب بڑھایا ہے اور بڑھنے کا موقعہ دیا ہے۔ لاکھوں چینی بیمار ان پرانے اور سستے طریقوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ ہم نے خود پرانے ڈھنگ کے چینی ویدوں سے بانہں کی ہیں اور ان کی دوائیں استعمال کی ہیں۔ روس کی سرکار بھی ایلوپیتھی کے ساتھ ساتھ ہومیوپیتھی کو ترقی دینے کی پوری کوشش کر رہی ہے اور آذربائیجان میں اس نے سیکڑوں پرانی دواؤں اور جڑی بوٹیوں وغیرہ کی کچھ اور ان سے تجربہ کر کے بڑی بڑی مہلک بیماریوں کو ان کے ذریعہ قابو میں کر لیا ہے۔

حال میں پنجاہ سٹेट اسپتالوں کے اندر 'پنجاہ سٹेट مڈیکل پریکٹیشنرس بیل' نام سے ایک نیا کلائنک پش ہوا جس میں ایلوپیتھک ڈاکٹروں کے علاوہ دوسری طرح کے علاج کرنے والوں کو بھی پنجاہ کے اسپتالوں میں موقعہ دینے والے کی بات تجویز کی گئی ہے۔ یونین ہیلتھ منسٹر راج کماری امرت کو لے شملہ میں اس پر بڑی ناراضگی اور غصہ ظاہر کیا اور یہاں تک کہ ڈالا کہ اگر اس طرح کے غیر سند یافتہ لوگوں کو اسپتالوں میں موقعہ دینے کی تجویز کی گئی تو وہ یونین پریسڈنٹ سے سفارش کریں گی کہ وہ اس قانون کو منظور نہ دیں۔ ہم راج کماری بہن سے اچھی طرح پریشان ہیں۔ ہم دہلی گاندھی جی کے چرنوں میں بیٹھے ہیں۔ ہمیں راج کماری بہن کی دیش ہوکتی یا ٹھیک نہتی میں شک نہیں۔ پر ہم بڑے دم کے ساتھ یہ کہہ بنا نہیں رہ سکتے کہ وہ غریب جنٹا کے جھٹوں سے بہت دور چلی گئی ہیں۔ وہ اس پچھمیتا کی ضرورت سے زیادہ شولسی ہیں جس سے گاندھی جی ملک کو بچانا چاہتے تھے۔ ایلوپیتھی علاج کا ایک طریقہ ہے، ایک خاص اصول ہے۔ اسے ترقی کا موقعہ ملنا چاہئے۔ پر ایک طریقہ پر اتنا اٹھک وشولس اور علاج کے دوسرے طریقوں پر اور دوسرے اصولوں سے اتنا پردہز خود غلط اور خطرناک ہے۔ ہمیں اگر دیش کی عام جنٹا کے ساتھ پریم ہے اور ان کی حالت کو سمجھ کر پریم ہے تو اس دیش کے اندر ہمیں علاج کے ان سب طریقوں کو زندہ رکھنے، ترقی کرنے اور جلتا کی سہوا

ناممکن ہے یا بہرہ دہی ہے۔ سرکاری اسپتالوں کی ہم ان عام برائوں میں یہاں جانا نہیں چاہتے جن سے دیش کا ایک ایک بچہ لگی لگی میں پریشان ہے۔ اسی لئے نئے چین نے ایلو-پیٹک طریقے کو اپنے یہاں زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کے ساتھ ساتھ دیش کے پرانے علاج کے طریقوں اور سیکڑوں پرانی دواؤں کو بھی نہ کھل زندہ ہی رکھا ہے بلکہ بڑھتے اور ترقی کرنے کا بھی پورا موقعہ دیا ہے۔ چین کا پرانا طریقہ بالکل ہمارے دیشی طریقے سے ملتا ہے۔ وہی نبض دیکھنے کا ڈھنگ، وہی کف، بات، اور پست اور وہی دیشی جڑی بوٹیوں کے کارے۔ چین کی لٹی سرکار نے ان طریقوں کو خوب بڑھایا ہے اور بڑھنے کا موقعہ دیا ہے۔ لاکھوں چینی بیمار ان پرانے اور سستے طریقوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ ہم نے خود پرانے ڈھنگ کے چینی ویدوں سے بانہں کی ہیں اور ان کی دوائیں استعمال کی ہیں۔ روس کی سرکار بھی ایلوپیتھی کے ساتھ ساتھ ہومیوپیتھی کو ترقی دینے کی پوری کوشش کر رہی ہے اور آذربائیجان میں اس نے سیکڑوں پرانی دواؤں اور جڑی بوٹیوں وغیرہ کی کچھ اور ان سے تجربہ کر کے بڑی بڑی مہلک بیماریوں کو ان کے ذریعہ قابو میں کر لیا ہے۔

حال میں پنجاہ سٹेट اسپتالوں کے اندر 'پنجاہ سٹेट مڈیکل پریکٹیشنرس بیل' نام سے ایک نیا کلائنک پش ہوا جس میں ایلوپیتھک ڈاکٹروں کے علاوہ دوسری طرح کے علاج کرنے والوں کو بھی پنجاہ کے اسپتالوں میں موقعہ دینے والے کی بات تجویز کی گئی ہے۔ یونین ہیلتھ منسٹر راج کماری امرت کو لے شملہ میں اس پر بڑی ناراضگی اور غصہ ظاہر کیا اور یہاں تک کہ ڈالا کہ اگر اس طرح کے غیر سند یافتہ لوگوں کو اسپتالوں میں موقعہ دینے کی تجویز کی گئی تو وہ یونین پریسڈنٹ سے سفارش کریں گی کہ وہ اس قانون کو منظور نہ دیں۔ ہم راج کماری بہن سے اچھی طرح پریشان ہیں۔ ہم دہلی گاندھی جی کے چرنوں میں بیٹھے ہیں۔ ہمیں راج کماری بہن کی دیش ہوکتی یا ٹھیک نہتی میں شک نہیں۔ پر ہم بڑے دم کے ساتھ یہ کہہ بنا نہیں رہ سکتے کہ وہ غریب جنٹا کے جھٹوں سے بہت دور چلی گئی ہیں۔ وہ اس پچھمیتا کی ضرورت سے زیادہ شولسی ہیں جس سے گاندھی جی ملک کو بچانا چاہتے تھے۔ ایلوپیتھی علاج کا ایک طریقہ ہے، ایک خاص اصول ہے۔ اسے ترقی کا موقعہ ملنا چاہئے۔ پر ایک طریقہ پر اتنا اٹھک وشولس اور علاج کے دوسرے طریقوں پر اور دوسرے اصولوں سے اتنا پردہز خود غلط اور خطرناک ہے۔ ہمیں اگر دیش کی عام جنٹا کے ساتھ پریم ہے اور ان کی حالت کو سمجھ کر پریم ہے تو اس دیش کے اندر ہمیں علاج کے ان سب طریقوں کو زندہ رکھنے، ترقی کرنے اور جلتا کی سہوا

کرنے کے برابر کے موقعہ دینے ہونگے۔ ان الگ الگ طریقوں کے الگ الگ اصولوں، ان کی بیماریوں اور برائوں پر بحث کی یہ جگہ نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ سے نکلنے والی پراسٹیک ڈاکٹروں کی لکھی ہوئی صحائف کے اوپر ہزاروں کتابوں میں سے جس نے کچھ خاص خاص بھی پڑھی ہیں وہ جانتا ہے کہ جرم تھوڑی یعنی خاص کیڑوں سے خاص بیماریوں کے سمجھنے کے اصول میں اب کافی فرق پڑ چکا ہے۔ کسی بیماری کو دور کرنے کے لئے اب اس بیماری کے کیڑے کا پتہ لگا کر اس کو مارنے کے لئے ایک خاص زہر جسم میں داخل کرنے کی نسبت یہ کہیں ادھک ٹھیک، مفید اور سائنسی طریقہ مانا جاتا ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ خاص کیڑا جسم کے اندر بیٹھ اور پنپ کیسے سکا۔ یعنی جسم کی ضروری چیزوں میں یا جسم کے پیلنس یعنی سمٹول میں کیا کسی آئی جس سے وہ کیڑا وہاں اپنا کام کر سکا، اور پھر کیڑے کے پیچھے پڑ جانے کی نسبت جسم کی اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ نہیں تو طرح طرح کے کیڑے ہوا کے اندر اور ہزاروں کے جسموں میں بھرے پڑے ہیں۔ کسولی ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے اس سے کے ڈائریکٹر میجر واکس نے ایک مرتبہ ہم سے کہا تھا کہ اگر ہم رستے چلتے تندرست دکھائی دینے والے دس آدمیوں کو پکڑ کر اچانک ان کے تھوک یا خون کا امتحان لے لیں تو ان میں سے ادھک تر میں ہمیں طح طرح کی بیماریوں کے کیڑے ملینگے، لیکن جب تک خون میں خاص طرح کی کمزوری نہ ہو تب تک کوئی کیڑا اثر نہیں کر سکتا۔ یعنی اصلی سوال کیڑوں کے پیچھے جہاد ہونا نہیں ہے بلکہ خون یعنی جسم کی خاص کمی کو پورا کرنا ہے۔ اگر ہم اس نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہمارے ویدیک، یونانی، ہومیوپیتھی اور نیچروپیتھی کے طریقہ آج کے ایلوپیتھی علاج کے طریقہ سے کہیں زیادہ ٹھیک اور کہیں زیادہ سائنٹفک ہیں۔ یہ بحث بھی دور کی بحث ہے۔ یہاں ہم دیہی وادیوں کی غریبی اور لاکھوں بیماریوں کے آنے دن کے تجربوں کی بنا پر قبول اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ سرکار کا فرض ہے کہ بنا پکش بات علاج کے سب خاص خاص طریقوں کے ساتھ برابر کا سلوک کرے، سب کے چھوٹے چھوٹے کورسوں والے کالینج خاص طریقہ کے ماہروں کے انتظام میں ہوں اور پرائیویٹ پریکٹس میں اور سرکاری اسپتالوں میں سب جگہ سب کو برابر کا موقعہ دے جس سے لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کا بھلا ہو، ملک کا پیسہ باہر کی قیمتی دواؤں پر خرچ ہوکر ملک کو اور زیادہ غریب اور ہماری تندرستیوں کو اور زیادہ خراب نہ کرے، اور سائنس کے معاملے میں شری راجا گوپالاچاری کے شبہوں میں ہم یوگی کی طرح بے لاک ہوکر آگے بڑھ سکیں۔

—سندھ لال

2-7-55

—سندھ لال

کانپور کے مزدوروں کی ہڑتال

کانپور کے مزدوروں کی ہڑتال

کانپور کی کپڑے کی मिलों کے مزدوروں کی ہڑتال کو آج دو مہینے سے اوپر ہو چکا ہے۔ ہڑتال کا کارن مزدوروں، मिल مالिकों और सरकार तीनों के बीच का एक घरेलू झगडा है۔ ہم घरेلو سے اسلایے کھتے ہیں کیونکی अभी कुछ दिनों तक इन तीनों को इस देश के अन्दर मिलकर रहना है۔ हमने आशा की थी कि यह आपसी झगडा जल्दी ही तय हो जायगा۔ इसलایے भी हमने अभी तक उस पर कुछ कहना मुनासिब नहीं समझा था۔ पर हड़ताल ने काफ़ी समय ले लिया और काफ़ी दर्दनाक रूप धारण कर लिया۔ आज दो महीने से हज़ारों मज़दूर और उनके लाखों बाल बच्चे भूखे या आधे पेट सोते हैं۔ कानपुर शहर से हमारा पचास बरस का पुराना सम्बन्ध है۔ इसलایے इस हड़ताल के बारे में अपने बिचार प्रकट करना हमने अपना धर्म समझा۔

सबसे पहला सबाल 'रैशनलाइजेशन' यानी उस चीज़ का है जो इस हड़ताल की जड़ है۔ रैशनलाइजेशन आजकल की मशीनी सभ्यता की एक स्वाभाविक कड़ी है۔ मशीनी सभ्यता का रूप ही यह है कि जो काम बहुत से आदमी मिलकर करते हैं वह मशीन के जरिये कम आदमियों के द्वारा पूरा करा लिया जाय۔ मिलों से कपड़ा बुनाई के धन्दे में रैशनलाइजेशन का मतलब यह है कि जिन मशीनों या पुतलियों पर दो या चार आदमी काम करते थे उन पर दो या चार की जगह एक आदमी सारा काम कर सके۔ इसमें आवश्यक हो जाता है कि उस एक आदमी की सहूलियत के लिये मशीन में कुछ उलट फेर या सुधार कर दिया जावे۔ इसके लिये उस एक आदमी को कुछ अधिक मज़दूरी भी कहीं कहीं दे दी जाती है۔ पर इसका कुदरती नतीजा यह है कि बाक़ी आदमी बेकार हो जाते हैं۔ इसे 'लेबर सेविंग' कहा जाता है, यानी कम मज़दूरों से अधिक काम निकालना۔

इस तरह के रैशनलाइजेशन की ज़रूरत उन मुल्कों को होती है जिनमें आदमियों की कमी है और जो अपनी मिलों की पैदावार इसलایے बढ़ाना चाहते हैं ताकि उस पैदावार को दूसरे पिछड़े हुए देशों में बेच कर वहां से धन चूस सकें۔ यह व्यवस्था पूँजीवादी व्यवस्था है۔ यही आर्थिक साम्राजवाद की जड़ है۔ पर जिस देश के अन्दर आदमियों की कमी न हो और करोड़ों इन्सानों की शक्ति बेकारी के कारन पड़ी सड़ती हो उसमें रैशनलाइजेशन के कोई मानी ही नहीं होते۔ यह कहना कि रैशनलाइजेशन लोगों की मेहनत बचाने के लिये किया जाता है बहुत बड़ा फ़रेब और

کانپور کی کپڑے کی ملوں کے مزدوروں کی ہڑتال کو آج دو مہینے سے اوپر ہو چکا ہے۔ ہڑتال کا کارن مزدوروں، مل مالکوں اور سرکار تیلوں کے بیچ کا ایک گھریلو جھگڑا ہے۔ ہم گھریلو سے اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ابھی کچھ دنوں تک ان تیلوں کو اس دیس کے اندر ملکر رہنا ہے۔ ہم نے آشا کی تھی کہ یہ آپسی جھگڑا جلدی ہی طے ہو جائیگا۔ اس لئے بھی ہم نے ابھی تک اس پر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ پر ہڑتال نے کافی سمنے لے لیا اور کافی دردناک روپ دھارن کر لیا۔ آج دو مہینے سے ہزاروں مزدور اور ان کے لاکھوں بال بچے بھوکے یا آدھے پوکے سوتے ہیں۔ کانپور شہر سے ہمارا پچاس برس کا پرانا سمنہ ہے۔ اس لئے اس ہڑتال کے بارے میں اپنے وچار پرکٹ کرنا ہم نے اپنا دھرم سمجھا۔

سب سے پہلا سوال 'ریشنلائزیشن' یعنی اُس چیز کا ہے جو اس ہڑتال کی جڑ ہے۔ ریشنلائزیشن آجکل کی مشینی سبھت کی ایک سواپاؤک کڑی ہے۔ مشینی سبھت کا روپ ہی یہ ہے کہ جو کام بہت سے آدمی ملکر کرتے ہیں وہ مشین کے ذریعہ کم آدمیوں کے دوارا پورا کر لیا جائے۔ ملوں سے کپڑا بنانی کے دھندے میں ریشنلائزیشن کا مطلب یہ ہے کہ جن مشینوں یا پٹلیوں پر دو یا چار آدمی کام کرتے تھے ان پر دو یا چار کی جگہ ایک آدمی سارا کام کر سکے۔ اس میں آوشیک ہو جاتا ہے کہ اُس ایک آدمی کی سہولیت کے لئے مشین میں کچھ آلت پھیر یا سدھار کر دیا جاوے۔ اس کے لئے اُس ایک آدمی کو کچھ ادھک مزدوری بھی کہیں کہیں دے دی جاتی ہے۔ پر اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ باقی آدمی بیکار ہو جاتے ہیں۔ اسے 'لیبر سیونگ' کہا جاتا ہے، یعنی کم مزدوروں سے ادھک کام نکالنا۔

اس طرح کے ریشنلائزیشن کی ضرورت ان ملکوں کو ہوتی ہے جن میں آدمیوں کی کمی ہے اور جو اپنی ملوں کی پیداوار اس لئے بڑھانا چاہتے ہیں تاکہ اُس پیداوار کو دوسرے پچھڑے ہوئے دیسوں میں بیچکر وہاں سے دھن چوس سکیں۔ یہ ویسٹیا پونجی وائی ویسٹیا ہے۔ یہی آرتھک سامراج واد کی جڑ ہے۔ پر جس دیس کے اندر آدمیوں کی کمی نہ ہو اور کروڑوں انسانوں کی شکتی بیکاری کے کارن پڑی سڑتی ہو اُس میں ریشنلائزیشن کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے۔ یہ کہنا کہ ریشنلائزیشن لوگوں کی محنت بچانے کے لئے کیا جاتا ہے بہت بڑا فریب اور

बोला है। इसी तरह की कोशिशों के लिये महात्मा गान्धी ने एक जगह कहा है—“यह लोग मजदूरी बचाने की लगातार कोशिश करते रहते हैं यहां तक कि हजारों आदमी खुली गलियों के अन्दर फाँके से पड़े मरने लगते हैं।” साफ बात यह है कि रैशनेलाइजेशन के जरिये पैदावार की बानि कपड़े की लागत को कम किया जाता है और पूँजीपतियों के मुनाफे को और बढ़ाया जाता है, यह रैशनेलाइजेशन जनता या मजदूरों के भले की चीज नहीं है। रैशनेलाइजेशन उनमें बेकारी को बढ़ाने वाली है सिवाय इसके कि पैदावार को बढ़ाने और अधिक से अधिक मुनाफा कमाने की धुन में हम दूसरे गरीब देशों पर अपना आर्थिक और तिजारती प्रमुख जमाने की फिर में हों। हमें बड़े दुख के साथ कहना पड़ता है कि हमारे देश के मिल मालिकों, पूँजीपतियों और कुछ सरकारी लोगों का रुख इधर ही को मुड़ा हुआ दिखाई देता है।

बम्बई और अहमदाबाद की कुछ मिलों में यह रैशनेलाइजेशन शुरू हो गया है। कानपुर में भी इसको शुरू करने की कोशिश की गई। लखनऊ सरकार के लोग और कानपुर के पूँजीपति इस कोशिश में शामिल थे। कानपुर के कुछ मजदूर प्रेमी और जनता प्रेमी देश भक्तों ने इसका विरोध किया। श्री शिवनारायण टंडन कानपुर के बहुत प्रतिष्ठित व्यापारी और कांग्रेस के सचचे सेवक हैं। कांग्रेस की तरफ से वह पार्लिमेण्ट के मेम्बर भी चुने गए। श्री शिवनारायण टंडन ने रैशनेलाइजेशन का विरोध किया। उनके विरोध की परवाह नहीं की गई। यहां तक कि इस विरोध के कारन ही उन्हें कांग्रेस से और पार्लिमेण्ट की मेम्बरी से इस्तीफा देना पड़ा। कानपुर की मिलों में रैशनेलाइजेशन जबरदस्ती लादने की कोशिश की गई। उसका क्रुद्ध नतीजा है यह जबरदस्त हड़ताल।

जनता या मजदूर जब किसी चीज को अपने ऊपर अन्याय समझते हों तो उन्हें शान्त और अहिंसात्मक रहकर हड़ताल यानी सत्याग्रह करने और अपनी सच्चाई को साबित करने के लिये अपने ऊपर कष्ट भेलने का पूरा हक है। इसमें शर्त केवल एक है और वह है उनका पूरी तरह अहिंसात्मक रहना। हम कानपुर की सूती मिल मजदूर सभा के नेता श्री राजाराम शास्त्री और उनके साथ के काम करने वालों को बधाई देते हैं कि उन्होंने इस लम्बी हड़ताल की पूरी शान्ति और अहिंसा के साथ निभाया। दूसरी ओर सरकार और मिल मालिकों की तरफ से हड़तालियों और उनके नेताओं की गिरफ्तारियों और मजदूरों पर ज़ियादतियों की खबरें भी अखबारों में आती रही हैं। कानपुर की जनता ने जिस प्रेम और उदारता के साथ हड़तालियों का साथ

देखा है। इसी तरह की कोशिशों के लिये महत्वा गान्धी ने एक जगह कहा है—“यह लोग मजदूरी बचाने की लगातार कोशिश करते रहते हैं यहां तक कि हजारों आदमी खुली गलियों के अन्दर फाँके से पड़े मरने लगते हैं।” साफ बात यह है कि रैशनेलाइजेशन के जरिये पैदावार की बानि कपड़े की लागत को कम किया जाता है और पूँजीपतियों के मुनाफे को और बढ़ाया जाता है, यह रैशनेलाइजेशन जनता या मजदूरों के भले की चीज नहीं है। रैशनेलाइजेशन उनमें बेकारी को बढ़ाने वाली है सिवाय इसके कि पैदावार को बढ़ाने और अधिक से अधिक मुनाफा कमाने की धुन में हम दूसरे गरीब देशों पर अपना आर्थिक और तिजारती प्रमुख जमाने की फिर में हों। हमें बड़े दुख के साथ कहना पड़ता है कि हमारे देश के मिल मालिकों, पूँजीपतियों और कुछ सरकारी लोगों का रुख इधर ही को मुड़ा हुआ दिखाई देता है।

बम्बई और अहमदाबाद की कुछ मिलों में यह रैशनेलाइजेशन शुरू हो गया है। कानपुर में भी इसको शुरू करने की कोशिश की गई। लखनऊ सरकार के लोग और कानपुर के पूँजीपति इस कोशिश में शामिल थे। कानपुर के कुछ मजदूर प्रेमी और जनता प्रेमी देश भक्तों ने इसका विरोध किया। श्री शिवनारायण टंडन कानपुर के बहुत प्रतिष्ठित व्यापारी और कांग्रेस के सचचे सेवक हैं। कांग्रेस की तरफ से वह पार्लिमेण्ट के मेम्बर भी चुने गए। श्री शिवनारायण टंडन ने रैशनेलाइजेशन का विरोध किया। उनके विरोध की परवाह नहीं की गई। यहां तक कि इस विरोध के कारन ही उन्हें कांग्रेस से और पार्लिमेण्ट की मेम्बरी से इस्तीफा देना पड़ा। कानपुर की मिलों में रैशनेलाइजेशन जबरदस्ती लादने की कोशिश की गई। उसका क्रुद्ध नतीजा है यह जबरदस्त हड़ताल।

जनता या मजदूर जब किसी चीज को अपने ऊपर अन्याय समझते हों तो उन्हें शान्त और अहिंसात्मक रहकर हड़ताल यानी सत्याग्रह करने और अपनी सच्चाई को साबित करने के लिये अपने ऊपर कष्ट भेलने का पूरा हक है। इसमें शर्त केवल एक है और वह है उनका पूरी तरह अहिंसात्मक रहना। हम कानपुर की सूती मिल मजदूर सभा के नेता श्री राजाराम शास्त्री और उनके साथ के काम करने वालों को बधाई देते हैं कि उन्होंने इस लम्बी हड़ताल की पूरी शान्ति और अहिंसा के साथ निभाया। दूसरी ओर सरकार और मिल मालिकों की तरफ से हड़तालियों और उनके नेताओं की गिरफ्तारियों और मजदूरों पर ज़ियादतियों की खबरें भी अखबारों में आती रही हैं। कानपुर की जनता ने जिस प्रेम और उदारता के साथ हड़तालियों का साथ

دیا ہے اور ان کی مصیبتوں میں ہاتھ بٹایا ہے وہ بھی کانپور کے لئے بڑے گہرو کی چیز ہے۔ ہمارا دل اس معاملہ میں کانپور کے مزدوروں اور وہاں کی جنتا کے ساتھ ہے۔

کانپور کے مزدور کافی کھٹ بھگ چکے۔ وہ اپنی سچائی ثابت کر چکے۔ سرکار اور مل مالیکوں کے لئے اب تین ہی راستے ہیں۔ سب سے اچھا انصاف کا اور نیکی کا راستا یہ ہے کہ وہ اپنی ریشنلایزیشن کی تاجبیل کو باپس لے لیں، مزدوروں کی مصیبتوں کو ختم کریں اور بالکل پہلے کی طرح پریم کے ساتھ ملکر رہیں اور کام کریں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ گرفتار نہیٹاؤں اور مزدوروں کو رہا کر کے شری راجارام شاستری اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ برابری کے ڈھنگ سے ملکر بیٹھیں اور ناقابلک صلح کا کوئی راستہ نکالیں۔ تیسرا راستہ یہ ہے کہ وہ اپنی جبرئی ان کو چھوڑ دے اور اپنی شکتی اور پیسہ کے بل مزدوروں اور ان کے نہیٹاؤں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہیں۔

بڑے دھم کی بات ہے کہ ہمارے کچھ شاسکوں اور پٹیوں نے یہ جھوٹی آن انگریز سرکار سے سیک لی ہے۔ دیہی کی سرکاروں اور دیہی کے پونجی پتھوں کو اس سے اوپر اٹھنا چاہئے تاکہ شاسک اور شاست پونجی پتی اور مزدور سب ملکر اس دیہی میں پریم کے ساتھ رہ سکیں۔ ہماری بھکڑوں سے یہی پرارتھنا ہے کہ وہ ہم سب کو ٹھیک راستہ پر چلنے کی ہمت دے۔ آج کے اخباروں میں خبر چھپی ہے کہ شری راجارام شاستری چیف منسٹر شری سمپورناند سے ملنے نیلی نال جا رہے ہیں۔ ہمیں بڑی خوشی ہوگی اگر ہمارے اس نوٹ کے چھپنے سے پہلے کانپور کا یہ گھریلو جھگڑا انصاف اور پریم کے ساتھ طے ہو چکا ہوگا۔

2-7-55

—سندرلال

سندرلال

2. 7. 55

فیر—اس نوٹ کے چھپنے چھپنے آج یہ خبر ملی کہ ہونال سمپت ہو گئی۔

فیر—اس نوٹ کے چھپنے چھپنے آج یہ خبر ملی کہ ہونال سمپت ہو گئی۔

ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

نوٹ:—یہ کتابیں صرف علمی مہن میں .

نوٹ:—یہ کتابیں صرف علمی مہن میں .

نام کتاب	لکھک	قیمت	نام کتاب	لکھک	قیمت
1. شہر و شاعری	شری ابودھیا پرساد گوتیہ	8 0 0	2. شعر و سخن	"	8 0 0
2. شہر و سخن	"	8 0 0	3. گہرے پانی پتہ	"	2 8 0
3. گہرے پانی پتہ	"	2 8 0	4. ہمارے آداب	شری ہمدانی داس	3 0 0
4. ہمارے آداب	شری ہمدانی داس	3 0 0	5. سنسکرت	چترودھی	3 0 0
5. سنسکرت	چترودھی	3 0 0	6. دو ہزار دہائی پرانی کہانیاں	شری جگدیش چندر جین	3 0 0
6. دو ہزار دہائی پرانی کہانیاں	شری جگدیش چندر جین	3 0 0	7. گہان گنگا	شری نارائن پرساد جین	6 0 0
7. گہان گنگا	شری نارائن پرساد جین	6 0 0	8. پنج پندرہ	شری شانتی پریم دویسی	2 0 0
8. پنج پندرہ	شری شانتی پریم دویسی	2 0 0	9. پنج پندرہ	شانتی ایم . اے	2 0 0
9. پنج پندرہ	شانتی ایم . اے	2 0 0	10. آکھ کے تارے	شری کلپال مہر	2 0 0
10. آکھ کے تارے	شری کلپال مہر	2 0 0	11. مکتی دوت	شری ویرندر کمار جین ایم . اے	0 0 0
11. مکتی دوت	شری ویرندر کمار جین ایم . اے	0 0 0	12. ملین پامنی	شری بچن	4 0 0
12. ملین پامنی	شری بچن	4 0 0	13. رجعت رشی	ڈاکٹر رام کمار ورما	2 8 0
13. رجعت رشی	ڈاکٹر رام کمار ورما	2 8 0	14. مہرے باپو	شری نرسہ بھادریا	2 8 0
14. مہرے باپو	شری نرسہ بھادریا	2 8 0	15. ریشو سنگھ کی اور	پلکت سندھو لال بھگوان داس کھلا	3 0 0
15. ریشو سنگھ کی اور	پلکت سندھو لال بھگوان داس کھلا	3 0 0	16. بھارتیہ ارتھ شاستر	شری بھگوان داس کھلا	0 0 0
16. بھارتیہ ارتھ شاستر	شری بھگوان داس کھلا	0 0 0	17. بھارتیہ شاسن	"	3 0 0
17. بھارتیہ شاسن	"	3 0 0	18. ناگرک شاستر	"	2 4 0
18. ناگرک شاستر	"	2 4 0	19. سامراج اور ان کا پتن	"	2 8 0
19. سامراج اور ان کا پتن	"	2 8 0	20. بھارتیہ سوادھوتا	"	1 4 0
20. بھارتیہ سوادھوتا	"	1 4 0	21. سرورڈے ارتھ ویوستھا	"	1 8 0
21. سرورڈے ارتھ ویوستھا	"	1 8 0	22. ہمارے آدم جاتھان	شری بھگوان داس کھلا اور شری اکھل دے	3 8 0
22. ہمارے آدم جاتھان	شری بھگوان داس کھلا اور شری اکھل دے	3 8 0	23. ارتھ شاستر شہداولی	شری دیا شکر دویہ ایم . اے . ایل ایل . بی . گجادر پرساد امبھٹ	2 0 0
23. ارتھ شاستر شہداولی	شری دیا شکر دویہ ایم . اے . ایل ایل . بی . گجادر پرساد امبھٹ	2 0 0	24. ناگرک شاستر	شری بھگوان داس کھلا	1 8 0
24. ناگرک شاستر	شری بھگوان داس کھلا	1 8 0	25. راجستھان شاسن	شری دیا شکر دویہ	1 8 0
25. راجستھان شاسن	شری دیا شکر دویہ	1 8 0	26. جوانو	مہاتما بھگوان دین	3 0 0
26. جوانو	مہاتما بھگوان دین	3 0 0	27. مارنے کی ہمت !	"	1 0 0
27. مارنے کی ہمت !	"	1 0 0	28. سونو سچ	"	0 8 0
28. سونو سچ	"	0 8 0	29. مہرے ساتھی	"	1 0 0
29. مہرے ساتھی	"	1 0 0			

میلنے کا پتہ—

میلنے کا پتہ—

میلنے کا پتہ—

میلنے کا پتہ—

میلنے کا پتہ—

सांस्कृतिक साहित्य

سانسکرتک ساھتیہ

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आज़ाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय किराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता मल्ले का पते

حضرت محمد اور اسلام

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولیہ—تین روپیہ
اسلام کے پیغمبر کے سببندہ میں بھارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولیہ—ڈیڑھ روپیہ

مہاتما زر تھستور اور ایرانی سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

سیر بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سنڈره)

لیکھک—شری مجیب رضوی، قیمت—دو روپیہ

آگ اور آنسو

(بھاؤپورن سماجک کہانیاں)

لیکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑھ روپیہ

قرآن اور دھارمک متبھید

لیکھک—مولانا ابولکلام آزاد، قیمت—ڈیڑھ روپیہ

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیاؤں کا سنڈره)

لیکھک—رگدویتی سہاسے فراق، قیمت—تین روپیہ

ہندستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلتھر سوسائٹی

145 مٹھی کنج، الہ آباد 14 مٹھی گنج، الہ آباد

हिन्दी घर

کتاب خانہ ہندی گھر

کलچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑی کےन्द्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

اپنے ہر طرح کی کتابیں ملنے ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھی واں کے مانے جانے

لکھک—گاندھی واں کے مانے جانے

تبدیلان : شری منجی اہلی، ماسکاتا

تبدیلان : شری منجی اہلی، ماسکاتا

سکے 225، کیمت دو روپیہ

سکے 225، کیمت دو روپیہ

— : 0 : —

— : 0 : —

گاندھی بابا

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—گاندھی بابا

لکھک—گاندھی بابا

بھمیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

بھمیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاراج، موتا ڈاڑھ، بہت سی رنگین تصویروں

موتا کاراج، موتا ڈاڑھ، بہت سی رنگین تصویروں

دام دو روپیہ

دام دو روپیہ

— : 0 : —

— : 0 : —

پنڈت سندر لال جی کی لکھی کتابیں

پنڈت سندر لال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کوران

گیتا اور کوران

275 سکے، دام ڈاڑھ روپیہ

275 سکے، دام ڈاڑھ روپیہ

ہندو مسلمان اکوتا

ہندو مسلمان اکوتا

100 سکے، دام بارہ آنے

100 سکے، دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبک

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبک

کیمت وارہ آنے

کیمت وارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

کیمت چار آنے

کیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

بنگال اور اُس سے سبق

کیمت دو آنے

کیمت دو آنے

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 مٹھوگج ایلاہاواہ

145 مٹھوگج ایلاہاواہ

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

145- جانی کلاہر سوسائٹی
145 سٹیج، کلاہر

کتاب کس سے	صفحہ	سفا
1. تعلیم کا چوتھا 'آر'	61	...
2. مورخوں کے بعد براہمنوں کا زمانہ	67	...
3. ہاشا کا سوال	77	...
4. شواہی اور شکر	84	...
5. سورگتہ سید اے۔ ایف۔ ایم۔ عبدالملی	87	...
6. عالمگیر کا وصیت نامہ	90	...
7. شری گمان شکر کریا شکر پندہا	95	...
8. ہماری خوراک میں توکریوں کی جگہ	104	...
9. شریعتی شاننا پاندے	111	...
10. انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈائری	114	...
11. پندت سنہر لال	116	...
12. جل کلیا کے آنسو		
13. شریعتی شانت نامہ پاندے		
14. اللہ مہاں کے گیت		
15. شریعتی حاجرہ بیکم		
16. کچھ کتابیں		
17. ہماری رائے		

بینوہا جی اور زمین کی ملکیت،
 بی. بی. جی. سیر اور سرکار، ہارت کے
 بچے اور بی. بی. جی. کا ٹیکہ، ایک آدرش
 گورنر—سندر لال؛ اندھ وشواس کا
 انرہ—ستہ دیو والنگر؛ گوا کی آزادی
 کا سوال—وی. نا. پاندے.

وہوہا جی اور زمین کی ملکیت،
 بی. بی. جی. سیر اور سرکار، ہارت کے
 بچے اور بی. بی. جی. کا ٹیکہ، ایک آدرش
 گورنر—سندر لال؛ اندھ وشواس کا
 انرہ—ستہ دیو والنگر؛ گوا کی آزادی
 کا سوال—وی. نا. پاندے.

سچنا

سوچنا

اس اٹک کا صفحہ نمبر 67 سے لیکر 98 تک
 قلم ہو گیا ہے۔ وہ اصل میں 77 سے لیکر 108 تک
 ہونا چاہئے۔ ہاتھ سمجھ کر درست کر لیں۔ اس
 غلطی کے لئے ہم چھاپتے ہیں—ایڈیٹر.

اس اٹک کا صفحہ نمبر 67 سے لیکر 98 تک
 قلم ہو گیا ہے۔ وہ اصل میں 77 سے لیکر 108 تک
 ہونا چاہئے۔ ہاتھ سمجھ کر درست کر لیں۔ اس
 غلطی کے لئے ہم چھاپتے ہیں—ایڈیٹر.

कानून मंत्रालय

ڈاکٹر بیگوان داس

पहले के एक लेख में हम आजकल की पच्छिमी सभ्यता की गिरावट की चर्चा कर चुके हैं। हम दिखा चुके हैं कि धन, राजनीति, संघर्षात्मक, घरेलू जीवन, तालीम, कला और मनोरंजन सब में आज हम ऐसी के साथ घरघादी के गढ़े की तरह बड़े बलते जा रहे हैं। जो बातें हमारे लिए सब से आवश्यक और हमारे भले की हैं उन्हें हम अत्यावहारिक यानी गैर अमली समझ बैठे हैं और जो हमें मिटाने वाली हैं उन्हें हम व्यावहारिक यानी अमली समझते हैं।

इस हालत की सबसे बड़ी जिम्मेवारी हमारे साइंसदानों और अभ्यापकों पर है. इस जमाने के ये ब्राह्मण अपने कर्तव्य को भूलकर दुनिया की हालत को ठीक करने की कोशिश करने के बजाय उसे और बिगाड़ने में मग्न होते हैं. उन्होंने अपने आप को शैतान और शैतान के एजेंटों के हाथ बेच रक्खा है. नतीजा यह है कि हमारा यह उसूल बन गया है कि आज तो खाओ पीओ और गुलछरें उड़ाओ, यानी जो थोड़े से लोग भी ऐसा कर सकें, और कल की कल देखी जायगी ! आज की पीढ़ी कल की पीढ़ी के लिये अपने सुख चैन में कमी क्यों करे ? अगली पीढ़ी के लिए धन संपत्ति की जगह हम भारी भारी क्रॉजें क्यों न छोड़ जायें ! यही आजकल के जीवन का फलसफा है. यही हमारे चारों तरफ की नैतिक हवा है. हमारी राजनीति, अर्थनीति और घरेलू जीवन सब इसी के रंग में रंगे हुए हैं. इस पाप और पागलपन का नाम ही हमने सभ्यता यानी तहजीब रख रखा है. इसी को हम उन्नति कहते हैं. कम से कम वे लोगों की उन्नति इसी में समझते हैं जिनके हाथों में आज दुनिया की सत्ता है, यानी जिनके हाथों में धन की पैली और तलवार है.

इसमें भी शक नहीं कि जहाँ तहाँ और सब जगह इसकी प्रतिक्रिया यानी नतीजे दिखाई देने लगे हैं और यह प्रतिक्रिया भी देखी से बढ़ती जा रही है इस प्रतिक्रिया ने सारी दुनिया को हिला बिचा है, सारी दुनिया बेचैन है, इस में बहुत बड़ा इनकलाब हो चुका है, वह इनकलाब हर तरह भले के लिए ही है या हर तरह बुरे के लिए या कुछ जे के लिए और कुछ बुरे के लिए, यह कह सकना भी हर किसी के लिए असम्मान नहीं है, अबि यानी जादूही हर चीज की इतना बलाया असर जाती है, लेकिन

ہفت کے ایک لاکھ میں ہم آجکل کی پچھلی سہولت کی
گولت کی چرچا کرچکے ہیں۔ ہم دیکھا چکے ہیں کہ 'نہن'
و 'آج' یعنی 'آرٹھ شاسٹر' گھریلو 'جہن'، 'تعلیم'، 'کا' اور 'ملور' 'نہن'
سب میں آج ہم تیزی کے ساتھ پروانگی کے گڑھ کی طرف بڑھ
چکے جارہے ہیں۔ جو باتیں ہمارے لئے سب سے آرشک اور
ہمارے لئے کی ہیں انہیں ہم آریوہارک یعنی غیر عملی سمجھ
دیتے ہیں اور جو ہمیں ملتاے والی ہیں انہیں ہم ویوہارک
یعنی عملی سمجھتے ہیں۔

اس حالت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے سائنسدانوں اور ادھیانچوکوں پر ہے۔ اس زمانے کے یہ براہمن اپنے کرتوبہ کو بھول کر دنیا کی حالت کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے اُسے اور بگاڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو شیطانی اور شیطان کے ایجنٹوں کے ہاتھ بیچ رکھا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا یہ اصول بن گیا ہے کہ آج تو کھاؤ پیو اور گلچھوڑے آؤ، یعنی جو تھوڑے سے لوگ بھی ایسا کر سکیں کریں، اور کل کی کل دیگی جائیگی! آج کی پیڑھی کل کی پیڑھی کے لئے اپنے سکہ چین میں کسی کیوں کرے؟ اگلی پیڑھی کے لئے دھن سہتی کی جگہ ہم بھاری بھاری قرضے کہیں لے چھوڑ جائیں! یہی آجکل کے چین کا فلسفہ ہے۔ یہی ہمارے چاروں طرف کی نیتک ہوا ہے۔ ہماری راج نیتی، ارتھ نیتی، اور گھریلو چین سب اسی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس پاپ اور پاگل پن کا نام ہی ہم نے سہیتا یعنی تہذیب رکھ رکھا ہے۔ اسی کو ہم اُنٹی کہتے ہیں۔ کم سے کم وہ لوگ اپنی اُنٹی اُسی میں سمجھتے ہیں جن کے ہاتھوں میں آج دنیا کی ستا ہے، یعنی جن کے ہاتھوں میں دھن کی تھیلی اور تلوار ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ جہاں تہاں اور سب جگہ اس کی پرتی کرنا یعنی نتیجہ دہائی دینے لگے ہیں اور یہ پرتی کرنا بھی تو وہی ہے جو پہلی جارہی ہے۔ اس پرتی کرنا نے ساری دنیا کو ہلا دیا ہے۔ ساری دنیا پر چین ہے، روس میں بہت بڑا انقلاب ہو چکا ہے، روس انقلاب ہر طرح ہلے کے لئے ہی ہے یا ہر طرح برے کے لئے یا کچھ ہلے کے لئے اور کچھ برے کے لئے؛ یہ کم سکنا آہی جو کسی کے لئے نہیں ہے۔ اتنی پہلی زبانیں ہر چیز کی ہمشہہ آواز لگتی ہے لیکن

انسانی سماج کی یہ प्रतिक्रिया बड़ी और कैलती जा रही है। यह जरूरी हो सकता है कि इस प्रतिक्रिया के साथ साथ मानव समाज एक सुसीकत से निकलकर दूसरी सुसीकत में जा पड़े। राजाओं और बादशाहों की तानाशाही और उनके वरुसों से निकलकर हम सरदारों, सामंतों और बीबी नेताओं के शासन में आयें। वहाँ से निकलकर दुनिया पूँजीवाद, पूँजीपतियों और धनलोभी स्वार्थी लोगों के हाथों में पड़े। इसकी कुदरती प्रतिक्रिया हुई सोशलिज्म यानी समाजवाद और कम्युनिज्म यानी साम्यवाद। यह समाजवाद यदि सच्चा समाजवाद न हुआ तो जरूर है कि हम फिर से सबसे चालाक और सब से चलते हुए लोगों या नेताओं के चक्कर में पड़कर जिसकी लाठी उसकी भैंस के वक़्त में फँस जायें और इतिहास का पुराना रौतानी चक्कर फिरसे शुरू हो जावे।

कोई नहीं चाहता कि ऐसा हो। पर इसके लिए हमें सावधान रहने की जरूरत है। हम इस खतरे से आसानी से बच सकते हैं अगर हमारे साइंसदां और हमारे बच्चों को तालीम देने वाले ईमानदारी के साथ अपने कर्ष का पूरा करें। उनमें साइंस यानी विमारी जानकारी और दीन धर्म यानी नेकी और सबके भले की इच्छा दोनों साथ साथ होनी चाहिए।

इसारी बरस पहले मानव जाति एक तरह के कुदरती कम्युनिज्म यानी साम्यवाद का जीवन बिताती थी। आदमी मिटोहों में रहते थे। सब संपत्ति सब की होती थी। किसी की कोई अलग संपत्ति न थी। यह हालत हमारी सभ्यता से पहले की हालत थी। इससे निकलकर हम बड़े बड़ों आजकल के हड़दूजों के व्यक्तिवाद यानी नफसा नफसी में पहुँचे। सब अलग अलग, सबमें एक दूसरे के साथ होड़, एक दूसरे से मुकाबला और टक्करें, हरेक में खुदी का बोझाला, फिर बड़े खुदी चाहे व्यक्तिगत रूप ले चाहे राष्ट्रीय। इस हालत से निकलकर हमें सोच समझ कर पूरी कांशिश के साथ एक ऊँचे इंगकी मिली जुली ज़िंदगी, एक अच्छे सहयोग और समाजवाद की तरफ बढ़ना है। हमारा यह नया समाजवाद एक साइसी योजना के साथ बनना चाहिए। यह खिलाक कुदरत जाबरदस्ती का और मशीनी रौर टिकाऊ साम्यवाद न हो जो हम पर बाहर से लाद दिया गया हो। हमारा यह समाजवाद मानव प्रकृति के अटल नियमों और मानव जीवन के टिकाऊ आदर्शों के अनुसार होना चाहिए। हम पहले भी इसकी चर्चा कर चुके हैं। यह ठीक है कि आदमी आदमी सब बराबर हैं। यह भी ठीक है कि सब को बराबर के मौके मिलने चाहिए। पर यह भी ठीक है कि आदमियों के अलग अलग स्वभाव,

बहुतेरी सीधें ली ये प्रती कुरा भूयती और पैयली जारही है। ये प्रती भूयती है कि अस प्रती कुरा के साथ साथ मानव समाज अनेक मसबित से निकलकर दूसरी मसबित में जा पड़े। राजाओं और बादशाहों की तानाशाही और उनके वरुसों से निकलकर हम सरदारों, सामंतों और बीबी नेताओं के शासन में आयें। वहाँ से निकलकर दुनिया पूँजीवाद, पूँजीपतियों और धनलोभी स्वार्थी लोगों के हाथों में पड़े। इसकी कुदरती प्रतिक्रिया हुई सोशलिज्म यानी समाजवाद और कम्युनिज्म यानी साम्यवाद। यह समाजवाद यदि सच्चा समाजवाद न हुआ तो जरूर है कि हम फिर से सबसे चालाक और सब से चलते हुए लोगों या नेताओं के चक्कर में पड़कर जिसकी लाठी उसकी भैंस के वक़्त में फँस जायें और इतिहास का पुराना रौतानी चक्कर फिरसे शुरू हो जावे।

कोई नहीं चाहता कि ऐसा हो। पर इसके लिए हमें सावधान रहने की जरूरत है। हम इस खतरे से आसानी से बच सकते हैं अगर हमारे साइंसदां और हमारे बच्चों को तालीम देने वाले ईमानदारी के साथ अपने कर्ष का पूरा करें। उनमें साइंस यानी विमारी जानकारी और दीन धर्म यानी नेकी और सबके भले की इच्छा दोनों साथ साथ होनी चाहिए।

हजारों बरस पहले मानव जाति एक तरह के कुदरती कम्युनिज्म यानी साम्यवाद का जीवन बिताती थी। आदमी मिटोहों में रहते थे। सब संपत्ति सब की होती थी। किसी की कोई अलग संपत्ति न थी। यह हालत हमारी सभ्यता से पहले की हालत थी। इससे निकलकर हम बड़े बड़ों आजकल के हड़दूजों के व्यक्तिवाद यानी नफसा नफसी में पहुँचे। सब अलग अलग, सबमें एक दूसरे के साथ होड़, एक दूसरे से मुकाबला और टक्करें, हरेक में खुदी का बोझाला, फिर बड़े खुदी चाहे व्यक्तिगत रूप ले चाहे राष्ट्रीय। इस हालत से निकलकर हमें सोच समझ कर पूरी कांशिश के साथ एक ऊँचे इंगकी मिली जुली ज़िंदगी, एक अच्छे सहयोग और समाजवाद की तरफ बढ़ना है। हमारा यह नया समाजवाद एक साइसी योजना के साथ बनना चाहिए। यह खिलाक कुदरत जाबरदस्ती का और मशीनी रौर टिकाऊ साम्यवाद न हो जो हम पर बाहर से लाद दिया गया हो। हमारा यह समाजवाद मानव प्रकृति के अटल नियमों और मानव जीवन के टिकाऊ आदर्शों के अनुसार होना चाहिए। हम पहले भी इसकी चर्चा कर चुके हैं। यह ठीक है कि आदमी आदमी सब बराबर हैं। यह भी ठीक है कि सब को बराबर के मौके मिलने चाहिए। पर यह भी ठीक है कि आदमियों के अलग अलग स्वभाव,

ہمارے ہمارے، ساری دنیا کے अधिकतर सभी
 انسانوں کی زندگی، ساری تالیम बनावटी، वे असर,
 शिक्षण, बहिक साक मुकसान करने वाली, और हव वजे
 कावली और मैदनी है. हमारे बच्चों के अंदर यह रालत
 बावरी, रालत बिचार और जीवन के रालत मकसद भर
 देती है. हम बीचों के बोझ के नीचे जो जीवन के केवल
 कानून हैं यह जीवन के असली मकसद को ही दबाकर
 कचम कर देती है. विलावटी और बिलकुल मुक़्त बातों के
 बोझ से यह जीवन के असली उसूलों को दम चोटकर मार
 डालती है. इसे बड़ी बड़ी लागत की इमारतें चाहिए, बड़ी
 बड़ी समझावें चाहिए, बेहव मैहगा और तरह तरह का
 साज सामान और औजार चाहिए, वह बीचें चाहिएँ जो
 कम से कम एशियाई देशों की बिसाल से कोई सम्बन्ध ही
 नहीं रखती. इन सब बातों के होते हुए आजकल की यह
 वालीम प्रकृति यानी कुदरत से हमें बिलकुल दूर फेंक देती है,
 वहाँ तक कि कुदरत के अध्ययन यानी सुतालें में भी इसने
 एक दुर्घनाक बनावटीपन पैदा कर रखा है. इससे अधिकतर
 केवल वे लोग पैदा होते हैं जो 'लरनेड प्रॉफ़ेशन' यानी
 बिधा सम्बन्धी पेशों के लोग कहलाते हैं. यह तालीम न
 बच्चों की अलग अलग तबियतों और अलग अलग काब-
 जिकतों का पता लगा सकती है, न उसे परख सकती है और
 न उसे बढ़ने का मौका दे सकती है. इस तालीम में सब
 ज्ञान बाईस पसेरी के निर्दयी उसूल पर बच्चों की आत्माएँ
 कुचल डाली जाती हैं. इस बात की सख्त जरूरत है कि
 आजकल की इस तालीम की जगह एक अधिक कुदरती,
 अधिक काम की और अधिक सस्ती तालीम बच्चों को दी
 जावे जो हर लड़के और लड़की को उसके लिए सब से
 अच्छे और सब से दिल पसंद काम के क़ाबिल बना दे. वह
 तालीम जो बच्चों को जीवन के ठीक ठीक आदर्श बतावे
 और हमारी सारी मानव सभ्यता के इखलाक़ी और रुहानी
 वातावरण को बदल दे, इससे पहले कि हम बरबाद हों.

पच्छिम के बड़े बड़े विद्वानों का ध्यान इन बातों की
 तरफ़ जाने लगा है. एक बहुत बड़े विद्वान एडवर्ड सेगुइन,
 जिनका सारा जीवन तालीम के कामों में ही बीता, लिखते
 हैं: — "अगर हम अपनी रोज़मर्रा की ज़िंदगी की मामूली
 चीज़ों का अपने हाथों से ठीक ठीक उपयोग कर सकें, तो
 हमारी तालीम पर उसका बहुत बड़ा असर पड़ सकता है. इन
 मामलों में हम तालीम के जरियों और साधनों को तो बहुत
 कमी तरह याद रखते हैं लेकिन जिन उसूलों पर उन
 जरियों और साधनों से काम लेना चाहिए उन उसूलों को
 भूल जाते हैं. असलियत यह है कि वे उसूल ही सब से
 ज़रूरी हैं. इन उसूलों को भूल जाना या उनकी
 जगह से बेपरवाही करना सारी तालीम को बिगाड़ देता है.
 वह असल ही तालीम का फलसफ़ा है."

आज की दुनियाँ, یعنی دنیا کے ادھکتر سبھی کھالے والے
 دنیا کی ساری تعلیم بلاؤنی ہے 'اثر' 'نکمی' بلکہ صاف نقصان
 کرنے والی اور جدوجہد خردابی اور مہنگی ہے. ہمارے بچوں
 کے اندر یہ غلط آدھی غلط دھار اور جہن کے غلط مقصد پر
 دینی ہے. ان چیزوں کے ہوج کے نیچے جو جہن کے کمال
 سادھن میں یہ جہن کے اصلی مقصد کو ہی دبا کر ختم کر
 دیتی ہے. بلاؤنی اور بالکل تھجہ ہاتوں کے ہوج سے یہ جہن
 کے اصلی اصولوں کو دم گھونٹ کر مار ڈالتی ہے. اسے بڑی بڑی
 لکھ کی عبارتیں چلنے بڑی بڑی تنخواہیں چاہئے
 یہ ہند مہنگا. اور طرح طرح کا سلمان اور اوزار چاہئے وہ چیزیں
 چاہئیں جو کم سے کم ایشیائی دیہوں کی بساط سے کوئی
 سیدھ ہی نہیں رکھیں. ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے آجکل
 کی یہ تعلیم پوکری یعنی قدرت سے ہمیں بالکل دور پھینک دیتی
 ہے پہلی نک کہ قدرت کے آدھن یعنی مطالعہ میں بھی اس
 نے ایک دردناک بلاؤنی پن پیدا کر رکھا ہے. اس سے ادھکتر
 کھول دے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو 'لرنڈ پروفیشنز' یعنی ودیا
 سبیلھی پیشوں کے لوگ کہلاتے ہیں. یہ تعلیم نہ بچوں کی
 الگ الگ طبیعتوں اور الگ الگ قابلیتوں کا پتہ لگا سکتی ہے
 نہ اسے پرکھ سکتی ہے اور نہ اسے بڑھنے کا موقع دے سکتی ہے.
 اس تعلیم میں سب دھان ہائیس پسیری کے نردنی اصول پر
 بچوں کی آبنائیں کھول ڈالی جاتی ہیں. اس بات کی سخت
 ضرورت ہے کہ آجکل کی اس تعلیم کی جگہ ایک ادھک قدرتی
 ادھک کام کی اور ادھک سستی تعلیم بچوں کو دیجائے جو ہر لڑکے
 اور لڑکی کو اس کے لئے سب سے اچھے اور سب سے دل پسند
 کام کے قابل بنائے. وہ تعلیم جو بچوں کو جہن کے ٹھیک
 ٹھیک آدھی بتائے اور ہماری ساری مانو سبھیتا کے اخلاقی اور
 روحانی رواجوں کو بدل دے اس سے پہلے نہ تم برباد ہوں.

پچھم کے بڑے بڑے ودوانوں کا دھیان ان باتوں کی طرف
 چالے گا ہے. ایک بہت بڑے ودوان ایڈورڈ سیگنون 'چنکا
 سارا جہنوں تعلیم کے کسوں میں ہی بیٹا' لکھتے ہیں: — "اگر
 ہم اپنی روزمرہ کی زندگی کی معمولی چیزوں کا اپنے ہاتھوں
 سے ٹھیک ٹھیک ایڈوگ کر سکیں تو ہماری تعلیم پر اس کا بہت
 بڑا اثر پڑ سکتا ہے. ان معاملوں میں ہم تعلیم کے ذریعوں اور
 سادھنوں کو تو بہت اچھی طرح یاد رکھتے ہیں لیکن جن
 اصولوں پر ان ذریعوں اور سادھنوں سے کام لینا چاہئے ان
 اصولوں کو بھول جاتے ہیں. اصابت یہ ہے کہ وہ اصول ہی
 سب سے پہلے ضروری ہیں. ان اصولوں کو بھول جانا یا ان
 کی طرف سے بے پرواہی کرنا ساری تعلیم کو بگاڑ دیتا ہے. یہ
 اصول ہی تعلیم کا فلسفہ ہیں."

मानवता के पालन के लिये हमें यह भी समझना है कि हम मनुष्यों को या इस ब्रह्मण्ड को इसलिए अपनी निगाह से अलग कर देते हैं कि या तो उन्हें समझने की जगहें दिखायी न्याय-लियत नहीं होती और या क्रांतिलियत होते हुए भी सुधरारही उन्हें बंधा कर देती हैं, इसी लेखक ने आगे चलकर लिखा है :—“सबसे बड़ी शक्ति जो बच्चों को समाज के अच्छे और कल के अंग बना सकती है प्रेम है, जिस तरह हम बच्चों की देखने सुनने आदि की शक्तियों को बढ़ाते हैं वही तरह हमें उनके अंदर प्रेम की शक्ति बढ़ानी चाहिए, इसके लिए नए औजारों या नए अध्यापकों की जरूरत नहीं है, जरूरत केवल इसकी है कि हम बच्चों के दिलों पर ठीक असर डालना और उन्हें खिलने का ठीक मौका देना सीखें, बच्चे के दिल में यह बात बैठ जानी चाहिए कि दूसरे मुझसे प्यार करते हैं और इसके बदले में बच्चे में यह उमंग जागनी चाहिए कि वह दूसरों से प्यार करे, यही हमारे तालीम की शुभभास थी और यही उसका आखिरी मकसद है, साइंस, साहित्य, डाक्टरी, फिलोसोफी सब हमारे बच्चों को कुछ न कुछ फायदा पहुँचा सकती हैं, लेकिन उन्हें मानव समाज का उपयोगी अंग केवल प्रेम ही बना सकता है, इसलिए बच्चों के सच्चे रक्षक और सच्चे बचाने वाले वही हैं जो बच्चों से प्यार करते हैं,” यह प्रेम और इसके साथ मनुष्य स्वभाव के कुछ उसूल ही सच्चे सोशलिज्म यानी समाजवाद की बुनियाद हो सकते हैं, इसलिए दुनिया के सब से बड़े अध्यापक वही हैं जो मनुष्य जाति से सब से अधिक प्रेम करते हैं, यानी उन बड़े बड़े धर्मों के क्रायम करने वाले जो धर्म लोगों को एक दूसरे के साथ और सब को एक ईश्वर अस्ताइ के साथ बाँधते हैं और जिन्होंने अपने अपने समय में नई नई सभ्यताओं को जन्म दिया,

انجیل کے تعلیم دینے والے تعلیم کے نئی اصولوں کو دیکھ کر
فلسفہ کو اس لئے اپنی نگاہ سے انجیل کو دیکھتے ہیں کہ یا تو
انہیں سمجھنے کی ان میں دماغی قابلیت نہیں ہوتی اور
یا قابلیت ہوتے ہوئے بھی خود غرضی انہیں اندھا کر دیتی
ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اٹھ چلی کر کہا ہے: ”یہ سب سے بڑی
شکلی جو بچوں کو سماج کے اچھے اور کام کے انگ بنا سکتی
ہے پریم ہے۔ جس طرح ہم بچوں کی دیکھتے ہوئے آدمی کی
شکلیوں کو بڑھاتے ہیں اسی طرح ہمیں ان کے اندر پریم کی
شکلی بڑھانی چاہئے۔ اس کے لئے نہ اوراؤں یا نہ اندھا بچوں
کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت کیوں اتنی ہے کہ ہم بچوں
کے دلوں پر ٹھیک اثر ڈالنا اور انہیں کھلنے کا ٹھیک موقع
دینا سمجھیں۔ بچے کے دل میں یہ بات بیٹھ جانی چاہئے کہ
دوسرے مجھ سے پیار کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں مجھ
میں یہ امنگ جائی چاہئے کہ وہ دوسروں سے پیار کرے۔
یہی ہماری تعلیم کی شروعات تھی اور یہی اس کا آخری مقصد
ہے۔ سائنس، سماجیات، ڈاکٹری، فلسفی سب ہمارے بچوں کو
کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں، لیکن انہیں مانو سماج
کا آپہونگی۔ انک کیوں پریم ہی بنا سکتا ہے۔ اس لئے بچوں
کی سچے رشتہ اور سچے بچانے والے وہی ہیں جو بچوں سے
پیار کرتے ہیں۔“ یہ پریم اور اس کے ساتھ منشی سہاؤ کے کچھ
اصول ہی سچے سوشائزم یعنی سماج واد کی بنیاد ہو سکتے ہیں۔
اس لئے دنیا کے سب سے بڑے اندھا بچے وہی ہیں جو منشیہ
جانتی سے سب سے ادھک پریم کرتے ہیں، یعنی ان بڑے بڑے
دھرموں کے قائم کرنے والے جو دھرم لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ
اور سب کو ایک ایشور اللہ کے ساتھ بانڈھتے ہیں اور جنہوں نے
اپنے اپنے سمجھ میں نئی نئی سہیتاؤں کو جنم دیا۔
امریکن نے کہا ہے: ”سب پریم کے حوالے کر دو۔ اس پر
پورا دھرم کر۔ پریم ہی ایشور ہے۔ پریم کے لئے آسمان کے سب
دروازے کھلے ہوئے ہیں۔“

جس طرح کہیں سے کہیں سچا سچا مساجد کے لئے
 اور ہمیں اس کی ہی مدد سے قائم ہو سکتا ہے۔

آج کل دنیا اس پہنچاؤ اور سچاؤ کے نیچے اسی لئے
 توجہ دیتی ہے کہ ہماری مساجد کے اندر اور اسی کے اندر
 سے کچھ نیک بطنہ ہوں۔ میں دنیا کی کروڑوں جگہوں اسی لئے
 آج پہنچاؤ اور سچاؤ اور مساجد کی شکر ہے۔ تیرے
 تیرے چلنے والی لڑھے اور فوٹوں کی مشینیں اور چلاک سے چلاک
 شاکس کی ہوجائیں، بڑی سے بڑی راج نیتی یا چکنے چکنے شبد
 کرنا والی کوٹنیتی، ایسے ایسے شبد جن کے ارنہ روز
 بدلتے رہیں، ان سب سے دنیا کا دکھ دور نہیں ہو سکتا۔ ہمارے
 دلوں کے اندر سچی دھارمک بھاؤنا یعنی ایک دوسرے کے ساتھ پریم
 ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور ایک دوسرے کے لئے کی اچھا
 ہونی چاہئے، سچے مساجد کی ہلکا اسی چیز پر پڑ سکتی
 ہے کہ ہم سب کے اندر ایک ہی جان، ایک ہی آتما کو الوبھ
 کریں۔ سب کے اندر ایک آتما کو دیکھنا ہی پرماٹما کو دیکھنا
 ہے۔

جو ادھیانیک یہ چاہتا ہے کہ وہ مائو مساج میں اس طرح
 کی سہیتا کے پہلے میں مدد دے سکے اس کے لئے
 ضروری ہے کہ پہلے وہ اس ایکٹ کو اپنے اندر انوبھ کر لے۔ اسی
 سے اس کے اندر سب طرح کے سچے دھار اور سچے بھاؤ پیدا
 ہونگے۔ اسی کے انوسار وہ بچوں کو تعلیم دیگا اور بچوں کے
 دلوں میں آتما کی اس ایکٹ کے بھاؤ کو جگاویگا۔ اس طرح
 کی تعلیم سے ہی ہماری سہیتا سچی مساج والی سہیتا ہو سکتی
 ہے۔ دھارمک شکشا یعنی مذہبی تعلیم کا یہی مطلب ہے۔ پلندے
 پر روتوں اور ملا پادریوں کے سوارنہ اور ان کی غلطیوں کے کرن آج بہت
 سے لوگوں کو دھرم یا مذہب کے نام سے چڑھ ہو گئی ہے۔ اس لئے
 ہم ایسی تعلیم کو ادھیانیک یا روحانی تعلیم بھی کہہ سکتے
 ہیں، انگریزی تعلیم کی بنیاد اکثر لوگ تین آر بتاتے ہیں
 (لکھنا، پڑھنا اور حساب)۔ اگر ہم انگریزی شبد ریلیجن کو
 ٹھیک ٹھیک سمجھیں تو ریلیجن کا آر (R) تعلیم کا چوتھا
 آر (R) ہونا چاہئے اور ہائی تینوں 'آروں' سے یہ کہیں زیادہ اہم
 اور ضروری ہے۔

جو ابھی تک یہ چاہتا ہے کہ وہ مائو مساج میں اس طرح
 کی سہیتا کے پہلے میں مدد دے سکے اس کے لئے
 ضروری ہے کہ پہلے وہ اس ایکٹ کو اپنے اندر انوبھ کر لے۔ اسی
 سے اس کے اندر سب طرح کے سچے دھار اور سچے بھاؤ پیدا
 ہونگے۔ اسی کے انوسار وہ بچوں کو تعلیم دیگا اور بچوں کے
 دلوں میں آتما کی اس ایکٹ کے بھاؤ کو جگاویگا۔ اس طرح
 کی تعلیم سے ہی ہماری سہیتا سچی مساج والی سہیتا ہو سکتی
 ہے۔ دھارمک شکشا یعنی مذہبی تعلیم کا یہی مطلب ہے۔ پلندے
 پر روتوں اور ملا پادریوں کے سوارنہ اور ان کی غلطیوں کے کرن آج بہت
 سے لوگوں کو دھرم یا مذہب کے نام سے چڑھ ہو گئی ہے۔ اس لئے
 ہم ایسی تعلیم کو ادھیانیک یا روحانی تعلیم بھی کہہ سکتے
 ہیں، انگریزی تعلیم کی بنیاد اکثر لوگ تین آر بتاتے ہیں
 (لکھنا، پڑھنا اور حساب)۔ اگر ہم انگریزی شبد ریلیجن کو
 ٹھیک ٹھیک سمجھیں تو ریلیجن کا آر (R) تعلیم کا چوتھا
 آر (R) ہونا چاہئے اور ہائی تینوں 'آروں' سے یہ کہیں زیادہ اہم
 اور ضروری ہے۔

میریوں کے باء براہمنوں کا زمانا

میریوں کے باء براہمنوں کا زمانا

ڈاکٹر یوگندر ناتھ دت

ڈاکٹر یوگندر ناتھ دت

184 ع۔ پورو میں میریوں کے براہمن سہاپتی پوشہ متر سنگ نے راجا برہدتر کو مارکر موریہ سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ پوشہ متر کے سلطنت پر پہلے ہی براہمن دہدے کی ایسی پرمیت لہر آئی جس نے سارے بھارتی سماج کو دھلا دیا۔ پوشہ متر پہلے براہمن تھا جو کبھی کسی راج سلطنت پر بیٹھا اور اس کے بعد سے براہمنوں کی گنتی بھی شاکسورن میں ہوئی تھی۔ ایتھاسک ایلیم ملتا ہے کہ اس گنتی کی یادگار میں پوشہ متر نے اشوہدہ بکھ کا سماروہ کیا۔ اس بکھ کے آہوجن سے پوشہ متر کا ارادہ شاید ویدک کرم کاٹنے کو پھر سے چالو کرنا رہا ہوگا۔ 'ملنچو شری مول کلپ' کا ہودہ لیکھ لکھتا ہے کہ سلطنت پر پہلے کے بعد پوشہ متر نے ہودہ میں کو گروا دیا۔ ہودہ اُسمرتی چنوں کو برہاد کروا دیا اور بڑے بڑے سچتر ہودہ بکھوں کو قتل کروا دیا۔*

184 ع۔ پورو میں میریوں کے براہمن سہاپتی پوشہ متر سنگ نے راجا برہدتر کو مارکر موریہ سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ پوشہ متر کے سلطنت پر پہلے ہی براہمن دہدے کی ایسی پرمیت لہر آئی جس نے سارے بھارتی سماج کو دھلا دیا۔ پوشہ متر پہلے براہمن تھا جو کبھی کسی راج سلطنت پر بیٹھا اور اس کے بعد سے براہمنوں کی گنتی بھی شاکسورن میں ہوئی تھی۔ ایتھاسک ایلیم ملتا ہے کہ اس گنتی کی یادگار میں پوشہ متر نے اشوہدہ بکھ کا سماروہ کیا۔ اس بکھ کے آہوجن سے پوشہ متر کا ارادہ شاید ویدک کرم کاٹنے کو پھر سے چالو کرنا رہا ہوگا۔ 'ملنچو شری مول کلپ' کا ہودہ لیکھ لکھتا ہے کہ سلطنت پر پہلے کے بعد پوشہ متر نے ہودہ میں کو گروا دیا۔ ہودہ اُسمرتی چنوں کو برہاد کروا دیا اور بڑے بڑے سچتر ہودہ بکھوں کو قتل کروا دیا۔*

اس سبب میں ایتھاسک متبہد ہے کہ پوشہ متر کی ترقی کہاں تک براہمنوں کے دہدے کا نتیجہ تھا۔ اس میں کوئی سلب نہیں کہ ہودہ ستا کے خلف براہمنوں کی پرمیتربا اُس سے اپنی چرم سہا پر پھولچئی جب بلخ کے یونانی راجہ میناندر نے بھارت پر چڑھائی کر کے ساکت (اردہ) تک کے پرمیشوں پر قبضہ کر لیا۔ اُس منوریکھانک موقع سے فائدہ اٹھاکر سارا خیماڑہ سمرات اشوک کے اُترادھیکاری کے سر پر قاتل دیا گیا جو اپنے مہارن پوروج کے آدھس کے آنوسار دشمن کو طاقت سے جیتنے کے مقابلے میں پریم سے جیتنے کا قابل تھا۔

سنگ سہاپتی کے تہتر تو میں براہمنوں کی اس پرمیتربا کو سورگہ شری جیسوال نے روزی رادی پرتی کرانتی کے نام سے پکارا ہے۔ اِس پرتی کرانتی (Counter Revolution) کی پوری تصدیق اسے 'مانو دھرم شاستر' میں ملتی ہے۔ اسی مانو دھرم شاستر کو 'منواسرتی' کہا جاتا ہے۔ شری جیسوال کے آنوسار یہ دھرم شاستر پوشہ متر کے سے لکھا گیا

سنگ سہاپتی کے تہتر تو میں براہمنوں کی اس پرمیتربا کو سورگہ شری جیسوال نے روزی رادی پرتی کرانتی کے نام سے پکارا ہے۔ اِس پرتی کرانتی (Counter Revolution) کی پوری تصدیق اسے 'مانو دھرم شاستر' میں ملتی ہے۔ اسی مانو دھرم شاستر کو 'منواسرتی' کہا جاتا ہے۔ شری جیسوال کے آنوسار یہ دھرم شاستر پوشہ متر کے سے لکھا گیا

سنگ سہاپتی کے تہتر تو میں براہمنوں کی اس پرمیتربا کو سورگہ شری جیسوال نے روزی رادی پرتی کرانتی کے نام سے پکارا ہے۔ اِس پرتی کرانتی (Counter Revolution) کی پوری تصدیق اسے 'مانو دھرم شاستر' میں ملتی ہے۔ اسی مانو دھرم شاستر کو 'منواسرتی' کہا جاتا ہے۔ شری جیسوال کے آنوسار یہ دھرم شاستر پوشہ متر کے سے لکھا گیا

*—Jayaswal—"An Imperial History of India". p. 18.

†—H. C. Rai Chaudhari—"Political History of Ancient India"

‡—Jayaswal—"Manu and Jagnyavalkya.", pp. 40-41.

और इस अवस्था की व्यवस्थाओं को देखते हुए पता चलता है कि यद्यपि एक कठोर पुरुषमित्र के विश्वासपात का निमित्त समर्थन में था, कि 'नारद स्थिति' के अनुसार इसका सम्बन्ध सुमति भार्गव नामक व्यक्ति था, कि या कम से कम अपने पुरानी 'मनुस्थिति' में बुनियादी नई व्यवस्थाएं स्थापित कर दीं, यही एक कारण हो सकता है जिससे हमें मनुस्थिति के अन्दर अलग अलग व्यवस्थाओं में अवरुद्ध निर्देश का आभास होता है !

जो अद्वैती भी ध्वान से इस 'मानव धर्मशास्त्र' को प्रेरित उसे साफ साफ दिखाई दे जायगा कि इस धर्मशास्त्र में औदित्य के अर्थशास्त्र और मौर्यों के शासन नियमों का बिलकुल ज्ञात्मा कर दिया, इसके सफों में नीचे के तीन वर्णों को तरफ नकरत भरी हुई है, शूद्रों के प्रति और दूसरे वर्णों के प्रति इसकी नकरत बिलकुल साफ है,† जायसवाल इस बात को मंजूर करते हैं कि इस मानव धर्मशास्त्र के अन्दर "राजनैतिक, सामाजिक और धार्मिक द्वेषभाव भरा हुआ है," हो सकता है कि इसीलिए इस धर्मशास्त्र को इतना मान और इतनी प्रतिष्ठा मिली, इतनी शीघ्रता के साथ जो यह मान लिया गया उसका सबब यह हो सकता है कि राजा ने इसे अपनी स्वीकृति दी और यह सुंग राज्य का माना हुआ व्यवस्था-शास्त्र हो गया. ४७

मानव धर्मशास्त्र या मनुस्मृति की छानबीन करने पर उसमें आपको इस प्रकार की व्यवस्था मिलेगी कि किन हालातों में आप किस प्रकार के राजा को नष्ट कर सकते हैं (7-27, 28, 111) शायद पुण्यमित्र के बिश्वासघात को काबू करार देने के लिये ही यह व्यवस्था हो। फिर यह शास्त्र शूद्रों के बिलकुल खिलाफ है। इसमें ब्राह्मणों को आदेश है कि वे शूद्र राजाओं के राज्य में न रहें (4-61) कोई शूद्र न्यायाधीश नहीं हो सकता (8-20)। मौर्य जमाने में शूद्रों के खिलाफ ऐसी कोई रफाबट न थी। इस शास्त्र के अनुसार जिस राज्य में बहुत बड़ी ताबाद में पड़े लिखे शूद्र रहते हैं और जहाँ द्विज नहीं रहते वहाँ अकाल और तरह तरह की बीमारियाँ हो जाती हैं और वह राज्य बहुत जल्दी नष्ट हो जाता है (8-22)। यह व्यवस्था साफ साफ मौर्य राज्य के विरुद्ध थी। इस शास्त्र के शुरु के श्लोकों में ब्राह्मणों को शूद्र कियों से विवाह की इजाजत थी (3, 12-13)। लेकिन बाद के श्लोकों में यह इजाजत वापस ले ली गई (3, 14-19)। इसमें लिखा है—“इतिहास और कथाओं में कहीं इस बात का जिक्र नहीं है कि ब्राह्मणों और क्षत्रियों ने आपत् काल

8—Ibid.

~~4~~ Ibid—p. 199.

में भी शूद्र किसी से विवाह किया हो (8-14)।” यह किंवदन्ती अनैतिहासिक बात है ! पुराने इतिहास में और अर्थशास्त्र में असंख्य विवाह के काफी उल्लेख मिलते हैं (अर्थशास्त्र भाग 3, अध्याय 7-164). मानव धर्मशास्त्र में एक जगह लिखा है—“दासी के पुत्र उसके स्वामी की सम्पत्ति हैं” (9-55). अर्थात् यह धर्मशास्त्र पशुओं, घोड़ों और गुलाम मनुष्यों की जीलाय में कोई फर्क नहीं करता. इसके विपरीत अर्थशास्त्र में साफ लिखा है कि दासी पुत्र भी ‘आर्य’ है. सम्राट् अशोक ने इस बात का ऐलान किया था कि कानून की नजर में ब्राह्मण और शूद्र सब बराबर हैं, किन्तु मानव धर्मशास्त्र ने सम्राट् अशोक की इस व्यवस्था को रद्द करके एक ही जुर्म में ब्राह्मणों और शूद्रों के लिये अलग अलग सजाओं की व्यवस्था कर दी. मानव धर्मशास्त्र के अनुसार यदि कोई द्विज किसी शूद्र के साथ जालिमाना बर्ताव करता है तो उसे कम सजा मिलेगी, किन्तु यदि कोई शूद्र किसी द्विज के साथ ऐसा बर्ताव करता है तो उसे ज्यादा सजा मिलेगी (8-267, 277; 866-376). इसके अनुसार ब्राह्मणों का पुराना दबदबा फिर कायम हो गया. किन्तु शूद्रों के प्रति बैरभाव की चरम सीमा उस समय पहुंची जब यह व्यवस्था दी गई कि—“यदि कोई शूद्र किसी द्विज को गाली दे तो उसकी जीभ काट ली जाय, क्योंकि वह नीच है (8-270).† इसके विपरीत अर्थशास्त्र कहता है कि—“राजा ऐसे पुरोहित को बरखास्त कर दे जो आज्ञा देने पर भी किसी अयाज्य को वेद पढ़ाने से इनकार करता है, या जो किसी अयाज्य के यज्ञ में शामिल होने से इनकार करता है (अर्थशास्त्र भाग 1, अध्याय 10-16). अर्थशास्त्र की इस व्यवस्था के अनुसार शूद्रों को वेद पढ़ने और यज्ञ करने दोनों का हक् था. मानव धर्मशास्त्र ने इस अधिकार को छीन लिया. यही नहीं, आगे चलकर मानव धर्मशास्त्र कहता है—“यदि कोई शूद्र किसी द्विज के नाम और जाति की चरचा अपमानजनक शब्दों में करता है तो दस अंगुल लम्बी लोहे की कील उसके मुंह में घुसेड़ देनी चाहिये” (8-271). एक दूसरी जगह लिखा है—“यदि कोई अद्विज घमण्ड के साथ किसी ब्राह्मण को उसके कर्तव्य का बोध कराये तो राजा को ऐसे अद्विज के मुंह और कान में जलता हुआ गरम तेल डलवा देना चाहिये” (8-272). एक और जगह लिखा है—“शरीर के जिस अंग से कोई शूद्र ऊंची जाति वाले को चोट पहुँचाये उस शूद्र के उस अंग को काट डालना चाहिये. यह मनु की शिक्षा है” (8-279). वर्ण व्यवस्था का इससे ज्यादा खौफनाक रूप और क्या हो सकता है ?

में भी शूद्र किसी से विवाह किया हो (8-14)।” यह किंवदन्ती अनैतिहासिक बात है ! पुराने इतिहास में और अर्थशास्त्र में असंख्य विवाह के काफी उल्लेख मिलते हैं (अर्थशास्त्र भाग 3, अध्याय 7-164). मानव धर्मशास्त्र में एक जगह लिखा है—“दासी के पुत्र उसके स्वामी की सम्पत्ति हैं” (9-55). अर्थात् यह धर्मशास्त्र पशुओं, घोड़ों और गुलाम मनुष्यों की जीलाय में कोई फर्क नहीं करता. इसके विपरीत अर्थशास्त्र में साफ लिखा है कि दासी पुत्र भी ‘आर्य’ है. सम्राट् अशोक ने इस बात का ऐलान किया था कि कानून की नजर में ब्राह्मण और शूद्र सब बराबर हैं, किन्तु मानव धर्मशास्त्र ने सम्राट् अशोक की इस व्यवस्था को रद्द करके एक ही जुर्म में ब्राह्मणों और शूद्रों के लिये अलग अलग सजाओं की व्यवस्था कर दी. मानव धर्मशास्त्र के अनुसार यदि कोई द्विज किसी शूद्र के साथ जालिमाना बर्ताव करता है तो उसे कम सजा मिलेगी, किन्तु यदि कोई शूद्र किसी द्विज के साथ ऐसा बर्ताव करता है तो उसे ज्यादा सजा मिलेगी (8-267, 277; 866-376). इसके अनुसार ब्राह्मणों का पुराना दबदबा फिर कायम हो गया. किन्तु शूद्रों के प्रति बैरभाव की चरम सीमा उस समय पहुंची जब यह व्यवस्था दी गई कि—“यदि कोई शूद्र किसी द्विज को गाली दे तो उसकी जीभ काट ली जाय, क्योंकि वह नीच है (8-270).† इसके विपरीत अर्थशास्त्र कहता है कि—“राजा ऐसे पुरोहित को बरखास्त कर दे जो आज्ञा देने पर भी किसी अयाज्य को वेद पढ़ाने से इनकार करता है, या जो किसी अयाज्य के यज्ञ में शामिल होने से इनकार करता है (अर्थशास्त्र भाग 1, अध्याय 10-16). अर्थशास्त्र की इस व्यवस्था के अनुसार शूद्रों को वेद पढ़ने और यज्ञ करने दोनों का हक् था. मानव धर्मशास्त्र ने इस अधिकार को छीन लिया. यही नहीं, आगे चलकर मानव धर्मशास्त्र कहता है—“यदि कोई शूद्र किसी द्विज के नाम और जाति की चरचा अपमानजनक शब्दों में करता है तो दस अंगुल लम्बी लोहे की कील उसके मुंह में घुसेड़ देनी चाहिये” (8-271). एक दूसरी जगह लिखा है—“यदि कोई अद्विज घमण्ड के साथ किसी ब्राह्मण को उसके कर्तव्य का बोध कराये तो राजा को ऐसे अद्विज के मुंह और कान में जलता हुआ गरम तेल डलवा देना चाहिये” (8-272). एक और जगह लिखा है—“शरीर के जिस अंग से कोई शूद्र ऊंची जाति वाले को चोट पहुँचाये उस शूद्र के उस अंग को काट डालना चाहिये. यह मनु की शिक्षा है” (8-279). वर्ण व्यवस्था का इससे ज्यादा खौफनाक रूप और क्या हो सकता है ?

†—‘The Laws of Manu’—translated by Buhler.

اس طرح مانو دھرم شاستر نے مہربوں کی شاسن دیوستھا کے ہواہوں کے اصول کو ایک قلم مٹا دیا اور شوتروں کو سمیٹی کے ادھیکار سے روک دیا۔ دھرم شاستر کے انوسار—”براہمن کو داس-شوتروں کی سمپتی کورن جکت کر لینی چاہیے، کیونکہ شوتروں کی اپنی کوئی سمپتی نہیں“ (8-417). اس کے بالابا ”داس کو سمپتی رکھنے کا کوئی ادھیکار نہیں کیونکہ اس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (8-416). اس کے بپریت اربھشاخ داس کو سمپتی کے مالک ہونے کا ادھیکار دیتا تھا (اربھشاخ 3، ادھیا 13-182). اربھشاخ کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کی مائت کے باء اس کے رشتہداروں کو ملےگی اور رشتہداروں کے اباوا میں اس کے سوامی کو“ (اربھشاخ 183). ایک اور دھرم شاستر نے شوتروں کے لیے چار اسوبیباہ کر دیں اور دوسری اور براہمنوں کے لیے دھرم شاستر کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (اربھشاخ 18-182). اس کے بعد اس کے رشتہداروں کو مائتی اور رشتہداروں کے اباوا میں اس کے سوامی کو“ (اربھشاخ 183). ایک اور دھرم شاستر نے شوتروں کے لیے دھرم شاستر کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (اربھشاخ 18-182). اس کے بعد اس کے رشتہداروں کو مائتی اور رشتہداروں کے اباوا میں اس کے سوامی کو“ (اربھشاخ 183). ایک اور دھرم شاستر نے شوتروں کے لیے دھرم شاستر کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (اربھشاخ 18-182). اس کے بعد اس کے رشتہداروں کو مائتی اور رشتہداروں کے اباوا میں اس کے سوامی کو“ (اربھشاخ 183).

اس طرح مانو دھرم شاستر نے مہربوں کی شاسن دیوستھا کے ہواہوں کے اصول کو ایک قلم مٹا دیا اور شوتروں کو سمیٹی کے ادھیکار سے روک دیا۔ دھرم شاستر کے انوسار—”براہمن کو داس-شوتروں کی سمپتی کورن جکت کر لینی چاہیے، کیونکہ شوتروں کی اپنی کوئی سمپتی نہیں“ (8-417). اس کے بالابا ”داس کو سمپتی رکھنے کا کوئی ادھیکار نہیں کیونکہ اس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (8-416). اس کے بپریت اربھشاخ داس کو سمپتی کے مالک ہونے کا ادھیکار دیتا تھا (اربھشاخ 3، ادھیا 13-182). اربھشاخ کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کی مائت کے باء اس کے رشتہداروں کو ملےگی اور رشتہداروں کے اباوا میں اس کے سوامی کو“ (اربھشاخ 183). ایک اور دھرم شاستر نے شوتروں کے لیے چار اسوبیباہ کر دیں اور دوسری اور براہمنوں کے لیے دھرم شاستر کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (اربھشاخ 18-182). اس کے بعد اس کے رشتہداروں کو مائتی اور رشتہداروں کے اباوا میں اس کے سوامی کو“ (اربھشاخ 183).

اس طرح مانو دھرم شاستر نے مہربوں کی شاسن دیوستھا کے ہواہوں کے اصول کو ایک قلم مٹا دیا اور شوتروں کو سمیٹی کے ادھیکار سے روک دیا۔ دھرم شاستر کے انوسار—”براہمن کو داس-شوتروں کی سمپتی کورن جکت کر لینی چاہیے، کیونکہ شوتروں کی اپنی کوئی سمپتی نہیں“ (8-417). اس کے بالابا ”داس کو سمپتی رکھنے کا کوئی ادھیکار نہیں کیونکہ اس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (8-416). اس کے بپریت اربھشاخ داس کو سمپتی کے مالک ہونے کا ادھیکار دیتا تھا (اربھشاخ 3، ادھیا 13-182). اربھشاخ کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کی مائت کے باء اس کے رشتہداروں کو ملےگی اور رشتہداروں کے اباوا میں اس کے سوامی کو“ (اربھشاخ 183). ایک اور دھرم شاستر نے شوتروں کے لیے دھرم شاستر کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (اربھشاخ 18-182). اس کے بعد اس کے رشتہداروں کو مائتی اور رشتہداروں کے اباوا میں اس کے سوامی کو“ (اربھشاخ 183).

ہی اس دھرم کو نہیں لانا چاہئے کہ اسے کسی براہمن کی ہتھکڑی کہیں ہے۔“ (8-381)۔ دوسری اور شودر کے سہیلہ میں لکھا گیا ہے۔ ”بیدی کوئی سوامی شودر کو داستا سے مکت بھی کر دے، نب بھی وہ شودر سوتلتر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے غلامی سواہلوک ہے، اس لئے کہ اسے غلامی سے مکت کر سکتا ہے؟“ (8,412-114)*۔ اس طرح شودروں کو ارنہ شاستر اور سمرات اشوک نے سماج میں جو برابری کا درجہ دیا تھا، اسے ’مانو دھرم شاستر‘ نے واپس لے لیا۔

مانو دھرم شاستر نے جنم اور उत्तराधिकार کو بھی خاص اہمیت دی ہے۔† مانو دھرم شاستر کے مٹاویک—”سب بھائیوں میں جو بڑے شاخانیوں کے مطابق—”سب ورنوں میں جو بچے شاستر انوسار وراثت استریوں سے (ایسی استریوں سے جو سجاتیہ ہوں اور کماری کے روپ میں وواہ میں حاصل کی گئی ہوں) پیدا ہوئے ہوں وہ اپنے پتا کے ورن کے ہی مانے جائیں گے۔“ اس ویوستہ کے اندر شاستر انوکول وواہ اور سورن وواہ کے اوپر زور دیا گیا ہے۔ آگے ایک جگہ لکھا ہے—”دونج پرشوں کو اپنے سے ایک درجہ نیچے کی پتنی سے جو سنتان پر اپت ہوں وہ بھی پتا کے ہی ورن کو پر اپت کرتی ہیں اور اُنکا ایک ماتر دوش اُن کی ماں کے کارن ہے (10-6)۔“ اس ویوستہ کے انوسار اسورن وواہ جائز ہے، کنتو نیچی جاتی کی ماں کا داغ سنتان پر رہ جاتا ہے۔ آگے چلکر اسے تفصیل سے سمجھایا گیا ہے—”براہمن کی سنتان چہتریہ، دیشیہ اور شودر استری سے، چہتریہ کی سنتان دیشیہ اور شودر استری سے، دیشیہ کی سنتان شودر سے یہ چہروں سنتانیں ’اپاسد‘ کہلاتی ہیں۔‡ یہ ویوستہ اس پہلے کی ویوستہ کو کات دیتی ہے جس کے انوسار اپنے سے ایک درجہ نیچی جاتی کی استری سے پر اپت سنتی پتا کے ورن کو پر اپت ہوتی ہے۔ جو سنتان اپاسد کہلاتی ہیں وہ کیسے پتا کے ورن کو پر اپت کر سکتی ہیں؟ مانو دھرم شاستر کی ایک اور ویوستہ میں کہا گیا ہے—”دونجوں کی جو سنتانیں ایک درجہ نیچے کے ورن کی استری سے ہوں وہ اپنی ماں کی ہیلتا کے کارن ’اندرس‘ کہلاتی ہیں۔ اس ویوستہ سے یہ ظاہر ہے کہ ہین جاتی کی ماؤں کی سنتانیں پتا کے ورن کو پر اپت نہیں کر سکتیں۔ پہلے کی ویوستہاؤں کے مقابلے یہ ایک ورودھی اور بعد کی ویوستہ معلوم ہوتی ہے۔

پھر مانو دھرم شاستر ’کھچڑی ورنوں‘ کا ذکر کرتا ہے۔ اُسکے انوسار—”ورنوں کی ملاوت سے جن استریوں کے ساتھ وواہ نہیں ہونا چاہئے“ اُنکے وواہ سے اور

* Buhlers' translation.

† Ibid—pp. 319-321.

‡ Ibid pp. 403-404.

کرتے ہیں۔ چھوٹے سے اپوتہ جانتی ہیں مگر ”کی“ (2-10)۔ اس طرح الگ الگ جاتی کے ماں باپ کی سہیلیاں منو کے مطابق ورنسنگر ہوں۔ اسکا صرف مطلب یہ ہے کہ اجازت ہوتے ہوئے بھی مانو ’دعوم شاستر‘ لیسوں وواہوں کو پورے تھان نہیں دیتا۔ اسکا براہمنوں کی اس پرتی کرانتی سے میل ہے جسکا مقصد پیدائشی ورناسٹرم دھرم کے مطابق سماجک ریوہستہ پھر سے قائم کرنا تھا۔

مانو دھرم شاستر میں اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اُونچی جاتی کے لوگوں کا رکت نیچی جاتی کے لوگوں سے ادھک پوتر ہوتا ہے۔ ”یدی کوئی کل براہمن پرش اور شودر استری کے سنیوگ سے پہلے اور بڑھ تو اِس طرح کے کل کی لڑکیوں کی براہمنوں کے ساتھ شادی کرنے سے وہ نیچے کل ساتویں پڑھی میں اُوچے ورن براہمن کل ہو جائیگا“ (10-64)۔ اِسکے انوسار براہمن پتا اور اَدونچ مانا کی پتری یدی کسی براہمن سے بیاہی جائے اور اس سنیوگ سے اُنہیں لڑکی پھر کسی براہمن کو بیاہی جائے اور یہ کرم ساتویں پڑھی تک چلتا رہے تو اُسکے بعد کی سنتکیاں براہمن ہو جائیں گی، کیونکہ مانو دھرم شاستر کہتا ہے ”اچھا وپر یہ سدا پرشلسٹھ ہے۔“ (10-72) یہی نیم سبھی جاتیوں کے لئے لاکھ ہے۔ اِس سبب سے میں کہا ہے—”شودر پتر اِس طرح سے براہمن کے پد کو پراپت ہوتا ہے اور اِسی نیم سے براہمن شودر کی استھتی کو پہونچتا ہے۔ یہی نیم چھتری پتر کے لئے ہے اور یہی نیم ویشیہ پتر کے لئے ہے۔“ (10-65) اِسکا ارتھ یہ ہے کہ اُونچی جات کے پرش کے سنیوگ سے ارلاد کا رتبہ اُونچا ہوتا ہے اور نیچی جاتی کے پرش کے سنیوگ سے ارلاد یہی نیچی جاتی کی ہوتی ہے!

انت میں ونش پرمہرا کے پوشن کا اِس طرح ذکر
نیا گیا ہے—ہرا من پتا اور اناریہ مانا کے سفیوگ سے اُنہن
سنتان شربشہو ہے یا اناریہ پتا اور ہرا من مانا کے سفیوگ سے اُنہن
سنتان ؟ دھرم شاستر اِسکا اُتر دیتا ہے کہ بدی ہرا من پتا کی
سنتان میں 'پاک' اور 'یکہ' کی وشیشتا ہے تو وہ اناریہ پتا کی
سنتان کی ایکھا اُچتر ہے۔ (10-66) اِسکا صاف مطالبہ ہے کہ

❧ मानव धर्मशास्त्र के अन्दर यह विरोधी (सुतजाद) भाव इसलिये है कि इसमें दो तरह की व्यवस्थायें हैं, पुरानी 'मनुस्मृति' है और नई सुमति भार्गव की लिखी हुई 'मानव धर्मशास्त्र' है, सुमति भार्गव के ऊपर ब्राह्मण-या (reaction) का साफ असर है—लेखक.

अगस्त '५५

ہندو مذہب میں پیتا کو سزا دینا ہے، ماں کو نہیں۔ *

مانव धर्मशास्त्र में ब्राह्मणों के वर्णन का नक्शा हमें राजनैतिक क्षेत्र में भी मिलता है. एक जगह लिखा है— “राजा को चाहे जितना खतरा क्यों न हो तब भी उसे ब्राह्मण के क्रोध को न जगाना चाहिये, क्योंकि ब्राह्मण खफा होकर क्षण भर में हुकूमत को बरबाद कर सकता है.....चाहे विद्वान हो या अपद, ब्राह्मण महा देवता के समान है.” (9,313-317). इस वाक्य में हमें ब्राह्मण ग्रन्थों और ब्राह्मण सूत्रों की गूँज मिलती है. राजा के लिये भी आदेश है कि राजा को खानदानी पुरोहितों के परिवार से सात या आठ मन्त्री चुनने चाहियें जो ऊँचे कुल के, परखे हुए, साहसी और वेद शास्त्रों में निपुण हों (7-58). इस व्यवस्था के अनुसार तो ब्राह्मण यूरोपैसी लाजमी हो जाती है क्योंकि वेद शास्त्रों में ब्राह्मणों के अलावा और कौन निपुण होगा ? अर्थशास्त्र ने मंत्रियों के चुनाव के लिए इस तरह की कोई क़ैद नहीं रखी जिसमें केवल ब्राह्मण ही आ सकें. अर्थशास्त्र के अनुसार अमात्य सम्पत् (मन्त्री) के पद के लिये ये गुण जरूरी हैं कि वह देश का अधिवासी हो, ऊँचे खानदान का हो और कलाओं में निपुण हो. (अर्थशास्त्र 1, आ० 8-14 अ० 9-15). कौटिल्य बहुदन्ति के पुत्र से सहमत है कि मन्त्री के लिये आवश्यक गुण यह होना चाहिये कि वह “ऊँचे खानदान का हो और विद्वान हो.” अन्त में धर्मशास्त्र राजनैतिक क्षेत्र में एक बहुत बड़ी मांग पेश करता है. उसके अनुसार—“प्रधान सेनापति का पद, प्रधान न्यायाधीश का पद, राज-प्रबन्ध करने वाले राजा का पद—ये सब पद स्वीकार करने योग्य वही है जो वेदों का पूर्ण ज्ञाता हो” (12-19-100). इसका अर्थ यह है कि मानव धर्मशास्त्र साफ इस बात की हिदायत देता है कि वेदों के जानकार ही इन पदों पर आसीन हो सकते हैं. इससे पहले किसी भी स्थिति में इस तरह की कोई हिदायत नहीं मिलती. शायद, जैसा कि श्री जायसवाल कहते हैं, ब्राह्मण पुण्यमित्र के राज्य हड़पने की यह नैतिक दलील हो. इसी धर्मशास्त्र में हमें “राजा के दैवी अधिकार” की दलील मिलती है। इसी मानव धर्मशास्त्र में ही पहली मरतबा ‘नर-देव’ के विचार का प्रतिपादन किया जाता है. इससे पता चलता है कि भारत में उस समय तक सामन्त-शाही बन चुकी थी। इस तरह ब्राह्मणों की सत्ता क्रायम होते ही वर्यों की भी नहीं हैसियत हो गई. जातियों की सामाजिक जगह बदल गई।

वही क्रम मनु में पता को महानता है, माता को नहीं. *

मानव धर्मशास्त्र में ब्राह्मणों के वर्णन का नक्शा हमें राजनैतिक क्षेत्र में भी मिलता है. एक जगह लिखा है— “राजा को चाहे जितना खतरा क्यों न हो तब भी उसे ब्राह्मण के क्रोध को न जगाना चाहिये, क्योंकि ब्राह्मण खफा होकर क्षण भर में हुकूमत को बरबाद कर सकता है.....चाहे विद्वान हो या अपद, ब्राह्मण महा देवता के समान है.” (9,313-317). इस वाक्य में हमें ब्राह्मण ग्रन्थों और ब्राह्मण सूत्रों की गूँज मिलती है. राजा के लिये भी आदेश है कि राजा को खानदानी पुरोहितों के परिवार से सात या आठ मन्त्री चुनने चाहियें जो ऊँचे कुल के, परखे हुए, साहसी और वेद शास्त्रों में निपुण हों (7-58). इस व्यवस्था के अनुसार तो ब्राह्मण यूरोपैसी लाजमी हो जाती है क्योंकि वेद शास्त्रों में ब्राह्मणों के अलावा और कौन निपुण होगा ? अर्थशास्त्र ने मंत्रियों के चुनाव के लिए इस तरह की कोई क़ैद नहीं रखी जिसमें केवल ब्राह्मण ही आ सकें. अर्थशास्त्र के अनुसार अमात्य सम्पत् (मन्त्री) के पद के लिये ये गुण जरूरी हैं कि वह देश का अधिवासी हो, ऊँचे खानदान का हो और कलाओं में निपुण हो. (अर्थशास्त्र 1, आ० 8-14 अ० 9-15). कौटिल्य बहुदन्ति के पुत्र से सहमत है कि मन्त्री के लिये आवश्यक गुण यह होना चाहिये कि वह “ऊँचे खानदान का हो और विद्वान हो.” अन्त में धर्मशास्त्र राजनैतिक क्षेत्र में एक बहुत बड़ी मांग पेश करता है. उसके अनुसार—“प्रधान सेनापति का पद, प्रधान न्यायाधीश का पद, राज-प्रबन्ध करने वाले राजा का पद—ये सब पद स्वीकार करने योग्य वही है जो वेदों का पूर्ण ज्ञाता हो” (12-19-100). इसका अर्थ यह है कि मानव धर्मशास्त्र साफ इस बात की हिदायत देता है कि वेदों के जानकार ही इन पदों पर आसीन हो सकते हैं. इससे पहले किसी भी स्थिति में इस तरह की कोई हिदायत नहीं मिलती. शायद, जैसा कि श्री जायसवाल कहते हैं, ब्राह्मण पुण्यमित्र के राज्य हड़पने की यह नैतिक दलील हो. इसी धर्मशास्त्र में हमें “राजा के दैवी अधिकार” की दलील मिलती है। इसी मानव धर्मशास्त्र में ही पहली मरतबा ‘नर-देव’ के विचार का प्रतिपादन किया जाता है. इससे पता चलता है कि भारत में उस समय तक सामन्त-शाही बन चुकी थी। इस तरह ब्राह्मणों की सत्ता क्रायम होते ही वर्यों की भी नहीं हैसियत हो गई. जातियों की सामाजिक जगह बदल गई।

* इस सम्बन्ध में मध्यकालीन यूरोप में गुलामों के संसर्ग से पैदा औलादें और मनुस्मृति का तुलनात्मक अध्ययन दिलचस्प है.

اس سبب سے ہندو مذہب میں مذہب کا لہجہ یورپ میں غلاموں کے سنسکرت سے پیدا اولادیں اور مہوسرئی کی تولداتک آدھیں دلچسپ ہے.

ایک دوسرا بھرمناج جو براہمنوں کی پرمیتا کے کال میں لکھا گیا 'وسشتہ' اسمرتی' ہے۔ کہیں کے انوسار اسکا رچنا کال عیسوی کی پہلی صدی ہے۔* حالانکہ اس اسمرتی میں ایسے چار ظاہر کئے گئے ہیں جو پرانے معلوم ہوتے ہوں اور اسمیں آپستمب کا بھی سمرتھن ہے۔ پھر بھی اسمیں جو براہمنوں کے بڑوں کی وکالت کی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گرنٹھ اس سمے لکھا گیا جب براہمنوں کی پرمیتا تھی۔ معلوم ہوتا ہے وسشتہ اسمرتی ایسی جگہ لکھی گئی جہاں انتہی کے سراگت میں گوردھ کا پرانا رواج تب بھی جاری تھا' حالانکہ کبھی کبھی گائے کی جگہ بکرا حال کرنے کا بھی رواج چل پڑا تھا (ادھیائے-3)۔ اسمیں ایک استہان پر لکھا ہے—”براہمن یا چھتریہ انتہی کے لئے گرہستہ یا تو پریہکو ارستھا کا بھل راندھ سکتا ہے یا بکرا۔“† اس سے صاف انومان لگایا جا سکتا ہے کہ 'وسشتہ اسمرتی' اتر بھارت میں ہی کہیں لکھی گئی ہے۔

وسشتہ کا آدیہ ہے کہ تینوں اوج ورنوں کی سیوا کرنا شودر کا دھرم ہے۔ اس لحاظ سے وسشتہ منو سے ہیں نہیں ہے۔† پھر وہ کہتے ہیں—”یدی کوئی دوئج شودر کا ان کھا کر مر جائے تو وہ دوسرے جنم میں یا تو گاؤں کا سرور ہوتا ہے یا اسی شودر کے گھر پیدا ہوتا ہے۔“† (3 الف) پر وہ پندتوں سے کہتے ہیں—”ملیچہوں کی بھاشا نہ سیکھو† (3 الف) ایک دوسری جگہ لکھا ہے—”کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شودر شو کے سمان ہوں اسلئے شودر کے نکث ویدوں کا پائے نہیں ہونا چاہیے۔“† (15 الف) ایسے براہمن پورش کے نئے جنکا براہمن استریوں سے سمبندھ ہے وسشتہ نیچے لکھی سزا کا ودھان کرتے ہیں—”یدی کوئی شودر براہمن استری کے پریچھے میں ہے تو راجا کو اس شودر کو 'ویرن' گھاس میں بندھوا کر زندہ آگ میں ڈال دینا چاہیے۔ یدی کوئی ویشیہ براہمن استری کے پریچھے میں ہے تو راجہ کو اس ویشیہ کو 'بھت' گھاس میں بندھوا کر آگ میں ڈال دینا چاہیے اور یدی کوئی چھتریہ براہمن استری کے پریچھے میں ہے تو راجہ کو اسے 'سر' گھاس میں بندھوا کر آگ میں ڈال دینا چاہیے۔“† (19 الف) وسشتہ اسمرتی کے نیاٹے کا یہ نمونہ ہے۔ ورن کے حساب سے سزا کی ماترا بھی بڑھتی جاتی ہے۔† (19 الف)

کچھ انہوں میں وسشتہ اسمرتی اور دوسری اسمرتیوں سے ادھک کرتی ہے، کیونکہ وسشتہ اسمرتی میں چھتریوں کو سزا دینے کا جو ودھان ہے وہ اس سے پہلے کبھی کسی اسمرتی نے نہیں دیا۔ اسمیں براہمنوں کا درجہ بہت اونچا کر دیا گیا۔ اس چیز کو ادھک صفائی سے سمجھنے کے

* Kane. p. 58

† 22—वसिष्ठ संहिता—अनु० एम० दत्त. सफा 764, 765, 771, 772, 802, 803, 810.

764, 765, 771, 772, 802, 803, 810 صفحہ 764, 765, 771, 772, 802, 803, 810

लिये वसिष्ठ स्मृति के एक दूसरे विधान पर ध्यान दीजिये उसमें लिखा है—“ब्राह्मणों का धन अपहरण करके अपराधी के रोंगटे बंधे हो जाने चाहियें, उसे भाग कर राजा के पास जाना चाहिये और उससे कहना चाहिये ‘मैं चोर हूँ ! राजन् मुझे सजा दीजिये’ राजा को तब उसे उदम्बर लकड़ी का बना हुआ इधियाद देना चाहिये जिससे वह अपने आपको मार डाले, वेदों में लिखा है कि मौत के बाद वह अपराधी पवित्र हो जाता है।” (अ० 18) † जब तक राजा भी ब्राह्मण न हो तब तक इस तरह की व्यवस्था प्रचलित करना सहज नहीं, मनु और वसिष्ठ में ब्राह्मणों के बड़प्पन का आदि से अन्त तक बखान है और यह बड़प्पन उस समय तक बेमतलब है जब तक इसकी पीठ पर राजा का हाथ न हो, इससे यह जाहिर होता है कि ये दोनों स्मृतियाँ ब्राह्मणों के शासन काल में ही लिखी गईं लेकिन श्री जायसवाल के मुताबिक ‘वसिष्ठ संहिता’ को क्यादा अहमियत नहीं मिली और वह आखरी नजीर के रूप में कभी नहीं कबुल की गई, ‡

अब हम याज्ञवल्क्य स्मृति पर गौर करेंगे।

पातञ्जलि ने अपने महाभाष्य में इस पर बहस की है कि ऊँची बण की जातियों के वर्तनों में यदि कोई खाये तो बेवर्तन अपनी शुद्धता नहीं खोते, पातञ्जलि को पुण्यमित्र का समकालीन माना जाता है इसलिये कि पातञ्जलि ने अपने महाभाष्य में पुण्यमित्र के अश्वमेध यज्ञ की चरचा की है, (महा-भाष्य 3, 2-123.) पाणिनि ने अपने व्याकरण में एक जगह लिखा है—‘शूद्रानाम् अनिव सितानाम्’ (2-4-10) अर्थात् ‘ऐसे शूद्र जो अलहदा नहीं किये गये,’ पातञ्जलि इसकी व्याख्या करते हुए लिखता है कि ऐसे शूद्र जो अलग नहीं किये गये अनिर्वासित कहलाते हैं और वह आर्यावर्त की सीमा का भी उल्लेख करता है। किन्तु यह भी लिखता है कि इस सीमा में सक और यवन भी रहते हैं, तब अनिर्वासित से मतलब यह होगा कि आर्य निवास से जो निर्वासित नहीं, और आर्य-निवास क्या है ? आर्य गावों में रहते हैं, घोशों (गोचर भूमि) में रहते हैं, नगरों में रहते हैं और सम्बन्ध (वैश्यपुरी) में रहते हैं, और इन निवासों में चांडाल और डोम भी रहते हैं, * किन्तु इनका शुमार आर्यावर्त में नहीं है, इससे तात्पर्य यह निकला कि अनिर्वासित वे लोग हैं जो यज्ञ में आहुति देने में शामिल हैं किन्तु पातञ्जलि रजक (धोबी) और तन्तुबाई (जुलाहा) को भी अनिर्वासित मानता है, इसका अर्थ यह हुआ कि जिन लोगों के भ्रान्ति के बाद वर्तन धोकर रख लिए जाते

लैम्बे स्मृति के अन्त में एक दूसरे विधान पर ध्यान दीजिये उसमें लिखा है—“ब्राह्मणों का धन अपहरण करके अपराधी के रोंगटे बंधे हो जाने चाहिये, उसे भाग कर राजा के पास जाना चाहिये और उससे कहना चाहिये ‘मैं चोर हूँ ! राजन् मुझे सजा दीजिये’ राजा को तब उसे उदम्बर लकड़ी का बना हुआ इधियाद देना चाहिये जिससे वह अपने आपको मार डाले, वेदों में लिखा है कि मौत के बाद वह अपराधी पवित्र हो जाता है।” (अ० 18) † जब तक राजा भी ब्राह्मण न हो तब तक इस तरह की व्यवस्था प्रचलित करना सहज नहीं, मनु और वसिष्ठ में ब्राह्मणों के बड़प्पन का आदि से अन्त तक बखान है और यह बड़प्पन उस समय तक बेमतलब है जब तक इसकी पीठ पर राजा का हाथ न हो, इससे यह जाहिर होता है कि ये दोनों स्मृतियाँ ब्राह्मणों के शासन काल में ही लिखी गईं लेकिन श्री जायसवाल के मुताबिक ‘वसिष्ठ संहिता’ को क्यादा अहमियत नहीं मिली और वह आखरी नजीर के रूप में कभी नहीं कबुल की गई, ‡

पातञ्जलि ने अपने महाभाष्य में इस पर बहस की है कि ऊँची बण की जातियों के वर्तनों में यदि कोई खाये तो बेवर्तन अपनी शुद्धता नहीं खोते, पातञ्जलि को पुण्यमित्र का समकालीन माना जाता है इसलिये कि पातञ्जलि ने अपने महाभाष्य में पुण्यमित्र के अश्वमेध यज्ञ की चरचा की है, (महा-भाष्य 3, 2-123.) पाणिनि ने अपने व्याकरण में एक जगह लिखा है—‘शूद्रानाम् अनिव सितानाम्’ (2-4-10) अर्थात् ‘ऐसे शूद्र जो अलहदा नहीं किये गये,’ पातञ्जलि इसकी व्याख्या करते हुए लिखता है कि ऐसे शूद्र जो अलग नहीं किये गये अनिर्वासित कहलाते हैं और वह आर्यावर्त की सीमा का भी उल्लेख करता है। किन्तु यह भी लिखता है कि इस सीमा में सक और यवन भी रहते हैं, तब अनिर्वासित से मतलब यह होगा कि आर्य निवास से जो निर्वासित नहीं, और आर्य-निवास क्या है ? आर्य गावों में रहते हैं, घोशों (गोचर भूमि) में रहते हैं, नगरों में रहते हैं और सम्बन्ध (वैश्यपुरी) में रहते हैं, और इन निवासों में चांडाल और डोम भी रहते हैं, * किन्तु इनका शुमार आर्यावर्त में नहीं है, इससे तात्पर्य यह निकला कि अनिर्वासित वे लोग हैं जो यज्ञ में आहुति देने में शामिल हैं किन्तु पातञ्जलि रजक (धोबी) और तन्तुबाई (जुलाहा) को भी अनिर्वासित मानता है, इसका अर्थ यह हुआ कि जिन लोगों के भ्रान्ति के बाद वर्तन धोकर रख लिए जाते

† वसिष्ठ संहिता, सफा-808 वसिष्ठ संहिता

‡ Jagnavalkya-oq cit 66.

* स्मृतियों के अनुसार चांडाल और डोम नगर की सीमा के बराबर रहते हैं—लेखक.

* अस्मरुति के अनुसार चाण्डाल और डोम नगर की सीमा के बराबर रहते हैं—लेखक.

भाई ७० शंकर

بھائی. او. شکر

हिन्दी और उर्दू की तरक्की का अपना एक इतिहास है. इसको समझने के लिये हमें हिन्दी और उर्दू के जनम पर विचार करना होगा. आरम्भ में हिन्दी और उर्दू में अन्तर नहीं था. सं० 1902 तक हिन्दी को ही उर्दू के नाम से पुकारा जाता था. 'बली' हिन्दी को ही अपनी भाषा कहते थे. 'मीर' ने अपनी ज़बान को हिन्दी बताते हुए कहा था—

क्या जानू लोग कहते हैं,
किसको सरुरे - क़त्ब ।

आया नहीं है लफ़्ज़ यह,
हिन्दी ज़बां के बीच ॥

पर उर्दू भाषा की उत्पत्ति के सम्बन्ध में सैयद ईशा अल्ला खाँ ने कहा है—जमीं दानद कि मुबाए फ़साहत न मादने बलारात कि ज़बाने शाँ मशाहूर व उर्दूस्त, सिबाये बादशाह हिन्दुस्तान कि ताजे फ़साहत बरहए मी ज़ेबद, चन्द अमीर व मसाहिबे शाँ, व चन्द ज़ने क़ाबिल, अज़ क़िस्म बेगम व खानम व कस्बी हस्तद—हर लफ़्जे कि दरीहां इस्तेमाल याफ़त ज़बाने उर्दू शुद, न ई कि, हर कस कि दर शाहजेहानाबाद मी बाशद, इस्ब गुफ़्तगू कुनद मौतबिर बाशद. अगर चुनीं बाशद साकिनाने मुग़लपुरा च तक्रसीर करदा अन्द कि ज़बाने एशां मायूब व ख़िलाफ़ उर्दू शुमुर्दा शवद, [दरिया-ए-लताफ़त, दुरे दाना शिक्मे, सफ़ा 64]

अर्थात्—ऐसे सज्जनों को नहीं मालूम कि उस भाषा के जिसे उर्दू कहते हैं, सौन्दर्य लालित्य का उद्गम स्थान स्वयं हिन्दुस्तान के सम्राट हैं, जिनके सिर पर उर्दू भाषा की ओजसिता का मुकुट शोभा देता है. उनके कतिपय व विशेष सेवक व उनके राज भवन की स्त्रियाँ, जिनमें बेगमों व अन्य घरों की स्त्रियाँ व क़स्बियां शामिल हैं, जिन शब्दों का इस्तेमाल करती हैं, वही उर्दू भाषा है. शाहजहानाबाद का हर बाशिन्दा जो कुछ कहे वह ज़बान के लिहाज़ से मुस्तनद नहीं समझा जा सकता. यदि ऐसा न होता तो मुग़लपुरा के निवासियों की भाषा को दूषित व उर्दू के ख़िलाफ़ क्यों समझा जाता ?

'दरिया-ए-लताफ़त' एक प्रसिद्ध किताब है. मौलाना अब्दुल हक़ साहब ने इस किताब के सम्बन्ध में कहा है, "उर्दू ज़बान के क़वायद, मुहावरात और रोज़मरह के मुतास्सिल इससे पहले कोई किताब नहीं लिखी गई थी

हन्दी और उर्दू की तरक्की का अपना एक इतिहास है. इसको समझने के लिये हमें हिन्दी और उर्दू के जनम पर विचार करना होगा. आरम्भ में हिन्दी और उर्दू में अन्तर नहीं था. सं० 1902 तक हिन्दी को ही उर्दू के नाम से पुकारा जाता था. 'बली' हिन्दी को ही अपनी भाषा कहते थे. 'मीर' ने अपनी ज़बान को हिन्दी बताते हुए कहा था—

क्या जानू लोग कहते हैं,
कस को सरुरे क़त्ब .
आया नहीं है लफ़्ज़ ये,
हन्दी ज़बां के बीच .

पर उर्दू भाषा की उत्पत्ति के सम्बन्ध में सैयद ईशा अल्ला खाँ ने कहा है—जमीं दानद कि मुबाए फ़साहत न मादने बलारात कि ज़बाने शाँ मशाहूर व उर्दूस्त, सिबाये बादशाह हिन्दुस्तान कि ताजे फ़साहत बरहए मी ज़ेबद, चन्द अमीर व मसाहिबे शाँ, व चन्द ज़ने क़ाबिल, अज़ क़िस्म बेगम व खानम व कस्बी हस्तद—हर लफ़्जे कि दरीहां इस्तेमाल याफ़त ज़बाने उर्दू शुद, न ई कि, हर कस कि दर शाहजेहानाबाद मी बाशद, इस्ब गुफ़्तगू कुनद मौतबिर बाशद. अगर चुनीं बाशद साकिनाने मुग़लपुरा च तक्रसीर करदा अन्द कि ज़बाने एशां मायूब व ख़िलाफ़ उर्दू शुमुर्दा शवद, [दरिया-ए-लताफ़त, दुरे दाना शिक्मे, सफ़ा 64]

अर्थात्—ऐसे सज्जनों को नहीं मालूम कि उस भाषा के जिसे उर्दू कहते हैं, सौन्दर्य लालित्य का उद्गम स्थान स्वयं हिन्दुस्तान के सम्राट हैं, जिनके सिर पर उर्दू भाषा की ओजसिता का मुकुट शोभा देता है. उनके कतिपय व विशेष सेवक व उनके राज भवन की स्त्रियाँ, जिनमें बेगमों व अन्य घरों की स्त्रियाँ व क़स्बियां शामिल हैं, जिन शब्दों का इस्तेमाल करती हैं, वही उर्दू भाषा है. शाहजहानाबाद का हर बाशिन्दा जो कुछ कहे वह ज़बान के लिहाज़ से मुस्तनद नहीं समझा जा सकता. यदि ऐसा न होता तो मुग़लपुरा के निवासियों की भाषा को दूषित व उर्दू के ख़िलाफ़ क्यों समझा जाता ?

'दरिया-ए-लताफ़त' एक प्रसिद्ध किताब है. मौलाना अब्दुल हक़ साहब ने इस किताब के सम्बन्ध में कहा है, "उर्दू ज़बान के क़वायद, मुहावरात और रोज़मरह के मुतास्सिल इससे पहले कोई किताब नहीं लिखी गई थी

پھر اسی بات پر کہ اس کے بعد بھی کوئی کتاب اس بابہ کی نہیں لکھی گئی۔ جو لوگ اردو زبان کا محققانہ مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، یا اس کی صرف نکتہ پر کوئی محققانہ تالیف کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے ان کا مطالعہ ضروری ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہے۔ “سید انشالہ خاں سے خطبہ سر سید احمد خاں نے اپنی پستک ‘اثارالاصنادید’ میں کہا ہے—”جب کہ شاہجہاں بادشاہ نے سن 1648 میں شہر شاہجہاں آباد آباد کیا تو ہر ملکوں کے لوگوں کا مجمع ہوا۔ اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعض فارسی لفظوں میں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں سبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدیلی ہو گئی۔ غرض کہ لشکر بادشاہی اور اردوئے معلہ میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا۔ پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔“

ان اوتاروں سے پرکت ہو جانا ہے کہ اردو کا جنم شاہجہاں کے سہ ہوا ہے، پر اردو بھاشا کا شروع کا نام ہندی ہی تھا۔ ہندی کو ہندو مسلمان دونوں کی دیوتک مانا جاتا تھا۔ امیر خسرو، انیس، انشا، جرئت اتہادی نے اپنی رچناؤں میں اردو کے لئے ہندی شبد کا ہی پریوک کیا ہے۔ اس بات کو سبھی اردو اتہاس لیکھکوں نے بھی سونیکار کر لیا ہے۔ اردوئے قدیم، تاریخ نسب اردو، اتہادی گرتھوں کے ودوان لیکھکوں نے بہت چہان بین کے بعد یہ ثابت کر دیا ہے کہ اردو کا شروع کا نام ہندی ہے۔

اب دیکھئے، پنڈت پدم سنگھ شرما نے اپنی ‘ہندی اردو اور ہندستانی’ نامک پستک میں لکھا ہے—”اس ہندی نام کی سرشتی ہندوؤں نے نہیں کی، اور نہ انہوں نے پرچار ہی کیا ہے، ہندو لیکھکوں نے تو اس کے لئے سروتر بھاشا شبد کا ہی پریوک کیا ہے۔ بھاشا کے لئے ہندی شبد کے سرو پرتھم نامکوں کا سارا شرتے مسلمان لیکھکوں اور کوپوں کو ہی دیا جاسکتا ہے۔ ہندوؤں کا اس میں ذرا بھی ہاتھ نہیں۔“

اتہ یہ ماننا ہوگا کہ بدیہی یہاں کے سادھارن لوگوں میں ایک ایسی بھاشا یا زبان موجود تھی جس میں وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکتے تھے پر اس کا ‘ہندی’ نامکوں ہندوؤں نے نہیں کیا۔ ہندی اور اردو دونوں پر ایہ ایک سی بھاشا کا نام تھا۔ دونوں میں وشیش انتر نہیں تھا۔ اردو کو ہندی کہتے ہی تھے۔ انہی صاحب اردو کے لئے ہندی شبد کا پریوک کیا کرتے تھے اور ان کا پرسدہ شعر ہے—

مطلب کی مہرے پار،
نہ سمجھ تو کیا عجب۔

ماتلاب کی مہرے پار،
نہ سمجھ تو کیا عجب۔

सम जानते हैं तुर्की की,
हिन्दी जुबां वहीं ॥

यहाँ हिन्दी उर्दू पर्यायवाची शब्द हैं। इस शेर से यह भी साफ हो जाता है कि यह जन-साधारण हिन्दुस्तानी की ज़बान थी पर ज्यादातर तुर्की लोग इसे न समझ पाते थे। इसलिये पहले हिन्दी और उर्दू में कोई भेद हम नहीं पाते। अमीर खुसरो को हिन्दी बाले खड़ी बोली का पहला कवि मानते हैं, और उर्दू कविता का आरम्भ तो उनसे होता ही है। दोनों उन्हें अपना पहला कवि मानते हैं, उनकी एक ही कविता को अपनी अपनी कहते हैं। डाक्टर राजेन्द्र प्रसाद ने सातवें बिहार प्रादेशिक हिन्दी साहित्य सम्मेलन के समापति के पद से भाषण देते हुए कहा था—“हिन्दी और उर्दू, चाहे उनकी उत्पत्ति और विकास जिस क्रम और जिस रीति से हुआ हो, दो भिन्न भाषायें नहीं हैं। इसका अकाट्य प्रमाण जिसे मुसलमान लोग उर्दू भाषा कहते हैं उसका पुराना रूप है। उर्दू के बड़े से बड़े हिमायती यही कह सकते हैं कि उर्दू की पैदाइश हिन्दुस्तान में मुसलमानी बादशाहत कायम होने पर हुई। अब उस समय के लेखक की भाषा पर गौर करें। बहुत पीछे जाने की ज़रूरत नहीं। मुसलमानी राज्य स्थापित होने पर सैकड़ों वर्ष के बाद के मशहूर लेखक अमीर खुसरो की कविताओं को लीजिये और विचार कीजिये कि उनकी भाषा आज की खड़ी बोली से किस प्रकार अलहदा है। अमीर खुसरो ने अनपढ़ चम्पों के लिए यह कविता लिखी थी—

औरों की चौपहरी बाजे,
चम्पों की अठपहरी ।
बाहर के कोई आये नहीं,
आये सारे शहरी ॥

“इसे देखने से पता लगेगा कि आज की हिन्दी और उस समय की उर्दू में बहुत मतभेद नहीं है..... इसलिये यह कह देना कि कुछ अरबी फ़ारसी शब्दों के मिलावट से ही एक नई और स्वतंत्र भाषा पैदा हो गई मुनासिब नहीं है।”

दूसरे देशों के मुसलमानों के साथ सम्पर्क होने के कारण उनकी संस्कृति, सभ्यता, भाषा और उनके साहित्य का प्रभाव हमारी संस्कृति, भाषा और साहित्य पर पड़ने लगा। अरबी, फ़ारसी के अनेक शब्द, रचना-शैलियाँ और वाक्य-विन्यास भी हिन्दी भाषा में रायज हो गये। हिन्दी के आदि प्राप्त ग्रन्थ ‘पृथ्वीराज रासो’ में अरबी फ़ारसी के शब्द हैं। तुलसी और सूर की रचनाओं में भी अरबी और फ़ारसी के शब्द आये हैं। इसी तरह उर्दू में भी संस्कृत तथा प्राकृत के बहुत से शब्दों का समावेश हो गया। उर्दू के प्रसिद्ध कोष ‘फरहंगे आसफिया’ में कुल 54 हजार शब्द हैं, जिनमें 32 हजार हिन्दी के ही शब्द हैं। फरहंग बाले ने अपनी

‘सब जानते हैं तुर्की की,
हिन्दी जुबां वहीं ॥’

यहाँ हिन्दी उर्दू पर्यायवाची शब्द हैं। इस शेर से यह भी साफ हो जाता है कि यह जन-साधारण हिन्दुस्तानी की ज़बान थी पर ज्यादातर तुर्की लोग इसे न समझ पाते थे। इसलिये पहले हिन्दी और उर्दू में कोई भेद हम नहीं पाते। अमीर खुसरो को हिन्दी बाले खड़ी बोली का पहला कवि मानते हैं, और उर्दू कविता का आरम्भ तो उनसे होता ही है। दोनों उन्हें अपना पहला कवि मानते हैं, उनकी एक ही कविता को अपनी अपनी कहते हैं। डाक्टर राजेन्द्र प्रसाद ने सातवें बिहार प्रादेशिक हिन्दी साहित्य सम्मेलन के समापति के पद से भाषण देते हुए कहा था—“हिन्दी और उर्दू, चाहे उनकी उत्पत्ति और विकास जिस क्रम और जिस रीति से हुआ हो, दो भिन्न भाषायें नहीं हैं। इसका अकाट्य प्रमाण जिसे मुसलमान लोग उर्दू भाषा कहते हैं उसका पुराना रूप है। उर्दू के बड़े से बड़े हिमायती यही कह सकते हैं कि उर्दू की पैदाइश हिन्दुस्तान में मुसलमानी बादशाहत कायम होने पर हुई। अब उस समय के लेखक की भाषा पर गौर करें। बहुत पीछे जाने की ज़रूरत नहीं। मुसलमानी राज्य स्थापित होने पर सैकड़ों वर्ष के बाद के मशहूर लेखक अमीर खुसरो की कविताओं को लीजिये और विचार कीजिये कि उनकी भाषा आज की खड़ी बोली से किस प्रकार अलहदा है। अमीर खुसरो ने अनपढ़ चम्पों के लिए यह कविता लिखी थी—

“औरों की चौपहरी बाजे,
चम्पों की अठपहरी ।
बाहर से कौन आये नहीं,
आये सारे शहरी ॥

“इसे देखने से पता लगेगा कि आज की हिन्दी और उस समय की उर्दू में बहुत मतभेद नहीं है..... इसलिये यह कह देना कि कुछ अरबी फ़ारसी शब्दों के मिलावट से ही एक नई और स्वतंत्र भाषा पैदा हो गई मुनासिब नहीं है।”

दूसरे देशों के मुसलमानों के साथ सम्पर्क होने के कारण उनकी संस्कृति, सभ्यता, भाषा और उनके साहित्य का प्रभाव हमारी संस्कृति, भाषा और साहित्य पर पड़ने लगा। अरबी, फ़ारसी के अनेक शब्द, रचना-शैलियाँ और वाक्य-विन्यास भी हिन्दी भाषा में रायज हो गये। हिन्दी के आदि प्राप्त ग्रन्थ ‘पृथ्वीराज रासो’ में अरबी फ़ारसी के शब्द हैं। तुलसी और सूर की रचनाओं में भी अरबी और फ़ारसी के शब्द आये हैं। इसी तरह उर्दू में भी संस्कृत तथा प्राकृत के बहुत से शब्दों का समावेश हो गया। उर्दू के प्रसिद्ध कोष ‘फरहंगे आसफिया’ में कुल 54 हजार शब्द हैं, जिनमें 32 हजार हिन्दी के ही शब्द हैं। फरहंग बाले ने अपनी

مجموعہ میں خوب مان لیا ہے کہ اردو میں 82 ہزار ہندی کے ہی شब्द ہیں، 22 ہزار کے लगभग ऐसे शब्द हैं जो विदेशी भाषाओं سے निकले हुए मानے جاتے ہیں۔ پروفیسر مندرلال جی نے اپنے 'ہندی، اردو یا ہندوستانی' سرٹیفکٹ لیکچر میں کہا ہے کہ انگریزوں کے آنے کے پہلے ہندوؤں کو یہ تر نہیں تھا کہ 'اوشیکتا' کی جگہ 'ضرورت'، کم دیا گیا تو ہندو سلسکرتی سے جانشینی اور مسلمانوں کو یہ تر نہیں تھا کہ 'ضرورت' کی جگہ 'اوشیکتا' آگیا تو اسلام خطرے میں پڑ جائیگا۔ یہ وہ سہ تھا جب کہ سچ مسیح آداب ہندو مسلمانوں کو رام اور رحیم میں فرق نظر نہ آتا تھا، جب کہ رحیم نے اپنا 'مدن شک' 'شری گلیش آہ نمہ' سے شروع کیا تھا، جب کہ جہانگیر کے زمانہ میں احمد نے ساسورک شاستر پر اپنی کتاب 'شری گلیش آہ نمہ' سے شروع کی تھی، جب کہ احمد اللہ دہکنی نے نایکے بیہد پر اپنی بستک کے سب کے اوپر لکھا تھا 'شری رام جی سپائے' 'اتہ سرسوتی جی کی استوتی'، جب کہ یعقوب خاں نے 'رس بیہوش' لکھنے سے پہلے سب سے اوپر 'شری گلیش جی' 'شری سرسوتی جی' 'شری رادھا کرشن جی' 'شری گوری شکر جی' کو نمسکار کیا تھا، جب کہ غلام نبی اسلم نے اپنی دونوں بستکوں کے شروع میں ہی 'شری گلیش آہ نمہ' لکھا تھا..... اس طرح سینکڑوں ہندی ودوان اپنی چچاؤں کو 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' سے شروع کرتے تھے۔

انگریزوں کے آنے کے بعد ودانوں میں کافی تبدیلی ہوئی۔ منزل کل میں جو آب و ہوا تھی، بدلی۔ ہماری بیہاشا اور اُن کی زبان الگ الگ ہونے لگیں۔ انگریز راج نیکمہ یہ سمجھتے تھے کہ ہماری پھوٹ اُن کی روٹی ہے اور اپنی روٹی کے لئے پھوٹ ڈالنی شروع کی۔ اگر ہم کہیں کہ ہم میں پھوٹ ڈالنے کے لئے فورٹ ولیم کالج بنا تو مبالغہ نہیں ہو سکتا۔ سر چارلس آڈ کے شکشا سببندی مسودے سے، جو سن 1854 میں پاس ہوا تھا، دیشی بیہاشا کے مادیہم دورا شکشا کا پر بندہ اوشیہ ہوا، پر اُس سے ہم میں پھوٹ بھی پھیلی۔ ہم ایک سے دو ہوئے۔ جان گلکرایسٹ نے دو ہندی کے ودوانوں اور دو اردو کے ودوانوں کو بلا کر آدیش دیا کہ اپنی اپنی بیہاشا میں بستکیں لکھیں۔ جان گلکرایسٹ نے یہ آدیش اُس سے دیا تھا جب ہندی والے یہ نہیں مانتے تھے کہ اپنی بیہد اُنہو کچھ دیشی شبد آجائے سے اردو دوسری بیہاشا ہو سکتی ہے اور نہ اردو والے اپنی بیہد اُنہو دیشی شبد آجائے سے ہندی کو دوسری بیہاشا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ رانی کیکٹی کی کہانی کو، اُس کے فارسی لہی میں لکھی جاتے پر ہی، ہندی ساہتہ میں استہان ملا۔ 'رانی کیکٹی کی کہانی' سے ہی ان دونوں بیہاشوں کی کہانی کا وکاس ہوتا ہے۔ 'رانی کیکٹی کی کہانی' اسی زمانہ

लिखी गई थी जिस समय गिलकाइस्ट ने हिन्दी और उर्दू में अलग अलग रचना करने की आज्ञा दी थी। इसके बाद हिन्दी के विद्वानों ने विदेशी शब्दों का बहिष्कार किया, और उर्दू के विद्वानों ने देशज शब्दों का। हिन्दी और उर्दू अलग अलग भाषाएँ हो गईं। गिलकाइस्ट की ही अज्ञानता में हिन्दी उर्दू संघर्ष का श्रीगणेश हुआ। अंग्रेजों ने हिन्दी और मुसलमानों में फूट डालने का प्रयास भाषा के द्वारा भी किया। वे जानते थे कि बाह्य अनेक रूपता के होते हुए भी दोनों में कैसी समानता है। यही समानता भारतीय एकता का मौलिक आधार थी। यही कारण था कि उन्होंने एकता की शृङ्खलाएँ तोड़ डालीं। संस्कृत के परित्यक्त और अरबी के आलिम भाषा का नेतृत्व करने लगे। अरबी फारसीवाँ आलिमों की मेहरबानी से उर्दू में अरबी फारसी के मुशकिल शब्दों और संस्कृतशब्दों की कृपा से हिन्दी में छिप्ट शब्दों की भरमार होने लगी। थोड़े ही दिनों में दोनों भाषाएँ बहुत अलग जा पड़ीं।

शुरू में अंग्रेजों ने उर्दू को प्रोत्साहन देना आरम्भ किया। उर्दू कोर्ट की भाषा थी और कोर्ट की भाषा उनके शब्दों में 'सबसे अधिक कैशनेबिल' मानी जाती है। अंग्रेजों का यह काम हिन्दी पर कुठाराघात सा हुआ। उस समय की हिन्दी की संकटमय अवस्था का वर्णन करते हुए बाबू बाल-मुकुन्द गुप्त ने दुख के साथ कहा है—“जो लोग नागरी अक्षर सीखते थे, वह फारसी अक्षर सीखने पर विवश हुए और हिन्दी भाषा हिन्दी न रह कर उर्दू बन गई। हिन्दी उस भाषा का नाम रहा जो टूटी फूटी चाल पर देवनागरी अक्षरों में लिखी जाती थी।”

‘प्रजाहितैषी’, ‘सुधाकर’, ‘ज्ञानप्रदायिनी पत्रिका’ आदि ने हिन्दी की रक्षा करने के लिए एक आन्दोलन चलाया पर इन पत्र-पत्रिकाओं की भाषा ध्यान से देखने से साफ हो जाता है कि उनका नजरिया संस्कृतमय था। राजा लक्ष्मण प्रसाद सिंह ने आगे बढ़कर यह कहा कि हिन्दी में संस्कृत के शब्द बहुत आते हैं, उर्दू में अरबी-फारसी के। कुछ आवश्यक नहीं है कि अरबी फारसी के शब्दों के बिना हिन्दी न बोली जाय, और न हम उस भाषा को हिन्दी कहते हैं जिनमें अरबी फारसी के शब्द भरे हों।’ उधर उर्दू को अंग्रेजी सरकार ने प्रोत्साहन दिया और इधर यूरोपियन ईसाई पादरियों ने राजा लक्ष्मण सिंह और उनके साथियों की अरबी फारसी के शब्दों को हटाकर उनकी जगह संस्कृत शब्द रखने के प्रयास को सहायता पहुँचाई।

सौभाग्य से हिन्दी और उर्दू दोनों के विद्वानों ने अंग्रेजों की चाल समझ ली। सर सैयद अहमद, मौलाना सलीम आदि ने उर्दू को हिन्दी के निकट लाने की कोशिश की, और भारतेन्दु हरिश्चन्द्र और उनके लेखक मण्डल ने हिन्दी को उर्दू के नजदीक पहुँचाने की कोशिश की। सन् 1903

तक गयी जिस समय क्लेरिफिकेशन ने हिन्दी और उर्दू में अलग अलग रचना करने की आज्ञा दी थी। इसके बाद हिन्दी के विद्वानों ने विदेशी शब्दों का बहिष्कार किया, और उर्दू के विद्वानों ने देशज शब्दों का। हिन्दी और उर्दू अलग अलग भाषाएँ हो गईं। गिलकाइस्ट की ही अज्ञानता में हिन्दी उर्दू संघर्ष का श्रीगणेश हुआ। अंग्रेजों ने हिन्दी और मुसलमानों में फूट डालने का प्रयास भाषा के द्वारा भी किया। वे जानते थे कि बाह्य अनेक रूपता के होते हुए भी दोनों में कैसी समानता है। यही समानता भारतीय एकता का मौलिक आधार थी। यही कारण था कि उन्होंने एकता की शृङ्खलाएँ तोड़ डालीं। संस्कृत के परित्यक्त और अरबी के आलिम भाषा का नेतृत्व करने लगे। अरबी फारसीवाँ आलिमों की मेहरबानी से उर्दू में अरबी फारसी के मुशकिल शब्दों और संस्कृतशब्दों की कृपा से हिन्दी में छिप्ट शब्दों की भरमार होने लगी। थोड़े ही दिनों में दोनों भाषाएँ बहुत अलग जा पड़ीं।

शुरू में अंग्रेजों ने उर्दू को प्रोत्साहन देना आरम्भ किया। उर्दू कोर्ट की भाषा थी और कोर्ट की भाषा उनके शब्दों में 'सबसे अधिक कैशनेबिल' मानी जाती है। अंग्रेजों का यह काम हिन्दी पर कुठाराघात सा हुआ। उस समय की हिन्दी की संकटमय अवस्था का वर्णन करते हुए बाबू बाल-मुकुन्द गुप्त ने दुख के साथ कहा है—“जो लोग नागरी अक्षर सीखते थे, वह फारसी अक्षर सीखने पर विवश हुए और हिन्दी भाषा हिन्दी न रह कर उर्दू बन गई। हिन्दी उस भाषा का नाम रहा जो टूटी फूटी चाल पर देवनागरी अक्षरों में लिखी जाती थी।”

‘प्रजाहितैषी’, ‘सुधाकर’, ‘ज्ञानप्रदायिनी पत्रिका’ आदि ने हिन्दी की रक्षा करने के लिए एक आन्दोलन चलाया पर इन पत्र-पत्रिकाओं की भाषा ध्यान से देखने से साफ हो जाता है कि उनका नजरिया संस्कृतमय था। राजा लक्ष्मण प्रसाद सिंह ने आगे बढ़कर यह कहा कि हिन्दी में संस्कृत के शब्द बहुत आते हैं, उर्दू में अरबी-फारसी के। कुछ आवश्यक नहीं है कि अरबी फारसी के शब्दों के बिना हिन्दी न बोली जाय, और न हम उस भाषा को हिन्दी कहते हैं जिनमें अरबी फारसी के शब्द भरे हों।’ उधर उर्दू को अंग्रेजी सरकार ने प्रोत्साहन दिया और इधर यूरोपियन ईसाई पादरियों ने राजा लक्ष्मण सिंह और उनके साथियों की अरबी फारसी के शब्दों को हटाकर उनकी जगह संस्कृत शब्द रखने के प्रयास को सहायता पहुँचाई।

सौभाग्य से हिन्दी और उर्दू दोनों के विद्वानों ने अंग्रेजों की चाल समझ ली। सर सैयद अहमद, मौलाना सलीम आदि ने उर्दू को हिन्दी के निकट लाने की कोशिश की, और भारतेन्दु हरिश्चन्द्र और उनके लेखक मण्डल ने हिन्दी को उर्दू के नजदीक पहुँचाने की कोशिश की। सन् 1903

में १० महावीर प्रसाद द्विवेदी ने 'हिन्दी भाषा और
 उसका साहित्य' शीर्षक लेख में लिखा—“उर्दू कोई भिन्न
 भाषा नहीं, वह भी हिन्दी ही है, उसमें चाहे जितने फारसी
 और अरबी के शब्द भर दें पर जब तक उसकी क्रियायें
 हिन्दी की ही बनी रहती हैं, उसकी रचना हिन्दी ही के
 व्याकरण का अनुसरण करती है, चाहे कोई जो कुछ कहे
 बली और सौदा के काव्यों में जो भाषा है वही तुलसीदास
 और बिहारी के काव्यों में है, 'मेरा बाप' के स्थान पर 'बाप
 मेरा' अथवा 'आपके हुक्म से' के स्थान में 'बहुक्म आपके'
 करने से कहीं भाषा दूसरी हो सकती है ?.....लिखने की
 प्रणाली को बदलने अथवा उसमें किसी अन्य भाषा के
 शब्दों का प्रयोग करने से मुख्य भाषा के अस्तित्व में कदापि
 अन्तर नहीं आ सकता.' पर गिलक्राइस्ट ने जिस फूट का
 'इन्जेक्शन' दिया था उसका जहर, धीरे धीरे हम में से
 बहुतों के नस नस में फैलता गया और अब भी फैल रहा है,
 हाँ, उन विद्वानों और आलिम फ़ाज़िलों को सफलता नहीं
 मिली, पंडित भीमसेन शर्मा ने हिन्दी लेखकों को सलाह
 दी—“संस्कृत भाषा के अग्रगण्य भण्डार में शब्दों की न्यूनता
 नहीं है, हमको चाहिये कि अपनी भाषा की पूर्ति संस्कृत के
 सहारे यथोचित करें, जिन लोगों को जिन विशेष प्रचलित
 अन्य भाषान्तर्गत शब्दों के स्थान में उनसे सर्वथा भिन्न
 संस्कृत शब्दों का व्यवहार करने की रुचि नहीं है उन्हें उसी
 से मिलते हुए संस्कृत शब्दों का वहाँ प्रयोग करना चाहिये.”
 नासिक साहब ने उर्दू बालों के लिये कड़ा नियम बनाकर
 कहा—“उसूल इसका यह रक्खा गया है कि फारसी और
 अरबी अल्फ़ाब जहाँ तक मुकीद मिलें, हिन्दी अलफ़ाज न
 बाँधो (तज़किरा जलबये ख़िज़, हिस्सा दोयम सफ़ा 392).

इसका परिणाम यह हुआ कि हिंदी में तत्सम शब्दों का प्रयोग बढ़ने लगा। विदेशी शब्दों का बहिष्कार किया गया। शिकायत के स्थान पर 'शिक्षा यत्न' दुश्मन के स्थान पर 'दुःशमन', चश्मा को चक्ष्मा', लालटेन के स्थान पर 'हस्तकाचदीपिका' आदि आदि के प्रयोग होने लगे। इसी तरह, पण्डित पद्मसिंह शर्मा के शब्दों में, "उर्दू वाले नये नये मुअररब और मुसररफ अलफाज तक से गुरेरज करते हैं और उनके बजाय अरबी और फारसी की मुस्तनद लुग़ात से इस्तलाहात नौ बनौ से अपने तर्जे तहरीर में ऐसा तसौना पैदा करते हैं कि उनका एक एक फिक्ररा ग़ालिब के बाज़ मुश्किल मिसरे की पेचीदगी पर भी ग़ालिब आ जाता है।" ग़िलाक़ाईस्ट ने हमें जिस ज़हर का घूँट पिलाया उसका परिणाम देखकर २० एडविन प्रबिस ने अपने 'हिन्दी और नागरी प्रचारिणी सभा' शीर्षक लेख में लिखा है—“भाषा की समस्या का विचार छोड़कर इतना जरूर मानना पड़ेगा कि बाज़ारू भाषा की अवस्था चाहे जो हो लेकिन शिक्षित

میں بخت و پہلو پر دوسرا دوسری نے 'ہندی' بھاشا اور اسکا ساتھ ساتھ 'شہر شک' لیکم میں لکھا— "اُردو کوئی بھن بھاشا نہیں۔ وہ بھی ہندی ہی ہے۔ اُس میں چاہے جتنے فارسی اور عربی کے شبد بھردیں پر جب تک اُسکی کوئی بھاشا نہیں کی ہی بنی رہتی ہیں" اُسکی رچنا ہندی ہی کے دیاگون کا انوسن کرتی ہے۔ چاہے کوئی جو کچھ کہے ولی اور سودا کے کاروبار میں جو بھاشا ہے وہی تلسی داس اور بھاری کے کاروبار میں ہے۔ میرا باپ کے استھان پر 'باپ میرا' اتھوا "اپنے حکم سے" کے استھان میں 'بھکم آدے' کرنے سے کہیں بھاشا دوسری ہو سکتی ہے؟ ... لکھنے کی پر نالی کو بدلنے اتھوا اُس میں کسی اتھ بھاشا کے شبدوں کا پربوک کرنے سے مکھیت بھاشا کے استکو میں کدالی اتھر نہیں آسکتا؛ پر گلسکرائسٹ نے جس پھوت کا "انجیکشن" دیا تھا اسکا زھر دھیرے دھیرے ہم میں سے بھوتوں کے نس نس میں پھیلتا گیا اور اب بھی پھیل رہا ہے۔ ہاں، اُن ددانوں اور عالم فاضلوں کو سہلوتا نہیں ملی۔ پنڈت بھوم سین شرما نے ہندی لیکھوں کو صلح دی— "سنسکرت بھاشا کے اکشہ بھندار میں شبدوں کی نہوتنا نہیں ہے۔ ہمکو چاہئے کہ اپنی بھاشا کی پورتی سنسکرت کے سہارے بیتھوت کریں۔ جن لوگوں کو جن وشیش پرچلت اتھ بھاشا تھرگت شبدوں کے استھان میں اُن سے سروٹھا بھن سنسکرت شبدوں کا دیوہار کرنے کی رچی نہیں ہے اُنھیں اُسی سے ملنے ہونے سنسکرت شبدوں کا وہاں پربوک کرنا چاہئے۔" ناسک صاحب نے اُردو والوں کے لئے کڑا نھم بنا کر کہا— "اُصول اُسکا یہ رکھا گیا ہے کہ فارسی اور عربی الفاظ جہاں تک مفہد ملیں، ہندی الفاظ نہ باندھو (تذکرہ جلوۂ خزر، حصہ دوم صفحہ 392)۔

اُسکا پروگرام یہ ہوا کہ ہندی میں تقسم شدہوں کا پرویوگ
 ہونے لگا۔ ودیشی شبدوں کا دھشکار کیا گیا۔ شکایت کے استھان
 پر 'شکشا یعن' دشمن کے استھان پر 'دشمن' چشمہ کو 'چکشہ'۔
 لائقین کے استھان پر 'ہستکا چندیکا' آدی آدی کے پرویوگ ہونے
 لگے۔ اُسی طرح، بلذت، پدم سنگھ شرما کے شبدوں میں "اُردو
 والے نمٹے نمٹے معرب اور مصرف الفاظ تک سے گریز کرتے ہیں
 اور اُنکے بجائے عربی اور فارسی کی مستند لغات سے اصطلاحات
 نہیں بولتے اپنے طرز تحریر میں ایسا تو صنع پیدا کرتے ہیں کہ
 اُنکا ایک ایک فقرہ غالب کے بعض مشکل مصرعے کی پیچیدگی
 پر بھی غالب آجاتا ہے۔" گلسکراپسٹ نے ہمیں جس زہر کا
 گھونٹ پلایا اُسکا پروگرام دیکھ کر دے۔ ایتوں گروس نے اپنے
 'ہندی اور ناگری پرچارنی سیبا' شورشک لیک میں لکھا
 ہے۔ "بھاشا کی سمسیا کا وچار چھوڑ کر اُننا ضرور ماننا
 پڑیگا کہ ہزاروں بھاشا کی اوستھا جو ہو لیکن شکست

لوگوں کے لیے ہندی اور اردو دونوں الگ الگ زبانیں ہیں۔ اس لیے ناگری لپی میں مدد ملتی ہوئی شہدوں سے یہی بہاشا ہندی کی جگہ نہ پڑھائی جا کر ان دونوں زبانوں کی شکشا کا پرہیز کرنا چاہئے۔“

اس طرح ہمیں ظام بنانے کے لیے ہندی اور اردو کو پوری طرح الگ کرنے کی کوششیں ہوتی گئیں۔ آزادی پر اپت کرنے کے بعد اب ہندی اور اردو کو پھر سے ایک جگہ لانا ضروری ہے۔ آئندہ باہری فرق کو ختم کر کے ایکروپٹا لانی ہے۔ ہندی محض ہندیوں کی سہتی نہیں، اردو بھی مسلمانوں کی محض اپنی نہیں۔ پندرہویں ہمار پرادیشک ہندی سامتیہ سہان کے سوانکادھیش کی حیثیت سے راجہ رادھیکارمن پرساد سنگ نے کہا تھا۔ ”اب تک ہندی ستیہناراین کی کھا کی پندھری پاتی رہی، آئے اب مولود شریف کی جلیبیان بھی چکھلی ہوئی۔“ اسی طرح ہمار سرکار کے بہت پورو شکشا سچو ڈاکٹر سید محمود صاحب نے پتلہ میں ”انجمن ترقی“ کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھتے وقت کہا۔ ”یہ مسلمانوں کی سخت غلطی ہے کہ وہ اردو کو اپنی زبان کہتے ہیں۔ ایسا کرنے سے اردو کو جو سارے ملک کی زبان ہے، نقصان پہونچا رہے ہیں۔“

ہندی اور اردو کو ہمیں پھر کٹا جینا کا سنگ بنانا ہے اور نئی ترویجی کی دھارا بہانا ہے۔ یہ کام ہو کیسے؟ اسکے لیے ہندی اردو کے لیکھوں کو ایک منچ پر جمع ہونا اور ایک دوسرے کو سمجھنا ہے۔ یعنی ایک بہاشا کا آدرش پیدا کرنا ہے۔ ٹیکسٹ بک کمیٹی کا سہیوگ پر اپت کر کے اس آدرش کو بچوں تک پہونچانا ہے۔ ہمیں منورتنی میں پڑھورتی کرنا ہے۔

لوگوں کے لیے ہندی اور اردو دونوں الگ الگ زبانیں ہیں۔ اس لیے ناگری لپی میں مدد ملتی ہوئی شہدوں سے یہی بہاشا ہندی کی جگہ نہ پڑھائی جا کر ان دونوں زبانوں کی شکشا کا پرہیز کرنا چاہئے۔“

اس طرح ہمیں ظام بنانے کے لیے ہندی اور اردو کو پوری طرح الگ کرنے کی کوششیں ہوتی گئیں۔ آزادی پر اپت کرنے کے بعد اب ہندی اور اردو کو پھر سے ایک جگہ لانا ضروری ہے۔ آئندہ باہری فرق کو ختم کر کے ایکروپٹا لانی ہے۔ ہندی محض ہندیوں کی سہتی نہیں، اردو بھی مسلمانوں کی محض اپنی نہیں۔ پندرہویں ہمار پرادیشک ہندی سامتیہ سہان کے سوانکادھیش کی حیثیت سے راجہ رادھیکارمن پرساد سنگ نے کہا تھا۔ ”اب تک ہندی ستیہناراین کی کھا کی پندھری پاتی رہی، آئے اب مولود شریف کی جلیبیان بھی چکھلی ہوئی۔“ اسی طرح ہمار سرکار کے بہت پورو شکشا سچو ڈاکٹر سید محمود صاحب نے پتلہ میں ”انجمن ترقی“ کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھتے وقت کہا۔ ”یہ مسلمانوں کی سخت غلطی ہے کہ وہ اردو کو اپنی زبان کہتے ہیں۔ ایسا کرنے سے اردو کو جو سارے ملک کی زبان ہے، نقصان پہونچا رہے ہیں۔“

ہندی اور اردو کو ہمیں پھر کٹا جینا کا سنگ بنانا ہے اور نئی ترویجی کی دھارا بہانا ہے۔ یہ کام ہو کیسے؟ اسکے لیے ہندی اردو کے لیکھوں کو ایک منچ پر جمع ہونا اور ایک دوسرے کو سمجھنا ہے۔ یعنی ایک بہاشا کا آدرش پیدا کرنا ہے۔ ٹیکسٹ بک کمیٹی کا سہیوگ پر اپت کر کے اس آدرش کو بچوں تک پہونچانا ہے۔ ہمیں منورتنی میں پڑھورتی کرنا ہے۔

پ্রেم کچھ نہیں مانگتا۔ بلکہ کچھ نہ کچھ دیتا رہتا ہے۔ پرمہ دیکھ سکتا ہے، کبھی ناراض نہیں ہوتا اور نہ کبھی بدلہ لیتا ہے۔ جہاں پرمہ ہے، وہاں بھگوان بھی ہے۔

—مہاتما گاندھی

پرمہ کچھ نہیں مانگتا بلکہ کچھ نہ کچھ دیتا رہتا ہے۔ پرمہ دیکھ سکتا ہے، کبھی ناراض نہیں ہوتا اور نہ کبھی بدلہ لیتا ہے۔ جہاں پرمہ ہے، وہاں بھگوان بھی ہے۔

—مہاتما گاندھی

शिवाजी की मजबूती नीति

شواجی کی مذہبی نیتی

کتاب: سوانح ۲۰۰۰ ۲۰۰۰ ۲۰۰۰ ۲۰۰۰ ۲۰۰۰ ۲۰۰۰ ۲۰۰۰ ۲۰۰۰ ۲۰۰۰ ۲۰۰۰

سورگندہ سید احمد ایف ایم عبدالعلی

بمبئی کے درجے کے پدے لیکھے مسلمانانِ ہند کا یہ علم خیال ہے کہ شواجی اسلام کا دشمن تھا اور وہ مسلمانوں کا نام و نشان متاثر بھارت میں شدہ ہندو بادشاہت قائم کرنا چاہتا تھا۔ شواجی کے سبب ہندو بادشاہت میں جو کچھ میں نے جانچ پڑتال کی ہے، اُس سے میں اُس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمان بھائیوں کی یہ رائے بالکل غلط ہے۔ شواجی میں مذہبی طرفداری بالکل نہیں تھی اور اگر اُسے بادشاہت قائم کرنے میں کامیابی حاصل ہوتی، تو اُسکی بادشاہت خالص ہندوستانی ہوتی جس میں ہندو اور مسلمان دونوں کو یکساں ادھیکار ہوتے۔ اُسکی بادشاہت مرآتاً بادشاہت ہوتی جسکے جہنم کے نیچے سب دھرم والے امن اور محبت سے رہتے اور جس میں ہندو مسلمانوں کا کوئی فرق نہ کیا جاتا۔

عام طور پر اُنہیں لکھتے ہیں کہ شواجی کے بارے میں طرح کی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں۔ اُسکی اُنہیں ہمیں سکھانا ہے کہ شواجی ہتھیار اور لٹیرا تھا، اُس نے دوستی کا ڈھنگ رچ کر افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی اور وہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ شواجی نے افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی یا نہیں اس سوال پر اب بھی کئی رائے ہیں۔ فرض کیجئے تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لی جائے کہ شواجی نے ایسا کیا، تو بھی اُس سے یہ کہہ سکتا ہو کہ شواجی مسلمانوں کا نام و نشان متاثر دینا چاہتا تھا یا شدہ ہندو بادشاہت قائم کرنا چاہتا تھا؟

عام طور پر اُنہیں لکھتے ہیں کہ شواجی کے بارے میں طرح کی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں۔ اُسکی اُنہیں ہمیں سکھانا ہے کہ شواجی ہتھیار اور لٹیرا تھا، اُس نے دوستی کا ڈھنگ رچ کر افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی اور وہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ شواجی نے افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی یا نہیں اس سوال پر اب بھی کئی رائے ہیں۔ فرض کیجئے تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لی جائے کہ شواجی نے ایسا کیا، تو بھی اُس سے یہ کہہ سکتا ہو کہ شواجی مسلمانوں کا نام و نشان متاثر دینا چاہتا تھا یا شدہ ہندو بادشاہت قائم کرنا چاہتا تھا؟

عام طور پر اُنہیں لکھتے ہیں کہ شواجی کے بارے میں طرح کی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں۔ اُسکی اُنہیں ہمیں سکھانا ہے کہ شواجی ہتھیار اور لٹیرا تھا، اُس نے دوستی کا ڈھنگ رچ کر افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی اور وہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ شواجی نے افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی یا نہیں اس سوال پر اب بھی کئی رائے ہیں۔ فرض کیجئے تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لی جائے کہ شواجی نے ایسا کیا، تو بھی اُس سے یہ کہہ سکتا ہو کہ شواجی مسلمانوں کا نام و نشان متاثر دینا چاہتا تھا یا شدہ ہندو بادشاہت قائم کرنا چاہتا تھا؟

عام طور پر اُنہیں لکھتے ہیں کہ شواجی کے بارے میں طرح کی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں۔ اُسکی اُنہیں ہمیں سکھانا ہے کہ شواجی ہتھیار اور لٹیرا تھا، اُس نے دوستی کا ڈھنگ رچ کر افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی اور وہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ شواجی نے افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی یا نہیں اس سوال پر اب بھی کئی رائے ہیں۔ فرض کیجئے تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لی جائے کہ شواجی نے ایسا کیا، تو بھی اُس سے یہ کہہ سکتا ہو کہ شواجی مسلمانوں کا نام و نشان متاثر دینا چاہتا تھا یا شدہ ہندو بادشاہت قائم کرنا چاہتا تھا؟

عام طور پر اُنہیں لکھتے ہیں کہ شواجی کے بارے میں طرح کی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں۔ اُسکی اُنہیں ہمیں سکھانا ہے کہ شواجی ہتھیار اور لٹیرا تھا، اُس نے دوستی کا ڈھنگ رچ کر افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی اور وہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ شواجی نے افضل خان کی دھوکے سے ہتھیار کی یا نہیں اس سوال پر اب بھی کئی رائے ہیں۔ فرض کیجئے تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لی جائے کہ شواجی نے ایسا کیا، تو بھی اُس سے یہ کہہ سکتا ہو کہ شواجی مسلمانوں کا نام و نشان متاثر دینا چاہتا تھا یا شدہ ہندو بادشاہت قائم کرنا چاہتا تھا؟

وہ نے اپنے سامنے بڑا بڑا ہوا تھا۔ وہ سبھی کے لیے تھا۔ لیکن اس نے اپنے سامنے ہی سہا ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو لوت لیا کرتا تھا، لیکن اس نے اس کے سامنے ہی سہا ہے کہ اس نے اپنے سینکڑوں کے لیے یہ نیم بنا دیا تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی لوت مار کریں وہاں قرآن شریف کی، مسجدوں کی اور کسی کی بہو بیٹھوں کی بے عزتی نہ کریں۔ جب کبھی قرآن شریف کی کوئی پڑتی آئے ہاتھ میں پڑ جاتی تو وہ اسے بڑی عزت سے رکھتا تھا اور اپنے کسی مسلمان اہلوائی کو بھونک دیتا تھا۔“

اس نے لکھا ہے—

ایک دوسرے مسلمان ایتھاس لیکھک بشیر الدین احمد نے اپنی پستک ’بیجاپور کی تاریخ‘ میں کئی خان کے بیان کی تائید کی ہے۔ اُس نے لکھا ہے—

”شواجی میں بہت سے اچھے گن تھے۔ مسلمان ایتھاس لیکھکوں کا کہنا ہے کہ وہ قرآن شریف کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مسجدوں کو وہ پاک ستھکر اُنکا سنان کرتا تھا۔ آستریوں اور بچوں کی طرف اُس کا ہر تلو بے حد تعریف کے قابل رہا۔ شواجی کا نام ہندستان کے ایتھاس میں سدا امر رہیگا۔“

بشیر الدین احمد نے اپنی اس پستک میں آگے چل کر لکھا ہے—

”جن لوگوں نے شواجی کے جہوں کا ادھیں (مطالعہ) کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ کیسا بدھیمان، بہادر اور محنتی آدمی تھا۔ دوراندیشی، قابلیت، دربا دلی، بہادری، ہمت، محنت اور مردانگی اُس کے قدرتی گن تھے۔ کچھ لوگ اسے ڈاؤ، تھرا اور دھوکے باز کہتے ہیں؛ لیکن اُسکی زندگی ہمیں کچھ اور ہی بتاتی ہے۔ اُن دنوں لوت مار کرنا اور آگ لگا دینا بڑی معمولی سی بات تھی۔ وہی دھوکے بازی، سو جنگ میں کون دشمن کو دھوکا دینا نہیں چاہتا؟ شمشت پھانسا میں دھوکے بازی کو ہی کورت نیکیا کہتے ہیں۔ شواجی کی بہادری کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایک سادھان دیکتی ہوتے ہوئے اُس نے محل سمراٹ تھا عادل شاہی سلطان کے ناک میں دم کر دیا تھا۔ کبھی وہ عادل شاہی والوں سے ملکر مغلوں کے راجیہ میں لوت مار کرنے لگتا تھا اور کبھی مغلوں کی اور ملکر بیجاپور کے راجیہ میں لوت پاک مچا دیتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ جدر جاتا تھا، کسی کو اُس سے ٹکر لینے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ 25 برس تک اُسے دونوں سے لپھا لیا اور سن 1091 ہجری یعنی 1680 عیسوی میں وہ ویروں کے لوت کو کچھ کر گیا۔“

یہ بات بڑی مشہور ہے کہ شواجی رنگاری ضلع میں ہنگوت کے نکمے رہے۔ والے ہانا پاتھ نامک ایک مسلمان فقیر کا پکا بھکت تھا۔ اُس کی سہنا ہی میں

”جن لوگوں نے شواجی کے جہوں کا ادھیں (مطالعہ) کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ کیسا بدھیمان، بہادر اور محنتی آدمی تھا۔ دوراندیشی، قابلیت، دربا دلی، بہادری، ہمت، محنت اور مردانگی اُس کے قدرتی گن تھے۔ کچھ لوگ اسے ڈاؤ، تھرا اور دھوکے باز کہتے ہیں؛ لیکن اُسکی زندگی ہمیں کچھ اور ہی بتاتی ہے۔ اُن دنوں لوت مار کرنا اور آگ لگا دینا بڑی معمولی سی بات تھی۔ وہی دھوکے بازی، سو جنگ میں کون دشمن کو دھوکا دینا نہیں چاہتا؟ شمشت پھانسا میں دھوکے بازی کو ہی کورت نیکیا کہتے ہیں۔ شواجی کی بہادری کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایک سادھان دیکتی ہوتے ہوئے اُس نے محل سمراٹ تھا عادل شاہی سلطان کے ناک میں دم کر دیا تھا۔ کبھی وہ عادل شاہی والوں سے ملکر مغلوں کے راجیہ میں لوت مار کرنے لگتا تھا اور کبھی مغلوں کی اور ملکر بیجاپور کے راجیہ میں لوت پاک مچا دیتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ جدر جاتا تھا، کسی کو اُس سے ٹکر لینے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ 25 برس تک اُسے دونوں سے لپھا لیا اور سن 1091 ہجری یعنی 1680 عیسوی میں وہ ویروں کے لوت کو کچھ کر گیا۔“

نہیں، بلکہ شمس ویاہگ میں بھی اچھے اچھے پندوں پر انیک مسلمان کرسچناری تھے۔ اُس کے منشی کا نام قاضی حیدر تھا۔ شوالی سبھا جی کے راجا ہونے پر اُس نے مرانہوں کی نوکری چھوڑ کر منہوں کی نوکری کر لی تھی اور کچھ سمئے بعد وہ مثل سامراجہ کا پردھان قاضی ہو گیا تھا۔

سورگھ شری گشی ناتھ تھلنگ نے اپنے ایک لیکم میں لکھا تھا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں شوالی نے مندروں، مٹھوں کی رکشا کی تھی، وہیں اُس نے مسجدوں، یھروں آدمی کو ملنے والی سرکاری سہائیا بھی بند نہیں کی تھی۔" اپنے اس کہن کے سورتھن میں انہوں نے کئی یورپیوں لیکھوں کا حوالہ دیا ہے۔ اُن نشپھش ویدیہی لیکھوں کی بات کو مان لینے میں اتھاس کے ویدیارتھیں کو کسی طرح کا سنکوج نہ کرنا چاہیئے۔

خود اورنگزیب کے شوالی کے نام لکھے ہوئے پانچ پتر ابھی تک موجود ہیں اور ستارا کے عجائب گھر میں پارس نیس کے سنکرہ میں سورکشت ہیں۔ انمیں سے کئی پتر افضل خاں کے بدھ کے پشچات لکھے گئے تھے اور اُن سب پتروں میں اورنگزیب نے شوالی کو 'مطوع الاسلام' ارتھات اسلام کا اکیاں کاری لکھا ہے۔ اُن سب پرمانوں کے رھنے ہوئے کیا کوئی بھی مسجددار آدمی اُس نتیجے پر پھونچ سکتا ہے کہ شوالی مسلمانوں سے نفرت کرنا تھا، اُن کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا اور بھارت میں شدہ ہلدو راجہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا؟

خود اورنگزیب کے شوالی کے نام لکھے ہوئے پانچ پتر ابھی تک موجود ہیں اور ستارا کے عجائب گھر میں پارس نیس کے سنکرہ میں سورکشت ہیں۔ انمیں سے کئی پتر افضل خاں کے بدھ کے پشچات لکھے گئے تھے اور اُن سب پتروں میں اورنگزیب نے شوالی کو 'مطوع الاسلام' ارتھات اسلام کا اکیاں کاری لکھا ہے۔ اُن سب پرمانوں کے رھنے ہوئے کیا کوئی بھی مسجددار آدمی اُس نتیجے پر پھونچ سکتا ہے کہ شوالی مسلمانوں سے نفرت کرنا تھا، اُن کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا اور بھارت میں شدہ ہلدو راجہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا؟

خود اورنگزیب کے شوالی کے نام لکھے ہوئے پانچ پتر ابھی تک موجود ہیں اور ستارا کے عجائب گھر میں پارس نیس کے سنکرہ میں سورکشت ہیں۔ انمیں سے کئی پتر افضل خاں کے بدھ کے پشچات لکھے گئے تھے اور اُن سب پتروں میں اورنگزیب نے شوالی کو 'مطوع الاسلام' ارتھات اسلام کا اکیاں کاری لکھا ہے۔ اُن سب پرمانوں کے رھنے ہوئے کیا کوئی بھی مسجددار آدمی اُس نتیجے پر پھونچ سکتا ہے کہ شوالی مسلمانوں سے نفرت کرنا تھا، اُن کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا اور بھارت میں شدہ ہلدو راجہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا؟

".....میں تو رامراج یا نی دینیا میں ईश्वर के राज का सपना देखता हूँ, वही आजादी है. स्वर्ग में यह राज कैसा होगा, सो मैं नहीं जानता. बहुत दूर की चीज जानने की मुझे इच्छा भी नहीं है. अगर वर्तमान (हाल) दिल को काफ़ी अच्छा लगता हो, तो भविष्य (मुस्तक़बल) उससे बहुत अलग नहीं हो सकता.

"इसलिये राजनैतिक, आर्थिक और नैतिक (अखलाकी) चीनों तरह की आजादी ही सच्ची आजादी है....."

—महात्मा गांधी

".....میں تو رام راج یعنی دنیاء میں ایشور کے راج کا سہنا دیکھتا ہوں۔ وہی آزادی ہے۔ سرگ میں یہ راج کیسا ہوگا۔ سو میں نہیں جانتا۔ بہت دور کی چیز جاننے کی مجھے اچھا بھی نہیں ہے۔ اگر ورتمان (حال) دل کو کافی اچھا لگتا ہو، تو بھوشیہ (مستقبل) اُس سے بہت الگ نہیں ہو سکتا۔

"اِس لئے راج نیتک، آرٹھک اور نیتک (اخلاقی) نیتوں طرح کی آزادی ہی سچی آزادی ہے....."

—مہاتما گاندھی

آلہمگیر کا وصیتنامہ

عالمگیر کا وصیتنامہ

شیخ الاسلامیہ کربلائیہ

شہر کربلائیہ کربلائیہ

سلاطین آلہمگیر ہمارے کے ظالم بادشاہوں میں سے ایک گنا جاتا ہے۔ لیکن جہاں ایک اور اُس نے اپنے پتا شاہجہاں کو قتل کر دیا اور بھائیوں کو قتل کیا، وہاں دوسری اور وہ قربانی، سداچار اور کھور چھوٹی کی پڑی مورتی سمجھا جاتا ہے۔ یعنی ایک اور وہ زبردست سوچاچار تھا تو دوسری اور غریبی اور سمرا سے بھرا ہوا۔ پرجا کی گڑھی بھائی کا ایک پیسہ بھی اپنے سواروں کے لئے خرچ کرنے کو وہ چاہ سمجھا تھا۔ ٹہنی سی کر اور قرآن لکھ کر وہ اپنا بیٹ پالتا تھا۔ دنیا کے بڑے سے بڑے سمراؤں میں اُس کی گنتی تھی۔ اُس کا خزانہ ہیرے جواہرات سے لبالب تھا۔ لیکن نمک اور باجرے کی روٹی ہی پر وہ اپنا جیون کاٹتا تھا۔ وہ اپنی سلطنت کو 'خداداد' مانتا تھا۔ مرنے سے پہلے سمراٹ عالمگیر نے جو وصیت کی ہے، اُسے دیکھ کر ہم اُس مہمان سمراٹ کے آخری دنوں کی مانسک حالت کو بھلی بھانٹی سمجھ سکتے ہیں۔ وصیت کی دھارائیں یہ ہیں—

(1) بھائیوں میں ڈوبا ہوا ہونے سے ہونہار، بلی ہونہار ہونے کی درگاہ پر ایک چادر چھانا چاہتا ہوں، کیونکہ جو شہنشاہ پاک کی نئی میں ڈوبا گیا ہے، اسے رخصت اور کھما کے ہنڈار کے پاس جا کر کھما کی مہک ماؤگنے کے سوا ہی اور کیا سہارا ہے۔ اس پاک کام کے لئے میں نے اپنی کھما کا روپا اپنے اپنے بچے محمد اعظم کے پاس رکھ دیا ہے۔ اُس سے لیکر یہ چادر دیا ہے۔ اس سے لیکر یہ چادر چھائی دی جائے۔

(2) دوپٹوں کی سٹلائی کر کے میں نے چار روپے دو آئے جمع کئے ہیں۔ یہ رقم محالدار لالہ بی بی کے پاس جمع ہے۔ اس رقم سے مجھے گنہگار پائی کا کفن خریدنا چاہئے۔

(3) قرآن شریف کی نقل کر کے میں نے تین سو پانچ روپے اکٹھے کئے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد وہ رقم تقیروں میں بانٹ دی جائے۔ یہ پاک پیسہ ہے، اُس لئے اسے میرے کفن یا کسی بھی دوسری ضروری چیز پر نہ خرچ کیا جائے۔

(4) نیک راہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جانے والے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے مجھے کھلی جگہ پر دفنانا اور میرا سر کھلے رکھ دینا، کیونکہ اُس مہمان شہنشاہ پروردگار عالم کے دربار میں جب کوئی پائی نیک سر جاتا ہے تو اُسے ضرور دیا جاتی ہوگی۔

سمراٹ عالمگیر ہمارے کے ظالم بادشاہوں میں سے ایک گنا جاتا ہے۔ لیکن جہاں ایک اور اُس نے اپنے پتا شاہجہاں کو قتل کر دیا اور بھائیوں کو قتل کیا، وہاں دوسری اور وہ قربانی، سداچار اور کھور چھوٹی کی پڑی مورتی سمجھا جاتا ہے۔ یعنی ایک اور وہ زبردست سوچاچار تھا تو دوسری اور غریبی اور سمرا سے بھرا ہوا۔ پرجا کی گڑھی بھائی کا ایک پیسہ بھی اپنے سواروں کے لئے خرچ کرنے کو وہ چاہ سمجھا تھا۔ ٹہنی سی کر اور قرآن لکھ کر وہ اپنا بیٹ پالتا تھا۔ دنیا کے بڑے سے بڑے سمراؤں میں اُس کی گنتی تھی۔ اُس کا خزانہ ہیرے جواہرات سے لبالب تھا۔ لیکن نمک اور باجرے کی روٹی ہی پر وہ اپنا جیون کاٹتا تھا۔ وہ اپنی سلطنت کو 'خداداد' مانتا تھا۔ مرنے سے پہلے سمراٹ عالمگیر نے جو وصیت کی ہے، اُسے دیکھ کر ہم اُس مہمان سمراٹ کے آخری دنوں کی مانسک حالت کو بھلی بھانٹی سمجھ سکتے ہیں۔ وصیت کی دھارائیں یہ ہیں—

(1) بھائیوں میں ڈوبا ہوا ہونے سے ہونہار، بلی ہونہار ہونے کی درگاہ پر ایک چادر چھانا چاہتا ہوں، کیونکہ جو شخص پاک کی نئی میں ڈوبا گیا ہے، اسے رخصت اور کھما کے ہنڈار کے پاس جا کر کھما کی مہک ماؤگنے کے سوا ہی اور کیا سہارا ہے۔ اس پاک کام کے لئے میں نے اپنی کھما کا روپا اپنے اپنے بچے محمد اعظم کے پاس رکھ دیا ہے۔ اُس سے لیکر یہ چادر دیا ہے۔ اس سے لیکر یہ چادر چھائی دی جائے۔

(2) دوپٹوں کی سٹلائی کر کے میں نے چار روپے دو آئے جمع کئے ہیں۔ یہ رقم محالدار لالہ بی بی کے پاس جمع ہے۔ اس رقم سے مجھے گنہگار پائی کا کفن خریدنا چاہئے۔

(3) قرآن شریف کی نقل کر کے میں نے تین سو پانچ روپے اکٹھے کئے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد وہ رقم تقیروں میں بانٹ دی جائے۔ یہ پاک پیسہ ہے، اُس لئے اسے میرے کفن یا کسی بھی دوسری ضروری چیز پر نہ خرچ کیا جائے۔

(4) نیک راہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جانے والے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے مجھے کھلی جگہ پر دفنانا اور میرا سر کھلے رکھ دینا، کیونکہ اُس مہمان شہنشاہ پروردگار عالم کے دربار میں جب کوئی پائی نیک سر جاتا ہے تو اُسے ضرور دیا جاتی ہوگی۔

(5) میری جگہ کو کھڑے سے سنبھل کر کپڑے سے ڈھک دینا۔ پھر یا کھڑی نہیں لگانا، نہ گاڑے باجے کے ساتھ جلسہ نکالنا اور نہ مولود کرنا۔

(6) اپنے کھلمبوں کی مدد کرنا اور ان کی عزت کرنا۔ قرآن شریف کی آیت ہے—پرانی ماتر سے پرہیز کرو۔ میرے بھتیجے! یہی تمہیں میری ہدایت ہے۔ یہی پیغمبر کا حکم ہے۔ اس کا انعام اگر تمہیں اس زندگی میں نہیں تو اگلی زندگی میں ضرور ملے گا۔

(7) اپنے کھلمبوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ تمہیں یہ بات بھی دھیان میں رکھنی ہوگی کہ ان کی طاقت اتنی زیادہ نہ ہو کہ اُس سے حکومت کو خطرہ ہو جائے۔

(8) میرے بھتیجے! حکومت کی باگدور مضبوطی سے اگر پکڑے رہو گے تو تمام بدنامیوں سے بچ جاؤ گے۔

(9) بادشاہ کو اپنی حکومت میں چاروں آہر دہرا کرتے رہنا چاہیے۔ بادشاہ کو کبھی ایک مسکام پر نہیں رہنا چاہیے۔ ایک جگہ رہنے سے آرام تو ضرور ملتا ہے، لیکن کئی طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(10) اپنے بھتیجوں پر کبھی بھول کر بھی اعتبار نہ کرنا، نہ ان کے ساتھ کبھی نزدیکی تعلق رکھنا۔

(11) بادشاہ کو اپنی حکومت میں چاروں آہر دہرا کرتے رہنا چاہیے۔ بادشاہ کو کبھی ایک مسکام پر نہیں رہنا چاہیے۔ ایک جگہ رہنے سے آرام تو ضرور ملتا ہے، لیکن کئی طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(12) بادشاہ کو اپنی حکومت میں چاروں آہر دہرا کرتے رہنا چاہیے۔ بادشاہ کو کبھی ایک مسکام پر نہیں رہنا چاہیے۔ ایک جگہ رہنے سے آرام تو ضرور ملتا ہے، لیکن کئی طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہ ہے مختصر میں سمرات عالمگیر کا وصیت نامہ۔ اس وصیت نامے کی دھاروں کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ سمرات کو اپنے اہل و عیال میں اپنے پتا کو قید کرنے، اپنے بھائیوں کو قتل کرنے اور اپنی سوتیلی بہن چارباہ پر دلی انیسوس اور ملال تھا۔

اسی وصیت نامہ کے مطابق اورنگ آباد کے نیک خلد آباد نامک چوٹ سے گلوں میں، جو عالمگیر کا مقبرہ بنایا گیا، اس میں اُسے سپردہ سادہ طریقہ سے دفن کیا گیا۔ اُس کی قبر کچھ مٹی کی پٹی گئی، جس پر اُس کے سوانہ کوئی دوسری چھت نہیں رکھی گئی۔ قبر کے مجاور اُس کی قبر پر جب شب ہری دوب لگا دیتے ہیں۔ اسی کچھ مزار میں پڑا ہوا بھارت کا یہ مہان سمرات روز محشر کے دن تک اپنے اللہ سے روبرو ہونے کے انتظار میں ہے۔

(5) میری جگہ کو کھڑے سے سنبھل کر کپڑے سے ڈھک دینا۔ پھر یا کھڑی نہیں لگانا، نہ گاڑے باجے کے ساتھ جلسہ نکالنا اور نہ مولود کرنا۔

(6) اپنے کھلمبوں کی مدد کرنا اور ان کی عزت کرنا۔ قرآن شریف کی آیت ہے—پرانی ماتر سے پرہیز کرو۔ میرے بھتیجے! یہی تمہیں میری ہدایت ہے۔ یہی پیغمبر کا حکم ہے۔ اس کا انعام اگر تمہیں اس زندگی میں نہیں تو اگلی زندگی میں ضرور ملے گا۔

(7) اپنے کھلمبوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ تمہیں یہ بات بھی دھیان میں رکھنی ہوگی کہ ان کی طاقت اتنی زیادہ نہ ہو کہ اُس سے حکومت کو خطرہ ہو جائے۔

(8) میرے بھتیجے! حکومت کی باگدور مضبوطی سے اگر پکڑے رہو گے تو تمام بدنامیوں سے بچ جاؤ گے۔

(9) بادشاہ کو اپنی حکومت میں چاروں آہر دہرا کرتے رہنا چاہیے۔ بادشاہ کو کبھی ایک مسکام پر نہیں رہنا چاہیے۔ ایک جگہ رہنے سے آرام تو ضرور ملتا ہے، لیکن کئی طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(10) اپنے بھتیجوں پر کبھی بھول کر بھی اعتبار نہ کرنا، نہ ان کے ساتھ کبھی نزدیکی تعلق رکھنا۔

(11) بادشاہ کو اپنی حکومت میں چاروں آہر دہرا کرتے رہنا چاہیے۔ بادشاہ کو کبھی ایک مسکام پر نہیں رہنا چاہیے۔ ایک جگہ رہنے سے آرام تو ضرور ملتا ہے، لیکن کئی طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(12) بادشاہ کو اپنی حکومت میں چاروں آہر دہرا کرتے رہنا چاہیے۔ بادشاہ کو کبھی ایک مسکام پر نہیں رہنا چاہیے۔ ایک جگہ رہنے سے آرام تو ضرور ملتا ہے، لیکن کئی طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہ ہے مختصر میں سمرات عالمگیر کا وصیت نامہ۔ اس وصیت نامے کی دھاروں کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ سمرات کو اپنے اہل و عیال میں اپنے پتا کو قید کرنے، اپنے بھائیوں کو قتل کرنے اور اپنی سوتیلی بہن چارباہ پر دلی انیسوس اور ملال تھا۔

اسی وصیت نامہ کے مطابق اورنگ آباد کے نیک خلد آباد نامک چوٹ سے گلوں میں، جو عالمگیر کا مقبرہ بنایا گیا، اس میں اُسے سپردہ سادہ طریقہ سے دفن کیا گیا۔ اُس کی قبر کچھ مٹی کی پٹی گئی، جس پر اُس کے سوانہ کوئی دوسری چھت نہیں رکھی گئی۔ قبر کے مجاور اُس کی قبر پر جب شب ہری دوب لگا دیتے ہیں۔ اسی کچھ مزار میں پڑا ہوا بھارت کا یہ مہان سمرات روز محشر کے دن تک اپنے اللہ سے روبرو ہونے کے انتظار میں ہے۔

اپنے بھائی معظم شاہ کو اس نے مرنے کے پہلے جو خط لکھا
اس میں لکھا—

”بادشاہوں کو کبھی آرام یا عیش و عشرت کی زندگی نہیں بتائی جائے۔ یہ غیر مردانگی کی علامت ہی ملکوں اور بادشاہوں کی ہر پاداشی کی وجہ ثابت ہوئی ہے۔ بادشاہوں کو اپنی حکومت میں نشیمن چیزوں اور شراب پیچلہ یا پیلہ کی کبھی اجازت نہ دینی چاہئے۔ اس سے رعایا کا چہرہ ٹھنک جاتا ہے۔ اس من کی آمدنی کو تو ہمیں حرام سمجھنا چاہئے۔“

اپنے ہمارس کے صوبہ دار کے نام ایک خط میں عالمگیر لکھتا ہے۔

”اپنی ہلدی دھاریا کے ساتھ ظالم نہ کرنا۔ اُن کے ساتھ دھرمک اُدرتا ہوتا اور اُن کی دھرمک بھاونوں کا لحاظ کرنا۔“

عالمگیر منشیہ منشیہ کے بیچ کے فرق کو اللہ کی نظروں میں گناہ سمجھتا تھا۔ شامعہاں جب تخت پر تھا تو ایک ہار اس نے عالمگیر سے شکایت کی کہ اُسے شہزادے کی حیثیت سے چورنگے بڑے سب سے ایک طرح نہیں ملنا چاہئے۔ اس پر عالمگیر نے اپنے باپ کی ہر طرح عزت کرتے ہوئے جواب دیا۔

”لوگوں کے ساتھ میرا براہِری کا ہرناؤِ اسلام کے اصولوں کے مطابق ہے۔ اسلام کے پیغمبر نے کبھی اپنی زندگی میں چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں کی۔ خدا کی نظروں میں سب انسان برابر ہیں۔ اس لئے میں آپ کی اکیس مانند میں اپنے کو لاجار ہانا ہوں۔“

ایسا تھا وہ بادشاہ جس پر ایتھاس نے ایک کالی چادر
 ڈال رکھی تھی اور جس کے متعلق عام بڑے لکھے آدمی کے دل
 میں ظلم کی ایک خوفناک تصویر کھینچی ہوئی تھی۔
 جیسے جیسے جانچ پڑتال کی تیز آنکھیں بیکہ زمانے
 کے پردے کو ہٹاتی جاتی ہیں، ویسے ویسے ہمیں سمراٹ عالمکھڑ کے
 جھون کے سندر پہلو بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

”.....سکھا کر ایک ایسی تلوار ہے جس کے سب طرف دھار ہے۔ اُسے جیسے چاہو ویسے کام میں لیا جاسکتا ہے۔ کام میں لانے والا اور جس پر وہ کام میں لائی جاتی ہے، دونوں اُس سے سکھی ہوتے ہیں۔ خون نہ بہا کر بھی وہ بڑی کارگر ہوتی ہے۔ اُس پر نہ تو کبھی رنگ لگتا ہے، اور نہ کوئی اُسے چر اُھی سکتا ہے.....“

—مہاتما گاندھی

ہماری خوراک میں ترکاریوں کی جگہ

ہماری خوراک میں ترکاریوں کی جگہ

شری ماتی شانتا پانڈے

شری ماتی شانتا پانڈے

ہم ہندوستانیوں کے رोज کے خانے میں ترکاریوں کی ایک خاص جگہ ہے۔ ہماری گृہدھریاں ترہ ترہ کے ساگ سبزیوں سے بوجن کو زیادہ سے زیادہ لذیذ اور سوادشٹ بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ بڑے لکھ لوگوں کی ہوک تو روچک اور لذیذ ترکاریاں دیکھ کر ہی جاگتی ہے۔ ہم لوگ ترکاریاں سواد کے لحاظ سے ہی کھاتے ہیں اور ہم جانتے ہی نہیں کہ یہ ترکاریاں ہماری پاچن شکتی کو درست رکھنے کی کتنی کوشش کرتی ہیں۔ ادھر کچھ دنوں سے ہم نے بوجن کے اندر ترکاریوں کی اہمیت کو سمجھنا شروع کیا ہے پر ابھی تک ہمارے روز کے بوجن میں ترکاریوں کو، انکی اہمیت کے لحاظ سے، ٹھیک جگہ نہیں ملی ہے۔

اب نئی نئی خوراکوں کی روشنی میں ترکاریاں ہمارے بوجن کا بہتر پورن انگ بنتی جا رہی ہیں۔ لوگ یہ جان گئے ہیں کہ ترکاریوں کے اندر کھنچ درویہ اور وٹامن ہوتے ہیں۔ یہ بھی لوگ جان رہے ہیں کہ ترکاریوں میں اسٹارچ (میداء) شکر اور تھوڑی مقدار میں پروٹین اور سیلولوز بھی ہوتے ہیں۔

موتے طور پر ترکاریاں دو شریٹوں میں بانٹی جاسکتی ہیں—

(1) وہ ترکاریاں جنہیں پانی کا انش زیادہ ہے اور اسٹارچ کم، جیسے—ٹماٹر، گوہی، کرمکھلا، ساجن، سلاڈ، خیرا برہرہ۔

(2) وہ ترکاریاں جنہیں اسٹارچ اور شکر اہک مقدار میں ہیں، جیسے—آلو، شکرند، گاجر، مٹر، چکندر، کدو، پٹا، لؤکی، کچا کلا، برہرہ۔ سواد کے لحاظ سے بھی ترکاریوں کا وگیکرن کیا جاسکتا ہے۔ کچھ ترکاریوں میں فاسفورس (گنڈک) زیادہ ہوتا ہے، جس کے سواد کو کھل لوگ پسند کرتے ہیں اور کھل نہیں دیتے۔ اس کے لحاظ سے کیا جاسکتا ہے، جیسے—(1) پٹیل—ان میں کئی مقدار اسٹارچ، شکر اور چکنائی کی ہوتی ہے۔ بڑے کام کے کھنچ درویہ اور وٹامن بھی ہوتے ہیں اور پروٹین بھی تھوڑی مقدار میں رہتا ہے۔

اب نئی نئی کھجوں کی روشنی میں ترکاریاں ہمارے بوجن کا بہتر پورن انگ بنتی جا رہی ہیں۔ لوگ یہ جان گئے ہیں کہ ترکاریوں کے اندر کھنچ درویہ اور وٹامن ہوتے ہیں۔ یہ بھی لوگ جان رہے ہیں کہ ترکاریوں میں اسٹارچ (میداء) شکر اور تھوڑی مقدار میں پروٹین اور سیلولوز بھی ہوتے ہیں۔

موتے طور پر ترکاریاں دو شریٹوں میں بانٹی جاسکتی ہیں—

(1) وہ ترکاریاں جنہیں پانی کا انش زیادہ ہے اور اسٹارچ کم، جیسے—ٹماٹر، گوہی، کرمکھلا، ساجن، سلاڈ، کھرا وغیرہ۔

(2) وہ ترکاریاں جنہیں اسٹارچ اور شکر اہک مقدار میں ہیں، جیسے—آلو، شکرند، گاجر، مٹر، چکندر، کدو، پٹا، لؤکی، کچا کلا، برہرہ۔ سواد کے لحاظ سے بھی ترکاریوں کا وگیکرن کیا جاسکتا ہے۔ کچھ ترکاریوں میں فاسفورس (گنڈک) زیادہ ہوتا ہے، جس کے سواد کو کھل لوگ پسند کرتے ہیں اور کھل نہیں دیتے۔ اس کے لحاظ سے کیا جاسکتا ہے، جیسے—(1) پٹیل—ان میں کئی مقدار اسٹارچ، شکر اور چکنائی کی ہوتی ہے۔ بڑے کام کے کھنچ درویہ اور وٹامن بھی ہوتے ہیں اور پروٹین بھی تھوڑی مقدار میں رہتا ہے۔

(۲) مٹل—مٹلوں میں مٹی کا سٹارچ، अधिक मिश्रण शर्कर, उपयोगी खनिज द्रव्य और विटामिन होते हैं. इनमें जल, मूली, शक्कर, चुकन्दर मुख्य हैं.

(३) बटल—केवल खनिज द्रव्य पचावा होने के लिये ही बटल पौष्टिक होते हैं. बटलों में खास अज-यन, सहजन, केला, प्याज आदि के बटल हैं.

(४) पत्ते और फूल—इनमें खनिज द्रव्य और विटामिन पाए जाते हैं. इनमें हरा धनिया, करमकला, सहजन के तल, सलाद, पौदीना, मेथी का साग, पालक का साग, गोभी का फूल, हाथीचक आदि खास हैं.

(५) फल—अधिकतर तरकारियाँ इसी भेदी की हैं. मटर, बैंगन, चुकन्दा, लौकी, भिण्डी, कच्चा केला, मिर्च, खी आदि इनमें से कुछ हैं. इनमें प्रोटीन के लवाब तरह तरह के खनिज द्रव्य और विटामिन भी पाए जाते हैं.

(६) कन्द—जो जमीन के नीचे होते हैं, जैसे—आलू, करकन्द, प्याज, बटल, रतालू आदि. इनमें भी स्टार्च, फल, कई महत्वपूर्ण खनिज द्रव्य और विटामिन होते हैं.

तरकारियों में खनिज द्रव्य

तरकारियों में कई तरह के ऐसे खनिज द्रव्य मिलेंगे जो जों में नहीं होते—जैसे कैल्सियम (चूना), फास्फोरस गन्धक), फौलाद आदि. जिस को रोज ही एक खास प्रकार में इन खनिज द्रव्यों की जरूरत होती है, क्योंकि नसे खून बनता है और मज्जा और हड्डियों को ठीक और जख्म रखने के लिये कैल्सियम की सब से अधिक जरूरत शरीर के रसों के बनने में भी कैल्सियम का बहुत बड़ा धान है. कैल्सियम हरी मटर, सेम, भिण्डी, करमकला, खी का साग, अरबी के पत्ते आदि में काफी होता है. दूध भी कैल्सियम होता है और बच्चों का शरीर तरकारियों कैल्सियम को खतनी अच्छी तरह अपने अन्दर नहीं ले जाता जितना दूध के कैल्सियम को. लेकिन बड़े आदमियों का शरीर तरकारियों के कैल्सियम को बहुत अच्छी तरह ग्रहण करता है. निरामिष भोजियों के लिये तरकारियों का कैल्सियम बहुत जरूरी चीज है.

फास्फोरस भी शरीर के जीवित अणुओं (सैल्स) के बनाने और हड्डियों और दाँतों के लिये बहुत मुफीद है. तन्दुरुस्ती के लिये फास्फोरस बेहद जरूरी चीज है. फास्फोरस सेम, मटर, नये आलू, करमकला, पालक, पंजाबा, गोल लौकी, भिण्डी और केले के फूल में बहुत पाया जाता है.

फौलाद शरीर के हर हिस्सा अणु के अन्दर मौजूद और खून बनने में इसकी बेहद जरूरत है. काफी मिश्रण यदि फौलाद हो तो वह अनीमिया (खून की कमी) के

(2) मूल—मूलों में भी थोड़ा स्टार्च, अधिक मिश्रण शर्कर, उपयोगी खनिज द्रव्य और विटामिन होते हैं. इनमें जल, मूली, शक्कर, चुकन्दर मुख्य हैं.

(3) टनल—केवल खनिज द्रव्य पचावा होने के लिये ही टनल पौष्टिक होते हैं. टनलों में खास अज-यन, सहजन, केला, प्याज आदि के टनल हैं.

(4) पत्ते और फूल—इनमें खनिज द्रव्य और विटामिन पाए जाते हैं. इनमें हरा धनिया, करमकला, सहजन के तल, सलाद, पौदीना, मेथी का साग, पालक का साग, गोभी का फूल, हाथीचक आदि खास हैं.

(5) फल—अधिकतर तरकारियाँ इसी भेदी की हैं. मटर, बैंगन, चुकन्दा, लौकी, भिण्डी, कच्चा केला, मिर्च, खी आदि इनमें से कुछ हैं. इनमें प्रोटीन के लवाब तरह तरह के खनिज द्रव्य और विटामिन भी पाए जाते हैं.

(6) कन्द—जो जमीन के नीचे होते हैं, जैसे—आलू, करकन्द, प्याज, बटल, रतालू आदि. इनमें भी स्टार्च, फल, कई महत्वपूर्ण खनिज द्रव्य और विटामिन होते हैं.

तरकारियों में खनिज द्रव्य

तरकारियों में कई तरह के ऐसे खनिज द्रव्य मिलेंगे जो जों में नहीं होते—जैसे कैल्सियम (चूना), फास्फोरस गन्धक), फौलाद आदि. जिस को रोज ही एक खास प्रकार में इन खनिज द्रव्यों की जरूरत होती है, क्योंकि नसे खून बनता है और मज्जा और हड्डियों को ठीक और जख्म रखने के लिये कैल्सियम की सब से अधिक जरूरत शरीर के रसों के बनने में भी कैल्सियम का बहुत बड़ा धान है. कैल्सियम हरी मटर, सेम, भिण्डी, करमकला, खी का साग, अरबी के पत्ते आदि में काफी होता है. दूध भी कैल्सियम होता है और बच्चों का शरीर तरकारियों कैल्सियम को खतनी अच्छी तरह अपने अन्दर नहीं ले जाता जितना दूध के कैल्सियम को. लेकिन बड़े आदमियों का शरीर तरकारियों के कैल्सियम को बहुत अच्छी तरह ग्रहण करता है. निरामिष भोजियों के लिये तरकारियों का कैल्सियम बहुत जरूरी चीज है.

फास्फोरस भी शरीर के जीवित अणुओं (सैल्स) के बनाने और हड्डियों और दाँतों के लिये बहुत मुफीद है. तन्दुरुस्ती के लिये फास्फोरस बेहद जरूरी चीज है. फास्फोरस सेम, मटर, नये आलू, करमकला, पालक, पंजाबा, गोल लौकी, भिण्डी और केले के फूल में बहुत पाया जाता है.

फौलाद शरीर के हर हिस्सा अणु के अन्दर मौजूद और खून बनने में इसकी बेहद जरूरत है. काफी मिश्रण यदि फौलाद हो तो वह अनीमिया (खून की कमी) के

کھانا ایک ضروری ہے۔ ترکاریوں میں بہت بڑی मात्रا میں کھانا ہوتا ہے۔ مٹی کا ساگ، پودینا، دھنیا کی پتی، سلاخ، 'سہجن' کے بڑے ٹکڑے، چوٹی گول لہکی، ہرے پھل، پھل کے بڑے ٹکڑے اور کئی کئی اور۔ یہ سب کچھ کھانا ہے۔ یہ تو ہر روز کھانا ہے۔ لیکن ساگ کا پتہ جتنا ہوا، ملائم اور پکا ہوا اسی انہیں میں اُس میں نوک اور وٹمن بھی زیادہ ہوتے۔ یہی ہم کافی مقدار میں ترکاریاں کھا رہے ہمارے شہر میں کھانا، فاسفورس اور نوک کا اہتمام ہے اور نہ ان کے اہتمام میں ہندو ہونے والی بیماریوں کے ہی ہم شکر ہوں۔

وٹمن اور ترکاریاں

وٹمن اور ترکاریاں

کھانا کھانے کی طرح ترکاریوں میں وٹمن بھی بہت قیمتی چیز ہے۔ ترکاریوں میں 'اے' اور 'سی' وٹمن کافی मात्रا میں ہوتے ہیں اور کچھ حد تک 'بی' گروپ کے وٹمن بھی ہوتے ہیں۔ وٹمن جسم کے مختلف انگوٹوں کو ٹھیک اور صحیح شکل سے کام کرنے لایا کرتے ہیں۔

وٹمن اے—شہر کو جھکا، کھانے کی بیماریوں اور شہر سے بچاتا ہے، شہر کی بدلتی کرتا ہے اور شہر کی مہاشین کو دھوکا دیتا ہے۔ اچھے دانتوں کے بنانے اور اچھے تھنوں کے لیے بھی یہ ضروری ہے۔ یہی ایک وٹمن ہے جو شہر کی چربی میں اور جگر میں جمع کر کے رکھا جاسکتا ہے۔ اس وٹمن کی کمی نہ ہونے پائے اس لیے کافی مقدار میں 'سہجن' ہوا دھنیا، مٹی کا ساگ، پودینہ کی پتی، پاک کا ساگ، صلا، کرم کد اور پیلے اور نانکی رنگ کی ترکاریاں جیسے گاجر، پکا کدو اور دوسری ترکاریاں جیسے چکندر، ہری مٹر، سی، لہکی، رتالو، آدھی، خانی، چاہیے۔ ہری مٹر میں بھی کافی مقدار میں یہ وٹمن ہوتا ہے۔

وٹمن بی—کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ شہر کی انہی، کھلی ہونی، ٹھیک ہاضمہ اور سوسٹہ نروس سسٹم کے لیے بہت ضروری ہیں۔ ترکاریوں میں یہ وٹمن ادھک मात्रا میں نہیں ہوتے۔ یہ بھی کافی مقدار میں ترکاریاں کھانی جاتیں تو کئی طرح کے ان ہی وٹمنوں کی پوری ہوسکتی ہے۔ جڑ والی ترکاریوں میں ہی وٹمن کافی ہوتے ہیں جیسے گاجر، چکندر، اسی۔ ان کے علاوہ ٹماٹر، کرم کد، پالک، گوہی، صلا، مٹی کا ساگ، مٹر اور شلجم میں بھی بہت मात्रا میں ہی وٹمن ہوتے ہیں۔

وٹمن سی—کئی بڑے بڑے بچوں کی خوراک میں یہ حد اہمیت ہے۔ یہ مہبوط دانتوں کے بنانے اور شہر کی بڑھتی کے لیے ضروری ہے۔ کھال اسی سے ملائم اور سوسٹہ رہتی ہے اور یہ رکت و اہلی نرسوں کو درست رکھتا ہے۔

وٹمن سی—کئی بڑے بڑے بچوں کی خوراک میں یہ حد اہمیت ہے۔ یہ مہبوط دانتوں کے بنانے اور شہر کی بڑھتی کے لیے ضروری ہے۔ کھال اسی سے ملائم اور سوسٹہ رہتی ہے اور یہ رکت و اہلی نرسوں کو درست رکھتا ہے۔

وٹمن اے—شہر کو جھکا، کھانے کی بیماریوں اور شہر سے بچاتا ہے، شہر کی بدلتی کرتا ہے اور شہر کی مہاشین کو دھوکا دیتا ہے۔ اچھے دانتوں کے بنانے اور اچھے تھنوں کے لیے بھی یہ ضروری ہے۔ یہی ایک وٹمن ہے جو شہر کی چربی میں اور جگر میں جمع کر کے رکھا جاسکتا ہے۔ اس وٹمن کی کمی نہ ہونے پائے اس لیے کافی مقدار میں 'سہجن' ہوا دھنیا، مٹی کا ساگ، پودینہ کی پتی، پاک کا ساگ، صلا، کرم کد اور پیلے اور نانکی رنگ کی ترکاریاں جیسے گاجر، پکا کدو اور دوسری ترکاریاں جیسے چکندر، ہری مٹر، سی، لہکی، رتالو، آدھی، خانی، چاہیے۔ ہری مٹر میں بھی کافی مقدار میں یہ وٹمن ہوتا ہے۔

وٹمن بی—کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ شہر کی انہی، کھلی ہونی، ٹھیک ہاضمہ اور سوسٹہ نروس سسٹم کے لیے بہت ضروری ہیں۔ ترکاریوں میں یہ وٹمن ادھک मात्रا میں نہیں ہوتے۔ یہ بھی کافی مقدار میں ترکاریاں کھانی جاتیں تو کئی طرح کے ان ہی وٹمنوں کی پوری ہوسکتی ہے۔ جڑ والی ترکاریوں میں ہی وٹمن کافی ہوتے ہیں جیسے گاجر، چکندر، اسی۔ ان کے علاوہ ٹماٹر، کرم کد، پالک، گوہی، صلا، مٹی کا ساگ، مٹر اور شلجم میں بھی بہت मात्रا میں ہی وٹمن ہوتے ہیں۔

وٹمن سی—کئی بڑے بڑے بچوں کی خوراک میں یہ حد اہمیت ہے۔ یہ مہبوط دانتوں کے بنانے اور شہر کی بڑھتی کے لیے ضروری ہے۔ کھال اسی سے ملائم اور سوسٹہ رہتی ہے اور یہ رکت و اہلی نرسوں کو درست رکھتا ہے۔

دماہر، سبزیوں، پھلیوں کی پتی، راکرکرنڈ کی پتی، پالک، کرمکھلا اور ہری میڈی بیج، آدھی چوڑی، سی بیٹیمین کی مانترا میں، ساہدس کالوں پانی سمنتر، ماسمبی میڈا نیو آدھی کا مانترا کرتی ہیں۔ ہری مٹر، لوبیا، کرمکھلا اور راکرکرنڈ آدھی میں کچی پیاز میں سی وٹمن کٹی ہوتا ہے۔

کاربوهائی ڈیٹ اور ترکاریاں

لانیج ڈیٹوں اور بیٹیمین کے پالاکا کھج ترکاریوں میں کافی سٹارچ اور راکرکرنڈ بھی ہوتی ہے۔ ان سے مہنت کرنے کی طاقت اور چھتھتا بڑھتی ہے۔ اس طرح کی ترکاریوں میں ہری مٹر، کربلا، کڑی، ٹنڈا، پرول، کچا پھنٹا، زمیں قند، اڑی، ہنڈا، رٹلو، کچے کٹے، گجر، چنڈر، آلو، شکر قند، کدو، آدھی ہیں۔ جن لوگوں کو اپنے بوجھ کی مانترا کم کرنے کی دھن ہے انہیں دے ترکاریاں ادھک مانترا میں لہوں کھانی چاہئیں جن میں کاربوهائی قریب ادھک ہے۔ کاربوهائی قریب سے جسم کے پٹے بنتے ہیں۔

کاربوهائی قریب اور ترکاریاں

کھلیج دروہیں اور وٹمن کے علاوہ کچھ ترکاریوں میں کٹی اسٹارچ اور شکر بھی ہوتی ہے۔ ان سے مہنت کرنے کی طاقت اور چھتھتا بڑھتی ہے۔ اس طرح کی ترکاریوں میں ہری مٹر، کربلا، کڑی، ٹنڈا، پرول، کچا پھنٹا، زمیں قند، اڑی، ہنڈا، رٹلو، کچے کٹے، گجر، چنڈر، آلو، شکر قند، کدو، آدھی ہیں۔ جن لوگوں کو اپنے بوجھ کی مانترا کم کرنے کی دھن ہے انہیں دے ترکاریاں ادھک مانترا میں لہوں کھانی چاہئیں جن میں کاربوهائی قریب ادھک ہے۔ کاربوهائی قریب سے جسم کے پٹے بنتے ہیں۔

پروٹین اور ترکاریاں

مٹر، سیم اور جتنی پھلوں والی ترکاریاں ہیں ان سب میں کٹی مانترا میں پروٹین دھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکاریوں کا پروٹین دودھ اور مانس آدھی کے پروٹین کی طرح پوشاک نہیں ہے۔ اس میں دے سب ایسڈ نہیں ہوتے جو تندرستی کو اچھا رکھتے ہیں۔ اس کے لئے ترکاریوں کے ساتھ دودھ یا دودھ سے بنی چیزیں کھانے سے یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔

سیلولوز اور ترکاریاں

ترکاریوں میں سیلولوز یعنی فضلہ بھی ہوتا ہے جو آنتوں کو فیض سے بچاتا ہے؛ کتو پکی ہوئی ترکاریوں کا فضلہ کچی ترکاریوں کے فضلے سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ پتے والے ساگوں میں بہت ادھک فضلہ ہوتا ہے۔ دیلا ہونے کے لئے ادھک سیلولوز والی ترکاریاں کھانی چاہئیں کیونکہ ان میں کاربوهائی قریب کی مقدار زیادہ ہونے سے تسلی جلدی ہو جاتی ہے۔

کچھ خاص ترکاریوں کی وشہتائیں

ٹماٹر ہمیشہ تازگی لاتا ہے۔ لذیذ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ارد گردی دھک بھی ہے۔ اُسے کچا یا پکا چائے جیسا کھایا جا سکتا ہے۔ اس کا رس بچوں کے لئے بڑا ہنکر ہے۔ وٹمن سی کی پورنی دودھ کے ابھار میں ٹماٹر کے رس سے کر سکتے ہیں۔ وٹمن سی آگ میں پکائے سے نشہ ہو جاتا ہے۔ کپل ٹماٹر ہی ایسی چیز ہے جس کا وٹمن سی ایسڈ کے کان پکڑنے سے بھی نشہ نہیں ہوتا۔

پروٹین اور ترکاریاں

مٹر، سیم اور جتنی پھلیوں والی ترکاریاں ہیں ان سب میں کافی مانترا میں پروٹین رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکاریوں کا پروٹین دھک اور مانس آدھی کے پروٹین کی طرح پوشاک نہیں ہے۔ اس میں دے سب ایسڈ نہیں ہوتے جو تندرستی کو اچھا رکھتے ہیں۔ اس کے لئے ترکاریوں کے ساتھ دودھ یا دودھ سے بنی چیزیں کھانے سے یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔

سیلولوز اور ترکاریاں

ترکاریوں میں سیلولوز یعنی فضلہ بھی ہوتا ہے جو آنتوں کو فیض سے بچاتا ہے؛ کتو پکی ہوئی ترکاریوں کا فضلہ کچی ترکاریوں کے فضلے سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ پتے والے ساگوں میں بہت ادھک فضلہ ہوتا ہے۔ دیلا ہونے کے لئے ادھک سیلولوز والی ترکاریاں کھانی چاہئیں کیونکہ ان میں کاربوهائی قریب کی مقدار زیادہ ہونے سے تسلی جلدی ہو جاتی ہے۔

کھج خاں ترکاریوں کی وشہتائیں

دماہر ہمیشہ تازگی لاتا ہے۔ لذیذ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ارد گردی دھک بھی ہے۔ اُسے کچا یا پکا چائے جیسا کھایا جا سکتا ہے۔ اس کا رس بچوں کے لئے بڑا ہنکر ہے۔ وٹمن سی کی پورنی دودھ کے ابھار میں ٹماٹر کے رس سے کر سکتے ہیں۔ وٹمن سی آگ میں پکائے سے نشہ ہو جاتا ہے۔ کپل ٹماٹر ہی ایسی چیز ہے جس کا وٹمن سی ایسڈ کے کان پکڑنے سے بھی نشہ نہیں ہوتا۔

گلچر بھی بڑی پوشٹیک چیز ہے۔ اس میں وٹمن اے بڑی مقدار میں رہتا ہے۔ گرم کھانے، ہری مٹر اور سب سے بڑی سوائس، روٹھک اور پشٹک ترکاریاں ہیں۔ پتوں کے ساگ بھی بڑے فائدے کے ہوتے ہیں۔ مولیٰ، شلجم، چقندر اور گڑم گوبھی کی پتیاں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ پیاز بھی آئینت گن کارک چیز ہے اور خاصہ کو درست رکھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ آب میں اسٹارچ، کھنچ دروہ اور وٹمن گئی ہوتے ہیں۔ پھنسی اور لوکی دھلی کام کرنے والوں کے کھانے پر کبھی خاص ترکاریاں ہیں۔

توکاریاں ادھک تر تازی ہی استعمال کرنی چاہئیں۔
توکاریوں کا وٹھیں سی بہت جلدی نشٹ ہرجاتا ہے۔ توکاریاں
ہمیشہ تھلقتی جگہ مہن رکھی جانی چاہئیں۔ کچھ توکاریاں
جیسے کدو آدی رکھنے سے ہی اچھی ہوتی ہیں۔ توکاریاں
چلکے سمیت ہی اُبالنی چاہئیں۔ جس پانی مہن توکاری
اُبالی جائے اُسے رے کی طرح کالم مہن لے آنا چاہئے۔ ساگوں کو
نم سے کم پکنا چاہئے۔ سوڈا ڈالکر کبھی توکاری نہ پکائی چاہئے۔
بجائے پانی کے دودھ یا مٹھے مہن توکاری پکانے سے اُس کے
بوشٹک تلو بڑھ جاتے ہیں۔ جہاں تک ہوسکے توکاریاں چھیننی
سے چاہئیں۔ یدنی چھیننا ضروری ہی ہو تو کیول خراش
نیسا گئی ہوگا۔ توکاریوں مہن مریچ، مسالے اور چکنائی جہاں
کھ ہوسکے کم سے کم ڈالنا چاہئے۔ ہماری گرو دیویاں یدنی
توکاریوں کے بوشٹک اور سواسٹہ وردھک مہن کو تھیک تھیک
سجھ لیں تو پرووار کے سواسٹہ مہن 100 فیصدی سدھار
لرسکتی ہیں۔

”وہ دھن کو اُس کے سنکھاسن سے ہٹا کر ایشور کے لئے تھوڑی جگہ خالی کرے۔ میرا خیال ہے کہ امریکہ کا بیوشیہ اُچول ہے۔ لیکن اگر وہ دھن کی ہی پوجا کرنا رہا تو اُس کا بیوشیہ ادھلنا شروع ہے۔ پھر لوگ چاہے جو کہیں‘ دھن‘ آخر تک کسی کا سنا نہیں رہا۔ وہ ہمیشہ بیونا دوست ثابت ہوا ہے۔“

—مہاتما گاندھی

انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈायری

انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈायری

परिचित सुन्दरलाल

بلذت سلندر لال

गौसअलीशाह इस देश के पिछली सदी के एक बहुत बड़े और मराठूर मुसलमान फकीर थे. सन् 1857 के कुछ पहले से लेकर उसके कुछ बाद तक का जमाना उनका खास जमाना था. हिन्दुस्तान भर में खूब घूमे. बाहर भी हज्ज बरौरह के सिलसिले में गए. बाद के दिनों में उन्होंने अपनी जिन्दगी के बहुत से हालात अपने चेलों का सुनाए जो लिख लिए गए. इनसे उस जमाने के हिन्दू मुसलमानों के आपसी मेल ओल पर खासी रोशनी पड़ती है. एक तरह से ये गौस-अलीशाह की डायरी के कुछ पन्ने हैं, ऐसी डायरी जो दूसरों ने उनसे सुनकर लिख ली थी.

[1]

एक दिन बचपन में हमें एक सन्यासी ने जड़ ताड़ी कपाली चढ़ाना सिखाया. इस कपाली में जाहिरा होश जाता रहता है और रुह दिमारा में आ जाती है. जिस खयाल में आदमी बैठता है उसी में रहता है. जब हमें इसका अभ्यास हो गया तो एक दिन खयाल आया कि देखें दूसरे पर भी इसका असर होता है या नहीं. हमने अपने सौतेले भाई को कपाली चढ़वाई. वह बिलकुल बेहोश होकर मुर्दे की तरह जमीन पर गिर पड़े. उतारना हमें आता नहीं था. हम बड़े घबराए कि अब क्या इलाज करें. हमने अपनी सौतेली मां को खबर दी. वे घबराई हुई आईं और कहने लगीं,—“एक तो गया ही अब दूसरा भी चला. लोग यही शक करेंगे कि इसने सौतेले भाई को मार डाला.” यह कह कर वे एक प्याला दही का लाईं और बेटे के सामने गिरा दिया. जो आकर पूछता उससे कहतीं—“कि न जाने क्या हुआ दही खा कर कै की है.” मैं घबरा कर उस सन्यासी के पास गया और सारा हाल कह सुनाया. उन्होंने बहुत नाराज होकर मुझसे कहा,—“क्या तुमको इस वास्ते यह क्रिया सिखलाई थी कि लोगों का तमाशा देखो. हमने तो इसलिये सिखलाया था कि ईश्वर की याद में लगे रहोगे. खबरदार फिर ऐसा काम न करना.” यह कहकर हमारे घर आए और भाई के सर पर पानी की मरकें छुड़वाई. जब तीसरी मरक छोड़ी गई तो उठ बैठे. फिर हमने भाई से बेहोशी की हालत का हाल पूछा. उसने कहा—“मैं तो किन्दा था और तुम सब को पुकार पुकार कर कहता था कि मैं किन्दा हूँ,

घुठ علی شاہ اس دیس کے پچھلی صدی کے ایک بہت بڑے اور مشہور مسلمان فقیر تھے. سن 1857 کے کچھ پہلے سے لے کر اُس کے بعد تک کا زمانہ اُن کا خاص زمانہ تھا. ہندوستان بھر میں خوب گھومے. باہر بھی حج وغیرہ کے سلسلے میں گئے. بعد کے دنوں میں اُنہوں نے اپنی زندگی کے بہت سے حالات اپنے چیلوں کو سنا دیے جو لکھ لئے گئے. ان سے اُس زمانے کے ہندو مسلمانوں کے آپسی مہل چول پر خاصی روشنی پڑتی ہے. ایک طرح سے یہ غوث علی شاہ کی ڈायری کے کچھ پنے ہیں، ایسی ڈायری جو دوسروں نے اُن سے سن کر لکھ لی تھی.

[1]

ایک دن بچپن میں ہمیں ایک سنیاسی نے جر تازی کھالی چڑھا نا سکھا یا. اس کھالی میں ظاہرہ ہوش جاتا رہتا ہے اور روح دماغ میں آجاتی ہے. جس خیال میں آدمی بیٹھتا ہے اُسی میں رہتا ہے. جب ہمیں اسکا ابھیس ہو گیا تو ایک دن خیال آیا کہ دیکھیں دوسرے پر بھی اُس کا اثر ہوتا ہے یا نہیں. ہم نے اپنے سوتیلے بھائی کو کھالی چڑھوائی. وہ بالکل بیہوش ہو کر مردے کی طرح زمین پر گر پڑے. اُتارنا ہمیں آنا نہیں تھا. ہم بڑے گھبرائے کہ اب کیا علاج کریں. ہم نے اپنی سوتیلی ماں کو خبر دی. وہ گھبرائی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں—“ایک تو گیا ہی اب دوسرا بھی چلا. لوگ یہی شک کریں گے کہ اس نے سوتیلے بھائی کو مار ڈالا.” یہ کہہ کر وہ ایک پیالہ دھلی کا لائیں اور بیٹے کے سامنے گرا دیا. جو آکر پوچھتا اُس سے کہتیں—“کہ نہ چالے کیا ہوا دھلی کھا کر تم کی ہے.” میں گھبرا کر اُس سنیاسی کے پاس گیا اور سارا حال کہہ سنایا. اُنہوں نے بہت ناراض ہو کر مجھ سے کہا—“کیا تمکو اس واسطے یہ کرنا سکھائی تھی کہ لوگوں کا تماشا دیکھو. ہم نے تو اسلئے سکھایا تھا کہ ایشور کی یاد میں لگے رہو گے. خبردار پھر ایسا کام نہ کرنا.” یہ کہہ کر ہمارے گھر آئے اور بھائی کے سر پر پانی کی مشکیں چھڑوائیں. جب تیسری مشک چھڑوی گئی تو اُٹ بیٹھے. پھر ہم نے بھائی سے بیہوشی کی حالت کا حال پوچھا. اُس نے کہا—“میں تو زندہ تھا اور تم سب کو پکار پکار کر کہتا تھا کہ میں زندہ ہوں،

تو کھڑا ہو کر، میں کونوں میں پڑا ہوں۔ مجھے کوئی لگاؤ
 نہ ہے۔ لیکن تم سناؤ کہ تمہارے اور مجھے کسی طرح کی تکلیف نہ
 تھی۔ اس دن سے ہم نے نوبہ کر لی کہ پھر ایسا کام نہیں
 نہ کرنا۔

[2]

ایک دن ہم باہری سے ہری دوار کو چلے کہ کہیں کا اسٹان
 اور برہم گھنٹوں کا پائے کریں، کیونکہ ہمارے رضائی باپ* پنڈت رام
 سنہی جی نے گھر سے چلتے وقت ہمیں گھنٹوں سکھا کر کہا تھا کہ
 ہری دوار میں گنگا کے کنارے اس کا چپ کر لینا۔ جب
 کنپل میں پہنچے تو وہاں دو ہندو پرہم مذہب دیکھے۔ کسی
 نردائی نے انکی جانکوں پر دھتکے ہوئے انگارے رکھ دیئے تھے۔
 ایک کی جانک تو جل گئی تھی اور دوسرے پر کچھ اثر نہ
 تھا۔ ہم نے جھٹ پٹ انگارے اگ کئے اور انکو دھولی میں
 سوار کرا کر جولا پور کے تھالے میں لائے۔ تھانہدار سے ہماری جان
 پہچان تھی۔ اس نے چلے ہوئے کی مرہم بٹی کروائی۔

کچھ دنوں بعد ایک دن وہ قصہ اپنے کچھ چیلوں کو سنا کر
 غوث علی شاہ نے اُن سے پوچھا کہ—”اُن دونوں پرہم
 میں سے کون بڑھکر تھا؟“ ایک چیلے نے جواب دیا کہ—
 ”جس کی جانک نہیں جلی تھی۔“ آپ نے کہا کہ—”نہیں“
 جس کی جانک نہیں جلی تھی وہ ابھی اپنے بدن کی حفاظت
 کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ لیکن دوسرے کا انہماک (دھیان)
 میں قربا ہوا ہونا زیادہ اونچے درجہ کا تھا کہ تن بدن کا بھی
 ہوش باقی نہ رہا تھا۔ اگر اُس کے اس کلل انہماک کا اسلام
 کے بڑے بڑے لوگوں سے مقابلہ کریں تو لوگ ہرا جائیں۔ ”الحق
 و مرعون“ یعنی سچائی کڑی ہوتی ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ
 ایسا انہماک کروڑوں میں سے کسی ایک کو حاصل ہوتا ہے۔
 ہر ایک ایس کے قابل نہیں۔

اسرار صحبت را ہر دل نہ بود قابل
 در نہست بہر دریا زر نیست بہر گالے

یعنی ہر دل پرہم کے رہسوں کو سمجھنے کے قابل نہیں
 ہوتا۔ نہ ہر دریا میں موتی ہونے میں اور نہ ہر گالے میں
 سونا ہوتا ہے۔

لیکن مبارک وہ انہماک (تلہنتا) کہ نہ ہم سیوا کرنے والوں
 سے خواہی اور نہ انگارے رکھنے والے سے ناراض جس حالت میں
 نہ اُسی میں رہے۔

* ماں کے اُلاوا یا کسی کوئی بچہ کو دھ پلا کر پالے تو اسکا پتی بالک کا ’رضائی باپ‘ کہلاتا ہے۔
 ماں کے غلبہ میں کوئی استری بچہ کو دودھ پلا کر پالے تو اسکا پتی بالک کا ’رضائی باپ‘ کہلاتا ہے۔

اگست ’65

(88)

اگست ’65

96

ایک دن جب ہم جواہر پور سے چل کر مری دور پہنچے تو سر میں نامہ جی سے پہنچ گئی۔ بڑا اُردو سنگڑ کیا۔ اپنے مکان پر پہنچا۔ دونوں وقت بڑھیا کھانا کھایا۔ جب پوری کا وقت آیا تو ہم دھونی ہاتھ تلک لگا کھنڈل ہاتھ میں لے کر کی پتھری پر جا موجود ہوئے۔ باہری کے ایک براہمن نے ٹھیک اسٹان کے وقت پہچان لیا اور دانتوں کے نیچے لٹکی دیکر چپ رہ گیا۔ ہم نہا کر باہر نکلے تو وہ براہمن ہمیں الگ لے گیا اور کہنے لگا—”میں صاحب! یہاں اور وہاں کچھ فرق ہے جو آپ اسٹان کرتے آئے؟ اگر اور کوئی پہچان لیتا تو بڑی خرابی ہوتی۔ خدا تو سب جگہ ایک ہے“ یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہر ایک فرقہ کا مذہب جدا ہے، ہر ایک دوسرے کو چھوٹا کہتا ہے اور اپنے آپ کو سچا بتاتا ہے۔ اگر سچائی کی راہ سے دیکھو تو مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔

پڑا بتھائے* میں ہو یا طواف کعبہ کرتا ہو

یہاں کیا اور وہاں کیا ہے کہیں ہو تیرا جویا† ہو

پڑا جوتھانے* میں ہو یا تھاکے-کاہاکے کرتا ہو،
یہاں کیا اور وہاں کیا ہے کہیں ہو تیرا جویا† ہو۔

یہ مثال اُس براہمن نے ہمیں سنائی۔ چار مسافر سفر میں ساتھ تھے، مگر بولیاں چاروں کی الگ الگ تھیں۔ چاروں بھوکے تھے۔ چاروں نے اپنی اپنی زبان میں اُنکڑ خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن ”اُنکڑ“ کا نام چاروں زبانوں میں الگ الگ تھا۔ اِس لئے ایک کی بات کو دوسرا نہ سمجھ پایا، آپس میں لڑنے لگے۔ اتفاق سے ایک آدمی جو اُن چاروں کی زبانوں کو جانتا تھا، آگیا۔ اُس نے ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیا۔ تب شرمندہ ہوئے کہ کیا فضول کا چھکڑا تھا۔ مطلب تو سب کا ایک ہی تھا۔ یعنی جب تک کوئی اصلیت کا جاننے والا نہیں ملتا، یہ دوائی نہیں مٹتی۔

جب وہ براہمن ہمیں سمجھا چکے تو ہم نے کہا کہ صاحب یہ اسٹان ہم نے اپنے رضائی باپ پنڈت رام سنگھی جی کی طرف سے اور اُنکی آگاہی سے دیا۔ پھر ہم نے ہرہم گائتری کا پاتھ شروع کیا۔ ہرہم گائتری یہ ہے—

اوم ہور ہوہ سوہ قس وتورو ریلہم ہرگو دیوسہ دھمہ
دھمہ نہ پر چودیات! اوم۔

جس نے براہمن ہمیں سمجھا چکے تو ہم نے کہا کہ ساہب یہ اسٹان ہم نے اپنے رضائی باپ پنڈت رام سنگھی جی کی طرف سے اور اُنکی آگاہی سے دیا۔ پھر ہم نے ہرہم گائتری کا پاتھ شروع کیا۔ ہرہم گائتری یہ ہے—

اوم ہور ہوہ سوہ قس وتورو ریلہم ہرگو دیوسہ دھمہ
دھمہ نہ پر چودیات! اوم۔

لکھنؤی ماہنے گائتری کے یہ ہیں—اوم یعنی اللہ۔ یہ اللہ کے ناموں میں سب سے بڑھکر ہے، ہور یعنی پہلا آسمان یعنی اپنے بھکتوں کو سب دکھوں سے آزاد کر کے ہمیشہ آند میں رکھنے والا، ہوہ—دوسرا آسمان جو

لفظی معنی گائتری کے یہ ہیں—اوم یعنی اللہ۔ یہ اللہ کے ناموں میں سب سے بڑھکر ہے، ہور یعنی پہلا آسمان یعنی اپنے بھکتوں کو سب دکھوں سے آزاد کر کے ہمیشہ آند میں رکھنے والا، ہوہ—دوسرا آسمان جو

*—دھانک

†—کابے کی پرکھما

†—دھانے والا

دیوالہ

کعبہ کی پرکھما

دھاننے والا

بولے—“بھائی! اسے تمام بھائیوں کو کہو۔” یہ سن کر وہ
میں سے اٹھ کر آیا اور کہنے لگا—“میں سید ہوں،
میرا نام محمد حسین ہے، پہلے تو میرے شاہ عبدالعزیز صاحب سے
کو ملکر لیا، پھر وہ اور شائستوں کو بڑھانے کا شوق ہوا، ہمارے
میں جا کر یہ بھی پڑھا۔ خاندان قادریہ کا چچا ہوں۔ اب
یہ لوگ کے لئے یہاں آ رہے ہیں، چلے کام کرتے ہیں، میں خدا کی یاد
میں لگا ہوں۔“

اس نے پوچھا کہ—“ہندوؤں اور مسلمانوں کی نفرتوں میں
آپ نے کیا فرق دیکھا؟“ جواب دیا—“نفرتوں کی بات تو
دونوں جگہ ایک سی ہے، صرف کچھ لفظ اور اصطلاحیں
(پرہیزگاہیں) الگ الگ ہیں۔“

ہندوؤں کی اصطلاح ہندو مت
مسلمانوں کی اصطلاح اسلام مت

یعنی—سب کے لئے حمد (استغنی) کرنے کا اپنا طریقہ
ہے، ہندوستان میں کے لئے ہندوستانوں کا طریقہ تھیک ہے اور
مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا طریقہ۔

نہ میں ہر آن گل عارض غزل سرایم و ہنس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزاراں آند

یعنی—تیرے اُس پہول سے چہرے کی حمد (استغنی) گانے
والا صرف ایک میں ہی نہیں ہوں، ہر طرف سے ہزاروں
ہلچلیں تیری حمد (استغنی) گانے رہی ہیں۔

[5]

[5]

ایک دن ہم دھواؤں کے پہاڑ کی سیر کرتے ہوئے
میں پہنچے۔ ایک پہاڑ پر ایک بابا جی رہتے تھے۔ اُن سے
پہنچ گئی۔ بڑی آویہکت سے ملے۔ ہمیں ایک الگ مکان
دیا۔ چارپائی منگائی۔ ہم نے بہت بڑا انگارہ کیا کہ آپ زمین پر
سوئے ہیں، ہم بھی اسی طرح پر آرام کریں گے۔ لیکن اُنہوں نے
نہ مانا اور ضد کی کہ نہیں تم کو چارپائی ضرور چاہئے۔ آہستہ
آہستہ اُن سے مہل چول بڑھ گیا۔ ایک دن اُن کے کسی چیلے
کو پدم ناگ نے، جو ہاتھ پیر کا اور بڑا زوردار سانپ ہوتا ہے،
کالت لیا۔ دوسرے چیلے نے سانپ کو پتھر کے کونڈے سے تھانک
دیا اور آکر گرجی کو خبر دی۔ اُنہوں نے کہا کہ چیلے سے
بہت بڑی آویہکت ہے۔ اُنہوں نے چیلے کا منہ بند ہو گیا اور گردن
کا منہ کھل گیا۔ گرجی نے کہا کہ جس طرح ہوسکے اس کے
گلے سے بہت بڑا آواز دے۔ بڑی مشکل سے شخص کے ایک دانے
پر ابرو واک سینک سے اس کو کھلا دی۔ دوا کا کلمہ سے اُترنا ہی تھا
کہ چیلے چہرہ چوری لیکر سیدھا ہو گیا۔ دوسرے چیلوں کو حکم
دیا کہ اب اسے بیٹھاؤ۔ تھوڑی دیر میں اُس نے بھوک ظاہر

میں بھی وہی سر بھی وہی پلٹا دیا اور پھر تھکنا شروع کیا۔ جب اُسے
پر خواہش ہوئی تو پھر بھی پلٹا گیا۔ کچھ دیر بیچھے اُسے
دوڑ کا دست ہوا۔ پھر بھی پلٹ کر تھلپا تو کچھ لہو کا دست آیا۔
میں نے بعد معمولی پاخانہ آیا اور بہلا چلکا ہو گیا۔ اب گردن
لے گیا کہ اُس سانپ کو لاؤ۔ چیلے پکو لائے۔ ایک سہنگ سے
میں نے منہ میں بھی وہی بیہوش ڈال دی۔ اُسی دم ایلٹو کو
ہ گیا اور تھوڑی سی دیر میں پانی پانی ہو کر بہ گیا اور وہ
ہسم پانی پر تھرنے لگی۔ بابا جی نے کہا کہ—”دیکھو اس کا
ہی اس کے لئے تو اکسیر ہے“ لیکن آدمی کے لئے مہلک
گھاتک ہے اور آدمی کی اکسیر اس کے لئے مہلک ہے۔

آپاں کے را مددہ در ہنگے تو جسم،

آپاں کے را شاددہ در ہنگے تو سم۔

یانی—جو ایک کے لیے ستی ہے وہ دوسرے کے لیے
نیٹا اور جو ایک کے لیے شاددہ ہے وہ دوسرے کے لیے
آہر۔

اسکے بعد بابا جی نے کہا کہ آج تو ایک
اور تمہارا دیکھاؤں۔ ایک کڑاھی دودھ کی مری ہوئی ملگائی، اُس میں
اسمیں سیرکا اور نمک ڈال کر دودھ کو فاد دیا۔ مومسے
بولے کہ—”بھلا اب کوئی چیخ اسے دھڑکتے کر سکتی
ہے؟“ مینے کہا کہ ”نہیں۔“ پھر وہی بھسم ایک چاول भर
اسمیں ڈال کر لکڑی سے دھیلانا شروع کیا۔ کورن دودھ
اسسلی حال پر آ گیا۔ پھر کیتنا ہی سیرکا اور
نمک ڈالا اس پر کھڑکھڑا نہ ہوا، جیسا تھا ویسا
ہی رہا۔ بابا جی نے بھلوں کو حکم دیا کہ گڈھا خود
کر اس دودھ کو دبا دو۔ ہم نے کہا کہ مہاراج ان چیلوں کو کہوں
نہیں پلا دیتے؟ کہنے لگے کہ یہ پٹن گے تو کئی ہو جائیں گے۔
پھر ہم سے پیار کے ساتھ کہا کہ اگر تم کھاؤ تو ہم کھالیں۔ سات
پیڑھی تک اس کا اثر رہیگا۔ میں نے کہا بہت اچھا، لیکن
اس کا آثار بھی تو بتا دیجئے، نہیں تو پانچ سیر بھی روز کہاں سے
لاؤں گے۔ کہنے لگے مہاراج خدا مالک ہے۔ ہم نے کہا اچھے رہے۔
دوا کھالے کر تو آپ مالک ہیں اور کھانا کھالے کے لئے خدا
مالک ہے۔ میں ایسی دوا سے باز آیا۔ یہ سنکر بابا جی چپ
ہو رہے۔ ان بابا جی کی عمر چار سو برس کی تھی۔ ہر ستر
برس میں گایا کلب کرتے تھے۔ اس کی ودھی یہ تھی کہ چھ
مہینے تک ایک کوٹوری میں بیٹھ کر جہل ہوا نہ پہنچ سکے
ایک دوا کھاتے تھے۔ پہلا جسم پھٹ جاتا تھا اور اُس کے اندر
سے ایک دوسرا بارہ برس کے لڑکے کا سا نیا جسم نکل آتا تھا۔
جن دنوں ہم گئے تھے وہ دوا تیار ہو رہی تھی۔ یہ
بابا جی اکسیر کے کھالے میں بڑے استاد تھے۔ کچھ
دنوں کے بعد میرا اعظم علی صاحب ہمیں قہر لیتے
تھوڑے دنوں کے بعد میرا جا پہنچے۔ انہیں دیکھ کر بابا جی

میں تو ہو ستر گئی اُسے پلٹا دیا اور پھر تھکنا شروع کیا۔ جب اُسے
پر خواہش ہوئی تو پھر بھی پلٹا گیا۔ کچھ دیر بیچھے اُسے
دوڑ کا دست ہوا۔ پھر بھی پلٹ کر تھلپا تو کچھ لہو کا دست آیا۔
میں نے بعد معمولی پاخانہ آیا اور بہلا چلکا ہو گیا۔ اب گردن
لے گیا کہ اُس سانپ کو لاؤ۔ چیلے پکو لائے۔ ایک سہنگ سے
میں نے منہ میں بھی وہی بیہوش ڈال دی۔ اُسی دم ایلٹو کو
ہ گیا اور تھوڑی سی دیر میں پانی پانی ہو کر بہ گیا اور وہ
ہسم پانی پر تھرنے لگی۔ بابا جی نے کہا کہ—”دیکھو اس کا
ہی اس کے لئے تو اکسیر ہے“ لیکن آدمی کے لئے مہلک
گھاتک ہے اور آدمی کی اکسیر اس کے لئے مہلک ہے۔

آن یکرا مدح درحق تو زم

آن یکرا را شہد درحق تو سم۔

یعنی—جو ایک کے لئے استی ہے وہ دوسرے کے لئے نڈا

اور جو ایک کے لئے شہد ہے وہ دوسرے کے لئے زہر۔

اس کے بعد بابا جی نے کہا کہ آؤ تم کو ایک اور تماشا
دکھادیں۔ ایک کڑاھی دودھ کی مری ہوئی ملگائی، اُس میں
سیرکا اور نمک ڈال کر دودھ پہاڑ دیا۔ مومسے بولے کہ—”بھلا
اب کوئی چیخ اسے درست کر سکتی ہے؟“ میں نے کہا کہ—
”نہیں۔“ پھر وہی بھسم ایک چاول भर
اسمیں ڈال کر لکڑی سے دھیلانا شروع کیا۔ کورن دودھ
اسسلی حال پر آ گیا۔ پھر کیتنا ہی سیرکا اور
نمک ڈالا اس پر کھڑکھڑا نہ ہوا، جیسا تھا ویسا
ہی رہا۔ بابا جی نے چیلوں کو حکم دیا کہ گڈھا کھود کر
اس دودھ کو دبا دو۔ ہم نے کہا کہ مہاراج ان چیلوں کو کہوں
نہیں پلا دیتے؟ کہنے لگے کہ یہ پٹن گے تو کئی ہو جائیں گے۔
پھر ہم سے پیار کے ساتھ کہا کہ اگر تم کھاؤ تو ہم کھالیں۔ سات
پیڑھی تک اس کا اثر رہیگا۔ میں نے کہا بہت اچھا، لیکن
اس کا آثار بھی تو بتا دیجئے، نہیں تو پانچ سیر بھی روز کہاں سے
لاؤں گے۔ کہنے لگے مہاراج خدا مالک ہے۔ ہم نے کہا اچھے رہے۔
دوا کھالے کر تو آپ مالک ہیں اور کھانا کھالے کے لئے خدا
مالک ہے۔ میں ایسی دوا سے باز آیا۔ یہ سنکر بابا جی چپ
ہو رہے۔ ان بابا جی کی عمر چار سو برس کی تھی۔ ہر ستر
برس میں گایا کلب کرتے تھے۔ اس کی ودھی یہ تھی کہ چھ
مہینے تک ایک کوٹوری میں بیٹھ کر جہل ہوا نہ پہنچ سکے
ایک دوا کھاتے تھے۔ پہلا جسم پھٹ جاتا تھا اور اُس کے اندر
سے ایک دوسرا بارہ برس کے لڑکے کا سا نیا جسم نکل آتا تھا۔
جن دنوں ہم گئے تھے وہ دوا تیار ہو رہی تھی۔ یہ
بابا جی اکسیر کے کھالے میں بڑے استاد تھے۔ کچھ
دنوں کے بعد میرا اعظم علی صاحب ہمیں قہر لیتے
تھوڑے دنوں کے بعد میرا جا پہنچے۔ انہیں دیکھ کر بابا جی

نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے کہا میرے پیٹا ہیں۔ بولے
رنگ سے تو یہ بات ٹیک نہیں معلوم ہوتی۔ تب میں نے کہا کہ ہمارے گرو ہیں۔ انہوں نے
کہا کہ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ چلتے وقت بابا جی نے مہر صاحب
کو ستر روپے اور ایک بیل اکسیر کی دی۔ وہاں سے باہری کو
چلے۔ راستے میں مہر صاحب نے کہا کہ اکسیر کی بیل کو پیٹک
دو۔ میں نے کہا کہ آپ بال بچوں والے ہیں، ان کے کام آویں گی۔
کہا کہ نہیں اس کو دیکھ کر خراب ہو جاویں گے۔ تب ہم نے وہ
بیل پیٹک دی۔

اکسیر پر محسوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیسا سے دل کا گداز کرنا

[6]

ایک دن جب ہم مہرے میں تھہرے ہوئے تھے تب کپڑے
بالکل پھٹ گئے۔ گرہ میں کوڑی نہ تھی۔ مجبور ہو کر لڑکے
پڑھانے شروع کئے۔ جب کپڑوں کے لایح کر دام آ گیا
تو پڑانا छोड़ دیا۔ ان دنوں مولوی حبیب اللہ شاہ کی سہوا میں رہے۔
حقیقت میں ان کی نگاہ جس پر پڑ جاتی تھی اس کے دل
کو پاک کرنے میں اس سے بہت بڑی مدد ملتی تھی۔ ہمارے
دل پر بھی ان کی نگاہ کا بہت بڑا اثر پڑا۔ یوگ کی کئی
کریاں جو نقشبندی فقہروں میں رائج تھیں ہم نے ان سے
سیکھیں۔ جب چکروں، چوتھوں اور طرح طرح کے اندرونی تجربوں
کی سیر ہو چکی تو میں نے عرض کیا کہ ”آپ کی کرپا سے یہ
سب تماشہ تو خوب دیکھا پر گستاخی معاف کیجئے خدا کا پتہ
تو نہ کسی چکر میں لگا، نہ کسی لطیفہ میں۔ یہ سب پھانسی
کا سوانگ معلوم ہوتا ہے۔“ اس وقت تو یہ بات ان کو ناپسند
آئی لیکن اُسی بہت سچے اور سمجھدار تھے۔ رات کو سوچا تو بات
سمجھ میں آئی۔ صبح کو کہنے لگے کہ تم سچ کہتے ہو، سچ سچ وہ
پے چون اور بے چگون ایشر نہ کسی چکر میں قید ہے اور نہ
کسی رنجی سدی میں۔ سیکڑوں مٹلاشی (جکباز) ہمارے
پاس آئے لیکن کسی نے اس سوچے بوجھ کی بات نہیں کی۔
اُو دلی چکر شاہ ابوسعید صاحب سے پوچھیں۔ وہ مجھے دلی
لے گئے۔ شاہ صاحب سے بات چیت ہوئی۔ انہوں نے بہت ہی
ٹھیک جواب دیا اور کہا کہ—”سنو بیٹا، جو کچھ ہمیں اپنے
بزرگوں سے ملا ہے وہ تمہیں پہونچا دیا، اب اگر تمہاری ہمت
بڑھی اور نقش زور کی ہے تو اور جگہ تھوڑھو۔“ یہو ہم دلی
سے چل دیے۔

[7]

ایک دن میں منڈا اور میں ہم وہاں کے سجادہ نشین پیر
صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ اکثر پوروں کی عادت ہوتی ہے کہ
اپنے چیلوں سے ہر طرح کے کام لیتے ہیں۔ مہاں صاحب نے

* آدھ سیدی سیدی

میں اپنے چہلوں کو ہاتھ میں جوت رکھا تھا۔ ایک دن جب چیلے ہی مل جوت کو لے کر آپ نے اُن سے کہا کہ—”ارے رات کو کچھ اللہ! اللہ! یہی کر لیا کرو۔“ اس پر ایک چیلہ کیا کہتا ہے کہ—”اب آئی ہم بدلتیوں کی کمیگتی۔ دن کو تو مل جوتیں اور رات کو اللہ! اللہ کریں! بس اب ہم کیسے جنیں گے، کس مصیبت میں پھنس گئے؟ ہم ایسی پوری مریدی سے بھرپائے۔“ یہ بات سنا کر ہم تو ہلستے لگے اور پھر جی چپ رہ گئے۔ کچھ جواب نہ دیا۔ حقیقت میں چیلوں سے کام لینا برا ہے، خاص کر اُن سے جو ایشور کے کھجی ہوں۔ یوں تو کوئی کوئی سنت مہانتا بھی چیلوں سے بہت سخت کام لیا کرتے تھے، لیکن اُس میں کچھ مطلب تھا اور آخر میں اپنے مقصد (لکھیہ) تک بھی پہنچا دیتے تھے۔ خرابی تو یہ ہے کہ زیادہ تر پھر زادے سوائے اپنے خاندان کا گھنڈ کرنے کے اپنی گرہ کا کچھ نہیں رکھتے اور چیلوں کی خوب خبر لیتے ہیں۔ اگر کوئی پریسی چیلہ اپنے یریم سے گورو کا کوئی کام کرے تو دوسری بات ہے۔ لیکن کچھ بدلہ اُس کو بھی ملنا چاہئے۔ قرآن کی آیت ہے—جو تم پر احسان کرے اُس پر تم بھی احسان کرو۔

[8]

ایک دن جب ہم کر تھور میں گئے تو دیکھا کہ وہاں کے سجادہ نشین یریم جی نے صبح آکر حضرت احمد شاہ کے مزار کا طواف (پریکوسما) اور سجدہ کیا۔ ہم نے پوچھا کہ ”صاحب! طواف اور سجدہ تو یہاں ہو گیا اب اگر حضرت غوث الاعظم کے مزار پر آپ جائیں تو وہاں کیا کیجیگا اور رسول اللہ محمد صاحب کے لئے کیا باقی رکھا ہے؟ اور خدا سے تو کچھ مطلب ہی نہیں جس کے لئے کچھ ادب تمہیز کی ضرورت ہو؟“ وہ ناراض ہو گئے اور بولے—”مہاں، طالب عام لوگ حاجتی ہوتے ہیں، اُس لئے انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔“ ہم نے کہا—”صاحب! ایسے فائدے کو ہمارا سلام ہے جس کے لئے خدا کو چھوڑ کر دوسرے کے سامنے سر جھکاویں اور ترحید (ایکیشورواد) سے نکل کر دینی میں پھنس جاویں۔“

[9]

ایک دن جب ہم بنارس میں پہنچے تو ایک بزرگ کے پلس ٹھہرے جو ہمارے ہم نام تھے۔ پوچھا سے معلوم ہوا کہ خاندان نقشبندیہ میں مولوی حبیب اللہ شاہ کے چیلے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ”آپ نہ صرف ہمارے ہم نام ہی ہیں بلکہ ہمارے گورو بھائی بھی ہیں۔“ یریم تو بڑا یریم ہو گیا۔ ایک دن کہنے لگے کہ ”پہلی ایک مندر ہے جس میں روز صبح کو گانا ہوتا ہے کل وہاں چلو۔“ اگلے دن صبح کی نماز کے بعد ہم دونوں وہاں گئے۔ دیکھا کہ ایک پلٹت جی، جوان عمر کے، چوکی پر بیٹھے ہونے لگے زور زور سے ادبوتوان کی دہانیا کر رہے ہیں۔ جب وہ اُپدیہ سے چکے

تو سب کی رائی میں سے آرتی شروع کی۔ ہمارے گھر میں سید علی شاہ حسینی تو سنکر ابلے مچھ ہو گئے کہ گر ہی پڑے۔ لیکن ہم نے ایک کھمبا پکڑا اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ پھر بھی ہمارے سارے بدن میں ایک کھنکھی سے دوز گئی۔ آرتی ختم ہوئی تو ہمارے پھر بھائی ہوش میں آئے اور مکان کو چلے۔ آٹھ دن تک ہمارے دل پر اُس کا گہرا اثر رہا۔ ایک دن سید غوث علی شاہ نے ہم سے کہا کہ ”آج گنگاپور چلو وہاں ایک چیلے کو سلیاس ملے گا۔“ ہم دونوں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک پلندت کسی چیلے کو دیکھا دینے والا ہے۔ ہمارے گھر بھائی جھٹ سر کھول پلندت کے سامنے جا بیٹھے اور کہا کہ—”پلندت جی پہلے ہم کو موز دو۔“ یہ سنکر پلندت رونے لگا اور بڑی سچائی کے ساتھ اُس نے یہ کہا کہ ”میں صاحب، جو بات تم چاہتے ہو اُس کی ہم کو ہوا بھی نہیں لگی۔ سوچو، اگر ہم اِس قابل ہوتے تو تمہے پر کیوں مارے مارے پھرتے۔ یہ رتبہ تو ہمارے بزرگوں کو حاصل تھا کہ ادھر اُسٹرا سر پر رکھا اور ادھر اُنکھنوں نے پلٹا کھایا۔ ہم لوگ تو صرف اُن کی لکیر پیچتے ہیں۔“

سچموتی ہریدوار میں ہم نے یہی بات دیکھی جو اِس پلندت نے کہی تھی۔ یعنی ایک سنہاسی اپنے چیلے کو سلیاس دینا چاہتا تھا کہ ایک مسلمان فقہر سر کھول کر اُسے آ بیٹھا۔ سنہاسی نے جوش میں اکر فائی کو اشارہ کیا کہ اچھا پہلے اِسی کو موز۔ فائی نے اپنا کام شروع کیا۔ گھر نے یوں دیکھا دلی شروع کی—”نہ پاپی نہ نرکی، نہ سورگی نہ نرکی“ نہ بڑھی نہ نرکی، نہ نرکی نہ نرکی، نہ نرکی نہ نرکی۔“

اِس دیکھا کے بعد اُس مسلمان فقہر کی ایسی عجیب حالت ہوئی کہ پھر وہ نرم ہنس ہو گیا۔ اِس کے بعد اصلی چیلے کی باری آئی۔ اُس پر بھی اثر تو گہرا پڑا مگر وہ بات نہ ہوئی جو مسلمان فقہر کو حاصل ہوئی تھی۔

[10]

[10]

ایک روز جب ہم کوٹ پوتلی سے چلے تو راستے میں ایک مندر ملا۔ وہاں ایک سادھو بڑے منوہر سر سے بھجن کا رہا تھا۔ ہم اُس کے پاس جا بیٹھے۔ بھجن سنتے رہے۔ پھر اُن سے باتیں ہونے لگیں، یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا۔ ہم نے کھڑا ہوجھا، نماز پڑھ لی۔ نماز کے بعد وہ سادھو جی ہم سے کہنے لگے کہ ”میں صاحب، آپ کی طبیعت میں تو بڑی آزادی معلوم ہوئی ہے پھر یہ نماز کی علت کیوں لگا رکھی ہے؟“ ہم نے کہا کہ ”بابا جی! علت سے تو نہ تم خالی، نہ ہم خالی۔ تم کو اِس پتھر کے پوجنے کی علت لگی ہوئی ہے، ہم کو نماز کی۔ تم

ایک روز جب ہم کوٹ پوتلی سے چلے تو راستے میں ایک مندر ملا۔ وہاں ایک سادھو بڑے منوہر سر سے بھجن کا رہا تھا۔ ہم اُس کے پاس جا بیٹھے۔ بھجن سنتے رہے۔ پھر اُن سے باتیں ہونے لگیں، یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا۔ ہم نے کھڑا ہوجھا، نماز پڑھ لی۔ نماز کے بعد وہ سادھو جی ہم سے کہنے لگے کہ ”میں صاحب، آپ کی طبیعت میں تو بڑی آزادی معلوم ہوئی ہے پھر یہ نماز کی علت کیوں لگا رکھی ہے؟“ ہم نے کہا کہ ”بابا جی! علت سے تو نہ تم خالی، نہ ہم خالی۔ تم کو اِس پتھر کے پوجنے کی علت لگی ہوئی ہے، ہم کو نماز کی۔ تم

کھنڈا بجاوے ہو ہم مالا دھلاتے ہیں۔“

رساई نےس تا سارے مڙیلے ک کوفو ایماں را،
کے دیرو کاہا سارے رہ جوبد گہرو موسلماناں را۔

یانی—وہس پرمہربر کے مکرام تک کوف اور ایمان
دونوں میں سے کسی کی بھی پہنچ نہیں، کیونکہ مندر اور کتبہ دونوں
کاہا دونوں ہینڈ اور موسلمانوں کے راستے کے پتھر ہیں۔

دلا* ماہل* نہ ہو دیرو† حرم* کا،
یہاں دونوں جگہ پتھر پڑے ہیں۔

کھنڈا بجاتے ہو ہم مالا دھلاتے ہیں۔“

رسائی نہست تا سر منزل او کفر و ایمان را
کہ دیرو و کتبہ سنگ را ہد گہرو موسلمان را

یعنی—اُس پرمیشور کے مقام تک کفر اور ایمان دونوں
میں سے کسی کی بھی پہنچ نہیں، کیونکہ مندر اور کتبہ دونوں
ہندو اور مسلمانوں کے راستے کے پتھر ہیں۔

دلا* ماہل* نہ ہو دیرو† حرم* کا
یہاں دونوں جگہ پتھر پڑے ہیں۔

جل کنیا کے آنسو

جل کنیا کے آنسو

ویربمبھار ناٹھ پاڈے

ویربمبھار ناٹھ پاڈے

موسلمانوں کی نماز میں ایک خاص کھنچاؤ معلوم
ہوتا ہے۔ اور خاص طور پر عشاء کی نماز کتنی ہی بار میں نے موزن
کو آذان دیتے ہوئے اور اسلام کو نماز پڑھاتے دیکھا ہے۔ زائد سربے
لہجے سے قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور نمازیوں کی قطاریں بیخودی
میں قلوب کو اُس پاک پروردگار اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک
تار میں بندھ جاتی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اوروں کو بھی
نماز اُس طرح رجوع کرتی یا نہیں اور نہ میں نے اُس اثر کی
ہی چھان بین کرنے کی کوشش کی کہ مجھے یہ کیوں اتنی
دلکش لگتی ہے۔

نماز کا ذکر کرتے کرتے موزے من میں ملایا کی اُس گھٹنا
کی یاد تازہ ہوگئی۔ سورج قلوب چکا تھا۔ نمازی مسجد میں
آخر عشاء کی نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ کلام مجید کا مطالعہ،
کر رہے تھے اور کچھ حدیثوں کی چرچا۔ ایک ہورجے سے حاجی
حضرت پھمبر کے وفادار ساتھوں کی قربانی اور چٹناری کی
کہانیاں سنا رہے تھے۔ دکن پورب کے اُن ملکوں میں اور خاص
طور پر ملایا میں مسافر کا من خاص طور پر دم چا تا ہے۔ اُسے
خوافیں ہی نہیں ہوتی کہ سفر تمام کر کے اگے کی منزل کی
آر پڑے۔

اس کھنچاؤ کا راز کیا ہے، اُس کے پیچھے رہسہ کیا ہے،
یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔ کچھ تو دیکھ کی سندرتا،

نماز کا ذکر کرتے کرتے موزے من میں ملایا کی اُس گھٹنا
کی یاد تازہ ہوگئی۔ سورج قلوب چکا تھا۔ نمازی مسجد میں
آخر عشاء کی نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ کلام مجید کا مطالعہ،
کر رہے تھے اور کچھ حدیثوں کی چرچا۔ ایک ہورجے سے حاجی
حضرت پھمبر کے وفادار ساتھوں کی قربانی اور چٹناری کی
کہانیاں سنا رہے تھے۔ دکن پورب کے اُن ملکوں میں اور خاص
طور پر ملایا میں مسافر کا من خاص طور پر دم چا تا ہے۔ اُسے
خوافیں ہی نہیں ہوتی کہ سفر تمام کر کے اگے کی منزل کی
آر پڑے۔

اس کھنچاؤ کا راز کیا ہے، اُس کے پیچھے رہسہ کیا ہے،
یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔ کچھ تو دیکھ کی سندرتا،

آسٹ آسٹ

آسٹ آسٹ

آسٹ آسٹ

آسٹ آسٹ

کچھ دہائیوں کی پرندیسوں کے ساتھ محبت، کچھ قدرت کے نظارے، کچھ موسم اور آب و ہوا کی من پسندگی، مسافر کی طبیعت پر ایک عجیب و غریب اثر ڈالتے ہیں۔ اور اگر اسے مزید ملایا چھوڑنا ہی پڑے تو وہ بھی بے اختیار ارادہ لیکر چھوڑتا ہے کہ دوسری بار کچھ زیادہ فرصت ساتھ لیکر وہ وہاں لوٹے گا۔ کتابوں سے اپنی معلومات بڑھانے والے اس بات کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے کہ سفر میں جو باتیں دکھائی دیتی ہیں انکا ذکر تک کتابوں میں نہیں ہوتا۔ پھر بھی کتنی تسلی کی بات ہے کہ یہ چیزیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کو ملتی ہیں۔ حالانکہ میں وہاں دوسری بار نہ جاسکا پھر بھی وہ رہ کر مجھے ملایا کے اُس سفر کی یاد آتی ہے۔

وہ دیش کیا ہے، دو طرفائی سمندروں کے بیچ بھرتی کی ایک پتلی سی لکڑی ہے۔ لیکن سمندری طوفان اُس کے کناروں سے ٹکر نہیں لیتے۔ وہاں ہر وقت موسم بہار چھایا رہتا ہے۔ نہ لوگ، نہ آسمان، نہ پانی، نہ پہاڑ اور نہ تو فضاء۔ چین ساगर اور ہند ساगर کی مٹکی لہرے اس سندر جزیرے کے لامحظوظ کناروں تک پہنچتے پہنچتے تھک کر لست ہو جاتی ہیں۔

وہ عشاء کی نماز کا ذکر کر رہا تھا۔ امام اُٹھے اور نماز پڑھا کر نمازیوں کو دعا دیکر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بزرگ نمازی، جنگا گھر سے لگ لگاؤ کم ہو چکا تھا، وہیں دیوار کا سہارا لیکر بیٹھے رہے۔ کئی قسم کے چرچے شروع ہوئے، جن کے سلسلے ختم ہوتے ہی اُس طرح جڑ جاتے تھے کہ وہ ایک لمبی داستان معلوم ہوتے تھے۔ وہ سارے چرچے اتنے دلچسپ تھے کہ من ہوتا تھا کہ بس سنتا ہی رہوں۔ سنا لے والے کئی تھے اور ایک کے ختم کرتے نہ کرتے دوسرا فوراً کڑی پکڑ لیتا تھا۔

میں عشاء کی نماز کا ذکر کر رہا تھا۔ امام اُٹھے اور نماز پڑھا کر نمازیوں کو دعا دیکر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بزرگ نمازی، جنگا گھر سے لگ لگاؤ کم ہو چکا تھا، وہیں دیوار کا سہارا لیکر بیٹھے رہے۔ کئی قسم کے چرچے شروع ہوئے، جن کے سلسلے ختم ہوتے ہی اُس طرح جڑ جاتے تھے کہ وہ ایک لمبی داستان معلوم ہوتے تھے۔ وہ سارے چرچے اتنے دلچسپ تھے کہ من ہوتا تھا کہ بس سنتا ہی رہوں۔ سنا لے والے کئی تھے اور ایک کے ختم کرتے نہ کرتے دوسرا فوراً کڑی پکڑ لیتا تھا۔

میں عشاء کی نماز کا ذکر کر رہا تھا۔ امام اُٹھے اور نماز پڑھا کر نمازیوں کو دعا دیکر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بزرگ نمازی، جنگا گھر سے لگ لگاؤ کم ہو چکا تھا، وہیں دیوار کا سہارا لیکر بیٹھے رہے۔ کئی قسم کے چرچے شروع ہوئے، جن کے سلسلے ختم ہوتے ہی اُس طرح جڑ جاتے تھے کہ وہ ایک لمبی داستان معلوم ہوتے تھے۔ وہ سارے چرچے اتنے دلچسپ تھے کہ من ہوتا تھا کہ بس سنتا ہی رہوں۔ سنا لے والے کئی تھے اور ایک کے ختم کرتے نہ کرتے دوسرا فوراً کڑی پکڑ لیتا تھا۔

میں عشاء کی نماز کا ذکر کر رہا تھا۔ امام اُٹھے اور نماز پڑھا کر نمازیوں کو دعا دیکر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بزرگ نمازی، جنگا گھر سے لگ لگاؤ کم ہو چکا تھا، وہیں دیوار کا سہارا لیکر بیٹھے رہے۔ کئی قسم کے چرچے شروع ہوئے، جن کے سلسلے ختم ہوتے ہی اُس طرح جڑ جاتے تھے کہ وہ ایک لمبی داستان معلوم ہوتے تھے۔ وہ سارے چرچے اتنے دلچسپ تھے کہ من ہوتا تھا کہ بس سنتا ہی رہوں۔ سنا لے والے کئی تھے اور ایک کے ختم کرتے نہ کرتے دوسرا فوراً کڑی پکڑ لیتا تھا۔

میں عشاء کی نماز کا ذکر کر رہا تھا۔ امام اُٹھے اور نماز پڑھا کر نمازیوں کو دعا دیکر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بزرگ نمازی، جنگا گھر سے لگ لگاؤ کم ہو چکا تھا، وہیں دیوار کا سہارا لیکر بیٹھے رہے۔ کئی قسم کے چرچے شروع ہوئے، جن کے سلسلے ختم ہوتے ہی اُس طرح جڑ جاتے تھے کہ وہ ایک لمبی داستان معلوم ہوتے تھے۔ وہ سارے چرچے اتنے دلچسپ تھے کہ من ہوتا تھا کہ بس سنتا ہی رہوں۔ سنا لے والے کئی تھے اور ایک کے ختم کرتے نہ کرتے دوسرا فوراً کڑی پکڑ لیتا تھا۔

میں عشاء کی نماز کا ذکر کر رہا تھا۔ امام اُٹھے اور نماز پڑھا کر نمازیوں کو دعا دیکر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بزرگ نمازی، جنگا گھر سے لگ لگاؤ کم ہو چکا تھا، وہیں دیوار کا سہارا لیکر بیٹھے رہے۔ کئی قسم کے چرچے شروع ہوئے، جن کے سلسلے ختم ہوتے ہی اُس طرح جڑ جاتے تھے کہ وہ ایک لمبی داستان معلوم ہوتے تھے۔ وہ سارے چرچے اتنے دلچسپ تھے کہ من ہوتا تھا کہ بس سنتا ہی رہوں۔ سنا لے والے کئی تھے اور ایک کے ختم کرتے نہ کرتے دوسرا فوراً کڑی پکڑ لیتا تھا۔

ناخدا 'توہ پرمتاگ' کے मुखیا 'توہ پرمتاگ' کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن کی اجازت سے موٹھا پانی بہروانے کی اسکیم بنانے لگا۔ 'توہ پرمتاگ' کی چار بیٹیاں تھیں جن میں سے کسی چہرے سے نگر میں اگر کوئی خوبصورت لڑکی ہو تو لوگ اس کی کافی چرچا کرتے ہیں۔ ناخدا کے کانوں میں بھی راؤنا کی تعریف کی بات پڑی اور اُس نے اتفاق سے راؤنا کو دیکھا بھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ پریم موقع اور محل نہیں دیکھتا۔ راؤنا کو دیکھتے ہی ناخدا نے اپنا دل و جان اس پر نہچا کر دیا۔ وہ دن رات اُس کے پریم میں تڑپنے لگا۔ دیرپائیت کرنے پر معلوم ہوا کہ راؤنا تو پہلے سے ہی محبت کی منزل کی مسافر ہے۔ اُسکی شادی بن چکی تھی اور وہ ایک دوسرے شخص کی ملکیت تھی۔ مگر ناخدا کا پریم بھی ہار قبول کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ آخر تو وہ سوداگر تھا اور پریم بھی تو ایک سودا ہی ہے۔ وہ اس کے لئے تیار تھا کہ اس سودے میں اُسے جو بھی بازی لگانی پڑے وہ پیچھے نہ ہٹے گا۔

بھان سنتمہ ساتھ میرا من راؤنا کی خوبصورتی کی کلیا کرتے میں مشغول تھا۔ بڑھے نمازی نے میرا دھیان کھینچتے ہوئے کہا—”اجنبی! تم جانتے ہو کہ یہ سمانرا والہ ریشم اور خلتجور کے علاوہ ہشہکرن کی دوا بنا نا بھی جانتے ہیں۔“ میں نے شرمندہ ہو کر اپنی لائمی ظاہر کی۔ میں نے پوچھا کہ—”یہ ہشہکرن کی دوا ہے کیڈ؟“ بزرگوار نے جواب دیا—”یہ دوا ’جل کنیا‘ کے آنسو سے بنتی ہے۔ اس جل کنیا کو ہم لوگ ’دو یونگ‘ کہتے ہیں۔ جل کنیا سمندر میں رہتی ہے، ترنگوں کے ساتھ اٹھاتی ہے اور طوفانی موجوں کے ساتھ کھیلتی ہے۔ اُس کی خوراک صرف دوب ہے۔ سمندر سے نکل کر جب وہ دوب کھانے آتی ہے تو لوگ گھبرا ڈال کر اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ اُس کا قد آدمی سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اُس کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ پھلیس کے گوشت کی طرح اُس کا بھی گوشت لال ہوتا ہے۔ گرفتار ہونے پر یہ جل کنیا رونے لگتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ لال آنسو گرنے لگتے ہیں۔ وہ سمندر کی لہروں میں لوثنے کے لئے چپکھٹانے لگتی ہے۔ جس وقت وہ روتی ہے تو لوگ کتوروں میں اُس کے لال آنسو جمع کر لیتے ہیں۔ اگر اُن آنسوؤں کو بھات کے ساتھ ملا دیا جائے تو بھات کا رنگ بھی لال ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں ناخدا کے پاس بھی ایک شیشی میں اسی جل کنیا کے آنسو تھے۔ توہ پرمتاگ کے باورچی کو رشوت کی ایک بڑی رقم دیکر راؤنا کے بھات میں اُس نے جل کنیا کے آنسو ملوا دیئے۔ سمندر کی دیوی اُس لڑکی نے

ناخدا کے ساتھ میرا من راؤنا کی خوبصورتی کی کلیا کرتے میں مشغول تھا۔ بڑھے نمازی نے میرا دھیان کھینچتے ہوئے کہا—”اجنبی! تم جانتے ہو کہ یہ سمانرا والہ ریشم اور خلتجور کے علاوہ ہشہکرن کی دوا بنا نا بھی جانتے ہیں۔“ میں نے شرمندہ ہو کر اپنی لائمی ظاہر کی۔ میں نے پوچھا کہ—”یہ ہشہکرن کی دوا ہے کیڈ؟“ بزرگوار نے جواب دیا—”یہ دوا ’جل کنیا‘ کے آنسو سے بنتی ہے۔ اس جل کنیا کو ہم لوگ ’دو یونگ‘ کہتے ہیں۔ جل کنیا سمندر میں رہتی ہے، ترنگوں کے ساتھ اٹھاتی ہے اور طوفانی موجوں کے ساتھ کھیلتی ہے۔ اُس کی خوراک صرف دوب ہے۔ سمندر سے نکل کر جب وہ دوب کھانے آتی ہے تو لوگ گھبرا ڈال کر اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ اُس کا قد آدمی سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اُس کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ پھلیس کے گوشت کی طرح اُس کا بھی گوشت لال ہوتا ہے۔ گرفتار ہونے پر یہ جل کنیا رونے لگتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ لال آنسو گرنے لگتے ہیں۔ وہ سمندر کی لہروں میں لوثنے کے لئے چپکھٹانے لگتی ہے۔ جس وقت وہ روتی ہے تو لوگ کتوروں میں اُس کے لال آنسو جمع کر لیتے ہیں۔ اگر اُن آنسوؤں کو بھات کے ساتھ ملا دیا جائے تو بھات کا رنگ بھی لال ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں ناخدا کے پاس بھی ایک شیشی میں اسی جل کنیا کے آنسو تھے۔ توہ پرمتاگ کے باورچی کو رشوت کی ایک بڑی رقم دیکر راؤنا کے بھات میں اُس نے جل کنیا کے آنسو ملوا دیئے۔ سمندر کی دیوی اُس لڑکی نے

اجنجان میں وہ بات کیا تھا۔ راؤنا اسے کہا کہ ناخدا کے پیار میں دیوانی ہو گئی۔

ناخدا ایک مہینہ تک تیلک پاتو میں ٹھہرا رہا۔ راؤنا کی داسی کو شمیمی ریشم مینڈ دے کر اسکی مہر سے وہ رोज राउना से मिलता रहा۔ इस तरह की बात असें तक चलती रहे और कोई सबेह न करे यह नामुमकिन है۔ उसके प्रेम पर अब डर हावी होने लगा। राउना एक ताकतवर मुखिया की लड़की और वह एक अजनबी परदेसी। अगर तोह परमितांग को जरा भी झुझा हुआ तो या उसकी बोटी बोटी काट ली जायेगी और या वह कुत्तों से चुबवा कर फेंक दिया जायेगा। रेशम का सौदागर प्रेम का सौदा न निभा सका। इसलिये पीने का पानी भरकर बिना किसी को इत्तला दिये एक दिन उसने अपनी किरती के लंगर उठा लिये।

छोटी सी जगह में जरा जरा सी बात की चरचा होती है। राउना के कान में ज्यों ही नाखुदा मावीन की खानगी की भनक पड़ी वह बदहवास होकर बन्दरगाह की तरफ दौड़ी, उसकी बहनें उसके पीछे पीछे। नाब ने पाल उठा दिये थे मगर हवा की रफतार मन्थर थी, इसलिये नाखुदा की किरती किनारे से कुछ थोड़ा आगे लहरों के हलकोरों से खेल रही थी। राउना समुद्र की लहरों को चीरते हुए आगे बढ़ी। उसकी बहनों ने उसे पूरी ताकत से पकड़ कर रोका और सुरिकल से उसे डूबने से बचा पाईं। चीख पुकार सुनकर किनारे के कुछ लोग इकट्ठा हो गये। सारी कहानी सुनकर उन्होंने नाखुदा को वापिस आने को कहा। मगर सुमात्रा का वह सौदागर उस वापसी का मतलब खूब समझता था। लोगी ने उसकी नाब का पीछा किया मगर तब तक अनुकूल वायु पाकर वह उनकी गिरिस्त में न आ सका।

राउना अपने बुजबिल और निर्दयी प्रेमी की जुदाई में जार जार रोती और आहें भरती रही। नाखुदा फिर कभी तेलुकबाटू वापस नहीं लौटा। राउना की बिपता पर अर्सा हुआ मौत ने काली चादर ढक दी। मगर राउना की जुदाई का गीत अब तक मलाया में गाया जाता है। उसकी कुछ सतरें मैं आपको सुनाता हूँ और मुझे उम्मेद है आप ऊँचेंगे नहीं।

मेरे नाखुदा !

मेरे प्राणों के सहारे ! तुम कहाँ हो ?

ऊँचे ऊँचे ताड़ के दरख्त,

मेरे क्रासिदों की हैसियत से

तुम्हारी आमद का इन्जार कर रहे हैं,

फल दरख्तों से टूट कर अपना सर धुन रहे हैं।

मेरे नाखुदा !

मैं तुम्हारी बहुत सुन्दर महबूबा,

नाखदा एक महीने तक तیلک پاتو میں ٹھہرا رہا۔ راؤنا کی داسی کو شمیمی ریشم مینڈ دیکر اس کی محد سے وہ روز راؤنا سے ملتا رہا۔ اس طرح کی بات عرصہ تک چلتی رہی اور کوئی سنبہ نہ کرے یہ ناممکن ہے۔ اس کے پریم پر اب تر حاوی ہوئے گا۔ راؤنا ایک طاقتور مکھیا کی لڑکی اور وہ ایک اجلی۔ پردیسی۔ اگر تہہ پر متانگ کو ذرا بھی شبہ ہوا تو یا اسکی ہوتی ہوتی کات لیجائے گی اور یا وہ کتوں سے نچوا کر پھینک دیا جائیگا۔ ریشم کا سوداگر پریم کا سودا نہ نہا سکا۔ اس لئے پینے کا پانی بھر کر بنا کسی کو اطلاع دینے ایک دن اس نے اپنی کشتی کے لنگر اٹھا لئے۔

چھوٹی سی جگہ میں ذرا ذرا سی بات کی چرچا ہوتی ہے۔ راؤنا کے کان میں جہوں ہی ناخدا مہین کی روانگی کی بھلک پڑی وہ بدحواس ہو کر بندرگاہ کی طرف دوڑی، اس کی بہنیں اس کے پیچھے پیچھے۔ ناؤ نے پال اٹھا دئے تھے مگر ہوا کی رفتار منکھڑ تھی، اس لئے ناخدا کی کشتی کنارے سے کچھ تھوڑا آگے لہروں کے ہلکوروں سے کھل رہی تھی۔ راؤنا سمندر کی لہروں کو چھرتے ہوئے آگے بڑھی۔ اس کی بہنوں نے اسے پوری طاقت سے پکڑ کر روکا اور مشکل سے اسے توبہ سے بچا پائیں۔ چپخ پکار ستر کنارے کے کچھ لوگ اٹکھا ہوئے۔ ہساری کہانی ستر انہوں نے ناخدا کو واپس آنے کو کہا۔ مگر سماترا کا وہ سوداگر اس واپسی کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔ لوگوں نے اس کی ناؤ کا پیچھا کیا مگر تب تک انوکول واپو پاکر وہ ان کی گرفت میں نہ آسکا۔

راؤنا اپنے بزدل اور نردنی پریمی کی جدائی میں زار زار روتی اور آہیں بھرتی رہی۔ ناخدا پھر کبھی تیلک باتو واپس نہیں لوٹا۔ راؤنا کی بیٹا پر عرصہ ہوا موت نے کالی چادر تھک دی۔ مگر راؤنا کی جدائی کا گیت اب تک ملایا میں گایا جاتا ہے۔ اس کی کچھ سطریں میں آپ کو سناتا ہوں اور مجھے اُمید ہے آپ اُڑیں گے نہیں۔

مہرے ناخدا !

مہرے پرانوں کے سہارے ! تم کہاں ہو ؟

اُونچے اُونچے تار کے درخت،

مہرے قاصدوں کی حیثیت سے

تمہاری آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔

پہل درختوں سے ٹوٹ کر اپنا سر دھن رہے ہیں۔

مہرے ناخدا !

میں تمہاری بہت سندر محبوبہ !

تुम्ہاری جھمبڑی کی ہیرک کئی،
پرستیاں گونگاں کی جھوٹی،
توہارے کیرہ میں تھپ رہی ہیں۔

میرے ناکھدا !

توہارے چاکڑوں کی نئی تلو جپ جپ،
میرے کانوں میں پڑ رہی ہے،
توہاری ناہ چپل ترنگوں میں تیرتی ہوئی،
دور، بہت دور، ہر منٹ دور چلی جا رہی ہے !

میرے ناکھدا !

میرے پرائی !

میرے کھینچی کے आधार !

میرے ماہی !

توہاری پوجارین توہاری پوجا میں بکست ہے۔

پریتم ! سرج کی کیراں بے دم ہو رہی ہیں،
جب تو نے لنگر اٹھایا تھا،
ہوا کا رخ موافق نہ تھا،
لیکن اللہ کے رحم کی کوئی حد نہیں،
خدا کے فضل سے ہم جنت کے باغ میں ملیں گے۔

پریتم ! رہ رہ کر دیکھنے سے توفانی ترنگیں اُٹھ رہی ہیں،
دیکھو ہوشیار رہنا،
بائیں اور کا پال نہ کھولنا،
تین مہینے اور دس دن میں،
میرے پریتم تم ضرور لوٹ آنا۔

میری کھینچی کے आधार !

میرا دم ٹاپو پر پھنچ کر بوجھا آرام کر لینا،
تو مجھے ڈھونڈ کر جا رہے ہو،
لیکن مجھے لمبی جدائی نہ سہنے دینا،
دو مہینے بس—
کیا کہ سے کیا کہ تین مہینے میں لوٹ آنا۔

پریتم ! سمندر کی لہریں شانت ہیں،
کھینچے پر کھینچی کبھی نہیں لگاتے،
کیا میرے در سے کرتے ہو،
کیا تو نے اپنے خنجر کی ڈھار،
ابھی حال ہی میں نہیں تیز کرائی تھی ؟

میرے پرائی کے आधार !

تو تلخ باتو آئے،
میرے دل کی شانتی چلی گئی،
شہطان میری تپیں کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے،
میرا دل تو توہارے پاس ہے !

توہاری انگلی کی ہیرک کئی،
پرستیاں گونگاں کی جھوٹی،
توہارے ہرے میں تھپ رہی ہیں۔

میرے ناکھدا !

توہارے چاکڑوں کی نئی تلو جپ جپ،
میرے کانوں میں پڑ رہی ہے،
توہاری ناہ چپل ترنگوں میں تیرتی ہوئی،
دور، بہت دور، ہر منٹ دور چلی جا رہی ہے !

میرے ناکھدا !

میرے پرائی !

میرے زندگی کے ادھار !

میرے محبوب !

توہاری پوجارین توہاری پوجا میں بکست ہے۔

پریتم ! سرج کی کیراں بے دم ہو رہی ہیں،
جب تم نے لنگر اٹھایا تھا،
ہوا کا رخ موافق نہ تھا،
لیکن اللہ کے رحم کی کوئی حد نہیں،
خدا کے فضل سے ہم جنت کے باغ میں ملیں گے۔

پریتم ! رہ رہ کر دیکھنے سے توفانی ترنگیں اُٹھ رہی ہیں،
دیکھو ہوشیار رہنا،
بائیں اور کا پال نہ کھولنا،
تین مہینے اور دس دن میں،
میرے پریتم تم ضرور لوٹ آنا۔

میری زندگی کے ادھار !

شری رام ٹاپو پر پھنچ کر بوجھا آرام کر لینا،
تو مجھے ڈھونڈ کر جا رہے ہو،
لیکن مجھے لمبی جدائی نہ سہنے دینا،
دو مہینے بس—
کیا کہ سے زیادہ تین مہینے میں لوٹ آنا۔

پریتم ! سمندر کی لہریں شانت ہیں،
کھینچے پر کھینچی کبھی نہیں لگاتے،
کیا میرے در سے کرتے ہو،
کیا تو نے اپنے خنجر کی ڈھار،
ابھی حال ہی میں نہیں تیز کرائی تھی ؟

میرے پرائی کے ادھار !

تم تلخ باتو آئے،
اور میرے دل کی شانتی چلی گئی،
شہطان میری تپیں کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے،
میرا دل تو توہارے پاس ہے !

پریتم !

میری آواز پر سیر کرو،
امنمولا دیوے کو اپنے ہاتھ سے نہ رکھو،
ورنہ سب تمہاری ہنسی اڑائیں گے !

پریتم !

میری آواز پر سیر کرو،
امنمولا دیوے کو اپنے ہاتھ سے نہ رکھو،
ورنہ سب تمہاری ہنسی اڑائیں گے !

میرے ناخدا !

سمندر تاروں سے جونی اس چٹائی پر کون لے دے گا ؟
اس ریشمی دلائی کو کون اڑھے گا ؟
اس چاندی کی چوکی پر کون بیٹھے گا ؟
اور یہ تکیہ اب کس کو سہارا دے گا ؟

میرے ناخدا !

سمندر تاروں سے جونی اس چٹائی پر کون لے دے گا ؟
اس ریشمی دلائی کو کون اڑھے گا ؟
اس چاندی کی چوکی پر کون بیٹھے گا ؟
اور یہ تکیہ اب کس کو سہارا دے گا ؟

میرے ناخدا !

تھالی میں سجے پکوان اب کون کھا دے گا ؟
برف سا ٹھنڈا پانی اب کون پی دے گا ؟
توہاری مایوس دلربا کو کون تھارس دے گا ؟
او موت ! آ اور مجھے تکلیفوں سے بری کر۔

میرے ناخدا !

تھالی میں سجے پکوان اب کون کھا دے گا ؟
برف سا ٹھنڈا پانی اب کون پی دے گا ؟
توہاری مایوس دلربا کو کون تھارس دے گا ؟
او موت ! آ اور مجھے تکلیفوں سے بری کر۔

ناخدا کی کیرتی آسٹوں سے آؤٹل ہو گئی۔ راتنا
روٹی اور چیللائی تھی۔ سمندر کی لہروں میں سما جانے
کو ڈھپٹاتی تھی۔ اگر اس کی بہنیں اس کے پاس نہ ہوتیں تو جدائی کا
گیت سمندر کی سطح میں خاموش پڑا رہتا۔ راؤنا اور ناخدا
یہی کہانی تھی۔ ملا کا بچہ بچہ اسے جانتا ہے۔ راؤنا پورے
۴ مہینے تک ناخدا کی جدائی میں دیوانی رہی۔ آخر
اس کے باپ نے زبردستی اس کے منکبتر کے ساتھ اس کی
ادی کر دی۔ اس پر کسی بیٹی یہ جان سکنا ممکن نہیں
ورنہ اس کا لڑک بدن اس کی روح کو زیادہ دنوں تک
نی بھتر سمیت کر نہ رکھ سکا۔

ناخدا اور راتنا کی کہانی میں خویا خویا سا مینے
بوجھوار سے پوچھا—”ہزارت ! یہ جمل کنیا کے آؤٹس
میلنگے کیسے ؟“

بوجھوار نے ہنس کر جواب دیا—”بھوت آسان
بات ہے۔ جمل کنیا جب کینارے کی میٹی دھب خانے سمندر
سے باہر نیکلے تب اسے پکڑ لو اور اسے کینارے سے
کس کر باؤد و۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے ساتھی کی جدائی میں
تڑپ تڑپ کر روتے ہیں۔ تم اس کے آؤٹس کو ایک پھالے میں اکٹھا کر لو۔ بس
اس سے تم لوگوں کو اپنے بس میں کر سکتے ہو۔“

اس کے بعد مسجد میں سلاتا چھا گیا۔ پھر کولے میں بیٹھا
ایک آدمی بول پڑا—”میں نے سنا ہے پیلانگ شہر میں
ل کنیا کے آؤٹس بکتے ہیں۔“

کہانی سناتے والے نے فوراً جواب دیا—”وہ تو میں نے ہی
سنا ہے۔ مگر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نقلی آؤٹس ہیں۔ بخیر
تھان لئے اسے خریدنا بیکار ہے۔“

ناخدا اور راؤنا کی کہانی میں کھویا کھویا سا مینے نے بزرگوار
پوچھا—”حضرت ! یہ جل کنیا کے آؤٹس ملیں گے کیسے ؟“
بزرگوار نے ہنس کر جواب دیا—”بہت آسان بات ہے۔
ل کنیا جب کنارے کی میٹی دھب خانے سمندر سے باہر
آئے تب اسے پکڑ لو اور اسے کنارے سے کس کر باندھ دو۔ تھوڑی
دیر میں وہ اپنے ساتھی کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر روتے
ہیں۔ تم اس کے آؤٹس کو ایک پھالے میں اکٹھا کر لو۔ بس
اس سے تم لوگوں کو اپنے بس میں کر سکتے ہو۔“

اس کے بعد مسجد میں سلاتا چھا گیا۔ پھر کولے میں بیٹھا
ایک آدمی بول پڑا—”میں نے سنا ہے پیلانگ شہر میں
ل کنیا کے آؤٹس بکتے ہیں۔“
کہانی سناتے والے نے فوراً جواب دیا—”وہ تو میں نے ہی
سنا ہے۔ مگر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نقلی آؤٹس ہیں۔ بخیر
تھان لئے اسے خریدنا بیکار ہے۔“

میں نے پوچھا—”مگر امتحان کیسے لیا جائے؟“

بزرگوار بولے—”وہ بھی آسان ہے۔ ایک بطخ کی چونچ میں آٹے فرا سا مل دیجیے۔ اگر جل کر کھیا جائے تو بطن میں آٹے کی لکڑی لگ جائے گی۔ جہاں جہاں آپ جائیں گے، پیچھے پیچھے بطخ ہوگی۔“

میں نے سنجیدگی سے پوچھا—”نیا آپ نے اس کی آزمائش بھی کی ہے؟“

”جی نہیں! مجھے بشکریہ کی ضرورت نہیں۔ میں ایسی آگ نہیں سلگاتا چاہتا جس کی لہٹیں میرے قابو میں نہ ہوں۔ کسی کو جل کر کھیا جائے تو اس سے اپنی محبت میں دیوانہ بنا دیتا تو آسان ہے مگر اُس بیمار کے سونے کو نیا سنا بہت مشکل ہے۔ بہر حال اگر خود میں یہ آٹے خریدوں تو انہیں پہلے بطخ پر ضرور آزمائوں۔“

رات گھنٹے اٹھیرے کی چادر اڑھ کر خاموش سو رہی۔ دور سمندر کی لہروں کی छप छप سناई دے رہی ہے اور میں صنیعی پلکوں سے راؤنا کے پریم اور جل کر کھیا کے آنسوؤں کی بات سوچ رہا ہوں۔

×

×

×

×

×

×

×

نیا ہند کے پاٹھوں کے لیے میں نے راؤنا کے بڑھ گیت کا ترجمہ چھوں کا تیسوں دیا ہے۔ صرف ’آدھار‘ لفظ کا ملاپ میں بنیادی ترجمہ ’چھاتا‘ ہوا ہے۔ چھاتا میں اور دھوپ سے بچانا ہے۔ پرش چونکہ استری کی حفاظت کرتا ہے اس لئے ملاپ میں خاوند کو ’چھاتا‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اسی طرح ’تکیہ‘ کا مراد ارتھ، ’پتنی‘ ہے اور چونکہ پتنی پرش کو سہارا دیتی ہے اس لئے ملاپ زبان میں پتنی کو ’تکیہ‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

نیا ہند کے پاٹھوں کے لئے میں نے راؤنا کے بڑھ گیت کا ترجمہ چھوں کا تیسوں دیا ہے۔ صرف ’آدھار‘ لفظ کا ملاپ میں بنیادی ترجمہ ’چھاتا‘ ہوا ہے۔ چھاتا میں اور دھوپ سے بچانا ہے۔ پرش چونکہ استری کی حفاظت کرتا ہے اس لئے ملاپ میں خاوند کو ’چھاتا‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اسی طرح ’تکیہ‘ کا مراد ارتھ، ’پتنی‘ ہے اور چونکہ پتنی پرش کو سہارا دیتی ہے اس لئے ملاپ زبان میں پتنی کو ’تکیہ‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

”سچے سچا سدا کا، سچا سبھتا کا لکشن پری کرہ
برہانا نہیں ہے، بلکہ اُس کا دھار اور اچھا پروک
کھانا ہے۔ چھوں چھوں پری کرہ ہٹانے توں نہیں سچا
سکھ اور سچا سنوہی برہانا ہے، سدا شکتی برہتی ہے۔“

—باپو

”سچے سچا سدا کا، سچا سبھتا کا لکشن پری کرہ
برہانا نہیں ہے، بلکہ اُس کا دھار اور اچھا پروک
کھانا ہے۔ چھوں چھوں پری کرہ ہٹانے توں نہیں سچا
سکھ اور سچا سنوہی برہانا ہے، سدا شکتی برہتی ہے۔“

—باپو

اَللّٰہ میاں کے گیت

अल्ला मियां के गीत

श्रीमती हाजरह बेगम

श्रीमती हाजरह बेगم

अंग्रेज मिशनरियों ने जब अफ्रीका के हबशियों को इंसानियत की तालीम देनी चाही तो उनको ईसाई बनाया. लेकिन न तो उनको हबशियों की खान, न पुराने तमइन (सभ्यता) न रस्म रिवाज से इतनी वाकफियत थी कि वह उनको मसीही मजहब का फलसफा समझा सकते और न ही उनको इसकी क्यादा परबाह थी. मकसद तो यह था कि जल्द से जल्द क्यादा से क्यादा हबशी अपने आप को ईसाई समझने लगे. खुनांचे जो अबज नतीजा नये और पुराने फलसफे की टक्कर का निकला और जो रंग इस नई वारनिश ने पुरानी लकड़ी पर चढ़ाया, उसका अन्दाज़ा हम इन गीतों से कर सकते हैं, जो आज भी अमरीका के हबशी अपनी सोच भरी आवाज़ में गाते हैं और जिनको कि 'निग्रो स्त्रीचुएल्स' कहा जाता है.

कुछ ऐसा ही असर हिन्दुस्तान के पुराने बाशिन्दों (आर्यतर) के दिमारा पर जरूर हुआ होगा जब कि फरामरवा के मुसलमान होने की वजह से उन्होंने इस्लाम कबूल किया. उनका मजहब उनके वह रस्मो रिवाज थे जो कि फितरत के कानूनों की मुनासबत से अख्तियार किये गये थे और इस मजहब का फलसफा समझने की उन्हें कभी जरूरत न पड़ी थी, क्योंकि वह तो नसलन बाद नसलन (पुस्त दर पुस्त) से बनता और बदलता आया था और उनके रंगों रेशों में पैबस्त था. लेकिन अब एक रौर मुल्की कौम ने अपना फलसफा वहदत और रसालत का उनके सामने रखा, जिसको उन्होंने इस हद तक कबूल तो जरूर किया कि मुसलमान कहलाने लगे. लेकिन हुआ वही कि पुराने पर नई कलई चढ़ गई, यानी बजाय कृष्ण कन्हैया के बड़े पीर साहब, राम लछमन की जगह हुसैन हुसेन, सीता की जगह बीबी फातमा हो गई. इस दौर की एक भलक हमें अल्लामियां के गीतों से मिलती है.

पूर्वीय हिन्दुस्तान में जब कोई खुरी की तकरीब होती है तो रतजगा होता है यानी औरतें रात भर जागती हैं, ढोलक बजाती और गाती हैं और गुलगुले पकाती है. सुबह होते होते गुलगुले लेकर मस्जिद जाती हैं और ताक भरती हैं. मुसलमानों में दस्तूर है कि ऐसे मौकों पर पहले सात गीत अल्ला मियां के गाये जाते हैं, फिर सात सहर लख के या भाई के और फिर तकरीब के मुनासिब जो गीत हो, मसलन सुहाग के या स्वयंवर के गीत.

अंग्रेज मिशनरियों ने जब अफ्रीके के हबशियों को इंसानियत की तालिम देनी चाही तो उनको ईसाई बनाया. लेकिन न तो उनको हबशियों की खान, न पुराने तमइन (सभ्यता) न रस्म रिवाज से इतनी वाकफियत थी कि वह उनको मसीही मजहब का फलसफा समझा सकते और न ही उनको इसकी क्यादा परबाह थी. मकसद तो यह था कि जल्द से जल्द क्यादा से क्यादा हबशी अपने आप को ईसाई समझने लगे. खुनांचे जो अबज नतीजा नये और पुराने फलसफे की टक्कर का निकला और जो रंग इस नई वारनिश ने पुरानी लकड़ी पर चढ़ाया, उसका अन्दाज़ा हम इन गीतों से कर सकते हैं, जो आज भी अमरीका के हबशी अपनी सोच भरी आवाज़ में गाते हैं और जिनको कि 'निग्रो स्त्रीचुएल्स' कहा जाता है.

कुछ ऐसा ही असर हिन्दुस्तान के पुराने बाशिन्दों (आर्यतर) के दिमारा पर जरूर हुआ होगा जब कि फरामरवा के मुसलमान होने की वजह से उन्होंने इस्लाम कबूल किया. उनका मजहब उनके वह रस्मो रिवाज थे जो कि फितरत के कानूनों की मुनासबत से अख्तियार किये गये थे और इस मजहब का फलसफा समझने की उन्हें कभी जरूरत न पड़ी थी, क्योंकि वह तो नसलन बाद नसलन (पुस्त दर पुस्त) से बनता और बदलता आया था और उनके रंगों रेशों में पैबस्त था. लेकिन अब एक रौर मुल्की कौम ने अपना फलसफा वहदत और रसालत का उनके सामने रखा, जिसको उन्होंने इस हद तक कबूल तो जरूर किया कि मुसलमान कहलाने लगे. लेकिन हुआ वही कि पुराने पर नई कलई चढ़ गई, यानी बजाय कृष्ण कन्हैया के बड़े पीर साहब, राम लछमन की जगह हुसैन हुसेन, सीता की जगह बीबी फातमा हो गई. इस दौर की एक भलक हमें अल्लामियां के गीतों से मिलती है.

पूर्वीय हिन्दुस्तान में जब कोई खुरी की तकरीब होती है तो रतजगा होता है यानी औरतें रात भर जागती हैं, ढोलक बजाती और गाती हैं और गुलगुले पकाती है. सुबह होते होते गुलगुले लेकर मस्जिद जाती हैं और ताक भरती हैं. मुसलमानों में दस्तूर है कि ऐसे मौकों पर पहले सात गीत अल्ला मियां के गाये जाते हैं, फिर सात सहर लख के या भाई के और फिर तकरीब के मुनासिब जो गीत हो, मसलन सुहाग के या स्वयंवर के गीत.

مہینہ دین

مہینے اچھا مہینا کے گیتوں میں سے کچھ دیے جاتے ہیں—

اچھا مہینا خوب بنی توہی شان.

سب مہینوں میں اچھا مہینا اچھا،

وہ بھی مہینا رمان.

سب کتابوں میں اچھا کتاب اچھا،

وہ بھی کتاب کوران.

سب جتنوں میں اچھا جتن اچھا،

وہ بھی جتن آسان.

سب بیبین میں اچھا بیبین اچھا،

وہ بھی بیبین فائز.

سب پیروں میں اچھا پیر اچھا،

وہ بھی پیر بڑے پیر.

اُپنات—اچھا مہینا توہی شان، خوب بنی ہے. سب مہینوں میں اچھا مہینا اچھا ہوتا ہے، وہ رمان کا مہینا ہوتا ہے اور سب کتابوں میں بڑھ کر کتاب کوران ہے، اسی طرح ساری جتنوں سے زیادہ عمدہ جتن آسان کی ہے. بیبینوں میں ایک ہی بیبین قابل تعریف ہے، وہ بیبین فائز ہے. اور پیروں میں اگر کوئی ہے تو وہ بڑے پیر ہیں یعنی خواجہ معین الدین اچھری.

خوب بنی ہے اچھا توہی مہجہ،

خوب بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے بنی ہے اچھا توہی مہجہ،

کاہے بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

سوانے بنی ہے اچھا توہی مہجہ،

سوانے بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے بھاروں اچھا توہی مہجہ،

کاہے بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

ہاتھوں بھاروں اچھا توہی مہجہ،

ہاتھوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

پلکوں بھاروں اچھا توہی مہجہ،

پلکوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے چڑھاؤں اچھا توہی مہجہ،

کاہے چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

لہو چڑھاؤں اچھا توہی مہجہ،

لہو چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

اُپنات—اچھا مہینا توہی مہجہ، خوب بنی ہے اور نہی توہی روجا بھی خوب بنی ہے. اچھا توہی مہجہ کس چیز کی بنی ہے اور نہی توہی روجا کس چیز کا بنی ہے؟ سوانے کی تو مہجہ اچھا توہی ہے اور سوانے کا ہی روجا نہی کا ہے. اچھا میں توہی مہجہ میں کاہے سے سوچا رہا ہوں اور نہی کا روجا میں کاہے سے مٹاؤں؟ ہاتھوں سے اچھا میں توہی مہجہ اور پلکوں سے نہی توہی روجا مٹاؤں. اور پھر چڑھاؤں کیا میں توہی مہجہ اور روجہ میں؟ لہو

نیچے اللہ مہینوں کے گیتوں میں سے کچھ دیے جاتے ہیں—

اللہ مہینوں میں اچھا مہینہ اچھا.

سب مہینوں میں اچھا مہینہ اچھا،

وہ بھی مہینہ رمضان.

سب کتابوں میں اچھا کتاب اچھا،

وہ بھی کتاب قرآن.

سب جتنوں میں اچھا جتن اچھا،

وہ بھی جتن آسان.

سب بیبین میں اچھا بیبین اچھا،

وہ بھی بیبین فائز.

سب پیروں میں اچھا پیر اچھا،

وہ بھی پیر بڑے پیر.

اُپنات—اللہ مہینوں میں اچھا مہینہ اچھا ہوتا ہے، وہ رمضان کا مہینہ ہوتا ہے اور سب کتابوں میں بڑھ کر کتاب قرآن ہے، اسی طرح ساری جتنوں سے زیادہ عمدہ جتن آسان کی ہے. بیبینوں میں ایک ہی بیبین قابل تعریف ہے، وہ بیبین فائز ہے. اور پیروں میں اگر کوئی ہے تو وہ بڑے پیر ہیں یعنی خواجہ معین الدین اچھری.

خوب بنی ہے اللہ توہی مہجہ،

خوب بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے بنی ہے اللہ توہی مہجہ،

کاہے بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

سوانے بنی ہے اللہ توہی مہجہ،

سوانے بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے بھاروں اللہ توہی مہجہ،

کاہے بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

ہاتھوں بھاروں اللہ توہی مہجہ،

ہاتھوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

پلکوں بھاروں اللہ توہی مہجہ،

پلکوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے چڑھاؤں اللہ توہی مہجہ،

کاہے چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

لہو چڑھاؤں اللہ توہی مہجہ،

لہو چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

اُپنات—اللہ مہینوں میں اچھا مہینہ اچھا ہوتا ہے، وہ رمضان کا مہینہ ہوتا ہے اور سب کتابوں میں بڑھ کر کتاب قرآن ہے، اسی طرح ساری جتنوں سے زیادہ عمدہ جتن آسان کی ہے. بیبینوں میں ایک ہی بیبین قابل تعریف ہے، وہ بیبین فائز ہے. اور پیروں میں اگر کوئی ہے تو وہ بڑے پیر ہیں یعنی خواجہ معین الدین اچھری.

تو میں اچھا تیری مریضی سے بھاگتا ہوں اور بھاگتا ہوں تیرے روئے
پر بھاگتا۔

اچھا میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔
کدھر سے اترتا سندیل کدھریا،
کدھر سے اترتا فूल—ہو.....
کدھر سے اترتا جاجم بیخوینا،
بٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
اچھا میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔
مکے سے اترتا سندیل کدھریا،
مدیہ سے اترتا فूल—ہو.....
کعبہ سے اترتا جاجم بیخوینا،
بٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
کین نے جوتھاری سندیل کدھریا
کین نے جوتھارا فूल—ہو.....
کین نے جوتھارا جاجم بیخوینا
رٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
مکھی جوتھاری سندیل کدھریا،
بھوترا جوتھارا فूल—ہو.....
چیونٹی جوتھاری جاجم بیخوینا،
رٹھ گئے نبی رسول—ہو.....

اچھا میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔

بھائی—اچھا میاں کے کلسوں پر نور برساتا ہے۔
کدھر سے اترتا سندیل کا کدھرا اور کدھر سے اترتا فूल؟
اور کدھر سے اترتا جاجم بیخوینا اترتا جس پر کین نبی
رسول بٹھے؟ مکے سے تو سندیل کا کدھرا اترتا اور مدینہ
سے فूल اترتا اور کعبہ سے جاجم بیخوینا اترتا جس پر
نبی رسول بٹھے۔ سندیل کا کدھرا کس نے جوتھا کیا اور
فूल اور جاجم بیخوینا کس نے جوتھا کیا کین نبی رسول
رٹھ گئے؟ مکھیوں نے سندیل کے کدھرے کو اور بھوترا نے
فول کو جوتھا کیا اور چیونٹی جاجم بیخوینا پر چڑھ گئی، اس لئے نبی
رسول رٹھ گئے۔

چلے آئیے بڑے پیر—مہجد میں۔
سوئے کی تھالی میں بھوجن پرہسا،
کھائے کھائے بڑے پیر—مہجد میں۔
چاندی کا گڑا گنگا جال پانی،
پیا پیا بڑے پیر—مہجد میں۔
چلے آئیے بڑے پیر—مہجد میں۔

بھائی—بڑے پیر (خواجہ محمد ابراہیم اجمیری) تم مہجد
میں چلے آنا۔ میں نے سوئے کی تھالی میں بھوجن پرہسا
کھانا سجا دیا ہے، تم مسجد میں کھانا چاندی کے برتن میں
میں نے گنگا جال پانی ہے، اے بڑے پیر تم آکر پی جانا۔

و میں اللہ تبارک و تعالیٰ میں چڑھوں اور پڑھوں تیرے روئے
پر چڑھوں۔

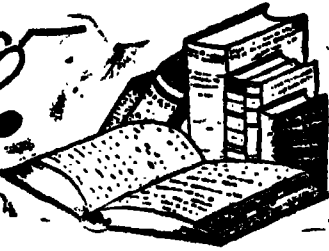
اللہ میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔
کدھر سے اترتا سندیل کدھریا،
کدھر سے اترتا فूल—ہو.....
کدھر سے اترتا جاجم بیخوینا،
بٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
اللہ میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔
مکے سے اترتا سندیل کدھریا،
مدینہ سے اترتا فूल—ہو.....
کعبہ سے اترتا جاجم بیخوینا،
بٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
کین نے جوتھاری سندیل کدھریا،
کین نے جوتھارا فूल—ہو.....
کین نے جوتھارا جاجم بیخوینا،
رٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
مکھی جوتھاری سندیل کدھریا،
بھوترا جوتھارا فूल—ہو.....
چیونٹی جوتھاری جاجم بیخوینا،
رٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
اللہ میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔

ارتھات—اللہ میاں کے کلسوں پر نور برساتا ہے۔ کدھر سے
اترنا سندیل کا کدھرا اور کدھر سے اترتا فूल؟ اور کدھر سے
جاجم بیخوینا اترتا جس پر نبی رسول بٹھے؟ مکے سے تو سندیل کا
کدھرا اترتا اور مدینہ سے فूल اترتا اور کعبہ سے جاجم بیخوینا
اترنا جس پر نبی رسول بٹھے۔ سندیل کا کدھرا کس نے جوتھا
کیا اور فूल اور جاجم بیخوینا کس نے جوتھا کیا کین نبی رسول
رٹھ گئے؟ مکھیوں نے سندیل کے کدھرے کو اور بھوترا نے فूल کو
جوتھا کیا اور چیونٹی جاجم بیخوینا پر چڑھ گئی، اس لئے نبی
رسول رٹھ گئے۔

چلے آئیے بڑے پیر—مہجد میں۔
سوئے کی تھالی میں بھوجن پرہسا،
کھائے کھائے بڑے پیر—مہجد میں۔
چاندی کا گڑا گنگا جال پانی،
پیا پیا بڑے پیر—مہجد میں۔
چلے آئیے بڑے پیر—مہجد میں۔

ارتھات—بڑے پیر (خواجہ محمد ابراہیم اجمیری) تم مہجد
میں چلے آنا۔ میں نے سوئے کی تھالی میں بھوجن پرہسا
کھانا سجا دیا ہے، تم مسجد میں کھانا چاندی کے برتن میں
میں نے گنگا جال پانی ہے، اے بڑے پیر تم آکر پی جانا۔

کتابیں



نوجوانوں پرکاشن مندر احمدآباد کی چھٹی ہوئی چہ کتابیں
ہمارے سامنے ہیں:—

1. सर्वोदय, लेखक गान्धी जी, सके 244, मूल्य
ठाई रुपया.

2. Truth Is God (महात्मा गान्धी के लेखों
का संग्रह) सके. 168, मूल्य दो रुपया.

3. For Workers Against Untouchability,
(महात्मा गान्धी के लेखों का संग्रह) सके 34.
मूल्य आठ आना.

4. How To Serve The Cow (महात्मा
गान्धी के लेखों का संग्रह), सके 109, मूल्य सवा रुपया.

5. Nature Cure (महात्मा गान्धी के लेखों का
संग्रह), सके 68, मूल्य बारह आना.

6. A Discipline For Nonviolence,
लेखक रिचर्ड बी. ग्रेग, सके 32, मूल्य दस आना.

पहली किताब 'सर्वोदय' दो विभागों में बंटी हुई है.
पहले विभाग के सात भाग हैं, और दूसरे के पांच. पहले
विभाग में समय समय पर लिखी हुई सर्वोदय के बारे में
गान्धी जी की रायें और दूसरे विभाग में श्री राज गोपाला-
चारी, आचार्य विनोबा, श्री जे. सी. कुमारप्पा, श्री मशरू-
बासा और श्री धीरेन्द्र मजूमदार के सर्वोदय के सम्बन्ध
में विचार हैं.

स्वतंत्र भारत में कैसा समाज बनेगा, आज यह विचार
सब के सामने है. तरह तरह के बाद का लोग जिक्र करते
हैं. हम आज तरक्की के मंजिल के चौराहे पर खड़े हैं. ऐसे
वास्तविक वक्त में यह बेहद जरूरी है कि हम महात्मा गान्धी
के बताये हुए रास्ते पर संजीदगी से गौर करें. इस लिहाज
से हमें समझदार आदमी को यह किताब पढ़नी चाहिये.

दूसरी किताब 'Truth is God' समय समय पर
गान्धी जी के लिखे हुए लेखों या विचारों का संग्रह है. राम
नाम पर गान्धी जी कि कितनी भ्रष्टा थी यह सबको मालूम
है. लेकिन उस राम नाम के साथ कैसे अपने को एक करना,
इसके पीछे गान्धी जी की 75 बरसों की साधना थी. ईश्वर

नो जीवन परकशन मंदिर احمدآباد की चھٹی ہوئی چہ کتابیں
ہمارے سامنے ہیں:—

1. سرودے، لیکھک گاندھی جی، صفحہ 244، مول
تھائی روپیہ .

2. Truth is God (مہاتما گاندھی کے لیکھوں کا
سنگرہ) صفحہ 168، مول دو روپیہ .

3. For Workers Against Untouchability
(مہاتما گاندھی کے لیکھوں کا سنگرہ)
صفحہ 34، مول آٹھ آنہ .

4. How To Serve The Cow (مہاتما گاندھی
کے لیکھوں کا سنگرہ) صفحہ 109، مول سوا روپیہ .

5. Nature Cure (مہاتما گاندھی کے لیکھوں کا
سنگرہ) صفحہ 68، مول بارہ آنہ .

6. A Discipline For Nonviolence
'لیکھک ریچرڈ بی. گریگ' صفحہ 32، مول دس آنہ .

پہلی کتاب 'سرودے' دو دہاکوں میں بنتی ہوئی ہے .
پہلے دہاک کے سات دہاک ہیں، اور دوسرے کے پانچ . پہلے
دہاک میں سمنے سمنے پر لکھی ہوئی سرودے کے بارے میں
گاندھی جی کی رائیں اور دوسرے دہاک میں شری راج گوبالا
چاری، اچاریہ ونوبا، شری جے. سی. کمار پٹا، شری مشرورالا
اور شری دھرمپندر مجومدار کے سرودے کے سہ بندہ میں وچار
ہیں .

سوئنٹر بھارت میں کیسا سماج بنے گا، آج یہ وچار سب کے
سامنے ہے. طرح طرح کے واں کالوک ذکر کرتے ہیں. ہم آج ترقی
کے منزل کے چورائے پر کھڑے ہیں . ایسے نازک وقت میں یہ
بے حد ضروری ہے کہ ہم مہاتما گاندھی کے بتائے ہوئے راستے پر
سنجیدگی سے غور کریں . اس لحاظ سے ہر مسجیددار آدمی کو
یہ کتاب پڑھنی چاہئے .

دوسری کتاب 'Truth Is God' سمنے سمنے پر گاندھی
جی کے لکھے ہوئے لیکھوں یا وچاروں کا سنگرہ ہے . رام نام پر
گاندھی جی کی کتنی شردھا تھی یہ سب کو معلوم
ہے . لیکن اس رام نام کے ساتھ کیسے اپنے کو ایک کرنا، اس
کے پیچھے گاندھی جی کی 75 برسوں کی سادھنا تھی . ایشور

نک پہونچنے کے جو ایک ایک دھرم میں کے پل ہیں، اُس پر بھی گالھی جی کی بڑی آوارہ تھی۔ وہ، ہریک کو کسی بھی پہلے یا برے کام کی قرارداد مانتے تھے۔ گھتا پر اُن کی اگلا شردھا تھی، لیکن وہ کہتے تھے—

"I exercise my judgment about every scripture including the Geeta. I cannot lead a scriptural text supersede my reason."

گاندھی جی کے رام نام میں وہیپک تھا، سادھنا تھی اور
 ان سب کے علاوہ ویپکاتک و شراس تھا۔ آج کی سوتہ میں
 پیانسی ہوئی دنیا کے لئے اس کتاب کی نصیحتیں دوا کا کام
 دینگے۔

تیسری کتاب 'Untouchability' اپنے نام کے مطابق ہر جگہ سے لوگوں کے لئے راستہ دکھانے والی اصول پرستک ہے۔

چوتھی کتاب 'How To Serve The Cow' اس
 روڈاگرسٹ پرشن پر گاندھی جی کے اسم پر لکھی ہوئی
 لکھنوں کے لئے اس پرشن پر گاندھی کا ایک زخیرہ ہے۔ ہر ایک
 کو سہولت کو اس کتاب کو ہر روز پڑھنا چاہئے۔

پانچویں کتب 'Nature Cure' میں بھی گاندھی جی کے لیکچر اور وچاروں کا سنگم ہے۔ قدرتی علاج کو گاندھی جی اس ملک کے رہنے والے غریب لوگوں کے لئے علاج کا راہبان طریقہ سمجھتے تھے۔ قدرت کے اندر ایسی صفتیں ہیں جو انسان کو خود بخود اچھا کرتی رہتی ہیں۔ اگر قدرت کے ان گنوں کی جانکاری حاصل کر لی جائے تو راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ علاج کے پچھمی طریقہ پر حد خرچ کیے ہیں اور کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں، اس میں بھی بہت لوگوں کو شبہ ہے۔ اس کتاب سے پاتھروں کو اس سوال پر صحیح روشنی ملے گی۔

چوتھیں کتاب اہلسا کے سہ ماہی میں شری رچرہ بی ۔
گڑیگ کی لکھی ہوئی پرانی کتاب کا تیسرا نیا سنسکرن ہے ۔
ہلسا کا پشچمی ویکوٹانک اصولوں کے ادھار پر نراکرن کیا گیا
ہے ۔ ہستک پر تھیک سمجھدار ہائیک کو ضرور پڑھنی چاہئے ۔

18.8.'55

##

“سیکھتا تھا کہ ہمارا کیسے ہوگا۔ آپس کے ہاتھ، پوریاں اور دشمنی مٹ جائیگی۔ ہم اپنے گھروں کے در چوری نہیں کرتے۔ جب سارا گلوں ایک گھر بن جائیگا تو گلوں میں بھی کوئی چوری نہیں کریگا۔ ہمارا آچار اس لئے ہے کہ آپس کے گھر کے اپنے الگ الگ ملکیتیں آکر ہم چھوٹے چھوٹے سوارتھوں میں پھنس گئے ہیں۔ آج تک ڈاکٹر ہیں، جس کا دھرم یہ ہے کہ کسی بھی روگی کے روگ سن کر اُس کے پاس دوا کر پہنچے، علاج کرنے سے پہلے روگی اپنا ہتھوڑا کھولنے کے لئے کہتا ہے۔ اسی سے ہمارے سب کے دل تنگ گئے ہیں کیونکہ ہم نے اپنے چھوٹے چھوٹے گھر اور چھوٹے چھوٹے کنبے بنا لئے ہیں۔ دنیا کے سب جھگڑوں کی یہی جڑ ہے۔ جب زمین، زمین دولت پر سے لوگوں کی الگ الگ ملکیت جاتی ہے، گی تو ہمارا آچار ضروری طور پر اونچا ہو جائے گا۔ یہی گرام ن کا سب سے بڑا لاپہ ہے۔ جس دن یہ ہو جائے گا اُس دن دنیا وحشی سے ناچنے لگے گی۔ آج ہم دکھی اس لئے ہیں کیونکہ ہمارے الگ الگ سوارتھ ڈکرائے رہتے ہیں۔ اسی سے دنیا میں سا بڑھ رہی ہے۔ اگر گلوں کی زمین اور گلوں کی سب سمیٹی رہے گلوں کی زمین اور سارے گلوں کی سمیٹی ہو جاوے تو پھر کا آچار سچ میچ آؤں گا۔ یہ لاپہ گرام دان کا تک لاپہ ہے۔

“چوتھا لاپہ گرام دان کا آدھیانک یعنی روحانی لاپہ ہے۔ سب ہم ’میرا گھر‘، ’میری زمین‘ اور ’میرا پیسہ‘ اس طرح کی بات کرتے ہیں تو ہم میں ان چیزوں سے موہ پیدا ہوتا ہے۔ جب آدمی اس ’میں‘ اور ’میرے‘ سے آزاد ہو جائے گا اور سچ لے گا کہ سب چیزیں سب کے فائدے اور سب کے استعمال کے لئے ہوں، کوئی میری الگ چیز نہیں ہے تو آدمی نجات، نزدیک پہنچ جائے گا۔ آج اس ’میں‘ اور ’میرے‘ نے ہی میں دنیا میں باندھ رکھا ہے۔ یہی ہماری مکتی میں سب، بڑی رکاوٹ ہے۔ ہمیں یہ ماننا چاہئے کہ سارا گلوں ہمارا رہے اور جس گھر میں ہم رہ رہے ہیں، وہ بھی سب کا ہے۔ نئی پانے کا پرانا تھنک جس میں آدمی سب چیز چھوڑ چنک میں جا بیٹھتا تھا وہ بھی غلط تھنک ہے۔ ہمیں یہ میں سوچنا چاہئے کہ نہ کوئی میرا اور نہ میں کسی کا۔ اس کے خلاف ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ سب میرے اور میں سب مکتی کا یہی راستہ ہے۔ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ اس لئے میں یہی سمجھنا چاہئے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے یہاں تک کہ ہمارا اپنا آپا بھی وہ سارے گلوں کی ملکیت ہے اور ارا گلوں ہمارا ہے۔ گرام دان کا یہ ایک بہت بڑا لاپہ ہے۔“

انہیں یاد ہے ایک بار ہم ایک مسلمان بھائی سے
بہت دھرم کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ بات کرتے
کرتے جب ایشور اور ایشور پوجا پر مہاتما بدھ کے ایدیشوں کا ذکر
آئے تو ہمارے مسلمان متر چڑھ پڑے ”یہ بھی کوئی مذہب ہو
سکتا ہے!“ چند گھنٹے اور شامی سے بات کرنے کے بعد انہوں
نے محسوس کیا کہ بدھ دھرم اور اسلام میں بہت بڑی مماثلت
ہے اور دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، بلکہ ایک ہی
حقیقت کے دو روپ۔ ہم نہیں کہہ سکتے کوئی مسجددار
کمونسٹ ونوجا کی لین وچاروں کو پڑھ کر کیا سوچتا ہوگا۔
ایک بڑے درجے تک جو شکل ونوجا کی لین وچاروں کی
کھینچی ہے وہی شکل کمونزم کی ہے۔ فرق یہی ہے۔ کسی ایک
درخت کے کوئی دو پتے ایک رنگ کے نہیں ہوتے۔ فرق دیکھنے
والے کے لئے سب جگہ فرق کئی ملتے ہیں۔ ایکتا دیکھنے والے کے
لئے ایکتا کی کمی نہیں ہے۔ ہمارا یہ وشواس دن دن مضبوط
ہوتا جا رہا ہے کہ جسے آج اچھے سے اچھے معنی میں ادھیاتموا
یا انسانواد یا گاندھی واد کہا جاتا ہے، اس کے اور جسے کمونزم
کہا جاتا ہے اس کے، لین دونوں کے سچے میل میں ہی اس
دیش اور دنیا کا بہلا ہے۔

16-7-55

—سندرلال

—سندرلال

16.7.55

شری بی. جی. کھیر اور سرکار

ایک دوسرے لیک میں ہم ”بمبئی کا ایک دیکھ بھرا
نظارہ“ سرنام سے ایک لیکھ دے چکے ہیں۔ اس میں ہم نے
بمبئی کے اندر کچھ غریبوں کی بستیوں کی حالت اور شری
بی. جی. کھیر اور ان کے ساتھیوں کی ٹیک سیواؤں کی چرچا
کی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک خاص سوال سرکار کے کرتوبہ
اور اس کے سہوگ کا پیدا ہوتا ہے۔ ہم اس لیک میں لکھ چکے
ہیں کہ ہالا صاحب کو سرکار سے بہت ادھک آشنائیں نہیں
ہیں۔ وہ جہاں تک ہوسکے غیر سرکاری یعنی جنٹا کی مدد سے
اپنے بھروسے پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے کئی صاف کارن
ہیں۔ ہم سرکار کی کھلائی کو بھی تھوڑا بہت سمجھ سکتے ہیں۔
انگریزی راج کی جگہ ہندوستانی راج ہم نے قائم کر لیا۔ پر نیچے
سے اوپر تک ہمارا سارا حکومت کا ڈھانچہ لگ بیگ رہی ہے
جو انگریزوں کے سہ میں تھا۔ اگر کچھ باتوں میں آجکل کا
ڈھانچہ پہلے سے اچھا ہے تو کئی میں پہلے سے بھی بدتر ہے۔
آرتیک معاملوں میں وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں دیس کے
شاسن کی ہانڈ ہے، دیس سے بے کاری، پرورکاری، بیکسری
اور بیک ملکہری کو مثال اپنا فرض ضرور سمجھتے ہیں پر

اگست '55

(118)

اگست '55

اتنا ضروری فرض نہیں سمجھتا جتنا کل دیہی کی مجموعی پیداوار اور مجموعی دولت کو بڑھانا چاہے وہ پیداوار پر نہیں چاکر ہی ہے اور وہ دولت کسی کے ہاتھوں میں ہی جمع ہو جائے۔ اس آرتھک سسٹم میں گھریلو دھندوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، سوائے اُس درجے تک کہ جس درجے تک ہمارے ناسک اپنی راج کچی ضرورتوں کے لئے یا بلا کی نگاہ سے انہیں بند رکھنا ضروری سمجھیں۔ اُن کی رائے میں گھریلو دھندے اگر ملکوں کی پیداوار سے مقابلہ کی فکر نہیں لے سکتے اور ظاہر ہے کہ وہ نہیں لے سکتے، تو وہ مفک جائیں۔ لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کی بے کاری اور بے روزگاری انہیں اتنا ادھک نہیں ستاتی۔ اسی لئے سات برس کی آزادی کے بعد بھی ملک کے اندر بے کاری کی تعداد اور غریبوں کی غریبی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ آرتھک ویسٹا نہ کمیونسٹ ویسٹا ہے اور نہ گاندھی وادی ویسٹا ہے۔ یہ ہے پونجی وادی اور سامراج وادی ویسٹا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے آجکل کے شاکسوں کے سامنے اُس معاملے میں آدھن نہ روس ہے نہ چین اور نہ گاندھی جی کا آدھن دیہی۔ اُن کے سامنے آدھن ہیں امریکہ اور انگلینڈ۔ اسی لئے ہم بغیر اِس بات کی فکر نہ کر سکتے کہ ہمارے سب جواہروں اور بنکروں کو کام ملے، اِس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی ملکوں سے کم سے کم مزدوروں کی مدد سے ادھک سے ادھک کھڑا بنکر ایران، عراق، ملایا اور دوسرے پچھڑے ہوئے دیہیوں میں بھیج کر اُن دیہیوں سے ادھک سے ادھک دھن کما سکیں۔ اسی لئے ہم اپنی یوجناؤں میں دیہی کے رہے سپہ بنکروں کو بھی آزاد کاری نہ دینے دے کر دھیرے دھیرے پہلے چھوٹے کارخانوں کے مالکوں کے اور پھر بڑے کارخانوں کے مالکوں کے روزیہ پانے والے مزدور بنا دینا چاہتے ہیں۔ خاص کر کپڑے کے دھندے کے بارے میں سرکاری یوجناؤں کا یہ پہلو بالکل صاف ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو بہت سچے، صاف اور ایماندار آدمی ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ انٹر راشنلہ معاملوں میں انہوں نے دیہی کو کتنا اُونچا بڑھایا ہے۔ یہ ان معاملوں میں اُن کے وچار بالکل صاف ہیں۔ اگر اخباروں کی رپورٹیں سچ ہیں تو ایک بار مدراس کی کسی تقریر میں انہوں نے کہا تھا کہ دیہی کی پیداوار اور دولت کو بڑھانے کے لئے گھریلو دستکاریوں اور دستکاروں کی قربانی ایک ضروری چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الہ آباد میں کانگریسی کام کرنے والوں کے سامنے بولتے ہوئے انہوں نے اِس سے بھی ادھک صاف شہدوں میں قریب قریب یہ کہا تھا کہ میں چاہوں تو بے کاری آج مٹا سکتا ہوں۔ سب ملکوں میں بے کاری تو بے کاری اپنے آپ بند ہو جائیگی، یہ لوگوں کے جہوں کا اسٹر ایکسٹم نیچے چلا جاوے گا جو میں نہیں چاہتا۔

اتنا ضروری فرض نہیں سمجھتا جتنا کل دیہی کی مجموعی پیداوار اور مجموعی دولت کو بڑھانا چاہے وہ پیداوار پر نہیں چاکر ہی ہے اور وہ دولت کسی کے ہاتھوں میں ہی جمع ہو جائے۔ اس آرتھک سسٹم میں گھریلو دھندوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، سوائے اُس درجے تک کہ جس درجے تک ہمارے ناسک اپنی راج کچی ضرورتوں کے لئے یا بلا کی نگاہ سے انہیں بند رکھنا ضروری سمجھیں۔ اُن کی رائے میں گھریلو دھندے اگر ملکوں کی پیداوار سے مقابلہ کی فکر نہیں لے سکتے اور ظاہر ہے کہ وہ نہیں لے سکتے، تو وہ مفک جائیں۔ لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کی بے کاری اور بے روزگاری انہیں اتنا ادھک نہیں ستاتی۔ اسی لئے سات برس کی آزادی کے بعد بھی ملک کے اندر بے کاری کی تعداد اور غریبوں کی غریبی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ آرتھک ویسٹا نہ کمیونسٹ ویسٹا ہے اور نہ گاندھی وادی ویسٹا ہے۔ یہ ہے پونجی وادی اور سامراج وادی ویسٹا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے آجکل کے شاکسوں کے سامنے اُس معاملے میں آدھن نہ روس ہے نہ چین اور نہ گاندھی جی کا آدھن دیہی۔ اُن کے سامنے آدھن ہیں امریکہ اور انگلینڈ۔ اسی لئے ہم بغیر اِس بات کی فکر نہ کر سکتے کہ ہمارے سب جواہروں اور بنکروں کو کام ملے، اِس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی ملکوں سے کم سے کم مزدوروں کی مدد سے ادھک سے ادھک کھڑا بنکر ایران، عراق، ملایا اور دوسرے پچھڑے ہوئے دیہیوں میں بھیج کر اُن دیہیوں سے ادھک سے ادھک دھن کما سکیں۔ اسی لئے ہم اپنی یوجناؤں میں دیہی کے رہے سپہ بنکروں کو بھی آزاد کاری نہ دینے دے کر دھیرے دھیرے پہلے چھوٹے کارخانوں کے مالکوں کے اور پھر بڑے کارخانوں کے مالکوں کے روزیہ پانے والے مزدور بنا دینا چاہتے ہیں۔ خاص کر کپڑے کے دھندے کے بارے میں سرکاری یوجناؤں کا یہ پہلو بالکل صاف ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو بہت سچے، صاف اور ایماندار آدمی ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ انٹر راشنلہ معاملوں میں انہوں نے دیہی کو کتنا اُونچا بڑھایا ہے۔ یہ ان معاملوں میں اُن کے وچار بالکل صاف ہیں۔ اگر اخباروں کی رپورٹیں سچ ہیں تو ایک بار مدراس کی کسی تقریر میں انہوں نے کہا تھا کہ دیہی کی پیداوار اور دولت کو بڑھانے کے لئے گھریلو دستکاریوں اور دستکاروں کی قربانی ایک ضروری چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الہ آباد میں کانگریسی کام کرنے والوں کے سامنے بولتے ہوئے انہوں نے اِس سے بھی ادھک صاف شہدوں میں قریب قریب یہ کہا تھا کہ میں چاہوں تو بے کاری آج مٹا سکتا ہوں۔ سب ملکوں میں بے کاری تو بے کاری اپنے آپ بند ہو جائیگی، یہ لوگوں کے جہوں کا اسٹر ایکسٹم نیچے چلا جاوے گا جو میں نہیں چاہتا۔

• اسیلیوے ہمارے آجکل کے شاسک جس طرح ہی ہوسکے آباواہی کو بٹانے کی بھی فیکر میں رہتے ہیں۔ اسیلیوے بھڑوں کی پیدائش کو روکنے کا ساہسی سامان باہر کے بھڑوں سے پری جنرل لائسنس میں آنے کی اجازت ہے اور سرکاری اسپتالوں میں پیدائش کو روکنے کے طریقوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ہم ان سارے بھڑوں کو رات اور جناتا کے لیے براہ کون ماننے ہیں۔ چین نے اپنی طرح سے ایک ملے جلے راستے پر چلکر اپنے سارے گھریلو دھندوں کو زندہ رکھ لیا اور دو سال کے اندر اندر اس طرح کا انتظام کر لیا کہ ایک چینی مرد یا عورت بھی بیکار نہ رہ سکے۔ ہمارے یہاں سات سال کے بعد ہی بیکاری بڑھتی جا رہی ہے۔ انہوں نے دو سال کے اندر دیش میں ایک بھی بیکار نہ رکھنے دیا۔ ہمارے یہاں بیکار ماننے والوں کی تعداد ہر شہر میں بڑھ رہی ہے۔ اگر ہم اس معاملے میں گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے پر چلے ہوتے تو ہمیں چین یا کسی دوسرے دیش کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ پھر ہمیں نہ اس راستے پر وشواس تھا اور نہ ہے۔

آئی بی۔ جی۔ خیر اپنے ستر ہزار پریشرمالیوں کے دیش کو جس طرف لے جانا چاہتے ہیں وہ ٹھیک گاندھی جی کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ ہمیں وشواس ہے کہ وہی راستہ اس دیش کے لئے بیکاری اور بیکسنگمن کو مٹانے اور جناتا کی خوشحالی کا راستہ ہے۔ اگر دیش کی جناتا اور جناتا کے سپورک اے سچے سچے ہاتھ میں لے لیں اور اس پر لگ جائیں تو ہم اپنی سرکار کی ساری کمی کو پورا کر سکیں گے۔ پھر کلم آسان نہیں ہے۔ لاکھوں کے اس میں کھپ جانے کی ضرورت ہے۔ دیش کے لئے دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔ آج یا کل ہمیں اس راستے پر چلنا ہی ہوگا۔

اب اگر ہم بمبئی سرکار کی طرف نگاہ ڈالیں تو ان سب گھنٹوں کے ہوتے ہوئے بھی ہمیں کچھ ادھک امید بن سکتی ہے۔ بمبئی کے چیف منسٹر شری مراد جی بھائی دیسائی دیش کے لئے سے آچھے سچے اور ایماندار شاسکوں میں سے ہیں۔ وہ گاندھی جی کے بھی کافی بھکت ہیں۔ شری بی۔ جی۔ کھیر میں اور ان میں بہت بڑا پریم ہے۔ پختہ جواہر لال نہرو کے دل میں بھی شری بی۔ جی۔ کھیر کا کافی آدر ہے۔ اس لئے ہم اٹا کرتے ہوں کہ بھارت سرکار اور بمبئی سرکار دونوں اپنی حدوں کے اندر شری بی۔ جی۔ کھیر کو ان کی فیکر کشش میں جہاں تک بن پڑے گا جی کھول کر مدد دینگی۔

اسی لئے ہمارے آجکل کے شاسک جس طرح ہی ہوسکے آباواہی کو بٹانے کی بھی فیکر میں رہتے ہیں۔ اسیلیوے بھڑوں کی پیدائش کو روکنے کا ساہسی سامان باہر کے بھڑوں سے پری جنرل لائسنس میں آنے کی اجازت ہے اور سرکاری اسپتالوں میں پیدائش کو روکنے کے طریقوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ہم ان سارے بھڑوں کو غلط اور جناتا کے لئے براہ کون ماننے ہیں۔ چین نے اپنی طرح سے ایک ملے جلے راستے پر چلکر اپنے سارے گھریلو دھندوں کو زندہ رکھ لیا اور دو سال کے اندر اندر اس طرح کا انتظام کر لیا کہ ایک چینی مرد یا عورت بھی بیکار نہ رہ سکے۔ ہمارے یہاں سات سال کے بعد ہی بیکاری بڑھتی جا رہی ہے۔ انہوں نے دو سال کے اندر دیش میں ایک بھی بیکار نہ رکھنے دیا۔ ہمارے یہاں بیکار ماننے والوں کی تعداد ہر شہر میں بڑھ رہی ہے۔ اگر ہم اس معاملے میں گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے پر چلے ہوتے تو ہمیں چین یا کسی دوسرے دیش کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ پھر ہمیں نہ اس راستے پر وشواس تھا اور نہ ہے۔

شری بی۔ جی۔ کھیر اپنے ستر ہزار پریشرمالیوں کے دیش کو جس طرف لے جانا چاہتے ہیں وہ ٹھیک گاندھی جی کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ ہمیں وشواس ہے کہ وہی راستہ اس دیش کے لئے بیکاری اور بیکسنگمن کو مٹانے اور جناتا کی خوشحالی کا راستہ ہے۔ اگر دیش کی جناتا اور جناتا کے سپورک اے سچے سچے ہاتھ میں لے لیں اور اس پر لگ جائیں تو ہم اپنی سرکار کی ساری کمی کو پورا کر سکیں گے۔ پھر کلم آسان نہیں ہے۔ لاکھوں کے اس میں کھپ جانے کی ضرورت ہے۔ دیش کے لئے دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔ آج یا کل ہمیں اس راستے پر چلنا ہی ہوگا۔

اب اگر ہم بمبئی سرکار کی طرف نگاہ ڈالیں تو ان سب گھنٹوں کے ہوتے ہوئے بھی ہمیں کچھ ادھک امید بن سکتی ہے۔ بمبئی کے چیف منسٹر شری مراد جی بھائی دیسائی دیش کے لئے سے آچھے سچے اور ایماندار شاسکوں میں سے ہیں۔ وہ گاندھی جی کے بھی کافی بھکت ہیں۔ شری بی۔ جی۔ کھیر میں اور ان میں بہت بڑا پریم ہے۔ پختہ جواہر لال نہرو کے دل میں بھی شری بی۔ جی۔ کھیر کا کافی آدر ہے۔ اس لئے ہم اٹا کرتے ہوں کہ بھارت سرکار اور بمبئی سرکار دونوں اپنی حدوں کے اندر شری بی۔ جی۔ کھیر کو ان کی فیکر کشش میں جہاں تک بن پڑے گا جی کھول کر مدد دینگی۔

بھارت کے بچے اور بی. سی. جی. کا ٹیکہ

اس سے پہلے کے ایک سہ ماہی نوٹ میں ہم بی. سی. جی. کے ٹیکے کے بارے میں اپنے وچار پرکٹ کر چکے ہیں۔

اس کے بعد بھارت کی سولہ وزیر راج کماری امرت کور ایک بیان نکلا کہ انہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ بی. سی. جی. دیش اور دیش کے بچوں کے لئے ایک مہم ہے تاکہ چھڑے اور سرکار اپنے بی. سی. جی. پرچار کو جاری رکھے۔ شری راجا گوبالا چاری کے وردہ چرچا کرتے ہوئے راج کماری امرت کور نے کہا کہ راجا جی اس معاملے کو نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ دخل دیتے ہیں۔ راج کماری رت کور نے ان بچوں اور ان کے ماما پتا پر دیا پرکٹ کی ہنری راجا گوبالا چاری کے ہنگامے میں آکر بی. سی. جی. سے برکت کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔

اس کے بعد نیویارک، امریکا، سے یہ خبر آئی کہ یو. این. او. کے دفتر سے مالموہ ہوا کہ سن 1955 کے آخری تک بھارت میں چھ کروڑ ساٹھ لاکھ بچوں کے تپدیک کے آجماہیاتی ٹیکے لگائے جائیں گے اور دو کروڑ پندرہ لاکھ بچوں کے ٹیکے لگائے جائیں گے۔

یہ آزمائشی ٹیکہ آج سے چالیس سال پہلے ہمارے ہی چکا ہے۔ ٹیکہ لگانے کے دو تین دن بعد اگر وہ جگہ ی بہت پیہن آئے تو سمجھا جاتا ہے کہ جس کے ٹیکہ نے اس میں تپدیک کا اثر نہیں ہے اور اگر نہ پیہن آئے سمجھا جاتا ہے کہ جسم کے اندر کچھ نہ کچھ تپدیک کا اثر جس انگریز ڈاکٹر نے ہمارے یہ آزمائشی ٹیکہ لگایا تھا اس ہم سے خون کہا تھا کہ اس ٹیکے کا کوئی اثر کوئی خاص نہیں رکھتا اور جو نہ پیہن نکالے جاتے ہیں وہ دعوے کے صحیح ٹیکے نہیں کہہ جاسکتے۔

یو. این. او. کی کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ان سب اور ان کے ساتھ کے ضروری سامان کو امریکہ سے بھارت پہونچانے کے لئے اور اسکے لئے کہ بھارت سرکار سن 1956 اور سن 1957 میں بی. سی. جی. کے ٹیکوں کا پروگرام جاری رکھ سکے۔ اس کی طرف سے آٹھ ماہی ہولر ڈائر کی بھارت سرکار د دی جاوے۔ اس مدد کے ملنے پر بھارت سرکار کو اٹھارہ سن 1957 کے آنت تک بھارت کے بارہ کروڑ ساٹھ لاکھ کے آزمائشی ٹیکے لگا چکے گی اور ان میں سے جن بچوں نے تپدیک کے اثر کا شک ہوگا ان سب کے بی. سی. جی. کا ٹیکہ لگا چکے گی۔

بھارت کے بچے اور بی. سی. جی. کا ٹیکہ

اس سے پہلے کے ایک سہ ماہی نوٹ میں ہم بی. سی. جی. کے ٹیکے کے بارے میں اپنے وچار پرکٹ کر چکے ہیں۔

اس کے بعد بھارت کی سولہ وزیر راج کماری امرت کور ایک بیان نکلا کہ انہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ بی. سی. جی. دیش اور دیش کے بچوں کے لئے ایک مہم ہے تاکہ چھڑے اور سرکار اپنے بی. سی. جی. پرچار کو جاری رکھے۔ شری راجا گوبالا چاری کے وردہ چرچا کرتے ہوئے راج کماری امرت کور نے کہا کہ راجا جی اس معاملے کو نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ دخل دیتے ہیں۔ راج کماری رت کور نے ان بچوں اور ان کے ماما پتا پر دیا پرکٹ کی ہنری راجا گوبالا چاری کے ہنگامے میں آکر بی. سی. جی. سے برکت کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔

اس کے بعد نیویارک، امریکا، سے یہ خبر آئی کہ یو. این. او. کے دفتر سے مالموہ ہوا کہ سن 1955 کے آخری تک بھارت میں چھ کروڑ ساٹھ لاکھ بچوں کے تپدیک کے آجماہیاتی ٹیکے لگائے جائیں گے اور دو کروڑ پندرہ لاکھ بچوں کے ٹیکے لگائے جائیں گے۔

یہ آزمائشی ٹیکہ آج سے چالیس سال پہلے ہمارے ہی چکا ہے۔ ٹیکہ لگانے کے دو تین دن بعد اگر وہ جگہ ی بہت پیہن آئے تو سمجھا جاتا ہے کہ جس کے ٹیکہ نے اس میں تپدیک کا اثر نہیں ہے اور اگر نہ پیہن آئے سمجھا جاتا ہے کہ جسم کے اندر کچھ نہ کچھ تپدیک کا اثر جس انگریز ڈاکٹر نے ہمارے یہ آزمائشی ٹیکہ لگایا تھا اس ہم سے خون کہا تھا کہ اس ٹیکے کا کوئی اثر کوئی خاص نہیں رکھتا اور جو نہ پیہن نکالے جاتے ہیں وہ دعوے کے صحیح ٹیکے نہیں کہہ جاسکتے۔

یو. این. او. کی کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ان سب اور ان کے ساتھ کے ضروری سامان کو امریکہ سے بھارت پہونچانے کے لئے اور اسکے لئے کہ بھارت سرکار سن 1956 اور سن 1957 میں بی. سی. جی. کے ٹیکوں کا پروگرام جاری رکھ سکے۔ اس کی طرف سے آٹھ ماہی ہولر ڈائر کی بھارت سرکار د دی جاوے۔ اس مدد کے ملنے پر بھارت سرکار کو اٹھارہ سن 1957 کے آنت تک بھارت کے بارہ کروڑ ساٹھ لاکھ کے آزمائشی ٹیکے لگا چکے گی اور ان میں سے جن بچوں نے تپدیک کے اثر کا شک ہوگا ان سب کے بی. سی. جی. کا ٹیکہ لگا چکے گی۔

سن 1955 کے باقیہر تک دیند سرکار اس کام کے لیے کس بھی لاکھ ڈالر خرچ کرےگی، اور دس لاکھ ڈالر سن 1956 میں اور دس لاکھ سن 1957 میں خرچ کرےگی۔

کہا جاتا ہے کہ یو۔ این۔ او۔ کی کمیٹی اب تک اس کام کے لیے ساڑھے گیارہ لاکھ ڈالر دے چکی ہے۔

بھارت سرکار کا اراکا ہے کہ وہ اس کام کو خوب بڑے پیمانے پر چلاوے اور دشا کی تندرستی کو ٹیکہ رکھنے کے لیے اسے ایک مستقل پروگرام بنا لے تاکہ بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکہ کے لیے بھارت کے بچوں کو ہمیشہ لگے رہیں۔

اس کام میں لگے ہوئے ڈاکٹروں اور دوسرے لوگوں کو تنخواہوں کے علاوہ بڑے بڑے دئے جائیں گے اور یو۔ این۔ او۔ کی طرف سے انعام بھی ملینگے۔

اس بھی مہی راجا گوبالا چاری کے سرنہن میں اخباروں کے اندر بچوں کے ماما پتا اور سرپرستوں کے کئی خط بھی نکل چکے ہیں، جن میں لکھا ہے کہ ان کے اپنے بچوں کو بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکہ سے کیا کیا نقصان پہونچے۔ کچھ خط ایسے ڈاکٹروں کے بھی ہیں جنہوں نے ڈاکٹری اور سائنسی طریقے سے بحث کرکے یہ ثابت کرلے کی کشش کی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ سچ مچ کتنا برا اور ہائیکر ہے۔ ایسے ڈاکٹروں کے بھی خط ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکہ کے کارن وہ خود اپنے بچوں کی جان سے ہاتھ دھو بیٹے۔ ظاہر ہے اس سے بھارت میں اس طرح کے ماں باپ جو ایسے معاملوں میں اپنی آواز اخباروں تک پہونچا سکیں ایک لاکھ میں ایک بھی نہیں ہوسکتے۔ گاؤں گاؤں اور گلی گلی کھوم کر کوئی اس طرح کے خط جمع کرنا چاہے تو ہوسکتا ہے کہ لاکھوں ہی ایسے خط جمع ہوسکیں۔

پر سرکار کے بھی اپنے ڈاکٹر ہیں اور اپنے بڑے بڑے ماہر اور شہشکھہ ہیں! سرکار اس بات کی تحقیقات بھی کرتی رہتی ہے اور آنکڑے جمع کرتی رہتی ہے کہ اصلیت میں کسی بچے کو بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی نقصان پہونچا یا نہیں اور کتنوں کو ناہیدہ پہونچا اور پہونچ رہا ہے۔ سرکار کے پتہ لگانے والے سرکار کو بتاتے ہیں کہ کسی بچے کو بی۔ سی۔ جی۔ سے نہ نقصان پہونچا ہے اور نہ پہونچ سکتا ہے۔ اگر بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکہ کے بعد کسی کی آنکھ پھوٹ گئی تو اس کا کارن آنکھ کی کوئی اور بیماری تھی جس کا بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی سمبندھ نہیں اور اگر کوئی بچہ مر گیا تو مرنے کے بھی بہت سے کارن ہو سکتے ہیں!

اس طرح کی تحقیقاتیں اور اس طرح کے آنکڑوں کے بارے میں ہمیں سچ مچ دنیا کی سرکاروں پر دیا آتی ہے۔

سن 1955 کے آخر تک ہند سرکار اس کام کے لیے کل پچاس لاکھ ڈالر خرچ کرچکی اور دس لاکھ ڈالر سن 1956 میں اور دس لاکھ سن 1957 میں خرچ کرچکی۔

کہا جاتا ہے کہ یو۔ این۔ او۔ کی کمیٹی اب تک اس کام کے لیے ساڑھے گیارہ لاکھ ڈالر دے چکی ہے۔

بھارت سرکار کا ارادہ ہے کہ وہ اس کام کو خوب بڑے پیمانے پر چلاوے اور دشا کی تندرستی کو ٹیکہ رکھنے کے لیے اسے ایک مستقل پروگرام بنا لے تاکہ بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکہ کے لیے بھارت کے بچوں کو ہمیشہ لگے رہیں۔

اس کام میں لگے ہوئے ڈاکٹروں اور دوسرے لوگوں کو تنخواہوں کے علاوہ بڑے بڑے دئے جائیں گے اور یو۔ این۔ او۔ کی طرف سے انعام بھی ملینگے۔

اس بھی شری راجا گوبالا چاری کے سرنہن میں اخباروں کے اندر بچوں کے ماما پتا اور سرپرستوں کے کئی خط بھی نکل چکے ہیں، جن میں لکھا ہے کہ ان کے اپنے بچوں کو بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکہ سے کیا کیا نقصان پہونچے۔ کچھ خط ایسے ڈاکٹروں کے بھی ہیں جنہوں نے ڈاکٹری اور سائنسی طریقے سے بحث کرکے یہ ثابت کرلے کی کشش کی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ سچ مچ کتنا برا اور ہائیکر ہے۔ ایسے ڈاکٹروں کے بھی خط ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکہ کے کارن وہ خود اپنے بچوں کی جان سے ہاتھ دھو بیٹے۔ ظاہر ہے اس سے بھارت میں اس طرح کے ماں باپ جو ایسے معاملوں میں اپنی آواز اخباروں تک پہونچا سکیں ایک لاکھ میں ایک بھی نہیں ہوسکتے۔ گاؤں گاؤں اور گلی گلی کھوم کر کوئی اس طرح کے خط جمع کرنا چاہے تو ہوسکتا ہے کہ لاکھوں ہی ایسے خط جمع ہوسکیں۔

پر سرکار کے بھی اپنے ڈاکٹر ہیں اور اپنے بڑے بڑے ماہر اور شہشکھہ ہیں! سرکار اس بات کی تحقیقات بھی کرتی رہتی ہے اور آنکڑے جمع کرتی رہتی ہے کہ اصلیت میں کسی بچے کو بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی نقصان پہونچا یا نہیں اور کتنوں کو ناہیدہ پہونچا اور پہونچ رہا ہے۔ سرکار کے پتہ لگانے والے سرکار کو بتاتے ہیں کہ کسی بچے کو بی۔ سی۔ جی۔ سے نہ نقصان پہونچا ہے اور نہ پہونچ سکتا ہے۔ اگر بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکہ کے بعد کسی کی آنکھ پھوٹ گئی تو اس کا کارن آنکھ کی کوئی اور بیماری تھی جس کا بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی سمبندھ نہیں اور اگر کوئی بچہ مر گیا تو مرنے کے بھی بہت سے کارن ہو سکتے ہیں!

اس طرح کی تحقیقاتیں اور اس طرح کے آنکڑوں کے بارے میں ہمیں سچ مچ دنیا کی سرکاروں پر دیا آتی ہے۔

بھ بےباری بےبص ہوئی ہے۔ انکے نیپٹے کیے گئے سبھی اور آٹھویں جماعت کرنے والے آٹھویں پر اپنی سوج کے بڑی نئیجے نکالنے لگے ہیں اور اسی طرح کے آٹھویں جماعت کر دیتے ہیں جو بھ سمجھتے ہیں کہ انکے نیپٹے کرنے والے بڑھتے ہیں اور جان کر سزا ہونے۔ آٹھویں کوئی دوسری جماعت یا اس طرح کا کوئی نیکس بھی آیا جس نے سرکار کی من چاہی بات نہ کہی تو اس کی راج کے خلاف راج دینے والے دس کڑے ہو جاتے ہیں اور پہلی رائے "جلتا کے ہٹ کے لئے" آسانی سے چپ ہات کسی آسانی میں بند کر دی جاتی ہے۔

اس کا تجربہ بھارت واسیوں کو بہت پرانا اور گہرا ہے۔ مے خود سن 1908 کے اور دوسرے 'دس سالوں میں آدھ اندر لوگوں کو تڑاڑا ہوک سے مرنے دیکھا ہے اور سرکاری بوٹوں میں ان کی موت کا ڈن عام طور پر پیچھے یا بھڑا رچ ہوتا تھا۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ دونوں ہی باتیں ٹھیک ہوتی تھیں۔ جس کسی کی موت کا کوئی خاص کارن نہ پتہ چلے یا نہ بتانا منظور ہو سے آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ 'ہارٹ فیل' ہونے سے مر گیا۔ ات بھی سچ 'ہارٹ فیل' ہوئے ہلا کوئی مر بھی سکتا ہے!

اس طرح کے معاملوں میں سرکار کو اور خاص کر سرکار نے اوپر کے آدمیوں کو جیسے راج کماری امرت کو بے تصور ماننے ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی نہت اچھی ہے اچھی ہے۔ پر وہ اپنے آس پاس کی فضا اور خود اپنے سے لاجو ہیں۔ ہم آج بھی بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے کو دیکھیں اور دیکھیں کے بچوں کے لئے ایک شاپ اور ایک لکنت ماننے ہوں۔ پشچیمیتا' ندھی پشچیمیتا کے جس روگ سے گاندھی جی اس دیکھ کو بچانا چاہتے تھے وہ ظاہر ہے اس سمنہ پورے زور پر ہے اور خلس کر ان دیکھ بھکتوں میں جن کے ہاتھوں میں بدقسمتی سے اس سے دیکھ کے شاسن کی باگ ہے۔ دیکھ کے کروڑوں بچوں پر یہ گندے' اور زہریلے تجربے تو ہونگے ہی' سب سے اٹھک نہ اس بات کا ہے کہ ان کروڑوں بچوں میں بہت بڑی تعداد دیہیوں اور گلوں والوں کے ان بچوں کی ہے جنہیں پوڈٹ ہار نھلک کا کھانا بھی نہیں ملتا۔ پر دنیا شاید تجربوں سے ہی سیکھتی ہے۔ انسانی جسموں سے زہر کو نکالنے کے طریقہ ہی میں ہی۔ ہم نرائش نہیں ہوں۔ ہماری آشا کا ادھار دیکھ ہی وہ کروڑوں جلتا ہے جو ابھی تک اس اندھی پشچیمیتا کے تہ اٹھک اثر میں نہیں ہے اور جسے کسی تحقیقات کے لئے خود اپنی گلوں' اپنے گلوں اور اپنے نجی آٹھویں سے دور جانا نہیں پڑتا۔ جلتا کی سیدھی سادی سوچ ہم پڑے لکھوں کی لڑھی گڑھانی عقل سے انہیں کہیں اچھا اور ٹھیک راستہ نہکاتی ہے۔

हम अपने राज को जनता का राज कहते हैं, अभी इस इस आदर्श से काफी दूर हैं। भारत के रहे सहे दुख वही दिन दूर होंगे और भारत उसी दिन बाहर की दीपटाप से वही अपने अन्दर की चमक से चमकेगा जिस दिन हम सचमुच इस आदर्श तक पहुँच जावेंगे.

28-7-55

— सुन्दरलाल

एक आदर्श गवर्नर

हाल में कलकत्ते के दौरे में हमें पच्छिमी बंगाल के गर्वनर डाक्टर एच. सी. मुकरजी से मिलने का सौभाग्य प्राप्त हुआ. उनसे मिलकर हमें बड़ी खुशी हुई. डाक्टर एच. सी. मुकरजी की उमर इस समय लगभग उन्नासी बरस की है. उनका रहन सहन और लिबास हृदय दर्जे का सादा है. उनके तर्ज और लिबास से यह मालूम नहीं होता कि वह भारत की गलियों और गावों में फिरने वाले आम लोगों से किसी तरह कोई अलग इन्सान हैं. बातें करते हुए हमारा ध्यान इस बात की तरफ गया कि गर्वनर एच. सी. मुकरजी अपनी पाँच हजार की तनखाह में से केवल पाँच सौ रुपये अपने और अपने परिवार के खर्च के लिये रखकर बाकी साढ़े चार हजार रुपये महीने एक ट्रस्ट के हवाले कर देते हैं इसलिये कि उसे गरीब विद्यार्थियों की तालीम आदि पर खर्च किया जावे. हम डाक्टर मुकरजी को यह याद दिलाए बिना न रह सके कि राष्ट्रपिता महात्मा गांधी ने स्वतंत्र भारत के मिनिस्ट्रों और गर्वनरों के सामने ख़लीफ़ा उमर का आदर्श पेश किया था. गांधी जी ने कहा था कि हमारे देश के मिनिस्टर और गर्वनर कम से कम तनखाहें लें और ख़लीफ़ा उमर का सा सादा जीवन बितावें ताकि उनमें और जनता में गह्रा सम्बन्ध बना रहे. इस पर डाक्टर मुकरजी ने ख़लीफ़ा उमर के जीवन की कुछ घटनाएं हम से जानना चाहीं. हमने उन्हें कई घटनाएं सुनाई. यहां हम उन्हें दुहराना नहीं चाहते. डाक्टर मुकरजी सुनकर बहुत खुश हुए. हमने उनसे यह भी कहा कि जहां तक हमें मालूम है अगर भारत भर में आज कोई गर्वगर गांधी जी के बताए उस आदर्श के निकट पहुँचता है तो डाक्टर मुकरजी. डाक्टर मुकरजी ने इस पर बड़ा संतोष प्रकट किया.

उनकी सादगी की बाबत एक छोटी सी घटना हमने और सुनी। दिल्ली सरकार के एक बहुत बड़े सज्जन ने अपने कलकत्ते के दौरे के समय गवर्नर मुकरजी के रहन सहन को देखकर उनसे कहा कि अगर आप थोड़ा सा और खर्च अपने ऊपर गवारा कर लें तो आप ज़रा अच्छी तरह रह सकेंगे। गवर्नर मुकरजी ने बड़ा सुन्दर जवाब दिया। उन्होंने कहा कि—“मैं देख का असली हाकिम नहीं हूँ,

ہم اپنے راجے کو جیتا کا راج کہتے ہیں۔ ابھی ہم اس آدھی
 سے کئی دور ہیں۔ بھارت کے وہ سبھ نہ کسی دن دور ہونگے
 اور بھارت اسی دن باہر کی قیپ تاپ سے نہیں اپنے اندر کی
 چمک سے چمکے گا جس دن ہم سچ میچ اس آدھی تک
 پہنچے جاویں گے۔

مسائل اول

23. 7. 56

ایک اُدیش گورنر

حال میں لکھنے کے دورے میں ہمیں پچھمی بنگال کے گورنر ڈاکٹر ایچ . سی . مکرجی سے ملنے کا سوبھائیہ پر اپت ہوا . اُن سے ملکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی . ڈاکٹر ایچ . سی . مکرجی کی عمر اِس سے لگ بھگ اُناسی برس کی ہے . اُن کا رہن مہن اور لباس حد درجہ کا سادہ ہے . اُن کے طرز اور لباس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بھارت کی گلیوں اور گلوں میں پھرنے والے عام لوگوں سے کسی طرح کوئی الگ انسان ہیں . باتیں کرتے ہوئے عمارا دھیان اِس بات کی طرف گیا کہ گورنر ایچ . سی . مکرجی اپنی پانچ ہزار کی تنخواہ مہن سے کھول پانچ سو روپیہ اپنے اور اپنے دیوار کے خرچ کے لئے رکھ کر باقی ساڑھے چار ہزار روپیہ ہر مہینے ایک ٹرسٹ کے حوالے کر دیتے ہیں اِس لئے کہ اُسے غریب ودیارتھوں کی تعلیم آدی پر خرچ کیا جاوے . ہم ڈاکٹر مکرجی کو یہ یاد دلانے بنا نہ رہ سکے کہ راشٹر پتا مہاتما گاندھی نے سونتتر بھارت کے منستروں اور گورنروں کے سامنے خلیفہ عمر کا آدرش پیش کیا تھا . گاندھی جی نے کہا تھا کہ ہمارے دیہی کے منستّر اور گورنر کم سے کم تنخواہیں لیں اور خلیفہ عمر کا سا سادہ جیون بقادیں تاکہ اُن میں اور جنتا میں گہرا سمبندھ بنا رہے . اِس پر ڈاکٹر مکرجی نے خلیفہ عمر کے جیون کی کچھ گھٹنائیں ہم سے جاننا چاہیں . ہم نے اُنہیں نئی گھٹنائیں سنائیں . یہاں ہم اُنہیں دھوانا نہیں چاہتے . ڈاکٹر مکرجی سنکر بہت خوش ہوئے . ہم نے اُن سے یہ بھی کہا کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اگر بھارت بھر میں آج کوئی گورنر گاندھی جی کے بقائے ہوئے اُس آدرش کے نمٹ پہنچتا ہے تو ڈاکٹر مکرجی . ڈاکٹر مکرجی نے اِس پر بڑا مستش پڑت کیا .

اُن کی اِس سادگی کی ہابت ایک چھوٹی سی گھٹنا ہم نے اور سنی۔ دلی سرکار کے ایک بہت بڑے سجن نے اپنے کلکتہ کے دورے کے سہمے گورنر مکرچی کے دھن سہن کو دیکھ کر اُن سے کہا کہ اگر آپ تھوڑا سا اور خرچ اپنے اوپر گوارا کریں تو آپ ذرا اچھی طرح رہ سکیں گے۔ گورنر مکرچی نے بڑا سندر جواب دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ: ”میں دیش کا اصلی حاکم نہیں ہوں“

بھارتی حکام آپ ہیں۔ اگر کل کسی کان سے مہرے کوئی بات آپ کو پسند نہ آئی اور آپ نے مجھے الگ کر دیا تو مہرے کو دل آٹھ آٹھ خدج ہوئے۔ آٹھ آٹھ کی رکھا ملتا تو میں اس میں اپنی پتلی بہت شہر کے اپنے پرانے مکان میں چلا جاتا۔ مجھے کوئی بھی کشم نہ ہوتا۔ پر پتی میں نے اپنے رہن سہن کو بدل لیا اور اپنے اوپر ادھک خرچ کرنا شروع کر دیا تو مجھے گورنری چھوڑنے پر تکلیف ہوئی۔ اس لئے مہرے لئے بھی سادہ جہیز آچھا ہے۔“

ڈاکٹر مکرजी ईसाई हैं۔ हमें वह सचमुच सच्चे ईसाई मासूम हुए। हम थोड़े से दुख के साथ यह कहे बिना नहीं रह सकते कि अगर स्वतंत्र भारत के दूसरे गवर्नर और मिनिस्टर भी गाँधी जी की बात मान कर डॉक्टर मकरजी की मिसाल पर अमल कर सके होते तो देश की दशा आज कुछ और ही होती!

24. 6. 55

—सुन्दरलाल

अंधविश्वास का अनर्थ

उज्जैन के पास तराना जाने वाली सड़क पर टुकराल गांव में, जलाई महीने के आखिरी दिनों में, जो घटना हुई वह चौंका देने वाली है। हमारे देश की गरीब जनता को धर्म के नाम पर किस बुरी तरह बहकाया जा सकता है, इसका एक ताजा नमूना इस घटना से हमारे सामने एक बार फिर आ गया। जैसे तो ऐसी छोटी मोटी घटनाएं आम तौर पर होती रहती हैं, परन्तु इस घटना ने उन सब को मात कर दिया है। उस दिन नई दिल्ली में भी एक भयानक घटना हो गई। मदनलाल नाम के एक क्लर्क को किसी ज्योतिषी ने यह कह दिया कि 28 जून को उसकी मौत हो जाएगी और उसकी मौत के बाद उसके परिवार को बहुत मुसीबत उठानी पड़ेगी। अपनी मौत और अपने परिवार वालों की मुसीबत का ख्याल उसके दिमाग में कुछ ऐसा घर कर गया कि उसने अपने मासूम 8 साल, 6 साल, और 9 महीने के तीन बच्चों को और अपनी स्त्री को अपने हाथों से मौत के घाट उतार कर स्वयं रेल की पटरी पर जाकर अपनी जान दे दी और ज्योतिषी की भविष्यवाणी का बहुत सा हिस्सा खुद पूरा कर डाला। बहुत साल नहीं हुए हैं, जब बमकारों पर विश्वास रखने वाले, हमारे देश के हजारों लोग, जिनमें अच्छे पढ़े लिखे की संख्या भी कुछ कम नहीं, अंगूले (बड़ीसा) की ओर भागे चले गये थे—केवल इसलिए कि बड़ा ग्वाला परिवार का एक छोटा सा लड़का बवाई के नाम पर किसी पेड़ की छाँट का कुछ टुकड़ा देता था, जिससे सभी तरह की बीमारियाँ दूर हो जाती थीं! अंधविश्वास के उस

हमारे

اصلی حاکم آپ ہیں۔ اگر کل کسی کان سے مہرے کوئی بات آپ کو پسند نہ آئی اور آپ نے مجھے الگ کر دیا تو مہرے کو دل آٹھ آٹھ خدج ہوئے۔ آٹھ آٹھ کی رکھا ملتا تو میں اس میں اپنی پتلی بہت شہر کے اپنے پرانے مکان میں چلا جاتا۔ مجھے کوئی بھی کشم نہ ہوتا۔ پر پتی میں نے اپنے رہن سہن کو بدل لیا اور اپنے اوپر ادھک خرچ کرنا شروع کر دیا تو مجھے گورنری چھوڑنے پر تکلیف ہوئی۔ اس لئے مہرے لئے بھی سادہ جہیز آچھا ہے۔“

ڈاکٹر مکرजी ईसाई हैं۔ हमें वह सचमुच सच्चे ईसाई मासूम हुए। हम थोड़े से दुख के साथ यह कहे बिना नहीं रह सकते कि अगर स्वतंत्र भारत के दूसरे गवर्नर और मिनिस्टर भी गाँधी जी की बात मान कर डॉक्टर मकरजी की मिसाल पर अमल कर सके होते तो देश की दशा आज कुछ और ही होती!

—सुन्दरलाल

24. 6. 55

انده وشواس کا انوتھ

اُجین کے پاس ترانا جانے والی سڑک پر ٹکڑال گاؤں میں، جولائی مہینے کے آخری دنوں میں، جو گھٹنا ہوئی وہ بونکا دینے والی ہے۔ ہمارے دیہی کی غریب جفتا کو دھرم کے نام پر کس بھی طرح بھکایا جاسکتا ہے، اس کا ایک تازہ نمونہ اس گھٹنا سے ہمارے سامنے ایک بار پھر آگیا۔ ویسے تو ایسی چھوٹی سی گھٹنا ہے عام طور پر ہوتی رہتی ہیں، پرنتو اس گھٹنا نے سب کو مات کر دیا ہے۔ اس دن نئی دلی میں بھی ایک ہینک گھٹنا ہوگئی۔ مدن لال نام کے ایک کلرک کو کسی بیوتشی نے یہ کہہ دیا کہ 28 جون کو اس کی موت ہو جائیگی۔ اس کی موت کے بعد اس کے پرہیزگار کو بہت مصیبت ہائی پڑی۔ اپنی موت اور اپنے پرہیزگاروں کی مصیبت کا خیال اس کے دماغ میں کچھ ایسا گہر کر گیا کہ اس نے اپنے بھوم 8 سال، 6 سال، اور 9 مہینے کے تین بچوں کو اور اپنی بیوی کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار کر سویم ریل کی ریل پر جا کر اپنی جان دے دی اور بیوتشی کی بیوتشی دانی بہت سا حصہ خود پورا کر ڈالا۔ بہت سال نہیں ہوئے ہیں، اب چمٹکڑوں پر وشواس رکھنے والے، ہمارے دیہی کے ہزاروں لاکھ جن میں اچھے پڑھے لکھوں کی سہولت بھی کچھ کم نہ ہے، انکول (آپسے) کی اور ہانگے چلے گئے تھے—کہوں اس کے کہ وہاں گولا پرہیزگار کا ایک چھوٹا سا لوکا دوائی کے نام پر ہی پیڑ کی چھال کا کچھ ٹکڑا دیتا تھا، جس سے سبھی راج کی بیماریاں دور ہو جاتی تھیں! انده وشواس کے اس

بھنکر میں لوگ پاگل سے بھنکر اُڑ گئے۔ کبھی کو یہ سوچنے کی کوسٹ مئی نہیں تھی کہ اسلیت کیا ہے۔ بھدیا دھان کی طرح دھار کے چاروں اور سے ہزاروں لاکھوں کی پوری بھائی پھوٹ گئے۔ سرکار کی ساری سچائیوں اور کھیتوں کو لوگوں نے چھوٹا ٹھہرا دیا اور ان پر کچھ بھی اُٹو نہیں ہوا۔ لاکھوں روپیہ برباد ہوا اور جو مصیبتیں اُنہائی گئیں، اُن کا تو کہنا ہی کیا۔ اُس چھوٹے سے استہان میں ہزاروں لوگوں کے کھانے پینے اور ٹھہر لے کا کوئی انتظام نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

دھار کی جس بھائی کا ہم یہاں چرچا کرنا چاہتے ہیں، وہ بھائی کا نام ہے کہ گھنڈکھور بھائی نام کی ایک استری کو یہ سہلا آیا کہ 28 جولائی کو اُس کے پتی کی موت ہو جائیگی اور وہ اُس کے ساتھ سٹی ہو جائیگی۔ حالانکہ وہ استری ایسا کوئی سہلا دیکھنے سے بھی انکار کرتی ہے۔ پر اُس سہلا کا جو قصہ چاروں اور پھیلا، اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تکرال میں اُس سٹی کے درشنوں کے لئے لاکھوں استری پرش جمع ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ بھائی، گوالہر، جھانسی، لکھنؤ اور بمبئی تک سے لوگ وہاں گئے۔ پولس کی اور سے پتی پتی دونوں کے زندہ ہونے کی خبروں کا اعلان کرنے پر بھی لوگوں کا اُس پاس سے چاروں اور سے وہاں جانا جاری رہا۔ گھنڈکھور کا پتی سدھ ناتھ اندور کے اسپتال میں اپنی بیماری کا علاج کروا رہا تھا اور گھنڈکھور وہاں اُس کی سیوا کے لئے گئی ہوئی تھی۔ گلوں میں اُن کی اس فخرحظری کا مطلب یہ لگایا گیا کہ سدھ ناتھ کے مرنے پر گھنڈکھور بھائی سٹی ہو چکی ہے اور اُس ”دھارمک“ گھنڈکھور سے چھپا دیا گیا ہے۔ اُن دونوں کو جلتا کے سامنے پیش کرنے کی جو مانگ کی گئی، اُس کا پورا کوسٹنا ممکن نہ ہونے سے سٹی ہونے کی لڑائی کی کھینچا کو اور بھی ادھک ہل مل گیا۔ پھر، وہاں موجود دو ناگ سادھوؤں نے، جن کی بات کو اندھ وشواسی جلتا اُس بھی ہمارے دیہی میں وید واکھ کی طرح سچ مانتی ہے، لوگوں کی اُس کھینچا کو اتنا ادھک بھڑکا دیا کہ وہ پولس کی بات کو سچ ماننے کی بجائے، اُسی پر حملہ کر بیٹھے اور پولس والوں کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ٹیٹرکس چھوڑنے اور لڑائی چلانے کا بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تب گولی چلانے کی نوبت آگئی۔ کہتے ہیں کہ 19 مرنے تک گولی چلی۔ حالانکہ چھ آدمیوں کے مرنے کی بات سونیکار کی گئی ہے، پر اُن کی سنکھیا کہیں ادھک ہونے کا شک کیا جاتا ہے۔

گھنڈکھور کا دوسرا پہلو اور بھی ادھک بھڑاک ہے۔ قانون سے سٹی پرتھا کو بند ہونے قریب دھوڑ سو سال بیت جانے پر بھی اُس کا اندھ وشواس لوگوں کے دل اور دماغ پر ابھی تک چھایا ہوا ہے۔ یہ پرانی پرتھا ہے کہ

بھنکر میں لوگ پاگل سے بھنکر اُڑ گئے۔ کبھی کو یہ سوچنے کی کوسٹ مئی نہیں تھی کہ اسلیت کیا ہے۔ بھدیا دھان کی طرح دھار کے چاروں اور سے ہزاروں لاکھوں کی پوری بھائی پھوٹ گئے۔ سرکار کی ساری سچائیوں اور کھیتوں کو لوگوں نے چھوٹا ٹھہرا دیا اور ان پر کچھ بھی اُٹو نہیں ہوا۔ لاکھوں روپیہ برباد ہوا اور جو مصیبتیں اُنہائی گئیں، اُن کا تو کہنا ہی کیا۔ اُس چھوٹے سے استہان میں ہزاروں لوگوں کے کھانے پینے اور ٹھہر لے کا کوئی انتظام نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

تکرال کی جس گھنڈکھور کا ہم یہاں چرچا کرنا چاہتے ہیں، وہ بھائی کا نام ہے کہ گھنڈکھور بھائی نام کی ایک استری کو یہ سہلا آیا کہ 28 جولائی کو اُس کے پتی کی موت ہو جائیگی اور وہ اُس کے ساتھ سٹی ہو جائیگی۔ حالانکہ وہ استری ایسا کوئی سہلا دیکھنے سے بھی انکار کرتی ہے۔ پر اُس سہلا کا جو قصہ چاروں اور پھیلا، اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تکرال میں اُس سٹی کے درشنوں کے لئے لاکھوں استری پرش جمع ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ بھائی، گوالہر، جھانسی، لکھنؤ اور بمبئی تک سے لوگ وہاں گئے۔ پولس کی اور سے پتی پتی دونوں کے زندہ ہونے کی خبروں کا اعلان کرنے پر بھی لوگوں کا اُس پاس سے چاروں اور سے وہاں جانا جاری رہا۔ گھنڈکھور کا پتی سدھ ناتھ اندور کے اسپتال میں اپنی بیماری کا علاج کروا رہا تھا اور گھنڈکھور وہاں اُس کی سیوا کے لئے گئی ہوئی تھی۔ گلوں میں اُن کی اس فخرحظری کا مطلب یہ لگایا گیا کہ سدھ ناتھ کے مرنے پر گھنڈکھور بھائی سٹی ہو چکی ہے اور اُس ”دھارمک“ گھنڈکھور سے چھپا دیا گیا ہے۔ اُن دونوں کو جلتا کے سامنے پیش کرنے کی جو مانگ کی گئی، اُس کا پورا کوسٹنا ممکن نہ ہونے سے سٹی ہونے کی لڑائی کی کھینچا کو اور بھی ادھک ہل مل گیا۔ پھر، وہاں موجود دو ناگ سادھوؤں نے، جن کی بات کو اندھ وشواسی جلتا اُس بھی ہمارے دیہی میں وید واکھ کی طرح سچ مانتی ہے، لوگوں کی اُس کھینچا کو اتنا ادھک بھڑکا دیا کہ وہ پولس کی بات کو سچ ماننے کی بجائے، اُسی پر حملہ کر بیٹھے اور پولس والوں کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ٹیٹرکس چھوڑنے اور لڑائی چلانے کا بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تب گولی چلانے کی نوبت آگئی۔ کہتے ہیں کہ 19 مرنے تک گولی چلی۔ حالانکہ چھ آدمیوں کے مرنے کی بات سونیکار کی گئی ہے، پر اُن کی سنکھیا کہیں ادھک ہونے کا شک کیا جاتا ہے۔

گھنڈکھور کا دوسرا پہلو اور بھی ادھک بھڑاک ہے۔ قانون سے سٹی پرتھا کو بند ہونے قریب دھوڑ سو سال بیت جانے پر بھی اُس کا اندھ وشواس لوگوں کے دل اور دماغ پر ابھی تک چھایا ہوا ہے۔ یہ پرانی پرتھا ہے کہ

ساری کے نام پر ایک چبوترا بنا کر مندر کی طرح سے اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ گھنٹہ کلور ہائی کے زندہ ہونے پر ہی اس کا چبوترا بنا دیا گیا اور چبوترے پر چڑھاوا چڑھنا ہی شروع ہو گیا۔ انہیں دیکھا حال لکھنے والے نے لکھا ہے کہ وہاں اتنا چڑھاوا چڑھا کہ 70-80 ہزار روپے کے تو نوٹ جمع کر کے بار دوست کہیں چمپت ہو گئے اور ان نوٹوں کے علاوہ جو نقدی وہاں جمع ہوئی اس کا وزن کئی من تک پہنچ گیا۔ رنگ برنگے کپڑوں کا بھی وہاں ایک بڑا ڈھیر لگ گیا۔ نوٹ لیکر چمپت ہو جانے والوں کی پولیس کی پولیس کی دھارمک بھاؤناؤں کو اُٹھانے میں کچھ بھی اُٹھا نہیں رکھا۔ جن سنگ کے ادھیکاروں نے اس کا پرہواد کیا ہے۔

جن سنگ انہو ایسی ہی کسی دوسری سنسٹھا کا اس گھنٹا کے پیچھے ہاتھ ہو یا نہ ہو، اتنا تو صاف ہے کہ ان دھارمک آندھ وشواسوں اور چبوترے دھرموں کی وجہ سے ہی یہ ساری گھنٹا ہوئی، جن پر سامہود ایک سنسٹھانیں پھلتی پھولتی اور پلتی ہیں۔ بھولی بھالی چلتا کے دھارمک آندھ وشواسوں کو بھڑکا کر کتنا اثر کیا جا سکتا ہے، اس کا ایک نمونہ یہ ساری گھنٹا نہیں ہیں۔

کچھ ہی ورش پہلے شاید 1950 میں اسی سے ملتی جلتی ایک گھنٹا گوالیر میں ہوئی تھی۔ تب مدھہ بھارت راج کی دماغان سپہا تک میں یہ منظور کیا گیا تھا کہ اس موقع پر پولس کے انسروں اور دوسرے ادھیکاروں نے اپنے کرتوبہ کا پالن پوری تہرتا اور ایمانداری سے نہیں کیا تھا۔ کارن یہ تھا کہ پولس والے اور دوسرے سرکاری ادھیکاری بھی چلتا کی طرح آندھ وشواس میں پھنسے ہوئے تھے۔ آخر وہ بھی تو ان لوگوں میں سے ہی ہیں، جن کے دل اور دماغ پر یہ اور ایسے آندھ وشواس پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔ انسوس یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ ہمارے کانگریسی وزیر بھی ان سے اپنا پلند نہیں چھڑا سکے ہیں۔ ہمارے بہت سے وزیر اب بھی جیوتشیوں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں اور وہ بات بات میں ان سے مہورت نکلاتے دھتے ہیں۔ انکی بھوشیہ وانہوں پر بھی انکا دپسا ہی وشواس ہے جیسا کہ عام چلتا کا۔ ہمارے خیال میں ایسی گھنٹاؤں کے ہولے پر کوئی سخت قدم اس لئے نہیں اُٹھایا جا سکتا کہ اس قدم کو اُٹھانے کی ذمہ داری جن لوگوں پر ہوتی ہے، ان کے دل اور دماغ اپنے کرتوبہ کے پرتی صاف نہیں اور وہ اپنے کرتوبہ سے اپنے آندھوشواس کو ترجیح دے جاتے ہیں۔ اس لئے ان گھنٹاؤں کو روکنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے وہ لوگ اپنا دل اور دماغ صاف کریں جن پر شاسن کی ذمہ داری ہے، نہیں تو ہماری

— सत्यदेव विद्यालंकार

गोष्ठा की आजादी का सवाल

16 अगस्त सन् 1965 को जबकि एक और हिन्दुस्तान में आजादी के दिन की खुशियां मनाई जा रही थीं निहत्थे सत्याग्रहियों के जत्थे एक बाद दीगरे गोआ, दमन और द्यु में तिरंगा निशान लिये हुए दाखिल हो रहे थे. 16 अगस्त की रात को रेडियो ने हमें इत्तला दी कि अहिंसक और निहत्थे सत्याग्रहियों पर पुर्तगाली सैनिकों ने गोलियाँ चलाईं और यह भी इत्तला दी कि 28 सत्याग्रही ने गोलियाँ खाकर बलिदान हुए और 44 सत्याग्रही गोलियों से घायल होकर लंबे दम अस्पताल में पड़े हुए हैं. घायलोंमें औरतें और बच्चे भी हैं.

इन दर्दनाक ख़बर को पढ़कर हर हिन्दुस्तानी के खून में जोश आए बिना न रहेगा. निहत्थे सत्याग्रहियों पर गोलियां चलाना, इस से ज्यादा ज़ालिमाना चीज़ और क्या हो सकती है. एक तरफ़ चीन को हकूमत है जिसने अग्नीकी छद्माकों को, जिन्होंने चीन की सरहद के अन्दर क्रदम रक्खा, गिरफ़्तार कर लिया और दूसरी तरफ़ पुर्तगाल की साम्राजवादी सरकार सत्याग्रहियों पर गोली चलाने में अभिमान महसूस करती है. अपने हिन्सक दुशमनों के साथ भी कोई ऐसा सलूक नहीं करेगा जैसा पुर्तगाल की सरकार निहत्थे भारतवासियों के साथ कर रही है.

इतिहास ने उस मनहूस दिन के वाक्य को दर्ज किया है जब 22 मई सन् 1498 ई० को मालाबार के किनारे पुर्तगाल के रहने वाले वास्कोदिगामा का जहाज कालीकट के पास आकर ठहरा. उस समय कालीकट का राजा जमोरिन था. वास्कोदिगामा ने दांजानू होकर जमोरिन की खिदमत में अपने राजा की अर्जी पेश की और उस से यह प्रार्थना की कि वह उन्हें अपने राज में रहने और व्यापार करने की इजाजत दे दे.

सन् 1500 ई० में पुर्तगालियों ने अपने व्यापार के लिये कालीकट में एक कोठी बनाई. 3 साल बाद जमोरिन की इजाजत से उसकी किलेबन्दी कर ली और एक पुर्तगाली अफसर काल्कट को उसका किलेदार मुक़र्रर किया.

حالتِ اندھ نہتوں کے اندھ اٹویائی کی سی ہوئے
 بنا نہ دھیکی۔ کمرال کی اِس گھٹنا پر پولس کی
 کارِ بھائی کی لپٹا پوتی کر دینا ہی کٹی نہیں ہے، اُس
 کی چڑ میں جاگے لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو بھی
 بدلنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ دھرام جھوٹا آدمیر، مایا
 جال اور اندھ وشواس دور کٹے بنا اِس اور سے اترتوں کو روکا
 نہیں جاسکتا۔

— ستیہ دیو و دیالنگار

15.8.55

گوا کی آزادی کا سوال

1 اگست سن 1955 کو جب کہ ایک اور ہندستان میں آزادی کے دن کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں نہتے ستیاگرہوں کے جتھے یکے بعد دیگرے گو آ، دمن اور دیو میں ترنگا نشان لئے ہونے داخل ہو رہے تھے۔ 15 اگست کی رات کو ریڈیو نے ہمیں اطلاع دی کہ اہنسک اور نہتے ستیاگرہوں پر پرتگالی سینکوں نے گولیاں چلائیں اور یہ بھی اطلاع دی کہ 28 ستیاگرہی گولیاں کھانکے بلہدان ہوئے اور 44 ستیاگرہی گولیوں سے گھائل ہوکر لبدم اسپتال میں پڑے ہوئے ہیں۔ کھیلوں میں عورتیں اور بچے بھی ہیں۔

اسی دردناک خبر کو پڑھ کر ہر ہندوستانی کے خون میں جوش اُٹے بنا نہ رہیگا۔ نہتھے ستیاگرہیوں پر گولیاں چلائنا اس سے زیادہ ظالمانہ چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک طرف چین کی حکومت ہے جس نے امریکی اُڑانوں کو جنہوں نے چین کی سرحد کے اندر قدم رکھا، گرفتار کر لیا اور دوسری طرف :نگال کی سامراجوا دی سرکار ستیاگرہیوں پر گولی چلانے میں بھیمان محسوس کرتی ہے۔ اپنے ہتسک دشمنوں کے ساتھ بھی کوئی ایسا بسلوک نہیں کریگا جیسا پرنگال کی سرکار نہتھے اُردت واسیوں کے ساتھ کر رہی ہے۔

انہاس نے اُس منحوس دن کے واقعہ کو درج کیا ہے جب 22 مئی سن 1998ء کو ملابار کے کنارے پرنگال کے رھنے والے انسکریگاما کا جہاز کالیکت کے پاس آکر ٹھہرا۔ اُس سمے کا الیکٹ کا راجہ زمرن تھا۔ انسکو دیگاما نے دو زانو ہوکر زمرن کی خدمت میں اپنے راجہ کی عرض پیش کی اور اُس سے یہ پڑتھنا کی کہ وہ انھیں اپنے راج میں رھنے اور دیپار کرنے کی جازت دیدے۔

سن 1500ء میں پرتگالیوں نے اپنے واپار کے لئے کالیcut میں ایک کوٹھی بنائی۔ 3 سال بعد پھرن کی اجازت سے اس کی قلعہ بندی کر لی اور ایک پرتگالی افسر الیوکرک کو اس کا قلعہ دار مقرر کیا۔

گولکھ نے کینارے کینارے صخر کی طرف بڑھ کر سن 1506ء میں گوالیار پر قبضہ کر لیا۔ ہوتے ہوتے سن 1510ء میں پرتگالیوں کا کالیکٹ کے راجا کے ساتھ جنگ ہو گیا جس میں پرتگالیوں نے کالیکٹ کے راجہ کو آگ لگادی اور شہر کو لوٹ لیا۔ صرف 12 سال پہلے ان پرتگالیوں پر مہربانی کرنے کا یہودیہ زمینوں کو یہ پہل ملا۔ اس کے بعد براہر پرتگالی اپنی حکومت بڑھاتے رہے اور سو سو سال کے اندر وہ منکھور کوچن، لنکا، دیو، گوا، بمبئی کے ٹاپو اور لیگاتیم کے مالک بن گئے۔

پرتگالیوں کی اس সময় کی تیزجارت کی دو باتیں اس تیر پر جاننے کاہیل ہیں—ایک یہ کہ ان لوگوں نے کچھ جہاز بھارت کے ساحل پر پوربی کنارے پر براہر گرومتے رہے اور کسی ہی بھارتیہ جہاز کو پاس سے نکلتے ہوئے دیکھ کر اُسے پکڑ کر لوٹ لیتے تھے۔ کبھی کبھی موقعہ پا کر یہ کنارے کی آبادیوں پر بھی دھاوا بول دیتے تھے، انہیں لوٹ لیتے تھے اور موقعہ پا کر وہاں کے جوان مرد اور عورتوں کو غلام بناد کر پکڑ لے جاتے تھے اور یورپ کے بازاروں میں بیچتے تھے۔ دوسرے یہ لوگ افریقہ اور دوسرے ملکوں سے اپنے جہازوں میں غلام بھر کر لاتے تھے اور بھارت کے بازاروں میں انہیں بیچتے تھے۔

بھارت کے جن حصوں پر پرتگالیوں کا قبضہ ہو گیا تھا وہاں کی جنتا کے ساتھ شروع دن سے ہی ان لوگوں کا برتاؤ بے حد ظالمانہ تھا۔ یہ لوگ کٹر قسم کے عیسائی تھے اور جنتا کو زبردستی عیسائی بنا لینا وہ اپنا مذہبی فرض سمجھتے تھے۔ گوا میں انہوں نے اپنی غیر عیسائی پرچا کو پکڑ کر اور انہیں لادھب کہہ کر مار ڈالنے اور زندہ جلا دینے کے لئے ایک عدالت قائم کر رکھی تھی جسے 'انکوئیشن' کہتے تھے۔ اس لئے آج تک گوا کی زیادتر آبادی عیسائی ہے۔ اپنی ہندستانی رعایا کی بہتری کے لئے پرتگالیوں نے کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

سترہویں صدی کے شروع میں پرتگالیوں کی تجارت بنگال کی اور پھلنے لگی۔ حالانکہ وہاں ان کی حکومت قائم نہیں ہوئی، لیکن وہاں بھی وہی لوٹ مار، وہی زیادتیاں، وہی غلام باندیوں کا دیپار چل پڑا۔ شاہجہاں اُسوقت دلی کے تخت پر تھا۔ اس کے کانوں تک پرتگالیوں کی شکایت پہونچی۔ اُس نے فوراً ایک فوجی دستہ بھیجا۔ پرتگالی ہرا دئے گئے۔ ان کی ہتھی کی کوٹھیاں گرا دی گئیں۔ ان کے جہاز جلا ڈالے گئے۔ ہندستان میں ان کی ریاست ضبط کر لی گئی اور پرتگالیوں کو قہد کر کے آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

شاہجہاں نے انہیں گوہا، دمن اور دس میں بنے رہنے کی ہدایت دی۔ भारत کے اس بڑے بادشاہ کی اس ہمتیہ کا ہندوستان کی जनता کو आज یہ بتانا چاہیے۔

भारत سے पुर्तگالیوں کی سبھا کے بٹ جانے کا سبب بتاتے ہوئے ایک پرتگالی لکھک لکھتا ہے۔

”پرتگالیوں نے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں سلاخ (کواس) لیکر भारत میں پرویش کیا۔ لیکن جب انہیں یہاں بہت زیادہ سونا نظر آیا تو انہوں نے سلاخ کو الگ کر لیا اور اپنی جیبیں بھرنی شروع کر دیں اور جب ان کی جیبیں اتنی بھری ہو گئیں کہ وہ انہیں ایک ہاتھ سے نہ بٹھال سکے تو انہوں نے دوسرے ہاتھ سے بھی تلوار پھینک دی۔“

لیکن آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی بھڑک لگی تلوار پھر سے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ لیکن ہم اس مالزار کی سرک کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ شاہجہاں کے وقت سے چمکا کا جانے والا پانی سمندر کی طرف جا چکا۔ آج 1955 میں ہندستان کی آزاد قوم اس بات کو کہی گوارا نہیں کر سکتی کہ پرتگال کی وحشی اور حیوانی حکومت یہاں ایک دن بھی زیادہ ٹھہرے۔ سمرات شاہجہاں نے اپنی نوالی حکومت سے پرتگالیوں کی طاقت کو ختم کیا۔ ہم آج اہلسا اور ستیاکرا سے ان نتیجوں کو دھرانا چاہتے ہیں۔ یہ وہ شاہجہاں کو کیا معلوم تھا کہ اس کے رحم کی قیمت آج اس کے دیہے والوں کو اپنا خون بہا کر چکانی پڑیگی۔

مہاتما گاندھی نے سن 1946 میں گوا کی آزادی کی حمایت میں کہا تھا کہ گوا جلد سے جلد آزاد ہندستان کا حصہ بنے گا۔ وہ ہندستان کا ایک جز ہے اور اس کا الگ رہنا ہماری غیریت کو ایک نقصان ہے۔

ہمیں انسوس اس بات کا ہے کہ انکستان کی سرکار پرتگالیوں کی حمایت میں بیان شائع کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتی۔ وہ پرتگالیوں کے ساتھ اپنے عہدنامہ کی ہمیں یاد دلاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس صلحنامہ کی شرطوں کو مانتے ہوئے ہم اپنے ملک کے ایک حصہ پر پرتگالیوں کی حکومت قائم رہنے دیں۔ وزیراعظم نہرو نے حقارت کے ساتھ اس سے انکار کیا۔ پرتگالیوں کے دھرم کے بھالے کا پوپ نے پردہ نشی کر دیا۔ صلح کی آج کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ پرتگالی گوا خالی کریں۔

16 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے نہرو نے یہ فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17-8-55

—بی. نا. پانڈے

ہمیں انیسوس اس بات کا ہے کہ انکستان کی سرکار پرتگالیوں کی حمایت میں بیان شائع کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتی۔ وہ پرتگالیوں کے ساتھ اپنے عہدنامہ کی ہمیں یاد دلاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس صلحنامہ کی شرطوں کو مانتے ہوئے ہم اپنے ملک کے ایک حصہ پر پرتگالیوں کی حکومت قائم رہنے دیں۔ وزیراعظم نہرو نے حقارت کے ساتھ اس سے انکار کیا۔ پرتگالیوں کے دھرم کے بھالے کا پوپ نے پردہ نشی کر دیا۔ صلح کی آج کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ پرتگالی گوا خالی کریں۔

16 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے نہرو نے یہ فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17 اگست 55

16 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے نہرو نے یہ فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17 اگست 55

16 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے نہرو نے یہ فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17 اگست 55

सांस्कृतिक साहित्य

सांस्कृतिक साहित्य

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—परिचित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

حضرت محمد اور اسلام

लेखक—परिचित सुन्दर लाल, मूल्य—तीन روپيه
اسلام کے پیغمبر کے सम्बन्ध میں भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—परिचित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

लेखक—परिचित सुन्दर लाल, मूल्य—डेढ़ روپيه

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

مہاتما زرتشت اور ایرانی سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

प्राचीन निख की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

پراچین مصر کی سہیبتا اور سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

سومر بابل اور اسوریا کی پراچین سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

پراچین یونانی سہیبتا اور سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

گंगा سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سترہ)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपिया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसैन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

آگ اور آنسو

(भावपूर्ण सामाजिक کہانیاں)

लेखक—डाक्टर अख्तर حسین رائے پوری, قیمت—ڈیڑھ روپيه

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—भौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

قرآن اور دینارمن متبہید

लेखक—भौलाना अबुलकलाम آزاد, قیمت—ڈیڑھ روپيه

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुरति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

جھنکار

(پرگتی شیل کوبناں کا سنگره)

लेखक—रघुरति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपिया

मिलने का पता

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

14 मुट्टीगंज, इलाहाबाद

145 मंथी گنج، الہ آباد

हिन्दी घर

ہندی گھر

کलچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑی کےन्द्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ناچو پو ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹھک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیواہ کے مانے جانے

ویدوان : شری منچر آلی سوسوا

سکے 225، کرمیت دو روپے

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بڑھت دلچسپ کتاب)

لکھکا—کدسیا جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہرلال نہرو

موٹا کاغذ، موٹا ٹائپ، بڑھت-سی رنگین تصویروں

دام دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کورن

275 سکے، دام ڈاڑھ روپے

ہندو مسلم اکوتا

100 سکے، دام بارھ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبک

کرمیت بارھ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

کرمیت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

کرمیت دو آنے

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 مٹھگانج ایلہا آباد

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیواہ کے مانے جانے

ویدوان : شری منچر علی سوختہ

صفحہ 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھکا—کدسیہ زیدی

بھمیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موٹا کاغذ، موٹا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویروں

دام دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کورن

275 صفحات، دام ڈاڑھ روپے

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحات، دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 مٹھ گنج ایلہ آباد

اس نمبر کے خاص اہمکے

دنیا کی تالیف اور تالیف دینے والے

—ڈاکٹر بھگوانداس

—ڈاکٹر بھگوان داس

—آر. جی. راج کے اصول

—آر. جی. راج کے اصول

—ڈاکٹر تاراچند

—ڈاکٹر تارا چند

—پندرہویں صدی کے ایک شاعر کی ڈائری

—پندرہویں صدی کے ایک شاعر کی ڈائری

—پندرہویں صدی کے ایک شاعر کی ڈائری

—نرسنگ کے فیل (کہانی)

—نرسنگ کے فیل (کہانی)

—نرسنگ کے فیل (کہانی)

—نرسنگ کے فیل (کہانی)

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—شریمنی پرہیا ایم. اے.

—شریمنی پرہیا ایم. اے.

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی



—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

—ایک آئینہ چینی مزدور لڑکی

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

ہندوستان کا ہندو

نمبر 3 نمبر 20 جلد 20 جلد

پبلیشنگ ہاؤس

29 SEP 1955

ستمبر 1955 ستمبر

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستان کا کلتور سوسائٹی

145 مڈل گنج، کراچی

145، مئی گنج، کراچی

ستمبر 1955 ستمبر

کیا کس سے	صفحہ	سفر
1. دنیا کی تعلیم اور تعلیم دینے والے	131	...
—ڈاکٹر مگوان داس
2. ابراہیم راج کے اصول	144	...
—ڈاکٹر تارا چند
3. محمد صاحب کی کچھ حدیثیں	158	...
—انورادک معجب رضوی
4. انیسویں صدی کے ایک فقہ کی قادی	162	...
—پنڈت سندر لال
5. نرگس کے پھول (کہانی)	171	...
—بیربمبھرنایا پاٹھ
6. ایک آدھ چینی مزدور لڑکی	179	...
—شریمتی پریمیا ایم . اے
7. کچھ کتابیں	186	...
8. ہماری رائے—	188	...

سچا اور شکتی نہیں، سہرا اور تھاک—
بیربمبھرنایا پاٹھ.

سنا اور شکتی نہیں، سہرا اور تھاک—
بیربمبھرنایا پاٹھ.

دُنیا کی تالیم اور تالیم دینے والے

دُنیا کی تالیم اور تالیم دینے والے

ڈا॰ مگھانداس

ڈاکٹر بھگول داس

پہلے کے لکھوں میں ہم نے سب دھرموں کی بنیادی ایکٹا کے بارے میں کچھ موٹی موٹی پر بنیادی باتوں کی چرچا کی ہے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آجکل کے ودوانوں، سائنسدانوں اور تعلیم اور تعلیم دینے والوں کے ساتھ اس کا کیا سمبندھ ہے۔

بچوں کی تالیم ہمارے جیون کا بیج اور اسکی جڑ ہوتی ہے۔ جیسے ہم سمجھتا کہتے ہیں وہ اس جیون کا پھل اور پھل ہے۔ بونے والا بیدی اچھے بیج بونے گا تو فصل کاٹنے والا اچھے اور مٹھے پھل پائے گا۔ وہ اگر کڑے اور زہریلے بیج بونے گا تو کاٹنے والوں کو پھل بھی کڑے اور زہریلے ملے گا۔ ہمارے بچوں کو پڑھانے والے ادھیانک بیج بونے والے ہیں۔ وہی مانو سمجھتا کہ بتاتے ہیں۔ وہ ہمارے بچوں کے دلوں اور دماغوں میں اچھے بیج بونے سکتے ہیں اس کے لئے آوشیک ہے کہ وہ خود سچے اُرتھوں میں اُستاد یعنی براہمن ہوں، سچے مولوی ہوں، سچے ربی ہوں۔ سچا براہمن وہ جو برہم یعنی ایشور میں رہتا ہو۔ سچا مولوی وہ جو اپنے مولا اللہ کا سچا بندہ ہو۔ یہودی اپنے پڑھتوں کو ربی کہتے ہیں۔ سچا ربی وہی ہے جو رب یعنی خدا کے حکم کو سمجھے اور اُس کے اُتھوں چلے۔ دوسرے دھرموں میں بھی براہمنوں اور مولویوں کے لئے جو شبد اُتھ ہیں اُن کے بھی اُسی طرح کے اُرتھ ہیں۔ سچے براہمن کو ایشور اللہ کا مشنری یا پرچارک ہونا چاہئے، شیطاں کا تفتواہ دار نوکر نہیں ہونا چاہئے، کھونہ شیطاں اللہ کا دشمن ہے۔

یہی سن 1914-18 کے پہلے مہادیہ سے پہلے یورپ کے ادھیانکوں، سائنسدانوں، پادریوں اور ودوانوں نے اپنا کرتوبہ پالن کیا ہوتا اور اپنے اپنے دیہے کے بچوں کو نیکی کی تعلیم دی ہوتی تو اُس مہادیہ کا اوسر ہی نہ آتا۔ یہی اُس مہادیہ کے بعد بھی یورپ کے اُن براہمنوں نے اپنے اپنے دیہوں کے چہتریوں یعنی جنگجو شاکوں اور ویشیوں یعنی دھن لولپ اڈیوک یتیموں کے ساتھ اپنی آتماؤں کو نہ بیچا ہوتا اور ودیا، دھرم اور سائنس کا اُس طرح دورپیوگ ہونے نہ دیا ہوتا، یہی وہ ملکر کھڑے ہو گئے ہوتے اور اپنے اُتھوں، دھرموں اور ستھوں بل سے اُنہوں نے اپنے اپنے یہاں کے بہکے ہوئے چہتریوں اور ویشیوں کی شیطانت کا مقابلہ کیا ہوتا تو ہمارے اندر کا شیطاں ضرور ہار جاتا۔ یہی سب دیہوں میں

پہلے کے لکھوں میں ہم نے سب دھرموں کی بنیادی ایکٹا کے بارے میں کچھ موٹی موٹی پر بنیادی باتوں کی چرچا کی ہے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آجکل کے ودوانوں، سائنسدانوں اور تعلیم اور تعلیم دینے والوں کے ساتھ اس کا کیا سمبندھ ہے۔

بچوں کی تعلیم ہمارے جیون کا بیج اور اُس کی جڑ ہوتی ہے۔ جیسے ہم سمجھتا کہتے ہیں وہ اس جیون کا پھل اور پھل ہے۔ بونے والا بیدی اچھے بیج بونے گا تو فصل کاٹنے والا اچھے اور مٹھے پھل پائے گا۔ وہ اگر کڑے اور زہریلے بیج بونے گا تو کاٹنے والوں کو پھل بھی کڑے اور زہریلے ملے گا۔ ہمارے بچوں کو پڑھانے والے ادھیانک بیج بونے والے ہیں۔ وہی مانو سمجھتا کہ بتاتے ہیں۔ وہ ہمارے بچوں کے دلوں اور دماغوں میں اچھے بیج بونے سکتے ہیں اس کے لئے آوشیک ہے کہ وہ خود سچے اُرتھوں میں اُستاد یعنی براہمن ہوں، سچے مولوی ہوں، سچے ربی ہوں۔ سچا براہمن وہ جو برہم یعنی ایشور میں رہتا ہو۔ سچا مولوی وہ جو اپنے مولا اللہ کا سچا بندہ ہو۔ یہودی اپنے پڑھتوں کو ربی کہتے ہیں۔ سچا ربی وہی ہے جو رب یعنی خدا کے حکم کو سمجھے اور اُس کے اُتھوں چلے۔ دوسرے دھرموں میں بھی براہمنوں اور مولویوں کے لئے جو شبد اُتھ ہیں اُن کے بھی اُسی طرح کے اُرتھ ہیں۔ سچے براہمن کو ایشور اللہ کا مشنری یا پرچارک ہونا چاہئے، شیطاں کا تفتواہ دار نوکر نہیں ہونا چاہئے، کھونہ شیطاں اللہ کا دشمن ہے۔

یہی سن 1914-18 کے پہلے مہادیہ سے پہلے یورپ کے ادھیانکوں، سائنسدانوں، پادریوں اور ودوانوں نے اپنا کرتوبہ پالن کیا ہوتا اور اپنے اپنے دیہے کے بچوں کو نیکی کی تعلیم دی ہوتی تو اُس مہادیہ کا اوسر ہی نہ آتا۔ یہی اُس مہادیہ کے بعد بھی یورپ کے اُن براہمنوں نے اپنے اپنے دیہوں کے چہتریوں یعنی جنگجو شاکوں اور ویشیوں یعنی دھن لولپ اڈیوک یتیموں کے ساتھ اپنی آتماؤں کو نہ بیچا ہوتا اور ودیا، دھرم اور سائنس کا اُس طرح دورپیوگ ہونے نہ دیا ہوتا، یہی وہ ملکر کھڑے ہو گئے ہوتے اور اپنے اُتھوں، دھرموں اور ستھوں بل سے اُنہوں نے اپنے اپنے یہاں کے بہکے ہوئے چہتریوں اور ویشیوں کی شیطانت کا مقابلہ کیا ہوتا تو ہمارے اندر کا شیطاں ضرور ہار جاتا۔ یہی سب دیہوں میں

یہی صورت کے سب لوگ ملکر یوں کے خلیفہ بن گئے ہوتے اور اپنی آتما کی آواز پر یوں میں کسی صورت کا بھی سہیوگ دینے سے سافہ انکار کرتے تو دنیا بھر کے مہادیوں کے مہیگر کھلے آسمان سے بچ گئی ہوتی۔ پر ان کے خلیفہ بڑے سے مبارک اور ساراہنیہ آپبادوں کو چھوڑ کر لگ بھگ سب دیہوں میں ودوانوں، ادھیپکوں، پادریوں اور سائنسدانوں نے پریم کے خلیفہ لغت کا شانتی کے خلیفہ بدھ کا اور ایشور کے خلیفہ شیطان کا ساتھ دیا۔

ان ساراہنیہ آپبادوں میں ایک خاص نام شوی برٹریڈ رسل کا ہے۔ ایک سچے سائنسدان اور دانشک کی طرح انہوں نے جیل جانا سونپکر کیا پر بدھ میں سہیوگ دینا یا اس کا سمرن کرنا سونپکر نہیں کیا۔ دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان ڈاکٹر آئنسٹائن نے بھی سن 1932 میں ایک بدھ وردھی ایسوسی ایشن قائم کی۔ اپنی سچائی کے کارن انہیں اپنے دیہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔ پروفیسر ایچ۔ ای۔ آرم اسٹرانگ نے "نیچر" نام کی پکریکا میں، دنیا کے سائنسدانوں کی سرنی ہوئی آتما کو جگانے کے لئے لکھا تھا:—

"سوی برس کی سائیس کی اورتی کا یہ نئیجا دیا ہے کہ جین باتوں کا اسلی مہلہ کھ نہیں ہے ان میں ہماری جانکاری غیب کی بڑھ گئی ہے۔ پر ان سو برس نے ہمیں ان چیزوں کی باہت بہت کم جانکاری دی ہے جن سے ہمارا سب کا سچ سچ پیٹ پھرے اور ہم ملکر شانتی کے ساتھ رہ سکیں اور ایک دوسرے کو سہہ سکیں۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوں اور ایک سچے عیسائی کی طرح سب کے ساتھ پریم اور مکرنا نہاغا تو اور بھی دور کی بات ہے..... ہوشیہ میں سائنس کے میدان میں کام کرنے والا کوئی بھی آدمی تب ہی سائیس کا سچا سوزک کہلا سکتا ہے جب وہ سارے مانو سماج کی سہوا کے ذریعہ سب کا بھلا کر کے اپنے وجود کو سارتھک کرے۔"

سچے براہمن کی یہی تعریف ہے۔ براہمن، ادھیپک، استاد، مولوی یا سائنسدان کھول اپنے لوگوں کی دماغی جانکاری کو ہی نہیں بڑھاتا، وہ ان کے سداچار کو، ان کے آپسی سمبندھوں کو، ان کے غریبوں اور شاہری جیون کو اور ان کی آتما کو بھی اچھا لے جاتا ہے، جیون کے ہر کام اور ہر مہکمے میں وہ لوگوں کی سچھی رہنمائی کرتا ہے۔

ایڈنبرا کے پروفیسر کوو نے دسمبر سن 1931 میں سائنس اور مانو سماج پر بولتے ہوئے کہا تھا:—

"آدمی کے اندر کے لوہ اور لالچ کے کارن سائنس دیرپہوگ کر کے اس سے آدمی کی گندی اور

سچے براہمن کی یہی تعریف ہے۔ براہمن، ادھیپک، استاد، مولوی یا سائنسدان کھول اپنے لوگوں کی دماغی جانکاری کو ہی نہیں بڑھاتا، وہ ان کے سداچار کو، ان کے آپسی سمبندھوں کو، ان کے غریبوں اور شاہری جیون کو اور ان کی آتما کو بھی اچھا لے جاتا ہے، جیون کے ہر کام اور ہر مہکمے میں وہ لوگوں کی سچھی رہنمائی کرتا ہے۔

ایڈنبرا کے پروفیسر کوو نے دسمبر سن 1931 میں سائنس اور مانو سماج پر بولتے ہوئے کہا تھا:—

"آدمی کے اندر کے لوہ اور لالچ کے کارن سائنس دیرپہوگ کر کے اس سے آدمی کی گندی اور

ایڈنبرا کے پروفیسر کوو نے دسمبر سن 1931 میں سائنس اور مانو سماج پر بولتے ہوئے کہا تھا:—

ایڈنبرا کے پروفیسر کوو نے دسمبر سن 1931 میں سائنس اور مانو سماج پر بولتے ہوئے کہا تھا:—

"آدمی کے اندر کے لوہ اور لالچ کے کارن سائنس دیرپہوگ کر کے اس سے آدمی کی گندی اور

دوبارہ سے دوبارہ اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔
 بڑی इच्छाओं को पूरा करने का काम सिखा जा रहा है..... आजकल की सबसे बड़ी समस्या यह नहीं है कि आदमी आदमी में भारी चीजों का बैठ बिठाव या बटबारा कैसे किया जाय, बल्कि सबसे बड़ी समस्या यह है कि लोगों की आत्माओं के बीच में बैठ बिठाव कैसे किया जाय. दुनिया में इस समय इतना ज्ञान मौजूद है और इतनी शक्ति भी है कि जिससे सारे मानव समाज को फिर से ठीक रूप दिया जा सकता है. पर यह ठीक रूप देने की इच्छा अभी हममें नहीं है. हमारे सामने कोई ऐसा आदर्श नहीं है जिसकी तरफ हम सब चलें. जिंदगी को कैसे क्रायम रखा जावे इसके तरीकों को तो हम थोड़ा बहुत जानते हैं, पर जिंदगी कैसे बसर की जावे या किस बात के लिए जिया जावे यह हम नहीं जानते. साईंस आजकल आदमी की धन लोलुपता और शक्ति लोलुपता की गुलाम बन गई है. वह अब आलिमों के हाथ का एक हथियार है. हमें फिर से यह पता लगाना होगा कि मनुष्य जाति का असली भला किस बात में है और फिर यह देखना होगा कि साईंस से हमें जो शक्ति मिलती है वह उसी मतलब को पूरा करने के लिए काम में लाई जावे. ज्ञान ने प्रेम से अलग होकर दुनिया में नफरत और दुख की आग भड़का दी है, अब हमें एक नई नैतिक यानी इखलाकी निगाह की जरूरत है. यह निगाह हमें कहाँ से मिले ?”

जो 'निगाह' प्रोफेसर क्रू चाह रहे हैं वह हमें केवल उस व्यापक यानी आलमगीर वैज्ञानिक धर्म से ही मिल सकती है जो दुनिया के सब धर्मों की जान है, उसी से हमें यह पता चल सकता है कि 'सारे मानव समाज का भला किस बात में है', 'हम किस चीज के लिए जिंदा रहें', 'किस आदर्श की तरफ बढ़ें', 'कैसे जीएँ', 'जीवन का असली मतलब और रारख क्या है' और साईंस के मैदान में काम करने वाला समाज की सेवा करके अपने जीवन को किस तरह सार्थक करे. इसके लिए एक ठीक योजना के साथ समाज का फिर से संगठन करना जरूरी है. हम में 'नेक इरादों या इच्छाओं की कमी' इसलिए है क्योंकि हर नई पीढ़ी के लोग धन लोलुपता और शहवत परस्ती में ही पैदा होते हैं और उसी में पलते और तालीम पाते हैं. उन्हें आत्मबल और मानव प्रेम की तालीम दी ही नहीं जाती. हमारी सारी तालीम बिलकुल रालत और उलटी है. उसी से हमारे जीवन के सब सोते जहरीले हो जाते हैं. यदि हम बाहरी युद्ध को मिटाना चाहते हैं तो पहले हमें अपनी गिरी हुई प्रवृत्तियों, अपने अन्दर की शैतानियत से युद्ध शुरू करना होगा. उसके बाद हम बाहर की शक्तियों पर क्राबू पा सकेंगे. यह रास्ता बहुत ही ठीक और अमली रास्ता है. यही सच्चा रास्ता है. बच्चों की ठीक ठीक तालीम ही सारी मानव

برای اچلوں کو پورا کرنے کا کام لیا جا رہا ہے..... اچل کی سب سے بڑی سسپا یہ نہیں ہے کہ آدمی آدمی میں مادی چیزوں کا بیٹہ بٹھاؤ یا بٹوارہ کیسے کیا جائے، بلکہ سب سے بڑی سسپا یہ ہے کہ لوگوں کی آتماؤں کے بیچ میں بیٹہ بٹھاؤ کیسے کیا جائے. دنیا میں اس سے اتنا گہان موجود ہے اور اتنی شکتی بھی ہے کہ جس سے سارے مانو سماج کو پھر سے ٹھیک روپ دیا جاسکتا ہے. پر یہ ٹھیک روپ دینے کی اچھا ابھی ہم میں نہیں ہے. ہمارے سامنے کوئی ایسا آدرش نہیں ہے جس کی طرف ہم سب چلیں. زندگی کو کیسے قائم رکھا جاوے اس کے طریقوں کو تو ہم تھوڑا بہت جانتے ہیں، پر زندگی کیسے بسر کی جاوے یا کس بات کے لئے جیا جاوے یہ ہم نہیں جانتے. سائنس اچکل آدمی کی دھن لولپتا اور شکتی لولپتا کی غلام بن گئی ہے. وہ اب ظالموں کے ہاتھ کا ایک ہتھیار ہے. ہمیں پھر سے یہ دیکھنا ہوگا کہ منشیہ جانی کا اصلی بھلا کس بات میں ہے اور پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ سائنس سے ہمیں جو شکتی ملتی ہے وہ اسی مطلب کو پورا کرنے کے لئے کام میں لائی جاوے. گہانے پریم سے الگ ہوکر دنیا میں نفرت اور دکھ کی آگ بھڑکا دی ہے، اب ہمیں ایک نئی نیتک یعنی اخلاقی نگاہ کی ضرورت ہے. یہ نگاہ ہمیں کہاں سے ملے ؟”

جو 'نگاہ' پروفیسر کرو چاہ رہے ہیں وہ ہمیں کھول اس واپاک یعنی عالمگیر ویکھانک دھرم سے ہی مل سکتی ہے جو دنیا کے سب دھرموں کی جان ہے، اسی سے ہمیں یہ پتہ چل سکتا ہے کہ 'سارے مانو سماج کا بھلا کس بات میں ہے' 'ہم کس چیز کے لئے زندہ رہیں' 'کس آدرش کی طرف بڑھیں' 'کیسے جیئیں' 'جیہوں کا اصلی مطلب اور غرض کیا ہے' اور سائنس کے میدان میں کام کرنے والا سماج کی سیوا کر کے اپنے جیہوں کو کس طرح سارنھک کرے. اس کے لئے ایک ٹھیک یوجنا کے ساتھ سماج کا پھر سے سنگٹھن کرنا ضروری ہے. ہم میں 'نیک' 'رادوں یا اچھاؤں کی کمی' اس لئے ہے کیونکہ ہر نئی پیڑھی کے لوگ دھن لولپتا اور شہوت پرستی میں ہی پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں پلتے اور تعلیم پاتے ہیں. انہیں اتم ہل اور مانو پریم کی تعلیم دی ہی نہیں جاتی. ہماری ساری تعلیم بالکل غلط اور اٹکی ہے. اسی سے ہمارے جیہوں کے سب سوتے بھریلے ہو جاتے ہیں. یہی ہم باہری یدھ کو مٹانا چاہتے ہیں تو پہلے ہمیں اپنی گری ہوئی پرورنہوں، اپنے اندر کی لہیلاہت سے یدھ شروع کرنا ہوگا. اس کے بعد ہم باہر کی نکٹھوں پر قابو پاسکےں گے. یہ راستہ بہت ہی ٹھیک اور عملی راستہ ہے یہی سچا راستہ ہے. بچوں کی ٹھیک ٹھیک تعلیم ہی ساری مانو

آدمی کے دیکھوں اور دیمائیوں کو موہ کر ٹیک راستے پر لے جاتا ہے۔

پچھلے پچیسویں صدی میں دنیا کے اندر شانتی اور امن بنانا رکھنے کے لیے کئی تہذیبوں نے چل چکی ہیں۔ ان میں سے ایک خاص تہذیب "ورلڈ کونفرنس آف نیشنز" ہے جو 1933 میں شیکاگو (امریکا) میں شروع ہوئی۔ ورلڈ کونفرنس آف نیشنز کے مانی ہیں—دنیا کے سب دھرموں کا میلان۔ شیکاگو میں اس تہذیب کی پہلی سہما ہوئی تھی اس کی بات کیا گیا کہ: "سب دھرموں، نسلوں اور دیشوں لوگ اس سہما میں آئے تھے... انہوں نے ملکر انسان کی نیک کی سب سہماؤں کے روحانی حل کھوجنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے یہاں جنگ، مہم کے کارن ایک دوسرے کو ہتھیار پہنچانا، پکھلت، ایک طرف دھن کے انبار اور سوری طرف غریبی، بے روزگاری، راشنوں راشنوں میں کمزوری، الت، نفرتیں اور ایک دوسرے سے دیر۔"

اس سے بہت پہلے سن 1875 میں نیویارک میں یوٹوپیائی سوسائٹی قائم ہوئی تھی۔ اس سوسائٹی کے نین مقصد اور ہیں۔ یہ تینوں: اس میں کوئی شک نہیں، سرائیہ۔ دے یہ ہیں—(1) نسل، دھرم، مرد، عورت، جات رنگ کے بھید بھاؤں سے اوپر اٹھ کر سارے مانو سماج کے یک بھائی چارے کا ایک کیندر بنانا۔ (2) الگ الگ دھرم، الگ الگ دھرم، شاستروں اور سائنس ان سب ملا کر پڑھنا اور پڑھنا۔ (3) قدرت کے ان قانونوں کا ابھی تک سمجھ میں نہیں آئے اور آدمی کے اندر کی ہی ہوئی شکستوں کا پتہ لگانا۔ اس تینوں باتوں کی عرض ہے یعنی دنیا کی شانتی اور سب کی خوشحالی۔ سوئیٹل سوسائٹی کا صدر دفتر مدراس کے پاس آندھرا میں اور اس کی شاخیں دنیا کے پچاس سے اوپر دیشوں قائم ہیں۔

بہت سے دیشوں کے بڑے بڑے شہروں میں 'پارلیمنٹس آف ریلیجنس' یعنی دھرموں کی پارلیمنٹیں ہو چکی ہیں۔ ان میں سے پہلی 1893 میں شیکاگو ہی میں ہوئی تھی۔ ان سب مقصد بھی شانتی قائم کرنا تھا۔

سن 1920 میں لیگ آف نیشنز قائم ہوئی جس کا مقصد تھا—"راشٹروں کے درمیان میں اتحاد اور امن کے لیے کام کرنا۔"

بہت سے دیشوں میں سائنسدانوں کی ایسوسی ایشنیں بھی چلی ہیں۔ یہ ایسوسی ایشن اب سائنس کے 'انسانی' پہلو کی سماجی یا اخلاقی پہلو پر ادھک دھیان دینے لگی ہیں یعنی اس بات پر کہ سائنس کا منشیہ کے لیے جیسے سماجی ن کے ساتھ کیا سہما ہے۔ اس طرح کے نیک سہماؤں کے لیے اب عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سائنس اب انسانی تہذیب سے آگے

جاتی ہے۔

پچھلے پچیسویں صدی میں دنیا کے اندر شانتی اور امن بنانا رکھنے کے لیے کئی تہذیبوں نے چل چکی ہیں۔ ان میں سے ایک خاص تہذیب "ورلڈ کونفرنس آف نیشنز" ہے جو 1933 میں شیکاگو (امریکا) میں شروع ہوئی۔ ورلڈ کونفرنس آف نیشنز کے مانی ہیں—دنیا کے سب دھرموں کا میلان۔ شیکاگو میں اس تہذیب کی پہلی سہما ہوئی تھی اس کی بات کیا گیا کہ: "سب دھرموں، نسلوں اور دیشوں لوگ اس سہما میں آئے تھے... انہوں نے ملکر انسان کی نیک کی سب سہماؤں کے روحانی حل کھوجنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے یہاں جنگ، مہم کے کارن ایک دوسرے کو ہتھیار پہنچانا، پکھلت، ایک طرف دھن کے انبار اور سوری طرف غریبی، بے روزگاری، راشنوں راشنوں میں کمزوری، الت، نفرتیں اور ایک دوسرے سے دیر۔"

اس سے بہت پہلے سن 1875 میں نیویارک میں یوٹوپیائی سوسائٹی قائم ہوئی تھی۔ اس سوسائٹی کے نین مقصد اور ہیں۔ یہ تینوں: اس میں کوئی شک نہیں، سرائیہ۔ دے یہ ہیں—(1) نسل، دھرم، مرد، عورت، جات رنگ کے بھید بھاؤں سے اوپر اٹھ کر سارے مانو سماج کے یک بھائی چارے کا ایک کیندر بنانا۔ (2) الگ الگ دھرم، الگ الگ دھرم، شاستروں اور سائنس ان سب ملا کر پڑھنا اور پڑھنا۔ (3) قدرت کے ان قانونوں کا ابھی تک سمجھ میں نہیں آئے اور آدمی کے اندر کی ہی ہوئی شکستوں کا پتہ لگانا۔ اس تینوں باتوں کی عرض ہے یعنی دنیا کی شانتی اور سب کی خوشحالی۔ سوئیٹل سوسائٹی کا صدر دفتر مدراس کے پاس آندھرا میں اور اس کی شاخیں دنیا کے پچاس سے اوپر دیشوں قائم ہیں۔

بہت سے دیشوں کے بڑے بڑے شہروں میں 'پارلیمنٹس آف نیشنز' یعنی دھرموں کی پارلیمنٹیں ہو چکی ہیں۔ ان میں سے پہلی 1893 میں شیکاگو ہی میں ہوئی تھی۔ ان سب مقصد بھی شانتی قائم کرنا تھا۔

سن 1920 میں لیگ آف نیشنز قائم ہوئی جس کا مقصد تھا—"راشٹروں کے درمیان میں اتحاد اور امن کے لیے کام کرنا۔"

بہت سے دیشوں میں سائنسدانوں کی ایسوسی ایشنیں بھی چلی ہیں۔ یہ ایسوسی ایشن اب سائنس کے 'انسانی' پہلو کی سماجی یا اخلاقی پہلو پر ادھک دھیان دینے لگی ہیں یعنی اس بات پر کہ سائنس کا منشیہ کے لیے جیسے سماجی ن کے ساتھ کیا سہما ہے۔ اس طرح کے نیک سہماؤں کے لیے اب عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سائنس اب انسانی تہذیب سے آگے

بڑا گیا کہ سداچار کا اور سائنس کا ساتھ چھوٹ گیا۔ حالانکہ شہر کیلیم میں ایک انٹرنیشنل کونسل آف سائنٹفک پروٹونس ہے جس کی ایک خاص کمیٹی سائنس اور مائو سماج کے پرستار سمبند پر ہے۔

یہ سب کوششیں اس لئے فضول جا رہی ہیں کیونکہ سائنسدان ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہیں کہ مادی سائنس کی بڑی سے بڑی اور عجیب سے عجیب ایجادیں بھی برائی کی بارہ کو نہیں روک سکتیں۔ یہ ایجادیں برائی کی بارہ اور اس کے انہاؤں کو بڑھاتی ہی رہتی ہیں۔ برائی کی یہ بارہ تبھی رک سکتی ہے جب ہم کوئی ایسا قہنگ نکالیں جس سے دنیا کے سب لوگ اس پرانے سہرے اصول پر عمل کرنے لگیں کہ ہر آدمی ہر دوسرے آدمی کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ کریں۔ اس کے لئے مائو سماج کے سنگتوں کی ایک ایسی ویپیک یوجنا بنانی ہوگی جس کے انوسار ہر آدمی سائنس کی نئی سے نئی ایجادوں کو ساری منشیہ جانی کے پہلے کے لئے کام میں لائے گئے۔ کوئی ان ایجادوں کو کسی ایک راشٹر کے ناپیدے کے لئے یا اس راشٹر کے اندر بھی کسی ایک گروہ کے لئے کام میں نہ لے سکے۔ ہمارا سماج سنگتوں ایسا ہونا چاہئے جس میں ہر آدمی کو اس کے لئے اپنے اندر سے سواہاؤک پورنا ملے۔

ہر آدمی محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب پاگل بن گئے ہیں اور اپنے ہتھیار بڑھاتی جا رہی ہے اور سامہ ہی شانتی اور امن کی بات کہتی ہے۔ سن 1939 میں دنیا کی ان فوجوں کی تعداد جو ہر سہ ہند کے لئے تیار رہتی تھیں سارے پانچ کروڑ سے اوپر تھی۔ ان پر خرچ سن 1939 میں کیا جاتا ہے پچاس ارب روپے سے اوپر ہوا۔ آج ان فوجوں کی تعداد اور ان پر خرچ اس سے بھی کئی گنا بڑھ چکا ہے۔ بہت سے دیہی ہتھیاروں کی اس گھڑ دوڑ میں حصہ لینے کے کارن بھاری قرضوں کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ دوسرے مہا پیدہ نے اس ساری رشم استہتی کو اور بھی بھینکر کر دیا ہے۔ اب تیسرے مہا پیدہ کا دتر دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا بربادی کے گڈھ کے منہ پر کھڑی ہوئی ہے۔

ہر آدمی محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب پاگل بن گئے ہیں اور اپنے ہتھیار بڑھاتی جا رہی ہے اور سامہ ہی شانتی اور امن کی بات کہتی ہے۔ سن 1939 میں دنیا کی ان فوجوں کی تعداد جو ہر سہ ہند کے لئے تیار رہتی تھیں سارے پانچ کروڑ سے اوپر تھی۔ ان پر خرچ سن 1939 میں کیا جاتا ہے پچاس ارب روپے سے اوپر ہوا۔ آج ان فوجوں کی تعداد اور ان پر خرچ اس سے بھی کئی گنا بڑھ چکا ہے۔ بہت سے دیہی ہتھیاروں کی اس گھڑ دوڑ میں حصہ لینے کے کارن بھاری قرضوں کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ دوسرے مہا پیدہ نے اس ساری رشم استہتی کو اور بھی بھینکر کر دیا ہے۔ اب تیسرے مہا پیدہ کا دتر دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا بربادی کے گڈھ کے منہ پر کھڑی ہوئی ہے۔

یہ سب کوششیں اس لئے فضول جا رہی ہیں کیونکہ سائنسدان ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہیں کہ مادی سائنس کی بڑی سے بڑی اور عجیب سے عجیب ایجادیں بھی برائی کی بارہ کو نہیں روک سکتیں۔ یہ ایجادیں برائی کی بارہ اور اس کے انہاؤں کو بڑھاتی ہی رہتی ہیں۔ برائی کی یہ بارہ تبھی رک سکتی ہے جب ہم کوئی ایسا قہنگ نکالیں جس سے دنیا کے سب لوگ اس پرانے سہرے اصول پر عمل کرنے لگیں کہ ہر آدمی ہر دوسرے آدمی کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ کریں۔ اس کے لئے مائو سماج کے سنگتوں کی ایک ایسی ویپیک یوجنا بنانی ہوگی جس کے انوسار ہر آدمی سائنس کی نئی سے نئی ایجادوں کو ساری منشیہ جانی کے پہلے کے لئے کام میں لائے گئے۔ کوئی ان ایجادوں کو کسی ایک راشٹر کے ناپیدے کے لئے یا اس راشٹر کے اندر بھی کسی ایک گروہ کے لئے کام میں نہ لے سکے۔ ہمارا سماج سنگتوں ایسا ہونا چاہئے جس میں ہر آدمی کو اس کے لئے اپنے اندر سے سواہاؤک پورنا ملے۔

ہر آدمی محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب پاگل بن گئے ہیں اور اپنے ہتھیار بڑھاتی جا رہی ہے اور سامہ ہی شانتی اور امن کی بات کہتی ہے۔ سن 1939 میں دنیا کی ان فوجوں کی تعداد جو ہر سہ ہند کے لئے تیار رہتی تھیں سارے پانچ کروڑ سے اوپر تھی۔ ان پر خرچ سن 1939 میں کیا جاتا ہے پچاس ارب روپے سے اوپر ہوا۔ آج ان فوجوں کی تعداد اور ان پر خرچ اس سے بھی کئی گنا بڑھ چکا ہے۔ بہت سے دیہی ہتھیاروں کی اس گھڑ دوڑ میں حصہ لینے کے کارن بھاری قرضوں کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ دوسرے مہا پیدہ نے اس ساری رشم استہتی کو اور بھی بھینکر کر دیا ہے۔ اب تیسرے مہا پیدہ کا دتر دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا بربادی کے گڈھ کے منہ پر کھڑی ہوئی ہے۔

ہر آدمی محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب پاگل بن گئے ہیں اور اپنے ہتھیار بڑھاتی جا رہی ہے اور سامہ ہی شانتی اور امن کی بات کہتی ہے۔ سن 1939 میں دنیا کی ان فوجوں کی تعداد جو ہر سہ ہند کے لئے تیار رہتی تھیں سارے پانچ کروڑ سے اوپر تھی۔ ان پر خرچ سن 1939 میں کیا جاتا ہے پچاس ارب روپے سے اوپر ہوا۔ آج ان فوجوں کی تعداد اور ان پر خرچ اس سے بھی کئی گنا بڑھ چکا ہے۔ بہت سے دیہی ہتھیاروں کی اس گھڑ دوڑ میں حصہ لینے کے کارن بھاری قرضوں کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ دوسرے مہا پیدہ نے اس ساری رشم استہتی کو اور بھی بھینکر کر دیا ہے۔ اب تیسرے مہا پیدہ کا دتر دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا بربادی کے گڈھ کے منہ پر کھڑی ہوئی ہے۔

یہ سب کوششیں اس لئے فضول جا رہی ہیں کیونکہ سائنسدان ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہیں کہ مادی سائنس کی بڑی سے بڑی اور عجیب سے عجیب ایجادیں بھی برائی کی بارہ کو نہیں روک سکتیں۔ یہ ایجادیں برائی کی بارہ اور اس کے انہاؤں کو بڑھاتی ہی رہتی ہیں۔ برائی کی یہ بارہ تبھی رک سکتی ہے جب ہم کوئی ایسا قہنگ نکالیں جس سے دنیا کے سب لوگ اس پرانے سہرے اصول پر عمل کرنے لگیں کہ ہر آدمی ہر دوسرے آدمی کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ کریں۔ اس کے لئے مائو سماج کے سنگتوں کی ایک ایسی ویپیک یوجنا بنانی ہوگی جس کے انوسار ہر آدمی سائنس کی نئی سے نئی ایجادوں کو ساری منشیہ جانی کے پہلے کے لئے کام میں لائے گئے۔ کوئی ان ایجادوں کو کسی ایک راشٹر کے ناپیدے کے لئے یا اس راشٹر کے اندر بھی کسی ایک گروہ کے لئے کام میں نہ لے سکے۔ ہمارا سماج سنگتوں ایسا ہونا چاہئے جس میں ہر آدمی کو اس کے لئے اپنے اندر سے سواہاؤک پورنا ملے۔

इस मुसीबत से बचने के लिए और मानव जाति की आइन्दा की शान्ति, सलामती और खुराहाली के लिए सबसे पहली जरूरत यह है कि दुनिया के कानून बनाने वालों, हाकिमों, हर घर, हर उद्योग, हर महकमे और हर संस्था के सरदार या नेता में और इन सबसे बढ़कर दुनिया के बच्चों को तालीम देने वाले अध्यापकों में दिमागी जानकारी और होशियारी से कहीं बढ़कर ऊँचे नैतिक गुण हों, उनके दिलों में दूसरों के लिये वैसा ही प्रेम हो जैसा पिता के दिल में अपनी औलाद के लिये. हमारा दिमाग अगर बहुत चतुर न भी हो तो भी सच्चा प्रेम भरा दिल हम सब को ठीक रास्ते पर और सब के भले के रास्ते पर लगा सकता है. दिमाग की चतुराई अगर उसके साथ दिल खराब है तो हमें लबाही के गड्ढे में गिराए बगैर नहीं रह सकती. दिमाग जितना चतुर होगा उतना ही जल्दी हम सब बरबाद होंगे, इसलिए यह जरूरी है कि हमारी शिक्षा संस्थाओं में, हमारी तालीमगाहों में बच्चों को बहुत अधिक जानकारी देने की अपेक्षा उनके चरित्र को अच्छा, ऊँचा और मजबूत बनाने की तरफ कहीं अधिक ध्यान दिया जावे. इसके लिए यह जरूरी है कि हमारे अध्यापक खुद नेक, निस्वार्थ, प्रेमी और ऊँचे चरित्र के हों. सच्चा अध्यापक, सच्चा ब्राह्मण होना चाहिए, सच्चा मौलवी होना चाहिए. उसमें विद्या होनी चाहिए, इल्म होना चाहिए और जोहद होना चाहिए. ज्ञान और परोपकार भावना दोनों से मिलकर बुद्धि यानी अक्ल पैदा होती है.

اس مصیبت سے بچنے کے لئے اور مانو جانی کی آئندہ کی شانتی، سلامتی اور خوشحالی کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ دنیا کے قانون بنائے والوں، حاکموں، ہر گھر، ہر آدمی، ہر محکمہ اور ہر سیاست کے سردار یا نیتا میں اور ان سب سے بڑھکر دنیا کے بچوں کو تعلیم دینے والے ادھیاپکوں میں دماغی جانکاری اور ہر شہاری سے کہیں بڑھکر ارنچے نیتک کن ہوں، ان کے دلوں میں دوسروں کے لئے ویسا ہی پریم ہو جیسا پتا کے دل میں اپنی اولاد کے لئے۔ ہمارا دماغ اگر بہت چتر نہ بھی ہو تو بھی سچا پریم بھرا دل ہم سب کو ٹھیک راستے پر اور سب کے بھلے کے راستے پر لگا سکتا ہے۔ دماغ کی چترائی اگر اُس کے ساتھ دل خراب ہے تو ہمیں تباہی کے گڈے میں گرائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دماغ جتنا چتر ہوگا اُننا ہی جلدی ہم سب پر باد ہونے کے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہماری شکشا سنستھاؤں میں، ہماری تعلیم گاہوں میں بچوں کو بہت ادھک جانکاری دینے کی اپیکشا اُن کے چتر کو اچھا، ارنچا اور مضبوط بنانے کی طرف کہیں ادھک دھیان دیا جائے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے ادھیاپک خود نیتک، نسوارتہ، پریمی اور ارنچے چتر کے ہوں۔ سچا ادھیاپک، سچا برلمن ہونا چاہئے، سچا مرہبی ہونا چاہئے۔ اُس میں ودیا ہونی چاہئے، تب ہونا چاہئے، علم ہونا چاہئے اور زہد ہونا چاہئے۔ گہان اور پروریکر بھانا دونوں سے ملکر بدھی یعنی عقل سلیم بنتی ہے۔

ہرم یا مصلحت کا کام سب کے دلوں کو تسلی دینا، سب کے چہرے کو کھنکھانا، سب کو ملانا اور سب کا بھلا کرنا تھا، اب سب جگہ گیر کر سوار تھی پختہ پور و ہٹوں اور پادری ملاؤں کے ہاتھوں میں نکتہ دیتے رہتے راجوں اور اندھ و شرابیوں کو بڑھانے والا اور دنیا کو دھوکا دینے والا اور آدمی کو آدمی سے پہانے والا ایک بھیڑیہ جال بن کر رہ گیا ہے۔ راج جس کا کام سب کی رضا اور سب کی ترقی کرنا تھا اب سوار تھی راجنیک نیتوں کے ہاتھوں میں پتھر دنیا کو چرسہ والی اور کھلے انیائے کرنے والی سلسلہ بن گیا ہے۔ پنچائتوں اور عدالتوں جن کا کام سب کے جھگڑے حل کرنا تھا اب خود غرض اور چالاک دھوکوں کے آگے بن گئی ہیں۔ دانق اور وید جن کا کام دنیا کے روگروں کو دور کرنا تھا اب پھر سے تندرست کرنا تھا دھن کے لوہے میں اب لپٹے شکاریوں کو جوڑوں کی طرح چوسنے لگے ہیں۔ ویاہار اور تجارت جن سے سب کو کھانا، کپڑا اور زندگی کی ضرورتیں ملتی چاہتے تھے اب بدل کر سب کو برباد کرنے والا نیا ارتھ شاستر بن گیا ہے، جس میں استاک جمع کئے جاتے ہیں، کمپنیوں کے حصوں کا جو ا کھلا جاتا ہے، سٹا کیا جاتا ہے، پھاٹکا لڑایا جاتا ہے، دنیا کے سکوں کے ساتھ جادوگروں کی طرح نمائش کئے جاتے ہیں، سرگروں کی اچھا پر کہیں سکوں کے دام کھائے جاتے ہیں کہیں بڑھائے جاتے ہیں، کہیں روپیوں کی کوزیاں کردی جاتی ہیں اور کہیں کوزیوں کے روپیہ کردئے جاتے ہیں، بالکل بناوٹی تھنگ سے اور زبردستی، خاص گتوں، کمپنیوں اور گروہوں کے نچو لہ کے لئے چیزوں کی قیمتوں کو من مانا بڑھایا اور کھٹایا جاتا رہتا ہے، جو ا چوری ایک بڑے پیمانے پر اور کھلے پے شرمی کے ساتھ جاری ہے، بڑے بڑے شاستری، ودوان، نیتا اور ماہر آئے بڑھاوا دیتے ہیں، اپنے اندھے پن میں ہم اشرافیاں لٹا رہے ہیں اور کہلوں یا گندوں کے ٹکڑوں پر مہر لگا رہے ہیں۔ گروہ جہوں جس سے زندگی میں مقاس بھر جانی چاہئے تھی، نئی جان آئی چاہئے تھی اور آدمی کا بل بڑھنا چاہئے تھا، اب کھول کام تنکا کا سادھن رہ گیا ہے۔ اس کا خاص کارن یہ ہے کہ ہمارے بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم جس سے سب کو ٹھیک راستہ ملنا چاہئے تھا، خود غلط راستے پر پڑ گئی ہے۔ ہمارے ماسٹر، ادھیپاک اور پروفیسر اپنے اعلیٰ مشن سے بے پرواہ ہو کر غلط طرف بھٹک گئے ہیں۔ ان کے اندر جو زبردست نیتک شکتی، تیاک اور تہسپا کا بل اور آتم بل ہونا چاہئے تھا وہ جاتا رہا۔ وہ نوجوی لہڑوں اور سوار تھی پونجی پتھوں کے ہاتھوں میں کھینچے لگے، جب کہ ان کا کام تھا ان لہڑوں اور پونجی پتھوں کو ٹھیک راستے پر رکھنا۔ ہمارے ادھیپاکوں نے

ہرم یا مصلحت کا کام سب کے دلوں کو تسلی دینا، سب کے چہرے کو کھنکھانا، سب کو ملانا اور سب کا بھلا کرنا تھا، اب سب جگہ گیر کر سوار تھی پختہ پور و ہٹوں اور پادری ملاؤں کے ہاتھوں میں نکتہ دیتے رہتے راجوں اور اندھ و شرابیوں کو بڑھانے والا اور دنیا کو دھوکا دینے والا اور آدمی کو آدمی سے پہانے والا ایک بھیڑیہ جال بن کر رہ گیا ہے۔ راج جس کا کام سب کی رضا اور سب کی ترقی کرنا تھا اب سوار تھی راجنیک نیتوں کے ہاتھوں میں پتھر دنیا کو چرسہ والی اور کھلے انیائے کرنے والی سلسلہ بن گیا ہے۔ پنچائتوں اور عدالتوں جن کا کام سب کے جھگڑے حل کرنا تھا اب خود غرض اور چالاک دھوکوں کے آگے بن گئی ہیں۔ دانق اور وید جن کا کام دنیا کے روگروں کو دور کرنا تھا اب پھر سے تندرست کرنا تھا دھن کے لوہے میں اب لپٹے شکاریوں کو جوڑوں کی طرح چوسنے لگے ہیں۔ ویاہار اور تجارت جن سے سب کو کھانا، کپڑا اور زندگی کی ضرورتیں ملتی چاہتے تھے اب بدل کر سب کو برباد کرنے والا نیا ارتھ شاستر بن گیا ہے، جس میں استاک جمع کئے جاتے ہیں، کمپنیوں کے حصوں کا جو ا کھلا جاتا ہے، سٹا کیا جاتا ہے، پھاٹکا لڑایا جاتا ہے، دنیا کے سکوں کے ساتھ جادوگروں کی طرح نمائش کئے جاتے ہیں، سرگروں کی اچھا پر کہیں سکوں کے دام کھائے جاتے ہیں کہیں بڑھائے جاتے ہیں، کہیں روپیوں کی کوزیاں کردی جاتی ہیں اور کہیں کوزیوں کے روپیہ کردئے جاتے ہیں، بالکل بناوٹی تھنگ سے اور زبردستی، خاص گتوں، کمپنیوں اور گروہوں کے نچو لہ کے لئے چیزوں کی قیمتوں کو من مانا بڑھایا اور کھٹایا جاتا رہتا ہے، جو ا چوری ایک بڑے پیمانے پر اور کھلے پے شرمی کے ساتھ جاری ہے، بڑے بڑے شاستری، ودوان، نیتا اور ماہر آئے بڑھاوا دیتے ہیں، اپنے اندھے پن میں ہم اشرافیاں لٹا رہے ہیں اور کہلوں یا گندوں کے ٹکڑوں پر مہر لگا رہے ہیں۔ گروہ جہوں جس سے زندگی میں مقاس بھر جانی چاہئے تھی، نئی جان آئی چاہئے تھی اور آدمی کا بل بڑھنا چاہئے تھا، اب کھول کام تنکا کا سادھن رہ گیا ہے۔ اس کا خاص کارن یہ ہے کہ ہمارے بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم جس سے سب کو ٹھیک راستہ ملنا چاہئے تھا، خود غلط راستے پر پڑ گئی ہے۔ ہمارے ماسٹر، ادھیپاک اور پروفیسر اپنے اعلیٰ مشن سے بے پرواہ ہو کر غلط طرف بھٹک گئے ہیں۔ ان کے اندر جو زبردست نیتک شکتی، تیاک اور تہسپا کا بل اور آتم بل ہونا چاہئے تھا وہ جاتا رہا۔ وہ نوجوی لہڑوں اور سوار تھی پونجی پتھوں کے ہاتھوں میں کھینچے لگے، جب کہ ان کا کام تھا ان لہڑوں اور پونجی پتھوں کو ٹھیک راستے پر رکھنا۔ ہمارے ادھیپاکوں نے

انہیں کبھی اور پختہ کام کو نیچے گिरا کر اب مریں کی طرح اور ایک نئی طرح سے بچوں کو اس طرح چلانا شروع کر دیا ہے جس طرح جانوروں کے گلوں کو چلایا جاتا ہے۔ ادھیانوں کے دل جو مٹا پٹا ہے سے نرم سے نرم ہونے چاہئے تھے اب سوکھے، سوانہی اور نردنی ہو گئے ہیں۔ ہم سب ایک شیطانی چکر میں پھنس گئے ہیں۔ خراب بیج سے ہم نے خراب پھل پیدا کیا، ان پھلوں سے اور بھی خراب بیج نکلتے، ان سے اور ادھک خراب پھل لگے۔ یہاں تک کہ تیسرا مہابھ اور انسانی قوم یا کم سے کم انسانی قوم کا خاتمہ اب ہماری آنکھوں کے سامنے لچ رہا ہے۔

آج جو کج جیتی دنیا سبھی سمجھتی جاتی ہے اتنا ہی اس کی ساری زندگی میں خودی، اہنگ اور آپا دھابی بڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ہر آدمی بڑے سے بڑا بننا چاہتا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر رہنا چاہتا ہے اور جتنی تیزی سے ہو سکے اوپر اٹھنا چاہتا ہے۔ سب کسی نہ کسی روپ میں بھوک ولس اور عیش پرستی کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اسی کا نام ہم لوگوں نے ”جیوں کے اُستار کو اُرنچا کرنا“ (raising of the standard of life) رکھ رکھا ہے! عیش پرستی کے ساتھ نفرتوں کا چلنا لڑی ہے۔ ہم پہلے ایک لیتھ میں کم چکے ہیں کہ آدمی کے اندر اس کے چھ سب سے بڑے دشمن ہیں۔ آجکل یہ چھوں بڑے زور پر ہیں۔ یہ ہیں: — عیش پرستی، جنگ کی تیاریاں، پونجی واد، دوسروں کو تیرا کر رکھنا، سامراجی واد، اور دوسروں کو چوس کر اپنے اپنے رشتہ کا دھن اور ہل بڑھانا۔ آجکل کی سبھی چیزیں کے ہر میدان میں، ویکٹی گت، سماجی، راشتریہ، گھریلو، مالی، آرتھک اور راجنیتک، سب پہلوؤں سے آئے بند کئے برہادی کی طرف بڑھی چلی جا رہی ہے۔ الگ الگ دیش اپنے اپنے قومی قرضہ کو بے تحاشا بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ ہتھیاروں کے اٹبار لگ رہے ہیں اور ان میں ہوز جاری ہے۔ خرچ کو روکنے یا کم کرنے کا کسی کو دھیان تک نہیں ہے۔ آگے کی کسی کو پرواہ نہیں ہے کئی اپنی چوٹی سی زندگی سے آگے یا اپنی ناک کے سرے سے آگے تک دیکھنے کی چلتا نہیں کرتا۔ آجکل کی سرکاریں جس طرح چل رہی ہیں اس طرح کوئی دیکھتی چلتا تو پاگل اور اتم ہتھارا کہا جاتا۔ دنیا کی بے گناہ جنتا کی اہمتر شکتی جیوں کی آرشہک و ستونیں بنانے کی جگہ اور سب کو آرام پہونچانے والی چیزیں تیار کرنے کی جگہ ہوزے سے لوگوں کو عیش آرام کے سامان تیار کرنے اور منورنجن کے گندے اور فحش سامان تیار کرنے، اور اس سے ادھک ”مہلی“ ساندی اور ہوائی لڑائی کے دے سامان تیار کرنے میں لگی ہوئی ہیں جن کا ایک ماتر ادھیہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی، اس کی مصحت، اس کے مال اسباب اور ہال بچوں کو مٹایا جائے۔

انہیں کبھی اور پختہ کام کو نیچے گिरا کر اب مریں کی طرح اور ایک نئی طرح سے بچوں کو اس طرح چلانا شروع کر دیا ہے جس طرح جانوروں کے گلوں کو چلایا جاتا ہے۔ ادھیانوں کے دل جو مٹا پٹا ہے سے نرم سے نرم ہونے چاہئے تھے اب سوکھے، سوانہی اور نردنی ہو گئے ہیں۔ ہم سب ایک شیطانی چکر میں پھنس گئے ہیں۔ خراب بیج سے ہم نے خراب پھل پیدا کیا، ان پھلوں سے اور بھی خراب بیج نکلتے، ان سے اور ادھک خراب پھل لگے۔ یہاں تک کہ تیسرا مہابھ اور انسانی قوم یا کم سے کم انسانی قوم کا خاتمہ اب ہماری آنکھوں کے سامنے لچ رہا ہے۔

آج جو قوم جتنی زیادہ سبھی سمجھتی جاتی ہے اتنا ہی اس کی ساری زندگی میں خودی، اہنگ اور آپا دھابی بڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ہر آدمی بڑے سے بڑا بننا چاہتا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر رہنا چاہتا ہے اور جتنی تیزی سے ہو سکے اوپر اٹھنا چاہتا ہے۔ سب کسی نہ کسی روپ میں بھوک ولس اور عیش پرستی کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اسی کا نام ہم لوگوں نے ”جیوں کے اُستار کو اُرنچا کرنا“ (raising of the standard of life) رکھ رکھا ہے! عیش پرستی کے ساتھ نفرتوں کا چلنا لڑی ہے۔ ہم پہلے ایک لیتھ میں کم چکے ہیں کہ آدمی کے اندر اس کے چھ سب سے بڑے دشمن ہیں۔ آجکل یہ چھوں بڑے زور پر ہیں۔ یہ ہیں: — عیش پرستی، جنگ کی تیاریاں، پونجی واد، دوسروں کو تیرا کر رکھنا، سامراجی واد، اور دوسروں کو چوس کر اپنے اپنے رشتہ کا دھن اور ہل بڑھانا۔ آجکل کی سبھی چیزیں کے ہر میدان میں، ویکٹی گت، سماجی، راشتریہ، گھریلو، مالی، آرتھک اور راجنیتک، سب پہلوؤں سے آئے بند کئے برہادی کی طرف بڑھی چلی جا رہی ہے۔ الگ الگ دیش اپنے اپنے قومی قرضہ کو بے تحاشا بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ ہتھیاروں کے اٹبار لگ رہے ہیں اور ان میں ہوز جاری ہے۔ خرچ کو روکنے یا کم کرنے کا کسی کو دھیان تک نہیں ہے۔ آگے کی کسی کو پرواہ نہیں ہے کئی اپنی چوٹی سی زندگی سے آگے یا اپنی ناک کے سرے سے آگے تک دیکھنے کی چلتا نہیں کرتا۔ آجکل کی سرکاریں جس طرح چل رہی ہیں اس طرح کوئی دیکھتی چلتا تو پاگل اور اتم ہتھارا کہا جاتا۔ دنیا کی بے گناہ جنتا کی اہمتر شکتی جیوں کی آرشہک و ستونیں بنانے کی جگہ اور سب کو آرام پہونچانے والی چیزیں تیار کرنے کی جگہ ہوزے سے لوگوں کو عیش آرام کے سامان تیار کرنے اور منورنجن کے گندے اور فحش سامان تیار کرنے، اور اس سے ادھک ”مہلی“ ساندی اور ہوائی لڑائی کے دے سامان تیار کرنے میں لگی ہوئی ہیں جن کا ایک ماتر ادھیہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی، اس کی مصحت، اس کے مال اسباب اور ہال بچوں کو مٹایا جائے۔

انہیں چیزوں کی رکشا کرنا، بڑھانا اور ترکتگی دینا سرکاروں کا کام تھا۔ اور سب سرکاریں انہیں کو ملنے کی ترکتگیوں میں لگی ہوئی تھیں۔ الگ الگ دیشوں کے دے شاسک، نیتا اور راجنیتیکر جو اپنے کو بہت ہوشیار اور 'ویاواہارک' سمجھتے تھے آج اسی پائلین کی دور میں ایک دوسرے سے ہور لگا رہے ہیں۔

آجکل کی سبھیتا نے جو کئی طرح کی دھوکے کی تئیاں ہمارے سامنے کھڑی کر دی ہیں، ان میں سے ایک سب سے اذھک دھوکے کی اور شیطانی چیز یہی "ویاواہارکتا" ہے۔

ہم میں سے بہت سے اکثر اس بات پر بحث کرتے رہتے ہیں کہ کیا چیز ویاواہارک یعنی پریکٹیکل ہے اور کیا اوپاواہارک یعنی ایمپریکٹیکل کے بل ہے۔

ہم میں سے بہت سے اکثر اس بات پر بھس کرتے رہتے ہیں کہ کیا چیز ویاواہارک یعنی پریکٹیکل ہے اور کیا اوپاواہارک یعنی ایمپریکٹیکل کے بل ہے۔

جب دنیاء میں دھرم کا زور تھا تو اکثر لوگ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ میرا دھرم ٹھیک اور دوسرے کا دھرم غلط۔ آج جب راجنیتی کا زور ہے تو اسی طرح کے لوگ کہتے ہیں کہ میری رائے، میرا سوچنا اور میری یोजना ویاواہارک اور دوسرے کی ویاواہارک یا کورا آدراشاوا۔ متالاب یہ کہ جو مجھے ٹھیک چلتے وہ 'ویاواہارک' (عملی) اور جو دوسرے کو ٹھیک 'ویاواہارک' (غیر عملی)۔

بہت سی چیزیں جو پہلے کورا آدراشاوا اور غیر عملی معلوم ہوتی تھیں اب عمل میں آگئیں۔ بھاپ، بجلی، ریڈیو، ہوائی جہاز، پن دبی، سوویت روس، چین، سٹیگرہ، ٹیلورز، ایٹم اور ہائڈروجن بم اس کی چند مثالیں ہیں۔ یہ ہمارے 'ویاواہارکتا' کا بہت قابو میں نہیں آتا۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ آجکل کے ان چتر راجنیتیکوں اور نیتازوں کی اس ویاواہارکتا کے نتیجوں پر ہم ایک نگاہ ڈال کر دیکھیں۔

پہلے دھرم ہی کو لیجئے۔ سچے دھرم سے نیکی، سداچار اور ایک دوسرے کے ساتھ ایمانداری کا ہرناؤ پیدا ہونے چاہئیں تھے۔ اب لگ بھگ سب "ترقی یافتہ" قوموں کی زندگی سے دھرم قریب قریب مٹ چکا۔ سداچار میں گہرا 'انقلاب' پیدا ہو چکا ہے۔ ایک طرف قانونی عیاشی اور سولنٹر پریم اور دوسری طرف آدم سنیم اور گرہستہ یعنی کوٹسبک پریم، ان دونوں کے بیچ وہ سنگرام جاری ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی دوسرے کو مٹا کر دھکا۔

اب راجنیتی کو لیجئے۔ دنیا کی پارلیمنٹیں اور قانون سبھانیں سوارتھی لوگوں اور گروہوں کی کھینچا تانی کے اٹھارے بنی ہوئی ہیں۔ آپسی جھگڑے، سازشیں، ایک دوسرے کے خلاف دھواں دھار تقریریں، سب اپنے اپنے گروہوں کے نام پر ہوتی ہیں۔ سب کے ہلے کی سوچنے کا کہیں نام نہیں

انہیں چیزوں کی رکشا کرنا، بڑھانا اور ترکتگی دینا سرکاروں کا کام تھا۔ اور سب سرکاریں انہیں کو ملنے کی ترکتگیوں میں لگی ہوئی تھیں۔ الگ الگ دیشوں کے دے شاسک، نیتا اور راجنیتیکر جو اپنے کو بہت ہوشیار اور 'ویاواہارک' سمجھتے تھے آج اسی پائلین کی دور میں ایک دوسرے سے ہور لگا رہے ہیں۔

آجکل کی سبھیتا نے جو کئی طرح کی دھوکے کی تئیاں ہمارے سامنے کھڑی کر دی ہیں، ان میں سے ایک سب سے اذھک دھوکے کی اور شیطانی چیز یہی "ویاواہارکتا" ہے۔

ہم میں سے بہت سے اکثر اس بات پر بحث کرتے رہتے ہیں کہ کیا چیز ویاواہارک یعنی پریکٹیکل ہے اور کیا اوپاواہارک یعنی ایمپریکٹیکل کے بل ہے۔

جب دنیاء میں دھرم کا زور تھا تو اکثر لوگ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ میرا دھرم ٹھیک اور دوسرے کا دھرم غلط۔ آج جب راجنیتی کا زور ہے تو اسی طرح کے لوگ کہتے ہیں کہ میری رائے، میرا سوچنا اور میری یोजना ویاواہارک اور دوسرے کی ویاواہارک یا کورا آدراشاوا۔ متالاب یہ کہ جو مجھے ٹھیک چلتے وہ 'ویاواہارک' (عملی) اور جو دوسرے کو ٹھیک 'ویاواہارک' (غیر عملی)۔

بہت سی چیزیں جو پہلے کورا آدراشاوا اور غیر عملی معلوم ہوتی تھیں اب عمل میں آگئیں۔ بھاپ، بجلی، ریڈیو، ہوائی جہاز، پن دبی، سوویت روس، چین، سٹیگرہ، ٹیلورز، ایٹم اور ہائڈروجن بم اس کی چند مثالیں ہیں۔ یہ ہمارے 'ویاواہارکتا' کا بہت قابو میں نہیں آتا۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ آجکل کے ان چتر راجنیتیکوں اور نیتازوں کی اس ویاواہارکتا کے نتیجوں پر ہم ایک نگاہ ڈال کر دیکھیں۔

پہلے دھرم ہی کو لیجئے۔ سچے دھرم سے نیکی، سداچار اور ایک دوسرے کے ساتھ ایمانداری کا ہرناؤ پیدا ہونے چاہئیں تھے۔ اب لگ بھگ سب "ترقی یافتہ" قوموں کی زندگی سے دھرم قریب قریب مٹ چکا۔ سداچار میں گہرا 'انقلاب' پیدا ہو چکا ہے۔ ایک طرف قانونی عیاشی اور سولنٹر پریم اور دوسری طرف آدم سنیم اور گرہستہ یعنی کوٹسبک پریم، ان دونوں کے بیچ وہ سنگرام جاری ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی دوسرے کو مٹا کر دھکا۔

اب راجنیتی کو لیجئے۔ دنیا کی پارلیمنٹیں اور قانون سبھانیں سوارتھی لوگوں اور گروہوں کی کھینچا تانی کے اٹھارے بنی ہوئی ہیں۔ آپسی جھگڑے، سازشیں، ایک دوسرے کے خلاف دھواں دھار تقریریں، سب اپنے اپنے گروہوں کے نام پر ہوتی ہیں۔ سب کے ہلے کی سوچنے کا کہیں نام نہیں

دیکھاई دے گا۔ کائنات میں اس طرح کے ہلنے چلنے میں جن سے ایسی جگہ اور گروہوں کے بیچ ہور اور بڑے پہلے مہابد میں ہی ایک کروڑ سے اوپر آدمی مارے گئے اور لگ بھگ سات سو ارب روپے کے مال کا دنیا کا نقصان ہوا۔ بڑی بڑی قوموں پر قرضے کے بوجھ لگ گئے۔ کمزور اور غریب قومیں پڑوسیوں تک کے لئے دوسروں کے پہلے دھن رکھ دی گئیں۔ دوسرے مہابد میں اس سے کئی گنا ادھک پروبادی ہوئی اور آج تیسرے مہابد سے پہلے دنیا کی بڑی بڑی قوموں نے اپنے پنچوں، اپنی چونچوں اور اپنے دانوں کو اتنا پھینا کر لیا ہے اور لوہ لالچ، ایک دوسرے پر اوشاؤس، گھمٹ اور نفرتوں کا بازار اتنا گرم ہو گیا ہے کہ سب کو تر ہونے لگا ہے کہ اگلے مہابد کے بعد کوئی بھی بچیکا یا نہیں۔ یہ ہے ہماری ”دبا دھارک“ راجنیتی !

اب اوتھ شاستر کو لیجئے۔ ہم ایمانداری سے دیکھیں تو دنیا کی ادھکتر قومیں آج دیوالیہ ہو چکی ہیں یا تیزی سے دیوالیہ پن کی طرف جا رہی ہیں۔ بے کاروں کی تعداد بیس کروڑ سے اوپر تک پہنچ چکی ہے۔ بے کاروں سے پنچ گنے دے ہیں جو ایک دوسرے کی پروبادی کے کاموں میں لگے ہیں۔ پرانے اصول ہے—”ایمانداری سب سے اچھی پالسی ہے“ اور ”ادھار دیا پار کرو تو قرضہ ادا کرنے کے لئے روپیہ پہلے پاس رکھ لو۔“ اب ایسی باتیں ”ادھارک“ سمجھی جاتی ہیں۔ اب اصول ہے—”اندر جمع ہو یا نہ ہو“ ہوائی ساکھ پر دیا پار بڑھانے چلو۔“ یہ اصول ”دبا دھارک“ مانا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس اربوں گروہوں روپیہ کو جو غلط کاریوں پر خرچ کیا جاتا ہے سمجھ کے ساتھ سب کے پہلے کے لئے خرچ کیا جاوے اور دنیا بھر کے بے کاروں کو دھرتی کے اُن بڑے بڑے حصوں پر جہاں ہرے بھرے کھیت اور خوشحال آبادیاں کھڑی کی جاسکتی ہیں جیسے کاناڈا، آسٹریلیا، دکھن امریکہ، افریقہ میں لیجا کر بسایا جاوے تو اس طرح کی بات سمجھانے والا ”ادھارک“ اور ”کورا آدرشاؤسی“ سمجھا جاتا ہے۔

اب گھریلو جہون کو لیجئے۔ پچھم کے بہت سے بڑے شہروں میں سال میں جتنی شادیاں ہوتی ہیں اُس سے آدھے سے ادھک طلاق ہوتے ہیں۔ شادی اور طلاق کے بیچ کا سمنہ جگہ جگہ کچھ برسوں سے گھٹتے گھٹتے کچھ مہینے اور اب کچھ ہفتے رہ گیا ہے۔ کرہ کرالے اور اولاد پیدا نہ کرنے کی دواؤں کا کپلے عام پرچار ہوتا ہے۔ یہ ہے ہمارے سدآچار میں انقلاب ! آبادی بھر بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور کسی بیچنا کے ساتھ لوگوں کو جگہ بہ جگہ لیجا کر ہمالے کے بجائے روٹی کے لئے کھینچا تالی اور جنگوں کی سبھاؤنا بڑھتی جا رہی ہے۔ غیر

راہی دنیا سبھی میں بچوں کی پیدائش بے حد ہو گئی ہے۔
پانچوں اور گندی بیماریوں کے روگین کی گنتی دنیا بھر میں ہو رہی
ہے۔ بہت جگہ تو بچے ہی ان برائوں کو ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔
سجھ، سوچ وچار اور پیمائشیت کا کہیں پتہ نہیں۔ گھروں کے
اندر ”چندر دیکھ پندر پندر“ جیسی باتیں اب غیر عملی
مانی جاتی ہیں۔ کوئی یہ کہہ کہ الگ الگ راشنوں کا
انتظام اُسی طرح ہونا چاہئے جس طرح الگ الگ گھروں
کا، یعنی یہ کہ ایک حد کے اندر اور جہاں تک ہوسکے ہر
راشنز اپنی ضرورت کی چیزیں خود تیار کرے اور اپنے پھروں پر
کھڑا ہو، تو اس طرح کے سچے اور غیر عملی دلائل جاتے ہیں!

اب تعلیم کو لیجئے۔ پرانا اصول تھا ”سادہ زندگی بسر
کو اور اپنے وچاروں کو اُڑھنا رکھو۔“ اب کہا جاتا ہے ”اپنی
ضرورتوں کو بڑھانے جانا اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے سادہوں
کو بھی لگاتار بڑھانے جانا اُسی کا نام سہولیت ہے۔“ سائنس آج
نہی کی اور پروگرام کے راستے سے ہٹ کر لوگوں کی بری اچھاؤں
اور آپسی نفرتوں کو پورا کرنے کے لئے ایک گندے سادہوں کا
کام دے رہی ہے۔ گیسوں تیار کی جارہی ہیں جنہیں ہوائی
جہاز سے ہر سارے لندن، نیویارک اور برلن جیسے شہروں کی کل
آبادی کو چند گھنٹوں کے اندر دم گھوٹ کر ختم کیا جا سکتا
ہے۔ چیر پھار کے تجربوں میں زندہ انسانی بچے اور بالغ مرد
عورت تک کام میں لائے جاتے رہے ہیں۔ اخباروں کا ادھنکار کام
رہ گیا ہے ایک بڑے پیمانے پر جھوٹا پروپیگنڈا، جھوٹے اُستہار
اور جھوٹا کو سچی روشنی دینے کی جگہ انہیں پورا پورا دھوکا
دینا۔ پرانا اصول تھا کہ دنیا مل کر چلنے کے لئے ہے اور ایک
دوسرے کے لئے قربانیاں کرتے ہوئے ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔
یہ ”ویاوارک“ بات بتائی جاتی ہے۔ ویارک اصول اب
یہ بتا یا جاتا ہے کہ ہر آدمی کا جیون ایک لگانا ”سنگھش“
ہے، جو جنٹوں کو مٹا سکے اتنا ہی اُس کا جیون سہل ہو گا۔
یہ ہے آج کل کی ”ویارک“!

کلا اور منورنجن میں آجکل کے بڑے شہروں کے رات کے
جیون پر جو کہا جا سکے وہ تو ہے۔ شراب، بدچلتی، دولت
کی چاٹ ہی جیون میں سہ پیدا کرنے کے ایک ماتر سادہ
وہ گئے ہیں۔ نیتک یا آدھیانمک یعنی اخلاقی اور روحانی
سہ کوئی چیز ہی نہیں رہی۔ قدرت کے ساتھ میل یا سپرک
کی تو ہمارے جیون میں کوئی جگہ ہی نہیں رہی۔

پچھم کی بڑی سے بڑی قومیں آج اُسی بات کو
سب سے زیادہ ”ویارک“ مانتی ہیں کہ دوسری کمزور
اور نردھن قوموں کو خود اپنے ہی یہاں کے کمزور
اور نردھن لوگوں کو جتنا ہو سکے چوس کر، اُنہیں

کلا اور منورنجن میں آجکل کے بڑے شہروں کے رات
کے جیون پر جو کہا جا سکے وہ تو ہے۔ شراب، بدچلتی، دولت
کی چاٹ ہی جیون میں سہ پیدا کرنے کے ایک ماتر سادہ
وہ گئے ہیں۔ نیتک یا آدھیانمک یعنی اخلاقی اور روحانی
سہ کوئی چیز ہی نہیں رہی۔ قدرت کے ساتھ میل یا سپرک
کی تو ہمارے جیون میں کوئی جگہ ہی نہیں رہی۔

پچھم کی بڑی سے بڑی قومیں آج اُسی بات کو
سب سے زیادہ ”ویارک“ مانتی ہیں کہ دوسری کمزور
اور نردھن قوموں کو خود اپنے ہی یہاں کے کمزور
اور نردھن لوگوں کو جتنا ہو سکے چوس کر، اُنہیں

نیگاھ سے بھی چوس کر اور راجنیتک نگاہ سے بھی چوس کر اپنی "شاندار سہیتا" کو قائم رکھا جائے !

یہ سب گوراہیوں کےवल एक ऐसे व्यापक और वैज्ञानिक धर्म की मद्द से और एक ऐसे समाज संगठन के जरिये ही दूर हो सकती हैं जो इस धरती की सारी मानव जाति को अपने अंदर समा सके.

दुनिया के राजनीतिज्ञों और नेताओं को चाहिये कि वे केवल 'राष्ट्रीय' या नेशनेलिस्ट न होकर 'मानवीय' यानी ह्यूमेनिस्ट हों, और समाज संगठन की इस तरह की योजनाएँ तैयार करें और दुनिया के सामने रखें, जिनमें सबकी सब जरूरतें पूरी हो सकें और सबके दिलों को तसल्ली और संतोष मिल सके. लोग नारों और फ़िक्रों के चक्कर में न पड़कर मेल और सबके भले की बातें सोचें. पूरब और पच्छिम, एशिया और योरप आज एक दूसरे के काफी निकट आ गए हैं और आ रहे हैं. दोनों में कमजोरियाँ हैं. दोनों में गुण हैं. दुनिया के नेताओं का काम है कि दोनों की कमजोरियों को दूर करते हुए दोनों के गुणों को चमकावें और सबको सबके गुणों से फ़ायदा उठाने का मौका दें. पुराना पूरब और नया पच्छिम दोनों का आज गठबन्धन हो रहा है. क्रूरत दोनों का आज संगम चाहती है और पूरा पूरा संगम चाहती है. हमें अपनी योजनाओं और उनके अमल से यह साबित करना है कि क्रूरत ने पूरब और पच्छिम को निकट लाकर गलती नहीं की, और इनको निकट लाना शैतान का काम नहीं है बल्कि भलाई के फ़रिश्ते का काम है. यही इस समय दुनिया के सामने काम करने का है. यही व्यावहारिक बात है, अमली है बाक़ी सब और अमली.

रेल, जहाज़, हवाई जहाज़ इन सबने मिलकर बनावटी राजनैतिक सीमाओं का तोड़ दिया है. सब क़ौमों के अच्छे से अच्छे लोग समझ रहे हैं और कह रहे हैं कि हमें अब दुनिया भर के एक संगठन की आवश्यकता है जो हमें बरबादी से बचा सके. एच. जी. वैंल्स ने अपनी किताब "ए शार्ट हिस्ट्री आफ़ दी वर्ल्ड" में लिखा है कि—"पुराने डंग के अलग अलग बिलकुल खुदमुस्तार राष्ट्र अब नहीं चल सकते." दुनिया के नेक और अच्छे दिमाग़ किस तरह सोच रहे हैं इसकी एक मिसाल सन् 1933 के शिकागो के वर्ल्ड केलोशिप आफ़ फ़ेड्स के जलसे में ईसाई पादरी डा. डी. करटिस. डब्लू. रीज़ की तक्रार थी. उनके कुछ फ़िक्ररे हम नीचे देते हैं. उन्होंने कहा कि :—

"राजशाही, लोकशाही और कम्युनिस्ट तीनों तरह के देशों में एक बड़े पैमाने पर समाज का फिर से संगठन करने की योजना तैयार करने का विचार बढ़ता जा रहा है. लोग

نگاہ سے بھی چوس کر اور راجنیتک نگاہ سے بھی چوس کر اپنی "شاندار سہیتا" کو قائم رکھا جائے !

۔ یہ سب گوراہیوں کےवल एक ऐसे व्यापक और वैज्ञानिक धर्म की मद्द से और एक ऐसे समाज संगठन के जरिये ही दूर हो सकती हैं जो इस धरती की सारी मानव जाति को अपने अंदर समा सके.

دنیا کے راج نیتکوں اور نیتاؤں کو چاہئے کہ وہ کیوں 'رائٹریہ' یا فیشنلسٹ نہ ہو کر 'مانویہ' یعنی 'ہیومنسٹ' ہوں اور سماج سنگٹوں کی اس طرح کی یوجنائیں تیار کریں اور دنیا کے سامنے رکھیں جن میں سب کی سب ضرورتیں پوری ہو سکیں اور سب کے دلوں کو تسلی اور سنتوش مل سکے. لوگ نعروں اور فقروں کے چکر میں نہ پڑ کر مہل اور سب کے بیلے کی باتیں سوچیں. یورپ اور پچھم ایشیا اور یورپ آج ایک دوسرے کے گئی نکٹ آگئے ہیں اور آ رہے ہیں. دونوں میں کمزوریاں ہیں. دونوں میں گن ہیں. دنیا کے نیتاؤں کا کام ہے کہ دونوں کی کمزوریوں کو دبر کرتے ہوئے دونوں کے گنوں کو چمکاو دیں اور سب کو سب کے گنوں سے دایہ اٹھانے کا موقع دیں. پرانا یورپ اور نیا پچھم دونوں کا آج گٹھ بندھن ہو رہا ہے. قدرت دونوں کا آج سنم چاہتی ہے اور پورا پورا سنم چاہتی ہے. ہمیں اپنی یوجنائوں اور اُن کے عمل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ قدرت نے یورپ اور پچھم کو نکٹ لا کر غلطی نہیں کی اور اُن کو نکٹ لانا شیطان کا کام نہیں ہے بلکہ پہلی کے فرشتے کا کام ہے. یہی اس سنم دنیا کے سامنے کام کرنے کو ہے. یہی دیواردارک بات ہے، عملی ہے، باقی سب غیر عملی.

ریل، جہاز، ہوائی جہاز ان سب نے مل کر بناوٹی راجنیتک سہاؤں کو توڑ دیا ہے. سب قوموں کے اچھے سے اچھے لوگ سمجھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اب دنیا بھر کے ایک سنگٹوں کی اوشیتا ہے جو ہمیں برہادی سے بچا سکے. ایچ. جی. وینس نے اپنی کتاب "اے شارٹ ہسٹری اب دی ورلڈ" میں لکھا ہے کہ—"پرانے تھنگ کے الگ الگ بالکل خرد مختار راشٹر اب نہیں چل سکتے." دنیا کے نیک اور اچھے دماغ کس طرح سوچ رہے ہیں اس کی ایک مثال سن 1933 کے شکاگو کے ورلڈ فیلو شپ آف فیتھس کے جلسہ میں عیسائی پادری ڈائمر تی کرٹس ڈیبلو. ریز کی تقریر تھی. اُن کے کچھ فقرے ہم نیچے دیتے ہیں. انہوں نے کہا کہ:—

"راج شعلی، لوک شاہی اور کمونسٹ فیملی طرح کے دیشوں میں ایک بڑے پیمانے پر سماج کا پھر سے سنگٹوں کرنے کی یوجنا تیار کرنے کا وچار بڑھتا جا رہا ہے. لوگ

اب دیر تک آگے دیکھ لے ہیں۔ اس کے بعد جاپان، جرمنی، فرانس، انگلینڈ، اٹلی، اسپین اور امریکا میں اس طرح کی کوششوں کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر ریڈ نے کہا کہ:—”اس میں شک نہیں کہ اشتراکیت یوجناؤں کے تیار کرنے میں روس کی یوجنا اور روس کی مثال سب سے ادھک چمکتی ہوئی ہے۔ یہ یوجنا ان وچاروں کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہے کہ کیا کیا چیزیں پیدا کی جاویں، کتنی پیدا کی جاویں، کب اور کہاں پیدا کی جاویں، کتنی پیدا کی جاویں... اس میں کوئی اشچر ج کی بات نہیں کہ روس بدھت آگے بڑھ رہا ہے۔ روس کا فلسفہ اجتماعی نیچر کا فلسفہ ہے یعنی سماج پر قابو اور سماج کا اپنے اوپر قابو۔ روس کی یوجنا ایک ویاپک یوجنا ہے۔ اس میں ہر تحصیل کی طرف دھیان دیا گیا ہے۔ اس لئے روس کی کامیابی میں ایک بھگ کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا بھی بڑھا کر بات کرنا نہ ہوگا کہ روس میں جس طرح کی یوجنا بنائی جا رہی ہیں ان کا رنگ دھنگ اور ان کا مقصد دھارمک (Religious) ہے۔“ آگے چل کر ڈاکٹر ریڈ نے کہا ہے کہ:—”سماج کا مقصد ایک ایسا سماج قائم کرنا ہے جن میں ایک الگ الگ اونچی نیچی جماعتیں نہ ہوں (a classless society)۔ یہ مقصد جب ساری دنیا کے لئے لگا یا جائے تو ایک جماعتوں کے بیچ کے سنگھڑے کے زوے پن کے سامنے یہ کہیں ادھک شکتی شالی چیز ہوگا۔“

جہاں تک امیر اور غریب اور جنم سے جات پات کا سوال ہے وہاں تک یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہمیں ایک ایسا سماج بنانا ہے جس میں اس طرح کی جماعتوں کا فرق بالکل ہی نہ رہے۔ پر دنیا میں سب جگہ چار طرح کے آدمی ہیں: ایک چار طرح کے قدرتی شوق اور ان کی چار طرح کی اہلیاں ہوا پر رہنے کی، کچھ ودیا پریمی، کچھ حکومت پریمی، کچھ دھن پریمی اور کچھ کیول سڈوا پریمی۔ اس فرق کو ہی نہ سمجھ پانا اس سمنہ کے روسی تجربے کی ایک ماتر ہے۔ اس کے کارن غلطیاں بھی ہو رہی ہیں۔ اس لئے لٹ چھانٹ بھی کرنی پڑ رہی ہے۔ پر خوشی کی بات ہے کہ اس بڑے تجربے کی ساری پالیسی میں سدھار اور تبدیلیاں ہی ہوتی جا رہی ہیں۔

دنیا کے ادھیانوں کا فرض ہے کہ ان سب چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور اُنڈے کی نسلوں کو سمجھائیں۔

دنیا کے ادھیانوں کا فرض ہے کہ ان سب چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور اُنڈے کی نسلوں کو سمجھائیں۔

دنیا کے ادھیانوں کا فرض ہے کہ ان سب چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور اُنڈے کی نسلوں کو سمجھائیں۔

دنیا کے ادھیانوں کا فرض ہے کہ ان سب چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور اُنڈے کی نسلوں کو سمجھائیں۔

اکبری راج کے اصول

اکبر کی تاریخ میں بہت سے بڑے راجے ہوئے ہیں

ڈاکٹر تاراچند

ڈاکٹر تارا چند

یہ تو دنیا کی تاریخ میں بہت سے بڑے راجے ہوئے ہیں جنہوں نے قوموں کے جھڑپوں پر ایسا سکھ جمایا ہے۔ کسی نے لڑائیوں میں دیشوں کو جیت کر بڑے سامراج قائم کیے؛ کسی نے پرچا کی پھٹی کے کلمہ اور دھن دولت کو بڑھایا؛ کسی نے گلوں کو ترقی دی؛ سلطنت عمارتیں بنوائیں؛ نہریں اور ٹالاب کھدوائیں؛ نگر بسائے؛ کسی نے سرکاری سنگتوں کو سدھارا؛ راجہ اور پرچا کے سبب دھرم کو مضبوط کیا؛ نیاں کی نہر پر راج کا مندر کھرا کیا؛ اور کسی نے لوگوں میں دھرم کا پرچار کیا؛ اس لوک کے ساتھ پرلوک کے ہمت کو سدھارا؛ میل جول اور پریم کے رشتوں کو بڑھایا اور آدمیوں کے چلن پر کھرا اثر ڈالا۔ یہ راجہ بڑے ہی دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے ان سب انکوں میں کام کر دکھایا ہو۔ ان بڑے راجاؤں میں اکبر کا نام سب سے اونچی پامت میں رکھنے کے قابل ہے۔

اکبر کے کاموں کا دھارا لے تو مالم معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب انہوں سے پورا تھا۔ جس وقت اُس کے باپ کی موت ہوئی اُس کی عمر تیرہ برس کی تھی اور سوائے پنجاب کے کچھ ضلعوں اور دھلی کے سارا ہندوستان غیروں کے ہاتھ میں تھا۔ اکبر چاروں طرف دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ادھت بل اور کھل سے سب بھریوں کو ہرایا اور ہمالیہ سے سترنگ سارے دیہوں پر مثل راج قائم کیا۔ وہ لڑائی میں جس تیزی اور بھاری سے کام کرتا تھا اُسے دیکھ کر اچنبا ہوتا ہے۔ اُس کے دھاروں کی ایسی دھاک تھی کہ دشمن اُس کے نام سے دھلتے تھے۔ اُس کی جنگی قابلیت کی سب سے بڑی مثالیں 1581 کی بغاوت کا دھانا اور سرحدی صوبوں کا جیتنا ہے۔ یہ وہ سال تھا جب اکبر کی دھرم نہتی سے کٹر مسلمانوں میں بڑی ہلچل پھیلی تھی۔ انہوں نے اُس کے بھائی محمد حکیم کو جو کابل میں حاکم تھا آکسایا؛ ادھر ملا محمد یزدی نے جو جونپور کا قاضی تھا بادشاہ کے خلاف فتویٰ دے دیا اور بغاوت کو دھرم کے انوکھل ٹھہرایا۔ ہنگال اور بھار کے انیسروں نے اکبر کے حکموں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس آرزو وقت میں جب بھر کی آگ چاروں طرف بھڑک رہی تھی اور بہت سے مسلمانوں کے دلہن میں راج کے لئے دھما پھٹا ہو گئی تھی اکبر نے

اکبر کے کاموں کا دھارا لے تو مالم معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب انہوں سے پورا تھا۔ جس وقت اُس کے باپ کی موت ہوئی اُس کی عمر تیرہ برس کی تھی اور سوائے پنجاب کے کچھ ضلعوں اور دھلی کے سارا ہندوستان غیروں کے ہاتھ میں تھا۔ اکبر چاروں طرف دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ادھت بل اور کھل سے سب بھریوں کو ہرایا اور ہمالیہ سے سترنگ سارے دیہوں پر مثل راج قائم کیا۔ وہ لڑائی میں جس تیزی اور بھاری سے کام کرتا تھا اُسے دیکھ کر اچنبا ہوتا ہے۔ اُس کے دھاروں کی ایسی دھاک تھی کہ دشمن اُس کے نام سے دھلتے تھے۔ اُس کی جنگی قابلیت کی سب سے بڑی مثالیں 1581 کی بغاوت کا دھانا اور سرحدی صوبوں کا جیتنا ہے۔ یہ وہ سال تھا جب اکبر کی دھرم نہتی سے کٹر مسلمانوں میں بڑی ہلچل پھیلی تھی۔ انہوں نے اُس کے بھائی محمد حکیم کو جو کابل میں حاکم تھا آکسایا؛ ادھر ملا محمد یزدی نے جو جونپور کا قاضی تھا بادشاہ کے خلاف فتویٰ دے دیا اور بغاوت کو دھرم کے انوکھل ٹھہرایا۔ ہنگال اور بھار کے انیسروں نے اکبر کے حکموں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس آرزو وقت میں جب بھر کی آگ چاروں طرف بھڑک رہی تھی اور بہت سے مسلمانوں کے دلہن میں راج کے لئے دھما پھٹا ہو گئی تھی اکبر نے

تجربہ اور حوصلہ سے کام لیا۔ کیونکہ وہی دنوں
ٹنڈا ہوا، دُشمنوں کو پناہ مانگنی پڑی اور
ان کا کام ہو گیا۔

کتنے کے آٹھ برس بعد اکبر نے ہندوستان
میں—کاشمیر، افغانستان، سندھ، بلوچستان—پر اس خیال
سے قبضہ کرنے کی تہائی کہ ان کے پرے مدھیہ ایشیا میں
گورکھوں کا زور بڑھ رہا تھا۔ تازے پتے کی طرح اپنی فوجوں
کو پھیلانے اس نے ایسے دیہ کی رچنا کی کہ کچھ ہی دنوں
میں سب ملکوں کو اپنے راج میں ملا لیا اور ہندستان کو
پوری حلقہ کرنے والوں کے منصوبوں سے بچایا۔

مستعدی اور شور بورتا کی مثالیں سے اُس کا جیون بھرا ہوا
ہے۔ ان میں بہت سی باتوں کے کچلنے کے سبب 1572
میں ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ اکبر نے 1572
میں گجرات کا صوبہ جیتا اور وہاں اپنا صوبیدار مقرر کیا۔
جب وہ لوٹ کر آگئے آیا تو صوبیدار نے خبر دی کہ اکبر کے
دُشمنوں نے بلوچستان چھا رکھا ہے اور صوبہ کے امن کو بگاڑ دیا
ہے۔ اکبر نے خبر پاتے ہی تیاری شروع کی اور 28 اگست
1573 کے دن آگئے سے کوچ کر دیا۔ ایک ایک دن میں اُرنٹ
اور گھوڑے کی سواری سے پچاس پچاس میل کا سفر طے کیا اور
چھ سو میل کا راستہ نو دن میں پورا کر احمدآباد آدھکا۔
اُس کے ساتھ کل 3000 سواروں کی فوج تھی اور دُشمنوں کی
تعداد 20,000 سے زیادہ تھی۔ ساہواری کے کڈارے اُپری نقارے
کی آواز گونجتی تو دُشمنوں کو ہڑا اُچھڑا ہوا۔ اُن کے متحذروں
نے خبر دی تھی کہ دس روز پہلے اکبر فتح پور سیکری میں
آرام کرتا تھا، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اتنی جلدی گجرات پہنچ
جائے! نہ شاہی ہاتھی نظر آتے تھے، نہ خیمے اور تھلکتیں۔
پر کانوں کی ساکشی بھی چھوٹ نہیں ہو سکتی تھی۔ ابھی
دُشمن اچنبھے سے سنبھلے نہ تھے کہ اکبر نے لکڑا۔ نہ دُشمن کی
تعداد کا پتہ چلا، نہ اپنے صوبیدار کی کمک کے آئے کا۔ بڑھکر
گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور اپنا اُس پار جا پہنچا۔
دُشمنوں کی صفوں پر خونخوار شور کی طبع دھاوا کیا۔ انہیں
چھوٹا پھاڑتا بڑھا اور اُن کے سردار کو پکڑ لیا۔ دوسری فوج جو
گھات میں لگی تھی اب اُس پر ٹوٹ پڑی۔ پر اُس کے سوتھی
قر سے ایسے بوکھلے کہ اکبر کے سواروں نے انہیں کے ترکشوں میں
سے تھو نکلے اور اُن پر ہراسہ۔ اِس فوج کا سردار بھی بھاگ
گیا اور باغیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

پر اکبر بہادر سپاہی، جوشیلہ و جیتا اور بدھیمان
سپاہی ہی نہیں تھا جس نے ایک وصال سمرج
کی نیو تالی، اُس نے پوجا کی پٹائی کی بہت سی

عجمیوں کی۔ ہندوستان کوئی پرہیزگار دیہی ہے۔ اکبر نے زمین کے بندوبست کے لیے ٹیڈمیل کی مدد سے ایسی سرکاری زمینیں کی کہ کاشتکاروں پر سختی نہ ہو اور سرکاری مالکداری بھی آسانی سے وصول ہو جائے۔ اسے آبادی بڑھانے اور کھیتی کی سرکاری کی سدا لگن رہتی تھی۔ اس کے زمانے میں دستکاری میں خوب ورنناتہ ہڈے، اس کے کارخانوں میں اچھے سے اچھے کاریگر رتتے تھے اور بھ کلاہنتوں کے گوروں کا بڑا گاہک تھا۔ ہندوستان کے بنے مال کی ساری دنییا میں کددر ہوتی تھی۔ ایشیا اور یورپ کے سبھی دیہوں سے ہندوستانی سیتہ اور ساہوکار دنیا کے لکھنوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ دودھ، گھی اور اناج کی اتنی بھوات تھی کہ اس زمانے میں جتنے یاتری یورپ سے یہاں آئے سبھی نے ان کے سستہروں کی گواہی دی ہے۔ اسی سے رعایا سکی اور خوشحال تھی۔

اکبر کو سرکاری انتظام کے معاملوں میں جیسی سوچہ ہوجا تھی اس کا اندازہ اس کے فوجی اور دیوانی سنگتھوں سے ہو سکتا ہے۔ یہ سنگتھوں اکبر کے وقت میں قائم ہوا پر آج بھی قریب پونے چار سو برس بیتنے پر اس کی روپ ریکھا بنی ہے۔ انگریزوں کو اس بلت کا گھمڈ ہے کہ ان کی قوم نے ریاستی انتظام میں دنیا کو راہ دکھائی ہے۔ پر انھوں نے بھی ہندستان میں اکبری بلہادوں پر ہی اپنی حکومت کی عمارت کھڑی کی۔ جیسا تھانچہ کل ہند صوبوں اور سرکاروں کی حکومت کا اس ورت بنا تھا اسی کی نقل تھوڑے بداء روپ میں آج بھی دکھائی دیتی ہے۔ اکبر کے منصبداری سنگتھوں کی جگہ سول سروس نے لی ہے، فرق اتنا ہی ہے کہ آج فوجی اور دیوانی کام بالکل الگ کودٹے گئے ہیں، اس زمانہ میں وہ ملے تھے اور ایک ہی افسر کے اختیار میں تھے۔ جس طرح بادشاہ اور اس کے وزیر سارے دیہی کی دیکھ بھال کرتے تھے اسی طرح وایسرائے اور اس کی انتظامی کونسل (ایگزیکوٹو کونسل) ملک پر حکومت کرتے تھے۔ ایک بلت میں اکبر کی حکومت کو آچکل کی حکومت پر ترجیح تھی۔ اکبر اور اس کے وزیر ہندستانی تھے۔ اکبر نے کئی بار ہندوؤں کو سب سے اونچے عہدوں پر نہت کیا۔ انگریزی راج کے قیام سے سو برس بیتنے پر بھی باگدور انگریزوں کے ہی ہاتھ میں رہی۔ انگریز نہ خود ہندستانی بلکہ نہ انھوں نے ہندستانیوں کو اپنا یا اور نہ اپنے برابر مانا۔

اگر کلا، سنگتھ، کوہتا، سائنس اور فلسفے کی طرف دھیان دیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے ان کی ایسی دل کھل کر سیوا کی اور ان کا ایسی ادارنا کے ساتھ پالن پوشت کیا کہ ہر طرف انوکھی ترقی، ہر فن میں عجیب گھاگھی دکھائی دیہا لگی۔ چتر کا میں اس نے

اکبر کو سرکاری انتظام کے معاملوں میں جیسی سوچہ ہوجا تھی اس کا اندازہ اس کے فوجی اور دیوانی سنگتھوں سے ہو سکتا ہے۔ یہ سنگتھوں اکبر کے وقت میں قائم ہوا پر آج بھی قریب پونے چار سو برس بیتنے پر اس کی روپ ریکھا بنی ہے۔ انگریزوں کو اس بلت کا گھمڈ ہے کہ ان کی قوم نے ریاستی انتظام میں دنیا کو راہ دکھائی ہے۔ پر انھوں نے بھی ہندستان میں اکبری بلہادوں پر ہی اپنی حکومت کی عمارت کھڑی کی۔ جیسا تھانچہ کل ہند صوبوں اور سرکاروں کی حکومت کا اس ورت بنا تھا اسی کی نقل تھوڑے بداء روپ میں آج بھی دکھائی دیتی ہے۔ اکبر کے منصبداری سنگتھوں کی جگہ سول سروس نے لی ہے، فرق اتنا ہی ہے کہ آج فوجی اور دیوانی کام بالکل الگ کودٹے گئے ہیں، اس زمانہ میں وہ ملے تھے اور ایک ہی افسر کے اختیار میں تھے۔ جس طرح بادشاہ اور اس کے وزیر سارے دیہی کی دیکھ بھال کرتے تھے اسی طرح وایسرائے اور اس کی انتظامی کونسل (ایگزیکوٹو کونسل) ملک پر حکومت کرتے تھے۔ ایک بلت میں اکبر کی حکومت کو آچکل کی حکومت پر ترجیح تھی۔ اکبر اور اس کے وزیر ہندستانی تھے۔ اکبر نے کئی بار ہندوؤں کو سب سے اونچے عہدوں پر نہت کیا۔ انگریزی راج کے قیام سے سو برس بیتنے پر بھی باگدور انگریزوں کے ہی ہاتھ میں رہی۔ انگریز نہ خود ہندستانی بلکہ نہ انھوں نے ہندستانیوں کو اپنا یا اور نہ اپنے برابر مانا۔

اگر کلا، سنگتھ، کوہتا، سائنس اور فلسفے کی طرف دھیان دیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے ان کی ایسی دل کھل کر سیوا کی اور ان کا ایسی ادارنا کے ساتھ پالن پوشت کیا کہ ہر طرف انوکھی ترقی، ہر فن میں عجیب گھاگھی دکھائی دیہا لگی۔ چتر کا میں اس نے

اکبر کو سرکاری انتظام کے معاملوں میں جیسی سوچہ ہوجا تھی اس کا اندازہ اس کے فوجی اور دیوانی سنگتھوں سے ہو سکتا ہے۔ یہ سنگتھوں اکبر کے وقت میں قائم ہوا پر آج بھی قریب پونے چار سو برس بیتنے پر اس کی روپ ریکھا بنی ہے۔ انگریزوں کو اس بلت کا گھمڈ ہے کہ ان کی قوم نے ریاستی انتظام میں دنیا کو راہ دکھائی ہے۔ پر انھوں نے بھی ہندستان میں اکبری بلہادوں پر ہی اپنی حکومت کی عمارت کھڑی کی۔ جیسا تھانچہ کل ہند صوبوں اور سرکاروں کی حکومت کا اس ورت بنا تھا اسی کی نقل تھوڑے بداء روپ میں آج بھی دکھائی دیتی ہے۔ اکبر کے منصبداری سنگتھوں کی جگہ سول سروس نے لی ہے، فرق اتنا ہی ہے کہ آج فوجی اور دیوانی کام بالکل الگ کودٹے گئے ہیں، اس زمانہ میں وہ ملے تھے اور ایک ہی افسر کے اختیار میں تھے۔ جس طرح بادشاہ اور اس کے وزیر سارے دیہی کی دیکھ بھال کرتے تھے اسی طرح وایسرائے اور اس کی انتظامی کونسل (ایگزیکوٹو کونسل) ملک پر حکومت کرتے تھے۔ ایک بلت میں اکبر کی حکومت کو آچکل کی حکومت پر ترجیح تھی۔ اکبر اور اس کے وزیر ہندستانی تھے۔ اکبر نے کئی بار ہندوؤں کو سب سے اونچے عہدوں پر نہت کیا۔ انگریزی راج کے قیام سے سو برس بیتنے پر بھی باگدور انگریزوں کے ہی ہاتھ میں رہی۔ انگریز نہ خود ہندستانی بلکہ نہ انھوں نے ہندستانیوں کو اپنا یا اور نہ اپنے برابر مانا۔

ایک نئے رنگ کی ایجاد کی جس میں ایرانی اور ہندو طرز کو ایسے سمجھا کہ ایک نیا اور انوکھا رنگ پیدا ہو گیا۔ بہزاد اور اجنٹا کو ایک سانچے میں ڈھال کر ہندوستانی قلم کا خوبصورت طرز پیدا کیا۔ اس طرز کے استاد خواجہ عبدالصمد شہر میں قلم دسوتے اور ہزاروں تھے۔ عبارت کی نگاہیں بھی بات پیدا کی۔ اسلامی اور ہندو طریقوں کو اس خوبی سے ملا کر ایک نیا شاندار طرز بن گیا۔ فتح پور سکری میں اس طرح کی عمارتوں کے نمونے آج بھی اکبر کے خوبصورتی کے سونے کے نشان دکھاتے ہیں۔ سنگمت میں تان سین اور بابا ہریداس کے نام اکبری دربار کی یاد سدا زندہ رکھیں گے۔ ادب کے میدان میں ان میں ’جہدہ نگاہ‘ اٹھا کر دیکھئے اکبر کے فیض کی تصویریں سامنے آتی ہیں۔ ’سورداں‘ ’ہریداس‘ ’گنگ بہت‘ ’نرہری‘ ’پرمانند‘ ’مادھو‘ ’رحیم‘ ’ہرج بہاشا کے کوئی‘ ’وٹل‘ ’کرشن داس‘ ’گنگا دھر‘ ’نرسنگھ‘ ’بھانو چند‘ ’سدھ چند‘ ’ناراین بہت‘ ’نیل کنگھ‘ ’کالہداس‘ ’سنسکرت کے ودوان اس کے آشرئے میں رہتے تھے۔ فارسی کے شاعر‘ ’تاریخ داس‘ ’نجمی‘ ’ادیب‘ ’فلسفی بڑی تعداد میں انعام اکرام اور تنخواہیں پاتے تھے۔ ہندو مسلمانوں میں میل جول پیدا کرنے کے لئے بادشاہ نے سنسکرت کی پستکوں کے فارسی میں ترجمہ کروائے۔ اس سلسلہ میں ’انہرو وید‘ ’مہا بھارت‘ ’ہری ونش‘ ’بھگود گیتا‘ ’راماین‘ ’یوگ ویشٹ‘ ’بھاگوت‘ ’وشنو پوران‘ وغیرہ کے ترجمہ ہوئے۔ ابولفضل نے مہابھارت کے ترجمہ کے دیباچے میں اس نہتی کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:—

”جوں بہ دیرانت کامل خود نزع فرایق ملت متحدی و یہود و ہنود را بہشت یافت و انکار یک دیگر از اندازہ معلوم شد“ خاطر نمکندوں بران قرار یافت کہ کتب معتبرہ طائفین بہ زبان متخالف ترجمہ کردہ آید تا ہندو فریق بہ برکت انفسا قدسہ حضرت اہل الزمانی از طاعت و انعام برآمدہ جوئے حق شوند، و ہر محتاس و عیوب یک دیگر اطلاع یافتہ در اصلاح احوال خود مساعی جمیلہ نمایند۔“

ارتھات—”پوری طرح سے چھان بین کرنے پر جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمان، یہودی اور ہندو دھرم کے لوگوں میں بہت جھگڑے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی باتوں کو بہت زیادہ اُلٹتے ہیں تو بادشاہ نے جو ان معلوم کو خوب سمجھتے ہوں دل میں یہ نقشہ کیا کہ ان سپرداہوں کی وشواسی پستکوں کا ایک دوسرے کی بھاشا میں ترجمہ کرایا جائے تاکہ سب دلوں کے لوگ بادشاہ کی مہربانی کی وجہ سے جھگڑے اور لڑائی سے ہٹ کر سچ کی تلاش میں لگیں اور ایک دوسرے کے دھرم کی اچھائیوں اور برائیوں کو جان کر اپنی حالت کے سدھارنے میں پوری پوری کوشش کریں۔“

”چوں کہ دریاہستہ کامیل خود نیچاے فریایکتہ میللتے مہممدی و یھود و ہنود را بہشت یافت و انکار یک دیگر از اندازہ معلوم شد، خاطر نمکندوں بران قرار یافت کہ کتب معتبرہ طائفین بہ زبان متخالف ترجمہ کردہ آید تا ہندو فریق بہ برکت انفسا قدسہ حضرت اہل الزمانی از طاعت و انعام برآمدہ جوئے حق شوند، و ہر محتاس و عیوب یک دیگر اطلاع یافتہ در اصلاح احوال خود مساعی جمیلہ نمایند۔“

”اورثا—پوری طرح سے چھان بین کرنے پر جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمان، یہودی اور ہندو دھرم کے لوگوں میں بہت جھگڑے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی باتوں کو بہت زیادہ اُلٹتے ہیں تو بادشاہ نے جو ان معلوم کو خوب سمجھتے ہوں دل میں یہ نقشہ کیا کہ ان سپرداہوں کی وشواسی پستکوں کا ایک دوسرے کی بھاشا میں ترجمہ کرایا جائے تاکہ سب دلوں کے لوگ بادشاہ کی مہربانی کی وجہ سے جھگڑے اور لڑائی سے ہٹ کر سچ کی تلاش میں لگیں اور ایک دوسرے کے دھرم کی اچھائیوں اور برائیوں کو جان کر اپنی حالت کے سدھارنے میں پوری پوری کوشش کریں۔“

اکبر نے دھرم کے پھروں کا انت کرنے کے لیے ہی اس نیتی کا سہارا لیا جسے صلح کل (ایکے) شانتی) کا نام دیا گیا۔ اس کے دل میں سب دھرموں کے لئے آہ تھا۔ وہ رات رات بھر جہنم، ہندو شہروں، عیسائیوں کے پلڑوں سے دھرم کی بات چیت کرتا تھا، سچ کی کہج میں لگا رہتا تھا۔ پر اس کا میں صرف کہج کرنے والے و دیارتھی کا سانس تھا۔ وہ ایک انہی آدمی تھا جس کی آتما پر دم جھوٹی کے درشلوں کی ہوئی تھی۔ اسے اس نقش میں کلمہابی ہی ہوئی اور اس نے دیکھ لیا کہ باہری آدمیوں کی انہی کاؤں کے ہر ایک تہہ جو سب میں ایکسا جھلکتا ہے اور سب دھرموں کے ماننے والے اپنی اپنی ریت سے اس کی ہی کہج کرتے ہیں۔ اس اصول پر پہنچ کر اکبر نے ایک سمپرڈائے کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد توحیدانی (ایشر کی ایکتا) کا پھیلانا تھا۔ اسے دین الہی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ کوئی نیا دھرم نہیں تھا۔ دھرموں کی ایکتا ہی اس کا اصلی سدھانت تھا۔

غرض یہ کہ سماج کے جیون کا کوئی پہلو نہ تھا جس پر اکبر نے گہرا اثر نہ ڈالا ہو۔ اسی سبب سے اس کا پایہ دنیا کے بڑے بادشاہوں میں اونچا ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے راج کے اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ کسی راج کے بنیادی اصولوں کو جاننے کے لئے چاہئے کہ راج اور سماج کا مطلب اور سمبندھ سمجھ لیا جائے۔ سماج سے معمولی طور پر آدمیوں کے ایک گروہ سے مطلب لیا جاتا ہے۔ گروہ بنا کر رہنا آدمی کا سہارا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی ضرورتیں بنا گروہ بندی کے پوری نہیں ہو سکتیں۔ آدمی کا نجی جھون، کھانا پینا، سنتان اور اس کی رکشا بنا آپس کی مدد کے ممکن نہیں۔ پھر آدمی بھاڑ اور پوریتوں کا پٹا ہے۔ ان کے پورا کرنے میں ہی اس کی زندگی کی سہلता ہے۔ سلسار کی دستوں میں اسے اپنی طرف کھینچتی ہیں، اور انہیں اپنانے کے لئے وہ ان کے پیچھے دڑتا ہے۔ گرمی، برسات اور ٹھنڈ سے بچنا، اس سے رہنا، خطرے سے گھبرانا اسے گھر بنانے پر مجبور کرتے ہیں۔ آدمی سوہاڑ سے لڑاکا، سامسی، آگے چلنے والا ہے۔ اسی سے فوجیں بناتا ہے، شکار کھیلتا ہے، دنیا کے جنگل پہاڑوں کو کھوندتا ہے اور لوگوں کا نیٹا بنتا ہے۔ ایک طرف اس میں گہمڈ، مان، دکھاوا ہے تو دوسری طرف ہندگی، بے چارگی، وٹہ۔ کبھی کبھی دھن کو شان شوکت میں دھوئیں کی طرح اڑانا ہے اور کبھی لکر اور ہستی سے منہ موز نرجن جنگلوں میں عمر بٹانا ہے۔ بھوک، پیاس، بدن کا رکھاؤ، اولاد یہ ایسی ضرورتیں ہیں جن کے پورا نہ بنا اس کا جیلا دیر ہے۔

رارخ یہ کہ سماج کے جیون کا کوئی پہلو نہ تھا جس پر اکبر نے گہرا اثر نہ ڈالا ہو۔ اسی سبب سے اس کا پایہ دنیا کے بڑے بادشاہوں میں اونچا ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے راج کے اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ کسی راج کے بنیادی اصولوں کو جاننے کے لئے چاہئے کہ راج اور سماج کا مطلب اور سمبندھ سمجھ لیا جائے۔ سماج سے معمولی طور پر آدمیوں کے ایک گروہ سے مطلب لیا جاتا ہے۔ گروہ بنا کر رہنا آدمی کا سہارا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی ضرورتیں بنا گروہ بندی کے پوری نہیں ہو سکتیں۔ آدمی کا نجی جھون، کھانا پینا، سنتان اور اس کی رکشا بنا آپس کی مدد کے ممکن نہیں۔ پھر آدمی بھاڑ اور پوریتوں کا پٹا ہے۔ ان کے پورا کرنے میں ہی اس کی زندگی کی سہلता ہے۔ سلسار کی دستوں میں اسے اپنی طرف کھینچتی ہیں، اور انہیں اپنانے کے لئے وہ ان کے پیچھے دڑتا ہے۔ گرمی، برسات اور ٹھنڈ سے بچنا، اس سے رہنا، خطرے سے گھبرانا اسے گھر بنانے پر مجبور کرتے ہیں۔ آدمی سوہاڑ سے لڑاکا، سامسی، آگے چلنے والا ہے۔ اسی سے فوجیں بناتا ہے، شکار کھیلتا ہے، دنیا کے جنگل پہاڑوں کو کھوندتا ہے اور لوگوں کا نیٹا بنتا ہے۔ ایک طرف اس میں گہمڈ، مان، دکھاوا ہے تو دوسری طرف ہندگی، بے چارگی، وٹہ۔ کبھی کبھی دھن کو شان شوکت میں دھوئیں کی طرح اڑانا ہے اور کبھی لکر اور ہستی سے منہ موز نرجن جنگلوں میں عمر بٹانا ہے۔ بھوک، پیاس، بدن کا رکھاؤ، اولاد یہ ایسی ضرورتیں ہیں جن کے پورا نہ بنا اس کا جیلا دیر ہے۔

पर आदमी निरा-आश का बन्या नहीं है, उसमें अन्नल, बुद्धि, समझ की रोशनी है जो उसे जानवरों से अलग करता है। उसके सब काम कुदरत के कानूनों के साथ-साथ अन्नल के कानूनों के मातहत हैं। उसे भूक लगती है तो वह जानवरों की तरह अपना पेट भर कर खुश नहीं होता। उसे गर्मी या ठंड सताती है तो वह पानी में बैठकर या खोहों में छुपकर अपनी जरूरतों को पूरा नहीं करता। खादियों के पूरा करने में वह वक्त्र का गुलाम नहीं, वह दूर की बात सोचता है, आगा पीछा देखकर नतीजों पर गौर करने के बाद कार्यवाई करता है। बुद्धि उसकी प्रवृत्तियों को एक सूत में बाँधने और उनमें जाबता क्रायम करने की तरफ मुकाती है। यही वजह है कि वह अपने और दूसरों के प्रायदों को मिलाकर ऊँचे आदर्श बनाता है और उन्हें हासिल करने के जतन करता रहता है।

जिस एक गिरोह के जरिये से आदमी अपनी जिन्दगी की इन जरूरतों को एकसां आदर्शों को सामने रखते हुए पूरा करते हैं उसी को समाज कहते हैं। समाज की असलियत उसकी एकता में है। जब तक वह एकता क्रायम है समाज जिन्दा है। समाज टूट कर छोटे टुकड़ों में बँट गया या दूसरे समाजों से मिल गया तो उससे नया समाज पैदा होगा और उसके असली निजी जीवन का अन्त हो जायगा। अपने जीवन की यात्रा पूरी करने के लिए समाज को क्रायदे क़ानूनों की जरूरत होती है। रीति रिवाज और धर्म बनाने इतते हैं। क़ानूनों को ब्यौहार में लाने के लिए राज बनते हैं। जब समाज के अपने बनाए क़ानूनों का राज पालन करता है तो उसे स्वराज कहते हैं, लेकिन जब राज ऐसे क़ानून चलाता है जो समाज ने नहीं बनाए हैं तो वह राज परराज और वह समाज पराधीन समाज कहलाते हैं।

हमारा हिन्दुस्तान एक महान देश है जिसका बड़ा भारी विस्तार है, यह बहुत पुराने ज़माने से अनेक समाजों का घर रहा है, पर इसके इतिहास में जो खासियत साफ़ तौर पर झलकती है वह अनेकताओं को मिटा कर एकता की तरफ़ बढ़ने का मुकाब है, हमारे देश में समय समय पर बहुत सी नसलों के गिरोह आए जो फ़िक्नों और बंशों में बँटे हुए थे, पहले आर्यों की कई शाखें आईं जो देश के अलग अलग हिस्सों में बसीं, उसके अलग अलग राज कायम हुए, आर्यों के दो बंश मराहूर थे, सूर्य वंश और चन्द्र वंश, फिर इनकी शाखों का नाम चला जैसे चन्द्र वंशियों के यदु, तुर्वस, द्रत्यु, अनु पुरु, सूर्य वंशियों में कोशलों की चर्चा सबसे ज्यादा हुई, इस पुराने वक्त में इन नामों से अलग अलग गिरोह समझे जाते थे, इन गिरोहों को जन कहते थे, बाद में जिन देशों में यह जन बसे उनके नाम पर राज्य कायम हुए और यह जनपद कहलाए, जिस वक्त गौतम बुद्ध ने

یہ اُنہی نرا بھاؤ کا بلند نہیں ہے۔ اُس میں عقل، ہمدی،
سمجھ کی روشنی ہے جو اُسے جانوروں سے علیحدہ کرتی ہے۔
اُس کے سب کلم قدرت کے قانونوں کے ساتھ ساتھ عقل کے
قانونوں کے ماتحت ہیں۔ اُسے بھوک لگتی ہے تو وہ جانوروں
کی طرح اپنا پیٹ بھر کر خوش نہیں ہوتا۔ اُسے گرمی یا
ٹھنڈ سہتی ہے تو وہ پانی میں بیٹھ کر یا کبھوں میں چھپ
کر اپنی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا۔ خواہشوں کے پورا کرنے
میں وہ وقت کا غلام نہیں، وہ دور کی بات سوچتا ہے، آگے پیچھا
دیکھ کر نتیجوں پر غور کرنے کے بعد کارروائی کرتا ہے۔ ہمدی
اُس کی پرورتوں کو ایک سوت میں باندھنے اور اُن میں
ضابطہ قائم کرنے کی طرف جھکانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ
اپنے اور دوسروں کے فائدوں کو ملا کر اولیٰچے آدرش بناتا ہے اور
انہیں حاصل کرنے کے جتن کرتا رہتا ہے۔

جس ایک گروہ کے ذریعہ سے آدمی اپنی زندگی کی ان ضرورتوں کو ایکساں آدرشوں کو سامنے رکھتے ہوئے پورا کرتے ہیں اسی کو سماج کہتے ہیں۔ سماج کی اصلیت اُس کی ایکتا میں ہے۔ جب تک وہ ایکتا قائم ہے سماج زندہ ہے۔ سماج قوت کر چھوٹے تکتوں میں بٹ کر گیا یا دوسرے سماجوں سے مل گیا تو اُس سے نیا سماج پیدا ہوگا اور اُس کے اصلی نجی جہوں کا انت ہو جائیگا۔ اپنے جہوں کی پورا پوری کرنے کے لئے سماج کو فائدے قانونوں کی ضرورت ہوتی ہے، ریتی رواج اور دھرم بنائے پڑتے ہیں۔ قانونوں کو بھوہار میں لانے کے لئے راج بنئے ہیں۔ جب سماج کے اپنے بنائے قانونوں کا راج پالن کرتا ہے تو اسے سراج کہتے ہیں، لیکن جب راج ایسے قانون چلانا ہے جو سماج نے نہیں بنائے ہیں تو وہ راج پوراج اور وہ سماج پراندھین سماج کہلاتے ہیں۔

ہمارا ہندستان ایک مہان دیہی ہے جس کا بڑا بھاری
 وستر ہے۔ یہ بہت پرانے زمانے سے انہیک سماجوں کا گھر رہا ہے۔
 پر اس کے انہاس میں جو خاصیت صاف طور پر جھلکتی ہے
 وہ انہیعتاؤں کو متاثر ایکتا کی طرف بڑھنے کا جھکاؤ ہے۔ عمارے
 دیہی میں سہ سے پر بہت سی نسلوں کے گروہ آئے جو
 فرقوں اور بلشوں میں بٹتے ہوئے تھے۔ پہلے آریوں کی کئی
 شاخیں آئیں جو دیہی کے الگ الگ حصوں میں بسیں۔
 اُس کے الگ الگ راجے قائم ہوئے۔ آریوں کے دو وٹھ مشہور
 تھے، سوریتھ وٹھ اور چندر وٹھ، پھر اُن کی شاخوں کا نام چلا
 چھ سے چندر وٹھوں کے بدو، تروس، درتھو، اٹو، پرو۔ سوریتھ
 وٹھوں میں کوشلوں کی چرچا سب سے زیادہ ہوئی۔
 اِس پرانے وقت میں اِن ناموں سے الگ الگ گروہ
 سمجھے جاتے تھے۔ اِن گروہوں کو جن کہتے تھے۔ بعد
 میں جن دیہیوں میں یہ جن ہسے اُن کے نام پر راجتھ
 قائم ہوئے اور یہ جن پد کہلائے۔ جس وقت گوتم بدھ نے

اپنے ذہن کا پرچار کیا۔ اُتری ہندستان میں سولہ مہان جن پد تھے۔ موریتہ وئس کے بادشاہوں نے انہیں ایک چتر کی پھلپا کے نیچے جمع کیا اور ایک بڑا سامراج قائم کیا۔ یہ ہندستان کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ قریب کل ہند ایک رشتے میں بندھا۔

موریتوں کی طاقت گہتی تو ہندستان پر پچھم اُتر سے نئے حملے ہوئے لگے۔ شک اور کشن جانتوں نے دیس میں قہرا جمایا۔ ان جانتوں کو ہندستانی ہٹاکر دیس نے ایک نئے سامراج کو جنم دیا۔ اس کے بنانے والے سمندر کھت اور چندر کھت تھے۔ کھت وئس کے سنہرے یگ کی عمرت میل کی بنیاد پر رکھی گئی۔ کھتوں کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں ہنوں گرجروں جاتوں اور اور ہانوں نے ہمارے دیس میں پیر رہا۔ ان کے آئے سے بڑی آہل پتیل مچی۔ پرانے اور نئے سماجوں کا ایسا منہ ہوا کہ سہیٹا کے سبھی انکوں میں نیا پن آ گیا۔ ان نئے سماجوں کا وردھنوں اور راجپوت وئسوں نے راجپوت کے روپ میں سنگتہن کیا۔

جب راجپوتوں میں کمزوری آئی تو گیارہویں صدی سے ترکوں کے حملے شروع ہوئے اور تیرہویں صدی میں اسلامی راج کا جھنڈا دیس پر پھرا لے گا۔ اب تک جو لوگ ہندستان میں آئے تھے انہوں نے یہاں کے دھرم اور سہیٹا کو قبول کیا تھا۔ پر برک اپنے ساتھ ایک زبردست دھرم اور انوکھی سہیٹا لائے اور انہوں نے دیس کے سامنے ایک نیا سوال کھڑا کر دیا۔ پر ہندستان کی آتما جو میل اور ایبتا کے اُصولوں میں بسی ہے اس سوال سے گہرائی نہیں اور اُس نے انیکتا کو مٹانے اور ایکسانیت کو پھدا کرنے کا عمل شروع کر دیا۔

اگر کے زمانے تک اس عمل کا بہت کچھ اثر ہو چکا تھا۔ اکبر کا پرکھا قیمر 1398 میں ہندستان میں آیا تھا اور اُس نے بہانہ ہی یہ نکالا تھا کہ ہندستان کے مسلمان اپنے مذہب اور تہذیب سے دور چلے گئے تھے۔ اکبر کے باہا باہر نے ہندستان میں جو تہنگ دیکھا اُس کے بارے میں لکھا ہے:—

”ہندستان، یہ ایک اجنبی ملک ہے۔ ہماری بیلایات سے دور دُنیا ہے۔ پہاڑ، دریا، جنگل، جانور، نباتات، آبادی، زبان، ہوا اور میل سب اور ہیں۔ اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر بعض چیزوں میں ہندستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے، مگر دریائے سندھ کے ادھر آتے ہی زمین، درخت، پتھر، قومیں، اور اُن کے راہ و رسم سب ہندستانی طریق کی۔“ (توک باہری)

اس ہندستانی طریق، ہندستانی چال وچال، یعنی رواج کو اکبر نے بڑی چترائی اور دوراندیشی سے پوچھا۔ اس نے اپنے راج کو اسی بنیادی اصول پر

اپنے دھرم کا پرچار کیا۔ اُتری ہندستان میں سولہ مہان جن پد تھے۔ موریتہ وئس کے بادشاہوں نے انہیں ایک چتر کی پھلپا کے نیچے جمع کیا اور ایک بڑا سامراج قائم کیا۔ یہ ہندستان کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ قریب کل ہند ایک رشتے میں بندھا۔

موریتوں کی طاقت گہتی تو ہندستان پر پچھم اُتر سے نئے حملے ہوئے لگے۔ شک اور کشن جانتوں نے دیس میں قہرا جمایا۔ ان جانتوں کو ہندستانی ہٹاکر دیس نے ایک نئے سامراج کو جنم دیا۔ اس کے بنانے والے سمندر کھت اور چندر کھت تھے۔ کھت وئس کے سنہرے یگ کی عمرت میل کی بنیاد پر رکھی گئی۔ کھتوں کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں ہنوں گرجروں جاتوں اور اور ہانوں نے ہمارے دیس میں پیر رہا۔ ان کے آئے سے بڑی آہل پتیل مچی۔ پرانے اور نئے سماجوں کا ایسا منہ ہوا کہ سہیٹا کے سبھی انکوں میں نیا پن آ گیا۔ ان نئے سماجوں کا وردھنوں اور راجپوت وئسوں نے راجپوت کے روپ میں سنگتہن کیا۔

جب راجپوتوں میں کمزوری آئی تو گیارہویں صدی سے ترکوں کے حملے شروع ہوئے اور تیرہویں صدی میں اسلامی راج کا جھنڈا دیس پر پھرا لے گا۔ اب تک جو لوگ ہندستان میں آئے تھے انہوں نے یہاں کے دھرم اور سہیٹا کو قبول کیا تھا۔ پر برک اپنے ساتھ ایک زبردست دھرم اور انوکھی سہیٹا لائے اور انہوں نے دیس کے سامنے ایک نیا سوال کھڑا کر دیا۔ پر ہندستان کی آتما جو میل اور ایبتا کے اُصولوں میں بسی ہے اس سوال سے گہرائی نہیں اور اُس نے انیکتا کو مٹانے اور ایکسانیت کو پھدا کرنے کا عمل شروع کر دیا۔

اکبر کے زمانے تک اس عمل کا بہت کچھ اثر ہو چکا تھا۔ اکبر کا پرکھا قیمر 1398 میں ہندستان میں آیا تھا اور اُس نے بہانہ ہی یہ نکالا تھا کہ ہندستان کے مسلمان اپنے مذہب اور تہذیب سے دور چلے گئے تھے۔ اکبر کے باہا باہر نے ہندستان میں جو تہنگ دیکھا اُس کے بارے میں لکھا ہے:—

”ہندستان، یہ ایک اجنبی ملک ہے۔ ہماری بیلایات سے دور دُنیا ہے۔ پہاڑ، دریا، جنگل، جانور، نباتات، آدمی، زبان، ہوا اور میل سب اور ہیں۔ اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر بعض چیزوں میں ہندستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے، مگر دریائے سندھ کے ادھر آتے ہی زمین، درخت، پتھر، قومیں، اور اُن کے راہ و رسم سب ہندستانی طریق کی۔“ (توک باہری)

اس ہندستانی طریق، ہندستانی چال وچال، یعنی رواج کو اکبر نے بڑی چترائی اور دوراندیشی سے پوچھا۔ اس نے اپنے راج کو اسی بنیادی اصول پر

ہایم کیا کہ جانتیں اور دھرموں کے آپس کے جھگڑے سے
جانتیں اور ہندوستانی میں ہندوستانی کا بول چال ہو۔ اگر
وچاروں اور آدشوں کو اُس کے مسجددار وزیر ابوالفضل نے ان
لفظوں میں ظاہر کیا ہے۔ یہ لفظ کشمیر کے ایک مندر کی
دیوار پر کھدوانے لگے تھے۔

ایسی بھر خانہ کہ می نگر جو پائے تو اند و بھر زبانی
می شلم گویانہ تو۔

کفر و اسلام در رھت پویان
وحدۃ لشریک لا گویان۔

اگر مسجد دیست بہ یاد تو نعرۂ قدوس می چلبند
کلیساست بہ شوق تو ناقوس می چلبند۔
گہہ معتکف دیرم و گہہ ساکن مسجد
یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بہ خانہ۔
اگر خاصا ترا بہ کفر و اسلام کارے نیست، این ہر دو را
درپردۂ اسلام تو ہارے نہ۔

کفر کا فر را و دیں دیندار را
گردۂ وردی دل عطار را۔

ایں خانہ بہ نہت اتفاق قلوب موحدان ہندوستان و
خصوصاً معبود پرستان عرصۂ کشمیر تعمیر یافتہ۔
ارتھات۔ ”ہے ایشور جس گھر کو دیکھتا ہوں اُس میں تیرے
تھونڈھنے والے ہیں، اور جس بیٹا کو سنتا ہوں اُس میں تیرا
ہی چر چا ہے۔ کفر (دیوتاؤں کا پوجن) اور اسلام تیرے ہی
راستے پر دوڑتے ہیں اور کہتے ہیں ”تو ایک ہے، تیرا کوئی سا جی
نہیں“۔ مسجد ہے تو اُس میں تیری یاد میں دھرم کے نعرے
لگاتے ہیں اور گرجا ہے تو تیرے ہی پریم میں گھنٹے بجاتے
ہیں۔

”کبھی میں مندر میں بیٹھ کر دھیان کرتا ہوں، کبھی
مسجد میں۔ یعنی کہ تجھے ہی ہر گھر میں تھونڈھتا ہوں۔
جو تیرے چنے لوگ ہیں انہیں نہ کفر اور نہ اسلام سے کام
ہے، کیونکہ ان دونوں کے لئے تیری قبولیت کے پردے میں
جگہ نہیں ہے۔

”کفر کا فر کے لئے اور دین دیندار کے لئے ہے، پر گندھی
(عطر بیچنے والے) کے دل کے لئے تو گلاب کے پھول کی بج
ہی چاہئے۔

”یہ مندر ہندوستان کے ادویتوا دیوں کے دلوں کو ملانے کے
لئے اور خاص طور پر کشمیر دھس کے پجاریوں کے لئے بنایا
گیا۔“

ہندوستان کے اتھاس کے منجیلے کال میں ادویتوا کا آدرش
دونوں ہندو اور مسلمانوں کو ایکساں طریقے سے پسند تھا، اور
دونوں بھکتی کے راستے اِس آدرش تک پہنچنے
کی کوشش میں لگے رھتے تھے۔ اِن کی سبھتا میں اسی
آدرش کی شکتی کام کر رہی تھی۔ اسی سے اِن کی کلا،

”کفر کا کافر کے لئے اور دین دیندار کے لئے ہے، پر گندھی
(عطر بیچنے والے) کے دل کے لئے تو گلاب کے پھول کی بج
ہی چاہئے۔

”یہ مندر ہندوستان کے ادویتوا دیوں کے دلوں کو ملانے کے
لئے اور خاص طور پر کشمیر دھس کے پجاریوں کے لئے بنایا
گیا۔“

کھینکا، آدھ میں یکساںیت آا गई थी. समाज और राज के संगठन में भी इसी आवर्श की प्रेरणा दिखाई देती है.

यह सच है कि मँकले काल में कुल हिन्दू एक समाज के रिश्तों में नहीं बँध सका, सारे हिन्दुस्तानी एक जत्थे के अन्दर नहीं समा सके. इसीलिये एक क्रौम या राष्ट्र का जन्म नहीं हुआ. लेकिन यह मानना पड़ेगा कि हिन्दुस्तान ने इस भंगिल की तरफ बढ़ने की पूरी कोशिश की. मुसलमानों के हिन्दुस्तान में आने के वक्त हिन्दुस्तान अनेक वंशों, सम्प्रदायों, जातियों, कबीलों, रजवाड़ों, राजों में बँटा हुआ था. मुसलमानी साम्राज कायम होने की वजह से इस तक्रसीम में कुछ कमी हुई. हिन्दू समाज के संगठन का मुसलमानों पर असर पड़ा और उनका संगठन एक हद तक हिन्दू ढाँचे की नक़ल बना. अगर हिन्दुओं में देश, जाति, धन्धे, दौलत, मत, राजनीति के विचारों से अलग-अलग सम्प्रदाय, फ़िर्के और गिरोह थे तो ऐसा ही हाल मुसलमानों का भी था. राजपूत, मराठा, द्राविड़, ब्राह्मण, क्षत्री, वैश्य, शूद्र और इनकी अनेक शाखें; सुनार, लुहार, केवट, कायस्थ; शैव, वैष्णव, शक में हिन्दू बँटे थे तो ईरानी, ख़ुरासानी, पठान; दकनी हिन्दुस्तानी, जुलाहे, क़साई, हज़ाम, सुन्नी, शिआ मुसलमानों में थे. दौलत और रुतबे के लिहाज़ से हिन्दुओं में ब्राह्मण, क्षत्री, सेठ, साहूकार और कायस्थ ऊँचे दर्जे में समझे जाते थे और जातें जो दस्तकारी, धन्धे, मजदूरी में लगी थीं वह नीचे दर्जे में थीं. इसी तरह मुसलमानों में शरीफ़ और रज़ील की तक्रसीम थी.

आईने अकबरी में समाज के संगठन पर बहस की है. समाज को एक पुरुष (शख्स) के समान माना है. जिस तरह दुनिया चार तत्वों से मिलकर बनती है यानी आग, पानी, हवा और मिट्टी से उसी तरह इस दुनिया को बसाने वाला आदमी (पुरुष, शख्स) चार तत्वों का पुतला है. आदमियों का गिरोह जिसे समाज कहते हैं और जो आदमी के समान है वह भी चार तत्वों पर निर्भर करता है. इसीलिये इसमें चार तरह के आदमी हाते हैं. मुबारिज़ (लड़ाके) जो समाज में आग के समान हैं, पेशेवर (काम धन्धे वाले) जो हवा के समान हैं. अहले क़लम (पढ़ने लिखने वाले) जो पानी से समानता रखते हैं. बर्ज़ागर या क़शावर्ज़ (बेतिहर) जिनका मिट्टी से मिलान किया जा सकता है. इन्हीं चारों पर समाज के जीवन का सहारा है. इन्हीं से समाज को बल और सुख का लाभ होता है. इन्हीं चारों तत्वों के समान गिरोहों के तानेबाने से समाज का कपड़ा बुना जाता है और इनके मेल से अनेक एक में तब्दील होता है. यह चार गिरोह दो जमाअतों में रखे जा सकते हैं. अज़ाफ़ (ऊँचे) जिनमें पहले सैफ़ (तलवार चलाने वाले) शामिल हैं और अख़लाफ़ (नीचे) जिनमें पेशेवर और

लेफ़ा, ادب میں ایکساںیت آگئی تھی. سماج اور آج کے سنگتوں میں بھی اسی آدھ کی پرہرنا دکھائی دیتی ہے.

یہ سچ ہے کہ منجملے کال میں کل ہند ایک سماج کے ہشتوں میں نہیں بندھ سکا، سارے ہندوستانی ایک جگہ کے اندر نہیں سما سکے. اسی لئے ایک قوم یا راشٹر کا جنم نہیں ہوا. لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ ہندوستان نے اس منزل کی طرف بڑھنے کی پوری کوشش کی. مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے وقت ہندوستان اٹیک وٹھیں، سپرداویں، جاتھوں، قبیلوں، رجواروں، راجوں میں بٹا ہوا تھا. مسلمانوں کے سامراج قائم ہونے کی وجہ سے اس تقسیم میں کچھ کمی ہوئی. ہندو سماج کے سنگتوں کا مسلمانوں پر اثر پڑا اور ان کا سنگتوں ایک حد تک ہندو تھانچے کی نقل بنا. اگر ہندوؤں میں دیہی، جاتی، دھندے، دولت، مت، راج نہیتی کے وچاروں سے الگ الگ سپردانے، رتبے اور گروہ تھے تو ایسا ہی حال مسلمانوں کا بھی تھا. راجپوت، مراٹھا، دراوڑ، براہمن، چھتری، ویمہ، شودر اور ان کی انیک شاخیں؛ سونار، لہار، کیوت، کایستہ، شہو، ویشنو، شک میں ہندو ہتھے تھے تو ایرانی، خراسانی پٹھان، دکنی ہندوستانی، چلائے، قصابی، حجّام، سنّی، شیعہ مسلمانوں میں تھے. دولت اور رتبہ کے لحاظ سے ہندوؤں میں براہمن، چھتری، سیٹھ، ساہوکار اور کایستہ اُنچے درجے میں سمجھے جاتے تھے اور ذابیں جو دستکاری، دھندے مزدوری میں لگی تھیں وہ نیچے درجے میں تھیں. اسی طرح مسلمانوں میں شریف اور رذیل کی تقسیم تھی.

انہیں اکبری میں سماج کے سنگتوں پر بحث کی ہے. سماج کو ایک پڑھ (شخص) کے سمان مانا ہے. جس طرح دنیا چار تھوں سے ملکر بنتی ہے یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی سے اسی طرح اس دنیا کو بسانے والا آدمی (پڑھ، شخص) چار تھوں کا پتلا ہے. آدمیوں کا گروہ جسے سماج کہتے ہیں اور جو آدمی کے سمان ہے وہ بھی چار تھوں پر نرہر کرتا ہے. اسی لئے اس میں چار طرح کے آدمی ہوتے ہیں. مبارز (لڑاکے) جو سماج میں آگ کے سمان ہیں، پشہور (کلم لھندے والے) جو ہوا کے سمان ہیں. اہل قلم (پڑھنے لکھنے والے) جو پانی سے سمانا دکتے ہیں. ہرزہ گر یا کھاورز (کھپتہر) جن کا مٹی سے ملن کیا جاسکتا ہے. انہیں چاروں پر سماج کے جیوں کا سہارا ہے. انہیں سے سماج کو بل اور سکھ کا لہر ہوتا ہے. انہیں چاروں تھوں کے سمان گروہوں کے تالے ہالے سے سماج کا کپڑا بنا جاتا ہے اور ان کے مہل سے اٹیک ایک بل تبدیل ہوتا ہے. یہ چار گروہ دو جماعتوں میں رکھے جاسکتے ہیں. اشراف (اُنچے) جن میں اہل صیغ (تلاور چلائے والے) شامل ہیں اور اسفہ (نیچے) جن میں پشہور اور

موجودہ کھیت پر شامل ہیں۔ راج کا یہی حکم ہے کہ ان چاروں کا پلو برابر رکھے اور ہر ایک کو اپنے کرتوبہ، جنگہ اور سرپادا سے ملنے نہ دے۔

سچ کی جس ایکٹ کا اندر کی اکثر کی آنکھوں کے سامنے
 تھا اس کا حال تھا انہیں اکبر کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پر
 پہلی تہذیب کا تہراؤ راج کے سنگتوں کے آسروں پر ہے۔ اس
 لیے اکبر کے سدھانتوں پر دھیان دینا ضروری ہے۔
 یہ سدھانت نہ تو اسلامی راج نہتی سے اُدھار لئے گئے تھے
 نہ ہندو راج نہتی سے نقل کئے گئے تھے۔ بلکہ دونوں راج نہتوں
 سے چنے گئے تھے۔

ہندو راج نہتی کے اصول ہندو جہوں کے اصولوں پر قائم تھے۔ اور ہندو آدمی کے جہوں کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں بٹاتا ہوا نہیں مانتے تھے۔ ان کے نزدیک جہوں ایک ایسا پورا اور اثوت دیپا پار ہے جس کے ٹکڑے نہیں ہوسکتے۔ ایسی کی مثال یہ ہے کہ جس طرح آدمی اسی وقت تک آدمی ہے جب تک اُس کے سب انگ ایک ساتھ چترے ہوئے ہیں، اور اگر انگ بھنگ ہو جائیں تو آدمی کا انت ہو جاتا ہے۔ جہوں کے دو مقصد ہیں—ایک دنیاوی، ایک دینی۔ دنیاوی کی تین قسمیں ہیں—کلم، ارتھ، دھرم۔ دینی کی ایک سببکھس۔ پہلے تین درجوں کو حاصل کرنے سے اِس دنیا کا بھلا ہوتا ہے، ابھودھن ملتا ہے۔ دوسرے سے آدمی سدا کے لئے دکھوں سے چھوٹ جاتا ہے، پرہم آئند لایہ کرتا ہے۔

دنیاوی فائدوں یا آرٹھوں کی تین قسمیں ہماری توفیقی زندگی کے ساتھ بندھی ہیں۔ ہماری پہلی ضرورت ویش کو قائم رکھنا، دوسری ضرورت شریہ کا پالن اور تیسری سماج کی رکشا ہے۔ کلم، آرٹھ اور دھرم کا تریوہرگ انہیں ضرورتوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔ یہ ضرورتیں ہنا شانتی اور سنگتھن کے پوری نہیں ہوسکتیں۔ شانتی اور سنگتھن کے لئے راج کی طاقت چاہئے۔ اسی طاقت کو ہندو راجنیتی میں دنت کہا گیا ہے۔ دنت شاستر نیتی شاستر، آرٹھ شاستر اور سماج شاستر کا میل جول ہے۔

راجہ دند کو دھارن کرتا ہے اسی لئے اُس کی ستا سب سے بھاری ہے۔ مہابھارت اور دوسری راج نہتی کی ہستوں میں راجہ کو فردیو کہا گیا ہے۔ راجہ کی دیو وشنو کا استھان ہے اُس لئے راجہ پوجنہ قابل ہے۔ ملو سنگھتا میں لکھا ہے کہ پورھیا نے راجہ کو آٹھ دیوتاؤں کے آتشوں سے ملا کر بنایا۔ اُس لئے اُس میں اندر، مروت، یم، سورپہ، اگنی، ورون، چندر اور کیو کی شیکتی ہے۔

راجہ کا عہدہ دیوتاؤں کے برابر ہے کیونکہ وہ دیوی
شکتی کا بیوا ہے۔ راج کے کاموں کو دو حصوں میں
بٹا دیا گیا ہے۔ دیوتاؤں اور دیوؤں کے کاموں میں
تیرہویں کی پڑائی کے ساتھ ان کے مہیا کو گناہ نہانے یا

राजा का ओहदा देवताओं के बराबर है क्योंकि वह
 दैवी शक्ति का स्वामी है. राज के कामों को दो हिस्सों में
 बांटा गया है—विग्पाल और विग्बिजय. लोकपालन में
 त्रिर्ग की प्राप्ति के साधनों को सुझा करना, न्याय या

ہندوؤں، شامل ہیں۔ دینویجی سے متعلق ہے کہ راج کی سرحدوں کو پھیلانا۔ ہر ہندو راجہ کا فرض تھا کہ ہر سات کے بند ہوتے ہی دشاہرا بنا کر دہشوں کو جیتنے کے لیے کڑی لے کر نکلے۔ چکرورتی راج کا کام کرنا، ساری دنیا کو ایک چکر کی چھایا کے نیچے جمع کرنا ہی راجہ کے اصلی کاموں کے اہم سمجھا جاتا تھا۔ اور وہی راجہ سچے راجہ کے قابل سمجھا جاتا تھا جو لوگ پان اور دگرچہ کا ہمارا سہیل

دھ شاہ میں لکھا ہے کہ راجہ کو اچھے گھوڑوں سے سمپنن ہونا چاہیے۔ گھوڑوں میں اچھا کھل، شور، بھرتا، سہا کے کمان کی سہا، دھرم شاستر کا گمان، راجہ دھرم کے سدھارتوں کی جانکاری اور سدچار شامل ہیں۔ جس راجہ میں یہ خوبیاں نہیں، جس کے بدن کے کسی انگ میں خرابی ہے یا جو روکی ہے وہ راجہ سنگھاسن پر بیٹھنے کے لائق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ راجہ کی ذمہ داری اتنی بھاری تھی کہ اس عہدے کو موروثی نہیں بنایا گیا۔ اسی لئے کبھی وراثت کا قانون نہیں تھا۔

راجاؤں کو اُنچے پد، ذمہ داری کے کاموں اور بھاری کثرتوں کے بیکار سے اُنکی اُپادھی دی جاتی تھی۔ گورنر کے راجاؤں کے خطاب یہ تھے—مہاراج، راجا دھیراج، پریشور، پرہارک، پریشہن، ساروہم، چکرورتی، دھرم پرور، تک۔

ہندو راجنیتی میں جو راج کی پرکرتی، راج کے دھرم، راج کے مکرر سد بتلائے گئے ہیں ان کا مقابلہ اسلامی راجنیتی سے کریں تو دونوں کے بہد اور سامانیتوں کا پتا چلتا ہے۔ اسلام آدمی کے جین کے سب انگوں کو ایک رشتہ میں بندھا مانتا ہے۔ وہ دھرم اور دیوہار، پرلوک اور اس لوک کے ارتھوں کو ایک انگ نہیں سمجھتا۔ آدمی کسی بھی کام میں لگے—کنبہ کے دھندوں میں، دھن دولت کے پیدا کرنے میں، ایشور پوجا میں—سب کاموں میں اُس کے لئے نیم ہوتے ہیں جو اُس کی دھرم بستک قرآن میں دئے ہوئے ہیں۔

اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ ساری دنیا کا دھرم ہے۔ وہ نہ جانتیوں میں پیدا کرتا ہے نہ آدمیوں کے رنگوں میں۔ کل دنیا اور سب جاتیوں کو ایک سماج، ایک راج کی ایک مضبوط رسی میں بانڈھنا اُس کا آدھ ہے۔ ایسی صورت میں سب دنیا کے لئے ایک قانون کا ہونا ضروری ہے اور یہ قانون کسی آدمی کا بنایا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ شریعت کا قانون تو اللہ کا بھیجا ہوا ہے، سب کے اوپر ایکساں لاگو ہے۔ اِس قانون کو پانے والا اللہ کا رسول یا پیغمبر ہے اور اِس قانون کی رشا کرنے والا خلیفہ، بادشاہ یا مسلمان۔ قرآن میں آیا ہے:—

عظمیٰ، اللہ ہی عظمیٰ، الرسول الامر منکم

عظمیٰ، اللہ ہی عظمیٰ، الرسول الامر منکم

”وہ لوگو، انکار کی ہوا بکھری، رسول کی ہوا بکھری کرو اور انکی ہوا بکھری کرو جو تم میں حاکم ہیں۔“

اپنی شہریت میں حضرت محمد رسول تھے اور حاکم بھی تھے۔ پر ان کے مرنے کے بعد ان کے خلیفہ اسلامی ملت کے حاکم ہوئے، ساتھ ساتھ وہ امام اور امیر المؤمنین بھی کہلاتے۔ خلیفہ کی حیثیت سے وہ حضرت محمد کے وارث تھے لیکن اس رقبہ کے ساتھ کہ ان کو پرفہموری کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ مہر کی حیثیت سے وہ مسلمانی فوجوں کے سپہاچی تھے اور امام کی حیثیت سے مذہبی کاموں میں پیشوا تھے۔

خلیفہ کے فرض یہ تھے کہ وہ دھرم کا پالان کریں، مسکدوں کا فیسلا کریں، فوجداری کانون کے متاثرین سزا دیں، دہش کی دیکھ کر، دشمنوں سے جنگ کریں، محصول جمع کریں، ریبوں کی مدد کریں، وزیر اور عہددار مقرر کریں اور راج کاچ ایلظام کریں۔ ان فرضوں کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کو اختیار تھا کہ اپنا خلیفہ چن لیں۔ چناؤ کی شرطیں یہ تھیں کہ جسے چنا جائے وہ سداچاری ہو، دھرم شاستر (فقہ) پالنے والا ہو، آئندہ ناک ہاتھ پاؤں سے ٹھیک ہو، کانا کٹا نہ ہو، لولا نہ ہو، بہادر ہو، قریب و دُور کا ہو۔

اسلامی سدھانتوں کے مطابق خلیفہ کے اختیار ایشور کی طرف سے ہیں اور سب مسلمانوں کا کرتوبہ ہے کہ اُس کی آئیاں و مانیں۔ خلیفہ کو اسی وچار سے ظل اللہ (ایشور کا سایہ) کی اُنچائی بدوی دی گئی۔ لیکن اِس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ خلیفہ کے اختیاروں کی کوئی حد بندی نہیں تھی۔ اِس کا فرض تھا کہ شریعت (دھرم کے قانونوں) کی پابندی دے، کیونکہ شریعت ایشور کے دیئے ہوئے قانونوں پر شرت ہے۔ شریعت آدمی کے سہی کاموں اور جیوں کے ہر انگ و حاوی ہے۔ اِس لئے خلیفہ یا حاکم کو قانونی معاملات میں بہت کم دخل ہے۔ خلیفہ کو شریعت کی ویاکھیا کا حق ہے و اُس میں کھٹانے بڑھانے کا نہیں۔

اسلامی اتھاس میں ایک سماج اور ایک راج کا آدرش بہت دنوں تک قائم نہ رہا۔ جیوں جیوں اسلامی سامراج پھیلتا گیا دنیا کے الگ حصوں میں حاکم خود مختاری حکومتیں بنائے گئے۔ اور یہ سوال پیدا ہوا کہ خلیفہ اور ان حاکموں کے بیچ میں کیا رشتہ ہونا چاہئے۔ کچھ راج نہتی شاستریوں کی رائے میں ان حاکموں کو خلیفہ کا نائب سمجھنا چاہئے۔ اِس خیال سے ہندستان کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے خطابوں میں ایسے نام رکھے جیسے بھین خلیفت اللہ (اللہ کے خلیفہ کا دایاں ہاتھ)، ناصر امیر المؤمنین (امیر المؤمنین کا مددگار)، سلطان (حکومت کرنے والا)۔

”وہ لوگو، انکار کی ہوا بکھری، رسول کی ہوا بکھری کرو اور انکی ہوا بکھری کرو جو تم میں حاکم ہیں۔“

اپنی زندگی میں حضرت محمد رسول تھے اور حاکم بھی تھے۔ پر ان کے مرنے کے بعد ان کے خلیفہ اسلامی ملت کے حاکم ہوئے، ساتھ ساتھ وہ امام اور امیر المؤمنین بھی کہلاتے۔ خلیفہ کی حیثیت سے وہ حضرت محمد کے وارث تھے لیکن اس رقبہ کے ساتھ کہ ان کو پرفہموری کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ مہر کی حیثیت سے وہ مسلمانی فوجوں کے سپہاچی تھے اور امام کی حیثیت سے مذہبی کاموں میں پیشوا تھے۔

خلیفہ کے فرض یہ تھے کہ وہ دھرم کا پالان کریں، مسکدوں کا فیسلا کریں، فوجداری کانون کے متاثرین سزا دیں، دہش کی دیکھ کر، دشمنوں سے جنگ کریں، محصول جمع کریں، ریبوں کی مدد کریں، وزیر اور عہددار مقرر کریں اور راج کاچ ایلظام کریں۔ ان فرضوں کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کو اختیار تھا کہ اپنا خلیفہ چن لیں۔ چناؤ کی شرطیں یہ تھیں کہ جسے چنا جائے وہ سداچاری ہو، دھرم شاستر (فقہ) پالنے والا ہو، آئندہ ناک ہاتھ پاؤں سے ٹھیک ہو، کانا کٹا نہ ہو، لولا نہ ہو، بہادر ہو، قریب و دُور کا ہو۔

اسلامی سدھانتوں کے مطابق خلیفہ کے اختیار ایشور کی طرف سے ہیں اور سب مسلمانوں کا کرتوبہ ہے کہ اُس کی آئیاں و مانیں۔ خلیفہ کو اسی وچار سے ظل اللہ (ایشور کا سایہ) کی اُنچائی بدوی دی گئی۔ لیکن اِس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ خلیفہ کے اختیاروں کی کوئی حد بندی نہیں تھی۔ اِس کا فرض تھا کہ شریعت (دھرم کے قانونوں) کی پابندی دے، کیونکہ شریعت ایشور کے دیئے ہوئے قانونوں پر شرت ہے۔ شریعت آدمی کے سہی کاموں اور جیوں کے ہر انگ و حاوی ہے۔ اِس لئے خلیفہ یا حاکم کو قانونی معاملات میں بہت کم دخل ہے۔ خلیفہ کو شریعت کی ویاکھیا کا حق ہے و اُس میں کھٹانے بڑھانے کا نہیں۔

اسلامی اتھاس میں ایک سماج اور ایک راج کا آدرش بہت دنوں تک قائم نہ رہا۔ جیوں جیوں اسلامی سامراج پھیلتا گیا دنیا کے الگ حصوں میں حاکم خود مختاری حکومتیں بنائے گئے۔ اور یہ سوال پیدا ہوا کہ خلیفہ اور ان حاکموں کے بیچ میں کیا رشتہ ہونا چاہئے۔ کچھ راج نہتی شاستریوں کی رائے میں ان حاکموں کو خلیفہ کا نائب سمجھنا چاہئے۔ اِس خیال سے ہندستان کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے خطابوں میں ایسے نام رکھے جیسے بھین خلیفت اللہ (اللہ کے خلیفہ کا دایاں ہاتھ)، ناصر امیر المؤمنین (امیر المؤمنین کا مددگار)، سلطان (حکومت کرنے والا)۔

خود میں خلیفہ ایک مقررہ تھا، پر پہلے چار خلیفوں کے بعد اس کی خاصیت میں تبدیلی آگئی اور مذہب کے ساتھ دنیا کی بادشاہت کے تحت خلافت کی طاقت بالکل ختم ہو گئی تو صرف نام رہ گیا اور اس کے ساتھ عہدہ کا مان۔ اسلامی دیشوں کے حاکم اپنے اپنے راجہ کے مالک بن گئے جو خلیفہ کی دیکارے کی عزت کرتے تھے۔ وہ مسجد میں خطبہ (جمعہ کی نماز میں منبر سے دیکھایا) میں خلیفہ کا نام لیتے تھے اور اپنے سکوں پر ان کے نام کا ٹھہ لگاتے تھے۔ یہ سب اس لئے بھی ہوتا تھا کہ مسلمان رعایا کے دلوں پر یہ اثر ڈالیں کہ ان کی حکومت خلیفوں کی آگیاؤں پر نبرہ ہے۔ هندستان کی تاریخ میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ التمش نے 1229 میں خلیفہ سے فرمان منگا یا اور اسے دربار میں بڑے آخر کے ساتھ بڑھکر سنایا۔ محمد بن تغلق جو 1325 میں سنگھاسن پر بیٹھا بڑی کٹھناٹیوں میں پھنسا۔ اس نے اپنے راج کے اٹھارہویں سال میں خلیفہ سے سند حاصل کی۔

جب مغلوں نے دلیلی پر کرجا کیا اس وقت خلیفہ تھو کے ہاٹھ میں تھی، پر مغل انھیں خلیفہ ماننے کو تیار نہ تھے۔ ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ مغل بادشاہت کو کن اصولوں پر قائم کریں۔ باور نے جس بادشاہت کی داغ بیل ڈالی اس پر اس کے بعد کے بادشاہوں نے ایک شاندار محل کھڑا کیا۔ اس کا پورا نقشہ ابوالفضل نے انیس اکبری میں کھینچا اور اس سے اکبری راج کے اصولوں کی تصویر ہماری نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔ ابوالفضل لکھتا ہے—

”اس فیائے کرنے والے (ایشور) کے سامنے جس کے سامان کوئی دوسرا نہیں، بادشاہی سے بڑھکر کوئی رتبہ نہیں اور جتنے بدیمان لوگ ہیں وہ اسی کے اقبال کے سوتے سے پیاس بجھاتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ بادشاہی آدمیوں کے گروہوں کے درودھ کا علاج اور رعایا کے حکم ماننے کی وجہ ہے۔ اس بات کو بادشاہ کا لفظ بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ”پاد“ کے معنی ہیں پرستش اور اٹھیکار (مضبوطی اور قبضہ) اور ”شاہ“ کے معنی ہیں جز (اصل) اور مالک (خداوند)۔ بادشاہ پرستش اور اٹھیکار کا سوتا اور ایشور ہے۔ آج حکومت کا دبدبہ نہ رہے تو جھکے کی آندھی کیسے دب سکتی ہے اور سوارتھ کی ہرائی کیسے دور ہو سکتی ہے؟ آدمی کام اور کردہ کے بس میں آکر ناش کے گڑھے میں گر پڑیں، دنیا میں چلوں اور سے رونق آئے جائے اور تھوڑے دنوں میں پرتھی سولی ہو جائے... شاہ کا مطلب اس چیز سے بھی ہوتا ہے جو سب سے اچھی ہو جیسے شاہ سولہ اور شاہ راہ۔

”اس فیائے کرنے والے (ایشور) کے سامنے جس کے سامان کوئی دوسرا نہیں، بادشاہی سے بڑھکر کوئی رتبہ نہیں اور جتنے بدیمان لوگ ہیں وہ اسی کے اقبال کے سوتے سے پیاس بجھاتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ بادشاہی آدمیوں کے گروہوں کے درودھ کا علاج اور رعایا کے حکم ماننے کی وجہ ہے۔ اس بات کو بادشاہ کا لفظ بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ”پاد“ کے معنی ہیں پرستش اور اٹھیکار (مضبوطی اور قبضہ) اور ”شاہ“ کے معنی ہیں جز (اصل) اور مالک (خداوند)۔ بادشاہ پرستش اور اٹھیکار کا سوتا اور ایشور ہے۔ آج حکومت کا دبدبہ نہ رہے تو جھکے کی آندھی کیسے دب سکتی ہے اور سوارتھ کی ہرائی کیسے دور ہو سکتی ہے؟ آدمی کام اور کردہ کے بس میں آکر ناش کے گڑھے میں گر پڑیں، دنیا میں چلوں اور سے رونق آئے جائے اور تھوڑے دنوں میں پرتھی سولی ہو جائے... شاہ کا مطلب اس چیز سے بھی ہوتا ہے جو سب سے اچھی ہو جیسے شاہ سولہ اور شاہ راہ۔

جب مغلوں نے دلی پر قبضہ کیا اس وقت خلافت ترکوں کے ساتھ میں تھی پر مغل انہیں خلیفہ ماننے کو تیار نہ تھے۔ ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ مغل بادشاہت کو کن اصولوں پر قائم کریں۔ باور نے جس بادشاہت کی داغ بیل ڈالی اس پر اس کے بعد کے بادشاہوں نے ایک شاندار محل کھڑا کیا۔ اس کا پورا نقشہ ابوالفضل نے انیس اکبری میں کھینچا اور اس سے اکبری راج کے اصولوں کی تصویر ہماری نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔ ابوالفضل لکھتا ہے—

”اس فیائے کرنے والے (ایشور) کے سامنے جس کے سامان کوئی دوسرا نہیں، بادشاہی سے بڑھکر کوئی رتبہ نہیں اور جتنے بدیمان لوگ ہیں وہ اسی کے اقبال کے سوتے سے پیاس بجھاتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ بادشاہی آدمیوں کے گروہوں کے درودھ کا علاج اور رعایا کے حکم ماننے کی وجہ ہے۔ اس بات کو بادشاہ کا لفظ بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ”پاد“ کے معنی ہیں پرستش اور اٹھیکار (مضبوطی اور قبضہ) اور ”شاہ“ کے معنی ہیں جز (اصل) اور مالک (خداوند)۔ بادشاہ پرستش اور اٹھیکار کا سوتا اور ایشور ہے۔ آج حکومت کا دبدبہ نہ رہے تو جھکے کی آندھی کیسے دب سکتی ہے اور سوارتھ کی ہرائی کیسے دور ہو سکتی ہے؟ آدمی کام اور کردہ کے بس میں آکر ناش کے گڑھے میں گر پڑیں، دنیا میں چلوں اور سے رونق آئے جائے اور تھوڑے دنوں میں پرتھی سولی ہو جائے... شاہ کا مطلب اس چیز سے بھی ہوتا ہے جو سب سے اچھی ہو جیسے شاہ سولہ اور شاہ راہ۔

اور اسکے ماننے والوں کے ہیں۔ دنیا کی دھن بادشاہ کو برتی ہے اور وہ سندر بہو اُس کی پوجا کرتی ہے۔۔۔۔۔ بادشاہی وہ ج्यوتی ہے جو ایشور سے نکلتی ہے، وہ کیرن ہے جو ایشور سے نکلتی ہے، وہ کرن ہے جو ایشور سے نکلتی ہے، وہ کرن ہے جو ایشور سے نکلتی ہے۔ سب سدریں کی پستوں کی تالیکا اور سارے گزوں کا خزانہ ہے۔ چلتی پھرتی میں اسے فر ایشور (دیوی جیوتی) اور پرانی پھرتی میں کھان خوار (پارماہتک تیج) کہتے ہیں۔

”بادشاہ میں چار خاصیتیں ہونی ضروری ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ کی راہ کو۔ پوجا کے ماں-باپ کی جگہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ریشماں اس کی مہرمانی سے سب سے پہلی ہے اور مت متانتوں کے جھگڑوں سے بچتی ہے۔ دوسرے راہ کا دل اور حوصلہ بڑا ہونا چاہیے۔ تیسرے ایشور پر دنوں دن بڑھتا ہوتا ہے۔ اور چوتھے اُس کا من پرارتھنا اور بھکتی میں لگا رہنا چاہیے۔ اپنے کاموں میں سہلے دیکھتے ہوئے ایشور کو بھولنا نہیں چاہیے اور آفتوں میں پڑ کر مت بھڑکتے نہ ہونا چاہیے۔ بادشاہ کا کام ہے کہ پوجا کی پھلتی اور اُس کے دکھوں کے علاج میں لگا رہے۔“

ابوالفضل کے مطابق بادشاہی ویار کے تین انگ ہیں— ایک اور راہ کو اُس کی اُننتی، دوسرے فوج کی سہلے اور تیسرے پوجا کی بھوتی۔ پہلے انگ میں شاہی خزانہ، ہاتھی، گھوڑے، ساز سامان، کارخانے، دربار، محل، رنواس اور پرہوار شامل ہیں؛ دوسرے میں پیدل، سوار، تو پختانہ، سپاہی اور انس، اور تیسرے میں بھکتی اور گزوں کی آبادی۔ ان تینوں کو ملا کر جہانمانی (لوک پالین) اور جہانداری (دگو جئے) کے اندر رکھا جا سکتا ہے۔

ابوالفضل کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایشور کی شکتی کو ایشور کی دین سمجھنا تھا اور اپنی چیشتاؤں کا بہت اُنچا اُدھر رکھتا تھا۔ جہاں وہ یہ چاہتا تھا کہ راہ کی شکتی کو سماج کے جیون کے ہر ایک انگ میں استعمال کرے، دھرم اور چال چلن کے سدھار میں بھی اور بنج بھوپار اور بھیتی دستکاری کی اُننتی میں بھی، وہاں وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اِس وشال شکتی کو ایشور نے تیار کیا اور فائن کی حدوں سے باہر نہ جانے دے۔ اپنی راہ شکتی کو وہ دنیا کی کسی باہری طاقت سے نیچا ماننے کو تیار نہ تھا۔ اسی لئے اُس نے اپنے خطابوں کے ذریعہ اپنی پوری آزادی کا اعلان کیا۔ اُس کے خطاب یہ تھے—

سلطان الانظم (سلطانوں میں سب سے بڑا سلطان)

خاقان معظم (بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ)

خالی کاغذ-مختصر (اُچی پدھی والا خلیفہ)
ہمامہ عابد (مکتبہ پشاور)

بادشاہِ عرش کا ارش ہے۔ اسلئے اسنے کورنشا،
تسلیم، ارمیوس، نثر اور نیا کا رواج جاری
کیئے۔ عرش کی آواہ میں سارے جگت کے پراپی ایک سمان
ہے، اسیلئے اکبر نے ہندو، مسلمان، جین، اسیا
سب کے ساآ ایکسا برتاو مونسب سمما۔ یہی سلھ
کل (سب کے ساآ پرم) کی نیلی آہ جسنے ہندوستان
کی تاریآ میں اس جگمگاتے سلھلے پننے کا اآکا
جسکو پدکر آج بھی ہم اپنے کرمی جیوں کے لئے
اچھا سبق ااصل کر سکتے ہیں۔

خلیفہ مکتی (اُچی پدھی والا خلیفہ)
امام عادل (مکتبہ پشاور)

بادشاہِ عرش کا ارش ہے۔ اسلئے اسنے کورنشا،
تسلیم، ارمیوس، نثر اور نیا کا رواج جاری
کیئے۔ عرش کی آواہ میں سارے جگت کے پراپی ایک سمان
ہے، اسیلئے اکبر نے ہندو، مسلمان، جین، اسیا
سب کے ساآ ایکسا برتاو مونسب سمما۔ یہی سلھ
کل (سب کے ساآ پرم) کی نیلی آہ جسنے ہندوستان
کی تاریآ میں اس جگمگاتے سلھلے پننے کا اآکا
جسکو پدکر آج بھی ہم اپنے کرمی جیوں کے لئے
اچھا سبق ااصل کر سکتے ہیں۔

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

انوارِ ادب—شری مجیب رضوی

انوارِ ادب—شری مجیب رضوی

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کا جو کوئی بندہ
دنیا کے سوا کوئی اور (بے پرواہی) کی نگاہ سے
دیکھتا ہے اسے اللہ نے اس کی زبان کو ایسا بنا
دیتا ہے کہ وہ اسی کوئی اور کی روشنی میں بولتی ہے۔ ایشور اے
دنیا کی برائیاں اور بیماریاں اور ان سب کا علاج بتا دیتا ہے
اور اے ان سب کے بیچ سے بچنا ہوا آفتِ شانی کے لڑکے
میں پہنچا دیتا ہے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کا جو کوئی بندہ
دنیا کے سوا کوئی اور (بے پرواہی) کی نگاہ سے
دیکھتا ہے اسے اللہ نے اس کی زبان کو ایسا بنا
دیتا ہے کہ وہ اسی کوئی اور کی روشنی میں بولتی ہے۔ ایشور اے
دنیا کی برائیاں اور بیماریاں اور ان سب کا علاج بتا دیتا ہے
اور اے ان سب کے بیچ سے بچنا ہوا آفتِ شانی کے لڑکے
میں پہنچا دیتا ہے۔“

—ابو زر : بھٹی۔

—ابو زر : بھٹی۔

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کا جو کوئی بندہ
دنیا کے سوا کوئی اور (بے پرواہی) کی نگاہ سے
دیکھتا ہے اسے اللہ نے اس کی زبان کو ایسا بنا
دیتا ہے کہ وہ اسی کوئی اور کی روشنی میں بولتی ہے۔ ایشور اے
دنیا کی برائیاں اور بیماریاں اور ان سب کا علاج بتا دیتا ہے
اور اے ان سب کے بیچ سے بچنا ہوا آفتِ شانی کے لڑکے
میں پہنچا دیتا ہے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کا جو کوئی بندہ
دنیا کے سوا کوئی اور (بے پرواہی) کی نگاہ سے
دیکھتا ہے اسے اللہ نے اس کی زبان کو ایسا بنا
دیتا ہے کہ وہ اسی کوئی اور کی روشنی میں بولتی ہے۔ ایشور اے
دنیا کی برائیاں اور بیماریاں اور ان سب کا علاج بتا دیتا ہے
اور اے ان سب کے بیچ سے بچنا ہوا آفتِ شانی کے لڑکے
میں پہنچا دیتا ہے۔“

—ابو زر : بھٹی۔

—ابو زر : بھٹی۔

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کا جو کوئی بندہ
دنیا کے سوا کوئی اور (بے پرواہی) کی نگاہ سے
دیکھتا ہے اسے اللہ نے اس کی زبان کو ایسا بنا
دیتا ہے کہ وہ اسی کوئی اور کی روشنی میں بولتی ہے۔ ایشور اے
دنیا کی برائیاں اور بیماریاں اور ان سب کا علاج بتا دیتا ہے
اور اے ان سب کے بیچ سے بچنا ہوا آفتِ شانی کے لڑکے
میں پہنچا دیتا ہے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کا جو کوئی بندہ
دنیا کے سوا کوئی اور (بے پرواہی) کی نگاہ سے
دیکھتا ہے اسے اللہ نے اس کی زبان کو ایسا بنا
دیتا ہے کہ وہ اسی کوئی اور کی روشنی میں بولتی ہے۔ ایشور اے
دنیا کی برائیاں اور بیماریاں اور ان سب کا علاج بتا دیتا ہے
اور اے ان سب کے بیچ سے بچنا ہوا آفتِ شانی کے لڑکے
میں پہنچا دیتا ہے۔“

پیر अगर तुम्हारी किसी कमजोरी को जानने के कारण कोई तुम्हें बुरा भला कहता है और तुम से नफरत करता है तो तुम उसकी उन कमजोरियों के आधार पर जिन्हें तुम जानते हो उससे नफरत न करो ताकि तुम्हें इस नेकी का इनाम मिल सके और उसका पाप उसके सर रहे.

—जावیر بن سلیمان : अबوداؤد.

मुहम्मद साहब ने कहा :—“जो मर चुके हैं उन्हें बुरा भला न कहो क्योंकि ऐसा करके तुम उन लोगों का दिल दुखाते हो जो खिन्दा हैं.

—युरौरा : तिरमिची.

मुहम्मद साहब ने कहा :—“आँखों का व्यभिचार (बदचलनी) किसी को बुरी निगाह से देखना है, कानों का व्यभिचार बुरी बातों को सुनकर उनमें रस लेना है, ज़बान का व्यभिचार बुरी बातों का बोलना है, हाथों का व्यभिचार बिना इज़्ज़ के किसी को हाथ लगाना है, पैरों का व्यभिचार बुरे इरादों से कहीं जाना है. दिल बुरे काम की इच्छा करता है, अपने में लालसा पैदा करता है, और आदमी की इन्द्रियाँ (हवास) या तो उस बुराई को अमल में लाती हैं और या बुराई के इरादों को ही ख़तम कर देती हैं.”

—बुख़ारी; मुसलिम; अबुदाؤद.

पैगम्बर ने अपने साथियों से पूछा :—“आप लोग किसे बलवान समझते हैं ?” उनके साथियों ने कहा—“उसे जो दूसरे को कुशाती में पछाड़ दे.” पैगम्बर ने कहा—“नहीं ! वह आदमी सब से ज्यादा बलवान है जो गुस्से में अपने ऊपर काबू रखता है.”

—इब्न मसऊद : मुसलिम; अबुदाؤद.

मुहम्मद साहब ने कहा कि :—“वह आदमी बलवान या बहादुर नहीं है जो लोगों को पछाड़ देता है, हम में से वह आदमी बलवान और बहादुर है जो अपने गुस्से को काबू में कर लेता है.”

—बुख़ारी; मुसलिम.

मुहम्मद साहब ने कहा कि :—“सच बात यह है कि आदम के बेटों के दिलों में गुस्सा एक शोले की तरह है. क्या गुस्से वाले आदमी के आँखों की लाली और उसके गले की फूलती हुई नसें तुम्हें दिखाई नहीं देती ? यदि इन अलामतों में से कोई भी किसी को अपने अन्दर अनुभव हो तो उसे तुरन्त ज़मीन पर बैठ जाना चाहिये.”

—अबुसईद अलखुदरी : तिरमिची.

اور اگر تمہاری کسی کمزوری کو جاننے کے کارنے کوئی تمہیں برا بھلا کہتا ہے اور تم سے نفرت کرتا ہے تو تم اُس کی اُن کمزوریوں کے اُدھار پر چلے تم جانتے ہو اُس سے نفرت نہ کرو۔ تاکہ تمہیں اِس نہی کا اِنعام مل سکے اور اُس کا پاپ اُس کے سر رہے۔“

—جاویر بن سلیمان : ابوداؤد.

محمد صاحب نے کہا :—“جو مرنے چکے ہیں انہیں برا بھلا نہ کہو کیونکہ ایسا کر کے تم اُن لوگوں کا دل دکھاتے ہو جو زندہ ہیں۔“

—مفیدہ : ترمذی.

محمد صاحب نے کہا :—“انکھوں کا وہیچار (بدچلنی) کسی کو بری نگاہ سے دیکھنا ہے، کانوں کا وہیچار بری باتوں کو سنکر اُن میں راس لینا ہے، زبان کا وہیچار بری باتوں کا بولنا ہے، ہاتھوں کا وہیچار ہنا حق کے کسی کو ہاتھ لگانا ہے، پیروں کا وہیچار برے اِرادوں سے کہیں جانا ہے. دل برے کام کی اِچھا کرتا ہے، اپنے میں لالسا پیدا کرتا ہے، اور آدمی کی اِندریاں (حواس) یا تو اُس برائی کو عمل میں لاتی ہیں اور یا برائی کے اِرادوں کو ہی ختم کر دیتی ہیں۔“

—بخاری؛ مسلم؛ ابوداؤد.

پیغمبر نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا :—“آپ لوگ کسے بلوان سمجھتے ہیں ؟” اُن کے ساتھیوں نے کہا—“اُسے جو دوسرے کو کشتی میں پھینک دے.” پیغمبر نے کہا—“نہیں ! وہ آدمی سب سے زیادہ بلوان ہے جو غصے میں اپنے اوپر قابو رکھتا ہے.”

—ابن مسعود : مسلم؛ ابوداؤد.

محمد صاحب نے کہا کہ :—“وہ آدمی بلوان یا بہادر نہیں ہے جو لوگوں کو پھینک دیتا ہے، ہم میں سے وہ آدمی بلوان اور بہادر ہے جو اپنے غصے کو قابو میں کر لیتا ہے.”

—بخاری؛ مسلم.

محمد صاحب نے کہا کہ :—“سچ بات یہ ہے کہ آدم کے بیٹوں کے دلوں میں غصہ ایک شعلے کی طرح ہے. کیا غصہ والے آدمی کے انکھوں کی لالی اور اُس کے گلے کی پھولتی ہوئی نسیں تمہیں دکھائی نہیں دیتیں ؟ یہی اُن علامتوں میں سے کوئی بھی کسی کو اپنے اندر اُتوہو ہو تو اُسے ترنت زمین پر بیٹھ جانا چاہئے.”

—ابو سعید الخدری : ترمذی.

محمّد صاحب نے کہا :—”کچھ ہونے کی حالت میں اگر تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو اسے بیٹھ جانا چاہئے؛ پھر اگر اس کا غصہ اتر جائے تو اچھا نہیں تو اسے لیٹ جانا چاہئے۔“

—ابوداؤد۔

—ابوداؤد۔

پیرامبر کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا—”اے رسول ! مجھے کوئی ایسی بات بتائے جس کا میں پالنے کیا کروں لیکن وہ بات میرے لئے اتنی کٹھن نہ ہو کہ میں اس سے سب بھول جاؤں“ پیرامبر نے جواب دیا—”غصہ نہ کیا کرو۔“

—بخاری؛ مسلم؛ ترمذی۔

پیرامبر نے کہا :—”کسی کی چوغلی کرنا اپنے بھائی کا مانس نہالنے کے برابر ہے۔ جو کوئی کسی کو اس سے روکتا ہے خدا کے سامنے اس کا یہ حق قائم ہو جاتا ہے کہ خدا اسے دوزخ کی آگ سے بچالے۔“

—بہکری۔

انصار میں سے ایک آدمی محمد صاحب کے پاس آیا اور اس نے ان سے بیک مانگی۔ پیرامبر نے اس سے پوچھا—”کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟“ اس نے کہا—”ہاں میرے پاس ایک اونٹنی درو ہے جس کا ایک حصہ ہم اڑھتے ہیں اور دوسرا ہم بچھاتے ہیں اور ہمارے پاس ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔“ پیرامبر نے کہا کہ—”یہ دونوں چیزیں لیکر تم میرے پاس آؤ۔“ وہ آدمی دونوں چیزیں محمد صاحب کے پاس لیکر آیا۔ انہوں نے ان چیزوں کو ہاتھ میں لیکر کہا—”ان دونوں چیزوں کو کون خریدیگا؟“ ایک آدمی نے کہا—”میں ایک درم میں دونوں چیزیں خرید لوں گا۔“ پیرامبر نے پھر کہا—”کوئی ہے جو ایک درم سے ادھک دے؟“ یہ بات انہوں نے دو بارہ تبارہ کہی۔ ایک دوسرے آدمی نے کہا—”میں دونوں چیزوں کے لئے دو درم دے دوں گا۔“ پیرامبر نے دونوں چیزیں اس آدمی کے حوالے کر دیں اور دو درم لیکر چیزوں کے مالک کو دیکر کہا—”ان میں سے ایک درم کا کھانا خریدو اور اپنے گھروالوں کو پہنچا دو اور دوسرے درم سے ایک کھانسی خرید لو۔ اسے لیکر میرے پاس آؤ۔“ انہوں نے لیکر وہ آدمی محمد صاحب کے پاس آیا۔ پیرامبر نے اپنے ہاتھوں سے اس میں بیٹھ لگایا اور کہا—”جاؤ جنگل سے لکڑی کاٹ کر لاکھڑو اور پندرہ دن تک مجھے شکل نہ دکھانا۔“ اس آدمی نے ویسا ہی کیا جیسا اسے حکم ملا تھا۔ جب اس کے پاس دس درم ہو گئے تب وہ آدمی محمد صاحب کے پاس

—بہکری۔

آیا۔ اس رکن میں سے کچھ کا اُسنے کپڑا خیریتاً اور باقی کا خانا۔ پیرامبر نے تب کہا—”قیامت کے دن کالک پوتے سامنے آنے سے یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔“

آپا۔ اس رقم میں سے کچھ کا اُس نے کپڑا خریدا اور باقی کا کھانا۔ پیرامبر نے تب کہا—”قیامت کے دن کالک پوتے سامنے آنے سے یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔“

—آنس: ابوداؤد۔

—آنس: ابوداؤد۔

محمد صاحب نے کہا—”سچ یہ ہے کہ پاس رکھتے ہوئے بھیک مانگنا جائز نہیں ہے، اور نہ اُن لوگوں کے لئے بھیک مانگنا جائز ہے جن کا شریعہ مضبوط ہے یا جو خاصی اچھی طرح رہتے ہیں۔ مانگنا اُس کے لئے جائز ہے جو نادار ہے اور دھم سے جیون ویتھ کرتا ہے، یا جس کا دیوانہ نکل گیا ہے اور جو قرض میں دبا ہوا ہے، اور جو کوئی اپنا دھن بڑھانے کے لئے دوسروں سے بھیک مانگتا ہے قیامت کے دن اُس کے بدن پر داغ ہونگے اور اُس کا شریعہ زخموں سے بھرا ہوگا اور اُس پر اُسے بری طرح دوزخی پتھر کھائے ہونگے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں ہے کہ یا تو اپنی تھوڑی سی پونجی سے سنتشٹ رہو اور یا اپنی پونجی کو بھیک مانگ کر بڑھانے کی کوشش کرو۔“

محمد صاحب نے کہا—”سچ یہ ہے کہ پاس رکھتے ہوئے بھیک مانگنا جائز نہیں ہے، اور نہ اُن لوگوں کے لئے بھیک مانگنا جائز ہے جن کا شریعہ مضبوط ہے یا جو خاصی اچھی طرح رہتے ہیں۔ مانگنا اُس کے لئے جائز ہے جو نادار ہے اور دھم سے جیون ویتھ کرتا ہے، یا جس کا دیوانہ نکل گیا ہے اور جو قرض میں دبا ہوا ہے، اور جو کوئی اپنا دھن بڑھانے کے لئے دوسروں سے بھیک مانگتا ہے قیامت کے دن اُس کے بدن پر داغ ہونگے اور اُس کا شریعہ زخموں سے بھرا ہوگا اور اُس پر اُسے بری طرح دوزخی پتھر کھائے ہونگے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں ہے کہ یا تو اپنی تھوڑی سی پونجی سے سنتشٹ رہو اور یا اپنی پونجی کو بھیک مانگ کر بڑھانے کی کوشش کرو۔“

—تیرمچی۔

—ترمزی۔

محمد صاحب نے کہا—”تم میں جو کوئی اپنی رستی لے کر پھاڑ پر جاتا ہے اور لکڑی کا بوم پٹیٹ پر لاد کر لاتا ہے اور اسے بیچتا ہے تو خدا اُس کی رکشا کرتا ہے۔ دوسروں سے بھیک مانگنے کے مقابلے میں، چاہے وہ دیں یا نہ دیں، یہ کام اُس کے لئے بہتر ہے۔“

محمد صاحب نے کہا—”تم میں جو کوئی اپنی رستی لے کر پھاڑ پر جاتا ہے اور لکڑی کا بوم پٹیٹ پر لاد کر لاتا ہے اور اسے بیچتا ہے تو خدا اُس کی رکشا کرتا ہے۔ دوسروں سے بھیک مانگنے کے مقابلے میں، چاہے وہ دیں یا نہ دیں، یہ کام اُس کے لئے بہتر ہے۔“

—جوبیر: بخاری۔

—زہیر: بخاری۔

★★★

★★★

منتر پڑھنا، بجن گانا اور مالا فیرنا छोड़, मन्दिर के सारे दरवाजे बन्द कर. इस अंधेरे एकान्त कोने में तू किस की पूजा करता है ? अपनी आंखें खोल कर देख तेरा देवता तेरे सामने नहीं है.

منتر پڑھنا، بجن گانا اور مالا پھیرنا چھوڑ، مندر کے سارے دروازے بند کر۔ اِس اندھیرے اکانت کوئے میں تو کس کی پوجا کرتا ہے ؟ اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ تیرا دیوتا تیرے سامنے نہیں ہے۔

हल चलाने वाला जहां कठोर भूमि में हल चला रहा है और सड़क बनाने वाला जहां पत्थर ताड़ रहा है, भगवान वहां ही उनके साथ धूप में है और बारिश में है, उसका कपड़ा धूल में लतपत है.

هل چلانے والا جہاں کٹھور بھومی میں هل چلا رہا ہے اور سڑک بنانے والا جہاں پتھر توڑ رہا ہے، بھگوان وہاں ہی اُن کے ساتھ دھوپ میں ہے اور بارش میں ہے، اُس کا کپڑا دھول میں لت پت ہے۔

—रविन्द्र नाथ ठाकुर

—رویندر ناتھ ٹھاکر

★★★

★★★

[2]

[2]

परिचित सुन्दरलाल
(پہچلے نمبر سے آگے)

بلذت سندر لال
(پہچلے نمبر سے آگے)

(11)

(11)

एक दिन जब हम हज्ज के इरादे से चले तो अलवर के रास्ते में एक हिन्दू फ़कीर चार चेलों समेत हमारे साथ हो लिए. कहने लगे कि रात को हमारे साथ ठहरना. रात हुई तो हम सब के सब एक धरमशाला में जा उतरे. उन्होंने चेलों से पूछा क्या खाओगे ? सबने अपनी अपनी तबियत की चीज कह दी. वही खाना मौजूद होगया. फिर हमसे पूछा. हमने कहा साहब ! जो आप खाएंगे वही हम खावेंगे. कहा मैं तो मूंग की दाल और चपाती खाया करता हूँ. जब उनका खाना तय्यार हुआ तो हमने भी वही खाया. बात चीत शुरू हुई तो आपस में प्रेम होगया. मैंने उनसे कहा कुछ उपदेश दीजिये. कहने लगे तीन दिन हमारे पास रहो तो चौथे दिन उपदेश देंगे. हम ठहर गए. उन्होंने तीन दिन तक हमसे व्रत रखवाया. फिर कृपादृष्टि डाली और उपदेश दिया. सबमुच बड़े पहुँचे हुए आदमी थे. हम बहुत लोगों से मिले और उपदेश लिया, पर यह बात और यह असर किसी में नहीं देखा. उनकी दृष्टि पड़ते ही हमारा दिल गुलाब के फूल की तरह खिल गया और कायम होगया. एक दिन रूह (आत्मा) के एक जिस्म (शरीर) से दूसरे जिस्म में जाने की बात आई. कहा कि हाँ हो सकता है. क्या तुम तमाशा देखोगे ? मैंने कहा—जरूर. कहा तो एक मरा हुआ जानवर लाओ. अगले दिन हम एक मरा हुआ तोता लाए. रात के वज्रत बह दीवार से तकिया लगाकर बैठ गए और तोते को सामने रख लिया. दिया बुझा दिया. सिसकी लेकर दम खींचा. खट से एक आवाज हुई, बिजली सी चमकी और तोते में जान आगई. हमने उसे पकड़ लिया और बातें करनी शुरू कीं. वह बोल तो न सकता था लेकिन इशारे से बातें करता था. फिर हमने कहा कि अच्छा अब अपने जिस्म में आजाइये. तमाशा देख लिया. वह उसी चमक दमक से अपने जिस्म में आगए. हमने कहा कि यह बात हमको भी सिखला दीजिये. कहा कि अच्छा 15 दिन में सिखला देंगे. अगर रोटी खाने को मना कर दिया. सिर्फ दूध और चावल खाने को कहा और कपाली चढ़ाना बताया. कपाली दो तरह

ایک دن جب ہم حج کے ارادے سے چلے تو اَلور کے راستے میں ایک ہندو فقیر چار چیلوں سمیت ہمارے ساتھ ہوئے۔ کہنے لگے کہ رات کو ہمارے ساتھ ٹھہرنا۔ رات ہوئی تو ہم سب کے سب ایک دھرم شالہ میں جا اُترے۔ انہوں نے چیلوں سے پوچھا کیا کھاؤ گے ؟ سب نے اپنی اپنی طبیعت کی چیز کہی۔ وہی کھانا موجود ہو گیا۔ پھر ہم سے پوچھا۔ ہم نے کہا صاحب ! جو آپ کھائیں گے وہی ہم کھا دیں گے۔ کہا میں تو مونگ کی دال اور چواتی کھایا کرتا ہوں۔ جب اُن کا کھانا تیار ہوا تو ہم نے بھی وہی کھایا۔ بات چیت شروع ہوئی تو آپس میں پریم ہو گیا۔ میں نے اُن سے کہا کچھ اُپدیش دیجئے۔ کہنے لگے تین دن ہمارے پاس رہو تو چوتھے دن اُپدیش دیں گے۔ ہم ٹھہر گئے۔ انہوں نے تین دن تک ہم سے ورت رکھوایا۔ پھر کرپا درشتی ڈالی اور اُپدیش دیا۔ سچ میچ بڑے پہونچے ہوئے آدمی تھے۔ ہم بہت لوگوں سے ملے اور اُپدیش لیا، پر یہ بات اور یہ اثر کسی میں نہیں دیکھا۔ اُن کی درشتی پڑتے ہی ہمارا دل گلاب کے پھول کی طرح کھل گیا اور فایم ہو گیا۔ ایک دن (روح) (آتما) کے ایک جسم (شریر) سے دوسرے جسم میں جانے کی بات آئی۔ کہا کہ ہاں ہو سکتا ہے۔ کیا تم تماشا دیکھو گے ؟ میں نے کہا—ضرور۔ کہا تو ایک مرا ہوا جانور لاؤ۔ اگلے دن ہم ایک مرا ہوا طوطا لائے۔ رات کے وقت وہ دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور طوطے کو سامنے رکھ لیا۔ دیا بجھا دیا۔ سسکی لیکر دم کھینچا۔ کہتے سے ایک آواز ہوئی، بجلی سی چبکی اور طوطے میں جان آگئی۔ ہم نے اُسے پکڑ لیا اور باتیں کرنی شروع کیں۔ وہ بول تو نہ سکتا تھا لیکن اشارے سے باتیں کرتا تھا۔ پھر ہم نے کہا کہ اچھا اب اپنے جسم میں آجائے۔ تماشا دیکھ لیا۔ وہ اُسی چمک دمک سے اپنے جسم میں آگئے۔ ہم نے کہا کہ یہ بات ہم کو بھی سکھا دیجئے۔ کہا کہ اچھا 15 دن میں سکھا دیں گے۔ مگر روٹی کھانے کو منع کر دیا۔ صرف دودھ اور چاول کھانے کو کہا اور کھالی چڑھانا بتایا۔ کھالی دو طرح

کی ہوتی ہے۔ ایک پہلو سے کہیں، جس میں سانس روکنے کے لیے ہوا کاایم رکھنا ہے، دوسری جانب اس میں سانس روکنے کے لیے ہوا بھی نہیں رکھنا۔ اس سے پہلے مٹی، پانی اور کھجور کی پانی پانی 15 دن میں اپنا کام پورا کر دیتا۔ اس نے کئی دن کر کے یہ کام پورا کر دیا، کیونکہ ایک پہلو سے ہوا کاایم رکھنا ہمیں لوگوں سے یاد تھا، اسی لئے 15 دن میں سب کام پورا ہو گیا۔

(12)

(12)

ہندوستان میں ایک ہندو فقیر نے بابا سیتلداس۔ ہم نے سنا کہ ان کی درستی میں بڑا اثر ہے۔ ہم یہی ان کے پاس گئے اور درخواست (پراپتیا) کی۔ انہوں نے کہا تین دن تک لیجئے آپ اس کو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے دن بابا جی نے کہا درستی ڈالی تو سارا جسم شیشہ کی طرح ہو گیا۔ پھر اور باہر رگ و ریشہ سب دکھائی دیتے تھے اور ایک جوت (جوتی) زمین سے آسمان تک چمکی معلوم ہوتی تھی۔ ہم نے عرض کی کہ بابا جی ہم کو—”من عرف نفسه عرف ربه“ [اُرتھت سنجس نے اپنی آتما کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا] کے اُرتھ سمجھا دیئے۔ اس درستی سے تو یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ ہم تو اپنی آتما کو دیکھنا چاہتے ہیں، جسم کو اور سلسلہ کو نہیں۔ غیر کو دیکھا تو کیا دیکھا۔ اصلی دیکھنا تو اپنا ہی دیکھنا ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو مشکل ہے۔ ہم نے کہا کہ اگر یہ مشکل ہے تو ہمارا بھی سہم ہے۔

(13)

(13)

ایک دن جب ہم کعبہ میں پہنچے تو حسن علی زمزمی کے حجرہ (کتاب) میں ٹھہرے۔ کچھ دنوں کے بعد مولوی محمد یعقوب اور مولانا شاہ اسحاق سے ملاقات ہوئی۔ دھیرے دھیرے ان سے آنا جانا بڑھ گیا۔ ایک دن ہم نے مولوی محمد یعقوب سے پوچھا کہ ”اللہ کا جلوہ (پرکاش) کیا عرب اور ہندستان میں کچھ الگ الگ ہے؟“ کہا—”نہیں“۔ پھر ہم نے پوچھا—”ہری دوار اور کعبہ میں کیا فرق ہے؟“ کہا—”کچھ نہیں“۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ—”پھر آپ ہندستان سے کہیں بھاگے؟“ کہا کہ—”بھائی! ہم محمدی ہیں تو ہمیں ہمارے یہ بات چیت مولانا شاہ اسحاق بھی پردے کی آڑ میں بیٹھے سن رہے تھے اور ہم کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس کے بعد ہم نے مولوی محمد یعقوب سے درخواست (پراپتیا) کی کہ ہمیں ”حسن حسن“ (ایک طرح کا منتر) کی اجازت دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ بڑے بھائی صاحب سے لو۔ دوسرے دن شاہ صاحب سے درخواست کی۔ بڑے خطا ہوئے کہ ”نہیں“

ایک دن جب ہم کعبہ میں پہنچے تو حسن علی زمزمی کے حجرہ (کتاب) میں ٹھہرے۔ کچھ دنوں کے بعد مولوی محمد یعقوب اور مولانا شاہ اسحاق سے ملاقات ہوئی۔ دھیرے دھیرے ان سے آنا جانا بڑھ گیا۔ ایک دن ہم نے مولوی محمد یعقوب سے پوچھا کہ ”اللہ کا جلوہ (پرکاش) کیا عرب اور ہندستان میں کچھ الگ الگ ہے؟“ کہا—”نہیں“۔ پھر ہم نے پوچھا—”ہری دوار اور کعبہ میں کیا فرق ہے؟“ کہا—”کچھ نہیں“۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ—”پھر آپ ہندستان سے کہیں بھاگے؟“ کہا کہ—”بھائی! ہم محمدی ہیں تو ہمیں ہمارے یہ بات چیت مولانا شاہ اسحاق بھی پردے کی آڑ میں بیٹھے سن رہے تھے اور ہم کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس کے بعد ہم نے مولوی محمد یعقوب سے درخواست (پراپتیا) کی کہ ہمیں ”حسن حسن“ (ایک طرح کا منتر) کی اجازت دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ بڑے بھائی صاحب سے لو۔ دوسرے دن شاہ صاحب سے درخواست کی۔ بڑے خطا ہوئے کہ ”نہیں“

انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو مشکل ہے۔ ہم نے کہا کہ اگر یہ مشکل ہے تو ہمارا بھی سہم ہے۔

ایک دن جب ہم کعبہ میں پہنچے تو حسن علی زمزمی کے حجرہ (کتاب) میں ٹھہرے۔ کچھ دنوں کے بعد مولوی محمد یعقوب اور مولانا شاہ اسحاق سے ملاقات ہوئی۔ دھیرے دھیرے ان سے آنا جانا بڑھ گیا۔ ایک دن ہم نے مولوی محمد یعقوب سے پوچھا کہ ”اللہ کا جلوہ (پرکاش) کیا عرب اور ہندستان میں کچھ الگ الگ ہے؟“ کہا—”نہیں“۔ پھر ہم نے پوچھا—”ہری دوار اور کعبہ میں کیا فرق ہے؟“ کہا—”کچھ نہیں“۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ—”پھر آپ ہندستان سے کہیں بھاگے؟“ کہا کہ—”بھائی! ہم محمدی ہیں تو ہمیں ہمارے یہ بات چیت مولانا شاہ اسحاق بھی پردے کی آڑ میں بیٹھے سن رہے تھے اور ہم کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس کے بعد ہم نے مولوی محمد یعقوب سے درخواست (پراپتیا) کی کہ ہمیں ”حسن حسن“ (ایک طرح کا منتر) کی اجازت دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ بڑے بھائی صاحب سے لو۔ دوسرے دن شاہ صاحب سے درخواست کی۔ بڑے خطا ہوئے کہ ”نہیں“

ہجرت نہیں دینگے۔ کمال تو دونوں کجا بک رہے تھے؟ ہمنے باکی باہی۔ فیر شاہ ساہب نے ہمنے 'ہیسنہسین' پڈاई خیر ہجرت دی۔ جب ہجرت مل گئی تو ہمنے کہا کہ ہجرت سچ سچ کہے کہ ہم دونوں جو بات چیت کر رہے تھے وہ حقیقت (سچائی) کے خلاف تھی؟ کچھ ٹھہرے، کہنے لگے کہ 'ہاں' سچ تو وہی ہے جو تم کہتے تھے مگر بھائی ہم مسخدیوں کو ایسی بات ملو سے نکالنا اچھا نہیں لگتا، کیونکہ ان باتوں سے حضرت رسول (محمد صاحب) ناراض ہوتے ہوں، ہم نے کہا—'اور خدا؟' جواب دیا—'بس رہنے دو۔ آگے بات چیت نہ کرو۔ آدمی خراب ہو جاتا ہے۔' اس وقت ہم نے کہا—'خدا کا شکر ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھی نکلے۔ بس، ہم کو اتنا ہی جاننا بانی تھا۔' سکر ہنس دیے۔

(14)

ایک دن کعبہ میں ہمارے باپ کا ایک مرید (چلا) شہر کے دن تھوڑا سا حلوہ پکا کو لیا اور کہا کہ بزرگوں (پتروں) کی فاتحہ پڑھ دیجئے۔ ہم نے کہا کہ پہلے مانس دیکھ تو کہی مصیبت اٹھاکر ہم تم یہاں پہونچے ہیں۔ یہاں اس ذرا سے حلوے کے لئے کیوں بزرگوں (پتروں) کو تکلیف دیتا ہے۔ اتنی دور کا سفر، بیچ میں سمندر اور پھر اگر وہ آ بھی گئے تو اتلے سے حلوے میں بھلا کیا ہوگا؟ کیا تو انہیں آپس میں لڑنا چاہتا ہے؟ ہنسکر کہنے لگا 'میاں صاحب! آپ کو تو ہمیشہ مذاق ہی سوجھتا ہے۔ اپنے بزرگوں سے بھی نہیں چوتے! خیر، ہم نے فاتحہ پڑھکر حلوہ بانٹ دیا۔

(14)

ایک دن ہم چولی - مہوش میں پہونچے تو شام ہو گئی۔ ایک آدمی راستے میں ہمارے ساتھ ہولیا۔ اس نے کہا نرجدا نی کے کنارے ایک باہا جی کا مکان ہے۔ چلو اسی میں رات بسر کریں گے۔ باہا جی سے اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتے۔ ہم باہر آئے اور پیل کے پیر کے نیچے بستر لگادیا۔

(15)

ایک دن ہم چولی - مہوش میں پہونچے تو شام ہو گئی۔ ایک آدمی راستے میں ہمارے ساتھ ہولیا۔ اس نے کہا نرجدا نی کے کنارے ایک باہا جی کا مکان ہے۔ چلو اسی میں رات بسر کریں گے۔ باہا جی سے اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتے۔ ہم باہر آئے اور پیل کے پیر کے نیچے بستر لگادیا۔

درویش ہو کجا کہ شب آمد سرائے اوست۔

(ارتھت—فقیر کو جہاں رات ہو جائے وہیں اُس کی سرائے ہے۔)

ایک دن ہم چولی - مہوش میں پہونچے تو شام ہو گئی۔ ایک آدمی راستے میں ہمارے ساتھ ہولیا۔ اس نے کہا نرجدا نی کے کنارے ایک باہا جی کا مکان ہے۔ چلو اسی میں رات بسر کریں گے۔ باہا جی سے اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتے۔ ہم باہر آئے اور پیل کے پیر کے نیچے بستر لگادیا۔

درویش ہرکجا کہ شب آمد سرائے اوست۔
(بھیوت—فکیر کو جہاں رات ہو جاتی وہیں اُس کی سرائے ہے۔)

اپنے ساتھی سے ہم نے کہا کہ پہلی آدھی رات کا پہرا تم دو۔ پہلی آدھی رات ہم جاگتے رہیں گے، کیونکہ یہ ندی کا کنارہ ہے، ممکن ہے کوئی جنگلی جانور چوت کر بیٹے۔ ہم نماز پڑھکر سو گئے۔ وہ جاگتا رہا۔ اتلے میں باہا جی نے اپنے مکان کا پٹاک کھولا اور ہمیں دیکھکر آواز دی—'کون ہے؟' ہم نے کہا—'میری آنکھ کھل گئی۔'

میں نے جواب دیا وہی مسافر چاہیں آپ نے پہلے
پہن دیا۔ بولے کہ چلے آؤ۔ ہم اندر گئے۔ دیکھا کہ ایک بہت
راگڑ ہے۔ چاروں طرف پکی کوٹھریاں بنی ہیں۔ نماز کے لئے
چوڑھے۔ نہالے دھولے کے لئے آگ جگہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔
ایک کوٹھری میں انہوں نے مجھے بیٹھا دیا اور کھانا لائے۔ میں
نے کہا کہ ہم دونوں آدمی مسلمان ہیں، ساتھ کھانا کھا لیں گے۔
ابا جی نے اسے منظور نہ کیا اور کہا کہ نہیں تم الگ کھاؤ،
نہیں دوسری کوٹھری میں الگ کھائیں گے۔ طرح طرح کے
ہوجن میرے سامنے چن دئے گئے، کٹی طرح کے چاول، کٹی
لارچ کی دالیں، طرح طرح کی ترکاریاں، روٹی وغیرہ۔ ہماری
قل دنگ ہوگئی کہ اتنے تہڑے سے وقت میں اس اکیلے
نمی نے یہ چیزیں کھسے تیار کی ہوگی۔ کھانا کھانے کے بعد
لہنے لگے۔ ہمارے انکار سے تم نے برا مانا ہوگا؛ لیکن بات یہ تھی
کہ اگر اُس وقت تمہیں بلا لیتا تو تمہارا آدر سنگار کرتا یا ہوجن
کھانا؟ میں جانتا تھا کہ آج تم ہمارے مہمان ہو گے۔ اسی لئے
جب میں نے سب چیزیں تیار کر لیں تب تمہیں اندر بلایا۔
س کے بعد یہ کہ کو کہ فقور کا اکیلے رہنا ہی بہتر ہے ہم دونوں
و الگ الگ کوٹھریاں سولے کو دیں۔ ایک جگہ نہ سولے دیا۔
بجھ کو ہم نے چلنے کا ارادہ کیا تو بابا جی نے ضد کر کے ہمیں
پھرایا۔ بیس دن تک زبردستی تھرائے رکھا۔ دونوں وقت
سی طرح کا کھانا کھاتے رہے۔ ہمیں اس بات کی بڑی حیرانی
ہی کہ نہ تو وہاں کسی کو پانی پھرتے دیکھا، نہ کسی کو روٹی
کاٹے، نہ دھواں اُٹھتے دیکھا، نہ کبھی کسی کو جھاڑو دیتے دیکھا،
بکن سب مکان بالکل اُچلے اور صاف رہتے تھے۔ بابا جی کی
سورت بھی ایسی سنذر اور منوہر تھی کہ ہم نے اپنی عمر بھر
بہن ایسا سنذر آدمی نہیں دیکھا۔ کالی داڑھی کا عکس
چمکتے ہوئے گالوں پر ایسا پڑتا تھا جیسے شیشہ میں ہو۔
سنگی طاقتیں (مانسک شکتیاں) بھی بڑے آونچے درجے کی
ہیں۔ ہر وقت کلم میں لگے رہتے تھے۔ ایک پہر رات کئے سے
پگھلتے تو صبح کر دیتے تھے۔ جیسے ہیڈر سے پہونچے ہوئے اور
اصل تھے ویسے ہی باہر سے بھی۔ ویدیک وغیرہ میں ہوشیار
ہے۔ ایک دن دو کوڑھی آئے، ایک ہندو تھا دوسرا مسلمان۔
سورت دیکھتے ہی ہندو سے کہا کہ تمہارے گرو نے کچھ چاپ
کھلیا تھا، تم نے اُس چاپ میں استری بھوک کیا، اس لئے
خون چکر کھا گیا۔ اُس نے اپنے قصور کو مان لیا۔ کہنے لگے
ب اپنے گرو کے پاس چلے جاؤ، وہی اس کا کٹ کر دینگے۔
مسلمان سے کہا تھہرو تمہیں دوا دینگے۔ دوسرے دن نربدا
کے اندر آئے گلے بھر پانی میں کھڑا کر کے ایک چاول
پر دوا کھا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھاس کے مارے
پلائے لگا۔ بابا جی نے کہا خبردار! پانی پیئے گا تو فوراً

میرا جاننا، ایک ایک پہر کے بعد اُسے ندی کے اندر ہی گھسیٹتے رہے۔ جب باہر نکلنا تو بدن کھنکھانے لگا تھا۔ پھر اسے بے اختیار کر دیا۔ ہم بیس دن رہے، کچھ بہت نہ کھلا کہ وہ بابا جی فرشتے تھے یا انسان، سورت سے یہ بھی پتا نہ چلتا تھا کہ ہندو ہیں یا مسلمان۔ ایک دن ہم سے کہنے لگے—میاں صاحب! تم کہاں جاؤ گے، ہمارے پاس ہی رہ جاؤ۔ لیکن شرت یہ ہے کہ اگر ہم مر جائیں تو تم ہماری داغ میں رستی باغ کر نبردہ میں لے جا کر ڈال دینا اور اگر تم مر گئے تو ہم پاس کے گاؤں سے اُسی بلاتر مسلمان تھنک سے تمہارا آخری سنسکار کرادینگے۔ لیکن ہم وہاں زیادہ نہ ٹھہرے۔

(16)

ایک دن ہم لکھنؤ کی ایک مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ (سن 57 کے بعد کی بات ہے) اتفاق سے ایک امیر سپر کو جاتا تھا۔ دیکھا تو سلیم سے سلیمین صاحب انگریز آتا تھا۔ اس خیال سے کہ انگریز کو سلام کرنا پڑے گا، وہ امیر چھٹ مسجد میں چلا آیا۔ سلیمین صاحب بھی پیچھے پیچھے مسجد میں آہونچا۔ مدوری طرف دیکھ کر پوچھنے لگا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ صاحب! یہ تو مجھے بھی پتا نہیں کہ میں کون ہوں۔

کچھ نہیں کہتا مجھے میں کون ہوں
صورت حیرت ہوں یا شکل جلوس؟

پھر پوچھا کہ آپ کی قوم کیا ہے؟ میں نے کہا کہ جو حضرت آدم کی قوم ہے۔ کہا آدم کی کیا قوم ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم یہ آدم سے پوچھئے۔ پھر کہا کہ آپ کہاں سے آئے؟ میں نے کہا کہ جہاں سے سب آئے۔ وہ بڑا حیران ہوا اور بولا—صاحب! جو بات ہم پوچھتے ہیں اُس کا اُلٹا ہی جواب دیتے ہو۔ پھر تو اُن سے پریم ہو گیا۔ کبھی کبھی ہمارے پاس آئے لکے۔ ایک دن بڑے پریم سے دعوت کی۔ مطلب یہ کہ فقیر کو چاہئے کہ ہر رنگ کا تماشا دیکھ اور کسی کو برا نہ جائے، کیونکہ اللہ کا ظہور ہر جگہ ایکسا ہے—

خدا ہر شے کے اندر یوں نہاں ہے،
کہ جنوں ہو گل کی گل کے درمیاں ہے۔
ارہات—ایمپور ہر پدارت میں اس طرح چھپا ہوا ہے کہ جس طرح پھول کی گلہ پھول کے اندر چھپی ہے۔

(17)

شہر دلی میں ایک رند (ویشا) بہت خوبصورت کسی امیر کے یہاں رہتی تھی۔ ایک دن گرمی کے دنوں میں اُنہی رات کے بعد اُس کے مکان کے نیچے کسی آدمی نے

شاہر دہلی میں ایک رندی (ویشا) بہت خوبصورت کسی امیر کے یہاں رہتی تھی۔ ایک دن گرمی کے دنوں میں اُنہی رات کے بعد اُس کے مکان کے نیچے کسی آدمی نے

بک بخت پرست (مورتی پوجک) سے لڑائی ہوئی۔ بڑی ذہن رک
دلوں لڑتے رہے۔ کوئی کسی کو ہرا نہ سکا۔ اگلے میں نماز کا
وقت آیا۔ مسلمان نے کہا کہ اب مجھے تھوڑی دیر کے واسطے
چھوٹے دنے تاکہ نماز ادا کر لوں۔ بت پرست نے اجازت
دیدی۔ نماز کے بعد پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اگلے میں بت
پرست کی ہوجا کا وقت ہو گیا۔ اس نے بھی چھٹی چاہی
اور پوجا میں لگ گیا۔ مسلمان کو خیال آیا کہ اب اچھا موقع
ہے۔ اس کا کام تمام کر دو۔ 'تولت غیب (ارشفت) سے آواز
آئی۔ اے بیوٹا! کیا غنول عقدے' (ارتہات—پورا کرو اپنے
وعدوں کو)۔ قرآن کی ایک آیت کا یہی مطلب ہے؟ اس
بات میں تجھ سے تو بت پرست بڑھکر نکلا۔ یہ آواز سنتے
ہی وہ مسلمان شرمندہ ہو کر روئے لگا اور پھر لڑائی سے
باز رہا۔

ایسے ہی آجکل کے مسلمان بھی بیوٹائی میں پکتا (بے
مثال) ہیں۔ لیکن غیب کی آواز انہیں سنائی نہیں دیتی،
اور قرآن شریف کو دیکھتے نہیں۔ اگر دیکھتے ہیں تو عمل
کرتے نہیں۔

برجباں تسمیع و در دل گاؤ وخر،
این چلن تسمیع کے دارد اثر۔

(ارتہات—زبان سے اللہ، اللہ جہم ہیں اور دل میں
بہل اور گدھے کا خیال بھرا ہوا ہے۔ اس طرح کے جاپ سے کیا
اثر ہو سکتا ہے!)

(19)

(19)

جس چیلے نے اپنے پیر کے منہ سے سن کر ان سب
گھنٹاؤں کو لکھا ہے، اس کی یہ عادت تھی کہ جب کہی وہ اپنے
پیر (گرو جی) سے کچھ سننا چاہتا تھا تو ان کے سامنے جا کر
یہ شعر پڑھ دیا کرتا تھا—

باز گو از نجد وز یاران نجد
تادو و دیوار را آری بہ وجد

ایک دن اس نے سامنے آکر یہی شعر پڑھا۔ گرو جی کہے
لئے کہ—

جائی جیسی لکن ہے واکو ویسو رام،
روم روم میں رم زہی نہیں اور سے کام۔
پاس کھڑے تو پاس ہے دور کھڑے تو دور،
جان اچان جہان میں سب میں ہے ہر پور۔
دور کھڑے تو دور ہے پاس کھڑے تو پاس،
روم روم میں رم زہی جیوں پھولن میں باس۔
نہنوں اکراروہی ہلہے مین ہلہل ہرید۔

(قرآن)

(ارتہات—ایہو منشیہ کی گردن کی رگ کی نسبت
ہی اس کے زیادہ نزدیک ہے۔)

یار نچھریکتر آج من بمانست،
 وہی آجکتر کے من آج وہ دورم۔
 وہ کونم تاکہ تھاں گرفت کی ک،
 دُر کینارے من بمان مہجورم۔

(بہرہ)۔—میرا یار میری نیتبہ بھی میرے अधिक निकट
 ہے और आश्चर्य यह है कि मैं उससे दूर हूँ ! क्या कहूँ, मैं
 यह किससे कह सकता हूँ कि वह मेरी बगल में है और मैं
 उससे दूर हूँ ।)

एक राजा था. उसे यह ख्याल हुआ कि आखिर एक
 दिन मरना है, मुक्ति हासिल करने के लिए अपनी आत्मा
 को पहचान लेना चाहिए. इसकी कोई तरकीब करनी चाहिए.
 उसने बहुत से ब्राह्मणों को जमा किया और कहा—कोई ऐसी
 बात बतलाओ जिससे मैं अपनी आत्मा को पहचानने लगूँ
 और जीवनमुक्त हो जाऊँ. ब्राह्मणों ने विचार कर जबाब
 दिया कि महाराज ! एक सोने की गाय बनवाइये. उसे
 ब्राह्मणों को दान दीजिये और इस तरह से और धन बरौरा
 दान दीजिये. 68 तीर्थ कर आइये तो भगवान की दया से
 जीवनमुक्त हो जाइएगा. राजा ने यह सब कर्म किए. पर
 इनसे न वह अपने को पहचान सका न दिल को शान्ति
 मिली और न मुक्ति का कोई लच्छन दिखाई दिया. फिर
 उसने जोगियों की तरफ ध्यान दिया और यही प्रार्थना उनसे
 की. जोगियों ने पहले तो राजा के कान फटवाए और फिर
 ब्रह्मचर्य, बानप्रस्थ, दण्ड कमण्डल और विजया होम बरौरा
 चार तरह की शिक्षा दी. राजा ने यह सब कुछ भी किया.
 लेकिन इसका भी कुछ फल न हुआ. इसके बाद उसने
 मुसलमानों के मौलवियों को जमा किया और यही सबाल
 उनके सामने रखा. उन्होंने कहा कि साहब ! अगर आप
 इस्लाम धर्म मंजूर कर लें तो आपकी खाहिश पूरी हो
 सकती है. राजा ने मंजूर कर लिया. मौलवियों ने उसे
 मुसलमान बनाया. उसका खतना करवाया. उसे नमाज,
 राजा, 'हज्ज', जकात बरौरा की तालीम दी. जब सब
 सीख लिया तो कहा कि अब आप हज्ज के लिये मक्के
 मदीन हा आइये. राजा ने यह सब भी किया. जब वापस
 अपने देश आया तो फिर मौलवियों को जमा किया और
 कहा कि मुझे तो कुछ भी हासिल नहीं हुआ. अब आप
 क्या कहते हैं ?

मक्के गए, मदीने गए, करबला गए,
 जैसे गए थे वैसे ही हिर फिर के आगए.

मौलवियों ने जबाब दिया कि जो कुछ हमारे धर्म में
 था हमने आप को सब बता दिया. इससे ज्यादा हम कुछ
 नहीं जानते. सब तरफ से मायूस (निराश) होकर राजा
 को एक तरह का पागलपन हो गया. एक हाथ से उसने
 अपना कान पकड़ा और दूसरे हाथ से खतने की जगह और

یار نزدیک تر از من به منست +
 وہیں عجب تر کہ من ازوے دورم .
 چہ کنم تاکہ توان گفت کہ او
 در کنار من بمن مہجورم

(ارتہات)۔—میرا یار میری نسبت بھی میرے ادھک نیکٹ
 ہے اور آश्चर्य یہ ہے کہ میں اُس سے دور ہوں . کیا کروں میں
 یہ کس سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ میری بگل میں ہے اور میں
 اُس سے دور ہوں .)

ایک راجہ تھا. اُسے یہ خیال ہوا کہ آخر ایک دن مرنا ہے، مکتی
 حاصل کرنے کے لئے اپنی آتما کو پہچان لینا چاہیئے. اُس کی کوئی
 ترکیب کرنی چاہیئے. اُس نے بہت سے براہمنوں کو جمع کیا اور کہا—کوئی
 ایسی بات بتلاؤ جس سے میں اپنی آتما کو پہچاننے لگوں اور جہن مکت
 ہو جاؤں. براہمنوں نے وجار کر جواب دیا کہ مہاراج ! ایک سونے
 کی گائے بنوائیئے. اُسے براہمنوں کو دان دیجئے اور اُس طرح
 سے اور دھن وغیرہ دان دیجئے. 64 نہرتہ کر آئیے تو بیکوان کی
 دیا سے جہن مکت ہو جائیگا. راجہ نے یہ سب کرم کئے. پر اُن
 سے نہ وہ اپنے کو پہچان سکا نہ دل کو شانتی ملی اور نہ مکتی کا
 کوئی لچھن دکھائی دیا. پھر اُس نے جوگیوں کی طرف دھیان
 دیا اور یہی پوارتھا اُن سے کی. جوگیوں نے پہلے تو راجہ کے
 کان پھونکے اور پھر ہرہجریہ، بانپرستہ، دند کمندل اور وجیا ہم
 وغیرہ چار طرح کی شکشا دی. راجہ نے یہ سب کچھ بھی کیا.
 لیکن اُس کا بھی کچھ پھل نہ ہوا. اُس کے بعد اُس نے
 مسلمانوں کے مولویوں کو جمع کیا اور یہی سوال اُن کے سامنے
 رکھا. انہوں نے کہا کہ صاحب ! اگر آپ اسلام دھرم منظور کرلیں
 تو آپکی خواہش پوری ہو سکتی ہے. راجہ نے منظور کرلیا.
 مولویوں نے اُسے مسلمان بنایا. اُس کا ختنہ کروایا. اُسے
 نماز، روزہ، حج، ذکاۃ وغیرہ کی تعلیم دی. جب سب سیکھ
 لیا تو کہا کہ اب آپ حج کے لئے مکہ مدینہ ہو آئیے. راجہ نے
 یہ سب بھی کیا. جب واپس اپنے دیس آیا تو پھر مولویوں
 کو جمع کیا اور کہا کہ مجھے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا.
 اب آپ کیا کہتے ہیں ؟

مکے گئے، مدینہ گئے، کرہ گئے،
 جیسے گئے تھے ویسے ہی ہر پھر کے آگئے.

مولویوں نے جواب دیا کہ جو کچھ ہمارے دھرم میں تھا
 ہم نے آپ کو سب بتا دیا. اُس سے زیادہ ہم کچھ نہیں
 جانتے. سب طرف سے مایوس (نراش) ہو کر راجہ کو
 ایک طرح کا پاگلپن ہو گیا. ایک ہاتھ سے اُس نے
 اپنا کان پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے ختنہ کی جگہ اور

ابھار بھار بھرت کر یہ کہنا شروع کیا کہ 'یہ ہندو ہے، اور یہ مسلمان! میں کون ہوں؟'

باہر میں گرے بیٹا لوگوں کے درمیان ہوں،
پر جاننا نہیں ہوں میں کون ہوں کہاں ہوں۔

آخر میں ہاتھوں کی طرح گھومتے گھومتے 'جو نلہہ ہاندہ' (ارتھ—جی تھوٹھا تین پائیاں) کے مطابق راجہ کے پاس ایک سچا فقیر اپنے کچھ چھلوس سمیت آ پہنچا۔ راجہ کو دیکھا اور پوچھنے لگا—'کیا کہتا ہے؟ راجہ نے پھر وہی کہا—'یہ ہندو' یہ مسلمان' میں کون؟' فقیر نے اُسے اچھی طرح پرکھ کر تسلی دیکر اُپدیش دیا کہ یہ ہندو مسلمان کا بھید ہی اُتار کے اصلی روپ کو سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اُتار کے دیدار (درشن) کے لئے سب سے پہلے اِس دونوں کے پردے کو بیچ سے ہٹا دینا ضروری ہے۔ اب راجہ کی آنکھیں کھلیں۔ وہ کرم کاٹتے ہندو مسلمان اور دونوں کے بھید سے اوپر اُٹھ کر ہر جاندار میں ایک اُتار کے درشن کرنے لگا۔

سات گرو پورا مل گیا جو کھول دکھائے تھیں۔

(باکری فیر)

جگہ جگہ گھوم کر یہ کہنا شروع کیا کہ یہ 'ہندو ہے' اور یہ مسلمان! میں کون ہوں؟

ظاہر میں گرے بیٹا لوگوں کے درمیان ہوں،
پر جاننا نہیں ہوں میں کون ہوں کہاں ہوں۔

آخر میں ہاتھوں کی طرح گھومتے گھومتے 'جو نلہہ ہاندہ' (ارتھ—جی تھوٹھا تین پائیاں) کے مطابق راجہ کے پاس ایک سچا فقیر اپنے کچھ چھلوس سمیت آ پہنچا۔ راجہ کو دیکھا اور پوچھنے لگا—'کیا کہتا ہے؟ راجہ نے پھر وہی کہا—'یہ ہندو' یہ مسلمان' میں کون؟' فقیر نے اُسے اچھی طرح پرکھ کر تسلی دیکر اُپدیش دیا کہ یہ ہندو مسلمان کا بھید ہی اُتار کے اصلی روپ کو سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اُتار کے دیدار (درشن) کے لئے سب سے پہلے اِس دونوں کے پردے کو بیچ سے ہٹا دینا ضروری ہے۔ اب راجہ کی آنکھیں کھلیں۔ وہ کرم کاٹتے ہندو مسلمان اور دونوں کے بھید سے اوپر اُٹھ کر ہر جاندار میں ایک اُتار کے درشن کرنے لگا۔

ست گرو پورا مل گیا جو کھول دکھائے تھیں۔

(باقی ہے)

'ہاریوں پر خُدا کا یہ بڑا عہدسان باکری ہے
کی دنیا میں ابھی تک اُن کا قبرستان باکری ہے
چباے جاتے ہیں لے کر خُدا کا نام انساں کو
دھرم کے تھمکیداروں کا مگر ایمان باقی ہے
بہالے جائے جو ظلم و ستم کو ساری دنیا سے
ہٹائے میں ابھی آئے کو وہ طوفان باقی ہے
جہاں بکری ہے روٹی کے عوض انسانیت نازک
ستم ہے اُن دائلوں کی وہ دوکان باقی ہے
نریوں سے ملے گا بھوک کیا بھوکوں کو نازک
جہاں روٹی کے بدلے صرف اُن کی جان باقی ہے'

—ناچوک ہلاہلاوا دی

'نریوں پر خُدا کا یہ بڑا احسان باقی ہے
کہ دنیا میں ابھی تک اُن کا قبرستان باقی ہے
چباے جاتے ہیں لے کر خُدا کا نام انسان کو
دھرم کے تھمکیداروں کا مگر ایمان باقی ہے
بہالے جائے جو ظلم و ستم کو ساری دنیا سے
ہٹائے میں ابھی آئے کو وہ طوفان باقی ہے
جہاں بکری ہے روٹی کے عوض انسانیت نازک
ستم ہے اُن دائلوں کی وہ دوکان باقی ہے
نریوں سے ملے گا بھوک کیا بھوکوں کو نازک
جہاں روٹی کے بدلے صرف اُن کی جان باقی ہے'

—نازک الہ آبادی

بیربمبھرنایا پاڈے

و شومبر ناتھ پانڈے

میں نے ابھر جاپانیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر تم نے
تو مجھے کے مندر نہیں دیکھے تو تم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اتفاق سے
میں نے تم کے مندر دیکھے ہیں اور میں یہ مانتا ہوں کہ وہ
بے حد شاندار اور عالی شان ہیں، مگر یہ کہنا کہ وہ دنیا کی عمدی
کا میں لاثانی ہیں، اس سے جاپانیوں کو بے شک تسلی
ہو سکتی ہے مگر تم کے پریموں کو نہیں۔

میں اس کا دعویٰ نہیں کرنا کہ میں نے تم کے لحاظ سے
دنیا کی سبھی شاندار عمارتوں کو دیکھا ہے۔ البتہ یورپ، ایشیا
اور آفریقہ کی اپنی سیڑوں میں میں نے کئی بے حد سند
عمارتیں دیکھی ہیں۔ مصر کے پیرامیدز، بابل کے سات ستون،
یونان کی رنگ شالیں، روم کے تھیٹر، ایران میں بے ہستون
کے شالیں، چین کی بڑی دیوار، جاوا کا بورو بدر کا مندر،
دکن کا پکودا اور اجنٹا اور ایلورہ کی گہائیں سب آج بھی
میرے تینوں میں سمائی ہوئی ہیں اور عکس بہ عکس
میری کلپناؤں میں چھائی ہوئی ہیں۔ ہر بس میرا مانتا ان
جائے اور انجانے کلاؤتوں اور شلیوں کے قدموں پر چھکا ہے
جنہوں نے پرانے زمانے کو اپنی کلا کے ذریعہ اپنی چھینی اور اپنے
ہتورے سے، ورتان زمانے کے ساتھ جوڑا ہے۔ انمول کلا کے یہ امر
نمونے ہمیں یہ تسلی دیتے رہتے ہیں کہ انسان کی زندگی
چند روزہ ہوسکتی ہے مگر کلا امر ہے اور اس کی چھاپ ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے دنیا پر رہتی ہے۔

میں شیلی ہوں اور نہ کلاکار، اور نہ مجھے کلا کی نکتہ
چینی کرنے کا ہی ادھیکار حاصل ہے۔ لیکن ایک معمولی
سیلانی کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آگرے کے تاج کو
دیکھ کر مجھ پر جو اثر پڑا اسے بیان کرنا میرے امکان سے باہر
ہے۔ کلاکار کی کلپنا اور شلیوں کی چترائی کی اتنی مکمل
تصویر میری نظروں سے آج تک نہیں گذری۔

اس بات کو جانے کتنے برس بیت چکے، اٹھتی، دال چینی
اور صندل کے پتروں کو تھپتھپا دیتی ہوئی چینی ہوا کے ہیلے
ہیلے دھونی چھوڑے قدرت کو گدگدا رہے تھے۔ میں آگرے کی
تنگ گلیوں کو پار کر چمٹا کے کلاکارہ آجاز اور سلسان سڑک سے
چکر کاٹتا ہوا، اسیا سا ایک مکہ پر بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔ دواپر

میں نے اس کا دعویٰ نہیں کرنا کہ میں نے تم کے لحاظ سے
دنیا کی سبھی شاندار عمارتوں کو دیکھا ہے۔ البتہ یورپ، ایشیا
اور آفریقہ کی اپنی سیڑوں میں میں نے کئی بے حد سند
عمارتیں دیکھی ہیں۔ مصر کے پیرامیدز، بابل کے سات ستون،
یونان کی رنگ شالیں، روم کے تھیٹر، ایران میں بے ہستون
کے شالیں، چین کی بڑی دیوار، جاوا کا بورو بدر کا مندر،
دکن کا پکودا اور اجنٹا اور ایلورہ کی گہائیں سب آج بھی
میرے تینوں میں سمائی ہوئی ہیں اور عکس بہ عکس
میری کلپناؤں میں چھائی ہوئی ہیں۔ ہر بس میرا مانتا ان
جائے اور انجانے کلاؤتوں اور شلیوں کے قدموں پر چھکا ہے
جنہوں نے پرانے زمانے کو اپنی کلا کے ذریعہ اپنی چھینی اور اپنے
ہتورے سے، ورتان زمانے کے ساتھ جوڑا ہے۔ انمول کلا کے یہ امر
نمونے ہمیں یہ تسلی دیتے رہتے ہیں کہ انسان کی زندگی
چند روزہ ہوسکتی ہے مگر کلا امر ہے اور اس کی چھاپ ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے دنیا پر رہتی ہے۔

میں نے اس کا دعویٰ نہیں کرنا کہ میں نے تم کے لحاظ سے
دنیا کی سبھی شاندار عمارتوں کو دیکھا ہے۔ البتہ یورپ، ایشیا
اور آفریقہ کی اپنی سیڑوں میں میں نے کئی بے حد سند
عمارتیں دیکھی ہیں۔ مصر کے پیرامیدز، بابل کے سات ستون،
یونان کی رنگ شالیں، روم کے تھیٹر، ایران میں بے ہستون
کے شالیں، چین کی بڑی دیوار، جاوا کا بورو بدر کا مندر،
دکن کا پکودا اور اجنٹا اور ایلورہ کی گہائیں سب آج بھی
میرے تینوں میں سمائی ہوئی ہیں اور عکس بہ عکس
میری کلپناؤں میں چھائی ہوئی ہیں۔ ہر بس میرا مانتا ان
جائے اور انجانے کلاؤتوں اور شلیوں کے قدموں پر چھکا ہے
جنہوں نے پرانے زمانے کو اپنی کلا کے ذریعہ اپنی چھینی اور اپنے
ہتورے سے، ورتان زمانے کے ساتھ جوڑا ہے۔ انمول کلا کے یہ امر
نمونے ہمیں یہ تسلی دیتے رہتے ہیں کہ انسان کی زندگی
چند روزہ ہوسکتی ہے مگر کلا امر ہے اور اس کی چھاپ ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے دنیا پر رہتی ہے۔

میں نے اس کا دعویٰ نہیں کرنا کہ میں نے تم کے لحاظ سے
دنیا کی سبھی شاندار عمارتوں کو دیکھا ہے۔ البتہ یورپ، ایشیا
اور آفریقہ کی اپنی سیڑوں میں میں نے کئی بے حد سند
عمارتیں دیکھی ہیں۔ مصر کے پیرامیدز، بابل کے سات ستون،
یونان کی رنگ شالیں، روم کے تھیٹر، ایران میں بے ہستون
کے شالیں، چین کی بڑی دیوار، جاوا کا بورو بدر کا مندر،
دکن کا پکودا اور اجنٹا اور ایلورہ کی گہائیں سب آج بھی
میرے تینوں میں سمائی ہوئی ہیں اور عکس بہ عکس
میری کلپناؤں میں چھائی ہوئی ہیں۔ ہر بس میرا مانتا ان
جائے اور انجانے کلاؤتوں اور شلیوں کے قدموں پر چھکا ہے
جنہوں نے پرانے زمانے کو اپنی کلا کے ذریعہ اپنی چھینی اور اپنے
ہتورے سے، ورتان زمانے کے ساتھ جوڑا ہے۔ انمول کلا کے یہ امر
نمونے ہمیں یہ تسلی دیتے رہتے ہیں کہ انسان کی زندگی
چند روزہ ہوسکتی ہے مگر کلا امر ہے اور اس کی چھاپ ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے دنیا پر رہتی ہے۔

اس بات کو جانے کتنے برس بیت چکے، اٹھتی، دال چینی
اور صندل کے پتروں کو تھپتھپا دیتی ہوئی چینی ہوا کے ہیلے
ہیلے دھونی چھوڑے قدرت کو گدگدا رہے تھے۔ میں آگرے کی
تنگ گلیوں کو پار کر چمٹا کے کلاکارہ آجاز اور سلسان سڑک سے
چکر کاٹتا ہوا، اسیا سا ایک مکہ پر بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔ دواپر

خوشی میں جھنجھکی کے جیسے رخ کو کھڑا بھگوان نے سارے ہی بھنک کر ہٹا دیا، ریتوں میں یہ بھنکا ہوا پد پوتا لگتا ہے۔ اب نہ اس پر راجا بیٹھتے ہیں نہ علی، نہ نیتا بیٹھتے ہیں اور نہ ایم، لیل، امے۔ نہ اس میں ریشمی جہازیں ہیں اور نہ سپرے گاؤں تکتے۔ اب یہ سو فیصدی غریبوں کی سواری ہے۔

بچے کا مریض سا چوکا ایک مٹکے کے ساتھ دکھا۔ مینے بچانک دیکھا کہ میں ایک عالی شان لال فادک کے سامنے کھڑا ہوں۔ بچانک میری نگاہ فادک کے اندر گئی اور مجھے ایسا لگا کہ ایک شاندار لال مٹکے کے نویم میں جڑی ہوئی خوبصورتی کی ایک سفید چمچماتی ہوئی تصویر مہری آنکھوں کے سامنے ہے۔ چمکتے ہوئے سورج کی کرنیں سنگ مرمر کے سوندریہ بیوں کے ساتھ اٹھکھٹیاں کر رہی تھیں اور اس کی ارنچی میناریں مہم ہونے والے آسمان کے دل میں مانو چب چکا چاہتی تھیں۔

تاج—مہلوں کا مٹکے—فادک سے بہت دور ایک بھیڑیہ کایا کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خوشنما باغ تھا جہاں بھری نورے نرمل جل کی دھارائیں پھینک رہے تھے اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا تھا۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے ہوئے تھے لال مٹکے اور دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے ہوئے تھے لال مٹکے اور لال مسجد۔ ممتاز کے قدموں کو چھوئی ہوئی جمنیا مانو اٹھنا دیتی ہوئی کم رہی تھی۔ ”راہا کی جدائی کو بھول کر بلدراہیں سے میں یہاں آئی تھی ممتاز! تمہیں اس کا بھی خیال نہ رہا!“

”اتنی بات مہرے کانوں میں پڑی۔“ حضور، اس عبارت کے بنانے میں سترہ برس لگے، قریب بیس ہزار مزدوروں نے کام کیا اور شاہجہاں کے خزانے سے 80 لاکھ روپے خرچ ہوئے۔

دیساجی آجکڑوں میں یہ تھا کہ تاج کی تارکی کی چیر چیر کر کھپنا اور کھپنا کی بات پر آ رہے تھے اور میں اپنے آپ میں بولا ہوا بدلتے ہوئے بکری کے چھوٹے میں پینکٹیں بھر رہا تھا کہ اچانک تاج کے گانڈ کی بات مہرے کانوں میں پڑی۔ ”حضور، اس عبارت کے بنانے میں سترہ برس لگے، قریب بیس ہزار مزدوروں نے کام کیا اور شاہجہاں کے خزانے سے 80 لاکھ روپے خرچ ہوئے۔“

حسابی آنکڑوں میں یہ تھا پریم کا تخمینہ! گانڈ کی بات سنکر طبیعت میں متلی سی شولے لگی، مگر گانڈ کا بھی کیا تصور؟ بجٹ کے دو تلوں کے بیچ سے جن کا چھوٹا دریا بہتا ہے ایسے یورپ اور امریکہ کے صاحب گانڈ سے پہلا سوال یہی کرتے ہیں۔

سنگ مرمر کی چادر تالے ہوئے شاہجہاں اپنی محبوبہ ملکہ کے تھکے زماں کی سرحدوں کو توڑ کر، مانو خون پریم کی ساگر مورت بن گیا تھا۔

تاج کی پوری عبارت انہی لفظی ہے، اس کے مختلف حصوں کا سنجوگ اتنا سندر اور لا جواب ہے اور سب ملا کر پورا اثر اتنا دلکش ہے کہ جب تک آپ خود تاج کے چہرے پر جانکر نہ کھڑے ہو جائیں، آپ اس بات کا قیاس تک نہیں کر سکتے کہ تاج کی عبارت کتنی عظیم الشان ہے۔ کتنا بڑا کلا کر رہا ہوگا وہ

تاج کی پوری عبارت انہی لفظی ہے، اس کے مختلف حصوں کا سنجوگ اتنا سندر اور لا جواب ہے اور سب ملا کر پورا اثر اتنا دلکش ہے کہ جب تک آپ خود تاج کے چہرے پر جانکر نہ کھڑے ہو جائیں، آپ اس بات کا قیاس تک نہیں کر سکتے کہ تاج کی عبارت کتنی عظیم الشان ہے۔ کتنا بڑا کلا کر رہا ہوگا وہ

تاج کی پوری عبارت انہی لفظی ہے، اس کے مختلف حصوں کا سنجوگ اتنا سندر اور لا جواب ہے اور سب ملا کر پورا اثر اتنا دلکش ہے کہ جب تک آپ خود تاج کے چہرے پر جانکر نہ کھڑے ہو جائیں، آپ اس بات کا قیاس تک نہیں کر سکتے کہ تاج کی عبارت کتنی عظیم الشان ہے۔ کتنا بڑا کلا کر رہا ہوگا وہ

تاج کی پوری عبارت انہی لفظی ہے، اس کے مختلف حصوں کا سنجوگ اتنا سندر اور لا جواب ہے اور سب ملا کر پورا اثر اتنا دلکش ہے کہ جب تک آپ خود تاج کے چہرے پر جانکر نہ کھڑے ہو جائیں، آپ اس بات کا قیاس تک نہیں کر سکتے کہ تاج کی عبارت کتنی عظیم الشان ہے۔ کتنا بڑا کلا کر رہا ہوگا وہ

تاج کی پوری عبارت انہی لفظی ہے، اس کے مختلف حصوں کا سنجوگ اتنا سندر اور لا جواب ہے اور سب ملا کر پورا اثر اتنا دلکش ہے کہ جب تک آپ خود تاج کے چہرے پر جانکر نہ کھڑے ہو جائیں، آپ اس بات کا قیاس تک نہیں کر سکتے کہ تاج کی عبارت کتنی عظیم الشان ہے۔ کتنا بڑا کلا کر رہا ہوگا وہ

تاج کی پوری عبارت انہی لفظی ہے، اس کے مختلف حصوں کا سنجوگ اتنا سندر اور لا جواب ہے اور سب ملا کر پورا اثر اتنا دلکش ہے کہ جب تک آپ خود تاج کے چہرے پر جانکر نہ کھڑے ہو جائیں، آپ اس بات کا قیاس تک نہیں کر سکتے کہ تاج کی عبارت کتنی عظیم الشان ہے۔ کتنا بڑا کلا کر رہا ہوگا وہ

تاج کی پوری عبارت انہی لفظی ہے، اس کے مختلف حصوں کا سنجوگ اتنا سندر اور لا جواب ہے اور سب ملا کر پورا اثر اتنا دلکش ہے کہ جب تک آپ خود تاج کے چہرے پر جانکر نہ کھڑے ہو جائیں، آپ اس بات کا قیاس تک نہیں کر سکتے کہ تاج کی عبارت کتنی عظیم الشان ہے۔ کتنا بڑا کلا کر رہا ہوگا وہ

شکس کی جیسے تاج کی کल्पنا کی تھی۔ اس کے باوجود
میں کتنی عکاسی اور کتنی موہکتا ہے۔ بے اختیار
سنگمرمر، ایسا مہسوس ہونے لگتا ہے کہ، ہزار ہزار زبانوں سے پریم کی
جہانوں سے پریم کی بے انت راگینی کی تان بھینا چاہتا ہے۔

جس پریم میں پریم اور سندریتا کا یہ لاسانی نغمہ
جدا ہوا ہے، تاج کا سارا ہر گد گد کتنی موزوں اور کتنی
کرتی والا ہے۔ جتنی سندر تصویر ہے، اتنا ہی شاندار پریم ہے۔
ایسا لگتا ہے مائو بہشت کے چتروں نے کلپنا کے کفنوں پر
دھوی سندر کی ایک دلکش تصویر کھینچ دی ہے۔ درشک
اچرچ سے بھرا ہوا ایک ٹک دیکھتا رہتا ہے اور حسن کے اس
پے آنت خزانے کو دیکھ سکے کے لئے اپنے کو مستور سمجھتا ہے اور
اپنے من میں تاج کے اس نظارے کی امت جہان کی لہر رہ
وہاں سے رخصت ہوتا ہے۔

رؤخے کے بلند محراب پر سنگ موسیٰ کے نگوں سے عربی الفاظ
لس طرح جڑے ہوئے ہیں مائو رؤخہ کالمہ بیاریجات پھولوں کا گجرا
پہنے کھڑا ہے۔ سنگ مرمر کی گورائی پر یہ کالمہ رنگ کا گجرا ہے حد
سندر لگتا ہے۔ سنگ مرمر کی جانریوں سے سورج کی دو پہلی
کرتیں چمن چمن کر دھوپ چھاں کھلتی ہیں۔ ہلکے ہلکے
پرکھ کی پھکی روشنی سدن کے ہفتی حصہ کو آلوک
گرتی رہتی ہے۔ سدن کے بیچ میں سنگ مرمر کی جالیدار
قصاصت کھڑی ہے مائو کسی آنت سفر کے پڑاؤ پر ملکہ ممتاز
پوشہ میں سنگ مرمر کی آنت رہی ہیں: سنگ مرمر کی اس جانری
میں اسول نکلتے جڑے ہوئے ہیں—الجود، سنگ سلیمان،
عربی، سوربہ کانت، نھلم، چندر کانت اور پشپ راگ—طرح
طرح کے پھولوں اور پھل ہولوں کی شکل میں۔ اس جانری
کے بہتر شامچیاں اور ممتاز کبھی نہ ٹوٹنے والی نید میں
مدہ بدہ کھوئے ہوئے پڑے ہیں۔

پونم کا چاند جب اپنے سفر کی ادھی منزل طے کر کے ذرا
آرام کرنے کے لئے ٹھہر گیا تھا، ٹھیک ایسے وقت میں یہ
دوبارہ تاج محل پہنچا۔ چاندنی نے قدرت کے آنچل کو
جھپی اور چمکی کے پھولوں سے بھر دیا تھا۔ دھلی ہوا تاج محل
کے اوپر چلور مٹا رہی تھی۔ ام کی ڈالی پر بیٹھی ہونی کوئل
اسراچ کے تار سنبھال رہی تھی۔ تاج محل کی داہنی طرف
اس لال محل کے آنگن میں کھڑا ہو کر میں ایک ٹک تاج کی
شویا دیکھ رہا تھا۔ باغ کے پیر اپلی شاہانیں پھیلائے ہوئے اس
محل سے خاموشی کے سروں میں اپنے سک دھ کی کہانی کہتے
میں مصروف تھے۔ زمانہ بیت گیا اُن گھنٹوں کو دیکھے ہوئے
مگر اب بھی وہ کتنی صفائی سے اُن کے دلوں میں جڑی ہوئی
ہیں۔ برگ کا وہ درخت تب کتنا ننھا سا تھا۔ شہزادی
زیب النساء نے لاد میں جب اُس کی کونہلیں تیزی تھیں تو
مابدولت شامچیاں نے شہزادی کو ڈانٹ کر حسرت بھری

* ایک قسم کا بہشتی پھول

نیگاہوں سے اس بزرگوار کے پیر کے نڈھے سے بدن پر اپنے شاہی ہاتھ پھیرے تھے۔ محض اسی ایک یاد کو تازہ کئے ہوئے وہ آج چار صدیوں سے اپنے مالک کی قبرگاہ کو نہارتا رہتا ہے۔ بدن اُس کا کھوکھلا ہوا ہے تو کیا ہوا وہ اپنے لڑکھڑاتے پیروں پر کھڑا ہے، مانو قیامت کے دن انکوائی لیکر اُٹھتے ہوئے شہشاہ سے کہیگا— ”جہاں پناہ! میں تمہارا حقیر خادم ہوں۔“ کچھ درخت اپنی انسانی شاخیں جمنا کی اور بڑھا کر مانو منڈیں کر رہے ہیں— ”ہن! ٹھہرو! تم تو دلی سے آ رہی ہو۔ بہادر شاہ کے بعد تم نے دیوان خاص کی کوئی خبر نہیں بتائی۔ کیوں؟ کیا لا قلعے کی دیواریں تمہیں دیکھ کر اب اپنا منہ پھیر لیتی ہیں؟ ہن! نارورقی تو دھرا دھرا کر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ فرنگی اب لا قلعہ سے رخصت ہو گئے ہیں اور وہاں ملکی نشان بھرا رہا ہے۔“ مگر جمنا کے کانوں میں کوئی بات ہی نہیں پڑتی اور وہ ان منی ہو کر آگے بڑھ جاتی ہے۔ صرف کل کل، چھپ چھپ کی آواز کانوں میں پڑتی ہے مانو جمنا کی دھارائیں اس کے ان منہ پن پر گنا پھوسی کر رہی ہیں۔

تاج کے بائیں طرف لال مسجد کھڑی ہوئی تھی۔ روپہلے سنگ مرمر سے ٹکرا کر چاندنی مسجد کے گلابی بدن کو سفید دھماکی ملل کی چادر سے ڈھکنے کی بیکار کوشش کر رہی تھی۔ تاج کے پیچھے سے جمنا شہر کی اور اس طرح بہ رہی تھی مانو ممتاز کے دامن کا روپہلا گوتا سیلن توڑ کر بکھر گیا ہو۔ تاج سے نین میل دور کالے دھبے کی طرح دلع اور جہانگیری محل کھڑے ہوئے تھے۔ قلعہ کے باہر کے لال پتھر کی چہار دیواری دھندلکے میں صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی، لیکن ہیپتو کی سنگ مرمر کی موتی مسجد وہاں کر چمک اُٹھتی تھی۔

❖ ❖ ❖

رات کی خاموشی میں تواریخ کی ڈوٹی کڑیوں کو سلسلےوار جودنے کی کوشش کرتے ہوئے کتنی رات بیت گئی اس کا مجھے ذرا بھی اندازہ نہ تھا۔ چاند کی شیش کونیں، مند مند ہوا کے جھکڑے، روپہلا اور چمکتا ہوا تاج محل—سارا سماں اور نظارہ اتنا من موہنے والا تھا کہ دماغ ایک جگہ اٹک کر رہ گیا۔ سہا اُس سنسان محل کو دس میں نہلاتی ہوئی اسراج کی ایک مدھرتان مہرے کانوں میں گونج گئی۔ میرے اچرج کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جب میں نے یہ محسوس کیا کہ اُس سنسان محل کے ہیپتو سے مدھر مدھر گیت کی یہ دھن اُٹھ رہی تھی تو میرے تن بدن میں کدکپی سی دوز گئی۔

یکایک ہاجے کی گت کے ساتھ مجھے ایک ایرانی تاج کے پدچاپ سنائی دیئے۔ اسراج کے تار ہوا کو مٹ کر

ناج کے بائیں طرف لال مسجد کھڑی ہوئی تھی۔ روپہلے سنگ مرمر سے ٹکرا کر چاندنی مسجد کے گلابی بدن کو سفید دھماکی ملل کی چادر سے ڈھکنے کی بیکار کوشش کر رہی تھی۔ تاج کے پیچھے سے جمنا شہر کی اور اس طرح بہ رہی تھی مانو ممتاز کے دامن کا روپہلا گوتا سیلن توڑ کر بکھر گیا ہو۔ تاج سے نین میل دور کالے دھبے کی طرح دلع اور جہانگیری محل کھڑے ہوئے تھے۔ قلعہ کے باہر کے لال پتھر کی چہار دیواری دھندلکے میں صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی، لیکن ہیپتو کی سنگ مرمر کی موتی مسجد وہاں کر چمک اُٹھتی تھی۔

❖ ❖ ❖

رات کی خاموشی میں تواریخ کی ڈوٹی کڑیوں کو سلسلہ وار جودنے کی کوشش کرتے ہوئے کتنی رات بیت گئی اس کا مجھے ذرا بھی اندازہ نہ تھا۔ چاند کی شیش کونیں، مند مند ہوا کے جھکڑے، روپہلا اور چمکتا ہوا تاج محل—سارا سماں اور نظارہ اتنا من موہنے والا تھا کہ دماغ ایک جگہ اٹک کر رہ گیا۔ سہا اُس سنسان محل کو دس میں نہلاتی ہوئی اسراج کی ایک مدھرتان مہرے کانوں میں گونج گئی۔ میرے اچرج کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جب میں نے یہ محسوس کیا کہ اُس سنسان محل کے ہیپتو سے مدھر مدھر گیت کی یہ دھن اُٹھ رہی تھی تو میرے تن بدن میں کدکپی سی دوز گئی۔

یکایک ہاجے کی گت کے ساتھ مجھے ایک ایرانی تاج کے پدچاپ سنائی دیئے۔ اسراج کے تار ہوا کو مٹ کر

مردم ہوتا رہے۔ پُربھی کی مکاری بھی تھی پکڑ رہی تھی۔ میں بھی سُر تال میں بپکی ہر کر مومنہ لگا۔ میرے پیر ہر بس ناچ کا تال اور سُر ہر لے لے۔ میں حفران ہو کر سوچنے لگا کہ اسراج کے تاروں پر اتنا مدمست کہیں آخر کی آنکھوں نے پیدا کیا؟ یہ ناچ اور گن آخر ہو کہاں رہا ہے؟ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرے کانوں میں دمشق کے ایک عربی پریم گیت کے سر پڑے۔ کیا اپنے پہچانے سفر میں میں یہی پریم گیت نہیں سنا تھا؟ مگر یہاں اُس گیت پر نکار کے کومل سروں نے مٹھاس کا ملمع پھیر دیا تھا۔ سا... رے... گا... ما کے مدھر سر پر لاپ دور رہا تھا۔ اسراج کے صرف تین تاروں پر اُنکلیاں پھر رہی تھیں مگر میرا دل اسراج کی کہن کے ساتھ تڑپتا اور چپکڑا کرنا، رات کی خاموشی کر چہ "چاندنی اور اندھیرے میں ملنارتا" ہزاروں کی شاخوں پر چٹا، چمکا کی ترنگوں پر چھوٹا، سارے سماں کو کمپت کرنا۔ نت میں سا جانا چاہتا تھا۔ ایسا لگتا تھا مانو کسی ہسانت کے سویرے ساری دنیا کی حسرت بھور۔ کر بیٹھا لپنے بی کے ساتھ ایک ہو جانا چاہتا تھا۔ گا یک کے سروں میں اتنا جلدو تھا کہ میں اپنی سدھ بدھ کو بیٹھا۔ ندیے آسمان میں چمچکتا ہوا پونم کا چاند دونوں ہاتھوں سے اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ گیت کی تان کے ساتھ سلسلار کا سارا رس مانو ایک جگہ اکٹھا ہو رہا تھا۔ جو کچھ مہنے دیکھا اور سنا اُس کی صحیح صحیح تصویر لفظوں میں اُتار سکتا میرے لئے قطعی ناممکن ہے۔

جب تک وہ کانپتے ہوئے اور ہلکتے ہوئے سنگیت کے سُر چاندنی پر رینگتے ہوئے چاروں دشاؤں میں بھکتے رہے تب تک میں سوچ-بُوح بھسار کر اسے سُناتا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے گیت میں سدھ بدھ ہزار کو اُسے سنتا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے گیت کا ایک تھم گیا۔ تھوڑی دیر میں میرے ہوش حواس لوٹے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ گیت کی دھن تو اُسی محل کے اُڑنے کی منزل سے آ رہی تھی۔ بکا یک من میں بھاؤنا اُٹھی کہ کھوں نہ اُڑنے چل کر دیکھا جائے۔ کئی چکر دار سیریسوں پر چڑھتا ہوا، روشنی اور اندھیرے سے گذرتا، میں راستہ کھوجتا ہوا اُڑنے کا راستہ پانے لگا۔ گول چکر کتنی ہوئی سیڑھیاں چھت پر ایک چھوٹے سے برآمدہ میں ختم ہوتی تھیں۔ برآمدہ کئی ہوئی جانروی سے بند تھا۔ برآمدہ کے بعد ہی ایک بڑی سی چھت تھی۔

چاندنی کی معصوم کرنیں روپلی پوشاک پہنے ہوئے چھت پر رہ رہ کر گلابجل چھڑک رہی تھیں۔ چالیس فٹ لمبے چھڑے سنگ مر مر کے فرش پر قریب چار انچ موٹا دمشق قالین بچھا ہوا تھا۔ پورب کے جانب ایک چاندنی کا تخت پڑا ہوا تھا جس پر بیس قیمیت

مردم ہوتا رہے۔ پُربھی کی مکاری بھی تھی پکڑ رہی تھی۔ میں بھی سُر تال میں بپکی ہر کر مومنہ لگا۔ میرے پیر ہر بس ناچ کا تال اور سُر ہر لے لے۔ میں حفران ہو کر سوچنے لگا کہ اسراج کے تاروں پر اتنا مدمست کہیں آخر کی آنکھوں نے پیدا کیا؟ یہ ناچ اور گن آخر ہو کہاں رہا ہے؟ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرے کانوں میں دمشق کے ایک عربی پریم گیت کے سر پڑے۔ کیا اپنے پہچانے سفر میں میں یہی پریم گیت نہیں سنا تھا؟ مگر یہاں اُس گیت پر نکار کے کومل سروں نے مٹھاس کا ملمع پھیر دیا تھا۔ سا... رے... گا... ما کے مدھر سر پر لاپ دور رہا تھا۔ اسراج کے صرف تین تاروں پر اُنکلیاں پھر رہی تھیں مگر میرا دل اسراج کی کہن کے ساتھ تڑپتا اور چپکڑا کرنا، رات کی خاموشی کر چہ "چاندنی اور اندھیرے میں ملنارتا" ہزاروں کی شاخوں پر چٹا، چمکا کی ترنگوں پر چھوٹا، سارے سماں کو کمپت کرنا۔ نت میں سا جانا چاہتا تھا۔ ایسا لگتا تھا مانو کسی ہسانت کے سویرے ساری دنیا کی حسرت بھور۔ کر بیٹھا لپنے بی کے ساتھ ایک ہو جانا چاہتا تھا۔ گا یک کے سروں میں اتنا جلدو تھا کہ میں اپنی سدھ بدھ کو بیٹھا۔ ندیے آسمان میں چمچکتا ہوا پونم کا چاند دونوں ہاتھوں سے اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ گیت کی تان کے ساتھ سلسلار کا سارا رس مانو ایک جگہ اکٹھا ہو رہا تھا۔ جو کچھ مہنے دیکھا اور سنا اُس کی صحیح صحیح تصویر لفظوں میں اُتار سکتا میرے لئے قطعی ناممکن ہے۔

جب تک وہ کانپتے ہوئے اور ہلکتے ہوئے سنگیت کے سُر چاندنی پر رینگتے ہوئے چاروں دشاؤں میں بھکتے رہے تب تک میں سوچ-بُوح بھسار کر اسے سُناتا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے گیت میں سدھ بدھ ہزار کو اُسے سنتا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے گیت کا ایک تھم گیا۔ تھوڑی دیر میں میرے ہوش حواس لوٹے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ گیت کی دھن تو اُسی محل کے اُڑنے کی منزل سے آ رہی تھی۔ بکا یک من میں بھاؤنا اُٹھی کہ کھوں نہ اُڑنے چل کر دیکھا جائے۔ کئی چکر دار سیریسوں پر چڑھتا ہوا، روشنی اور اندھیرے سے گذرتا، میں راستہ کھوجتا ہوا اُڑنے کا راستہ پانے لگا۔ گول چکر کتنی ہوئی سیڑھیاں چھت پر ایک چھوٹے سے برآمدہ میں ختم ہوتی تھیں۔ برآمدہ کئی ہوئی جانروی سے بند تھا۔ برآمدہ کے بعد ہی ایک بڑی سی چھت تھی۔

چاندنی کی معصوم کرنیں روپلی پوشاک پہنے ہوئے چھت پر رہ رہ کر گلابجل چھڑک رہی تھیں۔ چالیس فٹ لمبے چھڑے سنگ مر مر کے فرش پر قریب چار انچ موٹا دمشق قالین بچھا ہوا تھا۔ پورب کے جانب ایک چاندنی کا تخت پڑا ہوا تھا جس پر بیس قیمیت

✿ ✿ ✿

बकायक मजलिस लकी और सब के सब मुँडेर के पास जाकर, नीचे बहती हुई जमुना के उस पार कांहरें का डुपट्टा ओढ़े जागरे की सोई हुई नगरी की ओर ध्यान से देखने लगे, मैं भी कौतूहल से भरा हुआ दीवार के पास पहुंचा, जो कुछ देखा, मेरे अचरज का ठिकाना न रहा। फटते हुए कांहरें की चादर से साफ़ होता हुआ संगमरमर का एक पुल दिखाई दिया जिसकी एक मेहराब ताज के इस किनारे पर थी तो दूसरी मेहराब जमुना के उस किनारे पर, सिर्फ़ एक मेहराब वाला कपहले संगमरमर का बुर्जदार खूबसूरत पुल देखाकर मेरी हैरत का ठिकाना न रहा। कांहरा जरा और दूर हुआ और तब मैंने देखा कि ठीक जमुना के उस

✻ ✻ ✻

सितम्बर '५५

کینارے پر संगमरमर کے پُل کے اس پار کے پاس تاجمہال کی دھڑ بھڑ ایک دوسری ہمارے لگی تھی—وہی ہی خاک، وہی ہی سوندر، وہی ہی کلا سے بھری تھی، وہی ہی بیلویری—دونوں میں کسی کیسے کا فرق کر سکتا ہو سکتا تھا۔ پُل کا راستہ، چھت، محراب، کھڑکیاں سب سفید چمکدار سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں۔ میں اچرچ اور محراب میں سروپا قہقہہ کر اپنی سیدھے کمر پہنچا۔ پُل تھا تھا مائو سنگ مرمر کا دھلی تاج کو دوسرے تاج سے جوڑ رہا تھا۔

میں بے چین ہو کر اُس نظارے کے پتے کے پتے اپنے دل میں پھر رہا تھا کہ اچانک جملے کے جل سے گھٹا کھرا اُٹھ کر اُسلی میں چھپے گا۔ آگرے کا شہر، سنگ مرمر کا پُل، اُس پار کا تاج محل اور ندی سب کے سب دھلے دھلے کے پردے میں چھپ گئے۔ میں نے اُسلی کی اور نظر ڈالی تو دیکھا کہ یونم کا چاند اُتے کے ہونٹوں کا چمک رہا تھا۔ چاندنی ٹھلی پڑ رہی تھی اور آئے والی جدائی کے صدمے سے سستی جا رہی تھی۔

میں نے سوچ کر مہراجن کی طرف نکل کر ڈالی مگر وہاں پانچوں میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ بنا کسی آواز کے، خاموشی کے ساتھ وہ مائو سب کے سب ہوا میں غائب ہو گئے۔ وہ موٹا مضمحل قالین، چراؤ چاندنی کا تخت، ریشمی اور کمخواب کی چادریں، زین گڑ تیکڑے اور مسندیں، استاد اور اسراج، نورنگس اور ان کے گھونگھرو، وہ حسن کی پری اور وہ انسانیت کا دیوتا، سب کے سب دھلے دھلے کے پردے میں سا گئے۔ کسی چیز کی وہاں پرچھائیاں تک باقی نہ رہی۔ اُس عجیب و غریب مجلس کی یادگار کو تازہ رکھنے والا صرف وہ گھٹا تھا سدا بہار نورنگس کے پھولوں کا وہ گچھا! مہلے ایک سرد آہ پھر کر دھیرے سے اُسے جاگر اُٹھا تھا۔

ایک تھنڈی ہوا کے جھونکے نے میری کھوئی ہوئی چیتنا واپس لا دی۔ میں نے آگرے کی طرف نظر دوڑائی۔ ریل کے انجنوں اور کارخانوں کی چمنیوں کا دھواں کلدلی بنا ہوا ہوا کے رخ آتے دشا میں اُٹھا ہو رہا تھا۔ دور، بہت دور، پہاڑوں کی ایک قطار تھکی ماندی پڑی تھی۔ میں گم سم سوچ رہا تھا کہ وہ سنگ مرمر کا پُل اور وہ دوسرا تاج کیا محض میری کلپنا اور دھوکا ہے؟ وہ حسن کی پری اور وہ شایستگی کا دیوتا کیا وہ دونوں بھی دھوکا تھا؟ وہ نوجوان نورنگس جہم جہم کر ناچتی ہوئی اور کلا کا دھلی وہ استاد کیا وہ تیلوں میں سہنا ہے؟ نہیں یہ قطعی ناممکن ہے۔ میں ان سب کے چہروں کی رائی رائی بھارت دھرا سکتا ہوں۔ کتنا سربلا کلا تھا استاد کا کتنا سور اور قاتل سے پھرا ہوا! کیا وہ

میں نے چھپ گئے۔ میں نے اُسلی کی اور نظر ڈالی تو دیکھا کہ یونم کا چاند اُتے کے ہونٹوں کا چمک رہا تھا۔ چاندنی ٹھلی پڑ رہی تھی اور آئے والی جدائی کے صدمے سے سستی جا رہی تھی۔

ایک تھنڈی ہوا کے جھونکے نے میری کھوئی ہوئی چیتنا واپس لا دی۔ میں نے آگرے کی طرف نظر دوڑائی۔ ریل کے انجنوں اور کارخانوں کی چمنیوں کا دھواں کلدلی بنا ہوا ہوا کے رخ آتے دشا میں اُٹھا ہو رہا تھا۔ دور، بہت دور، پہاڑوں کی ایک قطار تھکی ماندی پڑی تھی۔ میں گم سم سوچ رہا تھا کہ وہ سنگ مرمر کا پُل اور وہ دوسرا تاج کیا محض میری کلپنا اور دھوکا ہے؟ وہ حسن کی پری اور وہ شایستگی کا دیوتا کیا وہ دونوں بھی دھوکا تھا؟ وہ نوجوان نورنگس جہم جہم کر ناچتی ہوئی اور کلا کا دھلی وہ استاد کیا وہ تیلوں میں سہنا ہے؟ نہیں یہ قطعی ناممکن ہے۔ میں ان سب کے چہروں کی رائی رائی بھارت دھرا سکتا ہوں۔ کتنا سربلا کلا تھا استاد کا کتنا سور اور قاتل سے پھرا ہوا! کیا وہ

ایک تھنڈی ہوا کے جھونکے نے میری کھوئی ہوئی چیتنا واپس لا دی۔ میں نے آگرے کی طرف نظر دوڑائی۔ ریل کے انجنوں اور کارخانوں کی چمنیوں کا دھواں کلدلی بنا ہوا ہوا کے رخ آتے دشا میں اُٹھا ہو رہا تھا۔ دور، بہت دور، پہاڑوں کی ایک قطار تھکی ماندی پڑی تھی۔ میں گم سم سوچ رہا تھا کہ وہ سنگ مرمر کا پُل اور وہ دوسرا تاج کیا محض میری کلپنا اور دھوکا ہے؟ وہ حسن کی پری اور وہ شایستگی کا دیوتا کیا وہ دونوں بھی دھوکا تھا؟ وہ نوجوان نورنگس جہم جہم کر ناچتی ہوئی اور کلا کا دھلی وہ استاد کیا وہ تیلوں میں سہنا ہے؟ نہیں یہ قطعی ناممکن ہے۔ میں ان سب کے چہروں کی رائی رائی بھارت دھرا سکتا ہوں۔ کتنا سربلا کلا تھا استاد کا کتنا سور اور قاتل سے پھرا ہوا! کیا وہ

ابھی میرے دیمارا کی بپج تھی ؟ کبھی نہیں ! کبھی نہیں !
 اگر یہ سب سچا سچا اور دھوکا تھا تو یہ نرگس کے پھول ؟ ان کی
 سندیہ ! ان کی پتھریاں اور ان کی مادکنا یہ سب کتنی جیتی
 جاگتی ہاتھیں ہیں ! میں ان کی خوشبو کو سونگ رہا ہوں
 انہیں ہاتھوں سے چھو رہا ہوں اور آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں ۔
 اگر یہ سہلا اور دھوکا نہیں ہے تو وہ حسن کی پری جس نے
 انہیں اپنی کومل آنکھوں سے پکڑ رکھا تھا کیسے سہلا اور دھوکا ہو
 سکتی ہے ؟

❖ ❖ ❖

حکمران نے دیر سے سید کا تال بیکھر دیا۔ اس-
 مان نے ہنس کر اسکی پشانی کو چوم لیا۔ سراج نے
 کنبھوں سے انکی یہ پرم لیا دیکھی ۔ سولسری کے پیڑ پر بیٹھا ہوا پھندا
 پی کہاں ! پی کہاں ! کی ٹہر لگالے لگا ۔ نیچے باغ کی صفائی
 اور اگا دوکا سیلابی کی آمد رخت شروع ہو گئی ۔ میں تھکا ہوا
 بہاری پھروں سے سوزھیاں طے کرتا ہوا نیچے آبا ۔ محل سے نکلے
 ہی ایک ہونٹے خواستکھر پر مہری نظر پڑی ۔ مہنے پاس جا کر
 اُس سے رات کے گیت اور ناچ کی بات پوچھی ۔ لاہرواھی سے
 ہونٹے نے مجھے ٹال دیا ۔ پر جب مہنے اُس حسن کی پری کی
 بات کہی تو اُس کے پیر لڑا کھڑا گئے ۔ اُس کے ہاتھ سے لائے
 چوٹ کر گر پڑی ۔ وہ وہیں کلیجہ تھام کر بیٹھ گیا ۔ جب
 سنبل کر اٹھا تو اسٹیمت آواز میں 'ملکہ جہان ! ملکہ جہان !'
 کہتا ہوا ایک اور چلا گیا ۔ میں اُس سے زیادہ کچھ نہ
 پوچھ سکا ۔

اُس پونو کی رات کی بات میں کس سے پوچھوں ؟ لوگ
 مجھے خبطی اور دیوانہ سمجھیں گے ، حالانکہ مجھے اُس کی ذرا
 بھی پرواہ نہیں ۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی ملکہ جہان
 ممتاز کا مذاق اڑائے ۔

وہ سدا سکندہ دینے والے نرگس کے پھول اب بھی جتن کے
 ساتھ مہرے قرآننگ روم میں چائنا کے پھولدان میں رکھے
 ہوئے ہیں ۔

❖ ❖ ❖

❖ ❖ ❖

❖ ❖ ❖

❖ ❖ ❖

एक आदर्श चीनी मजदूर लड़की

ایک آدرش چینی مزدور لڑکی

श्रीमती प्रभा एम. ए. हिन्दी अध्यापिका
पीकिंग यूनिवर्सिटी पीकिंग, चीन

श्रीमती प्रभा ایم. اے. ہندی ادھیابکا پیکنگ یونیورسٹی
پیکنگ، چین

(1)

(1)

हो चैन शु को मैं पहले नहीं जानती थी पर नाम बहुत मुना था. चीन में जहां कहीं भी हम कपड़े की मिल देखने ए मालूम हुआ कि वहां के कारखाने वाले हो चैन शु का रीका काम में ला रहे हैं. एक दिन मेरे एक विद्यार्थी ल्याओ शी युई ने मुझ से पूछा—“आप हो चैन शु को जानती हैं ?” नि कहा—“पत्रिकाओं में कुछ उनके बारे में पढ़ा है.” सने कहा—“आप उनसे मिलिये, पीकिंग ही में तो हैं और शारे देश में मशहूर हैं.” उसी दिन से मुझे इच्छा हुई कि मैं ते चैन शु से मुलाकात करूं. मैंने अपनी इच्छा अपने चीनी प्रध्यापक साथी श्री यिन हुंग युयेन के सामने रखी. उन्होंने इडी दिलचस्पी के साथ विश्वविद्यालय के पूर्वी-भाषा विभाग की तरफ से मेरे हो चैन शु के पास जाने का प्रबंध कर दिया. मुझे 12 फरवरी को 4 बजे उनसे मिलने का समय दिया गया. मन में अजीब तरह की खुशी महसूस करती हुई मैं उस दिन यिन साहब के साथ हो चैन शु से मिलने चली.

हो चैन शु जनता विश्वविद्यालय (Peoples University) के मिडिल स्कूल में पहले दर्जे की विद्यार्थी हैं. जनता विश्वविद्यालय पेकिंग विश्वविद्यालय से तीन चार मील दूर है. जब हम उस विश्वविद्यालय के फाटक पर पहुंचे तो वहां के प्रधान (Vice-Chancellor) व उपप्रधान (नायब वाइस चांसलर) ने हमारा स्वागत किया. सादी पोशाक में मंमोले क्रद की लगभग उन्नीस बरस की एक तन्दुरुस्त व हंसमुख चेहरे वाली लड़की को प्रधान ने आगे कर दिया—“यह हैं हो चैन शु.” वह हमसे बड़ी युहवत से मिली और उस कमरे में ले गई जहां मेहमानों के बैठने के लिये खास तौर से इन्तजाम है. प्रधान ने मुझ से कहा कि हो चैन शु उनके विश्वविद्यालय में पढ़ती है यह उनके लिये खुशी की बात है. मैं भी बेहद खुश थी. मैंने प्रधान को धन्यवाद दिया कि उन्होंने मुझे हो चैन शु से मिलने का मौका दिया. इस के बाद वे बाहर चले गये और मैं हो चैन शु से बातचीत करने लगी.

हो चैन शु ने मुझे अपने बचपन का हाल बताते हुए कहा:—“मैं शांगतुंग प्रांत के झिंग ताब शहर के पास ताओ

होजिन शु को मैं पहले नहीं जानती थी पर नाम बहुत मुना था. चीन में जहां कहीं भी हम कपड़े की मिल देखने क्ते मेलम हुआ कि वहां के कारखाने वाले हो चैन शु का तरीक काम में ला रहे हैं. एक दिन मेरे एक विद्यार्थी ल्याओ शी युई ने मुझ से पूछा—“आप हो चैन शु को जानती हैं ?” नि कहा—“पत्रिकाओं में कुछ उनके बारे में पढ़ा है.” सने कहा—“आप उनसे मिलिये, पीकिंग ही में तो हैं और शारे देश में मशहूर हैं.” उसी दिन से मुझे इच्छा हुई कि मैं ते चैन शु से मुलाकात करूं. मैंने अपनी इच्छा अपने चीनी प्रध्यापक साथी श्री यिन हुंग युयेन के सामने रखी. उन्होंने इडी दिलचस्पी के साथ विश्वविद्यालय के पूर्वी-भाषा विभाग की तरफ से मेरे हो चैन शु के पास जाने का प्रबंध कर दिया. मुझे 12 फरवरी को 4 बजे उनसे मिलने का समय दिया गया. मन में अजीब तरह की खुशी महसूस करती हुई मैं उस दिन यिन साहब के साथ हो चैन शु से मिलने चली.

होजिन शु जनता विश्वविद्यालय (Peoples University) के मिडिल स्कूल में पहले दर्जे की विद्यार्थी हैं. जनता विश्वविद्यालय पेकिंग विश्वविद्यालय से तीन चार मील दूर है. जब हम उस विश्वविद्यालय के फाटक पर पहुंचे तो वहां के प्रधान (Vice-Chancellor) व उपप्रधान (नायब वाइस चांसलर) ने हमारा स्वागत किया. सादी पोशाक में मंमोले क्रद की एक तन्दुरुस्त व हंसमुख चेहरे वाली लड़की को प्रधान ने आगे कर दिया—“यह हैं हो चैन शु.” वह हमसे बड़ी युहवत से मिली और उस कमरे में ले गई जहां मेहमानों के बैठने के लिये खास तौर से इन्तजाम है. प्रधान ने मुझ से कहा कि हो चैन शु उनके विश्वविद्यालय में पढ़ती है यह उनके लिये खुशी की बात है. मैं भी बेहद खुश थी. मैंने प्रधान को धन्यवाद दिया कि उन्होंने मुझे हो चैन शु से मिलने का मौका दिया. इस के बाद वे बाहर चले गये और मैं हो चैन शु से बातचीत करने लगी.

होजिन शु ने मुझे अपने बचपन का हाल बताते हुये कहा :—
“मैं शांगतुंग प्रांत के झिंग ताब शहर के पास ताओ

سامانک گاؤں میں پیدا ہوئی تھی۔ لاکھوں اور غریب بچوں کی طرح میرا بچپن بھی غریبی میں بوتا۔ گھر میں ماما پتا کے علاوہ چار چھوٹے بھائی اور دو بہنیں تھیں، میں سب سے بڑی تھی۔ پتا جی کے پاس ایک گدھا گاڑی تھی۔ اُس سے وہ چھنگ ناؤ سے دوسری جگہوں پر امیروں کا سامان ڈھویا کرتے تھے۔ اُن دنوں چوروں لٹیروں کے گرن راستہ خطرناک تھا مگر گزارے کا دوسرا سادھن نہ ہونے کے کارن میرے پتا جی کئی سال سے یہی کم کرتے تھے۔ راستے میں پولیس تو رہتی تھی پر وہ بہت کم دھیمان دیتی تھی اور میرے پتا جی انڈر گاڑی لٹ جانے کے کارن دھکی و اداس ہوکر گھر لوٹتے تھے۔ اُن کے دن چنتا میں بیٹتے تھے۔ اور کبھی کبھی سامان لٹ جانے کے کارن اُنہیں امیروں مالکوں کو اُن کے مال کی قیمت بھی بھرنی پڑتی تھی۔ جب کبھی نہیں تو پیسہ کہاں سے دیتے؟ اِس لئے اُن کی حالت بہت ہی خراب رہتی تھی۔“

ہو چین شو نے کہا کہ:—”جب میں آٹھ سال کی تھی تب جاپانیوں نے وہاں قبضہ کر لیا۔ سارا گاؤں خالی کر دیا گیا۔ دوسرے گھروں کے ساتھ ساتھ ہمارا گھر بھی جلا دیا گیا، کیونکہ جاپانیوں کو وہاں ہوائی اڈا بنانا تھا۔ ماما پتا کے ساتھ میں گاؤں کے باہر چلی گئی پر کہیں نہ رہنے کے لئے جگہ نہ ملی۔ ہم سب ایک پھاڑی گھاٹی میں رہنے لگے۔“ اِس پر لکھی ساؤس لیتے ہوئے چن ش نے کہا:—”وہ دنوں ہماری حالت بہت خراب تھی۔ میں گھر کی حالت سمجھتی تو تھی لیکن مجھے کیا کرنا چاہئے یہ سمجھ نہ تھی۔ کچھ دن کے بعد میں ماما جی کے کہنے پر جنگل سے سوکھی گھاس جمع کرنے گئی اور بعد میں روز جنگل سے گھاس، کھیتوں سے سبزیاں اور سنڈر سے کچھ لٹائے کی چیزیں اکٹھا کرنے لگی۔ اُن دنوں میں کچرا گھروں کے آگے اور کارخانوں کے پچھواڑے چکر لگاتی کرتی تھی اور جلے ہوئے کونلوں میں سے اچھے اچھے چھانٹ کر گھر لے آتی تھی۔ کونلہ بھرنے کے کارن میرے ہاتھ، پاؤں، منہ سب کالے ہوئے تھے، اِس لئے اُس پاس کے سب لوگ مجھے ’چھوٹی کالی بھرتی‘ کہتے تھے۔“

یہ کہتے کہتے اُس کے منہ پر مسکراہٹ آگئی۔ پر اُس مسکراہٹ میں بھی اُس سمے کی حالت کا دردناک چتر اور اُس کے پرتی اُس کا استغوش صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

پرستہنوں نے اُسے اپنی عمر سے کچھ ادھک سمجھدار بنا دیا تھا۔ گڑبیاں کھیلنے کی عمر میں اُس نے مزدوری کرنے کی اچھا پڑگٹ کی۔ ماما پتا بھی اِس سے خوش ہوئے پر اُس نے منہ سے کہا کہ بہت کوشش کرنے پر بھی اُسے کوئی کام نہ ملا۔

جون 1949 میں چھنگ ناؤ گاؤں جاپانیوں کے قبضہ سے آزاد ہو گیا۔ اب ہو چین شو کے چھوٹے بھائی کی دشا ہی

یہ کہتے کہتے اُس کے منہ پر مسکراہٹ آگئی۔ پر اُس مسکراہٹ میں بھی اُس سمے کی حالت کا دردناک چتر اور اُس کے پرتی اُس کا استغوش صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

پرستہنوں نے اُسے اپنی عمر سے کچھ ادھک سمجھدار بنا دیا تھا۔ گڑبیاں کھیلنے کی عمر میں اُس نے مزدوری کرنے کی اچھا پڑگٹ کی۔ ماما پتا بھی اِس سے خوش ہوئے پر اُس نے منہ سے کہا کہ بہت کوشش کرنے پر بھی اُسے کوئی کام نہ ملا۔

جون 1949 میں چھنگ ناؤ گاؤں جاپانیوں کے قبضہ سے آزاد ہو گیا۔ اب ہو چین شو کے چھوٹے بھائی کی دشا ہی

پرستہنوں نے اُسے اپنی عمر سے کچھ ادھک سمجھدار بنا دیا تھا۔ گڑبیاں کھیلنے کی عمر میں اُس نے مزدوری کرنے کی اچھا پڑگٹ کی۔ ماما پتا بھی اِس سے خوش ہوئے پر اُس نے منہ سے کہا کہ بہت کوشش کرنے پر بھی اُسے کوئی کام نہ ملا۔

بدل गई. बीनी कारखानों में मजदूरों की मांग हुई. नवम्बर में उसे सरकारी कपड़ा मिल नं० 6 में काम मिल गया. वह उस समय 14 साल की भी नहीं थी.

घर की गरीबी का चित्र उसके सामने था. भाई बहनों का भूक से तड़पना उसे याद था. उससे पहले बीसों बार काम के लिये कोशिश कर चुकी थी, इसलिये जब उसे काम मिला तो वह बहुत खुश हुई और जी लगाकर काम करने लगी. शुरू से ही उसने बड़ी तरक्की की और अपनी लगन व मेहनत से उसने एक नया तरीका निकाला जिसके अनुसार काम करने में पैदावार बढ़ती थी और सब को बहुत फायदा था. कारखाने के अन्दर रुई की कटाई और पूनी बनाई में जो रुई जाया जाती थी उसमें हो चैन शू के नए तरीके से पचासी फीसदी रुई की बचत होने लगी. पहले तो किसी को विश्वास नहीं हुआ. साथियों ने मजाक भी उड़ाया पर लगातार अध्ययन करने और देखते रहने के बाद अधिकारियों को उसकी बात मंजूर करनी पड़ी. हो चैन शू का तरीका एक नया और सफल तरीका था इसलिये दिसम्बर 1950 में वह अपने कारखाने की "आदर्श मजदूर" कहलाने लगी और मई 1951 में उसे दूसरे दर्जे का यानी छिग ताव का "आदर्श मजदूर" घोषित कर दिया गया. अगस्त 1951 में वह सारे देश की "आदर्श मजदूर" कही जाने लगी. उस समय उसका वेतन लगभग 175 रुपये माहवार था और वह मुश्किल से 16 साल की थी.

सितम्बर 1953 में हो चैन शू को कारखाने की तरफ से जनता विश्वविद्यालय के मिडिल स्कूल में पढ़ने के लिये भेजा गया. यहां वह तीन साल पढ़ेगी और फिर अपने काम पर वापस चली जाएगी. हो चैन शू विश्वविद्यालय में बहुत खुश है, वेतन अब भी उसे बराबर मिलता रहता है. उसके पिता ने गाड़ी चलाने का काम नहीं छोड़ा. गांव आजाद होने के बाद अब भी बड़ी खुशी से अपना काम कर रहे हैं. घर लौटते हैं तो मुंह पर प्रसन्नता रहती है क्योंकि एक दिन में करीब करीब 8-10 रुपये की आमदनी उन्हें हो जाती है. माता घर का काम देखती हैं; मगर उनकी आंखों में अब दुख के आंसू नहीं, खुशी की चमक रहती है. सब भाई-बहिन तन्दुरुस्त और खुश हैं और सब पढ़ते हैं—"आजादी ने हमारे परिवार में जीवन ला दिया." हो चैन शू ने कहा—"इस खुशी और आनन्द की पहले हम कल्पना भी नहीं कर सकते थे; हमारा परिवार अब किसी भी परिवार से कम सुखी नहीं. इन शब्दों को कहते समय उसके चेहरे पर बच्चों की सी सरलता थी. बातचीत के साथ साथ उसके चेहरे के भाव भी बदलते जा रहे थे. परिवार के और अपने सुखी जीवन का खिक करते ही वह खुशी से गदगद हो गई. अब उसने अपने आप बातचीत का विषय बदल दिया :—"यह

बदल گئی. چینی کارخانوں میں مزدوروں کی مانگ ہوئی. نومبر میں اسے سرکاری کپڑا مل نمبر 6 میں کام مل گیا. وہ اس سے 14 سال کی بھی نہیں تھی.

گھر کی غریبی کا چتر اُس کے سامنے تھا. بھائی بھٹیوں کا بھوک سے تڑپنا اُسے یاد تھا. اُس سے پہلے بیسوں بار کام کے لئے کوشش کرچکی تھی، اُس لئے جب اُسے کام ملا تو وہ بہت خوش ہوئی اور جی لگا کر کام کرنے لگی. شروع سے ہی اُس نے بڑی ترقی کی اور اپنی لگن و محنت سے اُس نے ایک نیا طریقہ نکالا جس کے آنسو کار کام کرنے میں پیداوار بڑھتی تھی اور سب کو بہت فائدہ تھا. کارخانے کے اندر روئی کی کٹائی اور یونی بنائی میں جو روئی ضائع جاتی تھی اُس میں ہوچین شو کے نئے طریقہ سے پچاسی فیصدی روئی کی بچت ہونے لگی. پہلے تو کسی کو وشواس نہیں ہوا. ساتھ میں نے مذاق بھی اڑایا پر لگاتار اُدھین کرنے اور دیکھتے رہنے کے بعد ادھیڑکریں کو اُس کی بات منظور کرنی پڑی. ہوچین شو کا طریقہ ایک نیا اور سہیل طریقہ تھا اُس لئے دسمبر 1950 میں وہ اپنے کارخانے کی "آدرش مزدور" کہلانے لگی اور مئی 1951 میں اُسے دوسرے درجے کا یعنی چھنگ تار کا "آدرش مزدور" ٹھوسٹ کر دیا گیا. اگست 1951 میں وہ سارے دیہی کی "آدرش مزدور" کہی جانے لگی. اُس سے اُس کا ویتن لگ بھگ 175 روپے ماہوار تھا اور وہ مشکل سے 16 سال کی تھی.

ستمبر 1953 میں ہوچین شو کو کارخانے کی طرف سے چنگا وشودیالیہ کے مڈل اسکول میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا. یہاں وہ تین سال پڑھیکی اور پھر اپنے کام پر واپس چلی جائیگی. ہوچین شو وشودیالیہ میں بہت خوش ہے. ویتن اب بھی اُسے برابر ملتا رہتا ہے. اُس کے پتانے گاڑی چلانے کا کام نہیں چھوڑا. گاڑی آزاد ہونے کے بعد اب بھی بڑی خوشی سے اپنا کام کر رہے ہیں. گھر لوٹتے ہیں تو منہ پر پرسننا رہتی ہے کیونکہ ایک دن میں قریب قریب 8-10 روپے کی آمدنی انہیں ہوجاتی ہے. ماما گھر کا کام دیکھتی ہیں، مگر اُن کی آنکھوں میں اب دکھ کے آنسو نہیں خوشی کی چمک رہتی ہے. سب بھائی بہن تندرست اور خوش ہیں اور سب پڑھتے ہیں. "آزادی نے ہمارے پریوار میں جیون لا دیا" ہوچین شو نے کہا—"اس خوشی اور آئند کی پہلے ہم کلپنا بھی نہیں کر سکتے تھے؛ ہمارا پریوار اب کسی بھی پریوار سے کم سکھی نہیں." ان شبدوں کو کہتے سے اُس کے چہرے پر بچوں کی سی سرلٹا تھی. بات چیت کے ساتھ ساتھ اُس کے چہرے کے بھاؤ بھی بدلتے جا رہے تھے. پریوار اور اپنے سکھی جیون کا ذکر کرتے ہی وہ خوشی سے گدگد ہوگئی. اب اُس نے اپنے آپ بات چیت کا وشئے بدل دیا :—"یہ

بھلا مائیکہ ہے جب میں کسی ہندوستانی مہیلا سے بات چیت کر رہی ہوں۔ مجھے اس سے بے حد خوشی ہے کیونکہ ایتھاس کی کلاس میں ہم نے پڑھا ہے کہ چین اور بھارت میں کئی ہزار برس سے گھنٹہ متروا رہی ہے۔ پچھلے سال پردھان منتری پنڈت نہرو یہاں آئے اور پردھان منتری چائو این لئی بھارت گئے۔ اب سب لوگ یہ جان گئے ہیں کہ دونوں نے جو پنچ شیل کے پانچ سدھانت طے کئے ہیں وہ دنیا کی شانتی کے لئے کتنے ضروری ہیں۔ اس کے بعد ہوجین شولے لہا۔ ”چین سے ایک سانسکرتک منڈل بھارت گیا اور بھارت کا ٹاکر منڈل ہاں آیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں دہشوں کی متروا پرہر اُنتی پر ہے اور اب ہمارا سمبندھ اور زیادہ گھنٹہ ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ نکت بھوشیہ میں ہمارا سمبندھ متروا سے بڑھکر بھائی چارے کا ہو جائیگا۔“

اس نے کہا:—”اخبار میں یہ پڑھکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ بھارت میں چین کے لئے ایک خاص آندولن ہوا اور ’ناہیوان چھوڑو‘ دن منایا گیا، اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ بھارت کی جنتا چھلی جنتا کو پیار کرتی ہے اور اس کی مدد کرتی ہے۔“

”میری بڑی اچھا ہے“ ہو چن شو نے چای کے خالی پیالے میں چائے ڈالتے ہوئے کہا کہ—”بھارت کی مہیلاؤں سے ملوں اور ان سے بھارت کی استریوں کے بارے میں جانکاری حاصل کروں۔ بھوشیہ میں شاید بھارت جانے اور بھارت کی مہیلاؤں سے ملنے کا موقع ملے۔“ جس طرح پیار سے وہ باتیں کر رہی تھی، جس سنبھ سے کبھی ہاتھ میں ہاتھ لیکر، کبھی گلے میں ہاتھ ڈالکر وہ مجھے سب کچھ بتا رہی تھی اس سے اس تھوڑے سے سمنے میں ہی مجھے لگنے لگا کہ میں کسی اجنبی سے نہیں اپنی کسی پریچیت سہیلی سے بات کر رہی ہوں۔ مجھے وشواس ہو گیا کہ وہ کبھی ہوتے ہوئے بھی خوشدل ہے، وچار شیل ہوتے ہوئے بھی ملنسار ہے۔

”میری بڑی اچھا ہے“ ہو چن شو نے چای کے خالی پیالے میں چائے ڈالتے ہوئے کہا کہ—”بھارت کی مہیلاؤں سے ملوں اور ان سے بھارت کی استریوں کے بارے میں جانکاری حاصل کروں۔ بھوشیہ میں شاید بھارت جانے اور بھارت کی مہیلاؤں سے ملنے کا موقع ملے۔“ جس طرح پیار سے وہ باتیں کر رہی تھی، جس سنبھ سے کبھی ہاتھ میں ہاتھ لیکر، کبھی گلے میں ہاتھ ڈالکر وہ مجھے سب کچھ بتا رہی تھی اس سے اس تھوڑے سے سمنے میں ہی مجھے لگنے لگا کہ میں کسی اجنبی سے نہیں اپنی کسی پریچیت سہیلی سے بات کر رہی ہوں۔ مجھے وشواس ہو گیا کہ وہ کبھی ہوتے ہوئے بھی خوشدل ہے، وچار شیل ہوتے ہوئے بھی ملنسار ہے۔

آجکل ہو چین شوکا کاریہ چھتر کانی ہڑا ہے۔ وہ کئی سلسٹھاؤں کی میمبر ہے۔ اس سمنے وہ ’کل چین مزدور نیڈریشن‘ کی کینڈریہ کمیٹی کی میمبر ہے، چین کے ’لوک سنگھ‘ کی کینڈریہ کمیٹی کی بھی میمبر ہے، اور ’کل چین مہیلا نیڈریشن‘ کی کینڈریہ کمیٹی کی میمبر ہے۔ ہو چن شو کو جنتا اور سرکار کی طرف سے بہت سمان ملا۔ 1951 اکتوبر دیوس کے بعد سے وہ چینی جنتا کی ’صلاح مشورہ کمیٹی‘ کی میمبر بنا دی گئی۔ 1952 میں اُسے چینی ’ٹریڈ یونین‘ کے پرتیڈھی کے روپ میں سوویت روس بھجوا گیا۔

ہر مئی دیوس اور اکتوبر دیوس پر وہ منچ پر جاکر جنتا کے سامنے بولنے لگی۔ 1954 میں وہ چین کی لوک پرتیڈھی سپا (چینی پارلیمنٹ) کی میمبر چنی گئی۔

ہر مئی دیوس اور اکتوبر دیوس پر وہ منچ پر جاکر جنتا کے سامنے بولنے لگی۔ 1954 میں وہ چین کی لوک پرتیڈھی سپا (چینی پارلیمنٹ) کی میمبر چنی گئی۔

جب میں نے ہوا چھن شو سے کہا کہ اپنے جیون کی کوئی سب سے بڑی घटना بتاؤ تو उसकी आखें बमकने लगीं और वह बोली—“यूँ तो हर दिन एक घटना रहा है, पर चेयरमैन माथो से मुलाकात होना मेरे जीवन की सबसे बड़ी घटना है. सितम्बर का महीना था. मेरे कारखाने में नए तरीक़े से काम शुरू कर दिया गया था. एक दिन हमारे कारखाने के अधिकारी ने आकर एक पत्र देते हुए मुझसे कहा कि:— यह चेयरमैन माथो की चिट्ठी है, तुम्हें पीकिंग बुलाया है” मैं खुशी और आश्चर्य से अवाक रह गई. कुछ कह न सकी. आसपास के मेरे साथी बड़े खुश हुए, मुझे घेर लिया और कहने लगे कि “हम सबकी तरफ़ से चेयरमैन माथो से कहिये कि हम लोग जरूर देश की पैदावार बढ़ावेंगे.”

उसने कहा:—“फिर मैं घर वापस आई. माता पिता को बताया. मां खुशी के मारे रोने लगी. ‘पिता ने पूछा चेयरमैन माथो के लिये क्या भेंट ले जाओगी?’ मैंने कहा—‘मन में जो बातें हैं वही उनसे कहूँगी, वही मेरी उनके लिये भेंट होगी’ दूसरे ही दिन में पीकिंग के लिये रवाना हो गई. रास्ते में सोचती जाती थी कि चेयरमैन माथो से किस तरह बातचीत करना चाहिये.”

“वह दिन मैं मुला नहीं सकती” हो चेन शु कहती रही—“उस दिन का दृश्य हमेशा आंखों के आगे नाचा करता है. मैं खुशी से कांप रही थी और विश्वास नहीं हो रहा था कि चीन की दुखी और पीड़ित जनता को खुशहाली का जीवन देने वाले माथो तो तुंग मुझसे बात कर रहे हैं. उन्होंने मुझसे जो कहा उसका एक एक शब्द मुझे याद है और वह मेरे लिये एक कीमती सबक है.”

“चेयरमैन माथो ने मुझ से कहा कि ‘काम करने में धमंड नहीं करना चाहिये. मेहनत और लगन से काम करके और नए नए तरीक़े निकालने चाहिये. जो हम जानते हैं वह दूसरों को सिखाना चाहिये और जो नहीं जानते उसे नम्रता के साथ दूसरों से सीखना चाहिये और सबके साथ मिलकर काम करना चाहिये.”

हो चेन शु अपने कारखाने में धीरज के साथ दूसरों को सिखाती थी और दूसरों से सीखती थी. पर अब जनता विश्वविद्यालय में पढ़ने में भी मुश्किल चीजों में अपने साथियों से मदद लेती है और अपने साथियों को मदद देती है. नौजवानों के लिये चेयरमैन माथो का आदेश ‘खूब तन्दुरुस्त रहो, खूब सीखो और खूब काम करो’ उसके सामने है—और इसमें शक नहीं कि वह हर मानी में—तन्दुरुस्ती, तालीम और काम में दूसरों के लिये एक आदर्श है.

جب میں نے ہوا چھن شو سے کہا کہ اپنے جیون کی کوئی سب سے بڑی گھٹنا بتاؤ تو اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ بولی—“میں تو ہر دن ایک گھٹنا رہا ہے، پر چیئر مین ماؤ سے ملاقات ہونا میرے جیون کی سب سے بڑی گھٹنا ہے. ستمبر ۱ مہینہ تھا. میرے کارخانے میں نئے طریقے سے کام شروع کر دیا گیا تھا. ایک دن ہمارے کارخانے کے ادھیکاری نے آکر ایک پتر دیا. ہوئے مجھ سے کہا کہ:— یہ چیئر مین ماؤ کی چٹھی ہے، میں پیکنگ بلایا ہے، میں خوشی اور آسچرے سے اواک رہ گئی. کچھ کہہ نہ سکی. اُس پاس کے میرے ساتھی بڑے خوش ہوئے، مجھے گھیر لیا اور کہے کہ ”ہم سب کی طرف سے چیئر مین ماؤ سے کہتے کہ ہم لوگ ضرور دیہن کی پیداوار بھاریں گے.“

اُس نے کہا:—“پھر میں گھر واپس آئی، ماما پتا کو بلایا. ماما خوشی کے مارے رونے لگی. پتا نے پوچھا چیئر مین ماؤ کے لئے کیا بھیجت لیجاؤ گی؟ میں نے کہا—’من میں جو باتیں ہیں وہی اُن سے کہوں گی‘ وہی میری اُن کے لئے بھیجت ہو گی؛ دوسرے ہی دن میں پیکنگ کے لئے روانہ ہو گئی. اُسے میں سوچتی جاتی تھی کہ چیئر مین ماؤ سے کسی طرح ات چیت کرنا چاہیے.”

”وہ دن میں بھلا نہیں سکتی“ ہو چھن شو کہتی رہی—“اُس دن کا دشبہ ہمیشہ آنکھوں کے آگے ناچا کرتا ہے. میں خوشی سے کانپ رہی تھی اور وشواس نہیں ہو رہا تھا کہ چیئر مین ماؤ کی دوکھی اور پیڑت جنتا کو خوشحالی کا جیون دینے والے ماؤ سے - تنگ مجھ سے بات کر رہے ہیں. انہوں نے مجھ سے جو کہا اس کا ایک ایک شبد مجھے یاد ہے اور وہ میرے لئے ایک قیمتی سبق ہے.”

”چیئر مین ماؤ نے مجھ سے کہا کہ ’کام کرنے میں گھٹنا نہیں دنا چاہئے. محنت اور لگن سے کام کر کے اور نئے نئے طریقے نکالنے چاہئیں. جو ہم جانتے ہیں وہ دوسروں کو سکھا نا چاہئے اور جو نہیں جانتے اُسے سیکھنا کے ساتھ دوسروں سے سیکھنا چاہئے اور سب کے ساتھ ملکر کام کرنا چاہئے.“

ہو چھن شو اپنے کارخانے میں دھیرج کے ساتھ دوسروں کو بکھاتی تھی اور دوسروں سے سیکھتی تھی. پر اب چلتا وشو دیالہ میں پڑھنے میں بھی مشکل چیزوں میں اپنے ساتھیوں سے مدد لیتی ہے اور اپنے ساتھیوں کو مدد دیتی ہے. نوجوانوں نے لئے چیئر مین ماؤ کا آدھن ’خوب تندرست رہو‘ خوب دیکھو اور خوب کام کرو‘ اُس کے سامنے ہے—اور اِس میں شک نہیں کہ وہ ہر معنی میں ’تندرستی‘ تعلیم اور کام میں دوسروں کے لئے ایک آدھن ہے.

ہو چن شو پہلے سے پڑی تھی، پر کارخانے کے ٹوٹی کے کھانے میں ہمیشہ جاتی تھی اور وہاں پڑھتی تھی۔ اپنے کام کے بارے میں اور اپنے انویسٹمنٹ کے بارے میں اس نے کئی لکھ لکھ ہیں۔ اب تک اس کی یہ چار پستکیں بھی نکل چکی ہیں:—

1. "پیکنگ کی ڈائری."
2. "سویات روس کی ڈائری."
3. "خوشحالی کا راستہ."
4. "ہو چن شو کا نیا طریقہ."

جب ہو چن شو نے یہ کتابیں لکھیں تب اسے لکھنے میں بڑی کٹینائی ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ بہت کم چینی انٹر جانتی تھی۔ "پیکنگ کی ڈائری" تو وہ صرف بولتی تھی اور دوسرے لکھتے تھے۔ سوویت روس کی ڈائری، اس نے خود لکھی۔ کتاب لکھنے کے لئے اس نے اپنی سیدھا کے لئے ڈائری میں کچھ نشان دہا لئے تھے۔ ان نشانوں اور کچھ انٹرو کی مدد سے وہ لکھتی رہی۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ نشان دہا کر بھول گئی اور اپنا لکھا غلط پڑھ جاتی تھی۔ مگر بعد میں اس نے بڑی جلدی ترقی کی اور اب وہ اچھی طرح لکھ پڑھ سکتی ہے۔

اپنی پستکیں اس نے مجھے بھیج دی ہیں۔ ان پستکوں کے دیکھتے ہی ہو چن شو کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اپنے انویسٹمنٹ کا لکھا ہو چن شو کا ایک خاص شوق ہے۔ اس کے علاوہ اسے کھل کود میں بھی بڑی دلچسپی ہے۔ بالکھٹ بال، والی بال، آدی خوب کھیلتی ہے۔ سواستہ کے لئے روز کسرت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پڑھنا، سنہما، ناٹک آدی دیکھنا بھی اسے بہت پسند ہے۔ لیکن سریم ہو چن شو کے شبدوں میں—"سب سے زیادہ تو مجھے اپنا صوت کا کام اور آدرغین پسند ہے۔" چن کے سنہما اور ناٹکوں میں کسی طرح کی بھی اشلینتا نہیں ہوتی۔

بات کرتے کرتے چینی درواہ قانون کی بات ہونے لگی۔ وہ بولی:—"نہ چین کا ویاہ کانون تھوڈے سے شادوں میں چینی مہیلاؤں کے अधिकारों کا کانون ہے۔ یہ قانون ہماری راج نہتک، ساماجک اور آرٹھک آزادی کی گارنٹی کرتا ہے" یہ کہتے کہتے وہ زور سے کھکھک کر ہنس پڑی۔ ہو چن شو ابھی اپرواہت ہے۔

ایک ایک کھڑی پر نظر گئی۔ 6 بج رہا تھا، اس لئے میں اس سے پھر کبھی ملنے کا وعدہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور گھر لوٹ آئی۔

12 فروری کی شام تھی جب میں ہو چن شو سے ملی تھی۔ اس بولے مسکراتے چہرے اور ملا سار طبیعت نے ہمیشہ کے لئے اپنی چھاپ مہرے دل پر انکس کر دی ہے۔

1. پیکنگ کی ڈائری۔
2. سوویت روس کی ڈائری۔
3. خوشحالی کا راستہ۔
4. ہو چن شو کا نیا طریقہ۔

بات کرتے کرتے چینی درواہ قانون کی بات ہونے لگی۔ وہ بولی:—"نہ چین کا ویاہ کانون تھوڈے سے شادوں میں چینی مہیلاؤں کے अधिकारों کا کانون ہے۔ یہ قانون ہماری راج نہتک، ساماجک اور آرٹھک آزادی کی گارنٹی کرتا ہے" یہ کہتے کہتے وہ زور سے کھکھک کر ہنس پڑی۔ ہو چن شو ابھی اپرواہت ہے۔

بات کرتے کرتے چینی درواہ قانون کی بات ہونے لگی۔ وہ بولی:—"نہ چین کا ویاہ کانون تھوڈے سے شادوں میں چینی مہیلاؤں کے अधिकारों کا کانون ہے۔ یہ قانون ہماری راج نہتک، ساماجک اور آرٹھک آزادی کی گارنٹی کرتا ہے" یہ کہتے کہتے وہ زور سے کھکھک کر ہنس پڑی۔ ہو چن شو ابھی اپرواہت ہے۔

بات کرتے کرتے چینی درواہ قانون کی بات ہونے لگی۔ وہ بولی:—"نہ چین کا ویاہ کانون تھوڈے سے شادوں میں چینی مہیلاؤں کے अधिकारों کا کانون ہے۔ یہ قانون ہماری راج نہتک، ساماجک اور آرٹھک آزادی کی گارنٹی کرتا ہے" یہ کہتے کہتے وہ زور سے کھکھک کر ہنس پڑی۔ ہو چن شو ابھی اپرواہت ہے۔

12 فروری کی شام تھی جب میں ہو چن شو سے ملی تھی۔ اس بولے مسکراتے چہرے اور ملا سار طبیعت نے ہمیشہ کے لئے اپنی چھاپ مہرے دل پر انکس کر دی ہے۔

हाल ही में बीकिंग में हमने एक सिनेमा देखा. जिसका नाम था 'साठ करोड़ जनता का प्रश्न.' इसमें चीनी क प्रतिनिधि सभा (पारलिमेन्ट) में नए विधान पर बहस ती हुई दिखाई गई थी. दूसरे बड़े बड़े नेताओं के साथ ते एक नौजवान लड़की को भी मंच पर से भाषण देते : सुना. "हो चैन शु" मेरे पास बैठे एक मित्र ने कहा, र मुझे उस दिन की घटना याद आ गई जब जनता खबिद्यालय में मैंने उससे मुलाकात की थी. एक आदर्श म्दूर होने के नाते वह मजदूर प्रतिनिधि के रूप में पारलि- ट की मेम्बर चुन ली गई. इस समय उसकी उमर केवल तीस साल की है.

हो चैन शु के छोटे से जीवन से पता चलता है कि नए न में एक गरीब से गरीब घर में पैदा हुई गांव की लड़की जो देश के आजाद होने से पहले कचरे खानों में से ते हुए कोयले बीनती फिरा करती थी, मौका मिलने पर; स तरह अपनी सूक्ष्म से कारखाने के अन्दर पैदावार को ा सकती है; लिख पढ़ सकती है और थोड़े ही दिनों में । छोटी सी उमर में चीन की पारलिमेन्ट की मेम्बर बन कती है. मैं ऊपर लिख चुकी हूँ उसका जीवन अब भी वैसा सीधा, सरल और मेहनती है और लाखों चीनी लड़कों इकियों की तरह भारत से उसे विशेष प्रेम है.

हाल ही में पेंकिंग में हम ने एक स्लैमा देखा. फ़म का नाम तेह-सांम क्रो जेन्ता का प्रश्न; इस में चीनी लोक प्रतियेही सभा (पारलिमेन्ट) में नए विधान पर बहस होती होनी दिखाने लगी थी. दूसरे बड़े बड़े नेताओं के साथ हम ने एक नौजवान लड़की को भी मंच पर से भाषण देते सुना. "हो चैन शु" मेरे पास बैठे एक मित्र ने कहा, और मुझे उस दिन की घटना याद आ गयी जब जनता खबिद्यालय में मैंने उससे मुलाकात की थी. एक आदर्श मजदूर होने के नाते वह मजदूर प्रतिनिधि के रूप में पारलि- ट की मेम्बर चुन ली गई. इस समय उसकी उमर केवल तीस साल की है.

हो चैन शु के छोटे से जीवन से पता चलता है कि नए न में एक गरीब से गरीब घर में पैदा हुई गांव की लड़की जो देश के आजाद होने से पहले कचरे खानों में से ते हुए कोयले बीनती फिरा करती थी, मौका मिलने पर; स तरह अपनी सूक्ष्म से कारखाने के अन्दर पैदावार को ा सकती है; लिख पढ़ सकती है और थोड़े ही दिनों में । छोटी सी उमर में चीन की पारलिमेन्ट की मेम्बर बन कती है. मैं ऊपर लिख चुकी हूँ उसका जीवन अब भी वैसा सीधा, सरल और मेहनती है और लाखों चीनी लड़कों इकियों की तरह भारत से उसे विशेष प्रेम है.

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

کتابیں



کتابیں

1. میر راجاؤں کے بادشاہ.

2. اکبر الہ آبادی

دونوں کتابیں الہ آباد لا جنرل پریس کی छपी हुई हैं. दोनों के सम्पादक हैं डाक्टर सैयद ऐजाज हुसेन. दोनों की कीमत ढाई-ढाई रुपया है. पहली में 287 सफे हैं और दूसरी में हैं 160.

मिर तक्की मिर, जैसा कि किताब के नाम से जाहिर होता है, राजाओं के बादशाह थे. उनका जमाना वह जमाना था जब उत्तर भारत के लोगों ने न अलग अलग कलचर की खाइयाँ खोदी थीं और न हिन्दी उर्दू की दीवारें खड़ी की थीं. मिर की जमान बड़ी सहल, आसानी से समझ में आने वाली मगर साथ ही साथ ख्यालों की गहराई लिये हुए है. संग्रह के शुरू में 45 सफों में मिर की खिन्दगी और शायरी का परिचय दिया गया है. संग्रह में मिर की दीवानों में से चुनी हुई राजाओं संकलित की गई हैं. कुछ मसनवियाँ भी दी गई हैं और कुछ रवाइयाँ भी.

मिर तक्की सन् 1724 ई० में पैदा हुए थे और कहा जाता है कि सन् 1810 ई० में मरे. यह वह जमाना था जब मुराल बादशाहत खतम हो रही थी और अंग्रेजी राज का सितारा उभर रहा था. उस बदलते हुए जमाने और बदलती हुई दुनिया का मिर पर असर पड़ना लाजमी था. सारा देश फ़त की सी हालतों से गुज़र रहा था. एक गाँव का जिक्र करते हुए मिर लिखते हैं—

चार छप्पर कहीं चमारों के सो भी दूटे गिरे बिचारों के
दूटी फूटी कोई हवेली है सो भी मैदान में अकेली है
एक-दो मुँह से पके हैं बाँ जब हो-हो गए हैं लबे-जाँ
लोग ऐसे मकान सब ऐसे ऐसी जगह न उचटे दिल कैसे
और जो चार घर नज़र आए उनकी खूबी खुले वहीं जाए
इ भी कोली चमार थे कोई फाकों से जोरबार थे कोई
सुरतें काली काली रुखे से सारे कंगाल और भूके से

मिर दिल्ली, मथुरा, भरतपुर, इलाहाबाद और लखनऊ हर जगह गये मगर लखनऊ में ही उन्होंने दम तोड़ा. जब तक जेबे आत्म सम्मान लेकर जिये. कभी किसी के आगे न झुकना और न सम्मान कम किया. उनके शिष्यों में इन्द् मुसलमान सभी थे. अपने मजहबी वसूलों के बारे में लिखते हैं—

1. मिर फ़ज़लों के बादशाह

2. अक़्बुर अल्ले आबादी

दोनوں کتابیں الہ آباد لا جنرل پریس کی छपी ہوئی ہیں. دونوں کے سپادک ہیں ڈاکٹر سید اعجاز حسین. دونوں کی قیمت تھائی تھائی روپیہ ہے. پہلی میں 287 صفحے ہیں اور دوسری میں ہیں 160.

میر تقی میر، جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، غزلوں کے بادشاہ تھے۔ اُن کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب اُتر بھارت کے لوگوں نے نہ الگ الگ کلتچروں کی کھائیاں کھودی تھیں اور نہ ہندی اُردو کی دیواریں کھڑی کی تھیں۔ میر کی زبان بڑی سہل، آسانی سے سمجھ میں آنے والی مگر ساتھ ہی ساتھ خیالوں کی گہرائی لہئے ہوئے ہے۔ سنگتہ کے شروع میں 45 صفحات میں میر کی زندگی اور شاعری کا پریچے دیا گیا ہے۔ سنگتہ میں میر کے دیوانوں سے چلی ہوئی غزلیں سنگت کی گئی ہیں۔ کچھ مثنویاں بھی دی گئی ہیں اور کچھ رباعیاں ہیں۔

میر تقی سن 1724ع میں پیدا ہوئے تھے اور کہا جاتا ہے سن 1810ع میں مرے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغل بادشاہت ختم ہو رہی تھی اور انگریزی راج کا ستارہ اُبھر رہا تھا۔ اُس بدلتے ہوئے زمانے اور بدلتی ہوئی دنیا کا میر پر اثر پڑنا لازمی تھا۔ سارا دیہی قحط کی سی حالتوں سے گذر رہا تھا۔ ایک گوں کا ذکر کرتے ہوئے میر لکھتے ہیں۔

چار چہر کہیں چساروں کے سو بھی توڑے گرے بچاروں کے
ٹوٹی پھوٹی کوئی حویلی ہے سو بھی میدان میں اکیلی ہے
ایک دو مردے سے پڑے ہیں وں جب ہو گئے ہیں وہ اب جاں
لوگ ایسے مکن سب ایسے ایسی جگہ نہ اچھے دل کیسے
اور جو چار گھر نظر آئے اُن کی خوبی کھلے وہیں جائے
وہ بھی کوئی چمار تھے کوئی قاتلوں سے زہر بار تھے کوئی
مورتیں کالی کالی روکھے سے سارے کنگال اور بیوکے سے

میر دلی، مٹھرا، پرتھور، الہ آباد اور لکھنؤ ہر جگہ گئے، مگر لکھنؤ میں ہی انہوں نے دم توڑا۔ جب تک جھٹے اُتم مسلمان لکھ جیتے۔ کبھی کسی کے آگے نہ سر جھکایا اور نہ سنان کم کیا۔ اُن کے مشہور میں ہندو مسلمان سبھی تھے۔ اپنے مذہبی اصولوں کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں—

میر کے دینے مگر کب کو کیا پڑھتے ہو ان نے تو—
کرا آ کر آگیا، دیر میں بیٹا کب کا تکرر ہوا کیا
خود اپنے شہر کے متعلق میر صاحب فرماتے ہیں—

پڑھتے پڑھتے گلیوں میں ان رہتوں کو لوگ
موت رہی یاد یہ باتیں ہماری یاں

میر صاحب جب تک ہندوستان کے لوگوں میں کبیتا کی
تفریح چاہ رہے گی میر کی ہمیشہ قدر کی جائے گی۔

انمول غزلوں، مثالیوں اور رباعیوں سے یہ سنکر ہوا پڑا
مشکل شدوں کے جگہ جگہ آسان معلوم بھی دیکھ رہے

دوسرا سنکر مشہور شاعر اکبر الہ آبادی کی کبیتوں کا ہے۔
ہر ہاسیہ رس کے شاعر تھے۔ ان کا ہاسیہ رس اس قدر اچھا
تا تھا کہ آج تک اس سے بڑھیا اور پر لطف وینک کوئی دوسرا
عزاد نہیں کر پا یا۔ سنکر کے شروع میں شاعر کی ایک چھوٹی
، چھوٹی دی کٹی ہے اور 45 صفحہ کی ایک بھونکا ہے جس
میں اکبر اور ان کی شاعری اور اردو شاعری میں وینک اور
سہ کے اوپر روشنی ڈالی گئی ہے۔ موجودہ سنکر میں اکبر
، چلی ہوئی شاعری دی ہوئی ہے۔ ان میں چھوٹے چھوٹے اور
ی نظمیں دونوں شامل ہیں۔ ایک ملی جلی ہندوستانی
چر اکبر کے من کو بھائی تھی اور آخری وقت تک وہ اس
، صدا بلند کرتے رہے۔ دے لکھتے ہیں—

یہ بولے رو کے پھر اور گیارہیں
دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دین
ہندو مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
کہوں نہ کہوں کہ بھائی بھائی ہیں

ایک دوسری جگہ—

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شہنشاہ و برہمن دونوں
موافق اپنے اپنے باتے ہیں مہرا چلن دونوں
توڑے میوے ہم آغنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں
زبان پر میری موزوں ہوتی ہے حمد و بھجن دونوں

ہندی دنیا کی یہ ایک عمدہ کوشش ہے کہ اردو شاعروں
، چھوٹے دیوناگری حروف میں چھپیں تاکہ ہندی پڑھنے والے اردو
شاعری کی لذت و مٹھاس کا سوا لے سکیں۔ یہ دونوں کتابیں اسی
شہنشاہ کا نتیجہ ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز حسین خود اردو کے ایک
چھ شاعر ہیں اور پرہیزگار و شہیدانہ میں اردو کے پروفیسر ہیں۔
بیسے یوگیت سہانک کی نگرانی میں یہ سنکر پرکاشت کئے
گئے ہیں۔ ہم اس پرہیزگار کا سواکت کرتے ہیں۔

یہ بولے رو کے پیر اور گیا دین
دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دین
ہندو مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
کہوں نہ کہوں کہ بھائی بھائی ہیں

ایک دوسری جگہ—

ینایات مکرر پے کر مارتے ہیں شہنشاہ و برہمن دونوں
مؤافق اپنے اپنے باتے ہیں مہرا چلن دونوں
توڑے میوے ہم آغنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں
زبان پر میری موزوں ہوتی ہے حمد و بھجن دونوں

ہندی دنیا کی یہ ایک عمدہ کوشش ہے کہ اردو شاعروں
، چھوٹے دیوناگری حروف میں چھپیں تاکہ ہندی پڑھنے والے اردو
شاعری کی لذت و مٹھاس کا سوا لے سکیں۔ یہ دونوں کتابیں اسی
شہنشاہ کا نتیجہ ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز حسین خود اردو کے ایک
چھ شاعر ہیں اور پرہیزگار و شہیدانہ میں اردو کے پروفیسر ہیں۔
بیسے یوگیت سہانک کی نگرانی میں یہ سنکر پرکاشت کئے
گئے ہیں۔ ہم اس پرہیزگار کا سواکت کرتے ہیں۔

ہماری آواز

سچا اور شکتی نہیں، सेवा اور त्याग

राष्ट्रपिता महात्मा गान्धी ने आजादी हासिल होने के बाद, अपने एक प्रार्थना प्रवचन में कहा था—“राजनैतिक आजादी किसी भी मुल्क की आजादी का एक अंग है. हिन्दुस्तान ने वह हासिल कर ली. अंगरेज यहाँ से चले गये. मगर अभी तो हमारी मंजिल शुरू हुई है. हमें तो अभी सामाजिक आजादी और आर्थिक आजादी और हासिल करनी हैं. ये तीनों आजादी मिलने पर ही देश पूरी तरक्की कर सकेगा. जब तक ये दोनों आजादी हमें और न मिलें हमें आराम से नहीं बैठना है, हमें दूने जोश और मेहनत से काम करना है.”

गान्धी जी चाहते थे कि कांग्रेस ही इन दोनों आजादियों को हासिल करने का जरिया बने. वह काम कैसे हो जब तक उसका विधान न बदले. गान्धी जी ने ही सन् 1920 1925 और 1934 में जरूरत के मुताबिक कांग्रेस के विधान में तब्दीलियाँ की थीं ताकि कांग्रेस एक संघर्ष करने वाली, क्रान्तिकारी जमात की हैसियत से देश को आजादी दिलाने का जरिया बन सके और वह काम उसने बखूबी अन्जाम दिया. सन् 1920 से पहले कांग्रेस देश में चाँदी के पड़े लिखे लोगों, बड़े बड़े वकीलों, बैरिस्टर्स और रईसों की जमात थी. सन् 1920 के बाद वह निचले मध्यम वर्ग के लोगों के हाथ में आई जिनमें बहुत बड़ी तादाद शहरियों की थी. 1925 में रचनात्मक कामों को, ग्रामसेवा को, ग्रामोद्योगों को कांग्रेस के काम का जुड़ा बनाया गया और इस तरह गान्धी जी ने कांग्रेस को ठेठ मुल्क की जड़ों तक, यानी गाँवों तक पहुँचाने की कोशिश की. 1934 के विधान के जरिये उन्होंने उस कोशिश को और गहराई तक पहुँचाने की प्रज्वीक की. स्वराज्य हासिल होने के बाद वे चाहते थे कांग्रेस का ढाँचा बदल कर ऐसा कर दिया जाय कि वह नारा लगाने वालों, जुलूस निकालने वालों, तक्रारें करने वालों के बजाय निस्पृह, त्यागी, सामाजिक और आर्थिक आजादी की मिसाल खुद अपने निजी जीवन में उतारने वाले

سنا اور شکتی نہیں، سیوا اور تباک

راشد پتا مہاتما گاندھی نے آزادی حاصل ہونے کے بعد، اپنے ایک پرارتنہ پرورچن میں کہا تھا—”راج نیتک آزادی کسی ملک کی آزادی کا ایک انگ ہے. ہندستان نے وہ حاصل لی. انگریز یہاں سے چلے گئے. مگر ابھی تو ہماری منزل دھج ہوئی ہے. ہمیں تو ابھی سماجک آزادی اور آرتھک آزادی حاصل کرنی ہیں. یہ تینوں آزادی ملنے پر ہی دیس دی ترقی کر سکتا. جب تک یہ دونوں آزادی ہمیں اور نہ ہیں ہمیں آرام سے نہیں بیٹھنا ہے، ہمیں دوڑنے جوش اور صنت سے کام کرنا ہے.”

گاندھی جی چاہتے تھے کہ کانگریس ہی ان دونوں آزادیوں حاصل کرنے کا ذریعہ بنے. وہ کام کیسے ہو جب تک اس کا ہاں نہ بدلا. گاندھی جی نے ہی سن 1920 1925 اور 1934 میں ضرورت کے مطابق کانگریس کے ودھان میں تبدیلیاں کیں تاکہ کانگریس ایک سنگموش کرنے والی، کرانتیکاری صامت کی حیثیت سے دیس کو آزادی دلانے کا ذریعہ بن سکے. وہ کام اس نے بخوبی انجام دیا. سن 1920 سے پہلے کانگریس دیس میں چوٹی کے بڑے لکھ اوگوں، بڑے بڑے وکیلوں، رستروں اور رئیسوں کی جماعت تھی. سن 1920 کے بعد وہ چلے مضمیم ورگ کے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن میں بہت ب تعداد شہریوں کی تھی. 1925 میں رجٹانک کاموں، گرم سیوا نو، گرمادیوگوں کو کانگریس کے کام کا جز بنایا گیا. اس طرح گاندھی جی نے کانگریس کو ٹیٹہ ملک کی جزوں سے، یعنی گلوں تک پہونچانے کی کوشش کی. 1934 کے ہاں کے ذریعہ انہوں نے اس کوشش کو اور گہرائی تک پہونچانے کی تجویز کی. سواراجیہ حاصل ہونے کے بعد وہ لکھتے تھے کانگریس کا تھانچہ بدل کر ایسا کر دیا جائے کہ نمرہ لگاتے والوں، جلوس نکالنے والوں، تقریریں لے والوں کے بجائے نوسرہ، تباکی، سماجک اور آرتھک نی کی مثال خود اپنے نجی جہوں میں اُتارنے والے

سماج پرانے طبقوں، کھوئے ہوئے طبقوں اور سب سے سبکوں کی جماٹ بن جاوے، وہ پارلیمنٹری حکومت کے پریشانیوں کی ہڈی نہ کھولنے والی، ایک نکلنے والی نہ رہے بلکہ اپنی ضرورتوں، اپنی پرمپراؤں، اپنی تہذیب اور کلچر، اپنی ویشی سماج اور آرٹھک پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے خود اپنا نہا راستہ نکالنے والی اور دیش کو ترقی کے راستے پر لیجانے والی جماعت ہے۔ وہ کانگریس کا چولا ہی بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اسے شکست اور ستا کا نہیں، تیاگ اور سیوا کا پجاری بنا نا چاہتے تھے۔ اس آدیش سے انہوں نے کانگریس کا ودعا بنا نا شروع کیا۔ اس کا کچھ حصہ لکھا۔ مگر دیش کی بدقسمتی کہ جس دن انہوں نے یہ کم شروع کیا اسی دن ایک دیش ٹھانک پریشاچ کی گولی سے وہ اپنے دیش واسیوں کے کلیان مارگ میں ہلی چڑھ گئے۔ اُن کی موت کے کارن کانگریس کا کیا کلپ نہ ہو سکا۔ وہ نہا چولا نہ بدل سکی۔ وہ سیوا کا راستہ نہ اپنا سکی۔ سرپٹ پر ہونا کے راستے پر دوڑنے لگی۔ کم کی ادھکتا، جیوں رس کا ابھاؤ، بڑھاپہ کا شریہ— نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ برس کی حکومت کے بوجھ سے ہی وہ تھک کر چور چور ہوئی۔ اس کے اوپر تھیلے پڑنے لگے اور انگ پر تینگ بیکار ہونے لگے۔ 27 برس سے وہ جنتا کے دلوں کی پیاری، اُس آنکھوں کا نور اور اُس کی امیدوں کا سہارا تھی۔ ملک کی آزادی آخر کانگریس کے ہی کریم سے جمنی اور پالنے پر اُس کی لوریاں اُس نے سنیں۔ اُنکی جنتا کی امیدیں کانگریس سے ٹوٹنے لگیں۔ آج ملک کا دل بیلے ہی کانگریس کے ساتھ ہو مگر دماغ اُس کا بھٹک رہا ہے۔ جہاں پہلے ایک ہی ترنگا نشان لہراتا تھا وہاں آج دو رنگے، ایک رنگے، لال، پیلے، قسم قسم کے نشان پارٹی آنسروں میں پھرا رہے ہیں۔

یہ نہیں کہ کانگریس اس ساری کیفیت کو سمجھتی نہیں۔ وہ خوب سمجھتی ہے۔ اسے لے روگ کا سبب بھی نہ ہونے دینے کی کوشش کی۔ مگر جب تک گاندھی جی زندہ تھے وہ ہر برائی کا دوشی سب سے پہلے اپنے کو بتاتے تھے۔ خود اپنی ذات سے علاج شروع کرتے تھے۔ مگر اُن کے بعد کیا ہوا ؟ کانگریس کی ہوشی ہوئی انہوشانہ ہونے اور ابرہٹا کے لئے نیتاؤں نے۔ چھوٹے نیتاؤں کو دوش دیا، چھوٹے نیتاؤں نے ایم۔ ایل۔ اے لوگوں کو زمکوار ٹھہرایا اور پھر سب نے ایک رائے سے ملکر پدھوں، ستافین، بھوکے اور لچار چھوٹے چھوٹے ہزاروں کانگریس کے کام کرنے والوں کے سر پر کانگریس کی ساری مصیبتوں کی ذمہ داری مڑے دی۔

رنگ کا وہ صحیح ندان نہیں تھا اس لئے ہر علاج کانگریس کو صحت دینے میں ناکافی ثابت ہوا۔ جنتا کے

یہ نہیں کہ کانگریس اس ساری کیفیت کو سمجھتی نہیں۔ وہ خوب سمجھتی ہے۔ اسے لے روگ کا سبب بھی نہ ہونے دینے کی کوشش کی۔ مگر جب تک گاندھی جی زندہ تھے وہ ہر برائی کا دوشی سب سے پہلے اپنے کو بتاتے تھے۔ خود اپنی ذات سے علاج شروع کرتے تھے۔ مگر اُن کے بعد کیا ہوا ؟ کانگریس کی ہوشی ہوئی انہوشانہ ہونے اور ابرہٹا کے لئے نیتاؤں نے۔ چھوٹے نیتاؤں کو دوش دیا، چھوٹے نیتاؤں نے ایم۔ ایل۔ اے لوگوں کو زمکوار ٹھہرایا اور پھر سب نے ایک رائے سے ملکر پدھوں، ستافین، بھوکے اور لچار چھوٹے چھوٹے ہزاروں کانگریس کے کام کرنے والوں کے سر پر کانگریس کی ساری مصیبتوں کی ذمہ داری مڑے دی۔

رنگ کا وہ صحیح ندان نہیں تھا اس لئے ہر علاج کانگریس کو صحت دینے میں ناکافی ثابت ہوا۔ جنتا کے

رنگ کا وہ صحیح ندان نہیں تھا اس لئے ہر علاج کانگریس کو صحت دینے میں ناکافی ثابت ہوا۔ جنتا کے

میں میں یہ بات بھٹکتی سی جا رہی ہے کہ کانگریس راستہ بھٹک گئی ہے۔ آئی. سی. ایس. انیسویں، آئندہ شاستریوں، سیکریٹریوں کی باتوں، پرائیویٹ سیکریٹریوں اور پرسنل اسٹنٹوں کی قطاروں، سنہلی وردی پہلی سے ایس چپراسیوں، اپ. ٹو. ڈیٹ تی. ایس. مٹروں، انٹر کنڈیشنل حویلیوں نے ملکر اُس کے نیتاؤں کے برقی پتہ پر ایک دھندلہ سا ایک کھرا سا پہلا رکھا ہے۔

انگریز کی نیتاشاہی تھاگ کے یک کے بعد یوگ کے یک کے گزر رہی ہے۔ جب دروہا ہی مینکا پر ریجیم گئے تب یوگی تھاگیوں کی پہلا کیا بساط! مگر دروہا اور مینکا کے مٹھوک سے پیدا ہوئی تھی شکنتلا، کنتو منتریوں اور انسر شاہی کے سٹوگ سے انیکانیک چارج سلتائیں—کنٹرول، بلیک، مارکیٹ، کرپشن، رشوت خوری، سفارش آدمی پیدا ہوئیں، سیکریٹری کے پائلوں میں یہ جھولیں اور دیش کی پونجی تھائی نے انہیں استن پان کرایا، جنتا نے سویم اپنے ساعس کے بل ن پوتلاؤں اور نازکوں کا بدھ کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی لچہ تھکی ہوئی سی ہے بس نظر آتی ہے۔

ہیرا ہیرا کر اسکی نچرے جواہرلال کی طرف جاتی ہیں۔ مگر اکیلے جواہر لال کیا کریں؟ آخر وہ انسان ہیں اور انہوں نے سب کچھ سیکھا مگر اپنے گرد سے وہ کلا نہیں سیکھی کہ مٹی کے پتلوں میں کیسے جان ڈالی جاتی ہے؟ پتت سے پتت انسان کو نیکتا کی سڑھی سے کیسے ارنچا اٹھا یا جا سکتا ہے؟

جواہرلال بھی حیران اور پریشان ہیں۔ جنتا اپنے لایہ کی بچناؤں میں خود کوئی دلچسپی نہیں لیتی—ایسی انہیں شکایت ہے۔ کبھی کبھی تو یہ شکایت اُن کی تقریروں سے برس پھوٹ پڑتی ہے۔ مگر جس یوجنا کے بنائے میں جنتا کی رائے اور مشورہ نہ لیا گیا ہو اُس یوجنا کے لئے جنتا میں اُتساہ کی لہر کیسے دروز سکتی ہے؟ جنتا کا اُتساہ اور سہیوگ حاصل کرنے کا رام بان نسیختہ گاندھی جی نے بتایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا—”جنتا کی سہوا کے لئے سب سے پہلے ہمیں سفید پوشی کی اُتر چھوڑنا ہوگا۔ ہمیں سماج کی سب سے نیچے سڑھی پر جا کر بیٹھنا ہوگا جہاں غریب بھنگی بیٹھا ہے۔ جب ہم اپنے کو اُنٹا نمبر ہلکا لینگے تب ہم جنتا کے کرپا پاتر بن سکیں گے۔ تب جنتا اپنا دل کھول کر ہمارے آگے رکھیں گی جب وہ دیکھیں گی کہ ہم اُسی کے وچاروں کو اپنی ہائی میں بولتے ہیں تب ہم اُس کے سچے پرنیڈلھی بنیں گے۔“ ایک دوسرے اوسر پر انہوں نے کہا تھا—”ستہ اور سنگتیں کو دش میں کرنے کی جنتا نہ کرو، جنتا کو دش میں کرو۔ اگر جنتا دش میں ہو جائیگی تو ستہ اور سنگتیں ریجھے ہوئے تمہارے پیچھے پھریں گے۔“

آج دیش کی مصیبتیں کا مول اس میں ہے کہ شاسک

ہیرا ہیرا کر اسکی نچرے جواہرلال کی طرف جاتی ہیں۔ مگر اکیلے جواہر لال کیا کریں؟ آخر وہ انسان ہیں اور انہوں نے سب کچھ سیکھا مگر اپنے گرد سے وہ کلا نہیں سیکھی کہ مٹی کے پتلوں میں کیسے جان ڈالی جاتی ہے؟ پتت سے پتت انسان کو نیکتا کی سڑھی سے کیسے ارنچا اٹھا یا جا سکتا ہے؟

جواہر لال بھی حیران اور پریشان ہیں۔ جنتا اپنے لایہ کی بچناؤں میں خود کوئی دلچسپی نہیں لیتی—ایسی انہیں شکایت ہے۔ کبھی کبھی تو یہ شکایت اُن کی تقریروں سے برس پھوٹ پڑتی ہے۔ مگر جس یوجنا کے بنائے میں جنتا کی رائے اور مشورہ نہ لیا گیا ہو اُس یوجنا کے لئے جنتا میں اُتساہ کی لہر کیسے دروز سکتی ہے؟ جنتا کا اُتساہ اور سہیوگ حاصل کرنے کا رام بان نسیختہ گاندھی جی نے بتایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا—

”جنتا کی سہوا کے لئے سب سے پہلے ہمیں سفید پوشی کی اُتر چھوڑنا ہوگا۔ ہمیں سماج کی سب سے نیچے سڑھی پر جا کر بیٹھنا ہوگا جہاں غریب بھنگی بیٹھا ہے۔ جب ہم اپنے کو اُنٹا نمبر ہلکا لینگے تب ہم جنتا کے کرپا پاتر بن سکیں گے۔ تب جنتا اپنا دل کھول کر ہمارے آگے رکھیں گی جب وہ دیکھیں گی کہ ہم اُسی کے وچاروں کو اپنی ہائی میں بولتے ہیں تب ہم اُس کے سچے پرنیڈلھی بنیں گے۔“ ایک دوسرے اوسر پر انہوں نے کہا تھا—”ستہ اور سنگتیں کو دش میں کرنے کی جنتا نہ کرو، جنتا کو دش میں کرو۔ اگر جنتا دش میں ہو جائیگی تو ستہ اور سنگتیں ریجھے ہوئے تمہارے پیچھے پھریں گے۔“

آج دیش کی مصیبتیں کا مول اس میں ہے کہ شاسک

سچا اور شکتی پر ریکے ہوئے ہیں۔ لیکن اور سچا کی भावना उनके हृदय से निकल गई है। काँग्रेस का संगठन आज काँग्रेस के पालियामेन्टरी जुझ का अर-खरीद गुलाम है। उसमें नया खून बनना बन्द हो गया है। पुराने नेता अपने निजी स्वार्थों के लिये एम. एल. ए. की कतारों से लेकर मंत्रियों तक मोर्चाबन्दी किये हुये हैं। धनी लोग जिन्होंने चोर बाजारी में पैसा पैदा किया है अपनी बैलियों के जोर पर काँग्रेस में प्रवेश पा रहे हैं। पुराने निस्पृह सेवक संस्था से गिराव-बाजियों के जरिये निकाले जा रहे हैं। धनहीन काँग्रेस कर्मियों के लिये आज सेवा के सब दरवाजे बन्द हैं।

इस कशमकश में जनता की सेवा करने का समय और कुरसत किसे ? भंडे, नारे, जुलूस, दिवस, मेम्बरी, चुनाव, पार्टी, एट-होम, मानपत्र, थेली—इन्हीं के इर्द गिर्द काँग्रेस संगठन का चक्र तेजी से घूम रहा है, मगर न संगठन आगे बढ़ता है, न जनता आगे बढ़ती है और न देश आगे बढ़ता है।

हमें बंगाल के प्रसिद्ध गोपाल भांड का क्रिस्ता याद आता है। कुछ उत्साही लोगों ने नौका चलाने की होड़ की ठानी। कई दल मैच में शामिल हुये। सारी रात की होड़ थी। सब ने चप्पू सन्हाले और छप ! छप छपा ! छप ! की जोरदार आवाजों से कान गूँजने लगे। सब एक दूसरे से आगे बढ़ने के ख्याल से चप्पू चला रहे थे। रात भर बिना थके, बिना झपकी लिये लोग चप्पू चला रहे थे। जब सबेरा हुआ, अंधेरा मिटा तो लोगों को बड़ी हैरानी हुई कि सारी रात चप्पू चलाने के बावजूद नावें जहाँ की तहाँ खड़ी हैं। एक इंच भी आगे नहीं बढ़ीं। बात यह थी कि लोग खूंटों से नावों की रस्सी खोलना ही भूल गये थे। नतीजा यह हुआ कि सारी मेहनतों के बावजूद सारी पार्टियाँ जहाँ की तहाँ खड़ी रहीं, हालांकि अंधेरे में सब यह समझते थे कि हम इनकलाबी प्रगति के साथ मंजिलों तक पहुँचने के लिये औरों से बाजी मार रहे हैं।

गोपाल भांड का यह क्रिस्ता आज की हमारी राजनैतिक पार्टियों के ऊपर हर्फ बहर्फ सच उतरता है। सब पार्टियाँ सच और शक्ति की भूखी हैं, भोग के लिये सब के जी मचल रहे हैं। सेवा और त्याग की भावना से कोई काम नहीं कर रहा, चाहे वह पी. एस. पी. हो, कम्युनिस्ट पार्टी हो, जनसंघ हो, अकाली दल हो, द्रविड़ खजगाम हो वा रोडल्ल कास्ट फेडरेशन हो। सब के सब सच्चा हथियाने के लिये व्याकुल हैं। वही नारे, वही भंडे, वही जुलूस, वही हाय हाय ! जैसे नाग-नाथ वैसे साँपनाथ। जनता की सेवा की भावना से सैकड़ों मील दूर। मन में यही खाहिरा कि कब काँग्रेस का धूम निकले और कब हम मंत्रियों की कुरसियों पर जा बिराजें। सब जोरदार तरीके से अंधेरे में नाव चला रहे हैं, मगर सबने स्वायत्त और कुदरती की खूँटी में अपनी प्रगति की रस्सी बाँध रखी है ! फिर नाव बढ़े तो कैसे बढ़े ? हाँ बिल

सत्ता और शक्ति पर रिके होئے ہیں۔ لیکن اور سچا کی भावना उनके हृदय से निकल गई है। काँग्रेस का संगठन आज काँग्रेस के पालियामेन्टरी जुझ का अर-खरीद गुलाम है। उसमें नया खून बनना बन्द हो गया है। पुराने नेता अपने निजी स्वार्थों के लिये एम. एल. ए. की कतारों से लेकर मंत्रियों तक मोर्चाबन्दी किये हुये हैं। धनी लोग जिन्होंने चोर बाजारी में पैसा पैदा किया है अपनी बैलियों के जोर पर काँग्रेस में प्रवेश पा रहे हैं। पुराने निस्पृह सेवक संस्था से गिराव-बाजियों के जरिये निकाले जा रहे हैं। धनहीन काँग्रेस कर्मियों के लिये आज सेवा के सब दरवाजे बन्द हैं।

اس شخص میں چلتا کی سیوا کرنے کا سبب اور فرصت ہے۔ ۹۔ چھٹسہ، نعرے، جلوس، دیس، مہموری، چٹاؤ، پارٹی، اہم، مان پتر، تھیلی، اینٹھیں کے ارد گرد کانگریس سنگٹھن کا چکر تیزی سے گھوم رہا ہے، مگر نہ سنگٹھن آگے بڑھتا ہے، نہ چلتا آگے بڑھتی ہے اور نہ دیس آگے بڑھتا ہے۔

ہمیں بنگال کے پرسدہ گوپال بھانڈ کا قصہ یاد آتا ہے۔ کچھ اُتساحی لوگوں نے نوا چلانے کی ہوز کی تھائی۔ ٹٹی دکل سہج میں شامل ہوئے۔ ساری رات کی ہوز تھی۔ سب نے چپو سنبھالے اور چپ ! چپ چپ ! چپ کی زوردار آوازوں سے کل گونجنے لگے۔ سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے خیال سے چپو چلا رہے تھے۔ رات بھر بنا تھکے، بنا چپکی لٹے لوگ چپو چلا رہے تھے۔ جب سویرا ہوا، اندھیرا مٹا تو لوگوں کو بڑی حیرانی ہوئی کہ ساری رات چپو چلانے کے باوجود ناویں جہاں کی تہاں کھڑی ہیں۔ ایک اینچ بھی آگے نہیں بڑھیں۔ بات یہ تھی کہ لوگ کھونٹوں سے ناؤں کی رسی کھولنا ہی بھول گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری محنتوں کے باوجود ساری پارٹیاں جہاں کی تہاں کھڑی رہیں حالانکہ اندھیرے میں سب یہ سمجھتے تھے کہ ہم انقلابی پرگنی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اوروں سے بازی مار رہے ہیں۔

گوپال بھانڈ کا یہ قصہ آج کی ہماری راجنیتک پارٹیوں کے اوپر حرف بحرف سچ اُترتا ہے۔ سب پارٹیاں سنا اور شکتی کی بھوک کے لئے سب کے جی مچل رہے ہیں۔ سیوا اور تیاگ کی بھاؤنا سے کوئی کام نہیں کر رہا، چاہے وہ ایس۔ پی۔ ہو، کمیونسٹ پارٹی ہو، جن سنگ ہو، اکالی دل ہو، ہریوز کھنگام ہو یا شیدولڈ کلسٹ فیڈریشن ہو۔ سب کے سب سنا مٹھانے کے لئے دباکل ہیں۔ وہی نعرے، وہی چھٹسہ، وہی چلیس، وہی ہائے ہائے ! جیسا ناگ ناتھ ویسا سانپ ناتھ ! چلتا کی سیوا کی بھاؤنا سے سکڑوں میل دور۔ من میں بھی خوکھس کہ کب کانگریس کا دم نکلے اور کب ہم منتریوں کی کرسیوں پر جا دراجیں۔ سب زوردار طریقے سے اندھیرے میں ناؤ چلا رہے ہیں مگر سب نے سوارتہ اور خود غرضی کی کھونٹی میں اپنی پرگنی کی رسی باندھ رکھی ہے ! پھر ناؤ بڑھے تو کسے بڑھے ؟ خلی بیل

بھلائیوں کو ملے ہی یہ سمجھتے رہیں کہ یرنگی پتہ پر سب سے آگے بڑھ کر باقی ماریں رہیں۔

پھر کیا ہند سلورے تو کیسے سلورے؟ ہند اپنے کو نئے روپ میں کرے تو کیسے کرے؟ دیس آگے بڑھے تو کیسے بڑھے؟

گاندھی جی کا بتایا ایک ہی مूल مंत्र ہے—سچا اور شرف سے نہیں، त्याग और सेवा سے۔

برٹش سامراج واد کی جو سب سے بھینکر مصیبت ہمیں روئے میں ملی وہ ہے—نوکر شاہی—نوکر ہو کر مالک کا دم بھرنے کی نیتی! یوں کہہ کو ہمارا دیس لوک تंत्र ہے۔ لوک تंत्र کا اর্থ ہے جناتا کے ہاتھوں میں 'راج' کی باغبانہ ہونا۔ لیکن یہ بات سچا ایک دن کے لیے—جونا کے دن کے لیے—ہی سہی ہے۔ باقی پانچ برس تو سبک ہی سوامی بنا رہتا ہے۔ ہر بات سچا ایک دن کے لیے—چناؤ کے دن کے لیے—ہی صحیح ہے۔ ہائی پانچ برس تو سبک ہی سوامی بنا رہتا ہے۔ آریں گھروں کی! سکیمیں بنا جتنا روپی مالک سے پوچھے یا ملاح مشورہ کئے پاس کر لی جاتی ہیں۔ نئے نئے کروں کا بیج اس کے سر پر مڑ دیا جاتا ہے۔ مکتیوں اور جاتا کے بیج میں افسر شاہی کا دور دورہ چل رہا ہے۔ جہاں جتنا لے چوں—چپڑ کی، مالک نے سبک سے کچھ جواب طلب کرنے کی گستاخی کی تو بات بات پر لٹھی، گولی، ٹینر کیس سے اس کا سواکت ہونے لگتا ہے۔ جتنا بھوکھی ہے مگر سبک چمچانا، مچھپانا ہاتا شو پہن کر گھومتے ہیں۔ مالک کے بچوں کو پڑھنے کا ٹھکانہ نہیں سبک کے بچے انگلینڈ—امریکہ میں مالک کے دھن سے پڑھنے جاتے ہیں۔ مالک نکلا ہے پر سبک ریشمی بھن شرت پہن کر گھومتے ہیں۔ سوامی جلتی بالو میں پھنسل چلتا ہے مگر سبک تلی لکس موٹروں میں گھومتا ہے۔ مالک چھوٹی سی میں رہتا ہے مگر سبک ایئر کنڈیشنڈ حویلیوں میں رہتے ہیں۔ مالک کے بچے دوا کے بغیر تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں مگر سبک کے زکام کو دور کرنے کے لئے سول سرجن اور بڑے بڑے ڈاکٹر ہاتھ باندھے کھپے رہتے ہیں اور گھٹتے گھٹتے بعد ہیلتھ ہوٹلن نکالتے ہیں! آخر یہ کس پرکار کا سبک سوامی کا رشتہ ہے؟ اور اگر آج جتنا سبک کی یونجنوں میں کوئی داچسپی نہیں لیتی تو جواہر لال جی جو کہ جتنا کے سچے سبک اور ہمدرد ہیں، انہیں جتنا کی دلی کیفیت کا وشلیشن، جہاں بین کرنا چاہئے؛ جتنا کے سبکوں کے طرز عمل کو انہیں بدلتا چاہئے؛ حکومت کے تھانچے میں سدھار کرنا چاہئے؛ جتنا کے سوامی کو جتنا کے ہاتھوں میں دینا چاہئے؛ نوکر شاہی کو سمایت کرنا چاہئے؛ جتنا اور شاکسوں کے بیچ رہن سہن کے استر کی کھائی کر پائنا چاہئے؛ کانگریس کو جن سبکوں کی سچی جماعت بلانا چاہئے؛ ملی جلی حکومت بنانے دیس کی سہوا کرنی چاہئے؛ اور شاکسوں کو سیم دینی چاہئے کہ دیس کے کھان کا راستہ سنا اور ہوگ میں نہیں، سہوا اور تھاک میں ہے۔

بھلائیوں کو ملے ہی یہ سمجھتے رہیں کہ یرنگی پتہ پر سب سے آگے بڑھ کر باقی ماریں رہیں۔

پھر کیا ہند سلورے تو کیسے سلورے؟ ہند اپنے کو نئے روپ میں کرے تو کیسے کرے؟ دیس آگے بڑھے تو کیسے بڑھے؟

گاندھی جی کا بتایا ایک ہی مूल مंत्र ہے—سچا اور شرف سے نہیں، त्याग और सेवा سے۔

برٹش سامراج واد کی جو سب سے بھینکر مصیبت ہمیں روئے میں ملی وہ ہے—نوکر شاہی—نوکر ہو کر مالک کا دم بھرنے کی نیتی! یوں کہہ کو ہمارا دیس لوک تंत्र ہے۔ لوک تंत्र کا اর্থ ہے جناتا کے ہاتھوں میں 'راج' کی باغبانہ ہونا۔ لیکن یہ بات سچا ایک دن کے لیے—جونا کے دن کے لیے—ہی سہی ہے۔ باقی پانچ برس تو سبک ہی سوامی بنا رہتا ہے۔ ہر بات سچا ایک دن کے لیے—چناؤ کے دن کے لیے—ہی صحیح ہے۔ ہائی پانچ برس تو سبک ہی سوامی بنا رہتا ہے۔ آریں گھروں کی! سکیمیں بنا جتنا روپی مالک سے پوچھے یا ملاح مشورہ کئے پاس کر لی جاتی ہیں۔ نئے نئے کروں کا بیج اس کے سر پر مڑ دیا جاتا ہے۔ مکتیوں اور جاتا کے بیج میں افسر شاہی کا دور دورہ چل رہا ہے۔ جہاں جتنا لے چوں—چپڑ کی، مالک نے سبک سے کچھ جواب طلب کرنے کی گستاخی کی تو بات بات پر لٹھی، گولی، ٹینر کیس سے اس کا سواکت ہونے لگتا ہے۔ جتنا بھوکھی ہے مگر سبک چمچانا، مچھپانا ہاتا شو پہن کر گھومتے ہیں۔ مالک کے بچوں کو پڑھنے کا ٹھکانہ نہیں سبک کے بچے انگلینڈ—امریکہ میں مالک کے دھن سے پڑھنے جاتے ہیں۔ مالک نکلا ہے پر سبک ریشمی بھن شرت پہن کر گھومتے ہیں۔ سوامی جلتی بالو میں پھنسل چلتا ہے مگر سبک تلی لکس موٹروں میں گھومتا ہے۔ مالک چھوٹی سی میں رہتا ہے مگر سبک ایئر کنڈیشنڈ حویلیوں میں رہتے ہیں۔ مالک کے بچے دوا کے بغیر تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں مگر سبک کے زکام کو دور کرنے کے لئے سول سرجن اور بڑے بڑے ڈاکٹر ہاتھ باندھے کھپے رہتے ہیں اور گھٹتے گھٹتے بعد ہیلتھ ہوٹلن نکالتے ہیں! آخر یہ کس پرکار کا سبک سوامی کا رشتہ ہے؟ اور اگر آج جتنا سبک کی یونجنوں میں کوئی داچسپی نہیں لیتی تو جواہر لال جی جو کہ جتنا کے سچے سبک اور ہمدرد ہیں، انہیں جتنا کی دلی کیفیت کا وشلیشن، جہاں بین کرنا چاہئے؛ جتنا کے سبکوں کے طرز عمل کو انہیں بدلتا چاہئے؛ حکومت کے تھانچے میں سدھار کرنا چاہئے؛ جتنا کے سوامی کو جتنا کے ہاتھوں میں دینا چاہئے؛ نوکر شاہی کو سمایت کرنا چاہئے؛ جتنا اور شاکسوں کے بیچ رہن سہن کے استر کی کھائی کر پائنا چاہئے؛ کانگریس کو جن سبکوں کی سچی جماعت بلانا چاہئے؛ ملی جلی حکومت بنانے دیس کی سہوا کرنی چاہئے؛ اور شاکسوں کو سیم دینی چاہئے کہ دیس کے کھان کا راستہ سنا اور ہوگ میں نہیں، سہوا اور تھاک میں ہے۔

—ویشو بھار لائے پالنے

सांस्कृतिक साहित्य

सान्स्कृतिक साहित्य

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—गण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—गण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डॉक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय किराऊ, कीमत—तीन रुपया

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—पंडित सन्दीप लाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत عيسى اور عيسائی دھرم

लेखक—पंडित सन्दीप लाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

مہاتما زرتشت اور ایرانی سنسکرتی

लेखक—शुभमभरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

یهودی دھرم اور سامی سنسکرتی

लेखक—शुभमभरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

پراچین مصر کی سبھیقتا اور سنسکرتی

लेखक—शुभमभरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

سیر بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

लेखक—शुभमभरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

پراچین یونانی سبھیقتا اور سنسکرتی

लेखक—शुभमभरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

گنگا سے گوमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

آگ اور آنسو

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डॉक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

قرآن اور دھارمک मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय किराऊ, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

मिलने का पता

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुट्ठीगंज, इलाहाबाद

145 मंथी गंज, अलाहाबाद

हिन्दी घर

ہندی گھر

کلتور پر ہر نگرہ کی کیناویں میلنے
کا ایک بڑی کنڈر—پاٹک ہندی، اردو،
انگریزی کی اپنی من-پسند کیناویں
کے لیے ہمیں لکھیں۔

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے
ایک بڑا کینڈر—پاٹک ہندی
اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے
لے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کیناویں

مہاتما گاندھی کی برسی

(ہندی اور اردو میں)

لکھک: گاندھی کی برسی کے
کینڈر: شری مہاتما گاندھی
صفحہ 225، قیمت دو روپے

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک: گاندھی کی وصیت کے
کینڈر: شری مہاتما گاندھی
صفحہ 225، قیمت دو روپے

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے لکھی گئی کتاب)

لکھک: گاندھی بابا

گاندھی بابا—گاندھی بابا کی زندگی

گاندھی بابا، گاندھی بابا کی زندگی
صفحہ 225، قیمت دو روپے

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے لکھی گئی کتاب)

لکھک: گاندھی بابا

گاندھی بابا—گاندھی بابا کی زندگی

گاندھی بابا، گاندھی بابا کی زندگی
صفحہ 225، قیمت دو روپے

گیتا اور کورن

275 صفحہ، قیمت دو روپے

ہندو مسلمان ایکٹا

160 صفحہ، قیمت دو روپے

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبک

قیمت دو روپے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

بنگل اور اُس سے سبق

قیمت دو روپے

گیتا اور کورن

275 صفحہ، قیمت دو روپے

ہندو مسلمان ایکٹا

160 صفحہ، قیمت دو روپے

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبق

قیمت دو روپے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

بنگل اور اُس سے سبق

قیمت دو روپے

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145 مٹھونجی ایلہاواڈ

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145 مٹھونجی ایلہاواڈ

اس نمبر کے خاص ایڈیٹر

ہندوستان اور ایران کا سمبندھ

—ڈاکٹر تارا چند

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

کتابخانہ کپڑا سوسائٹی، لاہور



اکتوبر 1955

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

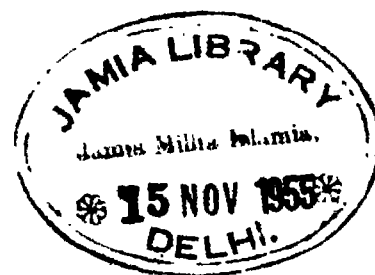
Can be had from —

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

ہندوستان کا ہفت روزہ

نمبر 4 نمبر 20 جلد 20 جلد



اکتوبر 1955

ہندوستانی کلچر سوسائٹی
145، مٹی گنج، لاہور
ہندوستانی کلچر سوسائٹی
145، مٹی گنج، لاہور

کیا کس سے

صفحہ

کس سے

1. ہندوستان اور ایران کا سہلہ
—ڈاکٹر ساراچند ... 193 ...
2. "نئے چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल ... 206 ...
3. اسیویں صدی کے ایک نظیر کی ڈیو
—پंडित सुन्दरलाल ... 211 ...
4. "نئے چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल ... 216 ...
5. "نئے چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल ... 221 ...
6. "نئے چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल ... 224 ...
7. "نئے چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल ... 231 ...
8. "نئے چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल ... 241 ...
9. "نئے چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल ... 244 ...

نئے چین کو مبارکباد! ؛ یہ کیوں؟ ؛ دنیا کی
ماتوں کی کامیابی—पंडित सुन्दरलाल .

نئے چین کو مبارکباد! ؛ یہ
کیوں؟ ؛ دنیا کی ماتوں کی
کامیابی—पंडित सुन्दरलाल .

میں پہلے تب کرنی شروع کی۔ یہ دونوں ملک عرب ساگر کے دوسروں پر ہیں۔ پہچم کے سرے پر کارون ندی، دکھلی زاگروس میں سے بہتی ہوئی اور ان میدانوں میں سے ہوتی ہوئی جہاں ایران کی سب سے پہلی سیہنٹاؤں نے جنم لیا تھا، ایران کی کھاری میں جا کر گرتی ہے۔ پورب میں سندھ ندی جس کا نکلس ہمالیہ کی ہرنالی چوٹیوں سے ہے، پنجاب اور سندھ کے میدانوں کو سیلاب کرتی ہوئی کسی زمانے میں کچھ کی کھاری میں جا کر گرتی تھی۔ کارون اور سندھ دونوں پہاڑوں کے پتھروں اور طرح طرح کی اڈجاؤ متی کو اپنے ساتھ تھکھلتی ہوئی ہمیشہ اپنا راستہ بدلتی اور ان دونوں ملکوں کے الگ الگ حصوں کو اڈجاؤ بناتی رہی ہیں۔

عرب ساگر کے ان دونوں سروں پر انسانی تہذیب ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ دونوں جگہ ساتھ ساتھ شہر آباد ہوئے۔ کھیتی باڑی، پشوپالن اور دھات کی چیزوں کے بننے کے ساتھ دونوں جگہ انسان ایک بہت بڑے درجے تک قدرت کی غمی سے ایک ساتھ آزاد ہوا۔ دولت اور تجارت، سامراج سنسٹھائیں، راج سرکار، علم اور ہنر دونوں جگہ پلے پھولے اور دونوں جگہ کی سیہنٹاؤں کو ترقی دینے لگے۔ پہچم میں تخت جمشید (پرسی پولس)، شوش، کاشان اور نہاوند۔ آئر میں آستراآباد اور آناو جیسے بہت سے پراچین ایرانی شہروں کی کھدائی سے تانبہ، پتھر، کانسا، سونا، جواہرات اور متی کے وہ برتن ملے ہیں جن سے اُس زمانے کی ایرانی تہذیب اور اُس کی ترقی کی منزلوں کا پتہ چلتا ہے۔ ٹھیک اُسی زمانے کی اُسی طرح کی چیزیں موہن جودارو، ہڑپا اور سندھ ندی کے اُس پاس کے اور مقاموں کی کھدائی میں ملی ہیں۔ دونوں طرف کی ان چیزوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں سیہنٹاؤں کتنی ملتی جلتی تھیں اور ان دونوں نے ایک دوسرے سے کسی قدم لیا تھا۔ ایلام میں شوش اور انزان کے راج کچی سمندھ اور وہاں کی راج کچی سنسٹھائیں ہڑپا اور موہن جودارو کے راج کچی سمندھوں اور سنسٹھائوں سے بے حد ملتی جلتی ہیں۔

ایلام اور ہڑپا دونوں کی اُس زمانے کی حکومتیں راج پروہتوں یا پروہت راجاؤں کے ہاتھوں میں تھیں۔ دونوں جگہ وہی پروہت اور وہی راجا ہوتے تھے۔ دونوں جگہ لوگ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ دونوں جگہ ان بہت سے دیوی دیوتاؤں کے اوپر ایک سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا تھا جو ان سب کا راجا سمجھا جاتا تھا اور جو کسی پہاڑ کے شکر پر رہتا تھا۔ دونوں جگہ سورج اور چاند کی پوجا ہوتی تھی، چل اور نل کے دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی، پریم کی دیوی اور سلتان انہی کی دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ ماں یعنی دیوی ماتا کی پوجا ہوتی تھی۔ دونوں جگہ کچھ جانوروں اور درختوں کو بھی پاک مانا

ایلام اور ہڑپا دونوں کی اُس زمانے کی حکومتیں راج پروہتوں یا پروہت راجاؤں کے ہاتھوں میں تھیں۔ دونوں جگہ وہی پروہت اور وہی راجا ہوتے تھے۔ دونوں جگہ لوگ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ دونوں جگہ ان بہت سے دیوی دیوتاؤں کے اوپر ایک سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا تھا جو ان سب کا راجا سمجھا جاتا تھا اور جو کسی پہاڑ کے شکر پر رہتا تھا۔ دونوں جگہ سورج اور چاند کی پوجا ہوتی تھی، چل اور نل کے دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی، پریم کی دیوی اور سلتان انہی کی دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ ماں یعنی دیوی ماتا کی پوجا ہوتی تھی۔ دونوں جگہ کچھ جانوروں اور درختوں کو بھی پاک مانا

چائتا تھا چھوٹے سالز، سائپا، شہر وغیرہ۔ ہر شہر ہر
 گاؤں اور ہر گھر کا اپنا ایک الگ چھوٹا سا مندر ہوتا
 تھا جس میں ان دیوی ذیتوں کی مٹی یا پتھر کی چھوٹی
 چھوٹی مورتیاں ہوتی تھیں۔

ہرے ہرے ملندے جو 'دُکورات' یا خدا کا گھر کہلاتے تھے چاروں طرف اُرنچی اُرنچی دُواروں سے گھرے ہوتے تھے۔ اُن کے اندر ہرے ہرے چبوترے ہوتے تھے۔ کئی کئی منزلیں ایوان ہوتے تھے جن تک پہنچنے کے لئے اُرنچی اُرنچی سیدھے سیدھے ہوتی تھیں۔ اُن کے چاروں طرف اُرنچے میٹاز ہوتے تھے۔ یہ بالکل قائمہ کی طرح ہوتے تھے اور اُن مندروں میں ہیشمار دیولت اور لاکھوں من غلہ جمع رکھتا تھا۔

ایقام اور سندھ دیوٹوں کے علاقے پروست راجاؤں کے ہاتھوں
میں ایک زبردست شکنجے میں کسے رہتے تھے۔ سارا سماج
پورے ریت راجوں کے تنگ سانچوں میں جکڑا ہوا تھا۔ کسی
کو اُس سے باہر نکلنے یا کوئی نئی بات کرنے کی اجازت نہیں
تھی۔

نتیجہ دونوں جگہ ایک سا ہوا۔ دونوں جگہ کے باشندوں پر ایک سی آفت ٹوٹی۔ ایلیم اور سندھ دونوں پر آگر سے آگھاڑ چولہا آریہ حملہ آوروں نے، جو گہوڑوں پر سوار اور لوہے کے ہتھیار لٹے ہوئے تھے، دھاوا بول دیا۔ انہوں نے ان دونوں ملکوں کو روند ڈالا اور انہیں جیت کر اپنے آدھین کر لیا۔ دھیرے دھیرے پورے باشندے اور نئے حملہ آور دونوں کی نسلیں ایک دوسرے میں رل مل کر ایک ہو گئیں۔ یہی آجکل کے ایرانہوں اور هندستانہوں دونوں کے پرکھے تھے۔ ان کی نسل ایک تھی، بولی ایک تھی، دھرم ایک تھا اور کلچر ایک تھی۔

اُن آریہ لوگوں کے اُیران میں پس جانے کے بعد اُن پر وہاں کے چاروں طرف کے حالات کا پورا اثر پڑا۔ اُیران میں طرح طرح کے یہودیہاگ تھے۔ کہیں پہاڑ اور کہیں ریکستان، کہیں دریاؤں کی گھاٹیاں اور بیچ کے مہدان جو آدمیوں، جانوروں اور ہریالی سے بھرے تھوئے ہیں، اور کہیں ریتیلے صفاچٹ مہدان، جن میں دور دور تک نہ کوئی جاندار دکھائی پڑتا ہے اور نہ کوئی گھاس کا تنکا، جہاں سوائے ہوا کی سائیں سائیں کے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اُجالہ اور اندھیرے، نیکی اور بدی کی شکستیاں وہاں صاف الگ الگ کام کرتی دکھائی دیتی تھیں۔

ہندستان میں اُس کے خلف پر کرنی زیادہ نرم، میٹھی، مقلم اور رحم دل معلوم ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کے بعد کھاتے ہوئے بڑے بڑے میدان جنھیں بہت سے بڑے دریا سہلچتے تھے اور ہر سال موسمی بارش جنھیں پھر سے شاداب کر دیتی تھی۔ اُن مہدانوں میں طرح طرح کے درخت، جڑی بوٹیاں اور طرح طرح کے جانور (ہتے تھے۔ ہر سال کی نئی بہار وہاں آدمی کے تصاغ میں یہ خیال

ہی پیدا ہونے نہ دیتی تھی کہ پرکرتی کی فہمی کی کہیں حدیں بھی ہیں یا آبادی کے مقابلہ میں کہیں ویرانی بھی ہے۔

پھر دنیا میں کہیں بھی کوئی بھی پرپررتن کیوں نہ ہو شروع کے خانچے کی چھاپ اُس پر برابر رہتی ہی ہے۔

ایران کے پہاڑوں کے سرکاریوں سے پہلے ایرانیوں کا جو مذہب تھا، جو کچھ تبدیلیوں کے ساتھ بعد کے ہخامنشی اور ساسانی زمانوں میں بھی قائم رہا، وہ ہندوستانی آریوں کے ویدک مذہب سے بے حد ملتا ہوا تھا۔ اُس سے بھی ادھک دھیان دینے کی بات یہ ہے کہ زرتشت نے دھرم کو جو نیا روپ دیا وہ اپنے ہر پہلو میں صاف صاف یہ بتا رہا ہے کہ وہ اور ویدک دھرم دونوں ایک ہی خاندان سے ہیں۔ زرتشت نے پرانی نئی پیچیدگیوں، جٹل ریت و رواجوں اور آندھ وشواسوں کو ہٹا کر جن کی سادگی اور چلن کی پاکیزگی پر زور دیا۔ انہوں نے آدمی کے نیکی کے جیوں کے لئے صاف صاف اور سیدھے سیدھے قاعدے بنا دیے اور حدیں قائم کر دیں۔

آریوں کی کتاب وید اور زرتشت کی کتاب اوستا دونوں بھی اعلان کرتی ہیں کہ خدا، ایشور ایک ہے۔ وید میں لکھا ہے کہ:—”وہ ایک ہے، ویدوان لوگ اسے اس طرح طرح سے بیان کرتے ہیں۔“ اوستا کے مطابق ”آہورمزد (ایشور) ہی اس سارے دنیوی کا بنانے والا اور ساری زندگی کا مالک ہے۔“

ہندوستان کی آریہ دھرم کی کتابوں کا असुर वरुण वही है जो ईरانیوں का अहुरमज्द. यह एक अजीब बात है कि वेदों में वरुण को 'असुर' कहा गया है. हालांकि बाद के साहित्य में 'असुर' का मतलब दानव यानी देवताओं का दुश्मन होता है.

वेदों के मुताबिक वरुण “इस सारी दुनिया का बनाने वाला, क़ायम रखने वाला और रक्षा करने वाला है और सर्वश (अलीम) है. वही ज़मीन और आसमान का बनाने वाला है, उसी ने आसमान के अन्दर तारों और उनकी चालों को क़ायम किया है और जल और थल को फैला कर उनमें जानदारों को बसाया है. वही सब कुछ जानने वाला और सब का हाकिम है. वह भूत, भविष्य और वर्तमान (माज़ी, मुस्तक़बल और हाल) सब को जानता है. वह हवा के रास्तों और उसमें उड़नेवाले परिन्दों और समन्दर में चलने वाले जहाज़ों सब के रास्तों को जानता है. वह आदमी के पलक की छपकियों को भी गिन लेता है. वह दुनियाओं का रक्षक और मालिक है. वह सब चीज़ों को देखता है.”

“आगर मैं उड़कर दूर से दूर के आसमान पर भी पहुँच जाऊँ तब भी मैं असुर वरुण के राज से बाहर नहीं निकल सकता. आसमान में बैठे हुए उसके दूत (फ़रिश्ते)

ایران کے ہخامنشی زرتشت کے سدھاروں سے پہلے ایرانیوں کا جو مذہب تھا، جو کچھ تبدیلیوں کے ساتھ بعد کے ہخامنشی اور ساسانی زمانوں میں بھی قائم رہا، وہ ہندوستانی آریوں کے ویدک مذہب سے بے حد ملتا ہوا تھا۔ اُس سے بھی ادھک دھیان دینے کی بات یہ ہے کہ زرتشت نے دھرم کو جو نیا روپ دیا وہ اپنے ہر پہلو میں صاف صاف یہ بتا رہا ہے کہ وہ اور ویدک دھرم دونوں ایک ہی خاندان سے ہیں۔ زرتشت نے پرانی نئی پیچیدگیوں، جٹل ریت و رواجوں اور آندھ وشواسوں کو ہٹا کر جن کی سادگی اور چلن کی پاکیزگی پر زور دیا۔ انہوں نے آدمی کے نیکی کے جیوں کے لئے صاف صاف اور سیدھے سیدھے قاعدے بنا دیے اور حدیں قائم کر دیں۔

آریوں کی کتاب وید اور زرتشت کی کتاب اوستا دونوں بھی اعلان کرتی ہیں کہ خدا، ایشور ایک ہے۔ وید میں لکھا ہے کہ:—”وہ ایک ہے، ویدوان لوگ اسے اس طرح طرح سے بیان کرتے ہیں۔“ اوستا کے مطابق ”آہورمزد (ایشور) ہی اس سارے دنیوی کا بنانے والا اور ساری زندگی کا مالک ہے۔“

ہندوستان کی آریہ دھرم کی کتابوں کا असुर वरुण वही है जो ईरانیوں का अहुरमज्द. यह एक अजीब बात है कि वेदों में वरुण को 'असुर' कहा गया है. हालांकि बाद के साहित्य में 'असुर' का मतलब दानव यानी देवताओं का दुश्मन होता है.

ویدوں کے مطابق ورن ”اِس ساری دنیا کا بنانے والا، قائم رکھنے والا اور رکشا کرنے والا ہے اور سروگیہ (علیم) ہے۔ وہی زمین اور آسمانوں کا بنانے والا ہے، اُسی نے آسمان کے اندر تاروں اور اُن کی چالوں کو قائم کیا ہے اور جل اور تھل کو پھیلا کر اُن میں جانداروں کو بسایا ہے۔ وہی سب کچھ جاننے والا اور سب کا حاکم ہے۔ وہ بیوت، بھوشیہ اور ورتہمان (ماضی، مستقبل اور حال) سب کو جانتا ہے۔ وہ سوا کے راستوں اور اُس میں اڑنے والے پرندوں اور سمندر میں چلنے والے جہازوں سب کے راستوں کو جانتا ہے۔ وہ آدمی کے پلک کی چھپکیوں کو بھی گن لیتا ہے۔ وہ دنیاؤں کا رکشک اور مالک ہے۔ وہ سب چیزوں کو دیکھتا ہے۔“

”اگر میں اُڑ کر دور سے دور کے آسمان پر بھی پہنچ جاؤں تب بھی میں اُس ورن کے راج سے باہر نہیں نکل سکتا۔ آسمان سے بیٹھے ہوئے اُس کے دوت (فرشتے)

ہاں تو آپ اپنی ہاتھوں سے دنیا کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں۔

بھلا کبھی آپ اپنی ہاتھوں سے دنیا کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں۔
اور لوگوں کے دلوں کے گہرے سے گہرے نہیں جانتا، وہ دیا اور پریم کا بھی ایشور ہے۔ اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں دونوں جگہ وہ اپنے بھکتوں کی خبر رکھتا ہے۔ وہ ان سب پر دیا کرتا ہے اور ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے جو ان شبدوں میں اُس سے پراپت کرتے ہیں۔ ”اے اسور دن! اگر میں نے اپنے کسی پیارے ساتھی یا فائزہ دار کے ساتھ کوئی برائی کی ہے، یا اپنے کسی بھائی یا پڑوسی کے ساتھ، یا اپنے کسی ہم وطن کے ساتھ یا کسی اجنبی کے ساتھ، تو اُس کے لئے تو میرا وہ گناہ معاف کر دے!“

”وہ اُس دنیا میں لوگوں کا مہتر ہے۔ سب سے ملتا ہے۔ اور اس کے بعد اُس دنیا میں، جو اُن لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے، جن پر اُس کی نعمتوں میں اور جہاں نیک روحوں کے لئے ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی آتی رہتی ہے، اور ہر اکہ کی زندگی پہلے کی زندگی سے زیادہ بھر پور اور سندر ہوتی ہے، اُس دنیا کا بھی وہی مالک ہے۔“

زندگی کے انوسار ایشور، خدا یعنی اہور مزد کے دو صاف روپ ہیں جو اہور مزد نام سے ظاہر ہیں۔ اہور کی حیثیت سے وہ ساری جان کا یعنی سب روحوں کا مالک ہے اور مزد کی حیثیت سے وہ ساری مادی دنیا کا بنانے والا ہے۔ ”اہور مزد سرور شکتی مان یعنی قادر مطلق ہے، وہی سب کا انصاف کرنے والا ہے، وہ عقل کل ہے، وہ سب سے اونچا اور سب سے بڑا ہے، وہ سب پر حاوی ہے۔ اُس کے من کے اندر سب چیزوں کی یاد موجود ہے۔ ہر ستمہ والے کے دل میں وہ گواہ کی طرح موجود ہے۔ اُس کی یاد اور مہر سب دھونڈتے ہیں۔ جو اُس سے روشنی چاہتے ہیں انہیں اُس سے روشنی ملتی ہے۔ اُس نے دنیا کو بنایا ہے، وہی اُس میں پھر پھر جان ڈالتا ہے۔ وہ سچائی کی دنیا میں باس کرتا ہے، اُس کا پریم سب جانداروں، آدمیوں اور جانوروں کو اپنے دائرے کے اندر گھیرے ہوئے ہے۔“

ویدوں کے اندر دن کی جتنی تعریفیں گنائی گئی ہیں وہ لگ بھگ سب اوستا کے اندر اہور مزد کی تعریفیں بتائی گئی ہیں۔

اوستا میں ”امیہ سہندوں“ کا بھی ذکر آتا ہے جس کا مطلب پاک روحوں ہے۔ کہیں پر انہیں اہور مزد کی قبول صفتیں یعنی اُس کے گن بتایا گیا ہے اور کہیں اُس کے سہوک یا اُس کی شکتیاں یا اُس کے الگ الگ روپ کہا گیا ہے۔ ویدوں میں بھی ٹھیک اِس طرح سے اہور دن کے سہوکوں اور شکتیوں کا بیان ہے۔

چاروں طرف اپنی ہزاروں آنکھوں سے دنیا کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں۔

دن کیول آدمیوں کے گناہوں کو ہی نہیں دیکھتا اور لوگوں کے دلوں کے گہرے سے گہرے بھیدوں کو ہی نہیں جانتا، وہ دیا اور پریم کا بھی ایشور ہے۔ اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں دونوں جگہ وہ اپنے بھکتوں کی خبر رکھتا ہے۔ وہ ان سب پر دیا کرتا ہے اور ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے جو ان شبدوں میں اُس سے پراپت کرتے ہیں۔ ”اے اسور دن! اگر میں نے اپنے کسی پیارے ساتھی یا فائزہ دار کے ساتھ کوئی برائی کی ہے، یا اپنے کسی بھائی یا پڑوسی کے ساتھ، یا اپنے کسی ہم وطن کے ساتھ یا کسی اجنبی کے ساتھ، تو اُس کے لئے تو میرا وہ گناہ معاف کر دے!“

”وہ اُس دنیا میں لوگوں کا مہتر ہے۔ سب سے ملتا ہے۔ اور اس کے بعد اُس دنیا میں، جو اُن لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے، جن پر اُس کی نعمتوں میں اور جہاں نیک روحوں کے لئے ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی آتی رہتی ہے، اور ہر اکہ کی زندگی پہلے کی زندگی سے زیادہ بھر پور اور سندر ہوتی ہے، اُس دنیا کا بھی وہی مالک ہے۔“

زندگی کے انوسار ایشور، خدا یعنی اہور مزد کے دو صاف روپ ہیں جو اہور مزد نام سے ظاہر ہیں۔ اہور کی حیثیت سے وہ ساری جان کا یعنی سب روحوں کا مالک ہے اور مزد کی حیثیت سے وہ ساری مادی دنیا کا بنانے والا ہے۔ ”اہور مزد سرور شکتی مان یعنی قادر مطلق ہے، وہی سب کا انصاف کرنے والا ہے، وہ عقل کل ہے، وہ سب سے اونچا اور سب سے بڑا ہے، وہ سب پر حاوی ہے۔ اُس کے من کے اندر سب چیزوں کی یاد موجود ہے۔ ہر ستمہ والے کے دل میں وہ گواہ کی طرح موجود ہے۔ اُس کی یاد اور مہر سب دھونڈتے ہیں۔ جو اُس سے روشنی چاہتے ہیں انہیں اُس سے روشنی ملتی ہے۔ اُس نے دنیا کو بنایا ہے، وہی اُس میں پھر پھر جان ڈالتا ہے۔ وہ سچائی کی دنیا میں باس کرتا ہے، اُس کا پریم سب جانداروں، آدمیوں اور جانوروں کو اپنے دائرے کے اندر گھیرے ہوئے ہے۔“

ویدوں کے اندر دن کی جتنی تعریفیں گنائی گئی ہیں وہ لگ بھگ سب اوستا کے اندر اہور مزد کی تعریفیں بتائی گئی ہیں۔

اوستا میں ”امیہ سہندوں“ کا بھی ذکر آتا ہے جس کا مطلب پاک روحوں ہے۔ کہیں پر انہیں اہور مزد کی قبول صفتیں یعنی اُس کے گن بتایا گیا ہے اور کہیں اُس کے سہوک یا اُس کی شکتیاں یا اُس کے الگ الگ روپ کہا گیا ہے۔ ویدوں میں بھی ٹھیک اِس طرح سے اہور دن کے سہوکوں اور شکتیوں کا بیان ہے۔

”अमेश स्पन्द“ दो तरह के हैं—एक वह जिनका सम्बन्ध क्रिया यानी फल से है और दूसरे वह जिनका सम्बन्ध भाव यानी जगत् से है. इनमें पहले का सम्बन्ध अहुर से है और दूसरे का मज्द से. इनमें सब से ऊपर ‘अशा’ है. वेद में ‘अशा’ का नाम ‘ऋत’ रखा गया है, दोनों बिलकुल एक हैं.

अवस्ता में अशा का मतलब है दुनिया की तरतीब, कुरबत का वह कानून जो दुनिया को चलाता है और हमेशा एक सा रहता है और अहुर मज्द की वह इच्छा जो लोगों के सारे सदाचार के कानून की नींव है. अशा ही सच्चाई और धर्म का कानून है.

वेदों में “ऋत” का मतलब है तीन तरह का कानून—एक जड़ यानी मादे का कानून जिससे दुनिया का माही रूप कायम रहता है, दूसरा कुरबानी का कानून, और तीसरा नेकी यानी सदाचार का कानून. “ऋत ही के जरिये सूरज सुबह को निकलता है और बारह महीने के अन्दर आसमान में अपना चक्कर पूरा करता है. ऋत ही के जरिये अग्नि यानी आग लोगों की हवन में चढ़ाई हुई चीजों को देवताओं तक पहुंचा देती है. ऋत बुराई से रोकता है और नेकी का हुक्म देता है. ऋत ही सच्चाई है, ऋत ही धर्म है.”

अवस्ता के दूसरे अमेश स्पन्दों के भी रूप वेदों के अन्दर मिलते हैं.

बहुत से हिन्दुस्तानी देवी देवताओं का अवस्ता में चिक्र आता है. वेदों के आदित्य अवस्ता के स्पन्द मैन्नु हैं. वेदों का ‘मित्र’ और ईरानी ‘मित्र’ दोनों बिलकुल एक हैं. पर न जाने कैसे वेदों का ‘इन्द्र देवता’ अवस्ता का ‘इन्द्र दानव’ यानी इन्द्र शैतान हो गया. वेदों का वृत्राहन ईरान का बिरित्राघन है.

ईरानी किताब गाथा में तीन ‘एज्जद’ का चिक्र है. उनमें से एक आज़र है, जो पहलवी ज़बान में आतर हो गया और आजकल की ईरानी में आतरश हो गया. आज़र वही देवता है जिसे वेदों में अग्नि यानी आग कहा गया है. वेदों के अनुसार अग्नि कई तरह की होती है, आसमानी भी और ज़मीनी भी. “अग्नि बिजली की तरह आसमान में पैदा होती है और दो लकड़ियों की रगड़ से उसी तरह निकल पड़ती है जिस तरह दो प्रेमियों के मेल से. यह अग्नि बादलों से उतर कर पानी में जाती है, पानी से निकल कर पौधों में जाती है और पौधों से आग की लौ और धुँए की शकल में उठकर फिर बादलों में पहुंच जाती है. यही आदमी के अन्दर हरायत उसकी यानी जान है. यही जानवरों और परिन्दों के अन्दर गरमी है. सब दोपायों और चौपायों में यही जान है. यही अमर जीवन यानी हयाते अबदी का मरकज है.”

ईरानी आज़र के पांच रूप हैं:—(1) बरज़ीस वह (बहराम), (2) बहु करयाना (जानदारों के अन्दर की गरमी)

”अमेश स्पन्द“ दो तरह के हैं—एक वह जिन का सम्बन्ध क्रिया यानी फल से है और दूसरे वह जिन का सम्बन्ध भाव यानी जगत् से है. इनमें पहले का सम्बन्ध अहुर से है और दूसरे का मज्द से. इनमें सब से ऊपर ‘अशा’ है. वेद में ‘अशा’ का नाम ‘ऋत’ रखा गया है, दोनों बिलकुल एक हैं.

आस्ता में अशा का मतलब है दुनिया की तरतीब, कुरबत का वह कानून जो दुनिया को चलाता है और हमेशा एक सा रहता है और अहुर मज्द की वह इच्छा जो लोगों के सारे सदाचार के कानून की नींव है. अशा ही सच्चाई और धर्म का कानून है.

वेदों में “ऋत” का मतलब है तीन तरह का कानून—एक जड़ यानी मादे का कानून जिससे दुनिया का माही रूप कायम रहता है, दूसरा कुरबानी का कानून, और तीसरा नेकी यानी सदाचार का कानून. “ऋत ही के जरिये सूरज सुबह को निकलता है और बारह महीने के अन्दर आसमान में अपना चक्कर पूरा करता है. ऋत ही के जरिये अग्नि यानी आग लोगों की हवन में चढ़ाई हुई चीजों को देवताओं तक पहुंचा देती है. ऋत बुराई से रोकता है और नेकी का हुक्म देता है. ऋत ही सच्चाई है, ऋत ही धर्म है.”

आस्ता के दूसरे अमेश स्पन्दों के भी रूप वेदों के अन्दर मिलते हैं.

बहुत से हिन्दुस्तानी देवी देवताओं का अवस्ता में चिक्र आता है. वेदों के आदित्य अवस्ता के स्पन्द मैन्नु हैं. वेदों का ‘मित्र’ और ईरानी ‘मित्र’ दोनों बिलकुल एक हैं. पर न जाने कैसे वेदों का ‘इन्द्र देवता’ अवस्ता का ‘इन्द्र दानव’ यानी इन्द्र शैतान हो गया. वेदों का वृत्राहन ईरान का बिरित्राघन है.

ईरानी किताब गाथा में तीन ‘एज्जद’ का चिक्र है. उनमें से एक आज़र है, जो पहलवी ज़बान में आतर हो गया और आजकल की ईरानी में आतरश हो गया. आज़र वही देवता है जिसे वेदों में अग्नि यानी आग कहा गया है. वेदों के अनुसार अग्नि कई तरह की होती है, आसमानी भी और ज़मीनी भी. “अग्नि बिजली की तरह आसमान में पैदा होती है और दो लकड़ियों की रगड़ से उसी तरह निकल पड़ती है जिस तरह दो प्रेमियों के मेल से. यह अग्नि बादलों से उतर कर पानी में जाती है, पानी से निकल कर पौधों में जाती है और पौधों से आग की लौ और धुँए की शकल में उठकर फिर बादलों में पहुंच जाती है. यही आदमी के अन्दर हरायत उसकी यानी जान है. यही जानवरों और परिन्दों के अन्दर गरमी है. सब दोपायों और चौपायों में यही जान है. यही अमर जीवन यानी हयाते अबदी का मरकज है.”

ईरानी आज़र के पांच रूप हैं:—(1) बरज़ीस वह (बहराम), (2) बहु करयाना (जानदारों के अन्दर की गरमी)

ईरानी आज़र के पांच रूप हैं:—(1) बरज़ीस वह (बहराम), (2) बहु करयाना (जानदारों के अन्दर की गरमी)

(3) برہمنیستا (بھ گارمی جو دو لکڑیوں کے رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے)، (4) بھجیشتا (بجلی) اور (5) سہیشتا (بھ آگ جو سہیشت سے ہمیشہ تک قائم رہتی ہے)۔

بدوں کے پوجا پاٹ میں اور برہمنیستا کے پوجا پاٹ میں دونوں میں سے کسی میں مہیروں کے یا مورتیوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہر گھڑی کا یا تو ہر خانہ دار کا چاہے وہ راجا ہو یا معمولی آدمی، یہ فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے گھر میں آگ کو قائم رکھے اور اُس میں یکم کرتا رہے۔ بدوں میں جسے یکم کہا گیا ہے اُسی کو اوستا میں یسن کہا گیا ہے۔ جو لوگ اُن یکم یا یسنوں میں پروہت کا کام کرتے ہیں اُن کے دونوں میں ایک ہی سے نام ہیں—جسے ’ہوتار‘ ’زونا‘ ’آنہرون‘ ’آنرون‘ کہا اُن کے کاؤس۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ بدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر بکا و شواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ بدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر بکا و شواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

زمنے کے ساتھ ساتھ دونوں جگہ تبدیلیاں ہوئیں، ایران اور ہندستان دونوں پہر سے تلک نگاہ پروہتوں کے جال میں پھنس گئے۔ دونوں جگہ مذہب بھر کیوں اُڑی ریت رواج کی چیز رہ گیا۔ مذہب کی روح دونوں جگہ بھر کم ہو گئی۔ سچائی کی جگہ اندھ و شواسوں نے پھر لے لی اور لوگوں کی نئی نئی دچکا کرنے اور ترقی کرنے کی شکی مٹ کر سب کیوں رسوم پرستی میں پھنس کر رہ گئے۔

اُس گدلم پائی کو پہر سے صاف کر کے مذہب کی شروع کی پانچگی کو پہر سے واپس لانے کے لئے ایران میں کوئی نیا مہابوہی پیدا نہیں ہوا۔ ہندستان میں خوش قسمتی سے گوتم بدھ نے جنم لیا۔ گوتم بدھ نے ریت رواجوں اور اندھ و شواسوں کے بوجھ سے لوگوں کو آزاد کر کے انہیں پہر سے یہ اُپدیش دیا کہ وہ اس طرح کی نیکی اور سچائی کی زندگی بسر کریں جس میں اُن کا اس دنیا میں بھی بھا ہو اور آنا کے ہمیشہ کے جنوں میں بھی کلہاں ہو۔

اس کے بعد باہر سے پہر ایک ایسی آمد آئی جس نے ہندستان اور ایران دونوں کو پہر ملا کر ایک کر

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ بدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر بکا و شواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ بدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر بکا و شواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ بدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر بکا و شواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ بدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر بکا و شواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ بدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر بکا و شواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ بدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر بکا و شواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

دیا۔ شیکندر نے ہخامنشی سامراج کو مٹا کر سیراٹ اشوک کے ہندو مشنریوں کے لئے راستہ کھول دیا کہ وہ اپنے نئے مذہب کا پیغام ہندوستان سے لے جا کر پچھلی دنیا کے دیہاتوں تک پہنچا سکیں۔ مذہب (سر) اور مذہب (آمو) ندیوں کے کناروں سے لے کر ہرمند تک پوری ایران ہندو مشنریوں اور ہندو بھجوروں سے بھر گیا۔ سندھ سے لے کر سیستان تک ہندو ملحد اور متہ کھڑے ہو گئے۔ اشوک کے بعد اُس کے جانشین راجاؤں نے بھی اس مذہب کو قبول کر لیا اور اُسے اپنے یہاں کے نام لوگوں میں پھیلایا۔

ایران میں جو گرمی اور جوشاہن تھریوں سے پیدا ہوا اُس سے ایک عجیب طرح کا نیا سنگم، ایک نئی طرح کی ترکیب پیدا ہوئی جس میں زرتشتی دھرم، عیسائی دھرم اور ہندو دھرم تینوں اکو مل گئے۔ اس نئے مذہب کا نام 'مانی' مذہب تھا۔

مہاتما مانی ایران کے اندر ٹیک اُس مہادیو پتھل کے زمانے میں 14 اپریل سن 216ء کو پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اتر پچھم ہندوستان گئے اور وہاں دو سال رہ کر وہاں کے دھرموں کو سمجھتے اور سیکھتے رہے۔ اس کے بعد ایران جا کر انہوں نے اپنے دھرم کو رپھ دیا اور اسکا پچار شروع کیا۔ 9 اپریل سن 243ء کو وہ پیروچ کی مارٹل ایران کے بادشاہ شاہپور سے ملے اور انہوں نے شاہپور کو کڑی کڑی اپنے مہادیو کا پیرو بنا لیا، لیکن آخیرکار پورانے مہادیو کے مہادیو پتھلوں کا بولبولا رہا اور سن 277ء میں مانی کو بڑی بددلی کے ساتھ سولی پر چڑھا دیا گیا۔

مہاتما مانی کے وچار مہادیو وچار کے بارے میں بنیاداً ہندو وچار تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ دنیا دھم کی گھاٹی ہے، آدمی کا جیون قدرتی طور پر درد اور رنج کا جیون ہے۔ اس سے چھٹکارا پانے کی ہچکھا آدمی میں ایک کدورتی ہچکھا ہے۔ کدورتا، مہادیو یا نجات کا ایک ہی تریکا ہے اور وہ ہے त्याग यानी अपने नफस को पूरी तरह काबू में करना, जिसका आखिरी نتیजा फना यानी अपने अलग वजूद को मिटा डालना है. यही नجات है.

چونکہ ہر آدمی اپنا زبردست تیاگ نہیں کر سکتا اس لئے مانی نے انسانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا—ایک خاص چاہ ہونے والی آدمی یعنی بھگت اور دوسرے معمولی انسان جنہیں وہ مستمعین یعنی سننے والے کہتے تھے۔ خاص چاہ ہونے والوں کو تین طرح کی پرکھا کرنی پڑتی تھی جنہیں تین مہریں کہا جاتا تھا۔ ان میں پہلی مہر پر مہر لگانا تھا جس کا مطلب تھا گوشت

دیا۔ شیکندر نے ہخامنشی سامراج کو مٹا کر سیراٹ اشوک کے ہندو مشنریوں کے لئے راستہ کھول دیا کہ وہ اپنے نئے مذہب کا پیغام ہندوستان سے لے جا کر پچھلی دنیا کے دیہاتوں تک پہنچا سکیں۔ مذہب (سر) اور مذہب (آمو) ندیوں کے کناروں سے لے کر ہرمند تک پوری ایران ہندو مشنریوں اور ہندو بھجوروں سے بھر گیا۔ سندھ سے لے کر سیستان تک ہندو ملحد اور متہ کھڑے ہو گئے۔ اشوک کے بعد اُس کے جانشین راجاؤں نے بھی اس مذہب کو قبول کر لیا اور اُسے اپنے یہاں کے نام لوگوں میں پھیلایا۔

ایران میں جو گرمی اور جوشاہن تھریوں سے پیدا ہوا اُس سے ایک عجیب طرح کا نیا سنگم، ایک نئی طرح کی ترکیب پیدا ہوئی جس میں زرتشتی دھرم، عیسائی دھرم اور ہندو دھرم تینوں اکو مل گئے۔ اس نئے مذہب کا نام 'مانی' مذہب تھا۔

مہاتما مانی ایران کے اندر ٹیک اُس مہادیو پتھل کے زمانے میں 14 اپریل سن 216ء کو پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اتر پچھم ہندوستان گئے اور وہاں دو سال رہ کر وہاں کے دھرموں کو سمجھتے اور سیکھتے رہے۔ اس کے بعد ایران جا کر انہوں نے اپنے دھرم کو رپھ دیا اور اُس کا پچار شروع کیا۔ 9 اپریل سن 243ء کو وہ پیروچ کی مارٹل ایران کے بادشاہ شاہپور سے ملے اور انہوں نے شاہپور کو کڑی کڑی اپنے مہادیو کا پیرو بنا لیا، لیکن آخیرکار پورانے مہادیو کے مہادیو پتھلوں کا بولبولا رہا اور سن 277ء میں مانی کو بڑی بددلی کے ساتھ سولی پر چڑھا دیا گیا۔

مہاتما مانی کے وچار مہادیو وچار کے بارے میں بنیاداً ہندو وچار تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ دنیا دھم کی گھاٹی ہے، آدمی کا جیون قدرتی طور پر درد اور رنج کا جیون ہے۔ اس سے چھٹکارا پانے کی ہچکھا آدمی میں ایک کدورتی ہچکھا ہے۔ کدورتا، مہادیو یا نجات کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے त्याग यानी अपने नफस को पूरी तरह काबू में करना, जिसका आखिरी نتیजा फना यानी अपने अलग वजूद को मिटा डालना है. यही नجات है.

چونکہ ہر آدمی اپنا زبردست تیاگ نہیں کر سکتا اس لئے مانی نے انسانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا—ایک خاص چاہ ہونے والی آدمی یعنی بھگت اور دوسرے معمولی انسان جنہیں وہ مستمعین یعنی سننے والے کہتے تھے۔ خاص چاہ ہونے والوں کو تین طرح کی پرکھا کرنی پڑتی تھی جنہیں تین مہریں کہا جاتا تھا۔ ان میں پہلی مہر پر مہر لگانا تھا جس کا مطلب تھا گوشت

تصوف کے اصولوں کو سب سے پہلے خراسانیوں نے
طوس کے رہنے والے ابو نصر سراج نے کتاب اللمع فی التصوف
نہی۔ ابو الحسن الہمدانی نے جو غزنہ کا رہنے والا تھا، کشف
المحجوب لکھی۔ طوس کے رہنے والے الفزالی نے جو اسلامی
زندگی کا سب سے بڑا حکیم اور عالم مانا جاتا ہے، تصوف کے
اوپر بیہزار عالمانہ کتابیں لکھیں۔ آخر میں عبدالرحمان
نیرالدین چلی نے لوائح نام کی وہ بے نظیر کتاب لکھی جو
اسلامی تصوف کی سب سے زیادہ ہر دل عزیز کتاب مانی
جاتی ہے۔

ایک تصوف کی سب سے بڑی قیمت خدمت خراسان
کے ان صوفی، سنتوں اور شاعروں نے کی—نیرالدین عطار جس
نے مطلق الطہر لکھا۔ ابوالمجد سلانی جس نے حقیقۃ الحقیقت
لکھی۔ اور ان سب میں بزرگ سہت، جو تصوف کے فلسفے کے
سرتاج مانے جاتے ہیں، مولانا جلال الدین رومی ہلنڈی نے اپنی
مشہور مثنوی لکھی۔

یہ بھی قدرتی تھا کہ پوری ایران کا وہی حصہ جو ہندستان
کے دھرمک وچاروں سے اوت پرور ہو چکا تھا اسلام کے آنے کے
بعد ایرانی کلچر کی بیداری اور اسلامی تصوف کا سب سے بڑا گہوارہ
ناہت ہوا۔ بلخ ہی کا رہنے والا خالد، جو بوندہ نوہار کے سب
سے بڑے پروہت (پرمکھ) کے خاندان سے تھا، عباسی خلیفوں
کا 'پرمکی وزیر' ہوا۔ اُس نے اسلامی سلطنت کو حقیقی ایرانی
روپ دینے میں بہت زبردست حصہ لیا۔ خالد ہی نے عباسی
خلیفوں کے دربار میں بہت سی سنسکرت اور پہلوی کتابوں کا
عربی میں ترجمہ کرایا۔

ان سب چیزوں کی طرف دھیان دلانے کے لئے زیادہ وقت
کی ضرورت ہے۔ اب میں صرف تھوڑے سے میں مولانا روم کی
مشہور مثنوی کا ذکر کرونگا اور یہ دیکھنا چاہونگا کہ مولانا روم کے
وچاروں اور ہندستانی فلسفہ ویدانت کے وچاروں میں کتنی
گہری سمجھتا ہے۔

مثنوی میں بہت سی کہانیاں اور قصے ہیں۔ ان میں سے
کئی ہندستان کی کہانیاں ہیں جو ترجموں کے ذریعہ مولانا روم
نک پہنچیں۔ مثال کے طور پر:—

(1) شیو اور خرگوش کی کہانی؛
(2) اندھے آدمیوں اور ہاتھی کی کہانی؛
(3) لومڑی اور قہول کی کہانی؛
(4) خرگوش کی کہانی جنہوں نے ہاتھی کے پاس اپنا
سندیش بھیجا تھا؛

(5) درویش کی کہانی جس نے خود اپنی جان دی
تھی۔

مولانا روم کے وچاروں میں بہت سے بلخانی وچار ہندستان
کے وچاروں سے ملتے ہیں۔ مثلاً:—

(1) خدا کا وچار؛

لیکن تصوف کی سب سے بڑی قیمت خدمت خراسان
کے ان صوفی، سنتوں اور شاعروں نے کی—نیرالدین عطار جس
نے مطلق الطہر لکھا۔ ابوالمجد سلانی جس نے حقیقۃ الحقیقت
لکھی۔ اور ان سب میں بزرگ سہت، جو تصوف کے فلسفے کے
سرتاج مانے جاتے ہیں، مولانا جلال الدین رومی ہلنڈی نے اپنی
مشہور مثنوی لکھی۔

یہ بھی قدرتی تھا کہ پوری ایران کا وہی حصہ جو ہندستان
کے دھرمک وچاروں سے اوت پرور ہو چکا تھا اسلام کے آنے کے
بعد ایرانی کلچر کی بیداری اور اسلامی تصوف کا سب سے بڑا گہوارہ
ناہت ہوا۔ بلخ ہی کا رہنے والا خالد، جو بوندہ نوہار کے سب
سے بڑے پروہت (پرمکھ) کے خاندان سے تھا، عباسی خلیفوں
کا 'پرمکی وزیر' ہوا۔ اُس نے اسلامی سلطنت کو حقیقی ایرانی
روپ دینے میں بہت زبردست حصہ لیا۔ خالد ہی نے عباسی
خلیفوں کے دربار میں بہت سی سنسکرت اور پہلوی کتابوں کا
عربی میں ترجمہ کرایا۔

ان سب چیزوں کی طرف دھیان دلانے کے لئے زیادہ وقت
کی ضرورت ہے۔ اب میں صرف تھوڑے سے میں مولانا روم کی
مشہور مثنوی کا ذکر کرونگا اور یہ دیکھنا چاہونگا کہ مولانا روم کے
وچاروں اور ہندستانی فلسفہ ویدانت کے وچاروں میں کتنی
گہری سمجھتا ہے۔

مثنوی میں بہت سی کہانیاں اور قصے ہیں۔ ان میں سے
کئی ہندستان کی کہانیاں ہیں جو ترجموں کے ذریعہ مولانا روم
نک پہنچیں۔ مثال کے طور پر:—

(1) شیو اور خرگوش کی کہانی؛
(2) اندھے آدمیوں اور ہاتھی کی کہانی؛
(3) لومڑی اور قہول کی کہانی؛
(4) خرگوش کی کہانی جنہوں نے ہاتھی کے پاس اپنا
سندیش بھیجا تھا؛

(5) درویش کی کہانی جس نے خود اپنی جان دی
تھی۔

مولانا روم کے وچاروں میں بہت سے بلخانی وچار ہندستان
کے وچاروں سے ملتے ہیں۔ مثلاً:—

(1) خدا کا وچار؛

میلانا "بھگوان" کے ماننے والے تھے جسکا मतलब ہے کہ سب کو خدا کے اور کوئی چیز ہے ہی نہیں، باقی جو دیکھا دیتا ہے کرے یا نہیں دیکھا ہے۔

مسنوی میں لکھا ہے:—

"ہرک یا نی اسالیات ایک ہی وجود ہے اور خالق یا نی دنیا میں جو چیزیں دیکھا دیتی ہیں وہ ایسی ہی ہیں جیسے رستی ایک ہو اور اس میں جگہ جگہ سڑکیں گھیر لگا دی جائیں۔ ایک حقیقت کا ہزاروں جگہ دیکھا دینا اس حقیقت کو ہزاروں نہیں کر دیتا۔ یہ سب کھول گلی کا پھر ہے۔ خدا کی وحدانیت ایک سمندر ہے، جس میں ایک اور دو کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ اس سمندر کے اندر موتی، مچھلی اور لہریں سب سمندر ہی کے روپ اور سمندر ہی سمندر ہیں۔"

ہندو فلسفے میں خدا کی باہت "ایکم ایادوتھم" کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے—وہ ایک ہی ہے اور دوسرا کوئی ہے ہی نہیں۔

بھگوت گیتا میں لکھا ہے:—

"وہ آتما سب دہی شکتیوں میں سب سے اعلیٰ اور سب سے پرانے ہے، اس میں جو کچھ ہے سب اس کے اندر ہے۔"

میلانا روم لکھتے ہیں:—

"نہ اسکا کوئی اشارہ مل سکتا ہے، نہ وہ ظاہر ہو سکتا ہے، نہ کسی کو اس کا علم ہو سکتا ہے، نہ کسی کو اس کا نشان مل سکتا ہے۔ عقل اس کو سوچ سکتی یا بیان میں لاسکتی ہے نہ قیامت نہیں دیتی۔ وہ نہ آگے ہے نہ پیچھے، نہ نیچے ہے نہ اوپر، وہ نزدیک سے نزدیک ہے، پھر بھی نہ اس کی کوئی کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ وہ قیاس یعنی گمان میں آسکتا ہے۔"

ہندوستان کے فلسفے کی کتابوں کہتی ہیں:—

"وہ آنرچلیو ہے یعنی اسے کسی بھی شے میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نہ آگے اسے دیکھ سکتی ہے، نہ زبان بیان کر سکتی ہے، نہ خیال اس تک پہنچ سکتا ہے۔"

"پریم آتما" کا मतलब ठीक वही है जो "जाते मतलब" का۔

میلانا روم لکھتے ہیں:— "خدا دنیا میں ایسا ہی ہے جیسے "آتما" کے اندر مکھن (روغن اندر دوغ)۔" آپنیشدوں میں لکھا ہے کہ—"پریم آتما دنیا میں اس طرح رہا ہوا ہے جیسے پانی میں نمک۔"

(2) دنیا کا بیچارہ

میلانا "وحدت الوجود" کے ماننے والے تھے جس کا مطلب ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی چیز ہے ہی نہیں، باقی جو دیکھا دیتا ہے سب کریم یعنی دیکھا ہے۔

مسنوی میں لکھا ہے:—

"حق یعنی اصلیت ایک ہی وجود ہے اور خلق یعنی دنیا میں جو چیزیں دیکھا دیتی ہیں وہ ایسی ہی ہیں جیسے رستی ایک ہو اور اس میں جگہ جگہ سڑکیں گھیر لگا دی جائیں۔ ایک حقیقت کا ہزاروں جگہ دیکھا دینا اس حقیقت کو ہزاروں نہیں کر دیتا۔ یہ سب کھول گلی کا پھر ہے۔ خدا کی وحدانیت ایک سمندر ہے، جس میں ایک اور دو کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ اس سمندر کے اندر موتی، مچھلی اور لہریں سب سمندر ہی کے روپ اور سمندر ہی سمندر ہیں۔"

ہندو فلسفے میں خدا کی باہت "ایکم ایادوتھم" کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے—وہ ایک ہی ہے اور دوسرا کوئی ہے ہی نہیں۔

بھگوت گیتا میں لکھا ہے:—

"وہ آتما سب دہی شکتیوں میں سب سے اول اور سب سے پرانے ہے، اس میں جو کچھ ہے سب اس کے اندر ہے۔"

میلانا روم لکھتے ہیں:—

"نہ اس کا کوئی اشارہ مل سکتا ہے، نہ وہ ظاہر ہو سکتا ہے، نہ کسی کو اس کا علم ہو سکتا ہے، نہ کسی کو اس کا نشان مل سکتا ہے۔ عقل اس کو سوچ سکتی یا بیان میں لاسکتی ہے نہ قیامت نہیں دیتی۔ وہ نہ آگے ہے نہ پیچھے، نہ نیچے ہے نہ اوپر، وہ نزدیک سے نزدیک ہے، پھر بھی نہ اس کی کوئی کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ وہ قیاس یعنی گمان میں آسکتا ہے۔"

ہندوستان کے فلسفے کی کتابوں کہتی ہیں:—

"وہ آنرچلیو ہے یعنی اسے کسی بھی شے میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نہ آگے اسے دیکھ سکتی ہے، نہ زبان بیان کر سکتی ہے، نہ خیال اس تک پہنچ سکتا ہے۔"

"پریم آتما" کا مطلب ٹھیک وہی ہے جو "ذات مطلق" کا۔ میلانا روم لکھتے ہیں:— "خدا دنیا میں ایسا ہی ہے جیسے "آتما" کے اندر مکھن (روغن اندر دوغ)۔" آپنیشدوں میں لکھا ہے کہ—"پریم آتما دنیا میں اس طرح رہا ہوا ہے جیسے پانی میں نمک۔"

(2) دنیا کا بیچارہ

میلانا روم لکھتے ہیں :—

”یہ جہان نفی (نہیں) ہے، تو اگر اصلیت کو ڈھونڈنا چاہتا ہے تو اُس کے اندر ڈھونڈنا چاہیے جو ہے۔ جتنی صورتیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب صفر (شونہ) ہیں۔ حقیقت (اصلیت) شدوں میں نہیں، معنی میں ہے۔ ہم سب عدم (نہیں) ہیں، ہمارا وجود ایک دھوکا ہے۔ خدا وجود مطلق ہے۔ اکیلے اسی کا وجود ہے۔ شکل کیوں جسموں کے لئے ہے اور معنی کے سامنے جسم کیوں نام ہی نام ہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ سارا وجود ایک موتی کی طرح ہے، نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پیر، یا یوں کہا جائے کہ سب ایک ہی موتی تھا، جیسے ایک آفتاب۔ وہ پانی کی طرح صاف تھا، اُس میں کوئی گرہ نہ تھی، وہ نور ہی نور تھا۔ جب اُس سے صورتیں نکلیں تو وہ اس طرح ظاہر ہوئیں جس طرح الگ لگ سائے آنکھ کو دکھائی دیتے ہیں۔“

ہندوستان کے فلاسفے کی کتابوں میں لکھا ہے :—

”یہ سارا विश्व माया سے پیدا हुआ ہے۔ یہ سب ایک دھوکا ہے، اسکا کوئی وجود نہیں، یہ دنیا کیوں ایک دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔ یہ کیوں نام اور روپ کی دنیا ہے۔ پرانا یعنی برہمنہ ہی اصلیت ہے۔ باقی سب سائے کی طرح دھوکا ہے۔ شروع میں کیوں وہی تھا—ایک جس کے کوئی آنگ یا حصہ نہ تھے، جس میں کوئی فرق نہ تھا، جو اُنسا ہی اُنسا تھا، جو اپنی ہی روشنی سے روشن تھا، جو روشنی ہی روشنی تھا۔ اُسی نے پرکری یعنی غیر اُنسا کو روشن کیا جس سے سائے بنے اور ہزاروں لاکھوں روپ بنے۔ اس طرح یہ وشو وجود میں آیا۔“

(3) آدمی کا بیچارہ؛

میلانا روم کے متاویک آدمی کی جان یا آتما اس پریتم خودا کی آتما کا کبھی ایک پرستار یا آتما ہے۔ لیکن آتما نور ہی نور ہے۔ میلانا لکھتے ہیں :—

”جس طرح جان کا پرتو یعنی عکس جسم پر پڑتا ہے اُسی طرح میوہ جان بھی کیوں اُس پریتم کا کیوں ایک عکس ہے۔ یہ جان نور ہی نور ہے اور جسم رنگ اور بو ہے۔ تو اس رنگ و بو سے ہٹ جا، اسے چھوڑ دے اور مت کہ کہ کوئی بھی دوسرا یا غیر ہے۔“

میلانا کے متاویک آدمی کی رُخ شروع میں ایک سوڈے ڈھال میں تھی۔ لیکن جیوں جیوں اُسے مارکیت یا جیوں جیوں حاصل ہوتا گیا وہ اپنی اصلیت کو سمجھتی گئی۔ میلانا لکھتے ہیں :—

”آدمی جب سوچا ہوا ہوتا ہے تو اُس کی روح آفتاب کی طرح آسمان پر چمکتی ہے اور وہ خود پہلوں میں لپٹا رہتا ہے۔ اُسے میرے دل! جب کہ معرفت یعنی گہان ہی جان کی پہچان ہے تو جس کو جھٹکا

میلانا روم لکھتے ہیں :—

”یہ جہان نفی (نہیں) ہے، تو اگر اصلیت کو ڈھونڈنا چاہتا ہے تو اُس کے اندر ڈھونڈنا چاہیے جو ہے۔ جتنی صورتیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب صفر (شونہ) ہیں۔ حقیقت (اصلیت) شدوں میں نہیں، معنی میں ہے۔ ہم سب عدم (نہیں) ہیں، ہمارا وجود ایک دھوکا ہے۔ خدا وجود مطلق ہے۔ اکیلے اسی کا وجود ہے۔ شکل کیوں جسموں کے لئے ہے اور معنی کے سامنے جسم کیوں نام ہی نام ہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ سارا وجود ایک موتی کی طرح ہے، نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پیر، یا یوں کہا جائے کہ سب ایک ہی موتی تھا، جیسے ایک آفتاب۔ وہ پانی کی طرح صاف تھا، اُس میں کوئی گرہ نہ تھی، وہ نور ہی نور تھا۔ جب اُس سے صورتیں نکلیں تو وہ اس طرح ظاہر ہوئیں جس طرح الگ لگ سائے آنکھ کو دکھائی دیتے ہیں۔“

ہندوستان کے فلسفے کی کتابوں میں لکھا ہے :—

”یہ سارا विश्व माया سے پیدا हुआ ہے۔ یہ سب ایک دھوکا ہے، اس کا کوئی وجود نہیں، یہ دنیا کیوں ایک دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔ یہ کیوں نام اور روپ کی دنیا ہے۔ پرانا یعنی برہمنہ ہی اصلیت ہے۔ باقی سب سائے کی طرح دھوکا ہے۔ شروع میں کیوں وہی تھا—ایک جس کے کوئی آنگ یا حصہ نہ تھے، جس میں کوئی فرق نہ تھا، جو اُنسا ہی اُنسا تھا، جو اپنی ہی روشنی سے روشن تھا، جو روشنی ہی روشنی تھا۔ اُسی نے پرکری یعنی غیر اُنسا کو روشن کیا جس سے سائے بنے اور ہزاروں لاکھوں روپ بنے۔ اس طرح یہ وشو وجود میں آیا۔“

(3) آدمی کا بیچارہ؛

میلانا روم کے مطابق آدمی کی جان یعنی اُنسا اُس پریتم خدا کی اُنسا کا کیوں ایک پرتو یعنی عکس ہے۔ لیکن اُنسا نور ہی نور ہے۔ میلانا لکھتے ہیں :—

”جس طرح جان کا پرتو یعنی عکس جسم پر پڑتا ہے اُسی طرح میوہ جان بھی کیوں اُس پریتم کا کیوں ایک عکس ہے۔ یہ جان نور ہی نور ہے اور جسم رنگ اور بو ہے۔ تو اس رنگ و بو سے ہٹ جا، اسے چھوڑ دے اور مت کہ کہ کوئی بھی دوسرا یا غیر ہے۔“

میلانا کے مطابق آدمی کی روح شروع میں ایک سوڈے ڈھال میں تھی۔ لیکن جیوں جیوں اُسے معرفت یعنی گہان حاصل ہوتا گیا وہ اپنی اصلیت کو سمجھتی گئی۔ میلانا لکھتے ہیں :—

”آدمی جب سوچا ہوا ہوتا ہے تو اُس کی روح آفتاب کی طرح آسمان پر چمکتی ہے اور وہ خود پہلوں میں لپٹا رہتا ہے۔ اُسے میرے دل! جب کہ معرفت یعنی گہان ہی جان کی پہچان ہے تو جس کو جھٹکا

ج्याدا ج्ञان ہی آخیری۔ جہاں کی جان بڑی ہی مہیا ہوتی ہو
جاوے گی۔ یہی ہی آخیری آجہادی یا نی ج्ञان ہے۔ جس کسی
کو پورا ج्ञان حاصل ہوگا وہی بڑا ہے۔“

بڑی آجہادی کا آخیری یا نی ج्ञان کیا ہے ؟

مولانا روم کے متابیک آجہادی کا ج्ञان اس
مقام یا نی ج्ञان کا حاصل کرنا ہے جہاں پر مہر
پہنچا تھا اور جہاں پہنچ کر اس نے کہا تھا—“بہن-
ہر” یا نی میں ہی ہر یا نی بڑا ہے۔ اسی مقام پر
پہنچ کر بڑا ہی بڑا نے کہا تھا—“بڑا ہی یا
آجہادی رانی۔“

مولانا روم لکھتے —

“چونکہ آجہادی بڑا ہی کے نور سے پیدا ہوا ہے اور اسی کے
نور کا ایک حصہ ہے اسی لئے وہ فرشتوں کے لئے بھی سجدہ
کے کی چیز سمجھا گیا۔ پریم وہی ہے جو اپنے پیار کرنے والے
ساتھ ایک ہو۔ وہی پیار کرنے والے کا شروع ہو اور وہی اسی
آخر ہو۔“

ہندوستان کی ویدانت فیلوسوفی اسی اصول سے شروع ہوتی
ہے کہ آدمی کی آتما ہی پریم آتما ہے۔ “آتماؤنی برہمہ”
یعنی ما ہی برہمہ ہے۔ “وہی وہ ہے، وہی تو ہے، وہی میں ہوں”
یہ روشنی کی روشنی ہے۔ “ہندو فلسفہ کے مطابق آدمی
آتما حقیقت میں جیوتی یعنی نور ہے، پرکرتی یعنی مایا
ساتھ ملکر وہ اپنے کو بھول جاتی ہے اور پھر جاگتی ہے اور اپنے
پہچانتی ہے۔ بھوت گیتا میں لکھا ہے :—

“سب لوگوں کے لئے جو رات ہے سجدہ دار ہوگی اسی میں
لاگتا ہے اور جس میں سب جاگتے ہیں سجدہ دار ہوگی کے لئے
رات ہوتی ہے۔“

مولانا روم لکھتے ہیں :—

“چونکہ آدمی خدا ہی کے نور سے پیدا ہوا ہے اور اسی کے
نور کا ایک حصہ ہے اسی لئے وہ فرشتوں کے لئے بھی سجدہ
کے کی چیز سمجھا گیا۔ پریم وہی ہے جو اپنے پیار کرنے والے
ساتھ ایک ہو۔ وہی پیار کرنے والے کا شروع ہو اور وہی اسی
آخر ہو۔“

مولانا روم نے لکھا ہے :—

“حضرت نوح نے اپنے دشمنوں سے کہا کہ آے سر اٹھا لے
الو ! میں میں نہیں ہوں، میں اپنی جان سے مرچکا اب
میں صرف اپنے معشوق یعنی خدا سے زندہ ہوں۔ چونکہ میں
نی جان سے مرچکا اور اپنے معشوق سے زندہ ہوں اسی لئے میرے
اب کوئی موت نہیں ہو سکتی۔ اب میں ہمیشہ ہمیشہ کے
زندہ اور قائم رہوں گا۔“

یہ کچھ تھوڑے سے خیالات ہیں جو میں نے ادمر ادمر سے
ن لئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران اور ہندوستان کے
ہر ملک و چار ایک دوسرے سے کتے ملتے ہیں۔

مولانا روم کے مطابق آدمی کا انجام اسی مقام یعنی جہ
حاصل کرنا ہے جہاں پر مہر پہنچا تھا اور جہاں پہنچ کر
اس نے کہا تھا—“بہن-ہر” یعنی میں ہی حق یعنی اللہ
ہوں۔ اسی مقام پر پہنچ کر بڑا ہی بڑا نے کہا تھا—
“بڑا ہی یا آجہادی رانی۔“

مولانا روم لکھتے ہیں :—

“چونکہ آدمی خدا ہی کے نور سے پیدا ہوا ہے اور اسی کے
نور کا ایک حصہ ہے اسی لئے وہ فرشتوں کے لئے بھی سجدہ
کے کی چیز سمجھا گیا۔ پریم وہی ہے جو اپنے پیار کرنے والے
ساتھ ایک ہو۔ وہی پیار کرنے والے کا شروع ہو اور وہی اسی
آخر ہو۔“

ہندوستان کی ویدانت فلاسفی اسی اصول سے شروع ہوتی
ہے کہ آدمی کی آتما ہی پریم آتما ہے۔ “آتماؤنی برہمہ”
یعنی ما ہی برہمہ ہے۔ “وہی وہ ہے، وہی تو ہے، وہی میں ہوں”
یہ روشنی کی روشنی ہے۔ “ہندو فلسفہ کے مطابق آدمی
آتما حقیقت میں جیوتی یعنی نور ہے، پرکرتی یعنی مایا
ساتھ ملکر وہ اپنے کو بھول جاتی ہے اور پھر جاگتی ہے اور اپنے
پہچانتی ہے۔ بھوت گیتا میں لکھا ہے :—

“سب لوگوں کے لئے جو رات ہے سجدہ دار ہوگی اسی میں
لاگتا ہے اور جس میں سب جاگتے ہیں سجدہ دار ہوگی کے لئے
رات ہوتی ہے۔“

مولانا روم لکھتے ہیں :—

“چونکہ آدمی خدا ہی کے نور سے پیدا ہوا ہے اور اسی کے
نور کا ایک حصہ ہے اسی لئے وہ فرشتوں کے لئے بھی سجدہ
کے کی چیز سمجھا گیا۔ پریم وہی ہے جو اپنے پیار کرنے والے
ساتھ ایک ہو۔ وہی پیار کرنے والے کا شروع ہو اور وہی اسی
آخر ہو۔“

مولانا روم نے لکھا ہے :—

“حضرت نوح نے اپنے دشمنوں سے کہا کہ آے سر اٹھا لے
الو ! میں میں نہیں ہوں، میں اپنی جان سے مرچکا اب
میں صرف اپنے معشوق یعنی خدا سے زندہ ہوں۔ چونکہ میں
نی جان سے مرچکا اور اپنے معشوق سے زندہ ہوں اسی لئے میرے
اب کوئی موت نہیں ہو سکتی۔ اب میں ہمیشہ ہمیشہ کے
زندہ اور قائم رہوں گا۔“

نیا دین

کلاں والی فن یا ہنر میں، ساہتیہ میں، کلاں کے میں، کلاں اور سماجی زندگی میں، فنی تامل میں، گزشتہ کلاں کے ہر پہلو میں ہندوستان اور ایران کے مہل جوں کی ہزاروں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

یہ قصہ بہت لمبا ہے۔ لیکن مجھے آپ کو اب بہت زیادہ نہیں روکنا چاہیئے۔

آبوان ہاں سے خالی ہو گئی اور راز (رہسہ) ابھی باقی ہے، سخن کی پونجی ختم ہو گئی اور سخن ابھی باقی ہے۔

یہ قصہ بہت لمبا ہے۔ لیکن مجھے آپ کو اب بہت زیادہ نہیں روکنا چاہیئے۔

زبان حرفوں سے خالی ہو گئی اور راز (رہسہ) ابھی باقی ہے، سخن کی پونجی ختم ہو گئی اور سخن ابھی باقی ہے۔

سہا دیکا "نیا چین" کے نام

سہا دیکا "نیا چین" کے نام

بہی منورما،

بہی منورما،

توہارا 12-8-55 کا پتر ملا۔ تو جانتی ہو میں تو ہاربر کا اور ہرم کا ماننے والا ہوں۔ پوراہوں میں کچھ کہانیاں ہڑی سند ملتی ہیں۔ ایک یہ ہے:—

توہارا 12-8-55 کا پتر ملا۔ تم جانتی ہو میں تو ہاربر کا اور ہرم کا ماننے والا ہوں۔ پوراہوں میں کچھ کہانیاں ہڑی سند ملتی ہیں۔ ایک یہ ہے:—

ایک راجہ تھا۔ اُس کا ایک باغ تھا۔ باغ میں دو مالی تھے۔ وہ دونوں مالی دو طبعیتوں کے تھے۔ ایک مالی کا کام یہ تھا کہ روز صبح جب راجہ صاحب کے اُٹھ کر محل سے نکلے اور باغ کی سیر کو جائے گا سہمے آتا تو وہ مالی محل کے دوار پر پہنچ جاتا۔ راجہ صاحب کے نکلنے ہی وہ دھرتی چھو کر اُنہیں پرونام کرتا۔ اُن کی اور اُن کے پوروہوں کی استوتی گن کرتا۔ استوتی گن کرتے کرتے وہ اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیتا۔ اور جب تک راجہ صاحب باغ کی سیر کرتے رہتے وہ ساتھ ساتھ رہتا رہتا رہتا رہتا۔ لوہر جب راجہ صاحب محل میں پروہیں کرتے تو وہ پھر دھرتی چھو کر اُنہیں پرونام کرتا اور دن بھر آرام کرتا۔ شام کو پھر جب راجہ صاحب کے سیر کا سہمے آتا وہ پھر محل کے دوار پر پہنچ جاتا اور یہی سب کرتا۔ راجہ صاحب کے محل میں چلے جانے پر پھر اُکر رات بھر آرام سے سوتا۔ دوسرا مالی بہت سویرے اُٹھ کر اُسی سہمے سے باغ کے پھروں اور پودھوں کی

ایک راجہ تھا۔ اُس کا ایک باغ تھا۔ باغ میں دو مالی تھے۔ وہ دونوں مالی دو طبعیتوں کے تھے۔ ایک مالی کا کام یہ تھا کہ روز صبح جب راجہ صاحب کے اُٹھ کر محل سے نکلے اور باغ کی سیر کو جائے گا سہمے آتا تو وہ مالی محل کے دوار پر پہنچ جاتا۔ راجہ صاحب کے نکلنے ہی وہ دھرتی چھو کر اُنہیں پرونام کرتا۔ اُن کی اور اُن کے پوروہوں کی استوتی گن کرتا۔ استوتی گن کرتے کرتے وہ اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیتا۔ اور جب تک راجہ صاحب باغ کی سیر کرتے رہتے وہ ساتھ ساتھ رہتا رہتا رہتا رہتا۔ لوہر جب راجہ صاحب محل میں پروہیں کرتے تو وہ پھر دھرتی چھو کر اُنہیں پرونام کرتا اور دن بھر آرام کرتا۔ شام کو پھر جب راجہ صاحب کے سیر کا سہمے آتا وہ پھر محل کے دوار پر پہنچ جاتا اور یہی سب کرتا۔ راجہ صاحب کے محل میں چلے جانے پر پھر اُکر رات بھر آرام سے سوتا۔ دوسرا مالی بہت سویرے اُٹھ کر اُسی سہمے سے باغ کے پھروں اور پودھوں کی

اسپر نارادھ مونی نے کہا—“مگن! میں ہارا، اب آپ ہی بتائیے آپکا سب سے بڑا مکت کون ہے؟”

بیٹھو مگن نے اتر دیا—“نارادھ! امک مام میں آکر دیکھو، امک نام کا بڑا کسان ہمارا سب سے بڑا مکت ہے۔”

نارادھ اترے، اس مام میں پہنچے۔ ادرشت رہکر ایک دن اور ایک رات اس کسان کے ساتھ رہے۔ وہ تاروں کی چھل اٹھا کسی طرح منہ ہاتھ دھو کر اپنے بیلوں کو لیکر کھیت میں پہنچا۔ درپہر تک بیلوں کے پیچھے “ڈیہ ڈیہ” کرتا رہا۔ کبھی کبھی بیلوں کو گالی بھی دیتا رہا، درپہر بعد تھک کر بیلوں کو بانڈھکر درخت کے نیچے بیٹھ کر اس نے کھانا کھا یا، پانی پیا اور پھر شام تک وہی دھرتی کی سیوا۔ اندھیرا ہو جانے پر وہ گھو لٹا۔ پر نارادھ مانی نے ایک ہار بھی اس کے منہ سے بھگوان کا نام نکلتے نہ سنا۔ پھر بھی وہ تھا بھگوان کی نگاہ میں بھگوان کا سب سے بڑا مکت!

اوپر کی دونوں کہانیاں بڑی مامیک ہیں۔

اب جو بھارتی اسی چین ہو آئے ہیں وہ اپنے دلوں کو تھول کر دیکھیں کہ اس سرشتی رویہ باغ کے سچے مانی اور بھگوان کے سچے مکت انہیں کہاں ادھک ملے ہیں—

چین میں یا اس سب سے بھارت میں؟

آزاد بھارت کے شہروں میں کہیں بھی بنا ملاوت کی کھالے کی چیزیں ملنا بہت مشکل ہے۔ نئے چین کے شہروں میں کہیں بھی ملاوت والی کوئی چیز مل سکتا لگ بھگ اسی ہے۔ یہاں چوری اور رشوت خوری کا بازار سب جگہ گرم ہے۔ اور مجھے کہتے لجا آتی ہے کہ انگریزی راج کے زمانے سے کہیں ادھک گرم ہے۔ چین سے ابھی پرسدہ ودوان ڈاکٹر رکھویر لوت کر آئے ہیں جن پر کوئی کمپننسٹ ہونے کا آرڈر نہیں لگا سکتا۔ انہوں نے دانی میں کہا ہے کہ بے ایمانی اور رشوت خوری (corruption and bribery) چین سے نابود ہو چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے دور دور تک سڑکوں پر گھوم کر دیکھا۔ سرشتی رویہ باغ کے اس بھاگ میں کوئی پتھر کوئی پودا مرچایا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ ہر چہرہ کھلا ہوا اور خوشحال ہے۔ وشنو کے اس سب سے بڑے مکت کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر رکھویر نے یہ بھی کہا ہے کہ وہاں ہر آدمی دیہی کے دھن اور دیہی کی پیدوار کو ادھک سے ادھک بچھالے میں لگا ہوا ہے۔ ساتھ کروڑ کی آبادی میں کوئی بیکار نہیں۔ دیشیا ورنی اور بھکتوں کی سکھیا میں نیا چین شوق ہے تو نیا بھارت دھلتیہ! بھارت کے کوئی کوئی شاکت کہتے نہیں تھکتے کہ انہیں بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں ضرورت ہے کریکروں اور انجینئروں کی۔ مہری اپنی جانکاری میں نہ

نارادھ اترے، اس گرم میں پہنچے۔ ادرشت رہکر ایک دن اور ایک رات اس کسان کے ساتھ رہے۔ وہ تاروں کی چھل اٹھا کسی طرح منہ ہاتھ دھو کر اپنے بیلوں کو لیکر کھیت میں پہنچا۔ درپہر تک بیلوں کے پیچھے “ڈیہ ڈیہ” کرتا رہا۔ کبھی کبھی بیلوں کو گالی بھی دیتا رہا، درپہر بعد تھک کر بیلوں کو بانڈھکر درخت کے نیچے بیٹھ کر اس نے کھانا کھا یا، پانی پیا اور پھر شام تک وہی دھرتی کی سیوا۔ اندھیرا ہو جانے پر وہ گھو لٹا۔ پر نارادھ مانی نے ایک ہار بھی اس کے منہ سے بھگوان کا نام نکلتے نہ سنا۔ پھر بھی وہ تھا بھگوان کی نگاہ میں بھگوان کا سب سے بڑا مکت!

نارادھ اترے، اس گرم میں پہنچے۔ ادرشت رہکر ایک دن اور ایک رات اس کسان کے ساتھ رہے۔ وہ تاروں کی چھل اٹھا کسی طرح منہ ہاتھ دھو کر اپنے بیلوں کو لیکر کھیت میں پہنچا۔ درپہر تک بیلوں کے پیچھے “ڈیہ ڈیہ” کرتا رہا۔ کبھی کبھی بیلوں کو گالی بھی دیتا رہا، درپہر بعد تھک کر بیلوں کو بانڈھکر درخت کے نیچے بیٹھ کر اس نے کھانا کھا یا، پانی پیا اور پھر شام تک وہی دھرتی کی سیوا۔ اندھیرا ہو جانے پر وہ گھو لٹا۔ پر نارادھ مانی نے ایک ہار بھی اس کے منہ سے بھگوان کا نام نکلتے نہ سنا۔ پھر بھی وہ تھا بھگوان کی نگاہ میں بھگوان کا سب سے بڑا مکت!

آزاد بھارت کے شہروں میں کہیں بھی بنا ملاوت کی کھالے کی چیزیں ملنا بہت مشکل ہے۔ نئے چین کے شہروں میں کہیں بھی ملاوت والی کوئی چیز مل سکتا لگ بھگ اسی ہے۔ یہاں چوری اور رشوت خوری کا بازار سب جگہ گرم ہے۔ اور مجھے کہتے لجا آتی ہے کہ انگریزی راج کے زمانے سے کہیں ادھک گرم ہے۔ چین سے ابھی پرسدہ ودوان ڈاکٹر رکھویر لوت کر آئے ہیں جن پر کوئی کمپننسٹ ہونے کا آرڈر نہیں لگا سکتا۔ انہوں نے دانی میں کہا ہے کہ بے ایمانی اور رشوت خوری (corruption and bribery) چین سے نابود ہو چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے دور دور تک سڑکوں پر گھوم کر دیکھا۔ سرشتی رویہ باغ کے اس بھاگ میں کوئی پتھر کوئی پودا مرچایا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ ہر چہرہ کھلا ہوا اور خوشحال ہے۔ وشنو کے اس سب سے بڑے مکت کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر رکھویر نے یہ بھی کہا ہے کہ وہاں ہر آدمی دیہی کے دھن اور دیہی کی پیدوار کو ادھک سے ادھک بچھالے میں لگا ہوا ہے۔ ساتھ کروڑ کی آبادی میں کوئی بیکار نہیں۔ دیشیا ورنی اور بھکتوں کی سکھیا میں نیا چین شوق ہے تو نیا بھارت دھلتیہ! بھارت کے کوئی کوئی شاکت کہتے نہیں تھکتے کہ انہیں بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں ضرورت ہے کریکروں اور انجینئروں کی۔ مہری اپنی جانکاری میں نہ

اوپر کی دونوں کہانیاں مامیک ہیں۔

اب جو بھارتی اسی چین ہو آئے ہیں وہ اپنے دلوں کو تھول کر دیکھیں کہ اس سرشتی رویہ باغ کے سچے مانی اور بھگوان کے سچے مکت انہیں کہاں ادھک ملے ہیں—

چین میں یا اس سب سے بھارت میں؟

آزاد بھارت کے شہروں میں کہیں بھی بنا ملاوت کی کھالے کی چیزیں ملنا بہت مشکل ہے۔ نئے چین کے شہروں میں کہیں بھی ملاوت والی کوئی چیز مل سکتا لگ بھگ اسی ہے۔ یہاں چوری اور رشوت خوری کا بازار سب جگہ گرم ہے۔ اور مجھے کہتے لجا آتی ہے کہ انگریزی راج کے زمانے سے کہیں ادھک گرم ہے۔ چین سے ابھی پرسدہ ودوان ڈاکٹر رکھویر لوت کر آئے ہیں جن پر کوئی کمپننسٹ ہونے کا آرڈر نہیں لگا سکتا۔ انہوں نے دانی میں کہا ہے کہ بے ایمانی اور رشوت خوری (corruption and bribery) چین سے نابود ہو چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے دور دور تک سڑکوں پر گھوم کر دیکھا۔ سرشتی رویہ باغ کے اس بھاگ میں کوئی پتھر کوئی پودا مرچایا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ ہر چہرہ کھلا ہوا اور خوشحال ہے۔ وشنو کے اس سب سے بڑے مکت کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر رکھویر نے یہ بھی کہا ہے کہ وہاں ہر آدمی دیہی کے دھن اور دیہی کی پیدوار کو ادھک سے ادھک بچھالے میں لگا ہوا ہے۔ ساتھ کروڑ کی آبادی میں کوئی بیکار نہیں۔ دیشیا ورنی اور بھکتوں کی سکھیا میں نیا چین شوق ہے تو نیا بھارت دھلتیہ! بھارت کے کوئی کوئی شاکت کہتے نہیں تھکتے کہ انہیں بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں ضرورت ہے کریکروں اور انجینئروں کی۔ مہری اپنی جانکاری میں نہ

جانے کیتنے ہیمنیاری پاس لڑکے کام کی تالارہ میں دھتر
دھتر کی ڈوکرے لواتے فیر رہے ہیں۔

گوٹوامی سولسیواس جی کا 'رامراج' کا آدرا—
جیسکے لیتے گانوی جی بےچن بے—جہاں اترت نیکد دیکھا
دے رہا ہے۔ جہاں ہم سے دےر ماگتا دھما مالوم ہوتا ہے۔
اور 'رامراج' جہاں ہوتا ہے جہاں دھرم کا راج ہو۔ جتوہرم-
ستوہرمیہم ہم ساریوں سے پدے سونے آپ ہے۔

ہس سب کے، اتریکر भारतीय दर्शन शास्त्र کے अनुसार
ہس پڑھی پر مٹوہم کا سب سے بڑا دھرم سب کے اندر
اپنے کو اور اپنے اندر سب کو دیکھنا ہے۔ ہمارے
ونیشد اور گیتا باربار ہسی بات کو دہراتے ہیں،
دھرتی کے سب مٹوہم سے بےدھما بٹا کر سب مٹوہم سے
جنتا کو ایک ستر میں بانڈنے کا کام آج آدھماٹیک
طی سے سب سے پوٹر کام ہے۔ کمزور اور بلبان،
مٹوہم اور بڑے، دھنیا کے سب دھرم اور سب آندولنوں
میں ہوتے ہیں۔ پر آج مانو سراج کو ایک کڑے کا کام، دھنیا کی
نیکے دی ہوئی آدھوں جنتا کو ملا کر ایک کڑے کا کام، کوئی
آندولن اتلی اچھی طرح اور اتلے زوروں کے ساتھ نہیں کر رہا ہے
جنتا دھنیا کا کمونست آندولن۔ اسی ایک آندولن کے ساتھ
راشٹروں راشٹروں اور لال، پٹلے، گورے، کالے کے بھد مٹے جا رہے
ہیں۔ دیکھنے کے سب سے بڑے ہال میں—"آسمان کے نیچے
سب ایک ہے" موٹے سندر اکشروں میں لکھا ہوا دیکھ کر اور پھر
اُس پر ساتھ کے چینی دوستوں کی ٹیکا ٹیپنی سن کر مجھے اور
میرے ساتھیوں کو ایک بار اشا بدهی کے سرشتی کے اس باغ
میں بی۔

انہم بہوری بسلت رت

ان قارن دے بھول۔

یہیں بھور بسلت رت

ان قارن دے بھول۔

وس اےسکمو جاتی کے بچوں کو جو دو ہزار برس تک
روسی اےسائی دھرم کے سورن یک میں بھی سدا جنگلی اور
اسبہہ کھلاتی رہی اور تھی اور مڈھہ ایشیا کی نیم
قوموں کے لڑکوں کو موسکو کے وشوڈیالیت میں گورے یورپیوں کے
ساتھ کدھے سے کدھا ملا کر پوٹھے، پروفیسری کرتے اور ایک کلمب کی
طرح پریم کے ساتھ رہتے دیکھ کر کس کا ہر دے گدگ نہ ہر اٹھے گا۔
اپنے دیکھ کو پچاس برس تک دھیمان سے دیکھنے اور اس عمر
میں باہر کی آدھی دھنیا کو دیکھنے کے بعد مجھے اس میں
کوئی بھی سلبہہ نہیں کہ کسی دیکھ وشہس کی کمونست
پارٹی کے لوگ، چاہے سمجھدار ہوں یا ناسمجھ، اچھے ہوں یا
برے، پر دھنیا کا کمونست آندولن، انیک دوشوں کے ہوتے ہوئے
بھی، اس یک کا سب سے بڑا آدھماٹیک آندولن ہے، اور
بھارتیہ آدھماٹیک نگاہ سے مجھے روس سے بھی چین ادھک
پھارا ہے۔

ایک اور دھرم کے نام پر اپنے یہاں کے تھونگوں میں، سڑے گلے
انہ وشواسوں، پانگوندوں اور روڑھی پوجا کو دیکھ کر اور

نیا چین

دوسری بار بار کی کمیونسٹ کہانے دلی دنیا کو دیکھ کر مجھے ہار
را لگتی تھی جی کے وہ درد بھرے ہند یاد آتے تھے جو انہوں نے
1924 میں دلی میں جگہ جگہ کے ہندو مسلم دنوں کی
تصویروں کو سنکر کہہ تھے۔ ”مجھے سے کیا پوچھو ہو؟ میں تو
کہانے کو تیار ہوں کہ یہ سب کے سب لاسٹک ہو جائیں تو
چھلانے کے لئے مائل سے کوئی خدا تھوڑے ہی مٹ جائیگا۔
یہ آدمی تو ہلکا۔“

اس میں کوئی سادہ نہیں کہ لکھ چین اور نئے بھارت کو
ایک دوسرے کے ٹکٹ لائے کی کوشش اس سب کے لئے ان دونوں
بیشوں کی اور انسانی قوم کی سب سے بڑی سہوا ہے۔ ہمیں
ہمت جلدی اپنے دیہ کو جدھر لے جانا ہے اُس میں بھی ہمیں
س دوستی اور ایک دوسرے کی جانکاری سے بہت کچھ مدد
مل سکتی ہے۔

اس لئے بھتی ملو رہا! میں تمہاری چھوٹی سے پتھر کا
”نیا چین“ کا دل سے سواگت کرتا ہوں، اُس کی اُلتی چاہتا
ہوں اور تمہیں اس نیک کام کے لئے بدھائی دیتا ہوں۔

تم نے لکھ چاہا ہے، مجھے اور لکھ لکھ کا سہمے تو نہیں ملیگا۔
خوش رہو۔

خوش رہو۔

سستہہ تونھارا،
سندرلال۔

—سستہہ تونھارا—
—سندرلال—

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

“CHINA TODAY”

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.
—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known
—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.
—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.
—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.
—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.
—Vigil, Delhi.

پیشکش مندر لال

پیشکش مندر لال

(پہلے نمبر سے آگے)

(پہلے نمبر سے آگے)

(20)

(20)

ایک دن توحید ارتہات ایکمشوراد کے مشن میں بات چیت شروع ہوئی۔ کہلے لکھ میں سچ پوچھو تو توحید (ارتہات ایکمشور کو ایک کہنا) بھی شریک (ایکمشور کے ساتھ کسی کو شریک کرنا) ہے۔ ایکمشور کو ایک کہنا ہی اسے سہما کے اندر ہاندھنا ہے جب کہ وہ اذیت ہے اور اس کی کوئی سہما یا سہکھا نہیں۔ وہ سہما اور سہکھا دونوں سے پرے ہے۔ اس لئے اسے ایک کہنا بھی ٹھیک نہیں اور اگر یہ کہو کہ قرآن کے اندر کل ہو اللہ ہو احد، ارتہات ایکمشور ایک ہے، یہ کیوں کہا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بات کہلے کے لئے اس سے بہتر کوئی شہدائے نہیں۔ یہی منسلک سب کو چھوڑ چھوڑ کر ایک کے سر ہو رہے تو کہا ہی اچھی بات ہے اور یہی اس سے اوپر آتھو ایک سے بھی پاک صاف ہو جاوے تو پھر کہا ہی کہلے ہیں۔

ہمیں اس سلسلہ میں ایک کہانی یاد آئی۔ مہاتما دتاترے نے 24 کروڑ تھے جن میں سے ایک بیڑیونجن تھی۔ یہ بیڑیونجن جب اپنی سسرال گئی تو اسے کوڑے کا کام دیا گیا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے تھیں۔ اسے اجا آئی کہ مہری چوڑیوں کی جھنگار سسرال کے مردوں کے گل میں بڑیکی۔ یہ سوچ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ایک چوڑی توڑ دی۔ پھر بھی آواز بائی رہی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی ایک ایک چوڑی اور توڑ دی۔ ہوتے ہوتے دونوں ہاتھوں میں کیول ایک ایک چوڑی رہ گئی۔ اس سلسلے جھنگار بالکل بند ہو گئی۔ دتاترے نے اس کہلے سے ایکمشوراد کی شکشا پائی اور اس اسٹری کو اپنا کرو مانا۔ کنتو ہمارے نزدیک تو یہی ایک ہی توڑ دی جائے تو بالکل بکھڑا صاف ہو جائے۔ اصلی ادویت یہی ہے کہ ادویت کے پھاؤ کو سمجھنے کے لئے ادویت کے وچار کو بھی ملنا دینا جائے۔

ہمیں اس سلسلہ میں ایک کہانی یاد آئی۔ مہاتما دتاترے نے 24 کروڑ تھے جن میں سے ایک بیڑیونجن تھی۔ یہ بیڑیونجن جب اپنی سسرال گئی تو اسے کوڑے کا کام دیا گیا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے تھیں۔ اسے اجا آئی کہ مہری چوڑیوں کی جھنگار سسرال کے مردوں کے گل میں بڑیکی۔ یہ سوچ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ایک چوڑی توڑ دی۔ پھر بھی آواز بائی رہی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی ایک ایک چوڑی اور توڑ دی۔ ہوتے ہوتے دونوں ہاتھوں میں کیول ایک ایک چوڑی رہ گئی۔ اس سلسلے جھنگار بالکل بند ہو گئی۔ دتاترے نے اس کہلے سے ایکمشوراد کی شکشا پائی اور اس اسٹری کو اپنا کرو مانا۔ کنتو ہمارے نزدیک تو یہی ایک ہی توڑ دی جائے تو بالکل بکھڑا صاف ہو جائے۔ اصلی ادویت یہی ہے کہ ادویت کے پھاؤ کو سمجھنے کے لئے ادویت کے وچار کو بھی ملنا دینا جائے۔

ہمیں اس سلسلہ میں ایک کہانی یاد آئی۔ مہاتما دتاترے نے 24 کروڑ تھے جن میں سے ایک بیڑیونجن تھی۔ یہ بیڑیونجن جب اپنی سسرال گئی تو اسے کوڑے کا کام دیا گیا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے تھیں۔ اسے اجا آئی کہ مہری چوڑیوں کی جھنگار سسرال کے مردوں کے گل میں بڑیکی۔ یہ سوچ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ایک چوڑی توڑ دی۔ پھر بھی آواز بائی رہی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی ایک ایک چوڑی اور توڑ دی۔ ہوتے ہوتے دونوں ہاتھوں میں کیول ایک ایک چوڑی رہ گئی۔ اس سلسلے جھنگار بالکل بند ہو گئی۔ دتاترے نے اس کہلے سے ایکمشوراد کی شکشا پائی اور اس اسٹری کو اپنا کرو مانا۔ کنتو ہمارے نزدیک تو یہی ایک ہی توڑ دی جائے تو بالکل بکھڑا صاف ہو جائے۔ اصلی ادویت یہی ہے کہ ادویت کے پھاؤ کو سمجھنے کے لئے ادویت کے وچار کو بھی ملنا دینا جائے۔

نہستہ من ہرے ہستی بس تہی،
چو یکی نہ ہرے ہستی بس تہی۔

نہستہ من ہرے ہستی بس تہی،
چو یکی نہ ہرے ہستی بس تہی۔

اسی وقت—میں نے ہی نہیں، جو کچھ ہے بس تو ہی ہے۔
جب اکیلی ہی نہ رہی تو دوتی کہلے رہ سکتی ہے ؟

اسی وقت—میں نے ہی نہیں، جو کچھ ہے بس تو ہی ہے۔
جب اکیلی ہی نہ رہی تو دوتی کہلے رہ سکتی ہے ؟

एक दिन जब मैं सेवा में उपस्थित हुआ तो गुरु जी ने एक पद सुनाया—

आप लगाना आप में और आप ही दूँदुनहार,
और होवे 'तो पाइये यह तो आपही आप.

यह पद सुनाकर गुरु जी कहने लगे कि अद्वैत के इस मुकाम पर अज्ञान या सबाब, पाप या पुण्य कुछ बाकी नहीं रहता.

ज्ञान ध्यान सब उठ गयो, सभा भई सब सुन्न,
ऊँच नीच अन्तर नहीं, नहीं पाप नहीं पुन्न.

एक आदमी ने उस समय प्रश्न किया कि महाराज जब पाप पुण्य नहीं तब बहिरत और दोषल्ल क्यों है ? उत्तर दिया कि है भी और नहीं भी है. अगर दुई है तो सब कुछ है और नहीं तो कुछ भी नहीं.

एक दिन कहने लगे कि कबीर बड़े सच्चे अद्वैतवादी थे. जब उनके अद्वैत की खबर रैदास तक पहुँची तो रैदास ने कबीर के पास यह पद लिखाकर भेजा, क्योंकि रैदास सगुण के उपासक थे, जिन्हें सूफी परिभाषा में 'अहले सिकात' कहते हैं और कबीर निर्गुण के उपासक थे, जिन्हें 'अहले जात' कहते हैं—

मा त्रिगुनी बाप जुलाहा, पूत भये ब्रह्मज्ञानी,
आदि अन्त की जाने नार्हीं, अपने मन की ठानी;
जुलहे नहीं नैनहित मोरे रे.

इसका उत्तर कबीर ने इस प्रकार भेजा—

ब्रह्मज्ञान बिन ब्रह्मतत्व बिन, काया शुद्ध न होई,
पूरन ब्रह्म सकल घट व्यापक, दूजे और न कोई;
चमरे नहीं नैनहित मोरे रे.

होते होते एक दिन दोनों की भेंट हुई. दोनों में ज्ञान चर्चा की ठहरी. कबीर ने अपनी भक्ति को उत्तम बताया, रैदास ने अपने मार्ग के उच्चतर होने का दावा किया. अब निर्णय हो तो कैसे ? रैदास सगुण के सच्चे उपासक तो थे ही, उन्होंने रामचन्द्र जी को याद किया. तुरन्त घांड़े पर सवार होकर धनुष बाण हाथ में लिए रामचन्द्र आ उपस्थित हुए और कहा कि—“ए कबीर ! रैदास की बात क्यों नहीं मानता ?” कबीर ने उत्तर दिया—“महाराज ! आप सीता जी की चौकसी करें. इस मामले में दखल न दीजिए. बात नीत मेरी और इनकी है, हम दोनों भुगत लेंगे.” रामचन्द्र जी चुप होकर दूर खड़े हो गए. तब रैदास ने कृष्ण जी को याद किया. वह भी गरुड़ पर सवार, सिर पर मुकुट लगाए, मुख पर मुरली धरे सामने आ गए और कबीर को समझाने

एक दिन जब मैं सेवा में उपस्थित हुआ तो गुरु जी ने एक पद सुनाया—

आप लगाना आप में और आप ही दूँदुनहार,
और होवे 'तो पाइये यह तो आपही आप.

यह पद सुनाकर गुरु जी कहने लगे कि अद्वैत के इस मुकाम पर अज्ञान या सबाब, पाप या पुण्य कुछ बाकी नहीं रहता.

ज्ञान ध्यान सब उठ गयो, सभा भई सब सुन्न,
ऊँच नीच अन्तर नहीं, नहीं पाप नहीं पुन्न.

एक आदमी ने उस समय प्रश्न किया कि महाराज जब पाप पुण्य नहीं तब बहिरत और दोषल्ल क्यों है ? उत्तर दिया कि है भी और नहीं भी है. अगर दुई है तो सब कुछ है और नहीं तो कुछ भी नहीं.

एक दिन कहने लगे कि कबीर बड़े सच्चे अद्वैतवादी थे. जब उनके अद्वैत की खबर रैदास तक पहुँची तो रैदास ने कबीर के पास यह पद लिखाकर भेजा, क्योंकि रैदास सगुण के उपासक थे, जिन्हें सूफी परिभाषा में 'अहले सिकात' कहते हैं और कबीर निर्गुण के उपासक थे, जिन्हें 'अहले जात' कहते हैं—

मा त्रिगुनी बाप जुलाहा, पूत भये ब्रह्मज्ञानी,
आदि अन्त की जाने नार्हीं, अपने मन की ठानी;
जुलहे नहीं नैनहित मोरे रे.

इसका उत्तर कबीर ने इस प्रकार भेजा—

ब्रह्मज्ञान बिन ब्रह्मतत्व बिन, काया शुद्ध न होई,
पूरन ब्रह्म सकल घट व्यापक, दूजे और न कोई;
चमरे नहीं नैनहित मोरे रे.

होते होते एक दिन दोनों की भेंट हुई. दोनों में ज्ञान चर्चा की ठहरी. कबीर ने अपनी भक्ति को उत्तम बताया, रैदास ने अपने मार्ग के उच्चतर होने का दावा किया. अब निर्णय हो तो कैसे ? रैदास सगुण के सच्चे उपासक तो थे ही, उन्होंने रामचन्द्र जी को याद किया. तुरन्त घांड़े पर सवार होकर धनुष बाण हाथ में लिए रामचन्द्र आ उपस्थित हुए और कहा कि—“ए कबीर ! रैदास की बात क्यों नहीं मानता ?” कबीर ने उत्तर दिया—“महाराज ! आप सीता जी की चौकसी करें. इस मामले में दखल न दीजिए. बात नीत मेरी और इनकी है, हम दोनों भुगत लेंगे.” रामचन्द्र जी चुप होकर दूर खड़े हो गए. तब रैदास ने कृष्ण जी को याद किया. वह भी गरुड़ पर सवार, सिर पर मुकुट लगाए, मुख पर मुरली धरे सामने आ गए और कबीर को समझाने

लगे. कबीर ने कहा—“हे महाराज ! आप गोपियों से कसौल कीजिए. मेरा इनका क्यादा है, चुक जायगा.” वह भी चलना हो गए. फिर रैदास ने महादेव जी का ध्यान किया. गुरन्त बैल पर सवार त्रिशूल हाथ में लिए आए और वरान दिया. कबीर ने उनका कहना भी न माना और उत्तर दिया कि—“महाराज ! आप पार्वती के पास जायें और उनकी खैर मनायें. इस बात से आपको क्या मतलब ?” महादेव जी को क्रोध आया और उन्होंने कबीर के मारने को त्रिशूल उठाया. कबीर गुरन्त ‘रम’ अर्थात् ‘ला’ कहकर अन्तर्धान हो गए. उस समय रैदास के तीनों शिष्यदेव बोले—“इस अद्वैत और एक मेव के दरिया में जहाँ कबीर ने डुबकी लगाई है हम और वह सब बराबर हैं. यहाँ हमारा भी कुछ बस नहीं चलता.” रैदास ने कहा कि—“महाराज ! मैंने इतने दिनों आपकी सेवा की और इस समय कुछ न हो सका तब भविष्य में आप लोगों से क्या आशा रखूँ ? बस मेरा नमस्कार है !” इसके पश्चात् रैदास ने सबको धंता बताई, कबीर से दीक्षा ली और अद्वैत का मार्ग अंगीकार किया—

माला लक्कड़, ठाकुर पत्थर, तीरथ सगरे पानी,
रामा कृष्णा मरते देखे, चारों वेद कहानी.
रामा मर गये कृष्णा मर गए, मर गई लक्खोबाई,
उसको साधो क्यों ना पूजो, जिसको मौत न आई.

दिल गुप्त मरा इल्म लडुओ हविस अस्त,
तालीम कुन अगर तुरा दस्तरस अस्त.
गुप्तम के अलिफ गुप्त दिगर गुप्तम हेच,
दर खाना अगर कसस्त यक हर्फ बसस्त.

अर्थात्—मेरे दिल ने कहा कि मुझे ब्रह्मविद्या सीखने की आकांक्षा है. अगर तू जानता है तो मुझे शिक्षा दे. मैंने उत्तर दिया—‘अलिफ़’. दिल ने कहा—इसके आगे ? मैंने कहा—कुछ नहीं. सावधान ! मनुष्य के लिए एक अक्षर काफी है.

(23)

एक दिन कहने लगे कि हमने एक मौलवी से यह बात पूछी कि कलामे 'ला इलाह इल्लल्लाह' में 'ला' शब्द निषेधात्मक है और इस बात का द्योतक है कि और भी खुदा हैं, जिनमें से एक को हमने ले लिया और औरों का छोड़ दिया. अर्थात् एक को मानते हैं, औरों को नहीं मानते. इसमें तो बड़ा ही 'शिक' (बहुत ईश्वरवाद) भरा हुआ है. यह अद्वैत नहीं है. मौलवी साहब ने उत्तर दिया कि बहुत से लोगों ने और और खुदा भी मान रखे हैं. हमने कहा कि झूठरत ! पहले तो यह बताइये कि क़ुरान

لکھ۔ کبیر نے کہا—”اے مہاراج! آپ گویہوں سے قبول کیجئے۔ میرا انکا چھڑا ہے، چک جاتیگا۔“ وہ بھی الگ ہوگئے۔ پھر ریداس نے مہادیو جی کا دھیان کیا۔ ترنت بیل پر سوار قوشوں ہاتھ میں لٹے آئے اور درشن دیا۔ کبیر نے انکا کہنا بھی نہ مانا اور اُتر دیا کہ—”مہاراج! آپ پاروتی کے پاس جانیں اور اُن کی خیر مٹائیں۔ اس بات سے آپ کو کیا مطلب؟“ مہادیو جی کو گردہ آیا اور انہوں نے کبیر کے مارنے کو ترشول اُٹھایا۔ کبیر ترنت ’زم‘ اڑھات ’لا‘ کھکھر اتر دھان ہوگئے۔ اُس سنہ ریداس کے تیلوں اُشت دیو ہوئے—”اِس ادویت اور ایک مہو کے دریا میں جہاں کبیر نے قبکی لگائی ہے ہم اور وہ سب برابر ہیں۔ یہاں ہمارا بھی کچھ بس نہیں چلتا۔“ ریداس نے کہا کہ—”مہاراج! میں نے اِنہ دنوں آپ کی سیوا کی اور اِس سنہ کچھ نہ ہو سکا تب ہوشیہ میں آپ لوگوں سے کیا اُشا رکھوں؟ بس میرا نمسکار ہے!“ اِس کے پشچات ریداس نے سب کو دھتا بتائی، کبیر سے دیکھالی اور ادویت کا مارگ اُنکھار کیا—

مالا لکڑ، تھاکر پتھر، تھرتھ سکرے پانی،
 رام! کرشنا مرتے دیکھے، چاروں وید کہانی،
 رام! مرگئے کرشنا مرگئے، مرگئی لکھو ہائی،
 اُس کو سادھو کہیں نہ پوچھو، جس کو موت نہ آئی۔

دل گفت مرا علم لدون و حرس است،
تعلیم کن اگر ترا دسترس است .
گفتم که الف گفت دگر گفتم هیچ،
دیرخانه اگر کس است یک حرف بس است .

لڑتھات۔ مہرے دل نے کہا کہ مجھے ہر دم ودیا سیکھنے کی
 آگتا ہے۔ اگر تو جانتا ہے تو مجھے شکشا دے۔ میں نے اتر
 دیا۔ الف۔ دل نے کہا۔ اس کے آگے؟ میں نے کہا۔ کچھ
 نہیں۔ ساودھان! منشیہ کے لئے ایک انشر کافی ہے۔

(23)

ایک دن کہہ لگے کہ ہم نے ایک مولوی سے یہ بات پوچھی کہ کلمۃ
 'والہ اللہ' میں لا شہدہ نشیدہ آتمک ہے اور اس بات کا دیوتک
 ہے کہ اور بھی خدا ہیں، جن میں سے ایک کو ہم نے لیا اور
 اوروں کو چھوڑ دیا۔ ارنہات ایک کو ماننے ہیں، اوروں کو نہیں
 ماننے۔ اس میں تو بڑا ہی 'شرک' (بہو ایشر واد)
 پھرا ہوا ہے۔ یہ ادویت نہیں ہے۔ مولوی صاحب
 نے اُتر دیا کہ بہت سے لوگوں نے اور اور خدا بھی مان رکھے
 ہیں۔ ہم نے کہا کہ حضرت! پہلے تو یہ بتائیے کہ قرآن

‘لوح محفوظ’ پر کب لکھا گیا تھا؟ جس مسئلے پر کلمہ اور قرآن لوح پر لکھا گیا اُس مسئلے پر کون جو دوسرا خدا ماننا؟ مولوی صاحب نے یہ سن کر کہا کہ تم وہابی معلوم ہوتے ہو؟ ہم نے کہا کہ توہمک ہے۔ جب ہم نے ایک سچی بات کہی اور آپ جواب نہ دے سکے تو ہم وہابی ہو گئے!

لا بھللا ہر دو لفظے ساکتانہ
خاک را در دامہ بھم انداختانہ

مترجم—‘لا’ اور ‘ہللا’ ان دو شবڈوں کو گڈکر
سَنسار کو بھم کے جال میں فَنسا رَکھا ہے۔

(24)

ایک دن کہنے لگے کہ ‘سُن پت’ میں اُرخنُود اُرخدول راکُور ہمارے پاس بیٹھے تھے۔ اُنہ میں لُنا اللہ دھریہ † آیا اور ایک برکش کا پتہ توڑ کر اُرخنود صاحب کے سامنے پیش کیا اور کہہ لگا کہ بھلا کوئی ایسا ہے جو اسے پھر جوڑ دے۔ اُرخنود صاحب بولے کہ خدا تعالیٰ کو یہ سامرہ ہے۔ اُس نے اُنر دیا کہ یہ تو خدا کے باپ سے بھی نہیں لگ سکتا۔ اُرخنود صاحب اُسے گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ صاحب! آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو لَمَعَد ولم یولد ہے۔ نہ خدا کا باپ ہوگا نہ پتہ لگانیکا۔ اُسے ہکلمہ دیجئے۔

(25)

ایک دن کہنے لگے کہ ‘سُن پت’ میں اُرخنُود اُرخدول راکُور ہمارے پاس بیٹھے تھے۔ اُنہ میں لُنا اللہ دھریہ † آیا اور ایک برکش کا پتہ توڑ کر اُرخنود صاحب کے سامنے پیش کیا اور کہہ لگا کہ بھلا کوئی ایسا ہے جو اسے پھر جوڑ دے۔ اُرخنود صاحب بولے کہ خدا تعالیٰ کو یہ سامرہ ہے۔ اُس نے اُنر دیا کہ یہ تو خدا کے باپ سے بھی نہیں لگ سکتا۔ اُرخنود صاحب اُسے گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ صاحب! آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو لَمَعَد ولم یولد ہے۔ نہ خدا کا باپ ہوگا نہ پتہ لگانیکا۔ اُسے ہکلمہ دیجئے۔

(25)

ایک دن کہنے لگے کہ ‘سُن پت’ میں اُرخنُود اُرخدول راکُور ہمارے پاس بیٹھے تھے۔ اُنہ میں لُنا اللہ دھریہ † آیا اور ایک برکش کا پتہ توڑ کر اُرخنود صاحب کے سامنے پیش کیا اور کہہ لگا کہ بھلا کوئی ایسا ہے جو اسے پھر جوڑ دے۔ اُرخنود صاحب بولے کہ خدا تعالیٰ کو یہ سامرہ ہے۔ اُس نے اُنر دیا کہ یہ تو خدا کے باپ سے بھی نہیں لگ سکتا۔ اُرخنود صاحب اُسے گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ صاحب! آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو لَمَعَد ولم یولد ہے۔ نہ خدا کا باپ ہوگا نہ پتہ لگانیکا۔ اُسے ہکلمہ دیجئے۔

* مسلمانوں کے مہر کے انوسار قرآن شریف سورشقی کے آدمی میں ایشور کے یہاں ایک تختی پر لکھا گیا تھا جسے ‘لوح محفوظ’ کہتے ہیں اور وہاں قرآن اُسی مسئلے سے ٹھہک اُسی طرح چلے آ رہا ہے۔

† مونیوں کی ایک سہرڈائے وشہی کا نام۔

سکھدیو جی کو دیکھا اور ایک کٹورہ دودھ سے لہلا رہا تھا۔ ان کے ہاتھ پر رک کر کہا جاؤ ساری جنگ پوری کی پوری کر دو، لیکن خبردار دودھ نہ گرنے پاوے۔ دو سپاہی فلتی تلوار لیے ان کے ساتھ کر دیئے کہ اگر ایک ہوند بھی اس میں گرے تو سکھدیو کے کٹورے کٹورے آرا در۔ راجہ جنگ کے حکم سے وہ دونوں سپاہی سکھدیو جی کو شہر کے چاروں طرف گھما لائے۔ راجہ نے پوچھا کہ دودھ تو نہیں گرا۔ سپاہیوں نے جواب دیا کہ مہاراج! اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کے پاس جیتے کہسے پہنچتے۔ پھر راجہ نے سکھدیو جی سے پوچھا کہ آج تم نے شہر میں چاروں طرف ناچ رنگ کا تماشا تو خوب دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مہاراج! میرے لئے تو اس کٹورے کی حفاظت جان کی ایک آنت تھی۔ تو تھا کہ کہیں ایک ہوند چھلکی اور مارا گیا، یہ ایسی حالت میں تماشا کیا خاک دیکھتا! مجھے تو اس کٹورے کے سوائے اور کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دی۔ اس پر راجہ جنگ نے کہا کہ جس طرح تمہاری یہ ایک گھڑی بیٹی ہے اسی طرح ہمارا ایک ایک پل بیٹتا ہے۔ یہ دھن دولت اور شان شوکت ہماری نظروں میں سب بھیج ہے۔ ہمارا دھیان بھی اُس کی طرف نہیں جاتا۔ مال اسباب، سونا چاندی، بیوی بچے، یہ سب دنیا نہیں ہے، دنیا ایشور کی طرف سے بے خبر ہو جانے کا نام ہے۔ تم نے باہر کی سلطنت اور مال اور دولت کو دیکھ کر ہماری حالت کا غلط انداز لگا لیا ہے۔ اے سکھدیو! اسی بات سے جو تم پر بیٹی ہے سمجھ لو کہ وہ سپاہی یم کے دوت ہیں، کٹورہ تن ہے، دودھ من ہے اور راگ رنگ جو راستہ میں ہو رہے تھے اس اسار سنسار کے عین آرام ہیں۔ اسی طرح ہم بھی دنیا کے دھندلوں میں اس قدر سے مشغول نہیں ہوتے کہ کہیں دودھ نہ چھلک جائے یعنی دل ایشور کی یاد سے چوک کر مارا نہ جائے۔

جب کوئی ایسے من کو لگاوے
من کے نگاروں سے ہو پاوے۔

جیسے کارن بھرت کوپ جل، کر چھوڑت سگارے۔
اپنا پریم سکھی سے بھا کھ، صورتی ککر میں لوبے۔
جیسے فلتی چڑھت بانس پر، تلوا تھول بجارے۔
بھار اپنا قول دیہہ کا صورت بانس میں لوبے۔

اس کے بعد راجہ جنگ نے سکھدیو جی کو ان کی سمجھ کے مطابق برہم گیان کا اُپدیش دیکر بدا کیا۔

(26)

ایک فقیر ہلالہ میں رہتے تھے، ان کا نام تھا، سبھت اللہ۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے اپنے ماتھے پر تلک لگایا، گئے میں چلیو ڈالا، پندتوں کا سا رہن سہن

آکھیاں کیااں اور رانگیرام اپنا نام رکھا۔ ایک دن
 اک دوسرے مسلمان فقیر جو شیعہ کریم الدین دھرم برہانوی
 کے چیلوں میں سے تھے، اُن سے ملنے بقالہ آنے اور بوجھا
 کہ آپ کا نام کیا ہے اور یہ کیا تھنگ ہے؟ انہوں نے
 جواب دیا کہ سہنت کا مطلب ہے رنگ اور اللہ کی
 جگہ پر ہم نے رام بدل دیا۔ یعنی سہنت اللہ کی جگہ اب
 ہمارا نام رنگی رام ہے۔ یہ سب سن کر اُس نے ثروت کے ساتھ رنگی
 رام سے کہا کہ تم نے اسلام اور ہندو دھرم میں کیا فرق دیکھا
 جو ایک قید سے نکل کر دوسری قید میں جا پہنچے؟ اگر
 نکلتا تھا تو دونوں ہی سے نکلے ہوتے۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ تم
 مہد (اگریت وادی) ہو۔ تم تو ابھی ہندو اور مسلمان ہی
 کے پھیر میں پڑے ہو۔ یہ کہہ کر چل دیئے اور اُن کے پاس
 نہ ٹھہرے۔

(باکھی فیر)

(ہاتی پیر)

ہو چین شو 'آدرش مزدور' کیسے بنی؟

شریمتی پرہیا ایم۔ اے۔ ہندی ادھیاپکا پیننگ
 یونیورسٹی پیننگ، چین

ہو چین شو 'آدرش مزدور' کیسے بنی یہ ایک دلچسپ
 کہانی ہے۔ 12 فروری 55ء کو جب مجھے اُس سے ملاقات
 کرنے کا موقع ملا تو اُس نے مجھے تفصیل سے بتایا۔ اسے
 اسی کی زبانی سنوئے:—

”جب میں پہلی بار چینگ تاو کی نمبر 6 کپڑا میل میں
 گئی اور مشین دیکھی تو قہر گئی۔ مگر مولے ہمت سے کام لیا۔
 پچیس سالہوں کے ساتھ میں کارخانے کی ورکشاپ میں کام
 سیکھنے لگی۔ شروع میں بڑی کٹھالی ہوئی، پر میں، لڑاں نہیں
 ہوئی اور دن پر دن ادھک من لگا کر کم سیکھتی رہی۔ راستہ
 میں، ہر سٹے پورا دھماں اپنے کام پر ہی رہتا تھا۔ سوت ٹوٹا
 پر فوراً اسے ملا لیا ایک خاص کا (ٹینک) ہے، مگر اُس سٹے
 اس کے لئے کوئی خاص طریقہ نہ تھا۔ میں کارخانے سے گھر
 واپس آتی پر دھماں کارخانے میں ہی رہتا تھا۔ گھر میں ما تا
 جی کے چرخہ کے کچے سوت سے سوت چڑنے کا ابھاس کرتی۔
 اس طرح کا ابھاس کرتے کرتے میری انگلیاں پھول جاتی تھیں۔
 اکثر آدھی رات سے ہی نیند کھل جاتی اور میں دن بھر کا
 انتظار کرتی جس سے کارخانے جا کر اپنا ابھاس کر سکوں۔

”جب میں پہلی بار چینگ تاو کی نمبر 6 کپڑا میل میں
 گئی اور مشین دیکھی تو قہر گئی۔ مگر مولے ہمت سے کام لیا۔
 پچیس سالہوں کے ساتھ میں کارخانے کی ورکشاپ میں کام
 سیکھنے لگی۔ شروع میں بڑی کٹھالی ہوئی، پر میں، لڑاں نہیں
 ہوئی اور دن پر دن ادھک من لگا کر کم سیکھتی رہی۔ راستہ
 میں، ہر سٹے پورا دھماں اپنے کام پر ہی رہتا تھا۔ سوت ٹوٹا
 پر فوراً اسے ملا لیا ایک خاص کا (ٹینک) ہے، مگر اُس سٹے
 اس کے لئے کوئی خاص طریقہ نہ تھا۔ میں کارخانے سے گھر
 واپس آتی پر دھماں کارخانے میں ہی رہتا تھا۔ گھر میں ما تا
 جی کے چرخہ کے کچے سوت سے سوت چڑنے کا ابھاس کرتی۔
 اس طرح کا ابھاس کرتے کرتے میری انگلیاں پھول جاتی تھیں۔
 اکثر آدھی رات سے ہی نیند کھل جاتی اور میں دن بھر کا
 انتظار کرتی جس سے کارخانے جا کر اپنا ابھاس کر سکوں۔

“ایک دن آجائک مہینے سوت ملا لیا۔ عام طور سے کئی مہینے کے بعد اس کام کا آپہاس ہو یا تا ہے۔ پر میں کچھ بھی نہیں میں اچھی طرح سوت ملانے لگی۔ اس لئے جب کام کرتا تھا تو دوسرے ساتھیوں کو 200 اسپنڈل اور مجھے 300 اسپنڈل دی گئیں۔ 300 اسپنڈل پر اچھی طرح کام کرتے دیکھ لیکر وہی 400 اسپنڈل مجھے دے دی گئیں۔

“تین ماہ بعد سوت ملانے کا کام ختم ہوا اور ٹریپنگ کا سیمٹہ آیا۔ 1950 میں تین سال کے تیسرے دن میں پہلی بار کام پر گئی۔ میں رات کی پالی میں کام کرنے کے لیے جونی گئی۔ مگر رات میں کام کرنا ہے تو دن میں آرام کرنا چاہئے تھا، پر کام ملانے سے میں اتنی خوش تھی کہ مجھے نیند نہ آئی۔ میں گھر میں ٹھہر ہی نہ سکی۔ اسی دن تین سال کے آپہاس میں گر خانے میں ایک چینی ٹانگ ہوا۔ میں اُسے دیکھ گئی۔ ٹانگ تھا 'لیو ہولن'—ایک 15 سال کی بہادر لڑکی کی کہانی تھی جو کومنگانگ فوج سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئی تھی۔ اُس کے لئے چھترمیں ماؤ نے کہا ہے 'اُس کا جیون مہان تھا اور اُس کی موت شاندار'۔ اس کہانی کا میرے دل پر بہت پرہیز ہوا اور مہینے میں میں کہا—'لیو ہولن!—میں آپ سے سبق لوں گی۔

“رات کو کام پر گئی مگر دن میں نہ سوتے اور عادت نہ ہونے کے کارن 12 بجے رات تک جاگتی رہی۔ اُس کے بعد چھپکی لگ گئی۔ اُس سیمٹہ مشین سے ایک سوت ٹوٹ گیا اور بہت سے روئی پھیل گئی۔ مشین کی آواز سے میں جگ نو گئی پر انسپکٹر نے مجھے چیتاؤنی دی۔ مجھے اپنی اسودھائی پر برا دیکھ ہوا۔ کام ختم ہوتے ہی میں گھر واپس آئی اور برابر روئی رہی۔ ماں نے بہت توجہ پر میں نے کارن نہ بتایا۔ مجھے تو تھا کہ بڑی مشکل سے تو گر خانے میں کام ملا اور اب اپنی ہی لاپرواہی کے کارن شاید نکال دی جائیگی۔ اسی سیمٹہ مجھے لیوہولن کی یاد آگئی۔ میں نے سوچا کہ روتے سے کیا فائدہ ؟ ہمت کر کے سدھار کرنا چاہئے۔ اس وچار سے مجھے بڑی شانتی ملی اور نیند آگئی۔

“دوسرے دن سیمٹہ سے بہت پہلے گر خانے گئی۔ مشین کو صاف کیا اور کام میں لگ گئی۔ پورے سیمٹے میں بڑی سرگرم رہی۔ اُس دن کوئی خاص گھٹنا نہیں ہوئی۔

“اپنے انویسٹمنٹ کے ساتھ ساتھ میں گر خانے کے پرانے مزدوروں سے اُن کے انویسٹمنٹ بھی پوچھتی اور اُس سے نتیجہ نکالتی اُس کے افسار کام کرتی۔ دھیرے دھیرے سوت ملانے کے کام میں ترقی ہوئی۔ اس کام میں ترقی ہوتے دیکھ مجھے تین چار لوگوں کے ساتھ دوسرے ورکشاپ میں بھیج دیا گیا۔ ہم سبکو سنی میں بڑا تر لگا۔ سوچا—شاید ہم نے کچھ غلطی کی ہے اس سے ہمیں یہاں سے ہٹا دیا جا رہا ہے۔ مگر بعد میں ہمیں اصلی کارن معلوم ہو گیا۔ نئی ورکشاپ نمبر 3 میں تھیں پورے آستانہ سے کام کرتے تھے۔

“ایک دن آجائک مہینے سوت ملا لیا۔ عام طور سے کئی مہینے کے بعد اس کام کا آپہاس ہو یا تا ہے۔ پر میں کچھ بھی نہیں میں اچھی طرح سوت ملانے لگی۔ اس لئے جب کام کرتا تھا تو دوسرے ساتھیوں کو 200 اسپنڈل اور مجھے 300 اسپنڈل دی گئیں۔ 300 اسپنڈل پر اچھی طرح کام کرتے دیکھ لیکر وہی 400 اسپنڈل مجھے دے دی گئیں۔

“تین ماہ بعد سوت ملانے کا کام ختم ہوا اور ٹریپنگ کا سیمٹہ آیا۔ 1950 میں تین سال کے تیسرے دن میں پہلی بار کام پر گئی۔ میں رات کی پالی میں کام کرنے کے لیے جونی گئی۔ مگر رات میں کام کرنا ہے تو دن میں آرام کرنا چاہئے تھا، پر کام ملانے سے میں اتنی خوش تھی کہ مجھے نیند نہ آئی۔ میں گھر میں ٹھہر ہی نہ سکی۔ اسی دن تین سال کے آپہاس میں گر خانے میں ایک چینی ٹانگ ہوا۔ میں اُسے دیکھ گئی۔ ٹانگ تھا 'لیو ہولن'—ایک 15 سال کی بہادر لڑکی کی کہانی تھی جو کومنگانگ فوج سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئی تھی۔ اُس کے لئے چھترمیں ماؤ نے کہا ہے 'اُس کا جیون مہان تھا اور اُس کی موت شاندار'۔ اس کہانی کا میرے دل پر بہت پرہیز ہوا اور مہینے میں میں کہا—'لیو ہولن!—میں آپ سے سبق لوں گی۔

“رات کو کام پر گئی مگر دن میں نہ سوتے اور عادت نہ ہونے کے کارن 12 بجے رات تک جاگتی رہی۔ اُس کے بعد چھپکی لگ گئی۔ اُس سیمٹہ مشین سے ایک سوت ٹوٹ گیا اور بہت سے روئی پھیل گئی۔ مشین کی آواز سے میں جگ نو گئی پر انسپکٹر نے مجھے چیتاؤنی دی۔ مجھے اپنی اسودھائی پر برا دیکھ ہوا۔ کام ختم ہوتے ہی میں گھر واپس آئی اور برابر روئی رہی۔ ماں نے بہت توجہ پر میں نے کارن نہ بتایا۔ مجھے تو تھا کہ بڑی مشکل سے تو گر خانے میں کام ملا اور اب اپنی ہی لاپرواہی کے کارن شاید نکال دی جائیگی۔ اسی سیمٹہ مجھے لیوہولن کی یاد آگئی۔ میں نے سوچا کہ روتے سے کیا فائدہ ؟ ہمت کر کے سدھار کرنا چاہئے۔ اس وچار سے مجھے بڑی شانتی ملی اور نیند آگئی۔

“دوسرے دن سیمٹہ سے بہت پہلے گر خانے گئی۔ مشین کو صاف کیا اور کام میں لگ گئی۔ پورے سیمٹے میں بڑی سرگرم رہی۔ اُس دن کوئی خاص گھٹنا نہیں ہوئی۔

“اپنے انویسٹمنٹ کے ساتھ ساتھ میں گر خانے کے پرانے مزدوروں سے اُن کے انویسٹمنٹ بھی پوچھتی اور اُس سے نتیجہ نکالتی اُس کے افسار کام کرتی۔ دھیرے دھیرے سوت ملانے کے کام میں ترقی ہوئی۔ اس کام میں ترقی ہوتے دیکھ مجھے تین چار لوگوں کے ساتھ دوسرے ورکشاپ میں بھیج دیا گیا۔ ہم سبکو سنی میں بڑا تر لگا۔ سوچا—شاید ہم نے کچھ غلطی کی ہے اس سے ہمیں یہاں سے ہٹا دیا جا رہا ہے۔ مگر بعد میں ہمیں اصلی کارن معلوم ہو گیا۔ نئی ورکشاپ نمبر 3 میں تھیں پورے آستانہ سے کام کرتے تھے۔

“1950 کا مہرے دیس آیا۔ کارخانے میں بھس شروع ہوئی۔ بیسویں یا “پیداوار کا بڑا نا اور مशीن کی سفاکی۔”
 مجھے معلوم ہوا کہ روز شام کو ادھیکری معائنہ کریں اور
 دیکھیں کہ کسی کی مشین سے کتنی روٹی باہر نکل کر خراب
 ہوئی۔ اس لئے کم سے کم روٹی خراب ہونا چاہئے یہ کارخانے
 کا نعرہ ہو گیا۔ میں نے بھی اس مقابلے میں بڑے اُتساح سے
 بھاگ لیا۔ مہرے مقابلے لنگ آئے سن نام کی ایک بڑی سے
 ہوا۔ روز ایک آدمی کتنی کم روٹی خراب کرتا ہے اس کا مقابلہ
 تھا۔ پہلے تو ہر آدمی کی مشین سے کئی پونڈ روٹی خراب ہو
 جاتی تھی پھر اس مقابلے میں رشید سادھانی کے کارن ایک
 آدمی کی مشین سے صرف دو پونڈ روٹی خراب ہوئی تھی۔

“اس سب سے میں سوچا کرتی تھی کہ کیسے کوئی اچھا
 طریقہ نکالا جائے جس سے روٹی کم سے کم خراب ہو۔ میں نے
 دیکھا کہ مزدور ہر بار یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں دور دور کر
 سوت ملایا کرتے ہیں اس لئے ہمیشہ بہت ویست دکھائی
 دیتے ہیں اور جب مشین بہت گندی ہوجاتی ہے تبھی صغائی کرتے
 ہیں۔ اس سے سب سے بہت لگتا ہے۔ میں نے سوچا کیا دونوں کا
 کام ایک ساتھ نہیں ہو سکتا یعنی کیا ایسا طریقہ نہیں ہو سکتا
 جس سے سوت ملانے کا کام اور مشین کی صغائی کا کام ایک
 ساتھ چلتا رہے۔ تجربے کے طور پر یہاں وہاں دورے کے بجائے
 میں جلدی جلدی گھوم گھوم کر سوت ملانے لگی اور ساتھ ہی
 مشین کی صغائی کا کام کرنے کی کوشش کرتے لگی۔ پوری
 مشین کو میں جلدی جلدی گھوم گھوم کر دھیان پرورک دیکھتی
 رہتی اور اگر سوت نہیں ٹوٹتا تو صغائی کا کام کرتی رہتی۔
 اس سے آرمیہ میں بڑی کٹھنائی ہوئی یہاں تک کہ کبھی کبھی
 جلدی سے سوت ملانے میں مہری اُنکیاں مشین سے چھو جاتیں
 اور کٹ جاتیں۔ کبھی کبھی کٹائی میں چوٹ آجاتی۔ مگر اس سے
 میں نے اپنا تجربہ نہیں چھوڑا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک
 فرق صاف دکھائی دینے لگا۔ مجھے خود ایسا لگا کہ میں دوسرے
 مزدوروں کی طرح پریشان نہیں رہتی۔ ایکدم کام ختم ہونے
 کے بعد روٹی خراب ہونے کی قللا کی کٹی تو مہری مشین سے
 کھل 5 اؤنس روٹی خراب ہوئی تھی۔ جب کہ دوسرے
 مزدور ایک بار میں 27 اؤنس روٹی خراب کرتے تو مجھ سے
 صرف 5 اؤنس روٹی خراب ہوتی تھی۔ یہ تعداد مہری
 مشین پر روز روز ایک سی رہی۔

“دوسرے مزدور ساتھیوں نے میرے اوپر آباواچے کسنتی
 شروع کی۔ اس سے مجھے بھوت دھنسا۔ کبھی کبھی میں سوچتی
 تھی کہ ن پھلے کے ہی طریقے سے کام کروں، کارخانے کے یووک
 سب کے ممبروں نے بھی میرے اوپر آباواچے کسنتی۔ پر یووک سب
 کی پرہان بھیجی تھی ان میں سے ایک سبھی کی اور مزدوروں کے
 اس دیہار کی بلدا کی۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے بھی
 اُتساح کیا۔ مہرے اُتساح پر ہونا ہو گیا۔

“1950 کا مہرے دیس آیا۔ کارخانے میں بھس
 شروع ہوئی۔ بیسویں یا “پیداوار کا بڑا نا اور مशीن کی سفاکی۔”
 مجھے معلوم ہوا کہ روز شام کو ادھیکری معائنہ کریں اور
 دیکھیں کہ کسی کی مشین سے کتنی روٹی باہر نکل کر خراب
 ہوئی۔ اس لئے کم سے کم روٹی خراب ہونا چاہئے یہ کارخانے
 کا نعرہ ہو گیا۔ میں نے بھی اس مقابلے میں بڑے اُتساح سے
 بھاگ لیا۔ مہرے مقابلے لنگ آئے سن نام کی ایک بڑی سے
 ہوا۔ روز ایک آدمی کتنی کم روٹی خراب کرتا ہے اس کا مقابلہ
 تھا۔ پہلے تو ہر آدمی کی مشین سے کئی پونڈ روٹی خراب ہو
 جاتی تھی پھر اس مقابلے میں رشید سادھانی کے کارن ایک
 آدمی کی مشین سے صرف دو پونڈ روٹی خراب ہوئی تھی۔

“اس سب سے میں سوچا کرتی تھی کہ کیسے کوئی اچھا
 طریقہ نکالا جائے جس سے روٹی کم سے کم خراب ہو۔ میں نے
 دیکھا کہ مزدور ہر بار یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں دور دور کر
 سوت ملایا کرتے ہیں اس لئے ہمیشہ بہت ویست دکھائی
 دیتے ہیں اور جب مشین بہت گندی ہوجاتی ہے تبھی صغائی کرتے
 ہیں۔ اس سے سب سے بہت لگتا ہے۔ میں نے سوچا کیا دونوں کا
 کام ایک ساتھ نہیں ہو سکتا یعنی کیا ایسا طریقہ نہیں ہو سکتا
 جس سے سوت ملانے کا کام اور مشین کی صغائی کا کام ایک
 ساتھ چلتا رہے۔ تجربے کے طور پر یہاں وہاں دورے کے بجائے
 میں جلدی جلدی گھوم گھوم کر سوت ملانے لگی اور ساتھ ہی
 مشین کی صغائی کا کام کرنے کی کوشش کرتے لگی۔ پوری
 مشین کو میں جلدی جلدی گھوم گھوم کر دھیان پرورک دیکھتی
 رہتی اور اگر سوت نہیں ٹوٹتا تو صغائی کا کام کرتی رہتی۔
 اس سے آرمیہ میں بڑی کٹھنائی ہوئی یہاں تک کہ کبھی کبھی
 جلدی سے سوت ملانے میں مہری اُنکیاں مشین سے چھو جاتیں
 اور کٹ جاتیں۔ کبھی کبھی کٹائی میں چوٹ آجاتی۔ مگر اس سے
 میں نے اپنا تجربہ نہیں چھوڑا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک
 فرق صاف دکھائی دینے لگا۔ مجھے خود ایسا لگا کہ میں دوسرے
 مزدوروں کی طرح پریشان نہیں رہتی۔ ایکدم کام ختم ہونے
 کے بعد روٹی خراب ہونے کی قللا کی کٹی تو مہری مشین سے
 کھل 5 اؤنس روٹی خراب ہوئی تھی۔ جب کہ دوسرے
 مزدور ایک بار میں 27 اؤنس روٹی خراب کرتے تو مجھ سے
 صرف 5 اؤنس روٹی خراب ہوتی تھی۔ یہ تعداد مہری
 مشین پر روز روز ایک سی رہی۔

“دوسرے مزدور ساتھیوں نے میرے اوپر آباواچے کسنتی
 شروع کی۔ اس سے مجھے بھوت دھنسا۔ کبھی کبھی میں سوچتی
 تھی کہ ن پھلے کے ہی طریقے سے کام کروں، کارخانے کے یووک
 سب کے ممبروں نے بھی میرے اوپر آباواچے کسنتی۔ پر یووک سب
 کی پرہان بھیجی تھی ان میں سے ایک سبھی کی اور مزدوروں کے
 اس دیہار کی بلدا کی۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے بھی
 اُتساح کیا۔ مہرے اُتساح پر ہونا ہو گیا۔

”میرے پاس ہے یہ ایک دھڑی کی کام کماہی کی۔ وہ بھی اکثر سچ پر طبع کس دیتی تھی۔ اس کے ایک چھوٹا بچہ تھا اور اس بچے کو دیکھتے وہ کئی بار باہر جاتی تھی۔ اس سٹم میں اپنی مشین کے ساتھ ساتھ اس کی مشین کی بھی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس طرح ایک بار میں آٹھ سو اسپنڈل کی دیکھ بھال میں کو لیتی تھی۔ اس لئے بعد میں تھلست روپ سے 600 اسپنڈل مجھے سونپ دی گئیں۔ اس طرح جب میں دوسروں کی مدد کرتی تو لوگوں کے طبع بھی کم ہو گئے۔“

”ہر سال کی طرح اس سال بھی اہیکاریوں نے مزدوروں کے لئے انہیوں اور طریقوں پر سبھا کی اور اس بار مہرے طریقہ پر بھی وچار کیا۔ راد واد ہونے کے بعد مہرے انہیوں کا نتیجہ نکالا گیا۔“ تین طوح کی محنت، یعنی ہاتھ کی محنت، ہاؤں کی محنت اور انہیوں کی محنت۔ یہ نتیجہ اخباروں میں چھاپا گیا۔ بعد میں کارخانے کے سب لوگ مہرے طریقہ سے کام کرنے لگے۔ مگر اثر ٹھیک نہیں ہوا کیونکہ مزدور دن بھر بیست و پیریشان رہتے اور بہت تھک جاتے تھے اور روٹی کی درآمدی بھی ہوتی رہتی تھی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ طریقہ اچھے ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن میں خود تو بڑے آرام سے کام کرتی ہی اور روٹی بھی کم خراب ہوتی تھی اس لئے کارخانے میں ہر سے مہرے طریقہ پر وچار ہوا اور پہلے ہی کی طرح نتیجہ نکالا گیا، وہی تین محنت۔ لیکن اس سے مزدور پرہات نہیں ہوئے۔“

”اس کے بعد کل چین ٹیکسٹائل ٹریڈ یونین کے پیدوار بھاگ کے آپ ملاری چو۔ سو۔ نو۔ لئے انہیوں اور طریقوں و سمجھنے کے لئے سویم چھنگتاؤ آئے۔ ہمارے کارخانے میں ایک خاص کمیٹی بنائی گئی۔“ ہر چین شو کے طریقہ کی ادھین لپٹی؛ 4 جون 1951 کو اس کمیٹی کے سب ممبر میرا کام دیکھتے آئے۔ اس سٹم میں دل میں بہت گہرائی تھی، لیکن سب لوگوں کو بہت تعجب ہوا کہ میں کرم کے ساتھ اور بڑی آسانی کے ساتھ کام کرتی ہوں۔ چار دن تک میرا کام دیکھنے کے بعد 8 جون 1951 کو مہرے طریقہ کے سہندہ میں ایک سبھا لی گئی۔ سبھا میں خاص خاص سوالوں پر بحث ہوئی اور یہ نتیجہ نکالا گیا کہ میں ایک خاص ڈھنگ اور کرم کے نمساں مشین پر اپنا سٹم بانٹتی ہوں اس سے مجھے کئی گھنٹائی میں ہوتی۔ اہیکاریوں کی رائے میں یہ طریقہ ٹھیک تھا۔ سب سے پہلے ہنگتاؤ کے سوکاری ٹیکسٹائل کارخانے نمبر 1 میں یک پرگتی شیل مزدوروں کے دل نے اسے لاگو کیا۔ جس کی پردہان لی۔ سو۔ ان۔ تھیں۔ دوسروں کو سکھانے کے لئے میں لی سو لن کے ساتھ کام کرنے لگی۔ کارخانے کے اور مزدور دیکھتے آتے تھے پر انہیں وشواس نہیں ہوتا تھا لیکن جب لی سو ان کے دل نے اس طریقہ

کے अनुसार سہولیاتا پورے کام کر دیا تو دوسرے مزدوروں کو بھی شمول ہو گیا۔ اس کے بعد چھٹکاو کے دوسرے کارخانوں میں بھی مزدوروں نے اس طریقے کے انوسار کام کیا اور اسی سال یانی مئی 1951 میں دوسرے درجے کا یانی پورے چھٹکاو کا ”آدھی مزدور“ اعلان کر دیا گیا۔

”مہرے طریقے پر اب اٹھکاپیں کو پکا وشولس ہو گیا : چھٹکاو کے ٹیکسٹائل کارخانوں کے بعد اب وہ اس طریقے کو دیہ کے دوسرے ٹیکسٹائل کارخانوں میں بھی لاگو کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اگست 1951 میں چھٹکاو میں ٹیکسٹائل ایڈمنسٹریٹیشن بورڈ نے چھٹکاو کے ٹیکسٹائل ملوں کے کرمچاریوں کی ایک سہا کی اور مہرے طریقے پر ایک دوسرے نے اپنے انویسٹمنٹ اور اپنی اپنی رائے بتائی۔ اس میں ٹیکسٹائل چھٹکاو ٹریڈ یونین کے پردھان چون ساؤ من نے حساب لگایا کہ اگر ”ہوچین شو طریقے“ سے کام لیا جائے تو سارے دیہ میں ایک سال میں 44460 یونٹ سوت کی پیداوار بڑھ سکتی ہے اور روٹی کی بربادی میں سے 86 فیصدی روٹی بچائی جاسکتی ہے۔

”ستمبر 1951 میں میں اپنے برائے کارخانے واپس آگئی اور اپنے نئے طریقے سے کام شروع کر دیا۔

”اب سب لوگ بڑی خوشی اور وشولس کے ساتھ مجھے سہوگ دیتے اور مہرے طریقے کے انوسار کام کرتے تھے۔ اس سہ سارے دیہ کے لئے مہرا طریقے منظور کیا جاچکا تھا۔ اسی سہ مجھے پہلے درجے کا یعنی پورے دیہ کا ”آدھی مزدور“ گھنٹہ کر دیا گیا۔“

ابنھا بھ نہیں جس کی آنکھ پھوٹ گئی ہے۔
ابنھا وہ ہے جو اپنے دوش تھانکتا ہے۔

—گاندھی جی

—گاندھی جی

موہممد ساہب کے کچھ उपदेश

محمد صاحب کے کچھ آپدیشی

ابن ماجہ—ابو یوسف ریحانی

ابن ماجہ—ابو یوسف ریحانی

موہممد ساہب نے کہا :—”تو میں سے کسی کو جب کسی مردہ کا جنازہ جاتا دکھائی دے اور تم اس کے ساتھ نہ چلو تو تمہیں اس سے تک ایسی جگہ پر کھڑا رہنا چاہئے جب تک کہ وہ جنازہ نکل نہ جائے یا اسے نیچے اتار کر نہ رکھ دیا جائے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”تم میں سے کسی کو جب کسی مردہ کا جنازہ جاتا دکھائی دے اور تم اس کے ساتھ نہ چلو تو تمہیں اس سے تک ایسی جگہ پر کھڑا رہنا چاہئے جب تک کہ وہ جنازہ نکل نہ جائے یا اسے نیچے اتار کر نہ رکھ دیا جائے۔“

—امامیر بن ربیعہ: بخاری، مسلیم; ابوداؤد; تیرمیزی; نسائی

—امامیر بن ربیعہ: بخاری، مسلیم; ابوداؤد; تیرمیزی; نسائی

موہممد ساہب کے پاس سے ایک جنازہ گزرا اور وہ کھڑے ہو گئے۔ ان سے کسی نے کہا—”یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا۔“

محمد صاحب کے پاس سے ایک جنازہ گزرا اور وہ کھڑے ہو گئے۔ ان سے کسی نے کہا—”یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا۔“

—ابن ماجہ: بخاری، مسلیم

—عبدالرحمان بن ابولہی: بخاری، مسلیم

موہممد ساہب نے کہا :—”اے آدم کی اولاد! تمہارے لیے یہ زیادہ اچھا ہے کہ جتنی بھی دولت یا سامان تمہارے پاس گذارے سے زیادہ ہو وہ تم اپنے ہاتھ سے دوسروں کو دے دو اور یہ تمہارے لئے برا ہے کہ اس دولت یا سامان کو تم اپنے پاس چھوڑ دے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”اے آدم کی اولاد! تمہارے لئے یہ زیادہ اچھا ہے کہ جتنی بھی دولت یا سامان تمہارے پاس گذارے سے زیادہ ہو وہ تم اپنے ہاتھ سے دوسروں کو دے دو اور یہ تمہارے لئے برا ہے کہ اس دولت یا سامان کو تم اپنے پاس چھوڑ دے۔“

—ابن ماجہ: بخاری، مسلیم; تیرمیزی

—ابوعمامہ: مسلیم; تیرمیزی

موہممد ساہب نے کہا :—”روزا رکھنے، صلاۃ (دین) پڑھنے اور نماز پڑھنے سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ چیز ہے لوگوں میں میل بڑھانا، کیونکہ سچ یہ ہے کہ یہود اس چکاوت کو ختم کر دیتی ہے جس کے سہارے انسانی سماج زندہ ہے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”روزہ رکھنے، صلاۃ (دین) پڑھنے اور نماز پڑھنے سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ چیز ہے لوگوں میں میل بڑھانا، کیونکہ سچ یہ ہے کہ یہود اس چکاوت کو ختم کر دیتی ہے جس کے سہارے انسانی سماج زندہ ہے۔“

—ابن ماجہ: بخاری، مسلیم; تیرمیزی

—ابوداؤد: بخاری، مسلیم; تیرمیزی

موہممد ساہب نے یہ بھی کہا کہ :—”میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہود کی خشکی سے سر کے بال اُڑ جائے ہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ یہود سے دین کی جو حالت تھی جتنی ہے۔“

محمد صاحب نے یہ بھی کہا کہ :—”میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہود کی خشکی سے سر کے بال اُڑ جائے ہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ یہود سے دین کی جو حالت تھی جتنی ہے۔“

—تیرمیزی

—تیرمیزی

موہممد ساہب نے کہا کہ :—”یو سی بات میں پدے کسی آدمی کو جو کوئی تاملی دوتا ہے اس کو اللہ سے اچت پل ملتا ہے۔“

—ابن مسعود: تیرمیزی

موہممد ساہب نے کہا کہ :—”سچ یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی اسلام کا پہلی سچے سچے دین کا پالن کرنے والا نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس کے سب پروسی اس کے انیاچاروں سے بڑی طرح سوزکشت نہ ہوں۔“

—ابن مسعود: احمد: بقی

موہممد ساہب نے کہا:—”اس زمین پر خودا کی مصلوک (سٹریٹ) کے ساتھ جو کوئی نافرست سے پش آتا ہے وہ خدا کے ساتھ نافرست کا دینہار کرتا ہے۔“

—ابوبکر: تیرمیزی

پیرامبر سے کہا گیا کہ :—”آپ مزاریکوں یا مینی-پوچھوں کے بیکر خودا سے پراثرنا کیجئے اور انہیں بدعا دیجئے۔“ پیغمبر نے جواب دیا:—”میں سب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں کسی کو بد دعا دینے کے لئے دنیا میں نہیں آیا۔“

—ابو ہریرہ: مسلم

ابوبکر اپنے کسی ظلم کو گالی دے رہے تھے۔ اسی سمنے پیغمبر اذہر سے آنکلیے۔ پیغمبر نے ابوبکر سے کہا :—”کیا کوئی سچا اور نیک آدمی کبھی کسی کو گالی دیتا ہے؟ کعبہ کے خدا کی قسم! ہرگز نہیں۔“ ابوبکر نے اسی دن اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا اور آکر پیغمبر سے کہا :—”میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کرونگا۔“

—عائشہ: بقی

موہممد ساہب نے کہا کہ :—”جو کوئی بھی چاہتا ہے کہ قیامت کے دن کی باتلاؤں (اذیتوں) سے خدا اُسے بچائے اُسے چاہئے کہ اگر اُس کا کوئی قرضدار کھنائی میں ہے تو وہ اُسے مہات دے یا اُس کا قرضہ صاف کر دے۔“

—مسلم

میں نے پیغمبر سے پوچھا :—”نیک کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا :—”سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنا نیک ہے، اور جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اُسے دوسروں پر ظاہر کرنا نہ چاہو وہی گناہ ہے۔“

—مسلم: ترمیزی

مोہम्मद ساہب نے کہا: —”نہیں، دوسروں کے ساتھ لچھا ہوتا ہے، والا آدمی کہل اپنے اُس ہونا کے کارن ہی نماز روزہ پائے بند آدمیوں کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔“

—ابودردہ! ترمذی

—محبّد صاحب نے کہا: —”قانون میں جن چیزوں کی اجازت ہے اُن میں سے اگر کسی چیز سے اللہ کو سب سے زیادہ محبت ہے تو وہ طلاق ہے۔“

—ابوداؤد

مोہम्मد ساہب نے کہا: —”قانون میں جن چیزوں کی اجازت ہے ان میں سے اگر کسی چیز سے اللہ کو سب سے زیادہ محبت ہے تو وہ طلاق ہے۔“

—ابوداؤد

مोہम्मد ساہب نے کہا: —”ای مویٰ! زمین کی سطح پر اُتلاہ نے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو ظلموں کو آزاد کرنے کے مقابلہ میں اللہ کو زیادہ پیاری ہو۔ اور اُتلاہ نے وہ زمین پر ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی جس سے وہ تلاق سے زیادہ نفرت کرتا ہو۔“

—موزن جیل

—مویٰ بن جبّال

مोہम्मد ساہب نے کہا: —”نشا سارے گناہوں کی جڑ ہے۔“

—محمّد صاحب نے کہا: —”نشا سارے گناہوں کی جڑ ہے۔“

—حذیفہ! شرن

مोہम्मد ساہب نے کہا: —”دوسروں سے حسد کرنے سے اپنے کو بچاؤ، کیونکہ سچ میں حسد نیکی کو ایسے ہی کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو ہضم کر جاتی ہے۔“

—محمّد صاحب نے کہا: —”دوسروں سے حسد کرنے سے اپنے کو بچاؤ، کیونکہ سچ میں حسد نیکی کو ایسے ہی کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو ہضم کر جاتی ہے۔“

—ابوہریرہ! ابوداؤد

پیرامبر نے کہا: —”جس کسی کے پاس بارہر داری کے جانور اس کی ضرورت سے زیادہ ہیں اُسے چاہئے کہ اُن میں سے کچھ اُس آدمی کو دیدے جس کے پاس کوئی جانور نہیں۔ اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سامان ہے اُسے چاہئے کہ کچھ اُسے دیدے جس کے پاس کچھ نہیں۔“

پیرامبر نے کہا: —”جس کسی کے پاس بارہر داری کے جانور اس کی ضرورت سے زیادہ ہیں اُسے چاہئے کہ اُن میں سے کچھ اُس آدمی کو دیدے جس کے پاس کوئی جانور نہیں۔ اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سامان ہے اُسے چاہئے کہ کچھ اُسے دیدے جس کے پاس کچھ نہیں۔“

—ابوہریرہ! ابوداؤد

—ابوہریرہ! ابوداؤد

भाई रघुपति सहाय 'किराक'

بھائی دھوپتی سہائے 'نراق'

[پڑھ ڈا॰ بگوانداس کے لکھ "نیا ہند" میں
 لکھتے رہے ہیں۔ وہ سب بڑے بڑے دھرموں کی بنیادی
 ایتنا کے ماننے والے ہیں۔ وہ الگ الگ دھرموں کے اوپر
 ریت و راجوں کو کم اور ان سب کے ان بنیادی اصولوں کو
 ایک مہتمم دیتے ہیں جو سب دھرموں میں لگ بھگ
 ایک سے ہیں۔ یہی ان کے دہونا پورے لیکھوں کا خاص
 مضمون رہا ہے۔ انہیں سے سیکھ کر اور پڑھنا پاکر "ہندوستانی
 کلچر سوسائٹی" اور "نیا ہند" سب دھرموں کی ایک
 میں وشواسی رہے ہیں اور ہیں۔ ہندوں کی آجکل کی
 جنم سے جاتی کو اور ہر طرح کی چھوچھوت کو ڈاکٹر
 بھگوان داس بالکل غلط مانتے ہیں اور اُس کے خلاف ہیں۔
 جنم کی ان سیکڑوں جاتوں کی جگہ چار ورنوں کا اصول
 ان کے لیکھوں اور وچاروں کا قبول ایک پہلو ہے۔ ان کے
 ان چار ورنوں کا جنم سے کوئی سبب نہ نہیں، نہ ان میں
 ہندو، مسلمان، عیسائی آدمی کا کوئی فرق رہ جاتا ہے۔
 ساری دنیا اور سارا مانو سماج اُس میں سما جاتا ہے۔
 ان کے اس اصول کے انوسار آئنسٹائن اور برنرڈشا ویسے ہی
 دیکے براہمن تھے جیسے بنارس کے پلڈت شوکار شاستری۔
 ان کے ان ورنوں کا چھبے جنم سے یا دھرم سے کوئی سبب نہ
 نہیں ویسے ہی بیاہ شادی سے بھی کوئی سبب نہ نہیں۔
 ان کے انوسار ان کی ورن ویسٹھا نئی دیواریں کھڑی کرکے
 والی چھبے نہیں، دیواریں توڑنے والی چھبے ہے۔ ان کی
 ورن ویسٹھا کوئی چیز یا تھوس چیز نہیں ہے۔ وہ دہر کی
 طرح لچھلی ہے۔ ان کے چار ورنوں میں اونچ نیچ کا
 بھی کوئی سوال نہیں۔ ان کے انوسار آدمی جب چاہے
 اپنے سوہاؤ اور پھم کے انوسار اپنا 'ورن' بھی بدل
 سکتا ہے، ٹھیک جس طرح کمپوٹسٹ سبجے جالے والے دیہوں
 میں کوئی مزدور 'لہبر' یا 'ورکر' جب چاہے ہوگتا حاصل
 کرکے 'پروفیسر' یا پارلیمنٹ کا ممبر بن سکتا ہے اور
 اپنے کو مزدور، 'لہبر' یا 'ورکر' کہہ میں آئے کیوں
 لیکن محسوس نہیں ہوتا۔ ہمارے مگر شری دھوپتی
 سہائے 'نراق' بھی بہت اڑاں خالی، صاف صاف
 کو اور ترقی پسند دھوان ہیں۔ ان کی اتنی بات
 میں بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ اب وہ سنہ
 آ رہا ہے اور آنا چاہئے جب دنیا کا لگ بھگ

[پڑھ ڈا॰ بگوانداس کے لکھ "نیا ہند" میں
 لکھتے رہے ہیں۔ وہ سب بڑے بڑے دھرموں کی بنیادی
 ایتنا کے ماننے والے ہیں۔ وہ الگ الگ دھرموں کے اوپر
 ریت و راجوں کو کم اور ان سب کے ان بنیادی اصولوں کو
 ایک مہتمم دیتے ہیں جو سب دھرموں میں لگ بھگ
 ایک سے ہیں۔ یہی ان کے دہونا پورے لیکھوں کا خاص
 مضمون رہا ہے۔ انہیں سے سیکھ کر اور پڑھنا پاکر "ہندوستانی
 کلچر سوسائٹی" اور "نیا ہند" سب دھرموں کی ایک
 میں وشواسی رہے ہیں اور ہیں۔ ہندوں کی آجکل کی
 جنم سے جاتی کو اور ہر طرح کی چھوچھوت کو ڈاکٹر
 بھگوان داس بالکل غلط مانتے ہیں اور اُس کے خلاف ہیں۔
 جنم کی ان سیکڑوں جاتوں کی جگہ چار ورنوں کا اصول
 ان کے لیکھوں اور وچاروں کا قبول ایک پہلو ہے۔ ان کے
 ان چار ورنوں کا جنم سے کوئی سبب نہ نہیں، نہ ان میں
 ہندو، مسلمان، عیسائی آدمی کا کوئی فرق رہ جاتا ہے۔
 ساری دنیا اور سارا مانو سماج اُس میں سما جاتا ہے۔
 ان کے اس اصول کے انوسار آئنسٹائن اور برنرڈشا ویسے ہی
 دیکے براہمن تھے جیسے بنارس کے پلڈت شوکار شاستری۔
 ان کے ان ورنوں کا چھبے جنم سے یا دھرم سے کوئی سبب نہ
 نہیں ویسے ہی بیاہ شادی سے بھی کوئی سبب نہ نہیں۔
 ان کے انوسار ان کی ورن ویسٹھا نئی دیواریں کھڑی کرکے
 والی چھبے نہیں، دیواریں توڑنے والی چھبے ہے۔ ان کی
 ورن ویسٹھا کوئی چیز یا تھوس چیز نہیں ہے۔ وہ دہر کی
 طرح لچھلی ہے۔ ان کے چار ورنوں میں اونچ نیچ کا
 بھی کوئی سوال نہیں۔ ان کے انوسار آدمی جب چاہے
 اپنے سوہاؤ اور پھم کے انوسار اپنا 'ورن' بھی بدل
 سکتا ہے، ٹھیک جس طرح کمپوٹسٹ سبجے جالے والے دیہوں
 میں کوئی مزدور 'لہبر' یا 'ورکر' جب چاہے ہوگتا حاصل
 کرکے 'پروفیسر' یا پارلیمنٹ کا ممبر بن سکتا ہے اور
 اپنے کو مزدور، 'لہبر' یا 'ورکر' کہہ میں آئے کیوں
 لیکن محسوس نہیں ہوتا۔ ہمارے مگر شری دھوپتی
 سہائے 'نراق' بھی بہت اڑاں خالی، صاف صاف
 کو اور ترقی پسند دھوان ہیں۔ ان کی اتنی بات
 میں بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ اب وہ سنہ
 آ رہا ہے اور آنا چاہئے جب دنیا کا لگ بھگ

ہر انسان کو اپنے اپنے وقتوں کے لیے دوسروں کی مانسیک، آর্থیک، سماجیک اور شاریک سب तरह کی سہاؤوں میں حصہ لےنا اور سب तरह کی سہاؤوں کا آمانند لےنا۔ تب ہی مانسیتا سبمبھ خیل سکےگی۔ کسی لےک کے کسی پتریکا میں پرکاشیت ہونے کا یہ ممتلئب نہیں ہوتا کہ پتریکا یا اسکا سہاؤک لےک کے سب بھاروں سے سہمت ہے۔ اس لئے ہم سہرہں بھائی رگوبھتی سہائے 'فراق' کا یہ لےک نیچے دیتے ہیں—سہاؤک.]

میں ان بہت سے لیکھوں کو دھیان سے پڑھتا رہا ہوں جو ڈاکٹر بھگوانداس کے کلیم سے 'نیا ہند' میں نکلتے رہے ہیں، اور جینمیں انہوں نے بھائی بھرتی کو نیا، بھرتی، ممتلئب، اور نیت کے انوسار بتایا ہے۔ میں جس نیت پر پڑھتا ہوں اسے اس کے شہرہوں میں نیچے دیتا ہوں۔

اب وہ زمانہ آچکا ہے جب سو فیصدی آبادی کو اچھی طرح سے پڑھا لکھا بنا دیا جائے۔ ایسا ہونے کے بعد سو فیصدی لوگوں میں کیا کیا صلاحیت آجائے گی؟ مادری زبان میں سادھارن سے سادھارن آدمی ہر کی اہل اور اہل کی سہاوت، رامین، منوسمتری، فردوسی کا شاہنامہ، سعدی کی گلستان، مہاتما فالستائے کی کتابیں، شہسہر کے نائک، کالی داس کے نائک، یونان، فرانس اور دوسرے دیشوں کے نائک، دنیا بھر کے سفرنامے، مشہور جہوں چتر، دنیا بھر کے مشہور آپنیس، ساروجنک یا عام فہم وگیاں، دنیا بھر کی کہانیاں اور خود مادری زبان میں جو اچھی شاعری ہوئی ہے، اس کا بہت بڑا حصہ، بڑے اور سچے سکھا۔ وہ زمانہ بھی شروع ہو چکا ہے جب چھاتی پہاڑ، کمر توڑ یا شہر کو تھکا دینے والی محنت کا بہار مشینیں اٹھا لیں گی۔ اسٹان سے پوچھا گیا کہ جب ورگ ہیں سماج یا ایسا سماج جس میں طبقہ نہ ہو، قائم ہو جاوے گا تو کیا سب لوگ فلم کے سرما بن جائیں گے؟ اسٹان نے جواب دیا کہ سب لوگ انجینیر بن جائیں گے لیکن اپنی پسند کے مطابق کام کے سوراؤں کی رچنوں کا آند اٹھا سکیں گے۔ جس طرح کی کتابوں کو میں اڈپر گنوا چکا ہوں انہیں جب پڑھکر سب لوگ سمجھ سکیں گے اور شہر یا ہاتھ پاؤں کو کڑی محنت سے چھٹکارا مل جاوے گا تو شہر کون رہ جاوے گا؟ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایتھ یا پرمانو شکتی کے جگ میں معمولی سے معمولی آدمی تو وہ تمام سکھ اور سہدھائیں حاصل ہو جائیں گی جو تہرے سے سمیں لوگوں تک آج محدود ہیں۔ ایسی دشا میں شہر کون رہ جاوے گا؟ اس بات کو شری رویندر ناتھ ٹیکور، ایچ۔ جی۔ ویس، سامہووان کے اور دوسرے وچارک اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ شری رویندر ناتھ ٹیکور جانی پانتی کے ہی نہیں گن - کرم - سہاؤ کے انوسار

میں ان بہت سے لیکھوں کو دھیان سے پڑھتا رہا ہوں جو ڈاکٹر بھگوان داس کے قلم سے 'نیا ہند' میں نکلتے رہے ہیں، اور جہوں انہوں نے وزن و بھرتی کو نیا، وگیاں، وگیاں اور نیت کے انوسار بتایا ہے۔ میں جس لیکھ پر پڑھتا ہوں اسے تہرے شہروں میں نیچے دیتا ہوں۔

اب وہ زمانہ آچکا ہے جب سو فیصدی آبادی کو اچھی طرح سے پڑھا لکھا بنا دیا جائے۔ ایسا ہونے کے بعد سو فیصدی لوگوں میں کیا کیا صلاحیت آجائے گی؟ مادری زبان میں سادھارن سے سادھارن آدمی ہر کی اہل اور اہل کی سہاوت، رامین، منوسمتری، فردوسی کا شاہنامہ، سعدی کی گلستان، مہاتما فالستائے کی کتابیں، شہسہر کے نائک، کالی داس کے نائک، یونان، فرانس اور دوسرے دیشوں کے نائک، دنیا بھر کے سفرنامے، مشہور جہوں چتر، دنیا بھر کے مشہور آپنیس، ساروجنک یا عام فہم وگیاں، دنیا بھر کی کہانیاں اور خود مادری زبان میں جو اچھی شاعری ہوئی ہے، اس کا بہت بڑا حصہ، بڑے اور سچے سکھا۔ وہ زمانہ بھی شروع ہو چکا ہے جب چھاتی پہاڑ، کمر توڑ یا شہر کو تھکا دینے والی محنت کا بہار مشینیں اٹھا لیں گی۔ اسٹان سے پوچھا گیا کہ جب ورگ ہیں سماج یا ایسا سماج جس میں طبقہ نہ ہو، قائم ہو جاوے گا تو کیا سب لوگ فلم کے سرما بن جائیں گے؟ اسٹان نے جواب دیا کہ سب لوگ انجینیر بن جائیں گے لیکن اپنی پسند کے مطابق کام کے سوراؤں کی رچنوں کا آند اٹھا سکیں گے۔ جس طرح کی کتابوں کو میں اڈپر گنوا چکا ہوں انہیں جب پڑھکر سب لوگ سمجھ سکیں گے اور شہر یا ہاتھ پاؤں کو کڑی محنت سے چھٹکارا مل جاوے گا تو شہر کون رہ جاوے گا؟ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایتھ یا پرمانو شکتی کے جگ میں معمولی سے معمولی آدمی تو وہ تمام سکھ اور سہدھائیں حاصل ہو جائیں گی جو تہرے سے سمیں لوگوں تک آج محدود ہیں۔ ایسی دشا میں شہر کون رہ جاوے گا؟ اس بات کو شری رویندر ناتھ ٹیکور، ایچ۔ جی۔ ویس، سامہووان کے اور دوسرے وچارک اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ شری رویندر ناتھ ٹیکور جانی پانتی کے ہی نہیں گن - کرم - سہاؤ کے انوسار

وہی व्यवस्था کے بھی खिलाफ थे۔ पूज्य डाक्टर भगवानदास ने इस विषय पर अपने लेखों में समाजवाद और साम्यवाद की चरचा भी की है। निवेदन है कि समाजवाद और साम्यवाद के साथ साथ वर्ण व्यवस्था को कायम नहीं रक्खा जा सकता। जब पूरा समाज पढ़ा लिखा होगा, सम्पन्न या कुुराहाल होगा और छाती-फाड़ मेहनत से बच जावेगा तो कोई शूद्र कैसे रहेगा ? जब पीठ या सर पर बोझ लादकर चलने के बदले बैलगाड़ी पर बोझ लादना शुरू किया गया और बाद को माल गाड़ियों और मोटर ट्रकों पर बोझ लदने लगा या क्रेनों द्वारा टनों बोझ उठने लगा, यानी जब बोझ लाद कर चलने वाला गाड़ीवान बन गया, क्रेन का ऑपरेटर बन गया, ट्रक ड्राइवर या इंजिन ड्राइवर बन गया तो वह शूद्र नहीं रहा हालांकि समाज की सेवा वह अब भी कर रहा है। फिर जब हर आदमी संसार साहित्य पढ़ने लगेगा और कई गुना ज्यादा मजदूरी भी पाने लगेगा और वह सब आराम और आसाइश, सुख और सुविधायें भी जन्म-सिद्ध अधिकार या पैदाइशी हक की तरह हासिल कर लेगा जो आज केवल मुट्ठी-भर आदमियों को नसीब हैं, तो वह शूद्र नहीं रह जावेगा। अंग्रेजी शब्द लेबरर या फारसी शब्द मजदूर भी उस पर लागू नहीं होंगे।

पूज्य डाक्टर भगवानदास कुछ लोगों को स्वभाव से ही दौलत कमाने वाला या वैश्य समझते हैं। नई सभ्यता में दूसरों से मजदूरी या मेहनत कराके किसी को पूंजीपति बनने नहीं दिया जायगा। धन पैदा करना सब का पैदाइशी काम होगा। बड़ी बड़ी तिजारतें पंचायत यानी हुकूमत के हाथ में होंगी। दलालों, आदतियों, सट्टे बाजों और मिल मालिकों के दिन अब लदने वाले हैं। जैसे जैसे हुकूमत, जरूरी तालीम देकर लोगों को इस क्राबिल बनाती जायगी कि यह जिम्मेदारी पूंजीपतियों के हाथ से ले ली जाय, वैसे वैसे यह तब्दीली सामाज के जीवन में आती जायगी। यह भी सांचने की बात है कि खौन्चा लगाने वाले, पटरियां पर दूकान लगाने वाले, पान और मूँगफली बेचने वाले, अपना रक्शा या इस्का रखकर चलाने वाले, बुनकर, माची, वगैरा जा किसी की टहल या सेवा नहीं करते और थोड़ा बहुत धन भी कमा लेते हैं, क्या ये सब लोग उन्हीं अर्थों में वैश्य हैं जिन अर्थों में टाटा, बिड़ला, डालमिया, जैपूरिया वगैरा ? बन्दर नचाने वाले, सँपेरे, भालू नचाने वाले, भानमती का पिटारा लेकर घूमने वाले, यह सब भी तो किसी की मजदूरी नहीं करते। रंगरेज, सुनार, धुनियां, बदई, लोहार, हज्जाम (जो केवल पैसे लेकर बाल काटते हैं) मल्लाह, मछुए, चिड़ीमार, केरी लगाने वाले, बहुरूपिये क्या ये सब उन्हीं मानों में वैश्य हैं जिन मानों में राजा मोतीचन्द वैश्य थे ? क्या राजा मोतीचन्द या बिड़ला ने जो सेवाएं समाज की की वह

ون دیوسٹھا کے بھی خلاف تھے۔ پوجیہ ڈاکٹر بھگوان داس نے اس شئے پر اپنے لیکچر میں سماج واد اور سامیتوان کی چرچا کی تھی۔ فریدین ہے کہ سماج واد اور سامیتوان کے ساتھ ساتھ ون دیوسٹھا کو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ جب پورا سماج پڑھا لکھا ہوگا، سمین یا خوشحال ہوگا اور چھاتی ہزار محنت سے بچ جاویگا تو کوئی شودر کیسے رہیگا ؟ جب پیٹھ یا سر پر بوجھ لاد کر چلنے کے بدلے ہیل گاڑی پر بوجھ لادنا شروع کیا گیا اور بعد کو مال گاڑیوں اور موٹر ٹرکوں پر بوجھ لادنے لگا یا کرینوں دوارائن بوجھ اٹھانے لگا، یعنی جب بوجھ لادکر چلنے والا گاڑی دان بن گیا، کرین کا آپریٹر بن گیا، ٹرک ڈرائیور یا انجن ڈرائیور بن گیا تو وہ شودر نہیں رہا حالانکہ سماج کی سیوا وہ اب بھی کر رہا ہے۔ پھر جب ہر آدمی سنسار سہایتہ پڑھنے لکھا اور کئی گنا زیادہ مزدوری بھی پانے لگیگا اور وہ سب آرام اور آسائش، سکھ اور سوبدھانیں بھی سدہ ادھیکار یا پیدائشی حق کی طرح حاصل کرلیگا، جو آج کھول مٹھی ہر آدمیوں کو نصیب ہیں، تو وہ شودر نہیں رہ جاویگا۔ انگریزی شد لیبرر یا فارسی شد مزدور بھی اُس پر لاگو نہیں ہونگے۔

پوجیہ ڈاکٹر بھگوان داس کچھ لوگوں کو سوہاؤ سے ہی دولت کمانے والا یا ویشیہ سمجھتے تھیں۔ نئی سیہیتا میں دوسروں سے مزدوری یا محنت کرا کے کسی کو پونجی پتی بنانے نہیں دیا جائیگا۔ دھن پیدا کرنا سب کا پیدائشی کام ہوگا۔ بڑی بڑی تجارتیں پنچایت یعنی حکومت کے ہاتھ میں ہونگی۔ دلالوں، آڑعتیوں، سٹہ بازوں اور مل مالکوں کے دن اب لڈنے والے ہیں۔ جیسے جیسے حکومت ضروری تعلیم دیکر لوگوں کو اس قابل بنانی جائیگی کہ یہ ذمہ داری پونجی پتیوں کے ہاتھ سے لے لی جائے ویسے ویسے یہ تبدیلی سماج کے چین میں آتی جائیگی۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ خونچہ گانے والے، پتھریوں پر درکان لگانے والے، پان اور مونگ پھلی بیچنے والے، اپنا رکشا یا بیکہ رکھ کر چلانے والے، ہنکر، موچی وغیرہ جو کسی کس ٹھل یا سیوا نہیں کرتے اور تھوڑا بہت دھن بھی کما لیتے ہیں، کیا یہ سب لوگ انہیں ارتھوں میں ویشیہ ہیں جن ارتھوں میں ٹاٹا، بڑلا، ڈالیمیا، جھپوریا وغیرہ ؟ ہندر نچانے والے، سنپیرے، بھالو نچانے والے، بھانستی کا پکارا لیکر گھومنے والے، یہ سب بھی تو کسی کی مزدوری نہیں کرتے۔ رنگریز، سنار، دھنیا، بڑھتی، لوہار، حکام (جو کھول پیسے لیکر بال کاٹتے ہیں) ملح، مجھرنے، چڑسار، پھوری لگانے والے، بھروپتہ کیا یہ سب انہیں بھالوں میں ویشیہ ہیں جن میں راجہ موتی چند ویشیہ تھے ؟ کیا راجہ موتی چند یا بڑلا نے جو سہولتیں سماج کی کیں وہ

کوئی پंचایات (جس میں کئی طرح کے کام کرنے والے شریک ہوں) یا کوئی سرکاری مزدور یا سرکاری کرمچاری تانخواہ پا کر نہیں کر سکتے؟ تو پھر 'ویشیہ' کا کیا ارادہ ہے؟ اور ان لوگوں کو آپ کیا کہیں گے جو وکیل ہیں، زمیندار ہیں، پروفیسر ہیں، ذیلی کلکٹر ہیں، تھانہ دار ہیں، فوجی انسپر ہیں، ایکٹر ہیں، پینٹر ہیں، سائیکسٹر ہیں، لیکن کمپنیوں میں حصہ لیکر ڈویڈنڈ اور منافع بھی کاتے ہیں؟ یہ لوگ سب ویشیہ ہیں یا کچھ اور؟

فرض کر لیں جیسے کہ کسی دیہی میں کل ریلوے کمپنیاں مہاجن چلا رہے ہیں۔ کہاں کا کام بھی مہاجلوں کے ہاتھ میں ہے۔ سرکاری فوج اور پولیس کو جس سامان اور جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مہاجلوں سے مول لیئے جاتے ہیں۔ لڑھ کے کارخانے، دھات کی خانے، موٹروں کے کارخانے اور دوسرے سب بڑے بڑے کارخانے مہاجلوں کے ہاتھ میں ہیں۔ بیک بھی مہاجلوں کے ہاتھ میں ہیں، تو یہ مہاجن اور ان کے لاکھوں کرمچاری تو 'ویشیہ' یا 'تاجر' ٹھہرے۔ لیکن سماج وادی یا سامیہ وادی دیہی میں یا ملی جلی آرٹیک پرائی یا مالی انتظام والے دیہیوں میں یہ سب کار بار سرکاری ملکیت ہوں اور بندھی ہوئی تانخواہ پانے والے سرکاری کرمچاری یا ملازم یہ سب کار بار چلا رہے ہوں، تب یہ سرکاری ملازم یا کرمچاری اور ان دیہاتوں کے منسٹر 'عامل' یا 'چھتری' ہو جائیں گے کیونکہ یہ سارا کار بار اب حکومت کر رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ ایک ہی کام کرنے والے، ایک ہی طرح کی لیاقت رکھنے والے کہیں چھتری کہلائے اور کہیں ویشیہ۔ جب بی۔ این۔ ڈبلیو۔ ریلوے کمپنی کو یا اسپرل بینک کو بھارت سرکار نے لیا تھا یا جب کانپور کے پارہاؤس کو کمپنی سے بھارت سرکار نے لیا تو ان کے سب کرمچاری چھتری بجاتے ویشیہ سے چھتری ہو گئے! اس یگ کی حکومت، حکومت کم کرتی ہے، انتظام زیادہ کرتی ہے۔

دہلی کی حکومت اور صوبوں کی حکومت کی وزارتوں پر ایک نظر ڈالیں۔ مولانا ابولکلام آزاد و دوان اور دھرمادھاریہ ہونے کے ناتے براہمن ہیں اور شاکس ہونے کے ناتے چھتری۔ پندت کیلاش ناتھ کاتھجو سوہاؤ اور وکالت کے پیشے کے ناتے براہمن تھے اور ڈیفنس منسٹر ہونے کے ناتے وہ چھتری بن گئے۔ پندت جواہر لال بھی پیرسٹر (براہمن) سے بل مارنے چھتری بن گئے۔ ایک آندھ اور مثالین لیجٹم۔ سورگیت شری رمیش چندر دت بڑے بڑے بھاری شاکس (حاکم) تھے، اور انہیں آئیٹیاں، رامین اور مہابھارت کا انگریزی کویتا میں انوآن، ارادہ شاکس پر بستیں بھی حاکم ہوتے ہوئے لکھتے رہے یعنی ایک ہی ستم دے براہمن بھی تھے اور چھتری بھی تھے۔ سورگیت شری سی۔ وائی۔

کئی پانچائیت (جس میں کئی طرح کے کام کرنے والے شریک ہوں) یا کوئی سرکاری مزدور یا سرکاری کرمچاری تانخواہ پا کر نہیں کر سکتے؟ تو پھر 'ویشیہ' کا کیا ارادہ ہے؟ اور ان لوگوں کو آپ کیا کہیں گے جو وکیل ہیں، زمیندار ہیں، پروفیسر ہیں، ذیلی کلکٹر ہیں، تھانہ دار ہیں، فوجی انسپر ہیں، ایکٹر ہیں، پینٹر ہیں، سائیکسٹر ہیں، لیکن کمپنیوں میں حصہ لیکر ڈویڈنڈ اور منافع بھی کاتے ہیں؟ یہ لوگ سب ویشیہ ہیں یا کچھ اور؟

فرض کر لیں جیسے کہ کسی دیہی میں کل ریلوے کمپنیاں مہاجن چلا رہے ہیں۔ کہاں کا کام بھی مہاجلوں کے ہاتھ میں ہے۔ سرکاری فوج اور پولیس کو جس سامان اور جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مہاجلوں سے مول لیئے جاتے ہیں۔ لڑھ کے کارخانے، دھات کی خانے، موٹروں کے کارخانے اور دوسرے سب بڑے بڑے کارخانے مہاجلوں کے ہاتھ میں ہیں۔ بیک بھی مہاجلوں کے ہاتھ میں ہیں، تو یہ مہاجن اور ان کے لاکھوں کرمچاری تو 'ویشیہ' یا 'تاجر' ٹھہرے۔ لیکن سماج وادی یا سامیہ وادی دیہی میں یا ملی جلی آرٹیک پرائی یا مالی انتظام والے دیہیوں میں یہ سب کار بار سرکاری ملکیت ہوں اور بندھی ہوئی تانخواہ پانے والے سرکاری کرمچاری یا ملازم یہ سب کار بار چلا رہے ہوں، تب یہ سرکاری ملازم یا کرمچاری اور ان دیہاتوں کے منسٹر 'عامل' یا 'چھتری' ہو جائیں گے کیونکہ یہ سارا کار بار اب حکومت کر رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ ایک ہی کام کرنے والے، ایک ہی طرح کی لیاقت رکھنے والے کہیں چھتری کہلائے اور کہیں ویشیہ۔ جب بی۔ این۔ ڈبلیو۔ ریلوے کمپنی کو یا اسپرل بینک کو بھارت سرکار نے لیا تھا یا جب کانپور کے پارہاؤس کو کمپنی سے بھارت سرکار نے لیا تو ان کے سب کرمچاری چھتری بجاتے ویشیہ سے چھتری ہو گئے! اس یگ کی حکومت، حکومت کم کرتی ہے، انتظام زیادہ کرتی ہے۔

دہلی کی حکومت اور صوبوں کی حکومت کی وزارتوں پر ایک نظر ڈالیں۔ مولانا ابولکلام آزاد و دوان اور دھرمادھاریہ ہونے کے ناتے براہمن ہیں اور شاکس ہونے کے ناتے چھتری۔ پندت کیلاش ناتھ کاتھجو سوہاؤ اور وکالت کے پیشے کے ناتے براہمن تھے اور ڈیفنس منسٹر ہونے کے ناتے وہ چھتری بن گئے۔ پندت جواہر لال بھی پیرسٹر (براہمن) سے بل مارنے چھتری بن گئے۔ ایک آندھ اور مثالین لیجٹم۔ سورگیت شری رمیش چندر دت بڑے بڑے بھاری شاکس (حاکم) تھے، اور انہیں آئیٹیاں، رامین اور مہابھارت کا انگریزی کویتا میں انوآن، ارادہ شاکس پر بستیں بھی حاکم ہوتے ہوئے لکھتے رہے یعنی ایک ہی ستم دے براہمن بھی تھے اور چھتری بھی تھے۔ سورگیت شری سی۔ وائی۔

نیتامنی سمادک تہ راج نیتی کے پلذت تہ اور منسٹر ہی بن گئے۔ بعد کو پھر سمادک بن بیٹھے۔ گنڈستان گریک سادیہ کا پلذت تھا، تدریلی اوجہ کوئی کا اہنلسکار تھا اور یہ دونوں انگلستان کے مکہہ مندری ہی بن گئے۔ لینن دھورندسر ودوان ہوتا ہوا اپنے یگ کا سب سے بڑا چہتری نکلا یعنی 'عالم' ہی تھا اور عامل ہی۔ مہا کری گیتے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جہاں وہ رہتا تھا وہاں سے مہلوں تک اُس کے سرینکا کوئی کارباری آدمی نہیں تھا۔ ملٹن سیکریٹری تھا کرامویل کا۔ ارسطو مندری تھا سکندر کا۔ سہور نے مہان دھرم شاستر لکھا۔ نیہولین نے منو اسمرتی سے تکر لینہ والا تالون بنا یا۔ اب 'عالم' اور عامل کی تقسیم کہاں گئی؟ نئے روس میں بیسوں ہزار آدمی مزدور سے ملوں کے منجبر، سینا پتی اور مہان شاسک بن بیٹھے۔ یہی چین میں بھی ہوا ہے۔ انہاس نے اور سماج کی ترقی نے عالم، عامل، تاجر اور مزدور کے بھید بھاؤ کو توڑ پھڑ کر رکھ دیا۔

چہتری کس کو کہا جائے؟ اگر کسی سماج میں دو تین کروڑ آدمی 'سویاؤ' سے چہتری ہیں تو گویا اُس دیس میں فوج، پولس، جہازی سینک، ہوائی سینک، چوڑے اور بڑے شاسک ان میں کسی کی تعداد گھٹائی یا بڑھائی نہیں جاسکتی۔ روس میں حال میں شاید پانچ لاکھ سینک فوج سے ہٹا کر کارخانوں میں لگا دیئے گئے ہیں، گویا چہتری سے شہر بنا دیئے گئے ہیں۔ ہٹلر کو روس کے جن فوجیوں اور گروہوں نے پیچھے دھکیل دیا، چینانگ کائی شیک کو، میکازنہر کو اور چا پانی حملہ آوروں کو جن چینوں نے چین سے نکال کر دیس کی رکشا کی ان میں دس پندرہ فیصدی ہی باغابادہ فوجی تھے۔ باقی سب کسان اور مزدور تھے، اور دیس رکشا کا کام ختم کر کے پھر کسان، مزدور اور کاریگر بن گئے۔ لڑائی ہو یا شامس، اینٹی کرپشن آندولن ہو یا کھیتی اور کارخانوں کا بڑے پیمانوں پر انتظام ہو، حکومت کے ایسے ہی سینکڑوں کاموں کے لئے پورے سماج کے آزاد سہدرگ اور سوچے بوجھ اور تجربے کی ضرورت پڑتی ہے۔ منوشہہ سادھارن طور پر ناگزیر ہوتے ہیں، عالم، عامل، تاجر اور مزدور نہیں ہوتے۔ نئی شکشا لوگوں کو ایک نفا نہیں بنائیگی۔ کسی کو لکیر کافتیر نہیں بنائیگی، بلکہ کسی طرح کی صلاحیتیں دینے والی (Multipurpose Education) ہو گی۔ آبادی کا ذیادہ حصہ کئی طرح کے کام کر سکیگا یا یوں کہیں کہ ایک کام چھوڑ کر دوسرا کام بھی کر سکیگا۔ اور نئے سماج میں سب لوگ ہر روز اپنے نس کے منورنجانوں یا مشنوں میں ہی سمٹے پائینگے۔ مٹی پھر حکومت کرنے والے لوگوں کے انتظام اور راج

نیتامنی سمادک تہ راج نیتی کے پلذت تہ اور منسٹر ہی بن گئے۔ بعد کو پھر سمادک بن بیٹھے۔ گنڈستان گریک سادیہ کا پلذت تھا، تدریلی اوجہ کوئی کا اہنلسکار تھا اور یہ دونوں انگلستان کے مکہہ مندری ہی بن گئے۔ لینن دھورندسر ودوان ہوتا ہوا اپنے یگ کا سب سے بڑا چہتری نکلا یعنی 'عالم' ہی تھا اور عامل ہی۔ مہا کری گیتے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جہاں وہ رہتا تھا وہاں سے مہلوں تک اُس کے سرینکا کوئی کارباری آدمی نہیں تھا۔ ملٹن سیکریٹری تھا کرامویل کا۔ ارسطو مندری تھا سکندر کا۔ سہور نے مہان دھرم شاستر لکھا۔ نیہولین نے منو اسمرتی سے تکر لینہ والا تالون بنا یا۔ اب 'عالم' اور عامل کی تقسیم کہاں گئی؟ نئے روس میں بیسوں ہزار آدمی مزدور سے ملوں کے منجبر، سینا پتی اور مہان شاسک بن بیٹھے۔ یہی چین میں بھی ہوا ہے۔ انہاس نے اور سماج کی ترقی نے عالم، عامل، تاجر اور مزدور کے بھید بھاؤ کو توڑ پھڑ کر رکھ دیا۔

چہتری کس کو کہا جائے؟ اگر کسی سماج میں دو تین کروڑ آدمی 'سویاؤ' سے چہتری ہیں تو گویا اُس دیس میں فوج، پولس، جہازی سینک، ہوائی سینک، چوڑے اور بڑے شاسک ان میں کسی کی تعداد گھٹائی یا بڑھائی نہیں جاسکتی۔ روس میں حال میں شاید پانچ لاکھ سینک فوج سے ہٹا کر کارخانوں میں لگا دیئے گئے ہیں، گویا چہتری سے شہر بنا دیئے گئے ہیں۔ ہٹلر کو روس کے جن فوجیوں اور گروہوں نے پیچھے دھکیل دیا، چینانگ کائی شیک کو، میکازنہر کو اور چا پانی حملہ آوروں کو جن چینوں نے چین سے نکال کر دیس کی رکشا کی ان میں دس پندرہ فیصدی ہی باغابادہ فوجی تھے۔ باقی سب کسان اور مزدور تھے، اور دیس رکشا کا کام ختم کر کے پھر کسان، مزدور اور کاریگر بن گئے۔ لڑائی ہو یا شامس، اینٹی کرپشن آندولن ہو یا کھیتی اور کارخانوں کا بڑے پیمانوں پر انتظام ہو، حکومت کے ایسے ہی سینکڑوں کاموں کے لئے پورے سماج کے آزاد سہدرگ اور سوچے بوجھ اور تجربے کی ضرورت پڑتی ہے۔ منوشہہ سادھارن طور پر ناگزیر ہوتے ہیں، عالم، عامل، تاجر اور مزدور نہیں ہوتے۔ نئی شکشا لوگوں کو ایک نفا نہیں بنائیگی۔ کسی کو لکیر کافتیر نہیں بنائیگی، بلکہ کسی طرح کی صلاحیتیں دینے والی (Multipurpose Education) ہو گی۔ آبادی کا ذیادہ حصہ کئی طرح کے کام کر سکیگا یا یوں کہیں کہ ایک کام چھوڑ کر دوسرا کام بھی کر سکیگا۔ اور نئے سماج میں سب لوگ ہر روز اپنے نس کے منورنجانوں یا مشنوں میں ہی سمٹے پائینگے۔ مٹی پھر حکومت کرنے والے لوگوں کے انتظام اور راج

पाठ के दिन गए. आगे का पंचायती शासन और पुरानी वर्ण व्यवस्था साथ साथ नहीं चल सकते.

रही ब्राह्मणों की बात. इस लेख के शुरू में मैंने बताया है तो फीसदी लोग संसार साहित्य को पढ़ और समझ सकते हैं. तो क्या साहित्य, धर्म, विज्ञान की किताबें लिखने वाले ब्राह्मण हैं और इन्हें समझकर आनन्द लेने वाले शूद्र हैं ? महात्मा टालस्टाय ने तो ऐसी चीज को कला या साहित्य माना ही नहीं जिसे किसान मजदूर न समझ सकें. महात्मा टालस्टाय के बयान में थोड़ा सा मुबालगा हो सकता है लेकिन बुनियादी तौर पर उनके बयान को ठीक मानना पड़ेगा. लेखक ब्राह्मण और पाठक शूद्र ! यह कैसे हो सकता है ? सब में रचनात्मक शक्ति नहीं होती. लेकिन यह भी कहा गया है कि लन्दन के जन साधारण शेक्सपीयर के नाटकों को एक एक आने का टिकट लेकर देखते थे. यह भी कहा गया है कि जब जब वे नाटक देखते समय अच्छी तरह उसका आनन्द लेते थे उस समय उनकी आत्माएँ शेक्सपीयर की आत्मा को छू लेती थीं. लन्दन के "शूद्र" Groundlings कहलाते थे. इसी तरह जो बहुत कुशल टेकनालजिस्ट है या मूर्ति-निर्माता है, या चित्रकार है या सर्जन अथवा डाक्टर है, उनको आप क्या कहेंगे ? कबीर जुलाहे थे, रविदास मोची थे, सद्ना कसाई थे, पलदूदास कंवट थे, स्पाइनोजा ऐनक बनाता था और संसार का महान दार्शनिक था. सुक्रात आत्मज्ञानी और सिपाही था, प्लोटाचार्य धनुर्विद्या में निपुण थे, कृष्ण, समाज में उनका कोई भी काम रहा हो, लेकिन गीता के ज्ञानेश्वर थे, राबर्ट बर्न्स किसान था, इन सब को किस वर्ण में रक्खा जाय ?

अन्त में मैं यही कहूँगा कि वर्ण व्यवस्था एक ऐसी तहजीब और एक ऐसे समाजी इन्तजाम की पैदावार है जिसमें दस, पन्द्रह, फीसदी आदमियों को सुख और आराम से रखने के लिये अरसी नब्बे फीसदी आदमी जांगर तोड़ मेहनत करते थे और दरिद्र भी थे. यह ऐटम, मशीन और साम्यवाद का युग है. इस युग में जब इसकी सम्भावनायें या हमकानात पूरे होंगे तो रोखी कमाने के लिये किसी को चौबीस घंटे में घंटे दो घंटे से अधिक काम न करना पड़ेगा और वह काम भी बहुत हलका होगा. बाक़ी समय में सभी लोग कला, काव्य, साहित्य या अदब के दूसरे रूप विज्ञान और अनेक विद्याओं से दिलचस्पी लेंगे. केवल ब्राह्मण, क्षत्री और वैश्य कहे जाने वाले बहुत कम लोग होंगे. शूद्र कोई होगा ही नहीं. ऐसी मिली जुली लियाक़त वाले सब होंगे जिसमें ब्राह्मण, क्षत्री और वैश्य के गुण-कर्म-स्वभाव मिले हुए हों. ऐसा होकर ही सभ्यता या तहजीब का मक़सद पूरा होगा. आदमी पेशे से नहीं पहचाना जायगा बल्कि कुरसत के लमहों में वह क्या करता है इससे पहचाना

पाठ के दिन क्ले. अके का बन्धायी शासन और पुरानी वर्ण व्यवस्था साथ साथ नहीं चल सकते.

रही ब्राह्मणों की बात. इस लेख के शुरू में मैंने बताया है तो फीसदी लोग संसार साहित्य को पढ़ और समझ सकते हैं. तो क्या साहित्य, धर्म, विज्ञान की किताबें लिखने वाले ब्राह्मण हैं और इन्हें समझकर आनन्द लेने वाले शूद्र हैं ? महात्मा टालस्टाय ने तो ऐसी चीज को कला या साहित्य माना ही नहीं जिसे किसान मजदूर न समझ सकें. महात्मा टालस्टाय के बयान में थोड़ा सा मुबालगा हो सकता है लेकिन बुनियादी तौर पर उनके बयान को ठीक मानना पड़ेगा. लेखक ब्राह्मण और पाठक शूद्र ! यह कैसे हो सकता है ? सब में रचनात्मक शक्ति नहीं होती. लेकिन यह भी कहा गया है कि लन्दन के जन साधारण शेक्सपीयर के नाटकों को एक एक आने का टिकट लेकर देखते थे. यह भी कहा गया है कि जब जब वे नाटक देखते समय अच्छी तरह उसका आनन्द लेते थे उस समय उनकी आत्माएँ शेक्सपीयर की आत्मा को छू लेती थीं. लन्दन के "शूद्र" Groundlings कहलाते थे. इसी तरह जो बहुत कुशल टेकनालजिस्ट है या मूर्ति-निर्माता है, या चित्रकार है या सर्जन अथवा डाक्टर है, उनको आप क्या कहेंगे ? कबीर जुलाहे थे, रविदास मोची थे, सद्ना कसाई थे, पलदूदास कंवट थे, स्पाइनोजा ऐनक बनाता था और संसार का महान दार्शनिक था. सुक्रात आत्मज्ञानी और सिपाही था, प्लोटाचार्य धनुर्विद्या में निपुण थे, कृष्ण, समाज में उनका कोई भी काम रहा हो, लेकिन गीता के ज्ञानेश्वर थे, राबर्ट बर्न्स किसान था, इन सब को किस वर्ण में रक्खा जाय ?

अन्त में मैं यही कहूँगा कि वर्ण व्यवस्था एक ऐसी तहजीब और एक ऐसे समाजी इन्तजाम की पैदावार है जिसमें दस, पन्द्रह, फीसदी आदमियों को सुख और आराम से रखने के लिये अरसी नब्बे फीसदी आदमी जांगर तोड़ मेहनत करते थे और दरिद्र भी थे. यह ऐटम, मशीन और साम्यवाद का युग है. इस युग में जब इसकी सम्भावनायें या हमकानात पूरे होंगे तो रोखी कमाने के लिये किसी को चौबीस घंटे में घंटे दो घंटे से अधिक काम न करना पड़ेगा और वह काम भी बहुत हलका होगा. बाक़ी समय में सभी लोग कला, काव्य, साहित्य या अदब के दूसरे रूप विज्ञान और अनेक विद्याओं से दिलचस्पी लेंगे. केवल ब्राह्मण, क्षत्री और वैश्य कहे जाने वाले बहुत कम लोग होंगे. शूद्र कोई होगा ही नहीं. ऐसी मिली जुली लियाक़त वाले सब होंगे जिसमें ब्राह्मण, क्षत्री और वैश्य के गुण-कर्म-स्वभाव मिले हुए हों. ऐसा होकर ही सभ्यता या तहजीब का मक़सद पूरा होगा. आदमी पेशे से नहीं पहचाना जायगा बल्कि कुरसत के लमहों में वह क्या करता है इससे पहचाना

جائیگا۔ جیہاں ہر کلا بن جائیگا جسکا کلاکار ہر آدمی ہوگا۔ اور جیہاں کے کلاکاروں میں براہمن، چھتری، ویشیہ اور شودر کا بھد نہیں ہوگا۔ ورگبھین سماج اسی طرح بنیگا۔

جب ہٹلر کی فوج نے روس پر ہملہ کیا تو کئی جگہوں سے روسی فوج کو بھاگنا پڑا۔ معمولی سپاہی بھاگنے کی جلدی میں ہزاروں کی تعداد میں اپنے بیگ اور سامان چھوڑ گیا جن میں کتابیں بھی تھیں۔ ان بیگوں سے روسی بھاشا میں ارسطو کی کتابیں، سائنس کی انیک کتابیں، دشن کی انیک کتابیں، شیکسپیر اور دوسرے شاعروں کی کئی کتابیں برآمد ہوئیں۔ یہ دیکھ کر جرمن فوجی افسروں نے کہا کہ اس قوم کو ہم فتح نہیں کر سکتے۔ ورن ویوستھا کو مٹا کر یہ قوم اور یہ قومی زندگی بڑی کٹی ہے نہ کہ ورن ویوستھا کے نظام کو مان کر۔ مزاجوں اور طبیعتوں میں براہمن، چھتری، ویشیہ اور شودر کا فرق نہیں ہوا بلکہ فرق یہ ہوتا ہے کہ کسی کو شاعری پسند ہے، کسی کو فلسفہ پسند ہے، کسی کو اپنیاس پسند ہے، کسی کو سائنس اور ان میں بھی خاص خاص قسم کی رجحانیں۔ ورن ویوستھا مثلاً پر بھی یہ فرق قائم دھینکے۔ جہاں سب پڑھ لکھ ہونگے، کافی سمجھدار ہونگے، سماج میں سب کے برابر حیثیت رکھنے والے آدمی ہونگے، خوشحال ہونگے، ہانہ پاؤں کی کڑی محنت سے آزاد ہونگے، زندگی کی ضرورتوں کے لئے جس سماج میں ہر ایک کو بہت کم کم کرنا پڑیگا، ایسے سماج میں ورن ویوستھا کی کہاں ضرورت؟

سماجی جیہاں میں میں ایک کام کرنے کی یوگتہا رکھتا ہوں، تو کوئی دوسرا کام کرنے کی یوگتہا رکھتے ہو۔ تو میں دیش کا شاسن کر سکتے ہو، میں پورے جوتوں کی مرمت کر سکتا ہوں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تم مجھ سے بڑے ہو۔ میں دیش کا شاسن نہیں کر سکتا تو تم بھی جوتوں کی مرمت نہیں کر سکتے۔ میں جوتوں کی مرمت کرنے میں کشل ہوں اور تم وید پڑھنے میں۔ لیکن یہ کوئی وجہ نہیں کہ تم میرے سر پر پاؤں رکھو۔

—سوامی ویوکانند

سماجی جیہاں میں میں ایک کام کرنے کی یوگتہا رکھتا ہوں، تم کوئی دوسرا کام کرنے کی یوگتہا رکھتے ہو۔ تم دیش کا شاسن کر سکتے ہو، میں پورے جوتوں کی مرمت کر سکتا ہوں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تم مجھ سے بڑے ہو۔ میں دیش کا شاسن نہیں کر سکتا تو تم بھی جوتوں کی مرمت نہیں کر سکتے۔ میں جوتوں کی مرمت کرنے میں کشل ہوں اور تم وید پڑھنے میں۔ لیکن یہ کوئی وجہ نہیں کہ تم میرے سر پر پاؤں رکھو۔

—سوامی ویوکانند

تپےدیک کا टीका

تپ دق کا ٹیکہ

میں بھارتی راجاگوپالاچاری

شری چکرورتی راجا گوپالا چاری

س टीके की कोई साइंसी बुनियाद नहीं

اس ٹیکے کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں

میں اس ویسے کی جیتنی جتنی جانچ کرتا ہوں اور جتنا جتنا اس پر غور کرتا ہوں اتنا اتنا ہی میرا یہ وشواس اور ادھک پکا ہوتا جاتا ہے کہ اس بڑے پیمانے پر بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانے کا کام 'نیم حکیم خطرہ جان' والی چیز ہے اور اس ٹیکے کے لئے کوئی سچی سائنسی بنیاد ہے ہی نہیں۔ ادھک تو اس سے کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور کافی صورتوں میں اس سے نقصان ہوتا ہے۔ جن صورتوں میں اس سے نقصان ہو جاتا ہے ان میں کہہ دیا جاتا ہے کہ جس آدمی کو ٹیکے سے نقصان ہوا ہے اس میں 'بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی پہلے ہی سے کم تھی'؛ بھارت میں اس ٹیکے کا کام جس طرح بڑے پیمانے پر چلایا جا رہا ہے اس میں ساری باتیں خطرناک اور انارزی ہیں کی ہیں۔ دوسرے سبب دیشوں میں جہاں کہیں یہ ٹیکہ آزمایا گیا ہے بڑی بڑی احتیاطیں برتی جاتی ہیں۔ بھارت کے بچوں پر آج اسی طرح کے تجربے کئے جا رہے ہیں جس طرح کے جنگ کے بعد نیم جنگی اور پراڈھین قوموں کے اندر ان علاقوں میں کئے گئے تھے جو جنگ سے ویران اور برباد ہو گئے تھے۔ سرکار کی طرف سے بار بار کہا جا رہا ہے اور اخباروں میں نکل رہا ہے کہ اس سال اتنے لاکھ بچے تپ دق کے خطرے سے سدا کے لئے بچا دیئے گئے اور اگلے دو سال کے اندر اتنے کرور اور بچے بچا دیئے جائیں گے وغیرہ۔ اس بارے میں جتنا میں جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے وہ بہت دھوکے کا ہے۔ کیونکہ تپ دق کے حامی بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کا دعویٰ قبول اتنا ہی ہے کہ ٹیکہ لگنے کے دو سال تک بچے کو تپ دق نہیں ہوگا اور دو سال کے اندر بھی اگر کہیں زور کا تپ دق پھیل گیا اور بچے کو کہیں سے لگ گیا تو اس حالت میں بھی ٹیکہ اسے نہیں بچا سکے گا اور اس دو سال کی مہمان کو بڑھانے کے لئے دو بارہ ٹیکے لگانے کا بھی کوئی سوال نہیں ہوتا۔ سب ڈاکٹروں کی یہ صاف رائے ہے کہ دوبارہ بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگانا خطرناک ہوگا۔ ڈاکٹروں - ڈاکٹروں کی رائے میں فرق اس بات پر ہے کہ شروع کے پہلے ایک ٹیکے سے بھی سچے سچے کچھ فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؛ یا فائدہ کی جگہ اور اتنا نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے اب ہمیں خود اپنا فہم نقصان سمجھنا ہے۔

یہ چیز سارے راسخوں کے جہوں کے ساتھ سمجھ رہی ہے۔
 تب بڑے بڑے ودوان ڈاکٹروں کی رائے اس میں ایک دوسرے
 نہیں ملتی تو ایک ایسی بات نہیں ہے جس میں بہمت
 آپس یعنی ڈاکٹروں کی گنتی پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا
 جائے۔ سائنس جیسے نئے میدانوں میں بڑھتی تو سائنسدانوں
 رائیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ ایسے معاملوں میں جہاں عام
 منطق پر اس کا اثر نہ پڑتا ہو وہاں ہم سائنس دانوں پر یہ بات
 چھوڑ سکتے ہیں کہ وہ خود اپنے مت بھد کو طے کر لیں۔ لیکن
 یہاں عام جنتا کی بھائی یا برائی، ان کی زندگی اور موت پر
 اس کا اثر پڑتا ہو تو ہم اس طرح کا فیصلہ کیوں سائنس دانوں
 نہیں چھوڑ سکتے۔

مگر پورا विश्वास ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب دنیا کے
 سب سائنس دان بی۔ سی۔ جی۔ کی باہت اس نتیجے پر
 پہنچ جائیں گے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ اپنے اس
 فیصلے کا اعلان کر دیں گے، بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانا چھوڑ دینے
 اور آئے یہول جائیں گے۔ لیکن بھارت میں چونکہ سرکار کا تندرستی
 کا محکمہ اس خلاف سائنس کلم کی طرف اپنا سارا دن ڈال
 رہا ہے اس لئے یہاں کے سائنس دانوں کے اس ٹیکے کو چھوڑ دینے
 میں دیر لگے گی۔ اس بیچ سارے ملک کے اندر نامورے بچوں
 اور ہمارے اچھے سے اچھے ہونہار بچوں کے اندر جان بوجھ کر
 اتنے بڑے پیمانے پر ایک ایسی بیماری کے زندہ کڑے داخل
 کئے جا رہے ہیں جو مہلک سے مہلک بیماریوں میں سے ہے۔
 نئی بڑے سے بڑے اور مشہور سائنس دان یہ کہہ چکے ہیں کہ انہیں
 اس کا بہت بڑا تر ہے کہ آدمی کے جسم کے اندر پہنچ کر یہ
 کڑے تھوڑے ہی دنوں کے بعد کیا کچھ نہیں بن سکیں گے اور
 کھا کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہ جب لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں
 پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اتنی تیزی کے ساتھ اتنے بڑے پیمانے پر
 ٹیکے لگائے کی وجہ سے ایک سے دوسرے کو بیماری لگنے کا موقع
 رہتا ہے تو یہ خطرہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

اس ٹیکے کے لگانے کی غرض یہ بتائی جاتی ہے کہ بچوں
 کو تپدق کی بیماری نہ ہونے پڑے۔ اول تو بھارت میں
 بچوں کے تپدق سے مرنے کے جو آئکڑے ہمیں عام طور پر بتائے
 جاتے ہیں وہ ٹھیک آئکڑے نہیں ہیں۔ وہ کیوں اندازے سے تیار
 کر لئے گئے ہیں۔ دوسری بات کہ یہ بیماری پلنگ یا وبا
 کی طرح اس طرح نہ آج تک کہی پھیلی اور نہ پھیلے گی
 کہ اس سے کسی کے لئے یہ جائز ہو جائے کہ وہ سب
 بچوں کے جسموں کے اندر ایک اس طرح کا زہر داخل
 کرے جس کی باہت ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا
 ہے کہ وہ نقصان نہیں کرتا۔ اس ٹیکے کے لئے جو دعویٰ
 کیا جاتا ہے وہ بھی یہ نہیں ہے کہ اس سے بچے

یہ کہہ کر اس کی غرض یہ بتائی جاتی ہے کہ بچوں
 کو تپدق کی بیماری نہ ہونے پڑے۔ اول تو بھارت میں
 بچوں کے تپدق سے مرنے کے جو آئکڑے ہمیں عام طور پر بتائے
 جاتے ہیں وہ ٹھیک آئکڑے نہیں ہیں۔ وہ کیوں اندازے سے تیار
 کر لئے گئے ہیں۔ دوسری بات کہ یہ بیماری پلنگ یا وبا
 کی طرح اس طرح نہ آج تک کہی پھیلی اور نہ پھیلے گی
 کہ اس سے کسی کے لئے یہ جائز ہو جائے کہ وہ سب
 بچوں کے جسموں کے اندر ایک اس طرح کا زہر داخل
 کرے جس کی باہت ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا
 ہے کہ وہ نقصان نہیں کرتا۔ اس ٹیکے کے لئے جو دعویٰ
 کیا جاتا ہے وہ بھی یہ نہیں ہے کہ اس سے بچے

جس طرح تپیدق سے بچا ہی رہے گا۔ بچے رہنے کی جو بڑی بہت تپیدق سے بچا ہی جاتی ہے وہ بھی ادھک سے ادھک دو سال کے اندر ہی لگتی جاتی ہے۔ ان سب باتوں پر وچار کرتے ہوئے اس نئیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ٹیکہ لگانے کا کم جو چلایا جا رہا ہے یہ بالکل غلط ہے۔

جب اس طرح کا کم انہ بڑے پیمانے پر کھا جاتا ہے تو اس میں ایک بہت بڑی بات یہ ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ جن کی بات کا لوگوں پر اثر پڑتا ہے اس کو شہس میں لے رہے ہیں کہ ادھک تر جنتا کے اندر اس بیماری کا تر پیدا ہو جاوے۔ ہر آدمی کے اندر ہر بیماری کا مقابلہ کرنے کی ایک درجہ تک کدورتی شکتی ہوتی ہے۔ پر جب یہ ڈر پائل جاتا ہے تو لوگوں کے اندر سے وہ تر اس شکتی کو کم کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ابھی تک اپنے اندر کی شکتی سے اپنے کو بیماری سے بچائے رکھتے تھے اب وہ بیماری کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرا برا نتیجہ اس طرح کی تحریک کا یہ بھی ہوتا ہے کہ نہدق کو سچ مچ قابو میں رکھنے کے جو دوسرے ادھک کر آمد طریقہ ہیں ان کی طرف سے لوگ بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔

جب اسی طرح کا کم انہ بڑے پیمانے پر کھا جاتا ہے تو اس میں ایک بہت بڑی بات یہ ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ جن کی بات کا لوگوں پر اثر پڑتا ہے اس کو شہس میں لے رہے ہیں کہ ادھک تر جنتا کے اندر اس بیماری کا تر پیدا ہو جاوے۔ ہر آدمی کے اندر ہر بیماری کا مقابلہ کرنے کی ایک درجہ تک کدورتی شکتی ہوتی ہے۔ پر جب یہ ڈر پائل جاتا ہے تو لوگوں کے اندر سے وہ تر اس شکتی کو کم کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ابھی تک اپنے اندر کی شکتی سے اپنے کو بیماری سے بچائے رکھتے تھے اب وہ بیماری کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرا برا نتیجہ اس طرح کی تحریک کا یہ بھی ہوتا ہے کہ نہدق کو سچ مچ قابو میں رکھنے کے جو دوسرے ادھک کر آمد طریقہ ہیں ان کی طرف سے لوگ بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔

بی. سی. جی کا طریقہ اصلی سائنسی علاج کے طریقے کے بھی خلاف ہے۔ ایک درجہ تک یہ کچھ کچھ ہومیوپیتھی سے ملتا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ بیماری کا علاج کرنے کے لئے ان چیزوں کو ہی جن سے بیماری پیدا ہوتی ہے، ہلکی ماترا میں جسم کے اندر داخل کر دیا جاوے۔ بی. سی. جی کے اس اصول میں اوو ہومیوپیتھی کے اصلی اصول میں فرق یہ ہے کہ ہومیوپیتھی آدمی کے جسم کے اندر کبھی کوئی ایسی چیز داخل نہیں کرتا جو جسم کے اندر پہنچ کر بچے دے اور بڑے۔ بی. سی. جی والا اس طرح کے زندہ کپڑے کئی بڑی ماترا میں آدمی کے جسم کے اندر داخل کردیتا ہے جو پھر بھی اس جسم سے باہر نہیں نکلتے بلکہ اندر رہ کر بچے دے دے کر خوب بڑھتے رہتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے اس جسم کو اپنا گھر بنا لیتے ہیں۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بی. سی. جی کے ٹیکہ کی حیات کرنے والے یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اس سے کسی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے۔ ان کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ اس ٹیکہ کے لگ جانے سے جن کے ٹیکہ لگایا جائیگا ان میں سے کچھ لوگ ایک بہت تھوڑے سے عرصے تک کے لئے ممکن ہے بیماری سے بچے رہیں۔ یعنی اگر انہیں بیماری ابھی تک نہیں ہوئی ہے تو امید کی جاتی ہے کہ کچھ عرصہ تک اور نہ ہو۔ مجھے یہ اس لئے دھڑانا پڑ رہا ہے کہ کچھ کچھ اچھے بڑے لکے لوگوں نے مجھ پر یہ اعتراض

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بی. سی. جی کے ٹیکہ کی حیات کرنے والے یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اس سے کسی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے۔ ان کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ اس ٹیکہ کے لگ جانے سے جن کے ٹیکہ لگایا جائیگا ان میں سے کچھ لوگ ایک بہت تھوڑے سے عرصے تک کے لئے ممکن ہے بیماری سے بچے رہیں۔ یعنی اگر انہیں بیماری ابھی تک نہیں ہوئی ہے تو امید کی جاتی ہے کہ کچھ عرصہ تک اور نہ ہو۔ مجھے یہ اس لئے دھڑانا پڑ رہا ہے کہ کچھ کچھ اچھے بڑے لکے لوگوں نے مجھ پر یہ اعتراض

کیا ہے کہ میں ایسی چیز کا پورہ نہیں کرتا ہوں کہ جس سے کچھ بیمار اپنی بیماری سے اچھے ہو سکیں . بی . سی . جی کسی بیمار کی بیماری کو دور نہیں کرتا . اس کی یہ فرضی نہیں ہے .

نیم حکیم یا نی اننا کی حکیم ہمیشہ جان کے لیے خطرناک ہوتا ہے ، چاہے وہ آج کل کا سائنسی نیم حکیم ہو اور چاہے پرانی چال کا دھانسی نیم حکیم . پرانی چال کے نیم حکیم سے بچنا آسان ہوتا ہے لیکن نئی چال کے نیم حکیموں سے بچنا مشکل پڑ جاتا ہے . کیونکہ یہ نیا نیم حکیم اپنی غلط بات کے سمرتوں میں بڑے بڑے موٹے شدید اور سائنسی فقرے استعمال کرتا ہے . کوئی جھوٹا اگر پورا جھوٹا ہو تو اس کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا ہے لیکن جس میں کچھ جھوٹ اور کچھ سچ ملا ہوا ہو اس سے اپنا مشکل ہو جاتا ہے .

اس طرح کے نیم ڈاکٹر یا اناری سائنس دان پہلے کوئی اصول نکال بیٹھتے ہیں جو کہیں لکھا ہے اور کہیں نہیں لکھا اور پھر جہاں وہ نہیں لکھا وہاں بھی اسے زبردستی تھپنے کی کوشش کرتے ہیں . اور پھر اگر کہیں غلطی نکل آتی ہے تو اپنی بات کی پیچ مہوں پڑ کر ضد کرتے ہیں . بی . سی . جی . کا اصول سیدھا سادا یہ ہے کہ جس طرح کے زہر یا جس طرح کے کیڑوں سے کوئی بیماری پیدا ہوتی ہے اسی طرح کے زہر یا اسی طرح کے کیڑوں کو اگر ہم خود باہر سے لے کر جسم کے اندر داخل کر دیں تو جسم پھر اس بیماری کے حملے سے بچ جاتا ہے . کہا یہ جانا ہے کہ اس زہر یا ان کیڑوں کے جسم میں داخل ہوتے ہی جسم ان کے مقابلے کی تیاری کرتا ہے . ٹھیک اسی طرح جس طرح ہر معمولی بیماری میں بھی جسم خود بخود بیماری کے مقابلے کی کوشش کرتا ہے . لیکن تپدق کی صورت میں اس اصول کو لگانا بالکل غلط ہے کیونکہ تپدق ہوجانے پر جسم کے اندر کوئی ایسی نئی چیز یا نئی طرح کے کیڑے خود بخود پیدا نہیں ہوتے جو بیماری کا مقابلہ کریں . اس کے جواب میں بی . سی . جی . کے حاسی ہمیں بتاتے ہیں کہ بی . سی . جی . کا ٹیکہ لگالے سے ٹیکہ کی جگہ جو پھوٹ آتی ہے یا بخار اُجانا ہے اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ جسم اندر سے بیماری کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے . یہ غلط دلیل دہکر وہ چاہتا ہے کہ ہم ان سب خطروں کو اپنے سر پر لے لیں جو اس ٹیکہ سے ہمیشہ کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی صرف دو برس تک بچے رہنے کی توثیہ امید میں .

اب ایک دلیل آنکروں کی دہ جاتی ہے کہ کتلیں کے ٹیکہ لگے اور کتلیں کو نقصان ہوا اور کتلیں کو نہیں ہوا . یہ آنکروں سے دھوکے کے ہیں . ان سے ادھک سے

نیم حکیم یا نی اننا کی حکیم ہمیشہ جان کے لیے خطرناک ہوتا ہے ، چاہے وہ آج کل کا سائنسی نیم حکیم ہو اور چاہے پرانی چال کا دھانسی نیم حکیم . پرانی چال کے نیم حکیم سے بچنا آسان ہوتا ہے لیکن نئی چال کے نیم حکیموں سے بچنا مشکل پڑ جاتا ہے . کیونکہ یہ نیا نیم حکیم اپنی غلط بات کے سمرتوں میں بڑے بڑے موٹے شدید اور سائنسی فقرے استعمال کرتا ہے . کوئی جھوٹا اگر پورا جھوٹا ہو تو اس کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا ہے لیکن جس میں کچھ جھوٹ اور کچھ سچ ملا ہوا ہو اس سے اپنا مشکل ہو جاتا ہے .

اس طرح کے نیم ڈاکٹر یا اناری سائنس دان پہلے کوئی اصول نکال بیٹھتے ہیں جو کہیں لکھا ہے اور کہیں نہیں لکھا اور پھر جہاں وہ نہیں لکھا وہاں بھی اسے زبردستی تھپنے کی کوشش کرتے ہیں . اور پھر اگر کہیں غلطی نکل آتی ہے تو اپنی بات کی پیچ مہوں پڑ کر ضد کرتے ہیں . بی . سی . جی . کا اصول سیدھا سادا یہ ہے کہ جس طرح کے زہر یا جس طرح کے کیڑوں سے کوئی بیماری پیدا ہوتی ہے اسی طرح کے زہر یا اسی طرح کے کیڑوں کو اگر ہم خود باہر سے لے کر جسم کے اندر داخل کر دیں تو جسم پھر اس بیماری کے حملے سے بچ جاتا ہے . کہا یہ جانا ہے کہ اس زہر یا ان کیڑوں کے جسم میں داخل ہوتے ہی جسم ان کے مقابلے کی تیاری کرتا ہے . ٹھیک اسی طرح جس طرح ہر معمولی بیماری میں بھی جسم خود بخود بیماری کے مقابلے کی کوشش کرتا ہے . لیکن تپدق کی صورت میں اس اصول کو لگانا بالکل غلط ہے کیونکہ تپدق ہوجانے پر جسم کے اندر کوئی ایسی نئی چیز یا نئی طرح کے کیڑے خود بخود پیدا نہیں ہوتے جو بیماری کا مقابلہ کریں . اس کے جواب میں بی . سی . جی . کے حاسی ہمیں بتاتے ہیں کہ بی . سی . جی . کا ٹیکہ لگالے سے ٹیکہ کی جگہ جو پھوٹ آتی ہے یا بخار اُجانا ہے اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ جسم اندر سے بیماری کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے . یہ غلط دلیل دہکر وہ چاہتا ہے کہ ہم ان سب خطروں کو اپنے سر پر لے لیں جو اس ٹیکہ سے ہمیشہ کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی صرف دو برس تک بچے رہنے کی توثیہ امید میں .

اب ایک دلیل آنکروں کی دہ جاتی ہے کہ کتلیں کے ٹیکہ لگے اور کتلیں کو نقصان ہوا اور کتلیں کو نہیں ہوا . یہ آنکروں سے دھوکے کے ہیں . ان سے ادھک سے

آدمک بھی معلوم ہوتا ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کے حامیوں کا کتنا اثر ہے اور اُن کے کتنے دھلے ہیں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ بی۔سی۔جی۔ خطرناک نہیں حکمی ہے
میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ لیکن میں کیولر اور شک کی بات نہیں کر
رہا ہوں۔ میں جو کچھ کہ رہا ہوں وہ سپیہ دنیا کے بہت سے
بڑے بڑے اور مشہور ڈاکٹروں کی صاف صاف رائے کے آدھار پر
کہہ رہا ہوں۔ جو ہندستانی ڈاکٹر سرکار کی ہیلتھ منسٹری نے
بی۔سی۔جی۔ کے آئیے اگلے اور اُس کی تعریفیں کرنے کے
لئے رکھے ہوں اُن میں بڑے سے بڑے ڈاکٹر بھی اُنہی بڑے اور
مشہور ڈاکٹر نہیں ہوں جتنے دنیا کے وہ ڈاکٹر جن کے تجربوں اور
جن کی رائے کے آدھار پر میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ
نپند کے زندہ کیڑوں کا ٹیکہ اِس طرح سب بچوں کے لگانا
غلط ہے اور اِسے بندی کر دینا چاہئے۔

بدقسمتی سے سرکار کی چٹائی ہوئی کسی بھی بات کا جو لوگ ورودہ کرتے ہیں انہیں ہمارے آجکل کے اخبار بھی زیادہ جگہ دینے یا اُن کی بات جتنا تک پہنچانے کے لئے بہت آدھک تیار نہیں ہوتے چاہے اُن کی بات کتنی بھی سچی کہیں نہ ہو اور جتنا کے لئے کتنی بھی ضروری اور مفید کہیں نہ ہو۔ مہری غرض کوئی راج کاجی غرض نہیں ہے۔ اخبار جب کہیں کرپا کر کے مہری اس رشہ کی تقریروں یا سہرے لکھ ہوئے بیان چھاپ دیتے ہیں تب بھی جتنے ڈاکٹروں کے حوالہ میں دیتا ہوں اُن سب کو وہ اپنے اخبار میں جگہ نہیں دے پاتے۔ اسی لئے مجھے یہ چھوٹا سا لکھ نکالنا پڑا۔ اِس میں میں کچھ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی رائے دے رہا ہوں۔ اپنی بات میں نے کم سے کم کہی ہے۔

اس ٹیم سے تعلق ہو کر پھیل پھڑے گل سکتے ہیں

پروفیسر ہیف بی . سی . جی . کے ٹیکہ کے ایک بہت بڑے حامی تھے . انگلنڈ کے ”لینسٹ“ (Lancet) اخبار میں بی . سی . جی . کے پکھ میں پروفیسر ہیف کا ایک لیکھ نکلا . 5 مارچ سن 1955 کے ”لینسٹ“ میں پروفیسر ہیف کے جواب میں ڈاکٹر آر . سی . ویسٹر کا ایک خط شائع ہوا . اس خط میں ڈاکٹر ویسٹر نے در باتوں پر زور دیا ہے . پہلی یہ کہ مارچ سن 1955 تک پچیس سال سے اوپر کے فحشہریں کے بعد بھی ”کوئی آنکڑہ اس بات کے ثبوت میں نہیں ملتا کہ بی . سی . جی . کے ٹیکہ کے لکھ سے آدمی کے اندر نپاتی کی بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھ جاتی ہے .“ انہوں نے اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس ٹیکہ سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اس پر ابھی بہت سے بڑے بڑے ڈاکٹروں کو شک ہے . دوسری بات انہوں نے اس خط میں یہ دہائی ہے کہ بی . سی . جی . کے ٹیکہ کے لکھ سے اس جگہ

کی مثال جو پھیل گئی ہے اُس کی پابست بہت سے بڑے
 فنکاروں کی یہ صاف رائے ہے کہ وہ پھیلنا ہو کر یہ ثابت نہیں
 کرنا کہ جس کے قلم لگا ہے وہ تہذیب سے اب بچا ہی
 ہے۔

ڈاکٹر دبستر نے اِس خطا میں لکھا ہے کہ پروفیسر ہیف نے
 ہی اپنے بیان میں اِس بات کو مانا ہے کہ آنکڑوں سے اِس
 بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ بی . سی . جی . کے ٹیکے سے آدمی
 میں بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکی بڑھ جاتی ہے . ٹیکہ لگنے
 سے کھال کا پھید اُنا ہرگز یہ ثابت نہیں کرتا کہ آدمی میں
 بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکی بڑھ گئی ہے . ڈاکٹر دبستر نے
 کئی بیماریوں کا ذکر کیا ہے جن میں اِسی طرح کے ٹیکہ لگانے اور
 کال کے پھید آنے سے آدمی کے اندر بیماری کا مقابلہ کرنے کی
 شکی بڑھنے کا کوئی سچا ثبوت نہیں ہوتا اور کوئی بھی یہ نہیں
 مانتا کہ اُن بیماریوں کے ٹیکے سے بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکی
 کسی میں بڑھتی ہے . ڈاکٹر دبستر نے لکھا ہے کہ :— ”کیا
 سچ میچ ہمارے لئے یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم بچوں کے ماں
 باپ سے یہ کہیں کہ وہ اپنے بچوں کے اِس طرح کے ٹیکے لگائے
 دیں جن میں کچھ صورتوں میں ٹیکے کی جگہ پھید آوے اور
 تھوڑی بہت تکلیف ہو جاوے اور ساتھ ہی تھوڑا یا بہت اِس بات
 کا خطرہ بھی ہو کہ جس کے ٹیکے لگایا گیا ہے اُسے سچ میچ وہی
 بیماری ہو جاوے“ اور یہ اُس صورت میں جب کہ ٹیکے کے اچھے
 نتیجوں کا ہمیں کوئی پکا علم نہیں ہے ؟“

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ”ہمیں یاد ہے کہ اُسکرایٹ
نیوز (ایک طرح کا بخار) کے اِسی طرح کے ٹیکے لگانے کا
پیس سال ہونے کای خبط چلا تھا۔ اب میں سمجھتا ہوں وہ
ٹیکے بالکل غلط ثابت ہوچکا اور چھوڑ دیا گیا۔ ہمیں یہ بھی یاد
ہے کہ نوکر کھانسی کے لئے بھی اِسی طرح کے ٹیکے لگائے گئے
لیکن نے کسی سہ بہت جوش دکھایا تھا۔ پُر اب سب مان گئے
کہ وہ چارز بھی بالکل بیکار تھی۔“

وہ لکھتے ہیں کہ:—”یہ بات سب مانتے ہیں کہ بہت سے بڑے بڑے ہوشیار ڈاکٹر بی . سی . جی . کے بارے میں اب شک کرنے لگے ہیں اور حال میں ان شک کرنے والوں کی آواز بڑھتی جا رہی ہے . اس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے . قذافی شہر کے پیہڑوں کی بیماری کے سب سے بڑے ڈاکٹر مہنگلشی نے لکھا ہے کہ سن 1947ء سے لے کر سن 1951ء تک ان کے شہر میں نسیج کے مریضوں کی بہت گھٹ گئیں . پھر وہاں اس عرصے میں بی . سی . جی . کا ٹیکہ نہیں لگایا گیا تھا . دوسرے ہی اکتھاپا کے طریقے نام میں لے کر کہتے تھے :—

19 مارچ سن 1955ء "تھیسٹ" میں ایک اور مشہور

ڈاکٹر ڈاکٹر ڈی. ای. براؤن نے لکھا ہے کہ—“ڈاکٹر ہائسٹر کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ کھال کے پیپید اُٹنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدمی آئندہ تپدق سے بچا رہے گا۔“ وہ لکھتے ہیں کہ “بی. سی. جی. کے ٹیکے کے خلاف ڈاکٹر ہائسٹر کی یہ دلیل بڑی پکی اور ایسی دلیل ہے جسے کوئی کھٹ نہیں سکتا۔“ انہوں نے لکھا ہے کہ—“ایک تیسرے ڈاکٹر، ڈاکٹر براؤنکی (Brownke) نے یہ دہرایا ہے کہ بہت سے لوگوں کے ایک طرف ٹیکے کی جگہ کی کھال خوب پیپید بھی جاتی ہے اور ساتھ ہی دوسری طرف اُس کے بعد پیپید کے کل کر تپدق سے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ کھال کے پیپید اُٹنے سے جب بیماری سے بچت نہیں ہوتی تو یہ بہت بڑی چیز ہے۔“

ڈاکٹر لاکسٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود پروفیسر ہیف نے یہ صاف لکھا ہے کہ—“بی. سی. جی. کے ٹیکے سے تپدق کے پھیلنے کو روکنا یا نہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر بیماری کوئی اثر پڑ سکتا ہے تو اُس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔“ اب یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ای. سی. جی. سے نفع کی امید زیادہ ہے یا نقصان کی اور آدمی کے بچے رہنے کی امید زیادہ ہے یا بیمار ہو کر مرنے کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ پروفیسر ہیف نے خود اِس بات کو مانا ہے کہ—“بی. سی. جی. کے ٹیکے سے شاید سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بہت سے دیشوں میں معمولی جنتا کو یہ غلط شواہس ہو جاتا ہے کہ وہ اب تپدق سے بچے رہیں گے۔ ہمیں اپنے کو اِس دھوکے میں نہیں رکھنا چاہئے کہ ٹیکے سے کھال کے پیپید اُٹنے یعنی ٹیکے کا جاد پر ایک خاص اثر ہونے سے اور تپدق سے بچے رہنے سے کچھ بھی سمجھنا ہے۔“

16 مئی سن 1952 کے “لینسٹ” میں ڈاکٹر کیرول ای. پالمر ڈی. (Dr. Carroll E. Palmer M. D.) نے، جو کاپن ہیگن ٹی. وی. ریسرچ ٹیم کے ہیڈ ہیں، لکھا ہے کہ:—“لیکن آجکل تپدق کے بڑے سے بڑے ماہیروں میں بھی اس بات پر بہت متبہد ہے کہ تپدق کے ٹیکے کے کھال پر ایک خاص اثر ہونے کا اصلی مطلب کیا ہوتا ہے۔ ہمارا گمان اِس بارے میں اتنا ادھورا ہے کہ ہمارے دفتروں کے خاص طور پر اِسی بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ بی. سی. جی. کے ٹیکے کا کھال پر جو اثر ہوتا ہے اُس کا کیا مطلب ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات اب ظاہر ہو چکی ہے کہ بی. سی. جی. کے ٹیکے کی بہت عام طور پر ہم جو کچھ جانتے تھے اور جو کچھ ہم نے مان رکھا تھا وہ سب پہلایا گیا تھا۔ جو باتیں ہم ٹھیک سمجھتے تھے جب وہی غلط نکلیں تو اِس ٹیکے کے اُن بڑے بڑے تپدقوں کی بہت اچھی

ڈاکٹر ڈاکٹر ڈی. ای. براؤن نے لکھا ہے کہ—“ڈاکٹر ہائسٹر کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ کھال کے پیپید اُٹنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدمی آئندہ تپدق سے بچا رہے گا۔“ وہ لکھتے ہیں کہ “بی. سی. جی. کے ٹیکے کے خلاف ڈاکٹر ہائسٹر کی یہ دلیل بڑی پکی اور ایسی دلیل ہے جسے کوئی کھٹ نہیں سکتا۔“ انہوں نے لکھا ہے کہ—“ایک تیسرے ڈاکٹر، ڈاکٹر براؤنکی (Brownke) نے یہ دہرایا ہے کہ بہت سے لوگوں کے ایک طرف ٹیکے کی جگہ کی کھال خوب پیپید بھی جاتی ہے اور ساتھ ہی دوسری طرف اُس کے بعد پیپید کے کل کر تپدق سے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ کھال کے پیپید اُٹنے سے جب بیماری سے بچت نہیں ہوتی تو یہ بہت بڑی چیز ہے۔“

ڈاکٹر لاکسٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود پروفیسر ہیف نے یہ صاف لکھا ہے کہ—“بی. سی. جی. کے ٹیکے سے تپدق کے پھیلنے کو روکنا یا نہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر بیماری کوئی اثر پڑ سکتا ہے تو اُس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔“ اب یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ای. سی. جی. سے نفع کی امید زیادہ ہے یا نقصان کی اور آدمی کے بچے رہنے کی امید زیادہ ہے یا بیمار ہو کر مرنے کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ پروفیسر ہیف نے خود اِس بات کو مانا ہے کہ—“بی. سی. جی. کے ٹیکے سے شاید سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بہت سے دیشوں میں معمولی جنتا کو یہ غلط شواہس ہو جاتا ہے کہ وہ اب تپدق سے بچے رہیں گے۔ ہمیں اپنے کو اِس دھوکے میں نہیں رکھنا چاہئے کہ ٹیکے سے کھال کے پیپید اُٹنے یعنی ٹیکے کا جاد پر ایک خاص اثر ہونے سے اور تپدق سے بچے رہنے سے کچھ بھی سمجھنا ہے۔“

16 مئی سن 1952 کے “لینسٹ” میں ڈاکٹر کیرول ای. پالمر ڈی. (Dr. Carroll E. Palmer M. D.) نے، جو کاپن ہیگن ٹی. وی. ریسرچ ٹیم کے ہیڈ ہیں، لکھا ہے کہ:—“لیکن آجکل تپدق کے بڑے سے بڑے ماہیروں میں بھی اس بات پر بہت متبہد ہے کہ تپدق کے ٹیکے کے کھال پر ایک خاص اثر ہونے کا اصلی مطلب کیا ہوتا ہے۔ ہمارا گمان اِس بارے میں اتنا ادھورا ہے کہ ہمارے دفتروں کے خاص طور پر اِسی بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ بی. سی. جی. کے ٹیکے کا کھال پر جو اثر ہوتا ہے اُس کا کیا مطلب ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات اب ظاہر ہو چکی ہے کہ بی. سی. جی. کے ٹیکے کی بہت عام طور پر ہم جو کچھ جانتے تھے اور جو کچھ ہم نے مان رکھا تھا وہ سب پہلایا گیا تھا۔ جو باتیں ہم ٹھیک سمجھتے تھے جب وہی غلط نکلیں تو اِس ٹیکے کے اُن بڑے بڑے تپدقوں کی بہت اچھی

ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک ٹھیک معلوم کرنے کا اور ثابت کرنے کا اسی طریقہ ہے۔“

اسکا मतलब یہ ہے کہ تپیدق اور उसके ٹیکے کی سائنسی کونج میں لگی ہوئی دنیا کی ایک بہت بڑی ڈاکٹری سائنس بھی ابھی تک اس ٹیکے کی بابت کوئی اچھی بات نہیں کہہ سکتی اور اس کے برے نتیجوں سے ترنی ہے۔

آدمی کے جیسم میں جڑھریلے کیدوں کو داخل کر دینا بہت برا ہے

لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹری کے پروفیسر پروفیسر جیمس مینڈلیس نے رائل سوسائٹی آف میڈیسن کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا: —“سائنسی نیگاہ سے اس بات میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جاسکتا کہ چاہے ہم کسی بھی پہلو سے دیکھیں کسی آدمی کے جسم میں اس طرح کے زہریلے کیدوں کو داخل کر دینا جو بدن کے اندر جانکر بچے دے سکتے ہیں اور بڑھ سکتے ہیں، بہت ہی بری بات ہے۔ جب یہ کیدے بڑھ جاتے ہیں تو ہم کسی طرح یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ روکی کے اندر جو کیدے داخل کئے گئے تھے وہ کس ماترا میں تھے۔ نتیجے پر پھر ہمارا کوئی قابو نہیں رہتا اور نتیجے اُنہی برے پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔“

پروفیسر وان پیرکے (Prof. Von Pirquet) نے، جو اپنے زمانے کے بہت بڑے ماهر ڈاکٹر مانے جاتے تھے، سن 1930 میں کہا تھا: —“اس طرح کے ٹیکے سے تپدق کے کیدے بدن کے اندر اپنی ہستیاں بناسکتے ہیں جس کے نتیجوں کا ہمیں پہلے سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کی خطرناک کڑوائی کو نہ پسند کیا جاسکتا ہے اور نہ برداشت کیا جاسکتا ہے۔“

امریکا کے ڈاکٹر جے۔ وائی۔ رینے (J. W. Rainey) نے لکھا ہے: —“ہم پہلے یہ سمجھتے تھے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ بیماری کا جواب ہو سکتا ہے۔ لیکن ٹائیس اخبار کے میڈیکل سیکشن میں بڑے سے بڑے امریکی ڈاکٹروں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے جو خطرے پیدا ہو سکتے ہیں اُن کا نہ ابھی تک ہم پورا اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ انہیں روک سکتے ہیں۔“

اوپر کی ٹھوکی سی رائے ان لوگوں کے جواب کے لئے لکھی ہیں جو بھارت کی ہیلتھ منسٹری کی طرف سے ماهر ہونے کا دھوا کرتے ہیں اور ہیلتھ منسٹری کو سلاہ دیتے ہیں۔

امریکا کے بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کی رائے بی۔ سی۔ جی۔ کے خلیا

امریکا میں بی۔ سی۔ جی۔ کے بڑے سے بڑے حامیوں میں ڈاکٹر مایرس (Dr. Myers) کا نام آتا ہے۔ لکھ

ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک ٹھیک معلوم کرنے کا اور ثابت کرنے کا اسی طریقہ ہے۔“

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تپدق اور اس کے ٹیکے کی سائنسی کونج میں لگی ہوئی دنیا کی ایک بہت بڑی ڈاکٹری سائنس بھی ابھی تک اس ٹیکے کی بابت کوئی اچھی بات نہیں کہہ سکتی اور اس کے برے نتیجوں سے ترنی ہے۔

آدمی کے جسم میں زہریلے کیدوں کو داخل کر دینا بہت برا ہے

لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹری کے پروفیسر جیمس مینڈلیس نے رائل سوسائٹی آف میڈیسن کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا: —“سائنسی نگاہ سے اس بات میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جاسکتا کہ چاہے ہم کسی بھی پہلو سے دیکھیں کسی آدمی کے جسم میں اس طرح کے زہریلے کیدوں کو داخل کر دینا جو بدن کے اندر جانکر بچے دے سکتے ہیں اور بڑھ سکتے ہیں، بہت ہی بری بات ہے۔ جب یہ کیدے بڑھ جاتے ہیں تو ہم کسی طرح یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ روکی کے اندر جو کیدے داخل کئے گئے تھے وہ کس ماترا میں تھے۔ نتیجے پر پھر ہمارا کوئی قابو نہیں رہتا اور نتیجے اُنہی برے پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔“

پروفیسر وان پیرکے (Prof. Von Pirquet) نے، جو اپنے زمانے کے بہت بڑے ماهر ڈاکٹر مانے جاتے تھے، سن 1930 میں کہا تھا: —“اس طرح کے ٹیکے سے تپدق کے کیدے بدن کے اندر اپنی ہستیاں بناسکتے ہیں جس کے نتیجوں کا ہمیں پہلے سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کی خطرناک کڑوائی کو نہ پسند کیا جاسکتا ہے اور نہ برداشت کیا جاسکتا ہے۔“

امریکا کے ڈاکٹر جے۔ وائی۔ رینے (J. W. Rainey) نے لکھا ہے: —“ہم پہلے یہ سمجھتے تھے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ بیماری کا جواب ہو سکتا ہے۔ لیکن ٹائیس اخبار کے میڈیکل سیکشن میں بڑے سے بڑے امریکی ڈاکٹروں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے جو خطرے پیدا ہو سکتے ہیں اُن کا نہ ابھی تک ہم پورا اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ انہیں روک سکتے ہیں۔“

امریکا کے بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کی رائے بی۔ سی۔ جی۔ کے خلیا

امریکا میں بی۔ سی۔ جی۔ کے بڑے سے بڑے حامیوں میں ڈاکٹر مایرس (Dr. Myers) کا نام آتا ہے۔ لکھ

تجزیہ کے بارے کامیاب ثابت ہوئے۔ اس بارے میں ان نئیوں پر پوری ہے۔

“(1) بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے آبادی تپہ دق سے بچا رہتا ہے اس بات پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

“(2) جن جانوروں کے بی۔ سی۔ جی۔ لگایا گیا ہے انہیں یہ ٹیکہ تپہ دق سے نہیں بچا سکا۔ امریکا کے جانوروں کے ڈاکٹروں نے کافی تجزیہ کرنے کے بعد یہ معلوم کیا ہے کہ مریضوں میں تپہ دق کو روکنے کے کام میں بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ بالکل بے اثر رہا۔

“(3) پچیس سال سے اوپر ہونے والوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگاتے ہوئے اس عرصہ میں دنیا بھر کے اندر ستر لاکھ سے زائد لوگوں کے ٹیکے لگ چکے ہیں۔ اگر بی۔ سی۔ جی۔ ٹیکہ سچے سچے ہوا کارگر ہوتا تو اس کے کافی ثبوت اب تک ہمارے سامنے آتے۔ لیکن جن قوموں میں یہ ٹیکہ بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے ان میں نہ تپہ دق کی بیماری پر اس کے آچے اثر کا ثبوت ملتا ہے اور نہ تپہ دق سے موتوں پر اس کا کوئی اچھا اثر ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کے خلاف انہی کے جن حصوں میں بی۔ سی۔ جی۔ ابھی تک نہیں لگا ہے ان میں تپہ دق سے بیمار بھی کم پڑے ہیں اور مرے بھی کم ہیں۔

“(4) یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے نقصان نہیں ہوتا۔ کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ جو کڑے دسی کے جسم میں داخل کر دیئے جاتے ہیں وہ ہرگز نہ سیڑوں ہرگز زندہ نہیں رہتے اور دھیرے دھیرے خطرناک ہیں ہوجاتے۔

“(5) اس ٹیکے کے کارآمد ہونے کی بات جو نئیوں پہلے نکالے گئے تھے وہ غلط اور بے بنیاد باتوں سے نکالے گئے تھے۔

“(6) جنہیں ایک مرتبہ تپہ دق ہو چکا ہوگا اس کی ابھی یہ بھروسہ ہے کہ تپہ دق سے نہیں بچا جاسکتا کہ انہیں دوبارہ یہ بیماری نہیں ہوگی۔

“(7) اگر یہ ٹیکہ بڑے پیمانے پر لگائے جاتے رہے تو آجکل ہر وہ لوگ تپہ دق کا آزمائشی ٹیکہ لگاتے ہیں وہ بھی بے اثر ہو کر ہو جائے گا اور تپہ دق کے روک تھام کے جو طریقہ ابھی بہت کارگر ہیں ہوسکتے ہیں انہیں بھی ہم کو بھینچنے کے لئے سوئے نام کے علاوہ دوسرے دور دور تک تپہ دق کی بیماری خاص کر بچوں میں روک دی گئی ہے اور یہ بی۔ سی۔ جی۔ ٹیکہ کے ہوا ہے۔ یہ کامیابی ان زیادہ اچھے اور کارگر طریقوں سے ہونی چاہیے کہ اس سے پہلے کام میں لائے رہے ہیں۔

“(8) اگر ہم بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے پر زور دیتے رہیں اس بات کا ترہ کہ لوگوں کو یہ غلط بھروسہ ہو جائے کہ چھٹک کے ٹیکے کی طرح بی۔ سی۔ جی۔ کا

تجزیہ کے بعد ڈاکٹر مائرس خود اس بارے میں اپنی کتابوں پر پوری ہے۔

“(1) بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے آدمی تپہ دق سے بچا رہتا ہے اس بات پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

“(2) جن جانوروں کے بی۔ سی۔ جی۔ لگایا گیا انہیں یہ ٹیکہ تپہ دق سے نہیں بچا سکا۔ امریکا کے جانوروں کے ڈاکٹروں نے کافی تجزیہ کرنے کے بعد یہ معلوم کیا ہے کہ مریضوں میں تپہ دق کو روکنے کے کام میں بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ بالکل بے اثر رہا۔

“(3) پچیس سال سے اوپر ہونے والوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگاتے ہوئے اس عرصہ میں دنیا بھر کے اندر ستر لاکھ سے زائد لوگوں کے ٹیکے لگ چکے ہیں۔ اگر بی۔ سی۔ جی۔ ٹیکہ سچے سچے ہوا کارگر ہوتا تو اس کے کافی ثبوت اب تک ہمارے سامنے آتے۔ لیکن جن قوموں میں یہ ٹیکہ بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے ان میں نہ تپہ دق کی بیماری پر اس کے آچے اثر کا ثبوت ملتا ہے اور نہ تپہ دق سے موتوں پر اس کا کوئی اچھا اثر ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کے خلاف انہی کے جن حصوں میں بی۔ سی۔ جی۔ ابھی تک نہیں لگا ہے ان میں تپہ دق سے بیمار بھی کم پڑے ہیں اور مرے بھی کم ہیں۔

“(4) یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے نقصان نہیں ہوتا۔ کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ جو کڑے دسی کے جسم میں داخل کر دیئے جاتے ہیں وہ ہرگز نہ سیڑوں ہرگز زندہ نہیں رہتے اور دھیرے دھیرے خطرناک ہیں ہوجاتے۔

“(5) اس ٹیکے کے کارآمد ہونے کی بات جو نئیوں پہلے نکالے گئے تھے وہ غلط اور بے بنیاد باتوں سے نکالے گئے تھے۔

“(6) جنہیں ایک مرتبہ تپہ دق ہو چکا ہوگا اس کی ابھی یہ بھروسہ ہے کہ تپہ دق سے نہیں بچا جاسکتا کہ انہیں دوبارہ یہ بیماری نہیں ہوگی۔

“(7) اگر یہ ٹیکہ بڑے پیمانے پر لگائے جاتے رہے تو آجکل ہر وہ لوگ تپہ دق کا آزمائشی ٹیکہ لگاتے ہیں وہ بھی بے اثر ہو کر ہو جائے گا اور تپہ دق کے روک تھام کے جو طریقہ ابھی بہت کارگر ہیں ہوسکتے ہیں انہیں بھی ہم کو بھینچنے کے لئے سوئے نام کے علاوہ دوسرے دور دور تک تپہ دق کی بیماری خاص کر بچوں میں روک دی گئی ہے اور یہ بی۔ سی۔ جی۔ ٹیکہ کے ہوا ہے۔ یہ کامیابی ان زیادہ اچھے اور کارگر طریقوں سے ہونی چاہیے کہ اس سے پہلے کام میں لائے رہے ہیں۔

“(8) اگر ہم بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے پر زور دیتے رہیں اس بات کا ترہ کہ لوگوں کو یہ غلط بھروسہ ہو جائے کہ چھٹک کے ٹیکے کی طرح بی۔ سی۔ جی۔ کا

ڈیکا بھی اُنہیں بیماری سے بچا سکتا ہے۔ اسی تک وی۔ سی۔ جی۔ کے ڈیکے پر اس کے لیے ذرا بھی ہراسہ نہیں کیا جاسکتا۔“

بڑے ڈاکٹروں کا یہ بھی خیال ہے کہ وی۔ سی۔ جی۔ کا ڈیکا سیکے ان ڈاکٹروں، نرسیں اور ان نائکروں کو لگانا چاہیے جو اسپتالوں میں کام کرتے ہیں، اور تپیدیک کے بیماریوں کی دیکھ ریکھ اور سوا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر جے۔ ای۔ مایرس نے 18 اگست سن 1951 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیسوسییشن میں وی۔ سی۔ جی۔ کے ڈیکے پر بہت زبردست حملہ کیا ہے۔ ان کی دو دلیلیں خاص ہیں۔ پہلی یہ کہ اس ڈیکے سے جو ایک چھوٹا سا شروع کا تپیدیک کا حملہ آدمی پر ہو جاتا ہے اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلا جاسکتا کہ اس آدمی کو پھر یہ بیماری نہیں ہو سکتی یا بہت زیادہ زور کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ان کا کہنا ہے کہ اس ڈیکے کا ایک یہ نتیجہ بھی ہونا ہے کہ آدمی تپیدیک سے بچنے کے دوسرے زیادہ کارآمد طریقوں کی طرف سے زیادہ روہ ہو جاتا ہے۔ ان کا یہ بھی صاف صاف خیال ہے کہ جن بچوں کو کافی اچھا کھانا اور شکی دینے والا کھانا نہیں ملتا انہیں وی۔ سی۔ جی۔ کے ڈیکے سے سب سے زیادہ نقصان ہو سکتا ہے۔

وی۔ سی۔ جی۔ کے کیڑے آدھی کی جان لے سکتے ہیں

ہمارے دیش میں ایک طرف سے سب بچوں کے وی۔ سی۔ جی۔ کا ڈیکا لگانے کا کام جاری ہے اس سے بیماری کے اور फैلنے کا ختہرا نیچے کی باتوں سے مالم ہوتا ہے۔

سن 1955 کی چھپی انگلینڈ کی گلیکسو لیبوریٹریز کی ایک کیتاب میں لیکھا ہے:—”جاہیر ہے کہ ڈیکا لگانے کے لیے کیڑوں کا جو ویکسین تیار کیا جاتا ہے اس میں اس بات کا بہت ذرہ رہتا ہے کہ کیڑے اور بڑے جابوں۔ خاصکر وی۔ سی۔ جی۔ کے ویکسین میں خطرناک قسم کے کیڑے بڑے ہو سکتے ہیں۔ اسے روکنے کے لیے ویکسین کی تیاری میں بہت بڑی اہتیاات کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک اور مشکل آپوتی ہے وہ یہ کہ تپیدیک کے کیڑے جس طرح دھیرے دھیرے بڑھتے ہیں، چاہے شیشہ کی نلی کے اندر اور چاہے آدمی یا جانور کے بدن کے اندر“ اس سے ویکسین کو بچا ہوا مان سکے میں جو ہتے سے لیکر بارہ ہتے تک لگ جاتے ہیں“ اور ویکسین کا قاعدہ یہ ہے کہ ویکسین تیار ہوتے ہی دو یا تین ہتے کے اندر کلم میں آجائے چلے۔ یعنی اس خطرے سے بچ سکے کا پورا یقین ہو ہی نہیں سکتا۔“

لہٰذا وی۔ سی۔ جی۔ کے ڈیکے پر اس کے لیے ذرا بھی ہراسہ نہیں کیا جاسکتا۔“

بڑے ڈاکٹروں کا یہ بھی خیال ہے کہ وی۔ سی۔ جی۔ کا ڈیکا سیکے ان ڈاکٹروں، نرسیں اور ان نائکروں کو لگانا چاہیے جو اسپتالوں میں کام کرتے ہیں، اور تپیدیک کے بیماریوں کی دیکھ ریکھ اور سوا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر جے۔ ای۔ مایرس نے 18 اگست سن 1951 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیسوسییشن میں وی۔ سی۔ جی۔ کے ڈیکے پر بہت زبردست حملہ کیا ہے۔ ان کی دو دلیلیں خاص ہیں۔ پہلی یہ کہ اس ڈیکے سے جو ایک چھوٹا سا شروع کا تپیدیک کا حملہ آدمی پر ہو جاتا ہے اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلا جاسکتا کہ اس آدمی کو پھر یہ بیماری نہیں ہو سکتی یا بہت زیادہ زور کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ان کا کہنا ہے کہ اس ڈیکے کا ایک یہ نتیجہ بھی ہونا ہے کہ آدمی تپیدیک سے بچنے کے دوسرے زیادہ کارآمد طریقوں کی طرف سے زیادہ روہ ہو جاتا ہے۔ ان کا یہ بھی صاف صاف خیال ہے کہ جن بچوں کو کافی اچھا کھانا اور شکی دینے والا کھانا نہیں ملتا انہیں وی۔ سی۔ جی۔ کے ڈیکے سے سب سے زیادہ نقصان ہو سکتا ہے۔

وی۔ سی۔ جی۔ کے کیڑے آدمی کی جان لے سکتے ہیں

ہمارے دیش میں ایک طرف سے سب بچوں کے وی۔ سی۔ جی۔ کا ڈیکا لگانے کا کام جاری ہے اس سے بیماری کے اور फैلنے کا ختہرا نیچے کی باتوں سے مالم ہوتا ہے۔ سن 1955 کی چھپی انگلینڈ کی گلیکسو لیبوریٹریز کی ایک کیتاب میں لیکھا ہے:—”جاہیر ہے کہ ڈیکا لگانے کے لیے کیڑوں کا جو ویکسین تیار کیا جاتا ہے اس میں اس بات کا بہت ذرہ رہتا ہے کہ کیڑے اور بڑے جابوں۔ خاصکر وی۔ سی۔ جی۔ کے ویکسین میں خطرناک قسم کے کیڑے بڑے ہو سکتے ہیں۔ اسے روکنے کے لیے ویکسین کی تیاری میں بہت بڑی اہتیاات کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک اور مشکل آپوتی ہے وہ یہ کہ تپیدیک کے کیڑے جس طرح دھیرے دھیرے بڑھتے ہیں، چاہے شیشہ کی نلی کے اندر اور چاہے آدمی یا جانور کے بدن کے اندر“ اس سے ویکسین کو بچا ہوا مان سکے میں جو ہتے سے لیکر بارہ ہتے تک لگ جاتے ہیں“ اور ویکسین کا قاعدہ یہ ہے کہ ویکسین تیار ہوتے ہی دو یا تین ہتے کے اندر کلم میں آجائے چلے۔ یعنی اس خطرے سے بچ سکے کا پورا یقین ہو ہی نہیں سکتا۔“

[جاکی فیر]

[ہلی پیر]

کتابیں

'The Story Of My Life'—by M. K. Gandhi.

چھاپنے والے نوجھون پبلشنگ ہاؤس، احمدآباد؛ صفحہ 208؛ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے؛ زبان انگریزی۔

مہاتما گاندھی کی انگریزی آتم کہتا کو شری بہارتن کماریا نے 170 صفحہ میں اس خوبی کے ساتھ مختصر کیا ہے کہ دلچسپی اور زبان دونوں کی خوبصورتی ذرا بھی نہیں گھٹی ہے۔ کتاب کے آخر میں ڈاکٹر سی۔ این۔ زتشی نے 38 صفحہ میں کتاب سے تعلق رکھنے والے گرامر کے سبق دیئے ہیں۔ گاندھی جی کی آتم کہتا کا یہ چھوٹا ایڈیشن خاص طور پر ودیارتھوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ بیٹنی اسکول اور انٹرمیڈیٹ درجوں کے طالب علموں کے لئے یہ کتاب بڑے کام کی، شکاپرد (سبق آموز) اور ان کے گھان کو بڑھانے والی ثابت ہوگی۔

Ashram Observances in Action—by M. K. Gandhi.

چھاپنے والے اوپر کے؛ صفحہ 151؛ قیمت ایک روپیہ۔ گجراتی سے انگریزی ترجمہ کرنے والے وال جی، گووند جی دیسائی۔

دکھن افریقہ سے ہی گاندھی جی نے سماجی جھون کی بنیاد ڈالنے کے لئے آشرم قائم کرنے اور اس میں بہت سے خاندانوں کے ایک ساتھ ملکر رہنے کی پرمہرا قائم کی۔ الگ الگ دھوم ماننے والے، الگ الگ جاتی والے، الگ الگ رنگ والے کیسے پریم، سداچار اور مچھلی جیندگی بٹاتے ہوئے سب ایک ساتھ ملکر رہ سکتے ہیں یہ آشرم اسی مقصد سے گاندھی جی نے قائم کئے تھے۔ دکھن افریقہ میں فٹکس آشرم، احمدآباد میں پہلے کوچرب اور بعد میں ساہرمتی آشرم، اور اس کے بعد وردھا کے پاس سہواگرام آشرم گاندھی جی کے کیندر بنے۔

ان آشرم میں رہنے والے آشرم واسیوں کے لئے انہوں نے زندگی کے کچھ بنیادی اصول بتائے تھے۔ وہ تھے سترہ پر آگرہ، پرارتھنا یعنی عبادت، اہلسا یا پریم، برہمچریہ یعنی نفس کشی، استیتھ یعنی اپنے حق یعنی ضرورت سے زیادہ کسی چیز کو لینے کو چوری سمجھنا چاہئے وہ پانی ہی کہیں نہ ہو، شرم دان یعنی جو محنت کرے اسی کو

دکھن افریقہ سے ہی گاندھی جی نے سماجی جھون کی بنیاد ڈالنے کے لئے آشرم قائم کرنے اور اس میں بہت سے خاندانوں کے ایک ساتھ ملکر رہنے کی پرمہرا قائم کی۔ الگ الگ دھوم ماننے والے، الگ الگ جاتی والے، الگ الگ رنگ والے کیسے پریم، سداچار اور مچھلی جیندگی بٹاتے ہوئے سب ایک ساتھ ملکر رہ سکتے ہیں یہ آشرم اسی مقصد سے گاندھی جی نے قائم کئے تھے۔ دکھن افریقہ میں فٹکس آشرم، احمدآباد میں پہلے کوچرب اور بعد میں ساہرمتی آشرم، اور اس کے بعد وردھا کے پاس سہواگرام آشرم گاندھی جی کے کیندر بنے۔

ان آشرم میں رہنے والے آشرم واسیوں کے لئے انہوں نے زندگی کے کچھ بنیادی اصول بتائے تھے۔ وہ تھے سترہ پر آگرہ، پرارتھنا یعنی عبادت، اہلسا یا پریم، برہمچریہ یعنی نفس کشی، استیتھ یعنی اپنے حق یعنی ضرورت سے زیادہ کسی چیز کو لینے کو چوری سمجھنا چاہئے وہ پانی ہی کہیں نہ ہو، شرم دان یعنی جو محنت کرے اسی کو

ان آشرم میں رہنے والے آشرم واسیوں کے لئے انہوں نے زندگی کے کچھ بنیادی اصول بتائے تھے۔ وہ تھے سترہ پر آگرہ، پرارتھنا یعنی عبادت، اہلسا یا پریم، برہمچریہ یعنی نفس کشی، استیتھ یعنی اپنے حق یعنی ضرورت سے زیادہ کسی چیز کو لینے کو چوری سمجھنا چاہئے وہ پانی ہی کہیں نہ ہو، شرم دان یعنی جو محنت کرے اسی کو

گاندھی جی کے تھارو برص—ساز، پرم یا اہلسا، برہمچریہ، ابریکر (دولت پر نجی مالکانہ چھوڑنا) اسکیم (ضرورت سے زیادہ کسی چیز کو لینے کو چوری سمجھنا) شریر شرم، اسوان، اہلے (نڈرتا) سرو دھرم سمبھاؤ، اسپرشتالوارن اور سودیشی—گاندھی جی کے سماج وادی تھانچے کے بنیادی اصول تھے۔ گاندھی جی علی اصول وادی تھے۔ جو دوسروں کو کہتے تھے اچھے پہلے خود اپنی زندگی میں اُتارتے تھے۔ اس نقطہ نظر سے یہ کتاب بڑے کام کی ہے۔ ہماری سفارش ہے کہ ہر پڑھ لکھ ہندستانی کو یہ کتاب، سماج واد کا اصلی مول آئینے کے لئے ضرور پڑھنی چاہیئے۔

—ویربمبھرناتھ پانڈے

—ویربمبھرناتھ پانڈے

700 PAGES,
22 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

ہماری رہنمائی

نہ چین کو مبارکباد !

نئے چین کو مبارکباد !

1 اکتوبر سن 1955 کو چین میں نئے چینی लोक राज (پیپلس ریپبلک آف चाइना) की छठी साल-गिरह बड़ी धूम धाम से मनाई गई. दुनिया के सब स्वतंत्रता प्रेमी देशों ने चीन के शासकों और नेताओं को बधाई दी. भारत के राष्ट्रपति और प्रधान-मंत्री ने भी चीन के राष्ट्रपति और प्रधान-मंत्री को इस शुभ अवसर पर बधाई के संदेश भेजे. भारत-चीन मैत्री-संघ के प्रेसीडेंट ने दिल्ली से चीन-भारत मैत्री संघ के प्रेसीडेंट को पीकिंग में बधाई का तार भेजा और उन्हें विश्वास दिलाया कि भारत की जनता दुनिया में शान्ति कायम रखने और दुनिया के दूसरे देशों की जनता को आजाद और खुशहाल करने की कोशिशों में चीनी जनता का हमेशा पूरा पूरा साथ देगी.

इन छै बरस के अन्दर नए चीन ने जीवन के हर मैदान में जो खबरदस्त तरक्की की है वह दुनिया भर पर उजागर हो चुकी है. यहां उसे दुहराने की जरूरत नहीं है. नए चीन ने दुनिया के लोगों को और उन लोगों को भी जिन्हें नए चीन के इरादों पर किसी तरह के शक थे यह साबित कर दिया कि नया चीन किसी से लड़ना नहीं चाहता. वह सब देशों और सब लोगों के साथ शान्ति और दोस्ती से रहना चाहता है. चीन और भारत के नेताओं ने मिलकर वह पांच ऊँचे सिद्धान्त दुनिया के सामने रखे जो आज पंचशील के नाम से मशहूर हैं, जिन्हें एक दूसरे के बाद दुनिया के सब देश अपनी अन्तर्राष्ट्रीय नीति के बुनियादी असूल मानते जा रहे हैं, और जिन्होंने बता दिया कि कम्युनिस्ट चीन उन सब देशों के साथ मित्रता से रहना चाहता है जो उसके साथ मित्रता से रहना चाहें. इसमें चीन की नजरों में कम्युनिस्ट और गैर कम्युनिस्ट मार्क्सिस्ट और गैर मार्क्सिस्ट का कोई फर्क नहीं.

कोरिया में उन पच्छिमी मुल्कों की कौजों ने जिनकी दूसरों पर हकूमत करने और उनके धन और शक्ति से बेजा फायदा उठाने की नापाक लालसा अभी खतम नहीं हुई है

1 अक्टूबर سن 1955ع کو چین میں نئے چینی लोक راج (پیپلس ریپبلک آف چائنا) کی چھٹی سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی . دنیا کے سب سونلکرتا پریمی دیشوں نے چین کے شاسکوں اور نیٹاؤں کو بدھائی دی . بھارت کے راشٹریتی اور پردھان منتری نے بھی چین کے راشٹریتی اور پردھان منتری کو اس شبہ اوسر پر بدھائی کے سندھی بھیجے . بھارت چین منتری سنگھ کے پریسیڈنٹ نے دلی سے چین بھارت منتری سنگھ کے پریسیڈنٹ کو پیکنگ میں بدھائی کا تار بھیجا اور انھیں وشواس دلایا کہ بھارت کی جنتا دنیا میں شانتی قائم رکھنے اور دنیا کے دوسرے دیشوں کی جنتا کو آزاد اور خوشحال کرنے کی کوششوں میں چینی جنتا کا ہمیشہ پورا پورا ساتھ دے گی .

ان چھ برس کے اندر نئے چین نے جیوں کے ہر میدان میں جو زبردست ترقی کی ہے وہ دنیا بھر پر اجاگر ہو چکی ہے . یہاں اسے دھرانے کی ضرورت نہیں ہے . نئے چین نے دنیا کے لوگوں کو اور ان لوگوں کو بھی جلیں نئے چین کے ارادوں پر کسی طرح کے شک تھ یہ ثابت کردیا کہ نیا چین کسی سے لڑنا نہیں چاہتا . وہ سب دیشوں اور سب لوگوں کے ساتھ شانتی اور دوستی سے رہنا چاہتا ہے . چین اور بھارت کے نیٹاؤں نے مل کر وہ پانچ اونچے سدھانت دنیا کے سامنے رکھے جو آج پانچ شہل کے نام سے مشہور ہوں . جنہیں ایک دوسرے کے بعد دنیا کے سب دیش اپنی انتر راشٹرنیتی کے بنیادی اصول ماننے جارہے ہیں . اور جنہوں نے بتا دیا کہ کمیونسٹ چین ان سب دیشوں کے ساتھ مروتا سے رہنا چاہتا ہے جو اس کے ساتھ مروتا سے رہنا چاہیں . اس میں چین کی نظروں میں کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ ، مارکسسٹ اور غیر مارکسسٹ کا کوئی فرق نہیں .

کرہا میں ان پچھلی ملکوں کی فوجوں نے جن کی لوسروں پر حکومت کرنے ان کے دھن اور شعتی سے بھجا نلہ اٹھانے کی ناپاک لاسا ابھی ختم نہیں ہوئی ہے

وہاں کے بارے میں ہمیں یہ خبر دے رہی ہے کہ کوریانہ والوں کو کوریانہ والوں کے لڑاکا کر فاکھا بٹانا چاہا۔ کوریانہ کے بھادور سپاہیوں نے انکا ہٹ کر مٹا دیا کیا۔ نئے چین نے اس وقت تک دھڑل نہیں دیا جب تک کہ لڑائی کی سرحد تک نہیں پہنچ گئی اور نئے چین کی مٹی پر برسنا والے گولوں نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ دوسروں کی آزادی کے دشمنوں کی نگاہیں کھول کر دیا پر ہی نہیں چین پر بھی لگی ہوئی ہیں۔ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا پلڑا پلٹا۔ ٹھیک اُس جیت کے سہم جب دنیا کے دوسرے شائق پر دیشوں نے جن میں بھارت خاص تھا چاہا کہ کوریا کا معاملہ شانتی کے ساتھ طے ہو جاوے اور چین کو اس کی اُسا دلائی نہ چین نے اپنے ہاتھ لڑائی سے کھینچ لئے۔ کوریا کی لڑائی کو بند کرنے میں چین کا حصہ سب سے زبردست چین کے یہی کو بڑھانے والا اور نئے چین کی آسن پسندی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

ہند چین (ہندو چائنا) کی لڑائی کو بند کرانے میں چین اور ہند دونوں نے مل کر جو حصہ لیا ہے وہ ان دونوں دیشوں کے لئے بڑے گورو کی چیز ہے۔

تائیوان (فارموسا) چین کے شہر کا ایک ٹکڑا ہے۔ کسی بھی ہمار کی قوم کا وہاں داخل دینا اور اُسے اپنا فوجی اڈا بنانے دیکھنا انٹراشعری اُنہایہ ہے۔ تائیوان کے اُپدروہوں کو جو تائیوان کے رھنے والے نہیں ہیں چینی مہادیپ سے ہار کر اور بھاگ کر غیروں کی کرچوں کے سایہ میں وہاں پر پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ناہر میں کر لینا نئے چین کے لئے یانیں ہاتھ کا کھیل تھا اور تائیوان اور وہاں کی جنتا کو آزاد کرنا نئے چین کا فرض بھی ہے۔ پھر بھی نئے چین نے تائیوان کی لڑائی سے فی الحال اپنا ہاتھ کھینچ لیا اس لئے تاکہ دنیا کی جنتا جنگ کی ہرادی سے بچی رہے، تائیوان کا یہ معاملہ بھی صلح صفائی ہی سے طے ہو سکے اور سب ملکوں کے بیچ شانتی اور دوستی قائم رہ سکے۔

دنیا کی انٹراشعری کانفرنسوں میں کراس کر جانیوا میں اور بانڈنگ میں نئے چین کے نےتاہوں نے دنیا بھر پر یہ اُجاگر کر دیا کہ وہ نیا چین جس نے کھول کچھ سال پہلے دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقتوں سے لوہا لے کر اپنی ساٹھ کروڑ جننتا کو سچھی آجادی دیا ہے وہی نیا چین شانتی کا سب سے بڑا دشمن بھی ہے۔ ایشیا کا سب سے شکتی شالی دیش اور دنیا کے سب سے اُدھک شکتی شالی دیشوں میں سے ایک ہونے ہونے بھی وہ دنیا کے سب دیشوں کے ساتھ امن اور دوستی سے رھنا چاہتا ہے۔ یہی کارن ہے کہ نئے چین اور

تائیوان (فارموسا) چین کے شہر کا ایک ٹکڑا ہے۔ کسی بھی ہمار کی قوم کا وہاں داخل دینا اور اُسے اپنا فوجی اڈا بنانے دیکھنا انٹراشعری اُنہایہ ہے۔ تائیوان کے اُپدروہوں کو جو تائیوان کے رھنے والے نہیں ہیں چینی مہادیپ سے ہار کر اور بھاگ کر غیروں کی کرچوں کے سایہ میں وہاں پر پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ناہر میں کر لینا نئے چین کے لئے یانیں ہاتھ کا کھیل تھا اور تائیوان اور وہاں کی جنتا کو آزاد کرنا نئے چین کا فرض بھی ہے۔ پھر بھی نئے چین نے تائیوان کی لڑائی سے فی الحال اپنا ہاتھ کھینچ لیا اس لئے تاکہ دنیا کی جنتا جنگ کی ہرادی سے بچی رہے، تائیوان کا یہ معاملہ بھی صلح صفائی ہی سے طے ہو سکے اور سب ملکوں کے بیچ شانتی اور دوستی قائم رہ سکے۔

دنیا کی انٹراشعری کانفرنسوں میں خاص کر جینیوا میں اور بانڈنگ میں نئے چین کے نےتاہوں نے دنیا بھر پر یہ اُجاگر کر دیا کہ وہ نیا چین جس نے کھول کچھ سال پہلے دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقتوں سے لوہا لے کر اپنی ساٹھ کروڑ جنتا کو سچھی آزادی دلوائی ہے وہی نیا چین شانتی کا سب سے بڑا دشمن بھی ہے۔ ایشیا کا سب سے شکتی شالی دیش اور دنیا کے سب سے اُدھک شکتی شالی دیشوں میں سے ایک ہونے ہونے بھی وہ دنیا کے سب دیشوں کے ساتھ امن اور دوستی سے رھنا چاہتا ہے۔ یہی کارن ہے کہ نئے چین اور

دنیا کی انٹراشعری کانفرنسوں میں خاص کر جینیوا میں اور بانڈنگ میں نئے چین کے نےتاہوں نے دنیا بھر پر یہ اُجاگر کر دیا کہ وہ نیا چین جس نے کھول کچھ سال پہلے دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقتوں سے لوہا لے کر اپنی ساٹھ کروڑ جنتا کو سچھی آزادی دلوائی ہے وہی نیا چین شانتی کا سب سے بڑا دشمن بھی ہے۔ ایشیا کا سب سے شکتی شالی دیش اور دنیا کے سب سے اُدھک شکتی شالی دیشوں میں سے ایک ہونے ہونے بھی وہ دنیا کے سب دیشوں کے ساتھ امن اور دوستی سے رھنا چاہتا ہے۔ یہی کارن ہے کہ نئے چین اور

وہاں کے لوگوں کا مان اور ان کے ساتھ ہم آواز دنیا میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

اس سب کے ساتھ ساتھ نئے چین کے لوگوں نے اپنے دیہاتوں کے اندر کے لوگوں کو اس تہذیب سے سنبھالنے میں جس طرح اہمیت دیا ہے، اس طرح دیہاتوں کی آرتھک اوسٹیا کو سنبھالنے کے لیے جو کچھ کر رہا ہے، اس کی مثال دنیا کے ابھی تک کے انہماک میں آسانی سے نہیں مل سکتی۔

ایشیا اور آفریقہ کے ان دیہاتوں کے لئے جو ابھی تک غریبوں کے لئے نہ کچھ دیا گیا ہے اور انسانی ترقی کی دوز میں پھنسے ہوئے ہیں، دنیا میں سب سے بڑا آدرش اور سب سے بڑا سہارا ہے۔ دنیا کی جنٹا کو ایک کرنے کے لیے نیا چین آج سب سے بڑی شکتی دیکھا دیتا ہے۔ کالہ یا گوری، لال یا پیلی جنٹا کا یہی ایک ہے۔ دنیا کی جنٹا ایک ہے۔ کالی یا گوری، لال یا پیلی جنٹا کہیں بھی ایک دوسرے سے لڑنا نہیں چاہتی۔ جنٹا میں پریم ہے۔ جنٹا میں ہی چارمدن ہیں۔ جنٹا میں انڈت شکتی چھپی ہوئی ہے۔ وہ شکتی اب تیزی کے ساتھ جاگتی جا رہی ہے اور دنیا کو ایک کرتی جا رہی ہے۔ ان سب باتوں میں جو بھارت، جو وچار اور جو آرتھک چینی جنٹا کے اندر جاگ چکی ہیں وہی بھارت کی جنٹا کے دلوں میں ہلرے مار رہی ہیں۔ یہ دونوں پرلے دیہاتوں کے سچے معنی میں ادھیاتم پر دھان دیہات ہیں۔ دونوں کی پچھلی آندھری صدیوں کی بہت کچھ کالہ دھل چکی ہے، باقی دھلتی جا رہی ہے۔ دونوں پر انسانی سماج کو اس کے لئے لکھن تک پہنچانے کے لئے زبردست ذمہ داری ہے۔ اس لئے ہم ”نیا ہند“ پرچار کی طرف سے نئے چین کی جنٹا کو ان کی اس چھٹی سالگرہ کے اوسر پر دل سے بھائی دیتے ہیں۔ ہماری دلی آچھا ہے کہ چین کے لئے یہ دن ہزاروں سال تک بڑھتی ہوئی شان اور چمک دمک کے ساتھ بار بار آتا رہے۔ ہماری یہ بھی آچھا ہے کہ مانو سماج کی سچی سیوا کے لئے ہندوستان اور چین کی دوستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہے !

1. 10. '55

—سندھ لال

—سندھ لال

1. 10. '55

یہ کیوں ؟

دش میں سرکاری طرف سے تپدیق کے ’ڈیکے کا کام‘ جیسے بی. سی. جی کا ٹیکہ لیا جاتا ہے، برابر جاری ہے۔ خاص کر اسکولوں کے اندر جگہ جگہ ایک طرف سے سب بچوں کے یہ ٹیکہ لگائے جا رہے ہیں۔ دہلی کے کچھ عکشیوں

یہ کیوں ؟

دش میں سرکاری طرف سے تپدیق کے ’ڈیکے کا کام‘ جیسے بی. سی. جی کا ٹیکہ لیا جاتا ہے، برابر جاری ہے۔ خاص کر اسکولوں کے اندر جگہ جگہ ایک طرف سے سب بچوں کے یہ ٹیکہ لگائے جا رہے ہیں۔ دہلی کے کچھ عکشیوں

نے اس टीके का विरोध किया. इनमें दो खास नाम श्री. सा. राजागोपालाचारी और श्री विनोबा भावे के हैं. राजा जी के कई बयान और भाषण इस विषय पर समाचार पत्रों में छप चुके हैं. सरकारी अफसरों ने इस विरोध की कोई परवाह नहीं की. यहां तक कि कुछ सरकारी अफसरों और राजा जी के बीच थोड़ी बहुत बहसा बहसी भी हुई. देश के कई बड़े बड़े डाक्टरों ने राजा जी का समर्थन किया. राजा जी ने अपने एक बयान में कहा है कि सरकार ने किसी सरकुलर के जरिये देश के डाक्टरों, खास कर सरकारी नौकरी को, यह हिदायत दी है कि वह देश के मामूली अखबारों के अन्दर इस विषय पर अपनी राय जाहिर न करें और अगर उन्हें कुछ कहना ही हो तो साईंसी डंग से साईंसी पत्रिकाओं के अन्दर कहें. राजा जी का कहना है कि इस पर बहुत से डाक्टरों को डर हो गया कि अगर वह सरकार की पालिसी के खिलाफ बी० सी० जी० के टीके पर कोई राय जाहिर करेंगे तो उनका रजिस्ट्रेशन छिन सकता है. भारत सरकार की हेल्थ मिनिस्टर राजकुमारी अमृत कौर ने पार्लिमेंट के अन्दर कहा कि राजाजी का यह कहना कि डाक्टरों पर इस तरह का दबाव डाला गया है ग़लत है. हम इस बारे में केवल इतना ही कह सकते हैं कि सब कई तरह के होते हैं. अदालती या कानूनी सब एक अलग चीज़ है, सरकारी या राजकाजी सब दूसरी चीज़ है और मामूली जनता का सब तीसरी चीज़ है. राजा जी के चरित्र और उनकी निस्वार्थता से भी देश अच्छी तरह परिचित है. जो हो, इतने दिनों की बहसा बरसी के बाद भी सरकार का टीके लगाने का काम बेधड़क जोरों के साथ जारी है, और राजा जी ज्यों के त्यों अपनी बात पर डटे हैं.

हाल में राजा जी ने अंग्रेजी में एक छोटी सी पुस्तिका प्रकाशित की है जिसमें उन्होंने दिखाया है कि वह बी० सी० जी० का विरोध क्यों करते हैं. इसमें उन्होंने यह भी लिखा है कि इस पुस्तिका के निकालने की उन्हें ज़रूरत क्यों पड़ी. हम इस बी० सी० जी० के मामले में राजा जी राय से पूरी तरह सहमत हैं. इसलिये हम अपना फ़र्ज समझकर राजा जी की पुस्तिका का हिन्दुस्तानी अनुवाद पाठकों की भेंट कर रहे हैं. हम चाहते हैं कि हमारे अधिक से अधिक देशवासी इसे पढ़कर या सुनकर लाभ उठावें.

14. 10. '55

—सुन्दरलाल

“दुनिया की माताओं की कांग्रेस”

दुनिया को जंग के खतरे से बचाने और दुनिया में अमन क़ायम रखने के लिये जो कोशिशें आज जगह जगह हो रही हैं उनमें एक बहुत बड़ी कोशिश दुनिया भर की माताओं की कांग्रेस है जो 7 जुलाई 1955 से 10 जुलाई 1955

ने इस ठीके का उद्देश्य किया. इन में दो खास नाम श्री. राजा गोपालाचारी और श्री विनोबा भावे के हैं. राजा जी के कई बयान और भाषण इस विषय पर समाचार पत्रों में छप चुके हैं. सरकारी अफसरों ने इस विरोध की कोई परवाह नहीं की. यहां तक कि कुछ सरकारी अफसरों और राजा जी के बीच थोड़ी बहुत बहसा बहसी भी हुई. देश के कई बड़े बड़े डाक्टरों ने राजा जी का समर्थन किया. राजा जी ने अपने एक बयान में कहा है कि सरकार ने किसी सरकुलर के जरिये देश के डाक्टरों, खास कर सरकारी नौकरी को, यह हिदायत दी है कि वह देश के मामूली अखबारों के अन्दर इस विषय पर अपनी राय जाहिर न करें और अगर उन्हें कुछ कहना ही हो तो साईंसी डंग से साईंसी पत्रिकाओं के अन्दर कहें. राजा जी का कहना है कि इस पर बहुत से डाक्टरों को डर हो गया कि अगर वह सरकार की पालिसी के खिलाफ बी० सी० जी० के टीके पर कोई राय जाहिर करेंगे तो उनका रजिस्ट्रेशन छिन सकता है. भारत सरकार की हेल्थ मिनिस्टर राजकुमारी अमृत कौर ने पार्लिमेंट के अन्दर कहा कि राजाजी का यह कहना कि डाक्टरों पर इस तरह का दबाव डाला गया है ग़लत है. हम इस बारे में केवल इतना ही कह सकते हैं कि सब कई तरह के होते हैं. अदालती या कानूनी सब एक अलग चीज़ है, सरकारी या राजकाजी सब दूसरी चीज़ है और मामूली जनता का सब तीसरी चीज़ है. राजा जी के चरित्र और उनकी निस्वार्थता से भी देश अच्छी तरह परिचित है. जो हो, इतने दिनों की बहसा बरसी के बाद भी सरकार का टीके लगाने का काम बेधड़क जोरों के साथ जारी है, और राजा जी ज्यों के त्यों अपनी बात पर डटे हैं.

हाल में राजा जी ने अंग्रेजी में एक छोटी सी पुस्तिका प्रकाशित की है जिसमें उन्होंने दिखाया है कि वह बी० सी० जी० का विरोध क्यों करते हैं. इसमें उन्होंने यह भी लिखा है कि इस पुस्तिका के निकालने की उन्हें ज़रूरत क्यों पड़ी. हम इस बी० सी० जी० के मामले में राजा जी राय से पूरी तरह सहमत हैं. इसलिये हम अपना फ़र्ज समझकर राजा जी की पुस्तिका का हिन्दुस्तानी अनुवाद पाठकों की भेंट कर रहे हैं. हम चाहते हैं कि हमारे अधिक से अधिक देशवासी इसे पढ़कर या सुनकर लाभ उठावें.

—सुन्दरलाल

“दुनिया की माताओं की कांग्रेस”

दुनिया को जंग के खतरे से बचाने और दुनिया में अमन क़ायम रखने के लिये जो कोशिशें आज जगह जगह हो रही हैं उनमें एक बहुत बड़ी कोशिश दुनिया भर की माताओं की कांग्रेस है जो 7 जुलाई 1955 से 10 जुलाई 1955

तक योरप के मराहूर शहर लासेन में हुई. इस कांग्रेस में दुनिया के ज्यादातर देशों से, जिनमें अमरीका, इंग्लैंड, फ्रांस, रूस, चीन और हिन्दुस्तान सब शामिल थे, एक हजार से ऊपर माएं जमा हुई थीं. उनमें छवों महाद्वीपों, सब बर्गों और सब बोलियों वाली माएं मौजूद थीं. दुनिया की तारीख में अपनी क्रिस्म की यह पहली कांग्रेस थी.

चार दिन की बहस के बाद जो फैसला उन एक हजार से ऊपर माथों ने एक राय से दुनिया के सामने रक्खा उसके कुछ वाक्य हम नीचे देते हैं :—

“छयासठ मुल्कों और सब महाद्वीपों से आने वाली, अलग अलग बोलियों वाली, अलग अलग धार्मिक विश्वास, अलग अलग विचार और तरह तरह के सामाजिक हालात में रहने वाली हम औरतें और माएँ इतिहास में पहली बार इस कांग्रेस में जमा हुई हैं।

“हम सब एक ही पक्के इरादे के साथ जमा हुई हैं और यह यह है कि अपने बच्चों को जंग के हर तरह के खतरे से बचावें और उन्हें सुख और चैन के साथ जिन्दा रहने का मौका दें.

“यह कांग्रेस जंग से पैदा होने वाली मुसीबतों से गुँज रही है. दूसरी बड़ी जंग ने जिन करोड़ों माँओं को हलाया, जिन बच्चों को मिटा डाला और जिस तरह दुनिया के इनसानों को रंज और ग़म में डुबा दिया उसे हम भूल नहीं सकती. चार करोड़ से ऊपर आदमी उस जंग में मरे, तीन करोड़ से ऊपर ज़ख़मी या हमेशा के लिये बेकार हो गए, करोड़ों यतीम हो गए, करोड़ों उसके बाद दरिद्रता और अकाल का शिकार हुए. न जाने कितनी उम्मीदें टूटीं, कितनों की क़ाबलीयतें मिट्टी में मिल गईं. कितने बरबाद हो गए !

“उन तमाम मुसीबतों का याद रखते हुए हम इस पक्के इरादे के साथ जमा हुई हैं कि अब हम नई जङ्ग न होने देंगी. हमने यहां एक दूसरे को जान और पहचान लिया है. हमें एक दूसरे से प्यार है. हमने इस बात को भी देख लिया है कि हम माओं में कितनी बड़ी शक्ति छिपी हुई है. जो बीजों हम में एक दूसरे से फर्क करती हैं वह तुच्छ और छोटी हैं, जो हमें एक दूसरे से मिलाती हैं वह अहम और बड़ी हैं, हम इस बात को अच्छी तरह समझ गई हैं कि कोई कारण नहीं है कि दुनिया की अलग अलग क्रौमें एक दूसरे की दुश्मन बन कर रहें. यह दुनिया काफ़ी बड़ी है, इसमें सब के लिये गुंजाइश है. सब मिलकर अमन से रह सकते हैं.

“लेकिन दुनिया में जब तक अलग अलग मुल्क
दुश्मियों की दौड़ में एक दूसरे से बढ़ने की कोशिश करते
होंगे, जब तक अलग अलग फौजी दल और अखाड़े बने

نگ یورپ کے مشہور شہر لائپزگ میں ہوئی۔ اس کانگریس میں دنیا کے چھوٹے دیہاتوں سے، جن میں امریکہ، انگلینڈ، فرانس، روس، چین اور ہندستان سب شامل تھے، ایک ہزار سے اربوبانیں جمع ہوئی تھیں۔ ان میں چھوٹے مہادیوں، سب دھرموں اور سب بولوں والی مائیں موجود تھیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی قسم کی یہ پہلی کانگریس تھی۔

چار دن کی بحث کے بعد ایسا جو فیصلہ اُن ایک ہزار
سے اوپر ماؤں نے ایک رائے سے دنیا کے سامنے رکھا اُس کے کچھ
راہیہ ہم نہیں دیتے ہیں:—

چھانسنے والی، ایک ایک سب سے آگے آئی، ایک ایک بولیوں والی، ایک ایک دھارمک و شواس، ایک ایک وچار اور طرح طرح کے سامراجک حالات میں رہنے والی ہم عورتیں اور مائیں اتھاس میں پہلی بار اس کانگریس میں جمع ہوئی ہیں۔

”ہم سب ایک ہی یکہ ارادے کے ساتھ جمع ہوئی ہیں اور یہ ہے کہ اپنے بچوں کو جنگ کے ہر طرح کے خطرے سے بچاویں اور انہیں مکہ اور چین کے ساتھ زندہ رہنے کا موقع دیں۔“

”یہ کانگریس جنگ سے پیدا ہونے والی مصیبتوں سے گونج رہی ہے۔ دوسری بڑی جنگ نے جن کروڑوں ماؤں کو رلیا جن بچوں کو مقانالا اور جس طرح دنیا کے انسانوں کو رنج اور غم میں ڈبو دیا اُسے ہم بھول نہیں سکتیں۔ چار کروڑ سے اُوپر آدمی اُس جنگ میں مرے، تین کروڑ سے اُوپر زخمی یا ہمیشہ کے لئے بے کار ہو گئے، کروڑوں یتیم ہو گئے، کروڑوں اُس کے بعد دردنا اور اکال کا شکار ہوئے۔ نہ جانے کتنی اُمیدیں قوتوں، کتنوں ہی قابلتوں مٹی میں مل گئیں۔ کتنے برباد ہو گئے!

”اُن تمام مصیبتوں کو یاد رکھتے ہوئے ہم اِس پکے ارادے کے ساتھ جمع ہوئی ہیں کہ اب ہم نئی جنگ نہ ہونے دینگے۔ ہم نے یہاں ایک دوسرے کو جان اور پہچان لیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے پیار ہے۔ ہم نے اِس بات کو بھی دیکھ لیا ہے کہ ہم ماؤں میں کتنی بڑی شکتی چھپی ہوئی ہے۔ جو چیزیں ہم میں ایک دوسرے سے فرق کرتی ہیں وہ تجبہ اور چھوٹی ہیں، جو ہمیں ایک دوسرے سے ملاتی ہیں وہ اہم اور بڑی ہیں۔ ہم اِس بات کو اچھی طرح سمجھ گئی ہیں کہ کئی کارن نہیں ہے کہ دنیا کی الگ الگ قومیں ایک دوسرے کی دشمن بن کر رہیں۔ یہ دنیا کافی بڑی ہے، اِس میں سب کے لئے گنجائش ہے۔ سب ملکر امن سے رہ سکتے ہیں۔“

”لیکن دنیا میں جب تک ایک ایک ملک ہتھیازوں کی دوز میں ایک دوسرے سے پھلے کی کڑھی کرتے رہے، جب تک ایک ایک فوجی دل اور اُٹارے بلے

ہوں گے، جب تک ایک دوسرے کی ہینسا کی جاتی رہے گی اور جگہ کا پوچھنا کیا جاتا رہے گا، جب تک پتہ نہیں چلتا کہ جہاں سے آئے ہیں اور جہاں جاتے ہیں، جب تک ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کے دشمنوں کے خلاف کیڑے مارنے کی کوشش نہیں کرتے، تب تک دنیا کے امن کو خطرہ بنا رہے گا۔

”ہر آدمی کو یہ حق ہے کہ وہ آزاد زندگی بسر کرے اور دوسرے کی قومی آزادی کی بھی عزت کرے۔ امن کیوں اسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔“

”آج ہم نے یہ جان لیا ہے کہ جگہ ضروری نہیں ہے۔ جنگ کو روکا جا سکتا ہے اور امن قائم رہ سکتا ہے۔“

”دنیا کے کچھ لوگوں نے ارادہ کیا اور کورییا اور ویتنام میں دونوں جگہ جنگ رک گئی۔“

”ہالینڈ کانفرنس میں جو دس اصول قائم کئے گئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دوسرے کا نظام رکھنے والے ملک امن سے رہ سکتے ہیں۔“

”اسی کے صلے میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ دنیا کے سب ممالک امن سے رہ سکتے ہیں۔“

”ہم عورتیں آدمی انسانی قوم ہیں۔ اپنے بچوں کی طرف اور دنیا کے سب لوگوں کی طرف ہماری ہی ذمہ داری ہے۔“

”سب دیشوں کی ماؤں سے ہمارا کہنا ہے کہ ماؤں! یہ دنیا بھر کی ماؤں کی کانگریس تمہیں پریم اور ایکٹا کا سلیش ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ بچوں کے پیدا کرنے، بچوں کو پالنے اور بچوں کو بڑھانے میں کتنا وقت لگتا ہے اور کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ہم اپنے بچوں کو جیون دیتی ہیں، ہم اُس جیون کو بڑھاتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتیں۔“

”ہم جنگ نہیں ہونے دیتے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایک ہی ہتھیاروں کا ہونا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہم یہ برداشت نہیں کر سکتیں کہ جب کہ بے شمار انسان ہتھیاروں میں پھنسے ہوئے ہیں اور کھربوں روپیہ جنگ کی تیاریوں میں خرچ ہو رہا ہے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، چھانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سکھانے میں خرچ کیا جائے۔“

”جب تک ہمارا یہ وعدہ پورا نہیں ہوگا ہم چین نہیں چھوڑیں گے۔“

”سب देशوں کی آبروتوں سے ہمارا کہنا ہے! بھائیو! ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے سب کے بچے ایک دوسرے کو قتل کریں۔ ہم اپنے بچوں کو سیکھانا چاہتے ہیں کہ وہ سب دیشوں اور سب قوموں کے لوگوں سے پیار کریں۔ ہم اس بات کی ہرجائز نہیں دے سکتے کہ ہمارے بچوں کو ایک دوسرے سے نفرت اور ایک دوسرے کے ساتھ بدتمیزی کا پرتاؤ سکھائیں کہ ان کے دلوں اور دماغوں کو گندہ کیا جائے۔“

”سب بچے چاہے وہ گورے ہوں، یا پیلے، یا کالے، برابر ہیں۔ سب کے برابر کے حقوق ہیں۔ سب کو جان پیاری ہے۔ سب کی رक्षा ہونی چاہیے۔“

”ہماری کانگریس نے یہ دکھا دیا ہے کہ تمام دنیا کی عورتیں ایک دوسرے کی مہتر ہیں۔“

”ہم یہ پرتکاپ کرتے ہیں کہ ہم ملکر دھولکی اور اپنے بچوں کو جنگ سے بچانے کے لئے، ہتھیار بندی کرانے کے لئے اور دنیا کی تمام قوموں میں دوستی کرانے کے لئے بار بار ملتی دھولکی۔“

”ہمارے کروڑوں ہاتھ ساری زمین پر پھیل کر انسانی دوستی اور انسانی محبت کو مضبوط کرتے دھولکی۔“

یہ اعلان 10 جولائی سن 1955 کو لاہور میں دنیا کی مائوں کی کانگریس میں ایک رائے سے پاس ہوا۔ اس اعلان کی مائیں دنیا کے ہر حصے دیشوں کی سرکاروں کو اور یو. این. او. کے دفتر کو بھیجی گئیں۔ مائوں کی ایک استھانی کمیٹی بھی مادی گئی جس کا کام تھا دنیا بھر کی مائوں میں دوستی کو بڑھانا اور مضبوط کرنا اور دنیا بھر کے بچوں کو جنگ کے خطرے سے بچانے دیکھنا۔

ہم اس کانگریس کی تجویز کرنے والی اور اس میں شریک ہونے والی دنیا بھر کی سب مائوں اور بھائیوں کو دل سے بھاڑ دیتے ہیں۔ آج تک امن کے لیے جتنی کوششیں کی گئی ہیں اور کی جا رہی ہیں ان میں سب سے مبارک، سب سے آجربار و سب سے شرم نسیبہ بھی کوشش ہے۔ مسرتی میں لکھا ہے: ”جہاں نارپوں کی پوجا ہوتی ہے وہاں دیوتا آکر پاس کرتے ہیں۔“ محمد صاحب کی ایک شہر حدیث ہے: ”اس میں شک نہیں کہ جنت مائوں کے قدموں کے نیچے دھرتی ہے۔“ اس شہر لکشن کے ہمد میں برا یقین ہے کہ دنیا اب کئی جنگ کے خطرے میں نہیں رہ سکتی۔

सांस्कृतिक साहित्य

سانسکرٹک साहित्य

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—परिचित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस नाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—परिचित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

मुमर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

حضرت محمد اور اسلام

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولاہ—تین روپیہ
اسلام کے پیغمبر کے سمبندھ میں بھارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندھ کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولاہ—ڈیڑھ روپیہ

مہاتما زر تھوسٹرو اور ایرانی سنسکرتی

لیکھک—دشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

یہودوں دھرم اور سامی سنسکرتی

لیکھک—دشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—دشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

سمیر بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

لیکھک—دشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—دشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سنڈرہ)

لیکھک—شری منجیب رضوی، قیمت—دو روپیہ

آگ اور آنسو

(بھاؤپورن سماجک کہانیاں)

لیکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑھ روپیہ

قرآن اور دھارمک متبھید

لیکھک—مولانا ابوالکلام آزاد، قیمت—ڈیڑھ روپیہ

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیاں کا سنڈرہ)

لیکھک—رگوبتی سہائے فراق، قیمت—تین روپیہ

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مئی گانج ہلالا ہلالا 145 مئی گانج، الہ آباد

हिन्दी घर

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ी केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेजी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिये हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : श्री मंजर अली सोरठा

सफे 225, कीमत दो रुपया

— : ० : —

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—क्रुदसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू

मोटा कागज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

— : ० : —

पंडित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सफे, दाम ढाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सफे, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुट्ठोगंज इलाहाबाद

हिन्दी घर

नाचो पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ा केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेजी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिये हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : श्री मंजर अली सोरठा

सफे 225, कीमत दो रुपया

— : ० : —

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—क्रुदसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू

मोटा कागज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

— : ० : —

पंडित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सफे, दाम ढाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सफे, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145, मन्ही गंज अलाहाबाद

نیا حصہ

اس نمبر کے خاص لیکھ

اس نمبر کے خاص لیکھ

دوم اور راج نیتی

—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت

—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت

میل مینا پ کا संगम—بंगال

میل ملاپ کا سنگم—بنگال

—ڈاکٹر لتی ف دھستری

—ڈاکٹر لطیف دھستری

ایم. اے. اے. قی. فل. ام. اے., ڈی. فیل.

وام نام دھن جاکو! (ایکانکی نائک) (एकांकी नाटक) !

—شری سادشو ٹی. ایل. وشنوونی

تپےدیکر کا ٹیکہ

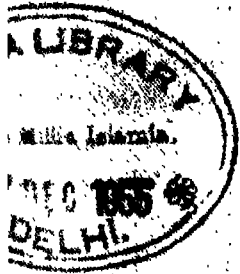
—شری چکرورنی راجاگوپالاچاری

دوستی اور تلچری سہوگ کی راہ پر

—شری ولیمیر یاگوولینو

اس کے علاوہ

دیس بدیس کے مسئلوں پر ہماری راہ میں ضروری سمپاد کی نوٹ



نئی کولچر سوسائٹی، ایلاہاباد



دہلی یونیورسٹی

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

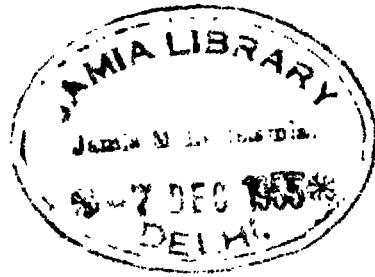
Can be had from —

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

ہندوستان کا ادب و فن

نمبر 5 نمبر جلد 20 جلد



نومبر 1955

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈل گنج، دہلی

145 مڈل گنج، دہلی

کیا کس سے	صفحہ	سفر
1. کلہان جاتری (کویتا)
— شری گنونت مہتا	251	...
2. دھرم اور راج نہتی
— ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت	253	...
3. میل ملاپ کا سنگم—بنگال
— ڈاکٹر لطیف دفتری ایم. اے. بی. اے. ڈی. اے. فیل. ڈی. اے.	266	...
4. رام نام دھن جاگو ! (ایکانکی نائک)
— شری سادھو ٹی. ایل. وسوانی	270	...
5. رختنترتا کی یاترا کی تیسری پیڑی
— لکھت— شری مکن بھائی دیسائی	274	...
— انورادک— کنبو بھائی نانالال پٹیل
6. تپدیق کا ٹیکا
— شری چکرورتی راجا گوپالاجاری	277	...
7. محمد صاحب کی کچھ حدیثیں
— انورادک شری محبوب رضوی	293	...
8. دوستی اور کلچری سہیوگ کی راہ پر
— شری ولیمیمیریا گوولہو	299	...
9. ہماری رائے
— شری بلگاتن اور شری کھرشیچو بھارت
— میں—سندھ لال

— شری بولگانین اور شری کھرشیچو بھارت
میں—سندھ لال

شی گونہنت مہتا

شی گونہنت مہتا

ہر ہر بڑے دین ہٹا رہا ہر ہر گئے نارا;
"دے دو ہم کو بھٹی اپنی کرتا ہوں بٹوارا!"
بھٹی، کرتا ہوں بٹوارا!

کون ہے دھلا پتلا پورا لہری دارھی والا؟
لاٹھی تھامے ڈنگ چلتا چھوٹی دھوتی والا؟
ہاتھ کی پرچھائیں کا سا کس نے روپ سنوارا؟
ہاں، کس نے روپ سنوارا!

کیا کہتا ہے سب کے آگے اُڑتی ذلّتوں والا؟
"میں بھی ایک تمہارا بیٹا، میں بھی دھتسے والا!"
"دے دو تم کو میرا دھتسا"—کھڑکھڑا ہاتھ پسارا!
بھٹی، کھڑکھڑا ہاتھ پسارا!

ایکڑ چھتیس کوٹی بھٹی ہری بھٹی ایللی;
"سپتہم دھتسا کرو ہوا لے مرادو میری مہولی!"
آواز کی آواز لیتی ہوتا سون سونوارا!
ہاں، ہوتا سون سونوارا!

کیوں چاہے ہے بھٹی ہماری بھٹی کا متوالا;
آپ، ہوا اور دھرتی کا ہے ہر کوئی حق والا.
ایک نظر سے سب کو دیکھے سب کا سرجن ہارا.
بھٹی، سب کا سرجن ہارا!

کڑکڑ، مڑدڑ، دھتسوں اور دین دلت کا پھارا;
بھٹس، موہتاؤں، ماسوں کی آوازوں کا تارا!
ماتحتا کی بھٹس پھر رہا ہر-ہر مائگن ہارا!
ہاں، ہر-ہر مائگن ہارا!

کون یگانا، کون بیگانا؟ سب کو گلے لگانا!
انسانی اطلال کا دیکھو کیسا ناٹا ناٹا!
روشن کرتی ہے بھارت کو نو پرکاش کی دھارا!
بھٹی، نو پرکاش کی دھارا!

در در کہو دین دلا کہو کہو گونہنت نارا;
"دے دو ہم کو بھٹی اپنی کرتا ہوں بٹوارا."
بھٹی، کرتا ہوں بٹوارا!

کون ہے دھلا پتلا پورا لہری دارھی والا؟
لاٹھی تھامے ڈنگ چلتا چھوٹی دھوتی والا؟
ہاتھ کی پرچھائیں کا سا کس نے روپ سنوارا؟
ہاں، کس نے روپ سنوارا!

کیا کہتا ہے سب کے آگے اُڑتی ذلّتوں والا؟
"میں بھی ایک تمہارا بیٹا، میں بھی دھتسے والا!"
"دے دو تم کو میرا دھتسا"—کھڑکھڑا ہاتھ پسارا!
بھٹی، کھڑکھڑا ہاتھ پسارا!

ایکڑ چھتیس کوٹی بھٹی ہری بھٹی ایللی;
"سپتہم دھتسا کرو حوالہ بھردو میری جھولی!"
آواز کی آواز لیتی ہوتا سون سونوارا!
ہاں، ہوتا سون سونوارا!

کیوں چاہے ہے بھٹی ہماری بھٹی کا متوالا;
آپ، ہوا اور دھرتی کا ہے ہر کوئی حق والا.
ایک نظر سے سب کو دیکھے سب کا سرجن ہارا.
بھٹی، سب کا سرجن ہارا!

کڑکڑ، مڑدڑ، دھتسوں اور دین دلت کا پھارا;
بھٹس، محتاجوں، مصوموں کی آنکھوں کا تارا!
ماتحتا کی مڑدڑی پھر رہا در در مائگن ہارا!
ہاں، در در مائگن ہارا!

کون یگانا، کون بیگانا؟ سب کو گلے لگانا!
انسانی اطلال کا دیکھو کیسا ناٹا ناٹا!
روشن کرتی ہے بھارت کو نو پرکاش کی دھارا!
بھٹی، نو پرکاش کی دھارا!

बत का उसको ध्यान नहीं है धुन है मानवता की
देख रहा है सब जग उसमें ऐसी माँकी बाँकी !
मात्सी और समाजी काया चला पलटने हारा !
हाँ, चला पलटने हारा !

बर बैठे गंगाजी आईं फिर काहे की देरी ?
मुँह ना मोड़ो, बिज ना तोड़ो, आशा लगी घनेरी !
डोल रहा है डगर-डगर बाबन रूपी बनजारा !
बाबन रूपी बनजारा !

गाँव-गाँव गोकुल बन जाये प्रामोद्योग बढ़ाओ;
सर्वोदय कल्याण मार्ग में आओ क्रदम मिलाओ !
जीवन-लक्ष्मी पार लगेगी रामहि खेवन हारा !
भई, रामहि खेवन हारा !

भूमि, प्राम, सम्पत्ति दान से नया समाज बनेगा;
बर्गहीन, शोषण बिहीन बह चिन्ता सभी हरेगा !
भारत की किस्मत का तारा सन्त विनोबा प्यारा !
भई, सन्त विनोबा प्यारा !

‘देखो ना अँस को देहली नेहें है तेहन है मानो की’
‘दिन रहा है सहेजक अँस में ऐसी जानकी बाँकी !’
‘माँ और साजी क्या चढ़े पल्लव हारा !’
‘हाँ, चढ़े पल्लव हारा !’

‘कहर बिन्दे कना जी अँस पर कहे की देरी ?’
‘मन ना मरोड़, दिल ना तोड़, अँसा ली कहेरी !’
‘डोल रहा है डगर-डगर बाँन रूयी बनजारा !’
‘बाँन रूयी बनजारा !’

‘ग्लों ग्लों गोकुल बन जाये ग्रामोद्योग बढ़ाओ !’
‘सरदिये कलान मार्ग में आओ क्रदम मिलाओ !’
‘जीवन लक्ष्मी पार लगेगी राम हि कहेरी हारा !’
‘भै, राम हि कहेरी हारा !’

‘भूमि, ग्राम, संपत्ति दान से नया समाज बनेगा !’
‘बर्गहीन, शोषण बिहीन बह चिन्ता सभी हरेगा !’
‘भारत की किस्मत का तारा सन्त विनोबा प्यारा !’
‘भै, सन्त विनोबा प्यारा !’

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

“CHINA TODAY”

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.
—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known
—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.
—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.
—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.
—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of man and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.
—Vigil, Delhi.

ڈاکٹر مہیندر ناتھ دت

ڈاکٹر مہیندر ناتھ دت

آج اس لکھ میں جو باتیں میں کہہ جا رہا ہوں اس سے بہت سے پانٹھوں کے دل میں بے صبری پیدا ہوگی۔ لکھک اس لئے بدنام ہے کہ وہ 'نئی باتیں کہتا ہے' اور خاص طور پر ہندوؤں کے بارے میں انتہاس کے خلاف بات کہتا ہے۔ یہ بات میں سن 1925 سے سنتا آ رہا ہوں کہ لکھک بہت برس تک ویدوں میں رہ کر ایشوریہ ویدیا سیکھ کر اس دیہ میں آس کا پرچار کر رہا ہے۔ پہلے لکھک اس الزام کا راز نہیں سمجھ پایا۔ اُنیسویں صدی میں جو کتابیں انگلستان میں چھپیں وہ اس سلسلے تک کلکتہ و شریلیٹ کے گلیے کا پیدا ہوا ہوئی ہیں جب کہ لکھک نے یورپ اور امریکہ میں بیسویں صدی میں تعلیم پائی ہے۔ اسی لئے شاید لکھک اور کچھ پانٹھوں کے بیچ میں کھائی پیدا ہوگئی ہے۔

اس انوشٹھان (Phenomenon) کے متعلق لکھک کے پاس ایک نظر ہے۔ شری پرستہ ناتھ چودھری (بیربل) نے زمہداری پرتھا کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا—”آجکل کی ارتھ نیتک (اقتصادی) دیوستھا دیکھ کر لوگ سوچیں گے کہ یہ ہنگال کی ہمیشہ کی دیوستھا ہے۔ وہ یہ سمجھ لے پائیں گے کہ موجودہ ارتھ نیتک دیوستھا انگریزوں کی رچی ہوئی ہے۔ کوئی بھی سماج اپنی ارتھ نیٹی کے اوپر کھڑا رہتا ہے۔ موجودہ بھارت کی ارتھ نیٹی انگریزی حکومت نے رچی تھی اور اسے مضبوط کیا تھا۔ ہمارے سامنے تو انگریزوں کی بنائی ہوئی تصویر ہی ہے۔ عام چلتا کے سامنے یہ تصویر رہتی ہے۔ اسی لئے انگریزوں تھا یورپیہ عالموں نے بھارت کے سماج، دھرم، ارتھ نیٹی، انتہاس آدمی و شہروں کے اوپر جو وچار ظاہر کئے ہیں انہیں کو ہم بھارت، اسہوں نے ہما کسی ورڈہ کے ’ویڈک اور سناتن‘ مانکر گلیے سے اتار لیا ہے اور انہیں اپنے پرکھوں کے کارنامے ماننے لگے ہیں۔“ ہاں دو چار کھوجیوں اور چھان بین کرنے والوں کے اوپر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ بلکہ انہیں کی کھوجوں کی ہما پر بھارت کے انتہاس کا نہا روپ نہر رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لمبی غلطی نے بھارت واسہوں کے دل اور دماغ پر پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ گڑبے زمانے کے اپنے بڑیوں اور اپنی کلچر کو بھول گئے تھے۔ پرلے زمانے کے وجہیٹوں کا قاعدہ تھا کہ کسی ملک کو جیتنے کے

बाद वे वहाँ के पुस्तकालयों को जला डालते थे. इसका मकसद यह होता था कि उस देश वाले अपने बचपन और गुणों जमाने की अपनी महानता को भूल जायें. लेकिन अंगरेज हाकिमों ने यहाँ दूसरी नीति अपनाई. उन्होंने हिन्दुस्तान के ऊपर क्रयामी हुकूमत करने के खयाल से उसकी कस्बों को समझने की कोशिशें शुरू कीं. वे पंडितों और मौलवीयों की शरण में गये. पुरानी धूल भरी पोथियों की गर्द झाड़कर पंडितों ने अंगरेज हाकिमों के सामने पेश किया. अंगरेज विद्वान उनको पढ़कर इस नतीजे पर पहुँचे कि हिन्दुस्तानी सिर्फ मजहबी पागल हैं. उन्हें देश और राजनीति की कोई जानकारी न थी. कहा है—'मुस्ला की दीद मस्जिद तक', वही हालत हमारे पंडितों की विद्या की थी. मसल्ले जमाने के हिन्दुस्तान में प्रतिक्रियावादी (तनज्जुली पसन्द) पुरोहितों ने जो निबन्ध लिखे उन्हें पंडित लोग धर्म और समाज के सम्बन्ध में प्रामाणिक (मुस्तनद) मानकर इनकी इफ्जल करने लगे. देशी भाषाओं में लिखी रामायण और महाभारत के क्रिस्ते कहानियाँ इतिहास और राजनीति की प्रामाणिक पुस्तक मानी जाने लगीं और उस दिन तक मानी जाती रही.

जो भी हो, काल का पहिया घूमता गया. दूर दक्खिन भारत से एक एक कर प्राचीन पोथियाँ ढूँढ़ ढूँढ़ कर रोशनी में लाई जाने लगीं. उन पोथियों के देखने के बाद इतिहास के सुताल्लिक हमारी राय में भी तब्दीली होने लगी. हम अपने बचपन से ही चारणक्य नाम के एक शक्स का नाम सुनते आ रहे थे. लेकिन बीसवीं सदी में एक दिन सबेरे अखानक 'कौटिल्य की अर्थनीति' नामक एक मोटी राजनैतिक पुस्तक रोशनी में आई. इस पुस्तक ने देशी और विलायती पंडितों के महल को ढा दिया. विलायती पंडितों ने सम्मल कर कहा—'यह मुक्काबलेतन बाद की किताब है.' पहली बात तो यह है कि जो भारतीय पेड़ के नीचे बैठकर नाक दाब कर 'माँ' 'माँ' करते थे वे क्या कूट राजनीतिक पुस्तक लिखेंगे! इसके बाद भारतीय इतिहास की छान छान करने वाले भारतीय विद्वानों ने कहा कि 'धर्म शास्त्र' भारतीयों की एक मात्र पुस्तक है, 'अर्थ शास्त्र' नाम की एक और ऊँचे दर्जे की पुस्तक है. वह धर्मशास्त्र से भी ऊँचे दर्जे की है. अर्थशास्त्र की तीन पुस्तकों के नाम हमें मिलते हैं—एक कौटिल्य की, दूसरी कामन्दक की और तीसरी शुक्रनीतिसार. इसपर बहस उठी कि कौटिल्य किस जमाने में हुआ? कामन्दक के सुताविक्र मौयों का शासन चलाने के लिये ही कौटिल्य व विष्णु गुप्त ने यह पुस्तक लिखी. उसके बाद डाक्टर काशी प्रसाद जायसवाल ने और अनेक पोथियों के नाम खोज निकाले जो आज मिलती नहीं. इसके बाद बात्स्यायन की 'काम शास्त्र' नामक पुस्तक खोजकर निकाली गई. इस पुस्तक में 'खतने' (Circumcision) का

बद में पहली के मुस्तल्लिहों को चढ़े डाले थे. इस का मकसद यह होता था कि उस देश वाले अपने बचपन और गुणों जमाने की अपनी महानता को भूल जायें. लेकिन अंगरेज हाकिमों ने यहाँ दूसरी नीति अपनाई. उन्होंने हिन्दुस्तान के ऊपर क्रयामी हुकूमत करने के खयाल से उसकी कस्बों को समझने की कोशिशें शुरू कीं. वे पंडितों और मौलवीयों की शरण में गये. पुरानी धूल भरी पोथियों की गर्द झाड़कर पंडितों ने अंगरेज हाकिमों के सामने पेश किया. अंगरेज विद्वान उनको पढ़कर इस नतीजे पर पहुँचे कि हिन्दुस्तानी सिर्फ मजहबी पागल हैं. उन्हें देश और राजनीति की कोई जानकारी न थी. कहा है—'मुस्ला की दीद मस्जिद तक', वही हालत हमारे पंडितों की विद्या की थी. मसल्ले जमाने के हिन्दुस्तान में प्रतिक्रियावादी (तनज्जुली पसन्द) पुरोहितों ने जो निबन्ध लिखे उन्हें पंडित लोग धर्म और समाज के सम्बन्ध में प्रामाणिक (मुस्तनद) मानकर इनकी इफ्जल करने लगे. देशी भाषाओं में लिखी रामायण और महाभारत के क्रिस्ते कहानियाँ इतिहास और राजनीति की प्रामाणिक पुस्तक मानी जाने लगीं और उस दिन तक मानी जाती रही.

जो भी हो, काल का पहिया घूमता गया. दूर दक्खिन भारत से एक एक कर प्राचीन पोथियाँ ढूँढ़ ढूँढ़ कर रोशनी में लाई जाने लगीं. उन पोथियों के देखने के बाद इतिहास के सुताल्लिक हमारी राय में भी तब्दीली होने लगी. हम अपने बचपन से ही चारणक्य नाम के एक शक्स का नाम सुनते आ रहे थे. लेकिन बीसवीं सदी में एक दिन सबेरे अखानक 'कौटिल्य की अर्थनीति' नामक एक मोटी राजनैतिक पुस्तक रोशनी में आई. इस पुस्तक ने देशी और विलायती पंडितों के महल को ढा दिया. विलायती पंडितों ने सम्मल कर कहा—'यह मुक्काबलेतन बाद की किताब है.' पहली बात तो यह है कि जो भारतीय पेड़ के नीचे बैठकर नाक दाब कर 'माँ' 'माँ' करते थे वे क्या कूट राजनीतिक पुस्तक लिखेंगे! इसके बाद भारतीय इतिहास की छान छान करने वाले भारतीय विद्वानों ने कहा कि 'धर्म शास्त्र' भारतीयों की एक मात्र पुस्तक है, 'अर्थ शास्त्र' नाम की एक और ऊँचे दर्जे की पुस्तक है. वह धर्मशास्त्र से भी ऊँचे दर्जे की है. अर्थशास्त्र की तीन पुस्तकों के नाम हमें मिलते हैं—एक कौटिल्य की, दूसरी कामन्दक की और तीसरी शुक्रनीतिसार. इसपर बहस उठी कि कौटिल्य किस जमाने में हुआ? कामन्दक के सुताविक्र मौयों का शासन चलाने के लिये ही कौटिल्य व विष्णु गुप्त ने यह पुस्तक लिखी. उसके बाद डाक्टर काशी प्रसाद जायसवाल ने और अनेक पोथियों के नाम खोज निकाले जो आज मिलती नहीं. इसके बाद बात्स्यायन की 'काम शास्त्र' नामक पुस्तक खोजकर निकाली गई. इस पुस्तक में 'खतने' (Circumcision) का

तत्त्वज्ञ है, वह विद्वान् आजकल जहाँ और पश्चिमी ने भी इसके मुपाकर रखा, इसके बाद महाकवि मास के 18 नाटकों को दक्षिण भारत के विद्वानों ने खोज निकाला। इन नाटकों से उस समय के भारतीय समाज, रामचन्द्र के युद्ध और महाभारत में वर्णित व्यापार के सुतास्तिक एक नई तस्वीर पाठकों के सामने रखी। इसके बाद दक्षिण भारत और तिब्बत में 'आर्य मन्जुश्रीमूलकल्प' नामक एक इतिहास की पोथी प्रकाश में आई। इसके पहले तिब्बती लामा तारा-नाथ राय की लिखी 'भारत में बौद्ध धर्म का इतिहास' नामक पुस्तक खोज निकाली गई और उसका अंगरेजी में तर्जुमा भी हुआ। इन सब छान बीन और खोजों से पढ़े लिखे हिन्दुस्तानियों की धारणा अपने देश के इतिहास और कल्चर के सुतास्तिक बकली। भारतीय इतिहास और संस्कृति पर लिखी एक दूसरी पुस्तक 'बोस्तान' जिसे एक बौद्ध विद्वान ने लिखा है जिसका जर्मन में तो अनुवाद हो गया लेकिन जो इस देश में अज्ञात रही। इसके बाद बंगाली विद्वान मधुरक्षित द्वारा लिखी एक अर्थनीति 'सम्बन्धी' पुस्तक का तिब्बती अनुवाद हाथ लगा। इस देश के लोगों को इस पुस्तक का भी ज्ञान नहीं है। बहुत सी पुस्तकें अभी तक खोजकर ढूँढ़ी जा रही हैं। बहुत सी खास खास पोथियाँ एक दम से, मालूम होता है, नष्ट हो गई—जैसे बृहस्पति और शुक्राचार्य की 'रणनीति' सम्बन्धी पुस्तक, जिन्होंने संस्कृत भाषा में रामायण और महाभारत पढ़ा है वे जानते हैं कि किस प्रकार योधा लोग बार बार बृहस्पति और शुक्राचार्य की दोहाई बेकर युद्ध का संचालन करते थे। अगर 'रणनीति' पर ये पुस्तकें खोजकर ढूँढ़ी जा सकें तो भारतीयों के युद्ध कौशल को लेकर जो उपहास किया जाता है उससे हमें निजात मिल जाती।

नारद और कात्यायन की लिखी पुस्तकें भी आज तक लाइव्ही के अँधेरे में पड़ी हुई हैं। एक जर्मन पण्डित ने कहीं से 'नारद स्मृति' की एक कापी खोजकर उसका जमन भाषा में तरजुमा किया है, किन्तु कात्यायन स्मृति अब तक प्रकाश में नहीं आई। एक बार कलकत्ता विश्वविद्यालय के स्मृति के अध्यापक ने लेखक से दुख के साथ कहा था—“देखा, कात्यायन और नारद की स्मृतियाँ अभीन में दबी पड़ी हैं।” लेखक ने जवाब दिया—“नारद स्मृति इतनी ज्यादा चरम पन्थी (radical) है कि आज का भारत भी उसकी शिक्षा को बरदाश्त न कर सकेगा।”

इसका कारण क्या है ? जब राजशाक्ति और पुरोहितों की शक्ति एक साथ मिलकर हिन्दुओं के हृदय पर बड़ी बैठि थी तब इन सब पुस्तकों से जनता की आँखें खोलने की क्या जरूरत थी ? (ब्राह्मण्य, तारक, कात्यायन विधवा-विवाह, पलाक (Divorce) और फिर से विवाह करने की व्यवस्था

آئیں گے۔ وہ رواج آج آگے گیا اور پختہ بن گیا۔ اس کو چھپا کر رکھا۔ اس کے بعد مہاروی بھاس کے 13 ٹائٹل کو دکن بھارت کے ودوانوں نے کھوج نکالا۔ انہی ٹائٹل سے اس سچے کے بھارتیہ سماج، رام چندر کے پردہ اور مہابھارت میں ورنٹ ویاپار کے متعلق ایک نئی تصویر پانچھوں کے سامنے دکھی۔ اس کے بعد دکن بھارت اور بہت میں 'اریہ منچوشری مول کلپ' نامک ایک ایتھاس کی پوتھی پرکاش میں آئی۔ اس کے پہلے تبتی لاما تارا ناتھ وانہ کی انھی بھارت میں ہونے دھرم کا ایتھاس' نامک پستک کھوج نکالی گئی اور اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا۔ ان سب چھان بین اور کھوجوں سے پڑھے لکھے ہندستانوں کی دھارنا اپنے دیس کے ایتھاس اور کلچر کے متعلق بدلی۔ بھارتیہ ایتھاس اور سلسلہ کرتی پر انھی ایک دوسری پستک 'ہوستان' جسے ایک ہونہ ودوان نے لکھا ہے جس کا جرمن میں تو انووان ہو گیا لیکن جو اس دیس میں اگیات رہی۔ اس کے بعد ہنگالی ودوان مدھویشٹ دوارا لکھی ایک اریہ نہتی سمبندھی پستک کا تبتی انووان ہاہ نکا۔ اس دیس کے لوگوں کو اس پستک کا بھی گمان نہیں ہے۔ بہت سی پستکیں ایہی نک کھوج کر قمعونڑھی جارہی ہوں۔ بہت سی خاصی خاص پوتھیاں ایکدم سے معام ہوتا ہے' نشٹ ہو گئیں—جیسے برہسپتی اور شکر اچاریہ کی 'زن نہتی' سمبندھی پستک۔ جنہوں نے سنسکرت بھاشا میں واسین اور مہابھارت پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس پرکار ہونہ لوگ بار بار برہسپتی اور شکر اچاریہ کی دھوائی دیکر پردہ کا سنچالان کرتے تھے۔ اگر 'زن نہتی' پر یہ پستکیں کھوج کر قمعونڑھی جاسکےں تو بیمارندوں کے پردہ توٹل کو لیکر جو ایتھاس نکا جاتا ہے اس سے ہمیں نجات مل جانی۔

ناراد اور گاہیاں کی لکھی پستکیں بھی آج تک لاعلمی کے اندھیرے میں پڑی ہوئی ہیں۔ ایک جرمن پندت نے کہیں سے 'نارادسمرتی' کی ایک کاپی بیچ کر اس کا جرمن ہاشا میں ترجمہ کیا ہے۔ دتو گاہیاں سمرتی اب تک پڑائی میں نہیں آئی۔ ایک بار دلتکھ وشوہا لہہ نے 'سمرتی کے ادھاپک بے لپھک سے دیک کے ساتھ کہا تھا—'دیکھا' گاہیاں اور ناراد کی 'سمرتیاں زمین میں دی پڑی ہیں'۔ لپھک نے جواب دیا —'نارادسمرتی اپنی زیادہ چرم پنتھی (radical) ہے نہ آج کا بھارت بھی اسی کی شکشا کو برداشت نہ کر سکیگا'۔

اِس کا کارن کیا ہے ؟ جب راج شکتی اور پروہتوں کی شکتی ایک ساتھ ملکر ہندوؤں کے ہر دے پر چڑھی بیٹھی تھی تب اِن سب پستکوں سے جنگا کی آنکھیں کھولنے کی کیا ضرورت تھی ؟ ('چانکھہ' نارد' کانیاہن ودھوا رواہ' طلاق (Divorce) اور پھر سے رواہ کرنے کی ویسٹھا

کے ساتھ राजनीति का क्या जोगायोग है। जिस तरह मंगले जमाने में बार-बार निबन्धकारों ने हमारे इतिहास को माफ़ूस ब्रह्म से रखा, उसी तरह आज भी राजनीतिक पुरोहित मंथी के हाथ से बचाकर हमें भारत के इतिहास के यथार्थ स्वरूप को सामने रखना है।

अंगरेजी में एक कहावत है कि, "Religion follows the flag" यानी धर्म राजराजि के पीछे-पीछे चलता है। पुराने जमाने से लेकर हाल तक जमाने का यही दस्तूर रहा है, जतना जिस शासन के मातहत रहती है उसी शासन के बीच में अपनी जिंदगी में स्फूर्ति पाने के लिये राजा का ही धर्म महय्य करती है।

हम बंगाल को ही लें। कितनी ही बार बंगाल के लोगों ने अपने मजहब को बदला है। मिस्र और ईरान में भी यही अनुष्ठान (Phenomenon) रहा है। तारीख को अगर आप बठाकर देखें तो पता चलेगा कि किसी देश को जीत कर विजेता हारे हुये लोगों का धर्म नष्ट कर देते हैं। उसके पश्चात् उनकी भाषा में तब्दीली करने की कोशिश करते हैं। पुराने जमाने में ईरानी विजेता कुब (Cyrus the Great) बेबीलोन को जीत करके वहां के मन्दिर की देव-मूर्ति लेकर अपनी राजधानी परसूपोलि ले आया था। उसके लड़के कैम्बिसस ने मिस्र को जीतकर वहां के मन्दिर के पवित्र नन्दी का वध किया था। सिकन्दर ने ईरान को जीत कर पारसियों की धर्म पुस्तकों को नष्ट करवा दिया था। अरबों ने उत्तर-पश्चिम भारत के अन्दर कंधार नगर को जीतकर मणि-मणिक्यों से जड़ी हुई बुद्ध मूर्ति को नष्ट कर दिया था। उसके बाद ईरानी और तुर्क मुसलमानों ने भारत के हिस्सों को विजय करके बुद्ध और दूसरी बौद्ध समूह की मूर्तियों को विध्वंस किया था। बामिया (अफगानिस्तान) की गुफा में रहने वाले बौद्ध भिक्षुओं ने भागकर स्रोतन में शरण ली। उन्हीं की कोशिशों से पूर्वी तुर्किस्तान (मौजूदा सिकियांग) और पश्चिम चीन की (हजार बुद्धों की गुफा) में अद्भुत मूर्ति कला ने जन्म लिया। यह मूर्ति कला भारत के इतिहास की गुप्त काल की कला का बहुत सुन्दर नमूना है। इसके बाद के तुर्क आक्रमणों के फलस्वरूप अफगानिस्तान के हिरात से लेकर पूर्वी बंगाल के चटगाम तक बहुत से पूजाघर धूल में बिखर गये। कहते हैं कान्य-कुब्ज नगर में 10 हजार मन्दिर थे। कान्यकुब्ज नगर की जूबसूरती को देखकर महमूद गजनवी हैरान रह गया। उसने कान्यकुब्ज के नमूने पर गजनवी का शहर आबाद करने की योजना बनाई। इसीलिये वह यहाँ से बहुत से कारीगरों को ले गया। गजनवी के हमले के पश्चात् उत्तर भारत की सैकड़ों बरस बसी हुई मराहूर राजधानी कान्यकुब्ज (कन्नौज) आज सुनसान नगरी बन गई है। दो-एक जगह मिट्टी के ढेर

साले राजू फेती का क्या जोड़ा चोक है। जिस तरह मंगले जमाने में बार-बार निबन्धकारों ने हमारे इतिहास को माफ़ूस ब्रह्म से रखा, उसी तरह आज भी राजनीतिक पुरोहित मंथी के हाथ से बचाकर हमें भारत के इतिहास के यथार्थ स्वरूप को सामने रखना है।

अंगरेजी में एक कहावत है कि, "Religion follows the flag" यानी धर्म राजराजि के पीछे-पीछे चलता है। पुराने जमाने से लेकर हाल तक जमाने का यही दस्तूर रहा है, जतना जिस शासन के मातहत रहती है उसी शासन के बीच में अपनी जिंदगी में स्फूर्ति पाने के लिये राजा का ही धर्म महय्य करती है।

हम बंगाल को ही लें। कितनी ही बार बंगाल के लोगों ने अपने मजहब को बदला है। मिस्र और ईरान में भी यही अनुष्ठान (Phenomenon) रहा है। तारीख को अगर आप बठाकर देखें तो पता चलेगा कि किसी देश को जीत कर विजेता हारे हुये लोगों का धर्म नष्ट कर देते हैं। उसके पश्चात् उनकी भाषा में तब्दीली करने की कोशिश करते हैं। पुराने जमाने में ईरानी विजेता कुब (Cyrus the Great) बेबीलोन को जीत करके वहां के मन्दिर की देव-मूर्ति लेकर अपनी राजधानी परसूपोलि ले आया था। उसके लड़के कैम्बिसस ने मिस्र को जीतकर वहां के मन्दिर के पवित्र नन्दी का वध किया था। सिकन्दर ने ईरान को जीत कर पारसियों की धर्म पुस्तकों को नष्ट करवा दिया था। अरबों ने उत्तर-पश्चिम भारत के अन्दर कंधार नगर को जीतकर मणि-मणिक्यों से जड़ी हुई बुद्ध मूर्ति को नष्ट कर दिया था। उसके बाद ईरानी और तुर्क मुसलमानों ने भारत के हिस्सों को विजय करके बुद्ध और दूसरी बौद्ध समूह की मूर्तियों को विध्वंस किया था। बामिया (अफगानिस्तान) की गुफा में रहने वाले बौद्ध भिक्षुओं ने भागकर स्रोतन में शरण ली। उन्हीं की कोशिशों से पूर्वी तुर्किस्तान (मौजूदा सिकियांग) और पश्चिम चीन की (हजार बुद्धों की गुफा) में अद्भुत मूर्ति कला ने जन्म लिया। यह मूर्ति कला भारत के इतिहास की गुप्त काल की कला का बहुत सुन्दर नमूना है। इसके बाद के तुर्क आक्रमणों के फलस्वरूप अफगानिस्तान के हिरात से लेकर पूर्वी बंगाल के चटगाम तक बहुत से पूजाघर धूल में बिखर गये। कहते हैं कान्य-कुब्ज नगर में 10 हजार मन्दिर थे। कान्यकुब्ज नगर की जूबसूरती को देखकर महमूद गजनवी हैरान रह गया। उसने कान्यकुब्ज के नमूने पर गजनवी का शहर आबाद करने की योजना बनाई। इसीलिये वह यहाँ से बहुत से कारीगरों को ले गया। गजनवी के हमले के पश्चात् उत्तर भारत की सैकड़ों बरस बसी हुई मराहूर राजधानी कान्यकुब्ज (कन्नौज) आज सुनसान नगरी बन गई है। दो-एक जगह मिट्टी के ढेर

ہماری پورانی راجن-مان کو باہر کرتے دیکھا دیتے ہیں۔
مجاہد آج افغانستان کا حصہ بن گیا ہے اور اُس کے پرانے شاندار
پہاڑی قلعے برباد ہوئے ہیں۔

اسی لیے آج اتر بھارت کے رہنے والے ایک آتم-
بصیرت جانتے ہیں۔ چوتھے شادی کے بعد ہماری دیہی پو دوہوں کے سدھی
نہ ہونے لگی۔ لیکن بھارت واسیوں کے لئے سندر یا تو تک
عہدہ توڑ دیا گیا۔ اس پر وہاں ٹاسک گروپ میں لکھا ہے کہ
مک میں سندر پھر فی مقامی رہی۔ گہت بگ کے بعد
ج شکی اور پروہتوں کی شکی نے اکٹھا ہو کر بھارت کے جن
نہوں کو لکھا بنا دیا تھا۔ اُس کے بعد اس دیہی کے اوپر
دیہیوں کے آکرمن شروع ہوئے اور اُن آکرمنوں کے پل-سروپ
ارتھ سماج ہے جس اور بے دم ہو گیا۔ ویدی شکی ایتھس لکھا
اُن نے لکھا کہ بھارت واسیوں کی یہی دین ہیں دشا
-ایہاویک دشا ہے اور ہیشہ کی دشا ہے۔ اُنہوں نے لکھا کہ
بارتھ ایک لہم جنگلی قوم ہے۔ اُن لوگوں کو نہ ٹھیک سے کھانا
تا ہے، نہ ٹھیک سے کپڑے پہننا آتا ہے، نہ انہیں بچھونے کا
سعمال آتا ہے اور نہ اچھے مکانوں میں رہنا آتا ہے۔ ویدیہوں
ہی انہیں چوتھ - چھن پہننا سکھایا۔ پاؤں میں بوت جوتا
پہننا سکھایا۔ پلو، پڑاٹھا، سنج کباب، حلوہ کھانا سکھایا اور
یساری دور کرنے کے لئے حکیمی اوشدھی کا ویوہار کرنا سکھایا۔

اور ہم لوگ ہاھا کر کرتے ہوئے کہہ لے یہی ہماری ویدک
ریہ سہیتا ہے۔ چتر پروہت وری، اپنی ذاتی خود غرضیوں
نے لئے بھارتیہ سہیتا کے بارے میں جس کا اُس سمہ 'ہندو
مذہب' نام پڑ گیا تھا، طرح طرح کی غلط اطلاعات جلتا کو
بنے لگا۔ اسی لئے کلک بھٹ نے ویدک شبد 'شکو' کی دیکھا
ہی۔ وہ 'اھلیک' (بلخ) دیہی میں پیدا ہوئے والی ایک
سبزی ہے۔ اُسے براہمن نہیں کھاتے لیکن شودر اُسے کھاتے
ہے۔ شکوں نے 'سہمن' کا رواج جاری کیا لیکن رگھونندن نے
دعویٰ کیا کہ یہ ویدک وہاں ہے۔ یہ بھی کہا کہ لبا کوٹ
(ویدک-آنگا) چوتھ، چھن، اڑار، بوت، جوتا وغیرہ یوں
نے ایجاد کئے ہیں اور اب بھی موزہ لوگ ایسا وشواس کرتے
ہیں۔ راماین میں جہاں جہاں 'پرہچچود' شبد آتا ہے اُس
کی دیکھا لوچن گوسوامی نے کی کہ اُس کا مطلب 'الکار' ہے۔
وہ اُنہی پلذتوں نے اعلان کیا کہ پلو، کباب اور پڑاٹھا آدمی کھانے
کی دستک یوں اور ویدیہوں کی دین ہیں۔ انگریزی ویدیا
کے پلذت کی لکھی ہوئی مشہور کتاب 'ادب اردو' (History
of Urdu Literature) میں لکھا کہ 'روٹی' لفظ ہم
نے پرتگالیوں کے پس سے پایا۔ اُن دیہی مانہہ وششت
پلذتوں کی مرہکتا سے باری ہوئی باتوں کی ناپ تول کوں کرے گا ؟
4 پلذت ہیں کہ موزہ ہیں اُس کا فیصلہ کوں کرے گا ؟

پंडیت لالو کہتے ہیں کہ 'جہاندگیر' ایسا ہے
ساتویں صدی پہلے لکھا گیا۔ جہاندگیر ایسا ہے کہ
ہی کوئی بدھیمان پکر سنگھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے
'اکھ پاوین' ارنہات سنگھ کے مانس کے ساتھ چاول دانہ
لکھا نا چاہیئے! پلو کا موجودہ سنسکرت نام 'پلان' ہے لیکن
پرائی سنسکرت کتابوں میں پلو کے لئے 'پلوین' اور 'پوین'
مانس نام استعمال کیئے گئے ہیں۔ عرب دیس میں چاول
پیدا نہیں ہوتا۔ ایران میں سکندر کے وقت سے چاول کا آہٹ
(import) شروع ہوا۔ سنسکرت 'وریہ' شبد سے پارسی
'وریہس' (Vries) 'وریانی' وغیرہ نام فارسی، عربی، سوریہ
اور آرمی زبانوں میں لیا گیا۔ * بعد میں وریہی شبد سے ہی
پوریہ، Riz، پوریہ، Rice، Reis، وغیرہ شبد بنائے گئے۔ اسی
طرح 'شواہ مانس' یعنی سوخ کباب، 'آلہٹ مانس' یعنی
شامی کباب (فیہ مانس کا بڑا)، اور پھلوں کے ساتھ پلو کھانے
کا ذکر چرک کے شاستر میں ہے۔ اسی طرح پورو داس، پوروٹھا،
روٹی آج کل کی روٹی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ سندھیا اور
نندو کے ایتھاسک سنسکرت گوتم 'رام چرت' میں روٹیکا، شبد کا
آلایہ آیا ہے۔ اوپر لکھے حوالوں سے اردو ایتھاسک اور پنڈتوں
کی عقل کی ناپ جوگہ کی جا سکتی ہے۔

بنگالا میں ایک کھاہٹ ہے—'ہاخی پاو' اور اس کے اوپر
'ویہ-کودا'۔ اسی طرح ہمارے کئی বিশ্ববিद्यालय کے پंडیتوں
کا کہنا ہے کہ भारतीय आर्य उत्तरी यूरोप से आये۔ किन्तु
مैं जानता हूँ कि बर्लिन विश्वविद्यालय के पंडितों ने नार्डिक
(Nordic) की परिभाषा देते हुये कहा है कि नार्डिक यानी लाल
मूँह और भरेवाल वाले लोग ही आर्य हैं। कुछ विश्वविद्यालयों
के अध्यापकों का कहना है कि ब्राह्मण लोग ही नार्डिकों के
वंशधर हैं। इन्हीं विद्वानों के मुताबिक मछली भात खाने
वाले बंगाली कम्बोडिया (असल में कम्बूजिया) के रहने
वाली 'मन-खेमर' जाति की सन्तान हैं। पराधीनता के अभि-
शाप के रूप में हमारे विद्वानों के ये विचार भारतीय इतिहास
और संस्कृति के लिये बेहद जहरीले साबित हो सकते हैं।
जर्मनी के ओयारवूर्क विश्वविद्यालय के संस्कृत के अध्यापक
डा॰ फान ग्लासेनाफ (जो तीन बार भारत आ चुके हैं) ने
लेखक की एक पुस्तक की समालोचना करते हुये लिखा
था—You give importance to Nazi propa-
ganda (तुम नाझियों के प्रचार को अहमियत देते हो)۔
इसका जबाब देते हुये लेखक ने लिखा था—'पहले युद्ध के
बाद हमारे कुछ भारतीय विद्यार्थी पढ़ने के लिये बर्लिन गये
थे۔ ये ही लोग भारत लौटने पर ऊपर के अद्भुत मत को
'वैज्ञानिक मत' कहकर प्रचार करने लगे۔' पता नहीं इन

हम اور رائج ہستی

پنڈت لوگ کہتے ہیں کہ 'جہاندگیر' ایسا ہے
ساتویں صدی پہلے لکھا گیا۔ جہاندگیر ایسا ہے کہ
ہی کوئی بدھیمان پکر سنگھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے
'اکھ پاوین' ارنہات سنگھ کے مانس کے ساتھ چاول دانہ
لکھا نا چاہیئے! پلو کا موجودہ سنسکرت نام 'پلان' ہے لیکن
پرائی سنسکرت کتابوں میں پلو کے لئے 'پلوین' اور 'پوین'
مانس نام استعمال کیئے گئے ہیں۔ عرب دیس میں چاول
پیدا نہیں ہوتا۔ ایران میں سکندر کے وقت سے چاول کا آہٹ
(import) شروع ہوا۔ سنسکرت 'وریہ' شبد سے پارسی
'وریہس' (Vries) 'وریانی' وغیرہ نام فارسی، عربی، سوریہ
اور آرمی زبانوں میں لیا گیا۔ * بعد میں وریہی شبد سے ہی
پوریہ، Riz، پوریہ، Rice، Reis، وغیرہ شبد بنائے گئے۔ اسی
طرح 'شواہ مانس' یعنی سوخ کباب، 'آلہٹ مانس' یعنی
شامی کباب (فیہ مانس کا بڑا)، اور پھلوں کے ساتھ پلو کھانے
کا ذکر چرک کے شاستر میں ہے۔ اسی طرح پورو داس، پوروٹھا،
روٹی آج کل کی روٹی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ سندھیا اور
نندو کے ایتھاسک سنسکرت گوتم 'رام چرت' میں روٹیکا، شبد کا
آلایہ آیا ہے۔ اوپر لکھے حوالوں سے اردو ایتھاسک اور پنڈتوں
کی عقل کی ناپ جوگہ کی جا سکتی ہے۔

بنگالا میں ایک کھاہٹ ہے—'ہاخی پاو' اور اس کے اوپر
'ویہ-کودا'۔ اسی طرح ہمارے کئی وشوڈیائیہ کے پنڈتوں کا کہنا ہے
کہ بھارتیہ آریہ آریہ یورپ سے آئے۔ کنتو میں جانتا ہوں کہ بران
وشوڈیائیہ کے پنڈتوں نے نارتک (Nordic) کی پرپیہاشا دینے
ہوئے کہا ہے کہ نارتک یعنی لال منہ اور پورے بال والے لوگ
ہی آریہ ہیں۔ کچھ وشوڈیائیوں کے ادھیپکوں کا کہنا ہے کہ
براہمن لوگ ہی نارتکوں کے ونشدر ہیں۔ انہیں ودوانوں
کے مطابق مچھلی، بونٹ، کہنے والے بنگالی کبوتیا (اصل میں
کمو جوا) کے، ہننے والی 'من کھومر' جاتی کی سنگھان ہیں۔
پراڈھینٹا کے ابیشاپ کے روپ میں ہمارے ودانوں کے یہ وچار
بھارتیہ ایتھاس اور سنسکرتی کے لئے بے حد زہریلے ثابت ہو
سکتے ہیں۔ جرمنی کے آویار وورک وشوڈیائیہ کے سنسکرت کے
ادھیپک ڈاکٹر فان گلاسیٹاف (جو تین بار بھارت آچکے ہیں)
نے لیکر کی ایک پستک کی سالچٹا کرتے ہوئے لکھا تھا—
You give importance to Nazi propaganda
(تم نازوں کے پرچار کو اہمیت دیتے ہو)۔ اس کا جواب دیتے ہوئے
لوگ نے لکھا تھا—'پہلے پدھ کے بعد ہمارے کچھ بھارتیہ ویدیانہی
پڑھانے کے لئے بران گئے تھے۔ یہ ہی لوگ بھارت لوتے پر اوپر کے ادھیپ
مت کو 'ویکونک مت' کہہ کر پرچار کرتے تھے۔' پتہ نہیں ان

* Hen kultur phlanfen des ostens.

दुनिया का यह चिरन्तन नियम है कि हुकूमत करने वाला गिरोह अपनी खुदगर्जियों को पूरा करने के लिये शासित वर्ग को अपनी विचार धारा, अपनी चिन्ता धारा, अपने आचार व्यवहार और अपने दिमागी रुझान के मुभाषिक बनाता है। यह किसी 'मतलब-बाज' की बड़ नहीं है बल्कि समाज शास्त्रियों द्वारा माना हुआ उसूल है। इसी-लिये हमने देखा है कि धीरे धीरे हममें से बहुत से सुशिक्षित हिन्दुस्तानी अपने मन प्राण में 'काले अंगरेज' बन गये हैं। मैकडो की पेशीनगोई सच साबित हो रही है। हमने बाहरी

دنیا کا یہ چرنقن فہم ہے کہ حکومت کرنے والا گردۂ اپنی خردغرضیوں کو پورا کرنے کے لئے شاست و رگ کو اپنی وچار دھارا، اپنی چٹنا دھارا، اپنے آچار و بھار اور اپنے دماغی رجحان کے موافق بٹاتا ہے۔ یہ کسی 'مطلب باز' کی ہز نہیں ہے بلکہ سماج شاستریوں دوارا مانا ہوا اصول ہے۔ اسلامہ ہم نے دیکھا ہے کہ دھیرے دھیرے ہم میں سے بہت سے سوشلسٹ هندستانی اپنے میں پران میں 'گاہ انگریز' بن گئے ہیں۔ میکالہ کی پڑھنی کوئی سچ ثابت ہو رہی ہے۔ ہم نے باہمی

دُنیا کو آنگرےآں کے ہاتھ سے دیکھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر راجندر لال مہتر اور ایشور چندر دتھا نے اس کمپوزٹ کی اپنی چھاپ نہیں تھی مگر بعد میں یہ چھاپ صاف نظر آئے گی۔ اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ انجلی تعلیم عام کا ذریعہ صرف انگریزی زبان تھی۔ اس لئے انجلی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم باہری دنیا کی دیکھا انگریزوں کے مطابق ہی کرتے تھے۔ دنیا کے جتنے انیشنٹان (Pheno-menon) ہیں۔ ان میں انگریزوں کے سوائے اور بھی دوسری جانوروں کے مت اور رائیں ہیں یہ ہمارے پیٹھے لئے لوگ ماننے کو تیار ہی نہ تھے۔ کچھ دن پہلے تک یہ حالت تھی۔ دہلی کے حلقے میں داس منورتنی کا سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے۔ آج کے آزاد بھارت میں بھی اسی داس منورتنی کی پرچھائیں جب تب گہنی ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ سات آٹھ برس کی سواندھیتا اب تک ان لوگوں کے دہرے اور چمڑے کو بھد کر دل کے اندر داخل نہیں ہو سکی۔ آج بھی ان کے دل اور دماغ نے داس منورتنی کو دوسروں ہاتھوں سے کس کر پکڑ رکھا ہے۔ اپنے من پر ان میں ہم اب تک غم، وہی غم ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جب تک غم جاتی حاکموں کی 'ہاں' میں 'ہاں' نہ ملے تب تک اس کی دنیاوی ترقی نہیں ہو سکتی۔ نوکر پیشہ لوگ اپنی نوکری میں آزاد خیالی دکھا کر کیسے ترقی کر سکتے ہیں؟ جس نے اپنے من اور اپنے دیش کو آزاد کرنے کا بیڑا دکھایا ہے یا تو اندمان میں نوراسن ملا اور یا پھانسی کا تختہ ملا۔ یہ آنکھوں کے آنچالے پن کا ویسا تھا۔ اسی لئے جب بھارت کے چلتا چھتھر میں دیکھان کی ترقی جب حکومت کے ماتحت ہوئی تب اپنی سریدھا کے مطابق 'ہاں' جی، 'ہاں' جی، کہتے ہی میں بھارتیہ ودوانوں نے شریہ اور پریم سچھا۔ اس لئے ہمارے جتنے بھی ودوان تھے ویدک، پراکیتھاسک اور بھارتیہ سبھیتا اور سلسکرتی کے پرکٹ پندت وہ سب 'ہاں' میں 'ہاں' ملنے کی نیتی سے اوپر نہ اٹھ سکے۔ 'کرنا کی اچھا کے مطابق کرم' اس اصول کو کسی نے پوری طرح سمجھا نہیں۔ جب تک نوکر ہیں تب تک شاکس درگ سے پرتی کول اپنی کوئی رائے ظاہر کرنے میں نوکری کے اوپر سلکٹ آسکتا تھا۔ جنہوں نے نوکروں کے مت کے خلاف راجندر لال مہتر کی پستک پڑھی ہے وہی اس سمس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتے ہیں۔ * خوش تسمتی سے راجندر لال سرکاری ٹھکانے نہیں تھے مگر تب بھی وہ 'بنگالی بابو' تھے۔

ایک موجودہ مثال دیکر اس پرسنگ کو بند کرونگا۔ بچلے مہاید سے پہلے ایک نوجوان کھرجی کے ساتھ 'سندھو کی

دیکھیں نوکروں کی بدھ گیا وشٹہ کی پستک۔

دیکھیں نوکروں کی بدھ گیا وشٹہ کی پستک۔

ایک موجودہ مثال دیکر اس پرسنگ کو بند کرونگا۔

* دیکھیں نوکروں کی بدھ گیا وشٹہ کی پستک۔

‘प्रागैतिहासिक सभ्यता’ को लेकर लेखक की आलोचना अक्सर होती थी। वे कहते थे—“देखा महाशय ! हमारे ही देश के लोग, हमारा ही टका पैसा पाकर मोहन-जो-दड़ो के सम्बन्ध में मिथ्या बातें बोलते हैं। किन्तु अमुक ने एक बात कही थी। उन्होंने कहा था कि ‘क्या करें भाई, चाकरी में जा हूँ।’ बाद में मैंने उनसे कहा कि अमुक महाशय ने (वह अब स्वर्ग में हैं) जो आपसे इस सम्बन्ध में कहा था क्या मैं उसे समाचार-पत्रों में प्रकाशित कर सकता हूँ ? उन्होंने जवाब दिया—“वह आज जीवित नहीं हैं। आप अगर कुछ छपवायेंगे भी तो वे उसका प्रतिवाद न कर सकेंगे। उन्होंने मुझसे यह बात निजी तौर पर कही थी, छपाने के लिये नहीं।” फिर कहा यह तो बहुत पहले कहा था और यह बात अंगरेज विद्वानों के कानों में नहीं पड़ी। मैंने बाद में समझा कि यह नौजवान खोजी महाशय भी सरकारी चाकरी के फेर में हैं और अपने नाम के साथ कोई ऐसी बात रोशनी में नहीं लाना चाहते जिससे इनके रास्ते में सरकारी नौकरी मिलने में बाधा पड़े। इन्हीं खोजी महाशय ने एक और दूसरे सज्जन से भी, जो सिन्धु सभ्यता के बारे में अनुसन्धान का काम करते हैं, सन् 1948 में कहा कि, “मैंने भूपेन्द्रदत्त से झूठी बात कही थी कि फ़लों शरुस ने मुझसे यह बात कही।” इन सज्जन ने जवाब दिया—“अब तो अङ्गरेज नहीं हैं। डरका कोई सबब भी नहीं है। अब आप सच्ची बात कह सकते हैं। आगे इसके बारे में सच्ची बात कहेंगे तो ?”

विश्वविद्यालय के अध्यापकों की जब यह हालत है तो फिर भारत के साधारण इतिहास के सम्बन्ध में सच्ची बातों की जानकारी और कहाँ मिलेगी ? हमारे दिमाग के हर एक सेल (Cell) के बीच में अब तक विराजमान है ! इसलिये हर नई ऐतिहासिक सचार्ई की बात सुनकर हमारे देश के लोग चौंक उठते हैं और कहते हैं यह—“नई बात !”

इसीलिये कहा है “धर्म राजनीति का एक जुज है।” जैसा राष्ट्र होता है वैसा ही उसका धर्म होता है। राजनीति राष्ट्र के हर अङ्ग में अनुरूप असर डालती है। राजनीति को छोड़ कर धर्म नहीं खड़ा हो सकता। आकाशवाणी यानी गैब की आवाज और निभन्ति इलहाम से धर्म का सिरजन हुआ और उसे सच कर लोगों ने फ़ौरन क़बूल कर लिया। यह अनैतिहासिक और गपखियों की कहानी है। इसीलिये पुराने जमाने में राजाओं को धर्म का यानी ‘वर्णाश्रम का नियामक और चालक’ (धर्मपाल, बिमहपाल—देखो प्रभाकर वर्धन का ताम्रलेख) कहकर पुकारा जाता था।

धर्म चूँकि सियासत का एक जुज है इसलिये अनुयायियों की राजनीति शासक के धर्म का रूप ले लेती है। दर-असल धर्म राष्ट्र को चलाने वाला एक यंत्र होता है। हिन्दु-स्तान में बार बार इसकी मिसाल देखने को मिलती है।

प्रागैतिहासिक सभ्यता को लेकर लेखक की आलोचना अक्सर होती थी। वे कहते थे—“देखा महाशय ! हमारे ही देश के लोग, हमारा ही टका पैसा पाकर मोहन-जो-दड़ो के सम्बन्ध में मिथ्या बातें बोलते हैं। किन्तु अमुक ने एक बात कही थी। उन्होंने कहा था कि ‘क्या करें भाई, चाकरी में जा हूँ।’ बाद में मैंने उनसे कहा कि अमुक महाशय ने (वह अब स्वर्ग में हैं) जो आपसे इस सम्बन्ध में कहा था क्या मैं उसे समाचार-पत्रों में प्रकाशित कर सकता हूँ ? उन्होंने जवाब दिया—“वह आज जीवित नहीं हैं। आप अगर कुछ छपवायेंगे भी तो वे उसका प्रतिवाद न कर सकेंगे। उन्होंने मुझसे यह बात निजी तौर पर कही थी, छपाने के लिये नहीं।” फिर कहा यह तो बहुत पहले कहा था और यह बात अंगरेज विद्वानों के कानों में नहीं पड़ी। मैंने बाद में समझा कि यह नौजवान खोजी महाशय भी सरकारी चाकरी के फेर में हैं और अपने नाम के साथ कोई ऐसी बात रोशनी में नहीं लाना चाहते जिससे इनके रास्ते में सरकारी नौकरी मिलने में बाधा पड़े। इन्हीं खोजी महाशय ने एक और दूसरे सज्जन से भी, जो सिन्धु सभ्यता के बारे में अनुसन्धान का काम करते हैं, सन् 1948 में कहा कि, “मैंने भूपेन्द्रदत्त से झूठी बात कही थी कि फ़लों शरुस ने मुझसे यह बात कही।” इन सज्जन ने जवाब दिया—“अब तो अङ्गरेज नहीं हैं। डरका कोई सबब भी नहीं है। अब आप सच्ची बात कह सकते हैं। आगे इसके बारे में सच्ची बात कहेंगे तो ?”

शुद्धियाँ के अध्यापकों की जब यह हालत है तो फिर भारत के साधारण इतिहास के सम्बन्ध में सच्ची बातों की जानकारी और कहाँ मिलेगी ? हमारे दिमाग के हर एक सेल (Cell) के बीच में अब तक विराजमान है ! इसलिये हर नई ऐतिहासिक सचार्ई की बात सुनकर हमारे देश के लोग चौंक उठते हैं और कहते हैं यह—“नई बात !”

इसीलिये कहा है “धर्म राजनीति का एक जुज है।” जैसा राष्ट्र होता है वैसा ही उसका धर्म होता है। राजनीति राष्ट्र के हर अङ्ग में अनुरूप असर डालती है। राजनीति को छोड़ कर धर्म नहीं खड़ा हो सकता। आकाशवाणी यानी गैब की आवाज और निभन्ति इलहाम से धर्म का सिरजन हुआ और उसे सच कर लोगों ने फ़ौरन क़बूल कर लिया। यह अनैतिहासिक और गपखियों की कहानी है। इसीलिये पुराने जमाने में राजाओं को धर्म का यानी ‘वर्णाश्रम का नियामक और चालक’ (धर्मपाल, बिमहपाल—देखो प्रभाकर वर्धन का ताम्रलेख) कहकर पुकारा जाता था।

धर्म चूँकि सियासत का एक जुज है इसलिये अनुयायियों की राजनीति शासक के धर्म का रूप ले लेती है। दर-असल धर्म राष्ट्र को चलाने वाला एक यंत्र होता है। हिन्दु-स्तान में बार बार इसकी मिसाल देखने को मिलती है।

राजनीति को ठीक से समझने के लिये धर्म को उसी तरह गढ़ा जाता है, अगर इस मसले को हम यथार्थवादी मुक्ते नज़र से देखें तो हमें दिखाई देगा कि छान्दोग्य उपनिषद् के पांचाल राज प्रवाहन जैवाली के समय से लेकर अंगरेज़ी राज के बरतक इसकी नज़ीरें मिलेंगी, राजा और राष्ट्र की सुविधा के मुताबिक ही धर्म अपना रूप गढ़ता है, अशोक ने अपने मत के अनुसार राष्ट्र के गठन का प्रयत्न किया, बंगाल के सूर, बर्मन और सेन राजाओं ने प्राचीन बौद्ध संस्कृति को जड़मूल से उखाड़कर उसकी जगह ब्राह्मणवाद को अपनाया, इस समाने में भवदेव भट्ट ने नई स्मृति चलाई और जीभूतब्राह्मण 'दाय भाग' नामक नये आईन के प्रयोक्ता थे, ये सब मिसालें इस सामाजिक सचाई की गवाह हैं, इसके बाद हम देखते हैं कि बंगाल में हुसेन-शाह सत्यपीर (हिन्दुओं के सत्यनारायण) की पूजा जारी करते हैं व उसके पृष्ठ पोषक बनते हैं, उसके बाद अकबर द्वारा अपने नये धर्म देने इलाही का प्रचार होता है, फिर औरंगजेब सबरदस्ती जनता के ऊपर अपना धर्म लादने की कोशिश करता है, फिर हम देखते हैं कि दिल्ली दरबार में रानी बिकटोरिया को 'भारत की साम्राज्ञी' कहकर पुकारा जाता है और अंगरेज सरकार केवश चन्द्र सेन, स्वामी दयानन्द और सय्यद अहमद को मिलाकर एक सार्वजनीन धर्म संगठित करने की कोशिश करती है,* इन सब मिसालों से इसी समाजी उसूल पर रोशनी पड़ती है कि एक राष्ट्र, एक राजा, एक नेशन, एक धर्म—यही हमेशा से साम्राज्यवादियों की कामना रही है, यह कोई नई बात नहीं है, इतिहास उसे बार बार दोहरा रहा है.

इन तथ्यों से स्पष्ट है कि राजनीति के क्षेत्र से धर्म को अलग नहीं किया जा सकता, जैसी राजनीति होगी उसी तरह धर्म का क्रम विकास और रूप होगा। बुनियादी तौर पर सब धर्म Anthropological religion होते हैं यानी जातियों की अभिव्यक्ति के साथ धर्म का भी विवर्तन होता है, जो लोग धर्म को ईश्वर कृत या इलहामी मानते हैं उनसे पूछा जा सकता है कि काल की दूरबीन लेकर बहुत दूर गुजरे हुये जमाने से अब तक यदि नजर दौड़ाई जाय तो दिखाई देगा कि आज जिसे ईश्वर प्रेरित, इलहामी या अपौरुषेय, और ऋषियों द्वारा बताया निर्भान्त सत्य कहा जाता है वह दूर जमाने के एक बीज का ही तरक्की किया हुआ रूप है। इस पर उसी बीज की छाप होती है, रिगवेद के यज्ञ के 'ब्रह्मा' (सायण ने इस शब्द के सात अर्थ किये हैं) बाद में सृष्टि के बनाने वाले ब्रह्मा के रूप में पूजे जाने लगे, बाद में ब्रह्मा ने 'शत ब्रह्मा' व 'सहस्र ब्रह्मा' के रूप ब्रह्मदेव से उपदेश सुना, फिर उपनिषदों में

راجہ نبی کو ٹھیک سے چلانے کے لئے دھرم کو اسی طرح گڑھا جاتا ہے۔ اگر اس مسئلے کو ہم بھارتیوں کی نقطہ نظر سے دیکھیں تو ہمیں دکھائی دے گا کہ چاندوگڑھ آپس کے پانچواں راجہ پوراہن جیواہری کے سہ سے لیکر انگریزی راجہ کے وقت تک اس کی نظریں ملتی تھی۔ راجہ اور راشٹر کی سویدھا کے مطابق ہی دھرم اپنا روپ گڑھتا ہے۔ اشوک نے اپنے مت کے انوسار راشٹر کے گھن کا پریتن کیا۔ ہنگال کے سور، ہرم اور سین راجاؤں نے پراچین بودھ سلسلہ کو جوڑ کر اس کی جگہ براہمن واد کو اپنایا۔ اس زمانے میں بودھیوں نے نئی اسمرتی چلائی اور جیہوت واہن 'دائے بھاگ' نامک نئے آئین کے پریتن تھے۔ یہ سب مثالیں اس سماجک سچائی کی گواہ ہیں۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہنگال میں حسین شاہ ستیہ پور (ہندوؤں کے ستیہ نارین) کی پوجا جاری کرتے ہیں و اس کے پرستار پوشک بنتے ہیں۔ اس کے بعد اکبر دارا اپنے نئے دھرم دین اہی کا پرچار ہوتا ہے۔ پھر اورنگ زیب زہرستی جنتا کے اوپر اپنا دھرم لانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دلی دربار میں رانی وڈوہیا کو 'بھارت کی سامراجی' کہہ کر پکارا جاتا ہے اور انگریز سرکار کشو چندر سین، 'سامی دھانند اور سہد احمد کو ملا کر ایک سارو جنہن دھرم سنگتہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان سب مثالوں سے اسی سماجی اصول پر روشنی پڑتی ہے کہ ایک 'راشٹر' ایک 'راجا' ایک 'نیشن' ایک دھرم—یہی ہمیشہ سے سامراجہ وادیوں کی کامنا رہی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انہاس اُسے بار بار دہرا رہا ہے۔

ان تہذیبوں سے صاف ہے کہ راج نیستی کے چھپرے سے دھرم کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسی راج نیستی ہوگی اسی طرح دھرم کا کرم وکس اور روپ ہوگا۔ بنیادی طور پر سب دھرم Anthropological religion ہوتے ہیں یعنی جاتوں کی ابھوریکتی کے ساتھ دھرم کا بیبی دیورقن ہوتا ہے، جو لوگ دھرم کو ایشور کرت یا الہامی مانتے ہیں اُن سے پوچھ جا سکتا ہے کہ کل کی دوربین لیکر بہت دور گزرے ہوئے زمانے سے اب تک دیی نظر دہرائی جائے تو دکھائی دےگا کہ آج جسے ایشور پرہرت، الہامی یا آپوروشرنہ، اور رشیموں دورا بتایا نہرہرانت ستیہ کہا جاتا ہے وہ دور زمانے کے ایک ہیج کا ہی ترقی کیا ہوا روپ ہے۔ اِس پر اُسی ہیج کی چھاپ ہوتی ہے۔ رگوبد کے یکہ کے 'ہرہما' (ساین نے اِس شبد کے سات اوتہ تھے ہیں) بعد میں سرشتی کے بنانے والے ہرہما کے روپ میں پوچھ جانے لگے۔ بعد میں ہرہما نے 'شبت ہرہما' وسسٹر ہرہما کے روپ بدھ دیو سے اُبدیہیں سنا۔ پھر اُنشدوں میں

برہما 'برہما' کے پد پر پڑھتے ہیں اور آنت میں ساویتری کے अभिराप से ब्रह्मा अपने पद से पदच्युत होकर ब्रह्मा का भारत से लोप हो जाता है.*

इसी तरह प्रागैतिहासिक जमाने का Yave यहूदी कौम का सर्वशक्तिमान 'जेहोवा' (Jehovah) हो जाता है. इसी तरह सेमेटिक जातियों के रेगिस्तान में 'एलि,' 'एल,' 'एलियन' और उसके बाद वही कुरान में 'अल्लाह' बन जाते हैं. भगवान की धारणा का यही जातितात्त्विक (enthrological) रूप है. वैदिक 'भग' देवता ही बाद में सृष्टि कर्ता भगवान बन गये. रूस में इनकी Bugus नाम से पूजा होती है. जैसे जैसे कौम की राजनीति का चक्र घूमता है वैसे वैसे क्रिया कांड, ध्यान धारणा और भगवान के रूप की अभिव्यक्ति होती है. इसी नुस्ते नज़र से हम आर्यों की राजनीतिक और समाजनीतिक प्रगति पर ज़रा गौर करें. आर्यों की जातिगत संस्कृति को ज़रा देखें. आर्य सोमरस पीने वाले, हल्दी रंग की ढाढ़ी वाले, और हल्दी रंग के कपड़े पहनने वाले और उनके नेता 'हरित' (हल्दी रंग के) घोड़े पर सवार इन्द्र हैं जिन्होंने सम्बर असुर को ध्वंस किया. वही पुराणों के इन्द्र बनकर दैत्य और असुरों के हाथों पराजित होते हैं. इसका सबब क्या है? इसका सबब यह है कि आर्यों के नेता इन्द्र की हैसियत अब बेहद घट गई थी, उसके सर पर ब्रह्मा, विष्णु और महेश्वर बैठा दिये गये थे. इन्द्र खाली स्वर्ग का इन्तज़ाम करने वाला रह गया. इन्द्र को बार बार पराजित होने वाला दिखाकर त्रिमूर्ति की प्रतिष्ठा जो क्रायम करनी थी. स्वर्ग के ऊपर भी और दूसरे लोकों की कल्पना करके इन्द्र का दर्जा बेहद घटा दिया गया. 'महेश्वर,' महाभारत के मुताबिक, सबसे बड़ा देवता बन जाता है. (वाकाटक और भारशिबों के वक्त महेश्वर की पूजा सबसे प्रधान पूजा ऐलान की गई). लेकिन गुप्तों के जमाने में विष्णु की पूजा सबसे मुख्य पूजा करार दी गई.

यह भी देखा जाता है कि हर जमाने में हुकूमत करने वाले समाज को अपनी राय का बनाने के लिये धर्म पुस्तकें तैयार कराते हैं और नये नये क्रिया कांड और आचार व्यवहार जारी करते हैं. चण्डाशोक ने 'धर्माशोक' बनकर स्त्रियों से सम्बन्धित कई आचार व्यवहार बदले. बुद्ध की ज़िन्दगी को लेकर तरह तरह की जात्राएँ, और क्रीड़ा प्रदर्शन जारी किये गये. (जिस तरह ईसा की ज़िन्दगी को लेकर Passion play शुरू किये गये). वाकाटक और भारशिबों के समय भारत में शिव के मन्दिर बनाये जाने लगे; ब्राह्मणों को ग्रामदान मिलने लगा; यज्ञ वगैरह फिर से जारी किये गये और शिव को लेकर अनेक पुराण लिखे गये.

बहुत गुप्तरे हुये जमाने के इतिहास में न जाकर अगर हम बंगाल के इतिहास पर ही नज़र डालें तो देखेंगे कि बौद्ध

برہما 'پرہم' کے پد پر پڑھتے ہیں اور آنت میں ساویتری کے अभिराप से ब्रह्मा अपने पद से पदच्युत होकर ब्रह्मा का भारत से लोप हो जाता है.*

اسی طرح پراگیتھاسک زمانے کا Yave یہودی قوم کا سرشکتمان 'جہووا' (Jehovah) ہو جاتا ہے. اسی طرح سیمٹک جاتوں کے ریگستان میں 'ایلی,' 'ایل,' 'ایلین' اور اُس کے بعد وہی قرآن میں اللہ بن جاتے ہیں. بھگوان کی دھارنا کا یہی جاتیاتھوک (enthrological) روپ ہے. ویدک 'بگ' دیوتا ہی بعد میں سرشتی کرنا بھگوان بن گئے. روس میں ان کی Bugus نام سے پوجا ہوتی ہے. جیسے جیسے قوم کی راج نیٹی کا چکر گھومتا ہے ویسے ویسے کربا کاند' دھیان دھارنا اور بھگوان کے روپ کی ابھوبکتی ہوتی ہے. اسی نقطہ نظر سے ہم آریوں کی راج نیٹک اور سماجک پرگتی پر ذرا غور کریں. آریوں کی جاتیاتک سنسکرتی کو ذرا دیکھیں. آریہ سوم رس پینے والے; ہلدی رنگ کی داڑھی والے اور ہلدی رنگ کے کپڑے پہننے والے اور ان کے نیٹا 'ہرت' (ہلدی رنگ کے) گھوڑے پر سوار اُندر ہیں جنہوں نے سمیر اسور کو دھونس کیا. وہی پرائوں کے اُندر بن کر دیتے اور اسوروں کے ہاتھوں پر راجت ہوتے ہیں. اِس کا سبب کیا ہے؟ اِس کا سبب یہ ہے کہ آریوں کے نیٹا اُندر کی حیثیت اب بے حد گھٹ گئی تھی; اُس کے سر پر برہما' وشنو اور مہیشور بیٹھا دیئے گئے تھے. اُندر خالی سورگ کا انتظام کرنے والا رہ گیا. اُندر کو بار بار پراجت ہونے والا دکھا کر تریمورتی کی پرستشہا جو قائم کرنی تھی. سورگ کے اوپر بھی اور دوسرے لوگوں کی کاہنا کر کے اُندر کا درجہ بے حد گھٹا دیا گیا. 'مہیشور' مہابھارت کے مطابق سب سے بڑا دیوتا بن جاتا ہے. (واکتک اور بھارشیوں کے وقت مہیشور کی پوجا سب سے پردھان پوجا اعلان کی گئی). لیکن گہتوں کے زمانے میں وشنو کی پوجا سب سے مکھیہ پوجا قرار دی گئی.

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہر زمانے میں حکومت کرنے والے سماج کو اپنی رائے کا بنانے کے لئے دھرم ہستیں تیار کرتے ہیں اور نئے نئے کربا کاند اور آچار ویبھار جاری کرتے ہیں. چنڈاشوک نے 'دھرماشوک' بن کر استریوں سے سلطنت کئی آچار ویبھار بدلے. بدھ کی زندگی کو لیکر طرح طرح کی جاترائیں اور کربا پررشن جاری کئے گئے. (جس طرح عیسیٰ کی زندگی کو لیکر Passion Play شروع کئے گئے). واکتک اور بھارشیوں کے سئم. بھارت میں شو کے مندر بنائے جاتے تھے; براہمنوں کو کرام دان ملنے لگا; بیکہ وغیرہ پیر سے جاری کئے گئے اور شو کو لیکر ان کے یوان لکھے گئے.

بہت گزیرے ہوئے زمانے کے ایتھاس میں نہ جاکر اگر ہم بنگال کے ایتھاس پر ہی نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ ہردھ

ماسن کو ختم کر کے راتھ کے شوروں، ہرمیوں، اور گور کے سین
ناسکوں نے پرائیویٹوآں کو جاری کرنے کی بے حد کوششیں کیں۔
س کے لئے قلعہ سے ساکنک براہیل کو بلایا گیا۔ یہودیہ ہوسٹ کے
ٹی ایسمرتی بلائی۔ فنی کریا کرم، اور نئے پاٹھ سنٹر بلائے گئے۔
پیتھوتواہن کی 'دایرتن' ہلال سین کی 'دان ساگر' ہالیدہ کی
رعدن 'سروس' آدمی ایکسو بستھی لکھاؤئی گئیں۔

پھرتی ہے مستحکمت ؛ اور اُن کے بھائی نے اُنہیں بدھتی ،
سنگ لگتی . اِس طرح بدھ سنسکرتی کو ہر پرکار سے مقابلے
کی کوشش کی گئی . یہ سب باہر سے آئے ہوئے براہمن وادی غیر
نگالوں کو آرا لڑایا گیا . اِسی لئے بنکم چندر نے آکشیپ کیا تھا .
، بنگال کا راجتو قنوج تک ہے . دیوال دتو ، ملا بدھ ، شری
رہن آدمی کی اِستریاں ہی بنگال کے دل اور دماغ پر چھا
لیں . سرگتھ ہر پوساد شاستری نے لکھا تھا — 'بنگالی ایک
قاتی ہے جو اپنے کو بھول چکی ہے . * بنگالی اِس بات کو
بھول گئے ہیں کہ دھرم پال نے کس پرکار بنگال کو سارو بھوم
حکومت بنایا تھا اور کس طرح دھندلہن کے جنگی ہاتھوں نے
جنگ کی توجہ سے کامروپ راجپہ کو ہرایا تھا . بنگالی یہ بھی بھول
گئے ہیں کہ کس طرح 'ہی' ! 'ہی' ! (war cry) کے
ساتھ اُن کی نو سوئائیں جنگی نعرے لگا کر حملہ کرتی تھیں .
نگالی یہ بھی بھول گئے ہیں کہ کس طرح جاوا اور سنگیل میں
نگالی ویاپاری تجارت کے لئے جایا کرتے تھے . (دیکھو چاند
بھنٹی اور شریمنت آدمی اپانکھان) زمین کوہد کر تاسراہتی کا
جو پراچین دیہو سہن شہر نلا ہے اُس کا ذکر صرف کہانہوں
میں ملتا ہے .

شریلی سنگرام اسی بھانک روپ سے کام کرتا ہے۔ آپسی حملہ اور جوابی حملہ اور ہند کی بھونا میں لکھ ہوئے لوگوں کے بارے میں شانتی پور میں بھشم نے کہا ہے—”پورو دیس کے لوگ سب شاستروں کے وشارد یعنی جانکار ہیں۔“ انہوں نے انکالوں کو آج سب لوگ ’بھات کھاؤ‘ بنگالی کہہ کر پکارتے ہیں۔ آج بنگالی جنگ کا نام سن کر کانپنے لگتے ہیں۔ بنگالی بہ لکھکر درخولست دینے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔

”We are a cowardly people !“

اِس لئے ہم کہتے ہیں کہ راج نہیتی کے ساتھ دھرم کا گہرا
تعلق ہے۔ حکومت کرنے والے جس طرح راج نہیتی کو چاہتے
ہیں اُس دیش میں وہاں کی سنسکرتی اُسی کے مطابق
رہا لیتی ہے۔

[باقی ہے]

* پرمیمان ساهتہ میدان سے سہاپتی کا اہم ہاشن .

ڈاکٹر لاتیف دفتری ایم. اے. ڈی. فیل.

ڈاکٹر لطیف دفتری ایم. اے. ڈی. فیل.

کریب آٹھ صدیوں تک بنگال مسلمانوں کی حکومتوں کے ماتحت رہا۔ اس سارے زمانے میں بنگال کے ہندو-مسلمان ایک دوسرے سے مل کر مل کر آپسی باہمی چارے کے ساتھ رہتے رہے۔ کبھی کبھی کوئی تاجدار بنگال کی گدی پر بیٹھا پر وہ اپنی ناکامی سے بنگال کے ہندووں کو زیادہ نہیں پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ زیادہ تر شمسوں اور عام جلتا بنگال میں ہندو مسلمانوں کے سانسرتک میل جول میں ہی ہو گیا۔ ہندو مسلمانوں میں مذہبی کٹھنوں کا اس زمانے میں بہت کم تھا۔ سچ میں اور ذاتی دھرم میں پریم مکتا اور باہمی چارے کی بھاننا ہی دکھائی دیتی تھی۔

ہندو مسلمانوں کے سانسرتک میل جول کو بنگال کے جن سلطانوں نے بڑھا دیا ان میں سلطان غیاث الدین، نصیر شاہ، حسین شاہ اور ان کے علاوہ صوبیدار پراگل خان، چوٹے خان، آدمی کے نام خاص ہیں۔ مہتمل کوئی دیکھتی ہے نصیر شاہ کی پختہ تعریف کی ہے۔

نصیر شاہ نے بنگال پر چالیس برس تک یعنی سن 1325 عیسوی تک راج کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نصیر شاہ نے ہی پہلے پہل مہابھارت کا سنسکرت سے بنگالی ترجمہ کرایا۔ حسین شاہ کا زمانہ (15 ویں صدی) تو بنگال سمیت کا سہلا بگ تھا۔ جس طرح انڈینڈ کی رانی ایلزبتھ (16 ویں صدی) نے سمیت کو اپنا سرکشن دیا اور اسپینسر، مہرلی، شیکسپیر اور دوسرے انہک سمیتوں کو بڑھا دیا اور راجا شہ نے اسی طرح بنگال کے چکرورنی راجا حسین شاہ نے بنگال سمیت کو پرتسائن دیکر پرتسہ بنگالی کوئی ملدھر بسو، بچے گوت، جسو راج خان اور انہک سمیتوں کو سرکشن، آبھار اور اشرے دیا۔

حسین شاہ کے زور دینے پر ہی سن 1480 میں ملدھر بسو نے بھاگوت کا سنسکرت سے بنگالی انواد کیا۔ اس انواد کے پورا ہو جانے پر حسین شاہ نے ملدھر بسو کو "گدراج خان" کا خطاب دیا۔ پرتسہ بنگالی کوئی بچے گوت نے لکھا ہے کہ حسین شاہ نے بنگال سمیت کو جتنا پرتسائن دیا اتنا کسی دوسرے راجا نے نہیں دیا۔ کوئی جسو راج خان کہتا ہے—"چکرورنی سمرات حسین شاہ" جو کہ پرتسوں کے ابھوشن میں، کویتا کی بھانناؤں سے خوب واقف ہیں اور وہ ان کی بڑی سنجیدگی سے جان بچھرتے ہیں۔"

نصیر شاہ نے بنگال پر چالیس برس تک یعنی سن 1325 عیسوی تک راج کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نصیر شاہ نے ہی پہلے پہل مہابھارت کا سنسکرت سے بنگالی ترجمہ کرایا۔ حسین شاہ کا زمانہ (15 ویں صدی) تو بنگال سمیت کا سہلا بگ تھا۔ جس طرح انڈینڈ کی رانی ایلزبتھ (16 ویں صدی) نے سمیت کو اپنا سرکشن دیا اور اسپینسر، مہرلی، شیکسپیر اور دوسرے انہک سمیتوں کو بڑھا دیا اور راجا شہ نے اسی طرح بنگال کے چکرورنی راجا حسین شاہ نے بنگال سمیت کو پرتسائن دیکر پرتسہ بنگالی کوئی ملدھر بسو، بچے گوت، جسو راج خان اور انہک سمیتوں کو سرکشن، آبھار اور اشرے دیا۔

حسین شاہ کے زور دینے پر ہی سن 1480 میں ملدھر بسو نے بھاگوت کا سنسکرت سے بنگالی انواد کیا۔ اس انواد کے پورا ہو جانے پر حسین شاہ نے ملدھر بسو کو "گدراج خان" کا خطاب دیا۔ پرتسہ بنگالی کوئی بچے گوت نے لکھا ہے کہ حسین شاہ نے بنگال سمیت کو جتنا پرتسائن دیا اتنا کسی دوسرے راجا نے نہیں دیا۔ کوئی جسو راج خان کہتا ہے—"چکرورنی سمرات حسین شاہ" جو کہ پرتسوں کے ابھوشن میں، کویتا کی بھانناؤں سے خوب واقف ہیں اور وہ ان کی بڑی سنجیدگی سے جان بچھرتے ہیں۔"

حسین شاہ کے زور دینے پر ہی سن 1480 میں ملدھر بسو نے بھاگوت کا سنسکرت سے بنگالی انواد کیا۔ اس انواد کے پورا ہو جانے پر حسین شاہ نے ملدھر بسو کو "گدراج خان" کا خطاب دیا۔ پرتسہ بنگالی کوئی بچے گوت نے لکھا ہے کہ حسین شاہ نے بنگال سمیت کو جتنا پرتسائن دیا اتنا کسی دوسرے راجا نے نہیں دیا۔ کوئی جسو راج خان کہتا ہے—"چکرورنی سمرات حسین شاہ" جو کہ پرتسوں کے ابھوشن میں، کویتا کی بھانناؤں سے خوب واقف ہیں اور وہ ان کی بڑی سنجیدگی سے جان بچھرتے ہیں۔"

حسین شاہ کے زور دینے پر ہی سن 1480 میں ملدھر بسو نے بھاگوت کا سنسکرت سے بنگالی انواد کیا۔ اس انواد کے پورا ہو جانے پر حسین شاہ نے ملدھر بسو کو "گدراج خان" کا خطاب دیا۔ پرتسہ بنگالی کوئی بچے گوت نے لکھا ہے کہ حسین شاہ نے بنگال سمیت کو جتنا پرتسائن دیا اتنا کسی دوسرے راجا نے نہیں دیا۔ کوئی جسو راج خان کہتا ہے—"چکرورنی سمرات حسین شاہ" جو کہ پرتسوں کے ابھوشن میں، کویتا کی بھانناؤں سے خوب واقف ہیں اور وہ ان کی بڑی سنجیدگی سے جان بچھرتے ہیں۔"

ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے بہت نژدیک آ رہے تھے۔ ویشوا دھرم کے ایتھاس میں مسلمان ویشنوسنتوں کی مثالیں بے حد بڑی بڑی تھیں۔ ہارہویں صدی کے بنگال میں ہندوؤں کا مسلمانوں کی درگاہوں میں مقناہی چڑھانا، قرآن پڑھنا اور مسلمانوں کے تھوہار منانا اور اسی طرح مسلمانوں کا ہندوؤں کے دھارمک رواجوں کی اور علی اور دھانا ایک عام بات تھی۔ اسی میل جول میں سے بنگال کے اندر ایک نئے دیوتا کی پوجا شروع ہوئی جسے 'ستھ پیر' کہتے تھے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ستھ پیر کی پوجا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سراج حسین شاہ اس نئے پنتھ کا سنسٹاپک تھا۔

پندرہویں صدی کے آخر میں بنگال میں مہا پرہو چیتنہ کا جنم ہوا۔ چیتنہ کے جنم سے پہلے کی حالت بیان کرتے ہوئے دنیس چنر سین لکھتے ہیں—

“براہمنوں کا پرہو بہت تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ جاتی بید نے شکنجے کی طرح سماج کی گردن کو جکڑ رکھا تھا۔... نیچی جاتیوں کے لوگ اُچی جاتیوں کے لوگوں کے جھڑموں کے نیچے آہٹے بھر رہے تھے۔ ان اُچی جاتی کے لوگوں نے نیچی جاتی والوں کے لئے دیا کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ ان لوگوں کے لئے ادھک اُونچے جہوں میں پرویش کرنے کی منامی تھی اور نئے پورائک دھرم پر اس طرح براہمنوں کا ٹھیکہ ہو گیا تھا مانو وہ کوئی بازار چھوڑ دے۔“†

مہا پرہو چیتنہ نے اس حالت پر گمبھیرتا سے وچار کیا۔ بار بار جھڑک کر وہ دشاٹن کے لیے نکلے۔ انیک سادھو اور فقروں کے ساتھ اُن کی گناں چرچا ہوئی۔ چیتنہ کے جہوں چرتو کا رچنیتا کرشن داس لکھتا ہے کہ ہندوؤں میں چیتنہ نے کئی مہینے ایک مسلمان فقیر کے ساتھ دھرم چرچا کی۔ جدو بیکچار یہ لکھتا ہے—

“چیتنہ کے جہوں کی انیک گھنٹائیں ایسی تھیں جن سے یہ بات پوری طرح صاف ہو جاتی ہے کہ چیتنہ کو مسلمانوں سے بے حد پریم تھا۔“*

چیتنہ نے گورو کی سوا اور بھکتی کا اُپدیش دیا۔ جاتی بید کی زبردست مخالفت کی۔ براہمنوں کے کرم گاندوں کو تجاہد بتایا۔ چیتنہ کے شہوں میں ہندو اور مسلمان اُونچے جاتی اور نیچے جاتی کے لوگ سبھی شامل تھے۔ چیتنہ اپنے سبھی شہوں میں ہریداس کو سب سے ادھک پکار کرتے تھے۔ ہریداس پہلے ایک مسلمان فقیر تھے بعد میں ویشوا سادھو ہو گئے۔ چیتنہ چربتا مروت میں بھولی خاں اور دوسرے پھانوں کے ویشوا دھرم قبول کرنے کا ذکر بھی ہے۔ مسلمان شاکس چیتنہ کو ایشور کا اوتار سمجھتے

ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے بے حد نژدیک آ رہے تھے۔ ویشوا دھرم کے ایتھاس میں مسلمان ویشنوسنتوں کی مثالیں بے حد بڑی بڑی تھیں۔ ہارہویں صدی کے بنگال میں ہندوؤں کا مسلمانوں کی درگاہوں میں مقناہی چڑھانا، قرآن پڑھنا اور مسلمانوں کے تھوہار منانا اور اسی طرح مسلمانوں کا ہندوؤں کے دھارمک رواجوں کی اور علی اور دھانا ایک عام بات تھی۔ اسی میل جول میں سے بنگال کے اندر ایک نئے دیوتا کی پوجا شروع ہوئی جسے 'ستھ پیر' کہتے تھے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ستھ پیر کی پوجا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سراج حسین شاہ اس نئے پنتھ کا سنسٹاپک تھا۔

پندرہویں صدی کے آخر میں بنگال میں مہا پرہو چیتنہ کا جنم ہوا۔ چیتنہ کے جنم سے پہلے کی حالت بیان کرتے ہوئے دنیس چنر سین لکھتے ہیں—

“براہمنوں کا پرہو بہت تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ جاتی بید نے شکنجے کی طرح سماج کی گردن کو جکڑ رکھا تھا۔... نیچی جاتیوں کے لوگ اُونچے جاتیوں کے لوگوں کے جھڑموں کے نیچے آہٹے بھر رہے تھے۔ ان اُونچے جاتی کے لوگوں نے نیچی جاتی والوں کے لئے دیا کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ ان لوگوں کے لئے ادھک اُونچے جہوں میں پرویش کرنے کی منامی تھی اور نئے پورائک دھرم پر اس طرح براہمنوں کا ٹھیکہ ہو گیا تھا مانو وہ کوئی بازار چھوڑ دے۔“†

مہا پرہو چیتنہ نے اس حالت پر گمبھیرتا سے وچار کیا۔ بار بار چھڑ کر وہ دیشائن کے لئے نکلے۔ انیک سادھو اور فقروں کے ساتھ اُن کی گناں چرچا ہوئی۔ چیتنہ کے جہوں چرتو کا رچنیتا کرشن داس لکھتا ہے کہ ہندوؤں میں چیتنہ نے کئی مہینے ایک مسلمان فقیر کے ساتھ دھرم چرچا کی۔ جدو بیکچار یہ لکھتا ہے—

“چیتنہ کے جہوں کی انیک گھنٹائیں ایسی تھیں جن سے یہ بات پوری طرح صاف ہو جاتی ہے کہ چیتنہ کو مسلمانوں سے بے حد پریم تھا۔“*

چیتنہ نے گورو کی سوا اور بھکتی کا اُپدیش دیا۔ جاتی بید کی زبردست مخالفت کی۔ براہمنوں کے کرم گاندوں کو تجاہد بتایا۔ چیتنہ کے شہوں میں ہندو اور مسلمان اُونچے جاتی اور نیچے جاتی کے لوگ سبھی شامل تھے۔ چیتنہ اپنے سبھی شہوں میں ہریداس کو سب سے ادھک پکار کرتے تھے۔ ہریداس پہلے ایک مسلمان فقیر تھے بعد میں ویشوا سادھو ہو گئے۔ چیتنہ چربتا مروت میں بھولی خاں اور دوسرے پھانوں کے ویشوا دھرم قبول کرنے کا ذکر بھی ہے۔ مسلمان شاکس چیتنہ کو ایشور کا اوتار سمجھتے

† Ibid.

‡ Hindu Castes and Sects, by Jadu Bhattacharya, p. 464.

یہ مذہب سراسر ایک کجی کا حال دیتا ہے جو دین کے 'بشر' کہہ کر پکارتا تھا۔

دین کے سمپر دایہ کی ایک شاخ کا نام 'کرتا' تھا۔ اس کے سمپر دایہ کے 'کرتا' کو ایک مسلمان فقیر نے ہی پالا تھا۔ اس سمپر دایہ کے آجریوں میں کئی مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کھول ایک بشر ہی آپس کرتے تھے، دن میں پانچ بار گرومنتر جپتے تھے، مانس مدیرا سے پرہیز کرتے تھے، شکرور کو پوتر دن مانتے تھے اور جات-پانت، ہندو-مسلمان عیسائی اور اونچ نیچ میں کوئی بھد نہ کرتے تھے۔

بنگال کے سمکالین ہندو گرتھوں — 'شونہ پوران'، 'دھرم پوجا پدھتی'، 'دھرم گچن' اور 'دھرم جنلی' وغیرہ میں اور ہندو گیتوں میں براہمنوں کی طرف غصہ اور بدالہ کی بھڑکائی اور مسلمانوں کے پرتی محبت کے بھڑکے ہوئے ہیں۔ ان ہندو گرتھوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سمنے کے ہنگالی مسلمان مانس سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھا ہے —

“خوکھڑ مزارب کی طرف مٹھ کیتے خدایا سے دھما مائتا ہے۔

“کوئی اٹلاہ کی پوجا کرتا ہے، کوئی اٹلی کی اور کوئی مامد سائے کی۔

“میاں کسی جیو کی ہتھا نہیں کرتا اور نہ مردار کھاتا ہے۔

“جاٹ پانت کے ہندو اب دھیرے دھیرے توت جائینگے کیونکہ دیکھو ہندو کتب کے اندر ایک مسلمان ہے۔“

مسلمان جو پہلے کھوتا کے ساتھ ایک خدا کی عبادت کرتے تھے دھیرے دھیرے ہندوؤں کے دھرمک اثر میں آکر کالی، شہلا، سوسوتی، شو، وشو آدی انیک دیوتاؤں کی آپسنا کرنے لگے۔

مشہور وجہ شمسور غازی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اسے سینے میں بھگوتی کالی نے دشن دیا اور کہا — “دیکھو! تھرا راج والے مہری پوجا عبادت کرتے ہیں۔ بدی تم ہی مہری آپسنا کرو گے اور مجھ پر ہلی چڑھاؤ گے تو اس کے عوض میں تمہیں در دونگی کہ تم آسانی کے ساتھ جنگ میں فتکھابی حاصل کرو۔“ دوسری بار یہ دیوی نے شمسیر کو دشن دیکر اپنی وہی مانگ دھوانی، اس پر غازی نے توت توتے دیوی سے کہا — “آپ ہندوؤں کی دیوی ہیں اور میں مسلمان ہوں، تب آپ کیسے میری پوجا قبول کریں گی؟“ دیوی نے اسے براہمن دوارا پوجا کرنے کے لئے راضی کیا، اور پریدام سروپ وہ اپنے سبھی بدھوں میں وجئی ہوا۔

بھارت کے سمپر دایہ کی ایک شاخ کا نام 'کرتا' تھا۔ اس کے سمپر دایہ کے 'کرتا' کو ایک مسلمان فقیر نے ہی پالا تھا۔ اس سمپر دایہ کے آجریوں میں کئی مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کھول ایک بشر ہی آپس کرتے تھے، دن میں پانچ بار گرومنتر جپتے تھے، مانس مدیرا سے پرہیز کرتے تھے، شکرور کو پوتر دن مانتے تھے اور جات-پانت، ہندو-مسلمان عیسائی اور اونچ نیچ میں کوئی بھد نہ کرتے تھے۔

بنگال کے سمکالین ہندو گرتھوں — 'شونہ پوران'، 'دھرم پوجا پدھتی'، 'دھرم گچن' اور 'دھرم جنلی' وغیرہ میں اور ہندو گیتوں میں براہمنوں کی طرف غصہ اور بدالہ کی بھڑکائی اور مسلمانوں کے پرتی محبت کے بھڑکے ہوئے ہیں۔ ان ہندو گرتھوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سمنے کے ہنگالی مسلمان مانس سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھا ہے —

“کھونکر مغرب کی طرف منہ کئے خدا سے دعا مانگتا ہے۔
“کوئی اللہ کی پوجا کرتا ہے، کوئی علی کی اور کوئی سموند سانہی کی۔

“میاں کسی جیو کی ہتھا نہیں کرتا اور نہ مردار کھاتا ہے۔
دھمی آنچ کے اوپر وہ اپنا بھوجن پکاتا ہے۔

جاٹ پانت کے ہندو اب دھیرے دھیرے توت جائینگے کیونکہ دیکھو ہندو کتب کے اندر ایک مسلمان ہے۔“

مسلمان جو پہلے کھوتا کے ساتھ ایک خدا کی عبادت کرتے تھے دھیرے دھیرے ہندوؤں کے دھرمک اثر میں آکر کالی، شہلا، سوسوتی، شو، وشو آدی انیک دیوتاؤں کی آپسنا کرنے لگے۔

مشہور وجہ شمسور غازی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اسے سینے میں بھگوتی کالی نے دشن دیا اور کہا — “دیکھو! تھرا راج والے مہری پوجا عبادت کرتے ہیں۔ بدی تم ہی مہری آپسنا کرو گے اور مجھ پر ہلی چڑھاؤ گے تو اس کے عوض میں تمہیں در دونگی کہ تم آسانی کے ساتھ جنگ میں فتکھابی حاصل کرو۔“ دوسری بار یہ دیوی نے شمسیر کو دشن دیکر اپنی وہی مانگ دھوانی، اس پر غازی نے توت توتے دیوی سے کہا — “آپ ہندوؤں کی دیوی ہیں اور میں مسلمان ہوں، تب آپ کیسے میری پوجا قبول کریں گی؟“ دیوی نے اسے براہمن دوارا پوجا کرنے کے لئے راضی کیا، اور پریدام سروپ وہ اپنے سبھی بدھوں میں وجئی ہوا۔

‘ہمام یا تار پنتی’ نامک ایک سمکالیان بنگالا مرنھ کے مسلمانان لکھک نے اپنی پستک سرسختی دہی کی پراتھنا سے شروع کی ہے۔ ایک دوسرا لکھک کریم اللہ اپنے گرنہ ‘یا ونی وشال’ میں دیرانی دیوشو کی استوتی کرتا ہے۔ ‘جمیل دلا رام’ نامک پستک کا کوئی افتاب الدین اپنے نایک سے سہت رشہوں کی پوجا کرتا ہے۔ ایک دوسرے لکھک حمید اللہ کی پستک ‘بہلول اسلدری’ میں براہمن لوگ قران کی مدد سے شہ مہورت نکالتے ہیں۔ ‘پدوں’ کا رچنیتا پرسدھ کوئی کریم علی اپنے انیک کپیتاؤں کو رادھا اور کرشن کو بھینک کرتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک فرقہ لکشمی کی آپاسنا کے گیت گا کر ہی اپنا پیٹ پالتا تھا۔ یہ لوگ اب تک یہی کرتے ہیں۔

یہ کچھ مثالیں ہیں جن سے اُس زمانے کے بنگال کے ہندو مسلمانوں کے سانسکرت میل جول کے جیون پر تہزی سی روشنی پڑتی ہے۔

یہ کچھ مثالیں ہیں جن سے اُس زمانے کے بنگال کے ہندو مسلمانوں کے سانسکرت میل جول کے جیون پر تہزی سی روشنی پڑتی ہے۔

یہ کچھ مثالیں ہیں جن سے اُس زمانے کے بنگال کے ہندو مسلمانوں کے سانسکرت میل جول کے جیون پر تہزی سی روشنی پڑتی ہے۔

رامناما دن جا کو !

دام نام دھن جا کو !

ساڈھ ٹی. ایل. بستانانی

سادھو ٹی. ایل. وسواتی

[عکاںکی ناٹک]

[ایکانکی ناٹک]

پاتر:

گورو نانک (گورو بننے سے پہلے)
کالو—گورو نانک کے پیتا
غریب—کالو کا نوکر
خزیدار—غریب، اداہج، فقہر آدی

دکھ پھلا

ستان—کالو کے घर کا ایک کمرہ

[کالو اور غریب دونوں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔
باتیں کرتے کرتے کالو گورو نانک کو آواچ دیتا ہے۔
نانک بھی مائے رکھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں
جنگ ہو رہی ہیں، مانو دے دل کی گہرائی میں کوئی
روشن نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ کالو چنکت اور کچھ غصہ میں بھرا
ہوا دکھائی دیتا ہے۔]

کالو—نانک ! تیرے तरीکنوں سے میں بہت پریشان ہوگیا
ہوں ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تہرا کیا کروں !

پتر:

گرونانک (گورو بننے سے پہلے)
کالو—گرونانک کے پیتا
غریب—کالو کا نوکر
خزیدار—غریب، اداہج، فقہر آدی
درشہ پہلا

استہان—کالو کے گہر کا ایک کمرہ

[کالو اور غریب دونوں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔
باتیں کرتے کرتے کالو گرونانک کو آواز دیتا ہے۔ ننانک دھیمے
پاؤں رکھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں
جنگ ہو رہی ہیں، مانو دے دل کی گہرائی میں کوئی
روشن نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ کالو چنکت اور کچھ غصہ میں بھرا
ہوا دکھائی دیتا ہے۔]

کالو—نانک ! تیرے طریقوں سے میں پریشان ہوگیا
ہوں ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تہرا کیا کروں !

नानक—(गाने लगते हैं)—

नानक—(गाने लगते हैं)—

साधो यह तन मिथ्या जानो !

سادھو یہ تن مٹیا جانو !

या भीतर जो राम बसत है, साँचो ताहि पिछानो ॥
यह जग है सम्पति सुपने की, देख कहा पेड़ानो ।
संग तिहारे कछु न चाले, ताहि कहा लपटानो ॥
अस्तुति निंदा दोऊ परिहरि, हरि-कीरति उर आनो ।
जन 'नानक' सब ही में पूरन, एक पुरुष भगवानो ॥

یا بھیتر جو رام بست ہے، ساँچو تاہی پیچانو ۔
یہ جگ ہے سمپتی سوپنے کی، دیکھ کہا پیڑانو ۔
سنگ تہارے کچھو نہ چالے، تاہی کہا لپٹانو ۔
استوتی نندا دوؤ پرہری، ہری کیرتی ار آنو ۔
جن 'نانک' سب ہی میں پورن، ایک پुरुष بھگوانو ۔

कालू—(गरीब से)—नानक को तलबएडी ले जाओ !
वहाँ इसके लिये एक आटे की दुकान खोल देना; यह पैसा
ला (रुपये की थैली देता है) और इसे खुश रखना, और
यह देखते रहना कि इसका रोजगार ठीक से चल
रहा है.

कालू—(غریب سے)—نانک کو تلوٹندی لے جاؤ ! وہاں
اِس نے لٹے ایک آٹے کی دوکان کھول دینا؛ یہ پیسہ لو (روپے
کی ٹھیلی دیتا ہے) اور اُسے خوش رکھنا اور یہ دیکھتے رہنا کہ
اِس کا روزگار ٹھیک سے چل رہا ہے .

गरीब—हाँ सरकार !

غریب—ہاں سرکار !

[गरीब नानक को ले जाता है. नानक उसके साथ
भजन गाते हुये जाते हैं.]

[غریب نانک کو لے جاتا ہے . نانک اُس کے ساتھ بھجن
گاتے ہوئے جاتے ہیں .]

दृश्य दूसरा

درشیه دوسرا

स्थान—आटे की दुकान

استان—آٹے کی دوکان .

[नानक दुकान में बैठे हुये हैं. एक गरीब और अराधित
आदमी वहाँ से गुजरता है. नानक तराजू में आटा तोलते
हुये उसे बुलाते हैं.]

[نانک دوکان میں بیٹھے ہوئے ہیں . ایک غریب اور
اُپامع آدمی وہاں سے گزرنا ہے . نانک ترازو میں آٹا تولتے
ہوئے اُسے بلاتے ہیں .]

नानक—क्यों भाई ! तुम तो बहुत बूढ़े, गरीब और
भूखे मालूम होते हो ? ला यह आटा लो (तराजू उसकी
तरफ बढ़ाते हैं), इसकी तुम्हें कोई क़ामत न देनी पड़ेगी !
ला इसे लो और अल्लाह के गुन गाओ !

नानक—کیوں بھائی ! تم تو بہت بوڑھے، غریب اور
معلوم ہوتے ہو ؟ لا یہ آٹا لو (ترازو اُس کی طرف بڑھاتے ہیں)
اِس کی تمہیں کوئی قیمت نہ دینی پڑیگی ! لا اسے لو اور اللہ
کے گن گلو !

(फिर एक दूमरे क़कीर को बुलाकर)—

(پھر ایک دوسرے فقیر کو بلاکر)—

ला भाई यह आटा तुम्हारे लिये है ! यह मेरी
मोहब्बत की सौगात कुबूल करो क़कीर ! और लोगों को
अल्लाह की नियामतों की बात बताओ !

لا بھائی یہ آٹا تمہارے لٹے ہے ! یہ میری محبت کی
سوغات قبول کرو فقیر ! اور لوگوں کو اللہ کی نعمتوں کی بات
بتاؤ !

(फिर एक बूढ़ी भिखमंगन को गांव में बरूवा लिये हुए
देखकर)—

(پھر ایک بوڑھی بھیمنگن کو گوت میں بچھے لٹے ہوئے
دیکھکر)—

ला मेरी माँ ! यह आटा तुम्हारे और तुम्हारे इस
देवता जैसे सुकुमार छौने के लिये है ! जाओ उसी ईश्वर की
महिमा का बखान करो !

لا میری ماں ! یہ آٹا تمہارے اور تمہارے اِس دیوتا جیسے
سुकمار چھلے کے لٹے ہے ! جاؤ اُسی ایشور کی سہما کا بھان کرو !
(پھر ایک غریب مسلمان کو دیکھکر)—

(फिर एक गरीब मुसलमान को देखकर)—

بھائی ! تیرے اندر بھی اُسی اللہ کا ظہور ہے ! اُس اللہ کا
جو سب کے اندر ہے اور سب جس کے اندر ہیں !

भाई ! तेरे अन्दर भी उसी अल्लाह का ज़हूर है ! उस
अल्लाह का जो सब के अन्दर है और सब जिसके अन्दर है !

हिन्दू जपते राम नाम, मुसलमान खुदाय,

ہندو جپتے رام نام، مسلمان خدائے،

इक्को राम रहीम है, मन में देखो लाय ।

اِکو رام رحیم ہے، من میں دیکھو لائے .

ऐ मेरे भाई, इस आटे से अपनी कोली भरलो, अपना
मुँह उस परवरदिगार की तरफ उठाओ; और उसी के पाक
नाम का सुभिरन करो !

اے میرے بھائی، اِس آٹے سے اپنی جھولی بھر لو، اپنا منہ
اُس پروردگار کی طرف اٹھاؤ؛ اور اُسی کے پاک نام کا سمرن
کرو !

(गरीब लौटकर जब दूकान पर आता है तो वहाँ भीड़ को खड़ा पाता है और नानक से कहता है)—

गरीब—तुम्हारी दूकान पर तो खरीदारों की भीड़ है. आज तो तुमने काफ़ी कमाया होगा. तुम्हारे बाप यह जान कर बहुत खुश होंगे.

नानक—मैं जानता हूँ मेरा वह पिता बहुत खुश होगा; पिता ! जिसने मुझे यहाँ भेजा है !

गरीब—अब तक तुमने कितना कमाया ?

नानक—इतना कि जिसे मैं बयान नहीं कर सकता !

गरीब—कितना ? लाओ देखूँ तुम्हारा सन्दूक ?

(सन्दूक खोलकर देखता है ता उसे छूछा पाता है)

हैं ! रुपये कहाँ हैं ?

नानक—मेरा खजाना इन आँखों से नहीं दिखाई देता !

गरीब—नानक, भइया ! बता दा रुपये कहाँ हैं, नहीं तो मैं तुम्हारे बाप से जाकर शिकायत करूँगा.

नानक—त्याग के बने मेरे रुपये हैं ! अपरिग्रह मेरी दौलत है ! तर्क दुनिया ही ज़िन्दगी की सब से बड़ी कमाई है ! और राम नाम ही सबा लेन देन है !

(वह फिर आटा तोल तोल कर गरीबों को मुफ्त देते हुये गाते हैं)—

जो नर दुख में दुख नहीं माने.

सुख सनेह अरु भय नहीं जाके, कंचन माटी जाने.

नहिं निन्दा नहिं अस्तुति जाके, लोभ मोह अभिमाना,

हर्ष सोक तें रहै नियारो, नाहिं मान अभिमाना.

आसा मनसा सकल त्यागिके, जग तें रहे निरासा,

काम क्रोध जेहि परसें नाहिंन, तेहि घट ब्रह्म निवासा.

गुरु-किरपा जेहि नर पै कीन्हों, तिन यह जुगति पिछानी,

नानक लीन भयो गोबिन्द सों, ज्यों पानी संग पानी.

गरीब-- (बहुत दुखी होकर), नानक, तुम तो बिलकुल पागल हो गये हो !

नानक—धन्य हैं ऐसे पागल ! और नियामत है यह पागल पन ! क्योंकि ये पागल असहायों और दुखियों में, उस सारी दुनिया के शाहशाह को देखते हैं जो नाना रूप और नाना भेदों में पृथ्वी में व्याप्त है ! धन्य हैं, धन्य हैं ऐसे पागल ! वे दौलत गरीबों में बाँट देते हैं और उसके नाम का महिमा कः बखान करते हैं !

दृश्य तीसरा

[नानक गाते हैं और आटा बाँटते हैं और गाते हैं. दूसरे दिन दूकान बन्द हो जाती है, आटा बचा ही नहीं जिसे गरीबों में बाँटा जाता. गरीब कालू के पास जाकर "पागल" नानक की शिकायत करता है और कालू बेहद लाल पीला हुआ आता है.]

(गरीब लौट कर जब दुकान पर आता है तो वहाँ भीड़ को खड़ा पाता है और नानक से कहता है)—

गरीब—तुम्हारी दुकान पर तो खरीदारों की भीड़ है. आज तो तुमने काफ़ी कमाया होगा. तुम्हारे बाप यह जान कर बहुत खुश होंगे.

नानक—मैं जानता हूँ मेरा वह पिता बहुत खुश होगा; पिता ! जिसने मुझे यहाँ भेजा है !

गरीब—अब तक तुमने कितना कमाया ?

नानक—इतना कि जिसे मैं बयान नहीं कर सकता !

गरीब—कितना ? लाओ देखूँ तुम्हारा सन्दूक ?

(सन्दूक खोलकर देखता है तो उसे छूछा पाता है)

हैं ! रुपये कहाँ हैं ?

नानक—मेरा खजाना इन आँखों से नहीं दिखाई देता !

गरीब—नानक, भइया ! बता दा रुपये कहाँ हैं, नहीं तो मैं तुम्हारे बाप से जाकर शिकायत करूँगा.

नानक—त्याग के बने मेरे रुपये हैं ! अपरिग्रह मेरी दौलत है ! तर्क दुनिया ही ज़िन्दगी की सब से बड़ी कमाई है ! और राम नाम ही सबा लेन देन है !

(वह फिर आटा तोल तोल कर गरीबों को मुफ्त देते हुये गाते हैं)—

जो नर दुख में दुख नहीं माने.

सुख सनेह अरु भय नहीं जाके, कंचन माटी जाने.

नहिं निन्दा नहिं अस्तुति जाके, लोभ मोह अभिमाना,

हर्ष सोक तें रहै नियारो, नाहिं मान अभिमाना.

आसा मनसा सकल त्यागिके, जग तें रहे निरासा,

काम क्रोध जेहि परसें नाहिंन, तेहि घट ब्रह्म निवासा.

गुरु-किरपा जेहि नर पै कीन्हों, तिन यह जुगति पिछानी,

नानक लीन भयो गोबिन्द सों, ज्यों पानी संग पानी.

गरीब-- (बहुत दुखी होकर), नानक, तुम तो बिलकुल पागल हो गये हो !

नानक—धन्य हैं ऐसे पागल ! और नियामत है यह पागल पन ! क्योंकि ये पागल असहायों और दुखियों में, उस सारी दुनिया के शाहशाह को देखते हैं जो नाना रूप और नाना भेदों में पृथ्वी में व्याप्त है ! धन्य हैं, धन्य हैं ऐसे पागल ! वे दौलत गरीबों में बाँट देते हैं और उसके नाम का महिमा कः बखान करते हैं !

दृश्य तेसरा

[नानक गाते हैं और आटा बाँटते हैं और गाते हैं. दूसरे दिन दुकान बन्द हो जाती है, आटा बचा ही नहीं जिसे गरीबों में बाँटा जाता. गरीब कालू के पास जाकर "पागल" नानक की शिकायत करता है और कालू बेहद लाल पीला हुआ आता है.]

कालू—तुमने मेरी खिन्दी तल्ल कर दी नानक ! तुमने अपने खान्दान का नाम जुबा दिया नानक ! तुमने नवाब की नौकरी से इनकार किया, मैंने तुम्हें यह दूकान कर दी. लेकिन तुमने दे देकर दूकान का भी सकाया कर दिया !

नानक—पिता जी ! अपने इस अज्ञान बेटे पर खफा न होइये ! यह देना ही सब से बड़ा पाना है पिता जी ! क्योंकि बीथड़ों में लिपटे हुये इन दुखियों के बेश में ही वह सारे जगत का राजा आता है !

कालू—लेकिन तुमने तो मेरी सारी दौलत लुटा दी !

नानक—मैंने यह सब उसी परम पिता के नाम पर किया जिसने मुझे यहाँ भेजा है.

कालू—मैंने तुम्हें कमाने के लिये भेजा था, लुटाने के लिये नहीं !

नानक—मुहब्बत की राह में कोई चीज नहीं लुटती पिता जी ! वह दिन दूनी रात चौगुनी बढ़ती है. सच्चाई के महल में इसका लेखा जोखा होकर भण्डार लगता जाता है.

कालू—पागलचन्द ! तुम मुझे अमीर से गरीब कर दोगे !

नानक—धन्य हैं वे गरीब, क्योंकि उनके पास रामनाम की अथाह दौलत है !

कालू—क्यों बकवास करते हो. तुम्हें कोई नहीं समझा बुझा सकता. चलो वापस. व्यापार रोजगार तुम्हारे बस का नहीं है !

नानक—पिता जी ! राम नाम ही मेरा व्यापार है ! दुखियों से ही मेरा लेन देन है ! उन्हीं के हृदय के भीतर जो सतमंजला महल है वहीं ईश्वर वास करता है और जब उसकी मेहर होती है तो वह हमारे दिलों की गाँठ खोलकर हमें त्याग में जो रहस्यमय सत्य छिपा हुआ है उसके दर्शन कराता है !

कालू—तुमने मेरी रज्जगी तल्ल कर दी नानक ! तुमने अपने खान्दान का नाम जुबा दिया नानक ! तुमने नवाब की नौकरी से इनकार किया, मैंने तुम्हें यह दूकान कर दी. लेकिन तुमने दे देकर दूकान का भी सकाया कर दिया !

नानक—पिताजी ! अपने इस अज्ञान बेटे पर खफा न हों ! यह देना ही सब से बड़ा पाना है पिताजी ! क्योंकि बीथड़ों में लिपटे हुये इन दुखियों के बेश में ही वह सारे जगत का राजा आता है !

कालू—लेकिन तुमने मेरी सारी दौलत लुटा दी !
नानक—मैंने यह सब उसी परम पिता के नाम पर किया जिसने मुझे यहाँ भेजा है.

कालू—लेकिन तुमने तो मेरी सारी दौलत लुटा दी !

नानक—मुहब्बत की राह में कोई चीज नहीं लुटती पिताजी ! वह दिन दूनी रात चौगुनी बढ़ती है. सच्चाई के महल में इसका लेखा जोखा होकर भण्डार लगता जाता है.

कालू—पागलचन्द ! तुम मुझे अमीर से गरीब कर दोगे !

नानक—धन्य हैं वे गरीब, क्योंकि उनके पास रामनाम की अथाह दौलत है !

कालू—क्यों बकवास करते हो. तुम्हें कोई नहीं समझा बुझा सकता. चलो वापस. व्यापार रोजगार तुम्हारे बस का नहीं है !

नानक—पिताजी ! राम नाम ही मेरा व्यापार है ! दुखियों से ही मेरा लेन देन है ! उन्हीं के हृदय के भीतर जो सतमंजला महल है वहीं ईश्वर वास करता है और जब उसकी मेहर होती है तो वह हमारे दिलों की गाँठ खोलकर हमें त्याग में जो रहस्यमय सत्य छिपा हुआ है उसके दर्शन कराता है !

स्वतंत्रता کی यात्रا کی تیسری پیڑی

سوئٹزرن کی یاترا کی تیسری پیڑی

(1885 سے 1920)

بھائی مگن ماریہ

سن 1885ء، ہسٹوریکل نیشنل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہسٹوریکل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہسٹوریکل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔

دوسری پیڑی کے بھائیوں نے مل کر اس سلسلہ کی تاسیس کی۔ اس سلسلہ کی تاسیس کا سال تھا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہسٹوریکل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہسٹوریکل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔

شروع کے 20 سالوں میں—1885 سے 1905 تک—اس سلسلہ کا جو کاروبار تھا، اس کے مدبروں پر اور اس کے فیصلوں پر غور کریں تو اس میں سے بہت دلچسپ سامگری حاصل ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں ایک خاص دھڑلہ میں لہے جیسی بات یہ ہے کہ کام کاج کی ترقی اور آدیشوں کے بارے میں بیس سال کے آمد کوئی خاص انگ دہشتی یا بکھ صاف نہیں ہوئے تھے۔ جس سلسلہ میں آدیش کو لیکر دوسری پیڑی چلی تھی، عام طور پر اس کو منظور کر کے کام چلایا گیا۔ دہشت کے بارے میں مقصد اور اس کے حاصل کرنے کے بارے میں بھی، 1905 کے بعد ہی ایسا صاف بید نظر آئے گا۔ سوچا کہ یاترا کی تیسری پیڑی اسی بید پر کڑی ہوئی دہشتی دی گئی ہے۔

اس بید سے منشا نرم اور گرم، یا جھال اور مبالغہ پھولیں اور نوجوانوں کی پیداوار سے ہے۔ ہند اور انگلینڈ کے اقلیتوں کے ممالک میں دونوں کی بھائی کا ایشوریہ سکوت ہے—یہی بھائیوں کے ممالک ہیں۔ ہند ایک پراچین الگ راشن ہے اور اس کے انورپ اے اپنی پرستش حاصل کرنی چاہتے، اس پر کر کے بھائیوں اور پرتکھا، جہاں بکھ کی نیو ہے۔ پارلیا مینٹری طریقہ سے ہمیں کم کر کے آگے چلنا چاہئے۔ یہ ممالک بکھ کی رہتے ہیں۔

اس بھڑ سے کام نہیں چل سکتا، سہیلی ایتنی سہولتوں سے جتنا کام کر کے راشٹر کو جگانا چاہئے یہ جہاں پکھ کی ریت ہے۔ انگریزوں کے مادھیم سے کام چلانے کی بدھتی موالوں کی اور لوک بھاشا کے مادھیم سے کام چلانے کی بدھتی جہاں کی ہے۔ اس پر کر کے ملک راستے تیسری پیڑھی میں دیکھنے کو ملے ہیں۔ بھارت سہوک کوٹھے اور لوکمانیہ تلک کی اس پیڑھی کے دوسرے کئی نام لکھے جا سکتے ہیں۔

اس پیڑھی کا دھیان دینے لایکھ ایک اہم لکھنا یہ ہے کہ راشٹر کی سہوا کے لیے زندگی وقف کرنی چاہئے، یہ بھاؤ اس یک میں صاف طور سے پرکٹ ہوا۔ راج نیتی ایک سہوا دھرم ہے، اس میں راشٹر سہوا ہے، اس میں پر یہ پیڑھی کڑی ہوئی۔ راج نیتی میں بھی مذہبی نگاہ سے کام لینا چاہئے، اس پر کار کی اڈار بھاؤنا سیاسی کلموں کو ملی۔ تیگ، بلیدان، اپنے آپ کو بھا دینا ایتنی گن راشٹر سہوک کے لئے ضروری سمجھے جانے لگے۔ بھارت سہوک سماج کی استہاپنا ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ قومیت کا بھی سہو بڑھا۔ انگریزوں پر راجیہ کے بداء سر راجیہ آنا چاہئے، ایسا بھاؤ لوگوں میں پیدا ہونے لگا۔

اسی سیاست کے علاوہ مذہبی اور روحانی رنگ بھی اس کے ساتھ لوگوں پر چڑھنے لگا، بلکہ یہ رنگ پریرنا دینے والا بنیادی رنگ تھا۔ ساموا ایک پرورشانہ کی نہو دھرم اور ادھیاتم میں سے پریت کی گئی۔ گیتا ایتادی کے ذریعہ اوپر بٹانے ہوئے جہاں سماج اور راشٹر دھرم کا سمرتھن کیا جانے لگا۔ انگریزوں کی شکشا کی نئی ودیاؤں سے ایک پرکار کے شککارا، شوٹھواد تنہا ناسٹکواد کا جو زور پڑھے لکھے درگ میں پیدا ہوتا جانا تھا، اس پر اس بات نے بہت سی اچھا اثر ڈالا۔ اس میں سومی ویریگانڈ کی دین سب سے اونچی ہے۔ سوامی شردھا ند، لالہ لاجپت، رائے، اروند گھوش، لالہ ہردیال، اپنی بسینٹ ایتادی کئی مہان وچارکوں کے نام بھی نوٹ دئے جانے چاہئیں۔ راشٹر کے اس نئے دھرم کے لئے اور نئے پرانم کے لئے نئی شکشا ہونی چاہئے، اس خیال میں سے راشٹریہ شکشا کا بھی منتر پیدا ہوا اور اس کے مختلف پریوگ شروع ہوئے۔

کئی سادھنوں کو کام میں لینا چاہئے اس کے بارے میں ہم نے توہڑا سا دیکھا۔ جہاں پکھ کے ساتھ ساتھ ترانس واد اور کرائٹکائی وچار بھی اس کال میں پر مٹ ہوئے۔ ان کی مثالیں بھی ایک خاص وشے کے طور پر دیکھنے جیسی ہیں۔

1905 سے 1915-20 تک اس پیڑھی کی سرگرمی یہاں تک پہنچی کہ کانگریس سے الگ ایک راجیہ سنسٹھا بھی قائم ہوئی، اور اس طرح آخر میں دونوں دل ویسٹھت طور پر الگ ہوئے۔

اس پیڑھی کا دھیان دینے لائق ایک عام لکھن یہ ہے کہ راشٹر کی سہوا کے لئے زندگی وقف کرنی چاہئے، یہ بھاؤ اس یک میں صاف طور سے پرکٹ ہوا۔ راج نیتی ایک سہوا دھرم ہے، اس میں راشٹر سہوا ہے، اس میں پر یہ پیڑھی کڑی ہوئی۔ راج نیتی میں بھی مذہبی نگاہ سے کام لینا چاہئے، اس پر کار کی اڈار بھاؤنا سیاسی کلموں کو ملی۔ تیگ، بلیدان، اپنے آپ کو بھا دینا ایتنی گن راشٹر سہوک کے لئے ضروری سمجھے جانے لگے۔ بھارت سہوک سماج کی استہاپنا ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ قومیت کا بھی سہو بڑھا۔ انگریزوں پر راجیہ کے بداء سر راجیہ آنا چاہئے، ایسا بھاؤ لوگوں میں پیدا ہونے لگا۔

اسی سیاست کے علاوہ مذہبی اور روحانی رنگ بھی اس کے ساتھ لوگوں پر چڑھنے لگا، بلکہ یہ رنگ پریرنا دینے والا بنیادی رنگ تھا۔ ساموا ایک پرورشانہ کی نہو دھرم اور ادھیاتم میں سے پریت کی گئی۔ گیتا ایتادی کے ذریعہ اوپر بٹانے ہوئے جہاں سماج اور راشٹر دھرم کا سمرتھن کیا جانے لگا۔ انگریزوں کی شکشا کی نئی ودیاؤں سے ایک پرکار کے شککارا، شوٹھواد تنہا ناسٹکواد کا جو زور پڑھے لکھے درگ میں پیدا ہوتا جانا تھا، اس پر اس بات نے بہت سی اچھا اثر ڈالا۔ اس میں سومی ویریگانڈ کی دین سب سے اونچی ہے۔ سوامی شردھا ند، لالہ لاجپت، رائے، اروند گھوش، لالہ ہردیال، اپنی بسینٹ ایتادی کئی مہان وچارکوں کے نام بھی نوٹ دئے جانے چاہئیں۔ راشٹر کے اس نئے دھرم کے لئے اور نئے پرانم کے لئے نئی شکشا ہونی چاہئے، اس خیال میں سے راشٹریہ شکشا کا بھی منتر پیدا ہوا اور اس کے مختلف پریوگ شروع ہوئے۔

کئی سادھنوں کو کام میں لینا چاہئے اس کے بارے میں ہم نے توہڑا سا دیکھا۔ جہاں پکھ کے ساتھ ساتھ ترانس واد اور کرائٹکائی وچار بھی اس کال میں پر مٹ ہوئے۔ ان کی مثالیں بھی ایک خاص وشے کے طور پر دیکھنے جیسی ہیں۔

1905 سے 1915-20 تک اس پیڑھی کی سرگرمی یہاں تک پہنچی کہ کانگریس سے الگ ایک راجیہ سنسٹھا بھی قائم ہوئی، اور اس طرح آخر میں دونوں دل ویسٹھت طور پر الگ ہوئے۔

1905 سے 1915-20 تک اس پیڑھی کی سرگرمی یہاں تک پہنچی کہ کانگریس سے الگ ایک راجیہ سنسٹھا بھی قائم ہوئی، اور اس طرح آخر میں دونوں دل ویسٹھت طور پر الگ ہوئے۔

کرومی مہد کا جنم بھی اسی یوگ میں ساک ساک دیکھنے کو ملا۔ کیرکھارانا مہادیکار اس زمانہ کی خوج تھی۔ آراہا کاں جیسے نیتاؤں نے اپنی آراہا سلسلہ کی سٹاپنا کی۔ اسسے ہند کی جن جاگرتی اور اسکی سٹاپنا-ماترا میں ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ ہندی اردو بھاشا ایتھادی کی کڑوی بحث تھا ہندو وان کا جنم بھی اس یگ میں ہوچکا تھا، یہ صاف طور سے بتایا جاسکتا ہے۔

کرومی-مہد ایک مہان راٹری کارہ ہے، یہ بات ساک ہوتی ہے۔ کامپس کے لیے تو وہ ایک رچناत्मक کارہ مانا گیا۔

یہ ڈیک ہے کہ اس یوگ میں جس کرومیات کے فاسکے کی چرچا اور فیلاب ہوا، اسکی مابنا سٹاس تیر پر ہندو ڈرم کی مابا اور مابوں میں تھی۔ لیکن جان بھکر کر اسے ہوا تھا اسے نہیں کہا جاسکتا، وہ تو سواہادک ہی تھا۔ یہ بھی وہ ایک دھیمان دیکھ دیکھ بات ضرور ہے۔ کانگریس کے منچ پر تو سب قوموں کے لوگ سرو دھرم کی یعنی سچے سچے سوارچہ دھرم کی غرض سے اکٹھے ہوتے تھے اور ایکٹ کے لیے کوشش کرتے تھے۔

ایسے مہان پراکرمی یگ کا اثر انگریز حاکموں پر یونہی تھا۔ راجکیہ سدھار ہونے لگے۔ گوروں کا 'گروہار' جسے کہا جاتا ہے ایسا سوتر انوبھو میں آئے گا۔ راشٹریہ اہیمان کو ٹھیس پھونچے ایسا بھی کچھ اس پڑھی کے انگریز حاکموں کے برتاؤ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ انگریز راجہ اور ہند کی پرچا اب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہے، ایسا بھاؤ آہستہ آہستہ سرکار میں آئے گا۔ دو قوموں کا ایکٹھا ہونا ایشوری سٹکیٹ ہے، یہ بھی لوگوں کا ایسا فلسفہ اب کمزور ہونے لگا۔ اس میں جانے اُنجانے انگریز حاکم بھی وجہ ہونے لگے۔ ہند اب آزادی چاہتا ہے، یہ نعرہ زور پکڑنے لگا۔ دیشابھیمان، دیش بھکتی اور اس کے لیے تکیفیں برداشت کرنا، ایتھادی گن اس وانادوں میں داخل ہوگئے۔

اس یگ میں ایک ایشہانی دیش—جاپان—کا جو اُنہاں دیکھنے کو ملا، اس نے ایک بھاری پروردنا کا کام کیا۔ گورے راشٹر کے ساتھ ہری جھانگی کی جاسکتی ہے، یہ گھان خوداری کو بڑھانے میں سہایک سدھ ہوا۔

سن 1914 کے جنگ کا اثر اس پڑھی کی سب سے بڑی آخری گھٹنا بھی جاسکتی ہے۔ اس کے ختم ہونے کے ساتھ ہی نئی پڑھی کا اور نئے یگ کا بھی اُدھ ہوتا ہے۔ یہ چوٹی پڑھی، گاندھی جی کی پڑھی یا 'گاندھی یگ' ہے۔ اس پڑھی نے سوارچہ یا نرا کی آخری منزل طے کی۔ اس کا چار ہم آگے کرینگے۔

انوادک—شوری کنو بھائی نانا لال پٹیل

اس یوگ میں ایک ایشہانی دیش—جاپان—کا جو اُنہاں دیکھنے کو ملا، اس نے ایک بھاری پروردنا کا کام کیا۔ گورے راشٹر کے ساتھ ہری جھانگی کی جاسکتی ہے، یہ گھان خوداری کو بڑھانے میں سہایک سدھ ہوا۔

سن 1914 کے جنگ کا اثر اس پڑھی کی سب سے بڑی آخری گھٹنا بھی جاسکتی ہے۔ اس کے ختم ہونے کے ساتھ ہی نئی پڑھی کا اور نئے یگ کا بھی اُدھ ہوتا ہے۔ یہ چوٹی پڑھی، گاندھی جی کی پڑھی یا 'گاندھی یگ' ہے۔ اس پڑھی نے سوارچہ یا نرا کی آخری منزل طے کی۔ اس کا چار ہم آگے کرینگے۔

انوادک:—کنو بھائی نانا لال پٹیل

تپیدق کا टीका

تپدق کا ٹیکہ

श्री चक्रवर्ती राजागोपालाचारी

(पिछले नम्बर से आगे)

شادی چکرورتی راجاگوپالچاری

[بچلے نمبر سے آگے]

امریکا کے ڈاکٹروں نے سیکڑوں تजर بے کر کے اس خطرے کو سمجھا ہے۔ ان سب تजर بوں کو ہم یہاں نہیں دے سکتے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ٹیکہ کتنا خطرناک ہو سکتا ہے اور ہے۔ امریکہ کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں اس طرح کے تजर بے چھپتے رہے ہیں۔

اب ہم سن 1954 میں اور سن 1955 کے بڑے بڑے میڈیکل پتر پترکوں سے کچھ گھٹنائیں بیان کرتے ہیں۔ ان بیانیوں میں سے تکنیکی ڈاکٹری باتیں اور بڑے بڑے ڈاکٹری لہجہ ڈھونڈ دیے گئے ہیں۔

27 نومبر 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں لکھا ہے کہ ڈینمارک کے ایک لڑکے کو پانچ برس کی عمر میں بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ لگنے کے دو ہفتے کے اندر اسے بہت خطرناک قسم کا تپدق شروع ہو گیا اور دو سال کے اندر وہ اس بیماری سے مر گیا۔ بیماری کی تفسیل وہاں دی ہوئی ہے۔ یہ صاف دیکھا گیا کہ تپدق کے جو کپڑے لڑکے کے اندر پھیلے اور چلہوں نے آخر میں اس کی جان لے لی وہ بی۔سی۔ جی کے ہی کپڑے تھے۔

اس گھٹنا کے بارے میں جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں لکھا ہے کہ:—”اس گھٹنا سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بی۔سی۔ جی کے ٹیکے سے جو کپڑے جسم کے اندر داخل کئے جاتے۔ وہ اس سے آدمی کو اس طرح کا تپدق ہو سکتا ہے جو اس کی جان لے لے۔“

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڑھے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے داہنے بازو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھو آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڑھے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوجا، جانگھ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پورے پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

27 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں لکھا ہے کہ ڈینمارک کے ایک لڑکے کو پانچ برس کی عمر میں بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ لگنے کے دو ہفتے کے اندر اسے بہت خطرناک قسم کا تپدق شروع ہو گیا اور دو سال کے اندر وہ اس بیماری سے مر گیا۔ بیماری کی تفسیل وہاں دی ہوئی ہے۔ یہ صاف دیکھا گیا کہ تپدق کے جو کپڑے لڑکے کے اندر پھیلے اور چلہوں نے آخر میں اس کی جان لے لی وہ بی۔سی۔ جی کے ہی کپڑے تھے۔

اس گھٹنا کے بارے میں جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں لکھا ہے کہ:—”اس گھٹنا سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بی۔سی۔ جی کے ٹیکے سے جو کپڑے جسم کے اندر داخل کئے جاتے۔ وہ اس سے آدمی کو اس طرح کا تپدق ہو سکتا ہے جو اس کی جان لے لے۔“

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڑھے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے داہنے بازو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھو آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڑھے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوجا، جانگھ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پورے پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڑھے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے داہنے بازو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھو آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڑھے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوجا، جانگھ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پورے پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل اسیوسییشن میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڑھے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے داہنے بازو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھو آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڑھے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوجا، جانگھ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پورے پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

ڈاکٹر مایرس (Dr. J. A. Myers M. D.) کا لیکھا
ہوٹا ہے۔ ڈاکٹر مایرس دنیا بھر میں تپیدیک کے بڑے سے
بڑے ماہر ڈاکٹروں میں گنے جاتے ہیں۔ ان کے کھت کا کھلاسا
یہ ہے :—

جناب ایڈیٹر ساہب،

آپ کے 3 جولائی سن 1954 کے آئک میں سکا 949 پر
بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے بارے میں کسی کا ایک
سوال اور آپ کا جواب چھپا ہے۔ آپ نے اپنے جواب میں یہ کہا
ہے کہ اس ٹیکے سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا۔ اس بات
کو کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے سے کوئی خاص نقصان نہیں
ہوتا بہت سے ڈاکٹر بہت دنوں سے غلط بتا رہے ہیں۔ میں
سمجھتا ہوں کہ ان کے اس غلط بتانے کے جو کارن ہیں ان
میں سے کچھ آپ کے پانچوں کو بھی معلوم ہوئے چاہئیں۔

بی۔سی۔جی۔ کا آجکل کا टीका سن 1921 میں
دو ڈاکٹروں نے شروع کیا تھا جن کے نام کالمیٹ
(Calmette) اور گورین (Goerin) تھے۔ انہیں دونوں کے
نام پر وہ کیڑا جس کا टीका لگایا جاتا ہے بی۔سی۔جی۔
کھلاتا ہے۔ ان دونوں ڈاکٹروں نے اس टीके کے کیڑے
کا تپیدیک کی بیماری کے کیڑے سے کھاس تہر پر تہار
کیا اور سن 1924 میں یہ اعلان کیا کہ टीके کی
کھاس طور پر تہار کیا اور سن 1924 میں یہ اعلان
کیا کہ टीके کی خاص غرض کے لئے جو کیڑے انہیں نے تہار
کئے ہیں ان میں زور اور زہر دونوں اتنے کم ہو گئے ہیں کہ آدمی
کے یا جانور کے جسم میں ان سے تپیدیک پیدا نہیں ہو سکتا۔
لیکن اُس وقت سے اب تک جگہ جگہ دواخانوں میں
جو کیڑے اس ٹیکے کے لئے تیار کئے گئے ہیں اور تیار کئے جا رہے
ہیں ان میں اور سن 1924 کے ان کیڑوں میں بہت گہرا
فرق پڑ گیا ہے۔ خود ان دونوں ڈاکٹروں کے دواخانوں میں
جو کیڑے اس کام کے لئے اب تہار کئے جا رہے ہیں وہ بھی اب
پہلے والے کیڑے نہیں رہے۔ اُس کے علاوہ دو دواخانوں میں
تیار کئے ہوئے کیڑے بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہم نے
اس طرح کے تہار کئے ہوئے جتنے کیڑوں کو دیکھا ہے ہر ایک
میں بچائے اُس طرح کے کیڑے کے جو ڈاکٹر کالمیٹ نے تیار
کیا تھا ہمیں کئی طرح کے بیماریوں کے کیڑے ملتے ہیں۔ اس
سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے
کے لئے جو کیڑے تیار کئے جا رہے ہیں وہ ڈاکٹر کالمیٹ کے وقت
سے اب تک پچھلے بدل گئے ہیں اور ساتھ ہی ایک
دواخانے کے تہار ہوئے کیڑے دوسرے دواخانوں کے تہار ہوئے۔
کیڑوں سے بالکل الگ ہیں۔ کوئی دو آپس میں نہیں ملتے۔
شاید ان تبدیلیوں کے کارن ہی پچھلے پچیس برس کے اندر
جن آدمیوں یا جانوروں کے بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے لگائے
گئے ہیں ان میں خطرناک صورتحال پیدا ہوتی دکھائی دی ہیں۔
بہت سے لوگوں کے جن کے بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا اُس

ڈاکٹر مائرس (Dr. J. A. Myers M. D.) کا لیکھا ہوا ہے۔
ڈاکٹر مائرس دنیا بھر میں تپیدیک کے بڑے سے بڑے ماہر ڈاکٹروں
میں گنے جاتے ہیں۔ ان کے خط کا خلاصہ یہ ہے :—

جناب ایڈیٹر صاحب،

آپ کے 3 جولائی سن 1954 کے انک میں صفحہ 949
پر بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے بارے میں کسی کا ایک
سوال اور آپ کا جواب چھپا ہے۔ آپ نے اپنے جواب میں یہ کہا
ہے کہ اس ٹیکے سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا۔ اس بات
کو کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے سے کوئی خاص نقصان نہیں
ہوتا بہت سے ڈاکٹر بہت دنوں سے غلط بتا رہے ہیں۔ میں
سمجھتا ہوں کہ ان کے اس غلط بتانے کے جو کارن ہیں ان
میں سے کچھ آپ کے پانچوں کو بھی معلوم ہوئے چاہئیں۔

بی۔سی۔جی۔ کا آجکل کا ٹیکہ سن 1921 میں دو
ڈاکٹروں نے شروع کیا تھا جن کے نام کالمیٹ (Calmette)
اور گورین (Goerin) تھے۔ انہیں دونوں کے نام پر وہ کیڑا
جس کا ٹیکہ لگایا جاتا ہے بی۔سی۔جی۔ کہلاتا ہے۔ ان
دونوں ڈاکٹروں نے اس ٹیکے کے کیڑے کو تپیدیک کی بیماری کے
کیڑے سے خاص طور پر تیار کیا اور سن 1924 میں یہ اعلان
کیا کہ ٹیکے کی خاص غرض کے لئے جو کیڑے انہیں نے تیار
کئے ہیں ان میں زور اور زہر دونوں اتنے کم ہو گئے ہیں کہ آدمی
کے یا جانور کے جسم میں ان سے تپیدیک پیدا نہیں ہو سکتا۔
لیکن اُس وقت سے اب تک جگہ جگہ دواخانوں میں
جو کیڑے اس ٹیکے کے لئے تیار کئے گئے ہیں اور تیار کئے جا رہے
ہیں ان میں اور سن 1924 کے ان کیڑوں میں بہت گہرا
فرق پڑ گیا ہے۔ خود ان دونوں ڈاکٹروں کے دواخانوں میں
جو کیڑے اس کام کے لئے اب تیار کئے جا رہے ہیں وہ بھی اب
پہلے والے کیڑے نہیں رہے۔ اُس کے علاوہ دو دواخانوں میں
تیار کئے ہوئے کیڑے بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہم نے
اس طرح کے تیار کئے ہوئے جتنے کیڑوں کو دیکھا ہے ہر ایک
میں بچائے اُس طرح کے کیڑے کے جو ڈاکٹر کالمیٹ نے تیار
کیا تھا ہمیں کئی طرح کے بیماریوں کے کیڑے ملتے ہیں۔ اس
سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے
کے لئے جو کیڑے تیار کئے جا رہے ہیں وہ ڈاکٹر کالمیٹ کے وقت
سے اب تک پچھلے بدل گئے ہیں اور ساتھ ہی ایک
دواخانے کے تہار ہوئے کیڑے دوسرے دواخانوں کے تہار ہوئے۔
کیڑوں سے بالکل الگ ہیں۔ کوئی دو آپس میں نہیں ملتے۔
شاید ان تبدیلیوں کے کارن ہی پچھلے پچیس برس کے اندر
جن آدمیوں یا جانوروں کے بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے لگائے
گئے ہیں ان میں خطرناک صورتحال پیدا ہوتی دکھائی دی ہیں۔
بہت سے لوگوں کے جن کے بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا اُس

حک کہ پر گھاؤ اور پھوڑے نکل آئے جن سے مہینوں پہلے
اگر مواد بہتا رہا یہاں تک کہ خیمہ لگانے کے طریقہ کو
کچھ بدلنا پڑا۔ اس سے تکلیف تو گہلی لیکن پھر بھی ہر سال
اس طرح کی بہت سی گھنٹاں ہمارے سامنے آتی رہتی
ہیں۔ اس طرح کے رنگوں کو جو گھاؤ اور پھوڑے ہوتے ہیں
وہ بالکل اسی طرح کے ہوتے ہیں جس طرح کے تپدق کی
بیماری میں ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے بیماروں کا چہرہ پہاڑ کے
ذریعہ علاج کرنا پڑتا ہے۔ بہت سوں کو ایسی دوائیں دینی پڑتی
ہیں جن سے بیماری کے کڑے مر جائیں۔

بہت سے ایسے لوگوں کو جنہیں بی . سی . جی . کا ٹیکہ لگایا گیا بعد میں باضابطہ تپدق ہو گیا اور ان میں سے بہت سے تپدق سے مرہی گئے . پہلی مئی سن 1954 کے آپ کے رسالے میں صفحہ 61 پر سات ایسی گھنٹانیں درج ہیں جن میں بی . سی . جی . کے ٹیکے سے لوگوں کو کھال کی وہ گندی بیماری ہو گئی جسے لیوپس و لیکڑس کہتے ہیں . 19 جون سن 1954 کے انک میں صفحہ 773 پر ایک بہت پکی گھنٹا دی ہوئی ہے جس میں بی . سی . جی . کے ٹیکے سے ہی آدمی کو تپدق ہوا اور اسی سے اُس کی موت ہوئی . اُس آدمی کے بیس برس کی عمر میں بی . سی . جی . کا ٹیکہ لگایا گیا تھا . چہ ہفتے کے اندر وہ جگہ پھیند اُٹھی . لگ بھگ ایک سال کے بعد بیماری کی پہلی علامتیں دکھائی دیں . اُس کے بعد ہر اہر بدن کے بہت سے حصوں میں ' یہاں تک کہ پیہیہڑوں اور گردنوں میں بھی ' بیماری کے لکشن بڑھتے چلے گئے . دسمبر سن 1953 میں وہ آدمی تپدق سے مر گیا . اُس کے گھاؤں کا جب امتحان لیا گیا تو ایک نہیں بہت سے گھاؤں سے بی . سی . جی . کے ہی کپڑے ملے . ایسی گھنٹانیں بہت ہو چکی ہیں . ان سے ہمیں یہ بھی گہرا شک ہونے لگتا ہے کہ اِس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو جن کے بی . سی . جی . کا ٹیکہ لگ چکا تھا اور جنہیں اُس کے بعد تپدق ہوا اور وہ تپدق سے مرے ' اُنہیں دیی چھپی بیماری پہلے سے موجود نہیں تھی جس سے بی . سی . جی . اُنہیں نہ بچا سکی ہو بلکہ بات یہ تھی کہ اُنہوں بیماری ہوئی ہی بی . سی . جی . کے ٹیکے سے . بہر صورت بی . سی . جی . کے کپڑوں کی بابت جو پکی اور پراسانک باتیں ہمیں معلوم ہو چکی ہیں اور اُس ٹیکے سے آدمیوں اور جانوروں میں جس طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ ہمیں چونکا اور سارو دھان کر دینے کے لئے کافی ہیں . ان کی بنا پر ہم پکی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ بی . سی . جی . سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا یہ بالکل غلط ہے ' کہیں کوئی ہوی یہ بات کہہ تو یہ بالکل غلط ہے .

(دستخط) جے . اے . مائٹرس ایم . قی . وغیرہ وغیرہ .

دوسرا خت امریکا ہی کے ایک اور مشہور ڈاکٹر، ڈاکٹر سیمور ایم. فاربر (Dr. Seymour M. Farber M. D.) کا ہے جو سین ٹرانسکو کے اسپتال میں تپ دق کے مریضوں کے خاص چارج میں ہیں۔ اُن کا خط یہ ہے :—

جناب ایڈیٹر صاحب !

3 جولائی سن 1954 کے جرنل میں سفا 949 پر جو آپ نے بی۔سی۔جی۔ کی بابت ایک سوال کا جواب دیا ہے وہ مجھے کھٹکا۔ مجھے معلوم ہونا ہے کہ اُس سے پڑنے والے پر یہ پڑے گا نہ اس چیز سے جسے بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ کہا جاتا ہے۔ کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ پچھلے برسوں میں بی۔سی۔جی۔ نے ٹیکوں کی تہاری کو اچھی طرح دیکھ کر اور جانوروں اور انسانوں پر اُس کے اثر کو معلوم کر کے جو جانکاری ہمیں ملی ہے وہ اتنی اہم اور اتنی ہی ہے کہ ہمیں مجبور ہو کر یہ کہنا پڑا ہے کہ بی۔سی۔جی۔ سے نقصان نہیں ہوتا، غلط ہے۔ لگ بھگ چالیس برس ہمیں اُس کے تجربے کرنے اور اسے استعمال کرتے ہوئے۔ اور دنیا کے سارے حصوں میں تجربے کے لئے جا چکے ہیں۔ اُس سب کو سامنے رکھ کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے، بی۔سی۔جی۔ سے نقصان نہیں ہو سکتا۔ بہت سوں کی رائے اُس ٹیکے کے خلاف ہے۔ اُس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اُس معاملے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

(دستخط) ایم. فاربر ایم. ڈی. وریو، وریو۔

ڈاکٹر کے آٹکڈے

بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے سمर्थن میں جو آٹکڈے دیے جاتے ہیں، خاص کر یورپ کے ملکوں میں، اُن پر بھی آنکھ بند کر کے ایتبار کر لینا غلط ہے۔

ایڈینبرا کے فیکڈوں کی بیماری کے مشہور ڈاکٹر ایف. کئلر مین (Dr. F. Kellermann M. D.) نے 15 ستمبر سن 1954 کے انگلینڈ کے اخبار "مڈیکل پریس" میں لکھا ہے :—

"بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے نفاذ کا ٹیکہ-ٹیکہ اندازاً لگانے میں ایک بڑی مشکل یہ آ جاتی ہے کہ آرم تہر پر پھیلے پچاس برس کے اندر دنیا کے بہت سے حصوں میں تپ دق کی بیماری اور اس سے مورتیں برباد ہو رہی ہیں۔ اس معاملے میں یہ بات خاص دھیان دینے کی ہے کہ امریکہ میں کچھ ریاستوں نے اپنے یہاں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ چلایا اور کچھ نے نہیں چلایا، لیکن تپ دق کی بیماری اور اُس سے مورتیں بہت بڑی اور صاف صاف نمی انہیں ریاستوں میں ہوتی ہے جنہوں نے اپنے یہاں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ نہیں چلایا۔"

دوسرا خط امریکہ ہی کے ایک اور مشہور ڈاکٹر، ڈاکٹر سیمور ایم. فاربر (Dr. Seymour M. Farber M.D.) کا ہے جو سین ٹرانسکو کے اسپتال میں تپ دق کے مریضوں کے خاص چارج میں ہیں۔ اُن کا خط یہ ہے :—

جناب ایڈیٹر صاحب !

3 جولائی سن 1954 کے جرنل میں صفحہ 949 پر جو آپ نے بی۔سی۔جی۔ کی بابت ایک سوال کا جواب دیا ہے وہ مجھے کھٹکا۔ مجھے معلوم ہونا ہے کہ اُس سے پڑنے والے پر یہ پڑے گا نہ اس چیز سے جسے بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ کہا جاتا ہے۔ کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ پچھلے برسوں میں بی۔سی۔جی۔ نے ٹیکوں کی تہاری کو اچھی طرح دیکھ کر اور جانوروں اور انسانوں پر اُس کے اثر کو معلوم کر کے جو جانکاری ہمیں ملی ہے وہ اتنی اہم اور اتنی ہی ہے کہ ہمیں مجبور ہو کر یہ کہنا پڑا ہے کہ بی۔سی۔جی۔ سے نقصان نہیں ہو سکتا، غلط ہے۔ لگ بھگ چالیس برس ہمیں اُس کے تجربے کرنے اور اسے استعمال کرتے ہوئے۔ اور دنیا کے سارے حصوں میں تجربے کے لئے جا چکے ہیں۔ اُس سب کو سامنے رکھ کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے، بی۔سی۔جی۔ سے نقصان نہیں ہو سکتا۔ بہت سوں کی رائے اُس ٹیکے کے خلاف ہے۔ اُس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اُس معاملے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

(دستخط) سیمور ایم. فاربر ایم. ڈی. وریو، وریو۔

دھوکے کے آنکڑے

بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے سمर्थن میں جو آنکڑے دیے جاتے ہیں، خاص کر یورپ کے ملکوں میں، اُن پر بھی آنکھ بند کر کے اعتبار کر لینا غلط ہے۔

ایڈینبرا کے فیکڈوں کی بیماری کے مشہور ڈاکٹر ایف. کئلر مین (Dr. F. Kellermann M. D.) نے 15 ستمبر سن 1954 کے انگلینڈ کے اخبار "مڈیکل پریس" میں لکھا ہے :—

"بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے نفع نقصان کا ٹیکہ ٹیکہ اندازہ لگانے میں ایک بڑی مشکل یہ آ جاتی ہے کہ عام طور پر پچھلے پچاس برس کے اندر دنیا کے بہت سے حصوں میں تپ دق کی بیماری اور اس سے مورتیں برباد ہو رہی ہیں۔ اس معاملے میں یہ بات خاص دھیان دینے کی ہے کہ امریکہ میں کچھ ریاستوں نے اپنے یہاں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ چلایا اور کچھ نے نہیں چلایا، لیکن تپ دق کی بیماری اور اُس سے مورتیں بہت بڑی اور صاف صاف نمی انہیں ریاستوں میں ہوتی ہے جنہوں نے اپنے یہاں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ نہیں چلایا۔"

ڈاکٹر جے. پی. مائرس نے لکھا ہے کہ :—

”یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ سن 1924 اور سن 1944 کے درمیان نیویارک شہر میں تپیدق سے موتیں قریب قریب 95 فیصدی کم ہو گئیں، یعنی سو موتوں کی جگہ صرف پانچ رہ گئیں اور وہاں اس عرصے میں بی. سی. جی کا ٹیکہ نہیں لگایا گیا۔“

ڈاکٹر ٹاپلے (Dr. Topley) اور ڈاکٹر ویلسن (Dr. Wilson) نے اپنی کتاب 'Principles of Bacteriology & Immunity' میں لکھا ہے کہ—

”فرانس میں اور فرانسیسی بولنے والے देशوں میں بی. سی. جی. کے ٹیکے کے کافی تजरے ہو چکے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں جو آکڑے دیئے جاتے ہیں ان پر بلیکول ایتبار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بالکل نکلے ہیں۔ ہم اس نتیجے پر بھی نہیں پہنچ سکتے کہ بی. سی. جی کے ٹیکے سے تپیدق کا مقابلہ کرنے کی شکی آدمی میں ذرا سی بھی بڑھتی ہے۔ اگر دو تین برس کے بعد دوبارہ ٹیکہ نہ لگایا جاوے تو پہلے ٹیکے سے جو کچھ بیماری کے مقابلے کی شکی کسی خاص آدمی میں آئی ہو وہ سال دو سال کے اندر بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر دوبارہ ٹیکہ لگایا جاوے تو اس کے نتیجے اور بھی زیادہ گہرے اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ہم تو یہ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ شروع میں بھی اس ٹیکے سے کسی کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔“

انگلینڈ کی منسٹری آف ہیلتھ کی رائے

انگلینڈ کی منسٹری آف ہیلتھ نے نومبر سن 1953 میں اپنے تمام میڈیکل انسٹروں کے نام ایک میمورنڈم نمبر 324 جاری کیا تھا۔ اس میمورنڈم میں بی. سی. جی. کے ٹیکے کی بابت یہ لکھا ہے :—

”باوجود اس بات کے کہ پچھلے بیس برس کے اندر لوگوں ایک بہت بڑی تعداد کے بی. سی. جی کا ٹیکہ لگایا جا چکا ہے، اور ان ٹیکوں میں دونوں طرح کا ویکسین استعمال کیا گیا ہے، یعنی کچھ میں نازہ اور کچھ میں جما کر سکھایا ہوا، پھر بھی اس ٹیکے سے اصلی فائدے ہونے کی کوئی سائنسی شہادت نہیں ملتی۔“

ایک ڈاکٹر بینجمن نے یہ بیان دیا تھا کہ انگلینڈ، فرانس اور سویڈن تینوں ملکوں میں بی. سی. جی کا ٹیکہ لازمی طور پر سب کے لگایا جاتا ہے۔ اس پر انگلینڈ کی ہیلتھ منسٹری کو ایک خط لکھا گیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ڈاکٹر بینجمن کا بیان کہاں تک ٹھیک ہے۔ انگلینڈ کی ہیلتھ منسٹری کے ڈاکٹر ٹی ٹامسن نے 24 مئی سن 1956 کے اپنے خط میں جواب دیا۔ اس جواب میں انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ انگلینڈ میں یہ ٹیکہ کن کن کن حالات میں اور کس کس

ڈاکٹر جے. پی. مائرس نے لکھا ہے کہ :—

”یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ سن 1924 اور سن 1944 کے درمیان نیویارک شہر میں تپیدق سے موتیں قریب قریب 95 فیصدی کم ہو گئیں، یعنی سو موتوں کی جگہ صرف پانچ رہ گئیں اور وہاں اس عرصے میں بی. سی. جی کا ٹیکہ نہیں لگایا گیا۔“

ڈاکٹر ٹاپلے (Dr. Topley) اور ڈاکٹر ویلسن (Dr. Wilson) نے اپنی کتاب 'Principles of Bacteriology & Immunity' میں لکھا ہے کہ—

”فرانس میں اور فرانسیسی بولنے والے देशوں میں بی. سی. جی. کے ٹیکے کے کافی تजरے ہو چکے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں جو آکڑے دیئے جاتے ہیں ان پر بالکل اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بالکل نکلے ہیں۔ ہم اس نتیجے پر بھی نہیں پہنچ سکتے کہ بی. سی. جی کے ٹیکے سے تپیدق کا مقابلہ کرنے کی شکی آدمی میں ذرا سی بھی بڑھتی ہے۔ اگر دو تین برس کے بعد دوبارہ ٹیکہ نہ لگایا جاوے تو پہلے ٹیکے سے جو کچھ بیماری کے مقابلے کی شکی کسی خاص آدمی میں آئی ہو وہ سال دو سال کے اندر بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر دوبارہ ٹیکہ لگایا جاوے تو اس کے نتیجے اور بھی زیادہ گہرے اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ہم تو یہ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ شروع میں بھی اس ٹیکے سے کسی کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔“

انگلینڈ کی منسٹری آف ہیلتھ کی رائے

انگلینڈ کی منسٹری آف ہیلتھ نے نومبر سن 1953 میں اپنے تمام میڈیکل انسٹروں کے نام ایک میمورنڈم نمبر 324 جاری کیا تھا۔ اس میمورنڈم میں بی. سی. جی. کے ٹیکے کی بابت یہ لکھا ہے :—

”باوجود اس بات کے کہ پچھلے بیس برس کے اندر لوگوں ایک بہت بڑی تعداد کے بی. سی. جی کا ٹیکہ لگایا جا چکا ہے، اور ان ٹیکوں میں دونوں طرح کا ویکسین استعمال کیا گیا ہے، یعنی کچھ میں نازہ اور کچھ میں جما کر سکھایا ہوا، پھر بھی اس ٹیکے سے اصلی فائدے ہونے کی کوئی سائنسی شہادت نہیں ملتی۔“

ایک ڈاکٹر بینجمن نے یہ بیان دیا تھا کہ انگلینڈ، فرانس اور سویڈن تینوں ملکوں میں بی. سی. جی کا ٹیکہ لازمی طور پر سب کے لگایا جاتا ہے۔ اس پر انگلینڈ کی ہیلتھ منسٹری کو ایک خط لکھا گیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ڈاکٹر بینجمن کا بیان کہاں تک ٹھیک ہے۔ انگلینڈ کی ہیلتھ منسٹری کے ڈاکٹر ٹی ٹامسن نے 24 مئی سن 1956 کے اپنے خط میں جواب دیا۔ اس جواب میں انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ انگلینڈ میں یہ ٹیکہ کن کن کن حالات میں اور کس کس

ترہ کی اہلیات کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ ان سب چیزوں کے یہاں دہرائے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر ڈی۔ ڈامسن نے اپنے خط میں صاف شدوں میں لکھا ہے کہ:—

”اس مطلق کے کسی۔ ہسٹس میں بھی اور کسی طرح کے لوگوں کے لئے بھی یہ ٹیکہ لازمی نہیں ہے اور نہ اس وقت ہمارا یہ کوئی ارادہ ہے کہ ہم اپنے اس ٹیکے کے پروگرام کو بڑھائیں۔“

ڈاکٹر ڈامسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ:—

”فرانس اور سویڈن میں بھی بی۔ سی۔ جی۔ کا टीका لاپیومی نہیں ہے اور ڈینمارک، ناروے، سویڈن اور فنلینڈ چاروں ممالکوں میں مोजوا راي आम तौर से टीके लगाये जाने के खिलाफ है۔“

امریکا، ہی سے ’پولियो‘ کے لیے جو بچوں کی ایک بیماری ہے اور جس میں بچوں کو لکڑی مارا جاتا ہے ایک اور نیا टीका نکلا گیا جسے سالک ویکسین کہتے ہیں۔ اس نئے टीके کی تारीف میں بار بار بڑے بڑے آंकड़े دیے گئے۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں تک یہ انگلینڈ میں بھی چل پڑا۔ پھر اب انگلینڈ کی برٹش میڈیکل ریسرچ کونسل نے اس نئے ٹیکے کا لگانا بالکل بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ بچوں کے اس ٹیکے کا لگانا انہیں خطرناک ثابت ہوا۔

اب ہم پھر اپنے دیس کی طرف آتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کے یہ ٹیکہ لگائے گئے ہیں؟ اور اعتراضوں کو چھوڑ کر ٹیکے کے حامی ہمیں اس سے کیا امید دلا رہے ہیں؟ وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ یہی امید دلا رہے ہوں کہ ایک بہت تیز سے عرصے کے لئے یعنی ادھک سے ادھک دو برس کے لئے ہمارا بچہ تپیدیک سے بچا رہے گا اور اس دو برس کے لئے بھی وہ پورا برس نہیں دلا سکتے۔ ان دو برس کے بعد پھر ہمیں اپنے کو بچانے کے لئے بھی دوسری ترکیبیں، دوسری طرح کی تعلیم، کھانا پینا اور دوسری طرح کی احتیاطوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ بی۔ سی۔ جی کا اثر ان کے مطابق اس سے آگے چل ہی نہیں سکتا۔

اس टीके سے نہی نہی بیماریاں

ایک اور بیماری ہے جسے انسفالائٹس (Encephalitis) کہتے ہیں جس میں دماغ کے اندر سوجن آجاتی ہے۔ بی۔ سی۔ جی۔ کا टीका جہاں جہاں لگایا گیا ہے وہاں یہ بیماری بھی انیک بار دکھائی دی ہے۔ دوسرے ممالک میں یہ کم لوگوں کو ہوتی ہے، ہمارے ملک میں زیادہ لوگوں کو ہوتی ہے جس کا کارن یہ ہے کہ ہمارے دیس میں غربی ادھک ہے اور لوگوں کو کالی اور تھنگ کا کھانے کو نہیں ملتا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے سے اس بیماری کے پیدا ہونے کی

طرح کی احتیاط کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ ان سب چیزوں کے یہاں دہرائے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر ڈی۔ ڈامسن نے اپنے خط میں صاف شدوں میں لکھا ہے کہ:—

”اس ملک کے کسی حصے میں بھی اور کسی طرح کے لوگوں کے لئے بھی یہ ٹیکہ لازمی نہیں ہے اور نہ اس وقت ہمارا یہ کوئی ارادہ ہے کہ ہم اپنے اس ٹیکے کے پروگرام کو بڑھائیں۔“

ڈاکٹر ڈامسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ:—

”فرانس اور سویڈن میں بھی بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لازمی نہیں ہے اور ڈینمارک، ناروے، سویڈن اور فنلینڈ چاروں ممالکوں میں موجودہ رائے عام طور سے ٹیکے لگانے کے خلاف ہے۔“

امریکا ہی سے ’پوليو‘ کے لئے جو بچوں کی ایک بیماری ہے اور جس میں بچوں کو لکڑی مارا جاتا ہے ایک اور نیا ٹیکہ نکلا گیا جسے سالک ویکسین کہتے ہیں۔ اس نئے ٹیکے کی تعریف میں بار بار بڑے بڑے آंकड़े دیئے گئے۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں تک یہ انگلینڈ میں بھی چل پڑا۔ پھر اب انگلینڈ کی برٹش میڈیکل ریسرچ کونسل نے اس نئے ٹیکے کا لگانا بالکل بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ بچوں کے اس ٹیکے کا لگانا انہیں خطرناک ثابت ہوا۔

اب ہم پھر اپنے دیس کی طرف آتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کے یہ ٹیکہ لگائے گئے ہیں؟ اور اعتراضوں کو چھوڑ کر ٹیکے کے حامی ہمیں اس سے کیا امید دلا رہے ہیں؟ وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ یہی امید دلا رہے ہوں کہ ایک بہت تیز سے عرصے کے لئے یعنی ادھک سے ادھک دو برس کے لئے ہمارا بچہ تپیدیک سے بچا رہے گا اور اس دو برس کے لئے بھی وہ پورا برس نہیں دلا سکتے۔ ان دو برس کے بعد پھر ہمیں اپنے کو بچانے کے لئے بھی دوسری ترکیبیں، دوسری طرح کی تعلیم، کھانا پینا اور دوسری طرح کی احتیاطوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ بی۔ سی۔ جی کا اثر ان کے مطابق اس سے آگے چل ہی نہیں سکتا۔

اس ٹیکے سے نئی نئی بیماریاں

ایک اور بیماری ہے جسے انسفالائٹس (Encephalitis) کہتے ہیں جس میں دماغ کے اندر سوجن آجاتی ہے۔ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ جہاں جہاں لگایا گیا ہے وہاں یہ بیماری بھی انیک بار دکھائی دی ہے۔ دوسرے ممالک میں یہ کم لوگوں کو ہوتی ہے، ہمارے ملک میں زیادہ لوگوں کو ہوتی ہے جس کا کارن یہ ہے کہ ہمارے دیس میں غربی ادھک ہے اور لوگوں کو کالی اور تھنگ کا کھانے کو نہیں ملتا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے سے اس بیماری کے پیدا ہونے کی

جیتانی ہڈیاں ہوتی ہیں ان میں بہت کم ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ڈاکٹر ڈاپلے اور ڈاکٹر ویلسن نے اپنی کتاب میں جس کی چورچا ہم اوپر کر چکے ہیں لکھا ہے کہ حال میں سی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگنے سے یہ بیماری بھی اکثر ہوتی دکھائی دی ہے اور اس طرح کی ”کئی سو گھنٹاں“ ان کے سامنے آچکی ہیں۔

ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے اپنی کتاب ”ایس ایس ڈی ٹیکسٹ بک آف دی پریکٹس آف مینڈیسین“ میں لکھا ہے کہ ایک اور بیماری اکثر اس ٹیکے کے بعد دیکھی گئی ہے جو ٹیکہ لگنے کے سات دن سے لیکر بارہ دن کے اندر نمودار ہوتی ہے جس میں سر میں درد ہوتا ہے، تھ آتی ہے، ایک طرح سے ہلکا سا قہقہہ ہو جاتا ہے، روگی ہک ہک کرنے لگتا ہے، بے ہوشی آجاتی ہے اور کبھی کبھی موت بھی ہو جاتی ہے۔ اس بیماری سے اکثر پچاس فیصدی آدمی مر جاتے ہیں۔ انہو نے لکھا ہے کہ اس ٹیکے سے کبھی کبھی کئی طرح کی دبی ہوئی بیماریاں چمک بھی اُٹھتی ہیں۔

جس بیماری کا ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے ذکر کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکثر روگی کے آنکھ کی روشنی بھی جاتی رہتی ہے۔ کوریوٹور کی جس اُہاگی لڑکی کا حال اخباروں میں نکل چکا ہے اُسے یہی بیماری ہوئی تھی۔

مدراں سرکار کی تھکیکاتی کمیٹی

جس بیماری کا ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے ذکر کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکثر روگی کے آنکھ کی روشنی بھی جاتی رہتی ہے۔ کوریوٹور کی جس اُہاگی لڑکی کا حال اخباروں میں نکل چکا ہے اُسے یہی بیماری ہوئی تھی۔

مدراں سرکار کی تھکیکاتی کمیٹی

ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے اپنی کتاب ”ایس ایس ڈی ٹیکسٹ بک آف دی پریکٹس آف مینڈیسین“ میں لکھا ہے کہ ایک اور بیماری اکثر اس ٹیکے کے بعد دیکھی گئی ہے جو ٹیکہ لگنے کے سات دن سے لیکر بارہ دن کے اندر نمودار ہوتی ہے جس میں سر میں درد ہوتا ہے، تھ آتی ہے، ایک طرح سے ہلکا سا قہقہہ ہو جاتا ہے، روگی ہک ہک کرنے لگتا ہے، بے ہوشی آجاتی ہے اور کبھی کبھی موت بھی ہو جاتی ہے۔ اس بیماری سے اکثر پچاس فیصدی آدمی مر جاتے ہیں۔ انہو نے لکھا ہے کہ اس ٹیکے سے کبھی کبھی کئی طرح کی دبی ہوئی بیماریاں چمک بھی اُٹھتی ہیں۔

ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے اپنی کتاب ”ایس ایس ڈی ٹیکسٹ بک آف دی پریکٹس آف مینڈیسین“ میں لکھا ہے کہ ایک اور بیماری اکثر اس ٹیکے کے بعد دیکھی گئی ہے جو ٹیکہ لگنے کے سات دن سے لیکر بارہ دن کے اندر نمودار ہوتی ہے جس میں سر میں درد ہوتا ہے، تھ آتی ہے، ایک طرح سے ہلکا سا قہقہہ ہو جاتا ہے، روگی ہک ہک کرنے لگتا ہے، بے ہوشی آجاتی ہے اور کبھی کبھی موت بھی ہو جاتی ہے۔ اس بیماری سے اکثر پچاس فیصدی آدمی مر جاتے ہیں۔ انہو نے لکھا ہے کہ اس ٹیکے سے کبھی کبھی کئی طرح کی دبی ہوئی بیماریاں چمک بھی اُٹھتی ہیں۔

جس بیماری کا ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے ذکر کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکثر روگی کے آنکھ کی روشنی بھی جاتی رہتی ہے۔ کوریوٹور کی جس اُہاگی لڑکی کا حال اخباروں میں نکل چکا ہے اُسے یہی بیماری ہوئی تھی۔

مدراں سرکار کی تحقیقاتی کمیٹی

اس لڑکی کا نام وسنت تھا۔ جب اُس کا حال کچھ ڈاکٹروں کی رائے کے ساتھ اخباروں میں چھپا تو مدراس کی سرکار نے تحقیقات کے لئے کچھ سرکاری ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی نے وسنت اور کچھ اور روگیوں کو بھی دیکھ کر اپنی رپورٹ سرکار کو دے دی۔ اُن اور روگیوں کو بھی کم یا ادھک اسی طرح کی شکایتیں تھیں۔ اُس کمیٹی کی رپورٹ شائع نہیں کی گئی۔ اُس کی جگہ سرکار نے ایک ایسا ہی پریس نوٹ اخباروں میں نکال دیا کہ کمیٹی کی رپورٹ سے انہیں معلوم ہوا ہے کہ وسنت کی آنکھیں سی۔ سی۔ جی کے ٹیکے کے کارن نہیں گئیں بلکہ ایک اور بیماری اُس علاقے میں شاید پہلے سے پھیلی ہوئی تھی جو وسنت کو لگ گئی اور جس کے کارن اُس کی آنکھیں گئیں۔ اس بیماری کا نام بھی سرکار نے اپنے پریس نوٹ میں دیا ہے۔

مدراں سرکار نے جب یہ کمیٹی مقرر کی تھی تب 2 جون سن 1955 کو پہلے ہی سے اعلان کر دیا تھا کہ ”اخباروں میں جس بچے کی آنکھیں چلے چالے کا حال چھپا ہے اُس کی بابت سرکار کی شریع کی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ آنکھیں چالے کا ہی۔ سی۔ جی کے ٹیکے سے کوئی سبب نہیں تھا۔ یہ بھی سرکار اور ادھک تحقیقات کے لئے ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی مقرر کر رہی ہے۔“

یہی وہ کمیٹی تھی جس کی رپورٹ نہیں جاری کی گئی پر جس سے نتیجہ وہی نکلا جو سرکار پہلے سے نکال چکی تھی۔

سرکار کے پریس نوٹ کے بعد ڈاکٹر ایل. این. انننت رامن اے. بی. کا ایک خط ممبران کے "ہینڈ" اخبار میں شائع ہوا جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اول تو سرکار کو چاہئے تھا کہ اس معاملے کے لئے جو تحقیقاتی کمیٹی سرکار نے مقرر کی تھی اس میں کم سے کم ایک غیر سرکاری ڈاکٹر بھی رکھا جاتا۔ دوسرے جس بیماری کا نام سرکار نے اپنے پریس نوٹ میں لیا ہے اور لکھا ہے کہ وسنت کو وہ بیماری ہوئی ہوگی اور اسی سے اس کی آنکھیں کٹیوں، اس بیماری کا ڈاکٹر کی کتبوں میں آنکھوں کے جانے کے ساتھ کہیں کوئی سمبندھ نہیں ملتا۔ ڈاکٹر ایل. این. نے بہت سی کتابوں کے نام اپنے خط میں دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ میں بہت ابھاری ہونگا اگر سرکار مجھے یہ بتا دے کہ اس بیماری کا اور اس کے ہونے سے سمبندھ کس کذب میں ملتا ہے اور یہ کیسے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر انننت رامن کے خط کا کوئی جواب سرکار کی طرف سے نہیں مل سکا۔

ایک قانونی سوال

ایک قانونی سوال

اب رہا یہ سوال کہ سب بچوں کے اس طرح کا ٹیکہ لگانا یہاں تک قانون کے انحصار ہے اور اس میں کیا احتیاطیں ضروری ہیں۔ سرکار نے کوئی قانون پاس نہ کر کے یہ ادھیکار نہیں لیا۔ کم سے کم اتنا اسے کرنا چاہئے تھا۔ کہا ابھی تک یہی جانا ہے کہ یہ ٹیکہ لازمی نہیں ہے یعنی زبردستی کسی کے نہیں لگایا جاتا، جو چاہتے ہیں انہیں کے لگنا ہے۔ اس معاملہ میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ اسکول کے بچوں کے ماں باپ اگر لکھ کر اپنا اعتراض اسکول ماسٹر کے پاس نہیں بھیج دیتے تو یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچوں کے ٹیکہ لگایا جائے۔ میں نے دیکھا کہ یہ طریقہ بالکل قانون کے خلاف ہے۔ خاص کر ایک ایسے دیس میں جس میں انہک تو ماں باپ ان پڑھ ہیں جن کے چہرے چھوٹے بچے اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ میں نے سرکار کو لکھا۔ اس کے جواب میں مدراس سرکار کے ہیلتھ منسٹر شری اے. بی. شامی کا پہلی جولائی سن 1955 کا جو خط میرے پاس آیا اس میں لکھا ہے کہ:—

"مدراس ریاست میں اسکولوں کے بچوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگانے کی بات جو طریقہ برتا جاتا ہے وہ یہ ہے۔ ہر اسکول میں بچوں کے پہلے تپدیک کا آزمائشی ٹیکہ اور پھر بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگانے کے لئے نارینجیوں مقرر کردی جاتی ہیں۔ پھر اسکول

"مدراس ریاست میں اسکولوں کے بچوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگانے کی بات جو طریقہ برتا جاتا ہے وہ یہ ہے۔ ہر اسکول میں بچوں کے پہلے تپدیک کا آزمائشی ٹیکہ اور پھر بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگانے کے لئے نارینجیوں مقرر کردی جاتی ہیں۔ پھر اسکول

کے अधिकारियों की मारकेत बच्चों के माँ बाप को उन कारोखों की पहले से सूचना दी जाती है और यह लिख दिया जाता है कि टीका लायिमी नहीं है. स्कूलों के अधिकारियों से कहा जाता है कि वह बच्चों के माँ बाप की रजामन्दी हासिल कर लें. जिन सरकारी अफसरों की टीके का काम सुपुर्व होता है वह फिर हेडमास्टर और स्कूल के दूसरे टीचरों से अलग अलग मिलते हैं या सब टीचरों की मीटिंग कर लेते हैं और उन्हें यह बता देते हैं कि टीका लगवाना माँ बाप की मरजी पर है और माँ बाप को पहले से सूचना दे देना जरूरी है. जो माँ बाप इस बात पर ऐतराज करते हैं कि उनके बच्चों के बी० सी० जी० का टीका न लगाया जाये वे या तो आजमाइशी टीके के दिन अपने बच्चों को स्कूल ही नहीं भेजते या स्कूल के अधिकारियों को अपना ऐतराज लिखकर भेज देते हैं.

इस पर मैंने (श्री सी. राजगोपालाचारी) 12 जुलाई सन् 1955 के मद्रास के अखबार 'इन्डियन एक्सप्रेस' में अपना एक खत शायी कराया जिसमें लिखा है :—

“मेरे पास मद्रास के हेल्थ मिनिस्टर का पहली जुलाई का लिखा एक खत आया है जिससे मेरा यह खयाल पक्का हो गया कि जब बच्चों के माँ बाप की तरफ से कोई लिखा हुआ ऐतराज नहीं आता तो यह कर्ज कर लिया जाता है कि वह अपने बच्चे के टीका लगवाने के लिये रजामन्द हैं. असलियत यह है कि स्कूल मास्टर का ही बच्चों के जिस्म और उनकी आत्मा का पूरा मुहाफिज मान लिया जाता है. यह बात हद दर्जे कानून के खिलाफ है. सरकार के कानूनी अफसरों का कर्ज है कि इस बात को सोचें कि उन्हें सरकार को यह सलाह देनी चाहिये या नहीं कि वह इस बेजा कार्रवाई से बाज रहे.”

कोइमबटूर की घटनाएं

जब लोगों का मालूम हुआ कि मैं इस मामले में दिल-चस्पी ले रहा हूँ तो लोगों ने कुछ घटनाएँ मुझे लिखकर भेजीं. उनमें से बहुत-सी मैं दैनिक अखबारों में शायी करा चुका हूँ ताकि सब उन्हें जान जायें. मैं कुछ घटनाएँ नीचे देता हूँ. इनमें पहली दस घटनाएँ सब कोइमबटूर की ही हैं.

(1) श्री जी. एम. कृष्ण राजा चेटियर ने मुझे लिखा कि :—

“मेरी छै साल की एक लड़की वसंत लन्दन मिशन स्कूल कोइमबटूर में पहली क्लास में पढ़ती थी. 18 नवम्बर सन् 1954 को उसके बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. उस वक्त तक वह बिलकुल तन्दुरुस्त थी और खूब बढ़ती थी. 3 दिसम्बर सन् 1954 को उसके दूसरा टीका चेचक का लगाया गया. इस दूसरे टीके के लगने के बाद मेरी लड़की अंधी हो गई. अधिकारियों ने बगैर मेरी रजामन्दी

के अहिकारियों की معرفत बच्चों के माँ बाप को उन नारिखों की पहले से सूचना दी जाती है और यह लिख दिया जाता है कि टीके लयिमी नहीं है. स्कूलों के अधिकारियों से कहा जाता है कि वह बच्चों के माँ बाप की रजामन्दी हासिल कर लें. जिन सरकारी अफसरों की टीके का काम सुपुर्व होता है वह फिर हेडमास्टर और स्कूल के दूसरे टीचरों से अलग अलग मिलते हैं या सब टीचरों की मीटिंग कर लेते हैं और उन्हें यह बता देते हैं कि टीका लगवाना माँ बाप की मरजी पर है और माँ बाप को पहले से सूचना दे देना जरूरी है. जो माँ बाप इस बात पर ऐतराज करते हैं कि उनके बच्चों के बी० सी० जी० का टीका न लगाया जाये वे या तो आजमाइशी टीके के दिन अपने बच्चों को स्कूल ही नहीं भेजते या स्कूल के अधिकारियों को अपना ऐतराज लिखकर भेज देते हैं.

इस पर मैंने (श्री सी. राजगोपालाचारी) 12 जुलाई सन् 1955 के मद्रास के अखबार 'इन्डियन एक्सप्रेस' में अपना एक खत शायी कराया जिसमें लिखा है :—

“मेरे पास मद्रास के हेल्थ मिनिस्टर का पहली जुलाई का लिखा एक खत आया है जिससे मेरा यह खयाल पक्का हो गया कि जब बच्चों के माँ बाप की तरफ से कोई लिखा हुआ ऐतराज नहीं आता तो यह कर्ज कर लिया जाता है कि वह अपने बच्चे के टीका लगवाने के लिये रजामन्द हैं. असलियत यह है कि स्कूल मास्टर का ही बच्चों के जिस्म और उनकी आत्मा का पूरा मुहाफिज मान लिया जाता है. यह बात हद दर्जे कानून के खिलाफ है. सरकार के कानूनी अफसरों का कर्ज है कि इस बात को सोचें कि उन्हें सरकार को यह सलाह देनी चाहिये या नहीं कि वह इस बेजा कार्रवाई से बाज रहे.”

कोइमबटूर की गेठानों

जब लोगों को मालूम हुआ कि मैं इस मामले में दिल-चस्पी ले रहा हूँ तो लोगों ने कुछ गेठानों मुझे लिखकर भेजीं. इनमें से बहुत-सी मैं दैनिक अखबारों में शायी करा चुका हूँ ताकि सब उन्हें जान जायें. मैं कुछ गेठानों नीचे देता हूँ. इनमें पहली दस गेठानों सब कोइमबटूर की हैं.

(1) श्री जी. एम. कृष्ण राजा चेटियर ने मुझे लिखा कि :—

“मेरी छै साल की एक लड़की वसंत लन्दन मिशन स्कूल कोइमबटूर में पहली क्लास में पढ़ती थी. 18 नवम्बर सन् 1954 को उसके बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. उस वक्त तक वह बिलकुल तन्दुरुस्त थी और खूब बढ़ती थी. 3 दिसम्बर सन् 1954 को उसके दूसरा टीका चेचक का लगाया गया. इस दूसरे टीके के लगने के बाद मेरी लड़की अंधी हो गई. अधिकारियों ने बगैर मेरी रजामन्दी

(2) श्री सी. के. सुन्दर राजन ने मुझे एक खत में लिखा कि :-

(1) श्री एस. वर्दराज ने अपने खत में लिखा है कि :—

(4) श्री बेलगाँवस्वामी चेटी लिखत हैं :—

(5) श्रीमती रंगमाल लिखती हैं :—

(6) श्री क. एस. गारादिया सेटी ने लिखा है :—

“मेरे छै साल के लड़के सीम सुन्दरम के बी० सी० जी०

ہیں لکھا کہ :—

(3) شری ایس۔ وردراج نے ایسے خطا میں لکھا ہے کہ :—

(۱) شی بیلا سوامی چیتی لکھتہ ہوں:—

(۵) شریعتی، رنگم مال لکھتی ہیں :-

مہر پڑانے ڈاکٹر کے پاس آئے۔ اُس کے علاج سے کچھ نہ ہوا۔
 مادیہ معلوم ہوا۔ سر کا درد اور تپ ہونا پھر بھی جاری رہا۔
 مہر ایک آنکھ کے اسپتال میں گئے۔ وہاں اُس کے عینک لگا
 دی گئی۔ عینک لگانے سے سر درد اور تپ دونوں اور بڑھ گئے۔
 اس کے بعد عم آئے پھر پہلے ہی والے سرکاری اسپتال میں لے گئے۔
 وہاں وہ لڑی مر گئے۔

(۱) شہری کے . ایس . گورودیا سیٹی نے لکھا ہے :—

”میرے چھ سال کے لڑکے سوم سندرم کے ہی، سی، جی۔

کا ٹھکانہ لگایا گیا۔ اُس کے ہاتھ سے پیچ آپ آئے لی۔ تین مہینے تک اُسے تکلیف رہی۔ اُس کے بعد اُس نے ایک مہینہ تک ایک ڈاکٹر سے دوا لی تب وہ اچھا ہو گیا۔ لیکن ابھی تک کمزور چلا جاتا ہے۔“

(7) شری وائی . آر . نارائن سوامی نے لکھا ہے :—

”میرے لڑکے جے رتہ کے پچھلی نمبر میں بی۔سی۔جی۔ کا نمبر لگایا گیا تھا۔ اُسی وقت سے پچھ پڑ گئی جو ابھی تک اچھی نہیں ہوئی۔ میں نے ہر طرح کی دوائیں کیں لیکن ابھی تک وہ اچھا نہیں ہوا۔“

(۵) شری ٹی۔ این۔ راما چاری نے لکھا ہے کہ :—

”مہروی نہیں سال کی لڑکی بھانومتی کے جب سے
بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا تھا تب سے ہی اُس جگہ پر
ایک بھورا بن گیا ہے جس سے پیپ آتی رہتی ہے۔ وہ بھورا
ابھی تک اچھا نہیں ہوا۔ لڑکی ہر وقت درد سے چلائی رہتی
ہے۔ ہم اُسے کئی ڈاکٹروں کے پاس لے گئے، ہونڈ کوارٹرس اسپتال
میں بھی لے گئے اور مدورائی اسپتال میں بھی لے گئے لیکن
کرنی فائدہ نہیں ہوا۔“

(9) شری سبنا گوندین نے لکھا ہے :—

”مہروی ذریعہ سال کی بھی پونمال کے بی . سی . جی . کا ٹیکٹ لگایا گیا . اُس سے اُسے بخار آگیا . ایک ڈاکٹر سے اُس کا علاج کرایا . وہ ایک ہفتہ کے اندر مر گئی .“

(10) شری وی . کپو سوامی نے لکھا ہے کہ :—

”مہرے بھائی دی . رام . کرشنن نے جس کی عمر ساڑھے چار سال کی تھی . سی . سی . جی کا ذہن لگایا گیا . اُس جگہ پر اُس کے پھوڑا بن گیا . ہیڈ ٹرائٹرس اسپتال میں ایک ہفتے علاج کرایا گیا . کوئی فائدہ نہیں ہوا . ایک دوسرے ڈاکٹر سے علاج کرایا . اُس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا . آج تک وہ پھوڑا ویسا ہی ہے اور اُس سے پیپ بھتی دھتی ہے .“

میں لکھ چکا ہوں کہ اُردو کی دس کی دس گھنٹائیں سب ایک ہی جگہ کی یعنی کراچی پور کے شہر کی ہیں ۔

کچھ اور خط

9 جولائی سن 1958ء کے ہندوستان ٹائمز میں ترویجی
کے ڈاکٹر آر۔ سب شون ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ کا ایک خط
چبھا ہے جس میں لکھا ہے کہ:—

”میرے علاج میں آجکل ایک چودہ برس کا لڑکا ہے جو میرا اپنا پوتا ہے اور جس کی نندرستی بالکل برباد ہو گئی ہے۔ سن 1954 میں اُس کے پی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا تھا۔ ٹیکہ لگانے کے وقت تک اُس کی نندرستی بالکل اول درجے کی تھی—بہت اچھا مضبوط جسم، خوب شکتی اور بیساروں کو نزدیک آنے سے روکنے والے۔ اُسے بہت

اچھا کھانا دیا جاتا تھا۔ اسکول کے بچے بڑے خوب کھلتے تھے۔ ٹیکہ لگانے کے وقت سے ہی اس کا بدن بھیدنا شروع ہو گیا۔ لال لال چمکیاں لگیں۔ تب سے اب تک اس کے شریر کے الگ الگ بھاگوں پر چھوٹے بڑے پوزے برابر نکلتے رہتے ہیں۔ یہ پوزے معمولی تھنگ سے اور معمولی سے کے اندر اچھے نہیں ہوتے حالانکہ علاج ٹھیک ٹھیک ہوتا رہتا ہے۔ اب کچھ پوزوں پر سے کھرنٹ اتر گئے ہیں۔ لیکن کھرنٹوں کے نیچے بھی پیالے کی شکل کے پوزے بنے ہوئے ہیں جن میں چاروں طرف دالے سے بنتے رہتے ہیں۔ دوسری خاص بات ان پوزوں کی یہ ہے کہ جب کہ معمولی پوزوں میں سونے پوزے تک ہی رہتی ہے ان پوزوں میں پوزوں کے چاروں طرف کئی انچ تک سوجن اور دم بنا رہتا ہے۔ جو بھی ہو، میں اپنی سی پوری کوشش کر رہا ہوں کہ اس بچے کو پوز سے تندرست کر دوں۔“

دھراڈون سے شری وکیان پرکاش لکھتے ہیں :-

”میں نے ’ہندوستان ٹائمز‘ میں آپ کے لیکچر اور خط اس وقت کے پڑھے ہیں کہ بی۔ سی۔ جی سے کتنا نقصان ہوتا ہے۔ انہیں پوزوں کے ساتھ ساتھ اس کا آپ جیسے بڑے آدمی کو خود اپنے بچے جیو کا حال لیتے ہیں۔ جیو کی عمر تیرہ سال کی ہے۔ ساڈھو رام ہارمسکندری اسکول دھراڈون میں وہ آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ لگ بھگ ایک سال ہوا اسکول میں اس کے بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ تب ہی سے اس کی تندرستی گرتی شروع ہو گئی، یہاں تک کہ اس کے پوزے خراب ہو گئے اور خون میں زہر پیدا ہو گیا۔ اسے کھانسی اور دمہ ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ اسے تپدیق ہو گیا ہے۔ اس کا وزن گھٹا جا رہا ہے۔ اب تک اس کا بارہ پونڈ وزن گھٹ چکا ہے۔ میں اسے چنڈی گڑھ علاج کے لئے لے گیا۔ وہاں وہ ایک مہینے سے اوپر ڈرنل دی ہائیڈر۔ بی۔ ای۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس۔ جیو کے میڈیکل آفسر چنڈی گڑھ کے علاج میں رہا۔ ڈرنل دی ہائیڈر ٹی بھی دیا گیا ہے کہ اسے تپدیق ہے۔ میں بہت دنوں اس کے علاج کا خوج ہوا۔ نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں اسے دھراڈون لے گیا۔ وہاں اسے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوا۔ یہاں اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی صلاح سے اور ہیڈ ماسٹر کی چھٹی نے کہ میں اسے دھراڈون کے سول سرجن کے پاس لے گیا۔ سول سرجن نے کوئی پرواز نہیں کی اور نہ مہوے لڑکے کا ذاتی امتحان کیا۔ میں پھر ایک دوسرے آدمی کی معرفت سول سرجن کے پاس گیا۔ اس بار اسپتال میں میں نے سولہ روپیہ ان کی فیس بھی دے دی۔ انہوں نے میڈیسن لڑکے کو تھوڑا سا لیکچر ایک نرسنگ لکچر دیا۔ اب میں سول سرجن ہی کی دوا دے رہا ہوں۔ سول سرجن نے بھی مجھ سے یہی کہا کہ ممکن ہے مہوے لڑکے کو یہ تکلیف بی۔ سی۔ جی کے کارن ہی ہوئی ہو۔“

دھراڈون سے شری وکیان پرکاش لکھتے ہیں :-

”میں نے ’ہندوستان ٹائمز‘ میں آپ کے لیکچر اور خط اس وقت کے پڑھے ہیں کہ بی۔ سی۔ جی سے کتنا نقصان ہوتا ہے۔ انہیں پوزوں کے ساتھ ساتھ اس کا آپ جیسے بڑے آدمی کو خود اپنے بچے جیو کا حال لیتے ہیں۔ جیو کی عمر تیرہ سال کی ہے۔ ساڈھو رام ہارمسکندری اسکول دھراڈون میں وہ آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ لگ بھگ ایک سال ہوا اسکول میں اس کے بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ تب ہی سے اس کی تندرستی گرتی شروع ہو گئی، یہاں تک کہ اس کے پوزے خراب ہو گئے اور خون میں زہر پیدا ہو گیا۔ اسے کھانسی اور دمہ ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ اسے تپدیق ہو گیا ہے۔ اس کا وزن گھٹا جا رہا ہے۔ اب تک اس کا بارہ پونڈ وزن گھٹ چکا ہے۔ میں اسے چنڈی گڑھ علاج کے لئے لے گیا۔ وہاں وہ ایک مہینے سے اوپر ڈرنل دی ہائیڈر۔ بی۔ ای۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس۔ جیو کے میڈیکل آفسر چنڈی گڑھ کے علاج میں رہا۔ ڈرنل دی ہائیڈر ٹی بھی دیا گیا ہے کہ اسے تپدیق ہے۔ میں بہت دنوں اس کے علاج کا خوج ہوا۔ نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں اسے دھراڈون لے گیا۔ وہاں اسے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوا۔ یہاں اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی صلاح سے اور ہیڈ ماسٹر کی چھٹی نے کہ میں اسے دھراڈون کے سول سرجن کے پاس لے گیا۔ سول سرجن نے کوئی پرواز نہیں کی اور نہ مہوے لڑکے کا ذاتی امتحان کیا۔ میں پھر ایک دوسرے آدمی کی معرفت سول سرجن کے پاس گیا۔ اس بار اسپتال میں میں نے سولہ روپیہ ان کی فیس بھی دے دی۔ انہوں نے میڈیسن لڑکے کو تھوڑا سا لیکچر ایک نرسنگ لکچر دیا۔ اب میں سول سرجن ہی کی دوا دے رہا ہوں۔ سول سرجن نے بھی مجھ سے یہی کہا کہ ممکن ہے مہوے لڑکے کو یہ تکلیف بی۔ سی۔ جی کے کارن ہی ہوئی ہو۔“

ایک بدقسمت خلیا افسر کا خاتمہ

اب میں نیچے ایک ایسے آدمی کا خط دے رہا ہوں جس نے خط میں اپنا نام اور پتا لکھ دیا ہے اور جو سرکار کے اذیت خلیا-افسر کے پد پر ہے۔ اس نے مجھے لکھا ہے کہ:-

”آپ نے بہ بہت اچھا کیا کہ گھبرنا اور بھاری کے ساتھ نیچے کے بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے کے اس طرح اندھا دھند سب کے لگائے جانے کا وردہ کیا اور اسے آپ برا کہہ رہے ہیں۔ میں ایک باپ ہوں جو اسی بی۔ سی۔ جی کی بدولت اپنا گیارہ برس کا سندھ بیٹھا ہو چکا ہوں۔ میرا بیٹا سن 1951 میں یہاں ایک پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا۔ بی۔ سی۔ جی کے حامیوں اور پرچارکوں نے اس اسکول میں ٹیکے لگائے جانے کا پروندہ کیا۔ میرا بیٹا یہ کہہ کر اسکول کے کھاؤنڈ سے بھاگ آیا کہ ”میں ہذا اپنے باپ کی اجازت کے یہ ٹیکے نہیں لکوا سکتا“ نہیں تو میرے باپ مجھے مارینگے۔ اسے زبردستی پکڑ کر کھینچ کر اندر لے جا یا گیا اور ٹیکہ لگا دیا گیا۔ اس کے شاید خصرہ نکلنے والی تھی۔ چوتھے یا پانچویں دن اس کے خصرہ نکل آئی۔ اسے زور کا بخار آ گیا۔ اس کا ٹمپریچر ایک سو نو تک پہنچ گیا۔ اسے مہلنجانٹیمز اور نینومہ بھی ساتھ ساتھ ہو گئے۔ دوسرے دن یعنی 4 اپریل سن 1951 کو وہ مر گیا۔ اس کی موت مڈری پتنی کی موت کے ٹھیک ایک سال بعد ہوئی۔ میری پتنی کی موت دوسری بیماری کے کارن ہوئی تھی۔ اس طرح مجھے پر دھری مصیبت آئی۔ بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگنے سے پہلے میرا لڑکا خوب تندرست تھا اور کھیلتا تھا۔ لیکن اور باپوں کو چھوڑ دیجئے، جسے یہ کہ ٹیکہ لگائے سے پہلے مانتا پتا سے اجازت لے لیتا ضروری ہے اس ٹیکے کے لگائے میں یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ بچوں کو کوئی لکھی بھاری تو ہولے والی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں اور بھوکاں سے پرارتہا کرتا ہوں کہ آپ کو بڑی عمر دے اور تندرست رکھے تاکہ آپ بے گناہ بچوں کے اوپر اُن غیر ضروری اور اندھا دھند ٹیکوں کے خلاف لڑ سکیں۔“

میں اس آدمی کا نام اس لئے نہیں دے رہا ہوں کہ وہ سرکاری نوکر ہے اور ایسا نہ ہو کہ نام دینے سے اس اُبھاکے باپ پر ایک تیسری مصیبت آئے۔

کچھ اور گھٹنائیں

نیچے کی گھٹنائیں 12 جولائی سن 1955 کے مڈراس کے اخبار ”انڈین ایکسپریس“ میں چھپ چکی ہیں:-

1-بیلگاپٹ کے श्री एन. कृष्ण स्वामी पिल्लے के 18 साल के बेटे बाल सुब्रमनियन के स्कूल में बी० सी० जी०

اب میں نیچے ایک ایسے آدمی کا خط دے رہا ہوں جس نے خط میں اپنا نام اور پتا لکھ دیا ہے اور جو سرکار کے اذیت خلیا-افسر کے پد پر ہے۔ اس نے مجھے لکھا ہے کہ:-

”آپ نے بہ بہت اچھا کیا کہ گھبرنا اور بھاری کے ساتھ نیچے کے بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے کے اس طرح اندھا دھند سب کے لگائے جانے کا وردہ کیا اور اسے آپ برا کہہ رہے ہیں۔ میں ایک باپ ہوں جو اسی بی۔ سی۔ جی کی بدولت اپنا گیارہ برس کا سندھ بیٹھا ہو چکا ہوں۔ میرا بیٹا سن 1951 میں یہاں ایک پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا۔ بی۔ سی۔ جی کے حامیوں اور پرچارکوں نے اس اسکول میں ٹیکے لگائے جانے کا پروندہ کیا۔ میرا بیٹا یہ کہہ کر اسکول کے کھاؤنڈ سے بھاگ آیا کہ ”میں ہذا اپنے باپ کی اجازت کے یہ ٹیکے نہیں لکوا سکتا“ نہیں تو میرے باپ مجھے مارینگے۔ اسے زبردستی پکڑ کر کھینچ کر اندر لے جا یا گیا اور ٹیکہ لگا دیا گیا۔ اس کے شاید خصرہ نکلنے والی تھی۔ چوتھے یا پانچویں دن اس کے خصرہ نکل آئی۔ اسے زور کا بخار آ گیا۔ اس کا ٹمپریچر ایک سو نو تک پہنچ گیا۔ اسے مہلنجانٹیمز اور نینومہ بھی ساتھ ساتھ ہو گئے۔ دوسرے دن یعنی 4 اپریل سن 1951 کو وہ مر گیا۔ اس کی موت مڈری پتنی کی موت کے ٹھیک ایک سال بعد ہوئی۔ میری پتنی کی موت دوسری بیماری کے کارن ہوئی تھی۔ اس طرح مجھے پر دھری مصیبت آئی۔ بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگنے سے پہلے میرا لڑکا خوب تندرست تھا اور کھیلتا تھا۔ لیکن اور باپوں کو چھوڑ دیجئے، جسے یہ کہ ٹیکہ لگائے سے پہلے مانتا پتا سے اجازت لے لیتا ضروری ہے اس ٹیکے کے لگائے میں یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ بچوں کو کوئی لکھی بھاری تو ہولے والی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں اور بھوکاں سے پرارتہا کرتا ہوں کہ آپ کو بڑی عمر دے اور تندرست رکھے تاکہ آپ بے گناہ بچوں کے اوپر اُن غیر ضروری اور اندھا دھند ٹیکوں کے خلاف لڑ سکیں۔“

میں اس آدمی کا نام اس لئے نہیں دے رہا ہوں کہ وہ سرکاری نوکر ہے اور ایسا نہ ہو کہ نام دینے سے اس اُبھاکے باپ پر ایک تیسری مصیبت آئے۔

کچھ اور گھٹنائیں

نیچے کی گھٹنائیں 12 جولائی سن 1955 کے مدارس کے اخبار ”انڈین ایکسپریس“ میں چھپ چکی ہیں:-

چنگل پٹ کے شری این کرشن سوامی پلے کے 18 سال کے بیٹے بال سوبرمنن کے اسکول میں بی۔ سی۔ جی

का टीका लगाया गया। यह पिछले मार्च-अप्रैल की बात है। बाल सुबरमनियन चौथी क्लास में पढ़ता था तब ही से उसकी तन्दुरुस्ती गिरती जा रही है। अब वह अबसर कैं करता रहता है, सर में सरत दर्द रहता है, आँख की रोशनी बहुत खराब हो गई है, चक्कर आते रहते हैं, कभी-कभी बेहोश हो जाता है, दिमाग झुझ-झुझ खराब हो चला है, कभी-कभी बोलना बन्द हो जाता है, वजन कम होता जा रहा है, वह अपने मां बाप का इकलौता लड़का है, मां बाप बहुत परेशान हैं, 3 जुलाई से उसे इलाज के लिये सरकारी अस्पताल में दाखिल कर दिया गया है।

2—माइकल एन्थनी अब औध कैम्प पूना के फौजी अस्पताल में है, उसे बी० सी० जी० का टीका लगाया गया, तपेदिक हो गया, नौकरी से जाता रहा और अब अस्पताल में बहुत बीमार है, जब उसके टीका लगाया गया तब वह बंगलौर के एक फौजी दफ्तर में काम कर रहा था, इससे पहले वह बिलकुल तन्दुरुस्त था, उसके घर में कभी किसी को तपेदिक नहीं हुआ था, उसने मुझे (श्री राजागोपालाचारी को) एक बहुत दुख और गुस्से से भरा हुआ खत लिखा है कि यह विदेशी “दुनिया भर के तन्दुरुस्ती के माहिर” बन कर आते हैं, उनके सामने ही उसके टीका लगाया गया था।

3—श्री एम. एस. फ़कीर कोइमबदूर के एक बीड़ी के कारखाने में मजदूरी करता है, उसके एक ढाई बरस के बच्चे के 18 दिसम्बर सन् 1954 को बी० सी० जी० का टीका लगाया गया, आँख की रोशनी खराब हो गई और तन्दुरुस्ती गिरती गई

लोदी कालोनी दिल्ली से श्री प्रीतसिंह ने 20 जुलाई सन् 1955 को मुझे यह खत लिखा :—

“मैं नीचे आपको इस बात का पूरा हाल लिख रहा हूँ कि मेरे बेटे पर बी० सी० जी० के टीके का किस तरह बुरा असर पड़ा, मेरे लड़के का नाम उदयवीर सिंह है, उसकी उम्र साढ़े नौ साल की थी वह उस वक्त बहुत तन्दुरुस्त था, अगस्त सन् 1953 में स्कूल में उसके बी० सी० जी० का टीका लगाया गया, हमारी बदकिस्मती से अगले दिन ही उसके एक तरह कि गिल्टियाँ निकल आईं और गदन पर सूजन आ गई, मैंने एक होम्योपैथिक डाक्टर को दिखाया, उसके इलाज से बच्चे को बहुत आराम मिला, पर ठीक एक साल के बाद वही चीज फिर और ज्यादा जोर के साथ निकल आई, अब मेरे बच्चे की हालत खतरनाक हो गई, 8 सितम्बर सन् 1954 को मैंने नई दिल्ली के सफदरजंग अस्पताल में उसका एक्सरे कराया, एक्सरे से मालूम हुआ कि बायें फेफड़े में तपेदिक हो गया है और फेफड़ों के बीच की गिल्टियाँ बढ़ गई हैं, लड़के को नई दिल्ली के इरविन

का ठिके लगाया गया, ये पच्चेस मार्च अप्रैल की बात है, बाल सुबरमनियन चौथी क्लास में पढ़ता था तब ही से उसकी तन्दुरुस्ती गिरती जा रही है, अब वह अक्षर्य करता रहता है, सर में सरत दर्द रहता है, आँख की रोशनी बहुत खराब हो गई है, चक्कर आते रहते हैं, कभी-कभी बेहोश हो जाता है, दिमाग झुझ-झुझ खराब हो चला है, कभी-कभी बोलना बन्द हो जाता है, वजन कम होता जा रहा है, वह अपने मां बाप का इकलौता लड़का है, मां बाप बहुत परेशान हैं, 3 जुलाई से उसे सरकारी अस्पताल में दाखल कर दिया गया है।

2—मानकल इन्तनी अब ओम्ह कैम्प पूना के नोजी अस्पताल में है, उसे बी० सी० जी० का टीका लगाया गया, तपेदिक हो गया, नौकरी से जाता रहा और अब अस्पताल में बहुत बीमार है, जब उसके टीका लगाया गया तब वह बंगलौर के एक फौजी दफ्तर में काम कर रहा था, इससे पहले वह बिलकुल तन्दुरुस्त था, उसके घर में कभी किसी को तपेदिक नहीं हुआ था, उसने मुझे (श्री राजागोपालाचारी को) एक बहुत दुख और गुस्से से भरा हुआ खत लिखा है कि यह विदेशी “दुनिया भर के तन्दुरुस्ती के माहिर” बन कर आते हैं, उनके सामने ही उसके टीका लगाया गया था।

3—श्री एम. एस. फ़कीर कोइमबदूर के एक बीड़ी के कारखाने में मजदूरी करता है, उसके एक ढाई बरस के बच्चे के 18 दिसम्बर सन् 1954 को बी० सी० जी० का टीका लगाया गया, आँख की रोशनी खराब हो गई और तन्दुरुस्ती गिरती गई, लोदी कालोनी दिल्ली से श्री प्रीतसिंह ने 20 जुलाई सन् 1955 को मुझे यह खत लिखा :—

“मैं नीचे आपको इस बात का पूरा हाल लिख रहा हूँ कि मेरे बेटे पर बी० सी० जी० के टीके का किस तरह बुरा असर पड़ा, मेरे लड़के का नाम उदयवीर सिंह है, उसकी उम्र साढ़े नौ साल की थी वह उस वक्त बहुत तन्दुरुस्त था, अगस्त सन् 1953 में स्कूल में उसके बी० सी० जी० का टीका लगाया गया, हमारी बदकिस्मती से अगले दिन ही उसके एक तरह कि गिल्टियाँ निकल आईं और गदन पर सूजन आ गई, मैंने एक होम्योपैथिक डाक्टर को दिखाया, उसके इलाज से बच्चे को बहुत आराम मिला, पर ठीक एक साल के बाद वही चीज फिर और ज्यादा जोर के साथ निकल आई, अब मेरे बच्चे की हालत खतरनाक हो गई, 8 सितम्बर सन् 1954 को मैंने नई दिल्ली के सफदरजंग अस्पताल में उसका एक्सरे कराया, एक्सरे से मालूम हुआ कि बायें फेफड़ों में तपेदिक हो गया है और फेफड़ों के बीच की गिल्टियाँ बढ़ गई हैं, लड़के को नई दिल्ली के इरविन

ہسپتال میں بےجا گیا۔ وہاں پوری طرح امتحان ہوا۔ 18 ستمبر سن 1954 کو انہوں نے کہا کہ گردن میں تپدق کی گتھیاں ہیں۔ انہوں نے طاعت کی دوائیں اور دیتھین کھانے کی صلاح دی اور آئرا وایولیت کرنوں کا علاج بتایا۔ یہ سب علاج ہو چکے کے بعد بھی ابھی تک وہ پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا۔ ہمارے گھر میں آج تک کبھی کسی کو تپدق نہیں ہوا تھا۔ اس معاملے میں ہمیں کافی پریشانی ہوئی اور زہر بار ہونا پڑا۔ یہ سب بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے کی بدولت۔ کئی برس سے یہ ٹیکے آنے آندھا دھندلی سے لگایا جا رہا ہے وہ اثر اُس سے جو فائدہ سوچا جاتا ہے اُس کی نسبت نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ سرکار کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ اس سب کی روک تھام ہونی چاہئے۔“

ہمارے بچوں پر خतरناک تاجر با

یہ بڑی سی کتاب ابھی انگریزی میں چھپ رہی تھی کہ مڈن پللی کے یونیٹن میٹھن ڈیوہرکولوسس ہسپتال کے سوپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر فریڈمڈ مولر نے اپنے سینیٹوریئم کے کام کی چرچا کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ:—“بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکا کھانے کے بعد بچوں کو تپدق کی بیماری سے بچا سکتا ہے، اس پر جب تک ابھی کافی وقت نہ نکل جائے اور نتیجہ تو نہ دیکھ لیں تب تک ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔“ یہ ایک بہت ہی تجربے کا اور ذمہ دار ڈاکٹر کا بیان ہے، جس میں شہدوں کو تول تول کر رکھا گیا ہے۔ ہمارے لئے یہ کافی اترہ رکھتا ہے۔ یہ بات بالکل پکی ہے کہ ہندوستان میں بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانے کی جو یہ تحریک چل رہی ہے یہ کسی بیماری کو روکنے کا کوئی آزمایا ہوا طریقہ نہیں ہے، یہ ایک بڑے پیمانے پر ہمارے بچوں پر ایک خطرناک تجربہ کیا جا رہا ہے، جسے کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا۔

ہمارے بچوں پر خطرناک تجربہ

یہ چھوٹی سی کتاب ابھی انگریزی میں چھپ رہی تھی کہ مڈن پللی کے یونیٹن میٹھن ڈیوہرکولوسس ہسپتال کے سوپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر فریڈ مولر نے اپنے سینیٹوریئم کے کام کی چرچا کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ:—“بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ یہاں تک بچوں کو بعد میں تپدق کی بیماری سے بچا سکتا ہے، اس پر جب تک ابھی کافی وقت نہ نکل جائے اور نتیجہ تو نہ دیکھ لیں تب تک ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔“ یہ ایک بہت ہی تجربے کا اور ذمہ دار ڈاکٹر کا بیان ہے، جس میں شہدوں کو تول تول کر رکھا گیا ہے۔ ہمارے لئے یہ کافی اترہ رکھتا ہے۔ یہ بات بالکل پکی ہے کہ ہندوستان میں بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانے کی جو یہ تحریک چل رہی ہے یہ کسی بیماری کو روکنے کا کوئی آزمایا ہوا طریقہ نہیں ہے، یہ ایک بڑے پیمانے پر ہمارے بچوں پر ایک خطرناک تجربہ کیا جا رہا ہے، جسے کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا۔

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

کिसی نے محمد صاحب سے پوچھا:—”اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟“ پیغمبر نے جواب دیا—”جب کسی نےک کام کے کرنے سے تمہیں خوشی ہو، اور بُرا کام کرنے سے تمہیں دُکھ ہو تب سمجھو کہ تم ’مومن‘ یعنی ایمان والے ہو۔“ اُس آدمی نے پھر پوچھا—”اور گناہ کیا ہے؟“ اُنہوں نے جواب دیا—”جب کوئی چیز اندر ہی اندر تمہیں کوجتی ہو تو اُسے مت کرو۔“

—ابو امامہ، احمد۔

محمد صاحب نے کہا:—”سچ مچ اُس آدمی کا کوئی ایمان نہیں جو کسی کے ساتھ دشواریاں گھات کرنا ہے، اور اُس کا کوئی دین نہیں جو اپنے وعدوں کو پورا نہیں کرتا۔“

—انس، بیہقی۔

میں نے پوچھا—”اسلام کیا ہے؟“ پیغمبر نے جواب دیا—”جہان کو پاک رکھنا اور مہمان کی خاطر کرنا۔“

میں نے پوچھا—”ایمان کیا ہے؟“ پیغمبر نے جواب دیا—”سچ کرنا اور دُوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا۔“

—امرو، احمد۔

محمد صاحب نے کہا:—”دُوسروں کو دُکھ پہنچانے سے اپنے کو روکنا ایمان ہے؛ مومن کو چاہیے کہ کسی کو دُکھ نہ پہنچائے۔“

—ابو ہریرہ، ابو داؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”جو آدمی جھوٹ بولتا نہیں چھوڑتا اور جو اُسی طرح کے دُوسرے برے کاموں سے باز نہیں آتا اُس کے کھانا اور پانی چھوڑ کر روزہ رکھنے کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

—ابو ہریرہ، بخاری۔

محمد صاحب نے کہا:—”تم سے پہلے جو قومیں ہوئی ہیں وہ اُس لئے برباد ہوئیں کہ جب اُن میں سے کسی بڑے گھرانے کا آدمی چوری کرتا تھا تو وہ اُسے سزا نہیں دیتے تھے، اور جب اُن میں سے کوئی کمزور یا غریب آدمی چوری کرتا تھا تو اُسے وہ سزا دیتے تھے۔ اللہ کی

کرم ! چوری کرنے والی چاہے محمد کی بیٹی ناطقہ ہی کہیں نہ ہو میں اس کے ہاتھ کاٹ لوں گا۔“

—آیاشا، بخاری: مسلم: ابوداؤد: ترمذی: نسائی: نساہ۔

محمد صاحب نے کہا: —”تم میں سے کسی کو اتنا بیوقوف نہیں ہونا چاہئے کہ وہ کہے کہ —”میں لوگوں کے ساتھ رہوں گا، اگر لوگ میرے ساتھ بھلائی کریں تو میں ان کے ساتھ بھلائی کروں گا، اور وہ اگر میرے ساتھ برائی کریں تو میں ان کے ساتھ برائی کروں گا۔“ اس کے خلاف تمہیں اس طرح سمجھ سے کام لینا چاہئے کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ نیکی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرو اور وہ اگر تمہارے ساتھ برائی کریں تو تم ان کے ساتھ برائی کرنے سے بچو۔“

—حذیفہ، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا: —”سچ میں کسی بھی پیشوا یا لیڈر کے لیے یہ زیادہ اچھا ہے کہ وہ غلطی سے کسی کو معاف کر دے بجائے اس کے کہ وہ غلطی سے کسی کو سزا دے۔“

—عائشہ، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا: —”موسیٰ نے اللہ سے پوچھا: —”اے میرے اللہ! تیری نظروں میں تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت کے قابل کون ہے؟“ اللہ نے جواب دیا: —”وہ جس میں بدلہ لینے کی شکی ہے اور پھر بھی وہ معاف کر دیتا ہے۔“

—ابوہریرہ، بیہقی۔

محمد صاحب نے کہا: —”اے اللہ! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت کے قابل کون ہے؟“ اللہ نے جواب دیا: —”وہ جس میں بدلہ لینے کی شکی ہے اور پھر بھی وہ معاف کر دیتا ہے۔“

—ابوہریرہ، بیہقی۔

محمد صاحب نے کہا: —”اے اللہ! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت کے قابل کون ہے؟“ اللہ نے جواب دیا: —”وہ جس میں بدلہ لینے کی شکی ہے اور پھر بھی وہ معاف کر دیتا ہے۔“

—ابوہریرہ، بیہقی۔

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

محمد صاحب نے کہا: — ”سب مخلوق (پراणी) اللہ کا ہیں اور اس کلمہ میں اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے اللہ کے اس کلمہ کے ساتھ بھائی کرتا ہے۔“

— انس اور عبداللہ، بیہقی .

محمد صاحب نے کہا: — ”اے ابوذر ! کسی بھی نیک کام کی حثارت کی نگاہ سے نہ دیکھو چاہے وہ اپنے کسی بھائی سے قبول کر بولنا ہی کیوں نہ ہو۔“

— ابوذر، بخاری، مسلم، ترمذی .

محمد صاحب نے کہا: — ”بھائیوں کو خانا खिलाओ, बीमारों को देखने जाओ और गुलामों और कैदियों को आजाद करो۔“

— ابو موسیٰ، بخاری، ابوداؤد .

محمد صاحب نے کہا: — ”دیامت کے دن اللہ کہے گا: اے آدمی بیتہ ! میں بیمار تھا اور تو مجھے دیکھنے نہیں آیا۔ اے میرے اللہ ! تو تو ساری دنیا کا مالک ہے، میں تجھے کھانے پیسے آسکتا تھا ؟“ اللہ کہے گا: کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے بندوں میں سے فلاں بندہ بیمار تھا اور تو اُسے دیکھنے نہیں گیا ؟ کیا تو یہ نہیں جانتا تھا کہ اگر تو اُسے دیکھنے جاتا بلاتک مجھے اُس کے پاس پانا ؟“ اللہ پھر کہے گا: اے میرے اللہ ! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے مجھے نا نہیں دیا تھا۔ اے آدمی جواب دے گا: اے میرے اللہ ! تو ساری دنیا کا مالک ہے میں تجھے کھانا پیسے دے سکتا ؟“ اللہ کہے گا: کیا تو یہ نہیں جانتا تھا کہ میرے فلاں سے لے کر تیرے لئے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اُسے کھانا نہیں دیا تھا ؟“ تو یہ نہیں جانتا تھا کہ اگر تو اُسے کھانا دیتا تو بلاشک وہ نا مجھے پہنچتا ؟“ اللہ پھر کہے گا: اے آدمی کے بیتہ ! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔ اے آدمی جواب دے گا: اے میرے اللہ تو تو ساری دنیا کا مالک ہے میں تجھے پانی کیسے دے سکتا تھا ؟“ اللہ کہے گا: میرے فلاں سے پانی مانگا تھا اور تو نے پانی نہیں دیا۔ بلاشک اگر تو اُسے پانی پیلے کو دیتا تو پانی مجھے پہنچتا۔“

— ابو ہریرہ، مسلم .

محمد صاحب نے کہا: — ”نیک بیچارہ ہی اچھی عبادت کرتا ہے۔“

— ابو ہریرہ، ابوداؤد: احمد .

مورماد صاحب نے کہا:—”اگر مومن کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ اُس کے گناہوں کی کیا سزا دے گا تو کوئی مومن جنت کی آشا نہ رکھگا! اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کتنا رحم ہے تو کوئی کافر جنت سے نا امید نہیں ہوگا۔“

—ابو ہریرہؓ بخاری: مسلم .

—انوارک مجیب رضوی

—ابو ہریرہؓ بخاری: مسلم .

—انوارک مجیب رضوی

آوارا شاعر !

آوارا شاعر !

شہری علی اکبر امیری

شہری علی اکبر امیری

بابو صاحبان! پرنام! ارے! آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟ پرنام کا ارتھ نہیں جانتے؟ جس زبان کو ہماری حکومت نے سرکاری زبان بنایا ہے، اُسے جانتا تو ہر بھارتی کا فرض ہے۔ خیر نہ جانو سہی، لاکھوں میں آپ دونوں کے نمبر شامل ہو گئے تو کیا ہو گیا؟

بابو صاحبان! پرنام! ارے! آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟ پرنام کا ارتھ نہیں جانتے؟ جس زبان کو ہماری حکومت نے سرکاری زبان بنایا ہے، اُسے جانتا تو ہر بھارتی کا فرض ہے۔ خیر نہ جانو سہی، لاکھوں میں آپ دونوں کے نمبر شامل ہو گئے تو کیا ہو گیا؟

مجبے دیکھو، انگریزی، بنگلا، مراٹھی، گجراتی، سندھی، اردو، فارسی، ہندی یہ سبھی زبانیں جانتا ہوں۔ مگر کسی بھی زبان کا ”ڈپلوما ہولڈر“ (Diploma-holder) نہیں ہوں۔ ویسے ہی ایک ایک کر کے سیکھ لی تھی۔ انتہا یہ کہ اردو کا شاعر بھی ہوں۔ ”جوش“ ملیح آبادی نہیں، ”مخدوم“ محی الدین بھی نہیں اور ”الطاف“ مشہدی تو ہوں ہی نہیں بلکہ ایک معمولی شاعر ہوں۔ صنعتی گریز بھی جانتا ہوں۔ ان تمام فنون کے جاننے کے باوجود بھی آج صبح سے بھوکا ہوں۔ ارے! آپ لوگ چونک کیوں گئے؟ اس لئے کہ میں آپ سے کچھ مانگوں گا؟ اطمینان رکھئے صاحبان، میں آپ سے کچھ بھی نہیں مانگوں گا۔

مجبے دیکھو، انگریزی، بنگلا، مراٹھی، گجراتی، سندھی، اردو، فارسی، ہندی یہ سبھی زبانیں جانتا ہوں۔ مگر کسی بھی زبان کا ”ڈپلوما ہولڈر“ (Diploma-holder) نہیں ہوں۔ ویسے ہی ایک ایک کر کے سیکھ لی تھی۔ انتہا یہ کہ اردو کا شاعر بھی ہوں۔ ”جوش“ ملیح آبادی نہیں، ”مخدوم“ محی الدین بھی نہیں اور ”الطاف“ مشہدی تو ہوں ہی نہیں بلکہ ایک معمولی شاعر ہوں۔ صنعتی گریز بھی جانتا ہوں۔ ان تمام فنون کے جاننے کے باوجود بھی آج صبح سے بھوکا ہوں۔ ارے! آپ لوگ چونک کیوں گئے؟ اس لئے کہ میں آپ سے کچھ مانگوں گا؟ اطمینان رکھئے صاحبان، میں آپ سے کچھ بھی نہیں مانگوں گا۔

آج اتوار ہے۔ شہر کی لگ بھگ سبھی دوکانیں بند ہیں۔ چھٹی جو ہے نا؟ اور میں نے بھی اپنے پھٹ کو چھٹی دے رکھی ہے۔ آپ لوگ اس پارک میں شاید تعریض کے لئے آئے ہیں۔ میں بھی اسی غرض سے آیا ہوں۔ آپ لوگوں کو اس جگہ بیٹھے دیکھ کر خیال ہوا۔ چلو کچھ دیر باتیں سے دل بہلائیں۔ جان پہچان نہیں تو کیا ہوا؟ اپنا تعارف آپ خود کرالیں گے۔ یعنی کہ ادیبوں کی زبان میں اپنی قلبی آپ حود بجا لینگے۔ ارے! آپ لوگ ہنسے ہیں۔ ہنسے صاحب! خوب ہنسے۔ مجھے اُس کی پرواہ نہیں۔ شاید

آج اتوار ہے۔ شہر کی لگ بھگ سبھی دوکانیں بند ہیں۔ چھٹی جو ہے نا؟ اور میں نے بھی اپنے پھٹ کو چھٹی دے رکھی ہے۔ آپ لوگ اس پارک میں شاید تعریض کے لئے آئے ہیں۔ میں بھی اسی غرض سے آیا ہوں۔ آپ لوگوں کو اس جگہ بیٹھے دیکھ کر خیال ہوا۔ چلو کچھ دیر باتیں سے دل بہلائیں۔ جان پہچان نہیں تو کیا ہوا؟ اپنا تعارف آپ خود کرالیں گے۔ یعنی کہ ادیبوں کی زبان میں اپنی قلبی آپ حود بجا لینگے۔ ارے! آپ لوگ ہنسے ہیں۔ ہنسے صاحب! خوب ہنسے۔ مجھے اُس کی پرواہ نہیں۔ شاید

آپ لوگ مجھے نہم پاگل سمجھتے ہیں۔ پورا پاگل ہی سمجھتے! آخر شاعر جو ہے؟

ہوں! میں اپنا تعارف کرانا تو بھول ہی گیا۔ یوں ہی اینٹی بینڈی بکتا جا رہا ہوں۔ میں ایک شریف خاندان کا چشم و چراغ ہوں۔ دفلی میڈی جنڈ بھومی ہے، یعنی کہ جائے پیدائش۔ جب سے شوہر سنبھالا اپنے آپ کو آزادی کا رسیا پایا۔ سن 1947ء سے پہلے میرے دلوانے اپنے جوان تھے کہ کچھ پڑھو نہیں۔ میں نے حصول آزادی میں جان توڑ کوشش کی۔ اس سلسلے میں مجھے جیل بھی بھیجا گیا۔ جیل میں چکی پیوستہ پیوستہ صاحبہ شائقوں میں چھالے پڑ گئے اور جو ”مہذب لوگ“ میرے ساتھ جیل بھیجے گئے، انہیں جیل میں بھی ریلوے کمپارٹمنٹ کی طرح ”ڈسٹ کلاس“ ملی اور بھات آزاد ہونے کے بعد انہیں جاگیریں بھی دی گئیں۔ لیکن میں؟ ایک معمولی انسان جو ٹھہرا۔ میری بساط ہی کیا؟

پھر بھی مجھے اننی خوشی تو ضرور ہے کہ کچھ نہ سہی، ہندستان آزاد تو ہو گیا۔ میں اپنی فکر کروں ہی کیوں؟ میں دن میں ایک دو وقت کے لئے بھوکھا بھی رہوں تو کیا بکڑ گیا جب کہ انگلستان انسانیت پر کڑی ”پاک دھا“ میں دن بھر بھوکے پڑے رہتے ہیں۔ کبھی نہیں سے کچھ مل گیا تو کھاتے ہیں۔ اُن کا ایسا کرنا سائنس کی رو سے تھوک ہی تو ہے۔ پیٹ کے لئے زیادہ کھانا معدے کی خرابی کا باعث بنتا ہے اور...

کیا کہا؟ میرا پیشہ؟ صاحب! یوں ہی در بدر کی ٹھوکریں دھانا پھر رہا ہوں، جیسے آجکل کے گریجویٹ اور ڈبل ایم. اے. نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ انہیں نوکری دیگا بی بی نون صاحب؟ وہ تو نوکری میں نواب گیری کرنا چاہتے ہیں۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ میں ٹھہرا ایک آوارہ شاعر۔ یوں تو آجکل کے ادیب اور شاعر میں بہت سے ادب فروش ہوتے ہیں مگر میری خوداری مجھے یہ بننے نہیں دیتی۔ اگر میں ادب فروش بننا بھی چاہوں تو کوئی میری رچنائیں اپنے پرچے میں شائع نہیں کریگا۔ کیونکہ میری شاعری خشک ہے جس میں رنگینی نہیں، عریانیت نہیں اور ایسی چیز نہیں جسے ہمارے پائیک چاہتے ہیں۔ آخر ایک معمولی شاعر جو ٹھہرا۔ اور اُس کے علاوہ...

آن..... یہ ریڈیو پر کونسا ریکارڈ بچ رہا ہے؟ ”آجا میرے بالما نہرا انتظار ہے۔“ نہ جانے ہمارے فلمی شاعر ایسے گانے کیوں لکھتے ہیں؟ پھر یہی اس میں اُن بیچاروں کا کیا قصور ہے۔ فلمی ناخداؤں کی مرضی ہے۔ وہ جیسا چاہتے ہیں فلمی شاعر اُسی طرح لکھتے ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ عربی اور فحش فلمیں بنانے میں ہماری موجودہ فلم انڈسٹری دوسرے ممالک سے بازی لے گئی ہے۔ ہماری حکومت کو خوں بھی اس بات کا فخر ہے کہ اینٹرٹینمنٹ ٹیکس (entertainment tax) لاہوں گے

हिसाब में जमा हो जाता है. मैं पूछता हूँ क्या रुम और चीन में फ़िल्मी सनश्चत से इतनी आमदनी हांती है ? ख़ूब अकड़ते हैं अपनी सयाही पालिसी पर.....

क्या कहा ? मैं बड़ा दिलचस्प आदमी हूँ ? शुक्रिया साहब, बेवकूफ कहने के बजाय दिलचस्प आदमी का खिताब दिया। कोई बात नहीं अगर आप मुझे बेवकूफ भी कह देते तो मेरा बिगड़ता ही क्या ? बिगड़ने की तो खूब रही, अब्बल तो मुझे गुस्सा ही नहीं आता, आखिर किसी पर गुस्सा करके भी क्या फायदा ? गुस्सा तो वह लोग करते हैं। जनके पास धन-दौलत की इफ़रात है, जिनके मातहत कई नौकर-चाकर काम करते हैं और जिनकी तोंदें बनस्पति धी से बने लजीज खानों से मोटी रहती हैं, न मेरे पास दौलत है, न नौकर और न ही मैं बनस्पति धी से बनी कोई चीज खाता हूँ, बनस्पति धी—सुना है इससे बनी चीज बहुत ही अच्छी और बहुत ही मजेदार हाती है, आखिर हमारी सरकार से सरटी/फ़केंट हासिल की हुई चीज जा ठहरी !, बकौल कसे यह और बात है कि “बनस्पति धी के इस्तेमाल से तीसरी पुस्त में औलाद अंग्रेजी पैदा होने लगती है, तीसरी पुस्त—जहन्नुम में जाये, हमें क्या और हमारी सरकार का क्या !

अरे, आप लोग उठने लगे ? शायद चाय पीने का वक्त आ गया. मैं चाय पीने का आदी नहीं हूँ साहब. हूँ ! चाय में रक्खा ही क्या है ? अगर एक प्याली चाय के पैस रहे तो एक रूखी सूखी रांटी खा लेता हूँ. चबन्नी रही तो एक वक्त का खाना मिल जाता है, चाहे अध-पेट ही क्यों न हो. इस वक्त तो जेब बिलकुल "एम्पटी" (empty) है. न आज रूखी सूखी रांटी ही मिलेगी और न ही आधापेट खाना !

ऐं, यह क्या ? अठन्नी ! मुझे माफ़ कीजिये साहब. मैं शरीर ज़रूर हूँ मगर भिखारी नहीं. आवारा शायर हूँ, बेकस हूँ, मेरा दुनिया में कोई नहीं, दर बदर की ठोकरें खाता फिरता हूँ, फिर भी खुदा र हूँ. अठन्नी देकर आप शायद मेरी खुदारी को ठेस पहुँचाना चाहते हैं. आप इस अठन्नी के बत्तीस पाव आने बत्तीस भिखारियों में बाँट दीजिये साहब.

अच्छा साहब, तसलीम ! आपकी निवाजिश का शक्रिया.

حساب میں جمع ہو جاتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا روس اور چین میں فلسفی صحت سے اپنی آمدنی ہونی ہے؟ خوب اکتے ہیں اپنی سیاسی پالہسی پر.....

کیا کہا ؟ میں بڑا دلچسپ آدمی ہوں ؟ شکریہ صاحب،
 بیوقوف کہنے کے بجائے دلچسپ آدمی کا خطاب دیا۔ کوئی
 بات نہیں۔ اگر آپ مجھے بیوقوف بھی کہہ دیتے تو میرا بگڑنا
 ہی کیا ؟ بگڑنے کی تو خوب رہی، 'اُدُل تو مجھے غصہ ہی
 نہیں آتا۔ آخر کسی پر غصہ کر کے بھی کیا فائدہ ؟ غصہ تو وہ
 لوگ کرتے ہیں جن کے پاس دھن دولت کی افراط ہے، جن کے
 ماتحت کئی نوکر چاکر کلم کرتے ہیں اور جن کی توندیں
 ہلستی گہی سے ہلے لایڈ کھانوں سے موٹی رہتی ہیں۔ نہ
 میرے پاس دولت ہے، نہ نوکر اور نہ ہی میں ہلستی گہی
 سے بنی کوئی چیز کھاتا ہوں۔ ہلستی گہی—سنا ہے اس سے
 بلی چیز بہت ہی اچھی اور بہت ہی مزیدار ہوتی ہے۔ آخر
 ہماری سرکار سے سرٹیفکیٹ حاصل کی ہوئی چیز جو ٹھہری !
 بقول کسی یہ اور بات ہے کہ "ہلستی گہی کے استعمال سے تیسری
 پشت میں اولاد آندھی پیدا ہونے لگتی ہے۔" تیسری پشت—
 جہنم میں جائے، ہمیں کیا اور ہماری سرکار کو کیا !

ارے، آپ لوگ اُتھتے لگے؟ شاید چائے پینے کا وقت آگیا۔
میں چائے پینے کا عادی نہیں ہوں صاحب۔ ہوں! چائے میں
دکھا ہی کیا ہے؟ اگر ایک پیالی چائے کے پیسے رہے تو ایک
روکھی سوکھی روٹی کھا لیتا ہوں۔ چونی رہی تو ایک وقت کا
کھانا مل جاتا ہے، چہے آدھ بیٹ ہی کیوں نہ ہو۔ اس وقت
نو جنب بالکل ”ایمپٹی“ (empty) ہے۔ نہ آج روکھی
سوکھی روٹی ہی ملیکی اور نہ ہی آدھ بیٹ کھانا!

اِس، یہ کیا ؟ اُٹھنی ! مجھے معاف کیجئے صاحب . میں غریب ضرور ہوں، مگر بھکاری نہیں . آؤ ارے شاعر ہوں، بھیس ہوں، میرا دنیا میں کوئی نہیں، دریدر کی تھوکریں کھانا پھرتا ہوں، پھر بھی خوددار ہوں . اُٹھنی دیکر آپ شاید مہری خودداری کو تھیس پہنچانا چیتے ہیں . آپ اِس اُٹنی کے ہتیس پاؤ اُنے ہتیس بھکاریوں میں ہاتھ دیکھئے صاحب .

اچھا صاحب، تسلیم! آپکی فوازش کا شکریہ۔

دوستی اور کلچری سہوگامی راہ پر

دوستی اور کلچری سہوگامی راہ پر

میری ولفیمیر یا کوولیو

میری ولفیمیر یا کوولیو

ہندوستان کے دریا اس دیس کی بھومی کو دھوتے ہوئے اور
ہاں کے آبجاء میدانوں میں ہر سال نئی جان ڈالتے ہوئے
ماہ ہند مہاساگر میں آنکلت جل اُتھلتے رہتے ہیں۔ روس کے
بے ہڑے دریا بیچ روس سے جنم لیکر دکھن کے گرم سمندروں
دیں یا اُتر کے برفیلے مہاساگر میں اپنے کو خالی کرتے دھتے ہیں۔

روس کے دریا چاروں طرف کو بہتے ہیں اور کون جالے
ہاں بھارت کے گنگا جل کی ایک ہوند روس کے وولگا (Volga)
ایونسی (Yenisse) ندی کی ایک ہوند کے ساتھ مل کر
س بڑی دھار میں مل جاتی ہو جو سب مہادہوں کے کناروں
و دھوتی رہتی ہے اور جس کی تری ساری دنیا کو چھین
یتی ہے۔

ان دونوں دیسوں کی الگ الگ کلچریں بے حد
اندار اور مالا مال ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی بابت بہت
چھ کہا جاسکتا ہے۔ ان کے باغی رنگ روپ الگ الگ ہیں۔
یہ الگ الگ قومی کلچریں مل کر ایک دوسرے کو مالا مال
رتی ہیں اور ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ اس
بعد بھارت کی کلچر اور روس کی کلچر دونوں اپنے سنذر
نکتے ہوئے رنگوں کو ایک دوسرے کے اندر تانے والے کی طرح
لا کر ایک ایسا سنذر گلدستہ بنادیتی ہیں جسے ہم ساری
نسانی قوم کے لئے ایک ملی جلی کلچر یعنی انسانی کلچر
مانو سنسکرتی کہہ سکتے ہیں۔

نہرو نے اپنی کتاب "دیسکوری آف انڈیا" میں
لیکھا ہے—"پورانے زمانے میں ہندوستان کا یہی مریکا
رہا ہے کہ وہ دوسری کلچروں کا سواگت کر کے اپنے میں ملاتا رہا ہے۔ آج اس
ی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ کل ہم دنیا بھر کی اُس
بمٹا کی طرف بڑھنے والے ہیں جہاں پہنچ کر سب الگ الگ
شعروں کی الگ الگ کلچریں ساری انسانی قوم کی ایک
متراشقریبہ کلچر میں مل کر ایک ہو جائیں گی۔ اس لئے ضروری
ہے کہ ہمیں جہاں سے بھی اچھی باتیں، علم، جانکاری، دوستی
سہوگامی مل سکے ہم اُس کا سواگت کریں اور جو بڑے بڑے
م ساری انسانی قوم کے ہلے کے ہیں ان میں ہم سب کے
اتھ مل کر کوشش کریں۔"

ہندوستان کے دریا اس دیس کی بھومی کو دھوتے ہوئے اور
ہاں کے آبجاء میدانوں میں ہر سال نئی جان ڈالتے ہوئے
ماہ ہند مہاساگر میں آنکلت جل اُتھلتے رہتے ہیں۔ روس کے
بے ہڑے دریا بیچ روس سے جنم لیکر دکھن کے گرم سمندروں
دیں یا اُتر کے برفیلے مہاساگر میں اپنے کو خالی کرتے دھتے ہیں۔

روس کے دریا چاروں طرف کو بہتے ہیں اور کون جالے
ہاں بھارت کے گنگا جل کی ایک ہوند روس کے وولگا (Volga)
ایونسی (Yenisse) ندی کی ایک ہوند کے ساتھ مل کر
س بڑی دھار میں مل جاتی ہو جو سب مہادہوں کے کناروں
و دھوتی رہتی ہے اور جس کی تری ساری دنیا کو چھین
یتی ہے۔

ان دونوں دیسوں کی الگ الگ کلچریں بے حد
اندار اور مالا مال ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی بابت بہت
چھ کہا جاسکتا ہے۔ ان کے باغی رنگ روپ الگ الگ ہیں۔
یہ الگ الگ قومی کلچریں مل کر ایک دوسرے کو مالا مال
رتی ہیں اور ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ اس
بعد بھارت کی کلچر اور روس کی کلچر دونوں اپنے سنذر
نکتے ہوئے رنگوں کو ایک دوسرے کے اندر تانے والے کی طرح
لا کر ایک ایسا سنذر گلدستہ بنادیتی ہیں جسے ہم ساری
نسانی قوم کے لئے ایک ملی جلی کلچر یعنی انسانی کلچر
مانو سنسکرتی کہہ سکتے ہیں۔

نہرو نے اپنی کتاب "دیسکوری آف انڈیا" میں
لیکھا ہے—"پورانے زمانے میں ہندوستان کا یہی مریکا
رہا ہے کہ وہ دوسری کلچروں کا سواگت کر کے اپنے میں ملاتا رہا ہے۔ آج اس
ی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ کل ہم دنیا بھر کی اُس
بمٹا کی طرف بڑھنے والے ہیں جہاں پہنچ کر سب الگ الگ
شعروں کی الگ الگ کلچریں ساری انسانی قوم کی ایک
متراشقریبہ کلچر میں مل کر ایک ہو جائیں گی۔ اس لئے ضروری
ہے کہ ہمیں جہاں سے بھی اچھی باتیں، علم، جانکاری، دوستی
سہوگامی مل سکے ہم اُس کا سواگت کریں اور جو بڑے بڑے
م ساری انسانی قوم کے ہلے کے ہیں ان میں ہم سب کے
اتھ مل کر کوشش کریں۔"

بھارت کے پردھان منتری کی اس کتاب کا روسی ترجمہ اس سال نکل چکا ہے۔ روس نے وگوں نے ان راہیوں کو پڑھا۔ ہر روسی نہرو کی اس بات کے ساتھ سمیت ہے۔ سوویت روس کے لوگوں کے دل اور دماغ اور بھارت کے لوگوں کے دل اور دماغ اس بات کے لئے پوری طرح کھلے ہوئے ہیں کہ ہم بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے سے وچاروں اور روحانی سچائیوں کا لین دین کریں۔

لنین نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی کہ حقیقی سوشلسٹ لچر کی تعمیر اس سے تک نہیں کی جاسکتی جب تک ہم اس ساری روحانی دولت سے اپنے کو مالا مال نہ کر لیں جو انسانی قوم نے آج تک پیدا کی ہے۔ اس لئے ہم قوموں کے بیچ بڑے سے بڑے پیمانے پر کلچری لین دین کے حق میں ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا دے رہا ہے کہ اس سے نہ یوں الگ الگ دیشوں اور الگ الگ قوموں کی اپنی اپنی اشتہری سنسکرتیاں ہی اور ادھک مالا مال ہونگی، بلکہ ہم ایک دوسرے کو بھی ادھک اچھی طرح سمجھ سکیں گے اور دیشوں دیشوں کے بیچ دوستی بڑھ سکے گی۔

لنین نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی کہ حقیقی سوشلسٹ لچر کی تعمیر اس سے تک نہیں کی جاسکتی جب تک ہم اس ساری روحانی دولت سے اپنے کو مالا مال نہ کر لیں جو انسانی قوم نے آج تک پیدا کی ہے۔ اس لئے ہم قوموں کے بیچ بڑے سے بڑے پیمانے پر کلچری لین دین کے حق میں ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا دے رہا ہے کہ اس سے نہ یوں الگ الگ دیشوں اور الگ الگ قوموں کی اپنی اپنی اشتہری سنسکرتیاں ہی اور ادھک مالا مال ہونگی، بلکہ ہم ایک دوسرے کو بھی ادھک اچھی طرح سمجھ سکیں گے اور دیشوں دیشوں کے بیچ دوستی بڑھ سکے گی۔

سوویت یونین اور بھارت کے بیچ مترن اور ہر طرح کے بہیوگ کے سمبند قائم ہو چکے ہیں۔ ہمارے کلچری ناتے بڑھتے جارہے ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ سمبند کپول بانی باتوں میں ہی نہیں عملی کاموں میں بھی گہرا اور مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔

اس سال جنوری میں بھارت سرکار کی داہت پر بھارت پھنچ کر منہ بڑی خورشی ہوئی تھی۔ ہمارے ڈیلیگیشن کے नेता روسی شایر آلےکسی سورکوف (Alexi Surkov) تھے۔ وہ ایک کلچرل ڈیلیگیشن تھا۔ ہم اس بڑے وشواس کو لیکر وس واپس آئے کہ بھارت کے لوگوں کے دل سوویت روس کے لوگوں کے ساتھ مترن کے بھاؤں سے بھرے ہوئے ہیں بھارت کے لوگ روس کے ساتھ مترن کے بھاؤں سے بھرے ہوئے ہیں بھارت کے لوگ روس کے ساتھ مترن کے ساتھ کلچری سمبند کو بڑھانا اور ادھک مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ واکس (Voks) نامی روسی سنسٹیٹا کے ایک کام کرنے والے کی حیثیت سے مجھے یہاں آکر اپنے ساتھیوں سے بار بار یہ دھکار سنی ہوئی کہ ہماری سنسٹیٹا بھارت اور روس کے لوگوں کے بیچ ایسی میل جول اور کلچری لین دین کی بڑھتی ہوئی مانگوں کو پورا کرنے کے لئے کافی کام نہیں کر رہی ہے۔

ایک ہندوستانی کہات ہے کہ ہزار بار سننے سے ایک بار دیکھنا ادھک اچھا ہے۔ تجربہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا اور وچاروں کے لین دین کا سب سے چھا طریقہ ایک دوسرے سے ملنا ہے۔ بھارت واسیوں کی بہرہست لچری دولت کو اور ان کی اصولیہ اور پراچین پیتربک روحانی سہیتی کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اپنے دیش واپس آکر ہم نے

ایک ہندوستانی کہات ہے کہ ہزار بار سننے سے ایک بار دیکھنا ادھک اچھا ہے۔ تجربہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا اور وچاروں کے لین دین کا سب سے چھا طریقہ ایک دوسرے سے ملنا ہے۔ بھارت واسیوں کی بہرہست لچری دولت کو اور ان کی اصولیہ اور پراچین پیتربک روحانی سہیتی کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اپنے دیش واپس آکر ہم نے

ایک ہندوستانی کہات ہے کہ ہزار بار سننے سے ایک بار دیکھنا ادھک اچھا ہے۔ تجربہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا اور وچاروں کے لین دین کا سب سے چھا طریقہ ایک دوسرے سے ملنا ہے۔ بھارت واسیوں کی بہرہست لچری دولت کو اور ان کی اصولیہ اور پراچین پیتربک روحانی سہیتی کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اپنے دیش واپس آکر ہم نے

ایک ہندوستانی کہات ہے کہ ہزار بار سننے سے ایک بار دیکھنا ادھک اچھا ہے۔ تجربہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا اور وچاروں کے لین دین کا سب سے چھا طریقہ ایک دوسرے سے ملنا ہے۔ بھارت واسیوں کی بہرہست لچری دولت کو اور ان کی اصولیہ اور پراچین پیتربک روحانی سہیتی کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اپنے دیش واپس آکر ہم نے

ایک ہندوستانی کہات ہے کہ ہزار بار سننے سے ایک بار دیکھنا ادھک اچھا ہے۔ تجربہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا اور وچاروں کے لین دین کا سب سے چھا طریقہ ایک دوسرے سے ملنا ہے۔ بھارت واسیوں کی بہرہست لچری دولت کو اور ان کی اصولیہ اور پراچین پیتربک روحانی سہیتی کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اپنے دیش واپس آکر ہم نے

अलुबारीयों में जलसों में, भारतीय जीवन की और अपने भारतीय दोस्तों की परचा की. और हम इस बात की केशिरा कर रहे हैं कि इससे कहीं अधिक बड़े पैमाने पर हमारे दोनों देशों की अवरुक्त कलचरें एक दूसरे से मिलकर एक दूसरे को और अधिक मालामाल कर सकें.

सोवियत रूस के लोग बड़े प्यार के साथ भारत के कलचरी दूतों का स्वागत करते हैं. इस साल अभी तक अलग-अलग कलचरी काम करने वालों के अलावा उन्नीस डैलीगेशन भारत से सोवियत रूस आ चुके हैं. इनमें भारत की पार्लामेंट के भैम्बरों का डैलीगेशन, कई ट्रेड यूनियन डैलीगेशन, डाक्टरों का डैलीगेशन, अखबार नवोसों का डैलीगेशन और साइंस वालों का डैलीगेशन सब शामिल हैं. जेनेवा में ऐटमी शांति के शान्तिमय उपयोगों के बारे में साइंसदानों की जो कानफ्रेंस हुई थी उसके चेयरमैन श्री एच. भाभा भारत के साइंसदानों के डैलीगेशन के नेता थे.

उधर से भारत ने आठ डैलीगेशन इसी अर्से में सोवियत
रूस से बुलाये. इनमें रूसी साइंसदानों का डैलीगेशन,
कलचरी डैलीगेशन, डाक्टरों का डैलीगेशन और वकीलों का
डैलीगेशन सब शामिल थे.

मास्को में हमें मालूम हुआ है कि रूस के महाकवि पुश्किन (Pushkin) की कविता "जिप्सीज" (Gypsies) का आ. डबल्यू. आर. शर्मा ने हिन्दी भाषा में अनुवाद किया है और वह भारत में छप गया है. पुश्किन उन्नीसवीं सदी का रूस का सबसे बड़ा कवि था. रूसी जनता उसे सबसे अधिक चाहता और पसन्द करती थी. अपने समय के रूस के हालात उसने बहुत ही चमकते हुए ढंग से अपनी कविताओं में बयान किये हैं. हमें इस बात की बड़ी खुशी है कि भारत के पढ़ने वाले भी पुश्किन की रचनाओं से वाक़िफ़ हो जायेंगे.

भारतीय साहित्य और भारतीय कला के सुनहरे युग के सब से चमकते हुए तारे, जबरदस्त कलाकार और नाटक-कार महाकवि कालिदास के नाटक “शकुन्तला” का रूसी में अनुवाद हो चुका है और इसी साल रूस में शायी हो चुका है। कृष्णचन्द्र और मुल्कराज आनन्द की कहानियाँ और उनकी चुनी हुई रचनाएँ रूस में शायी हो चुकी हैं। उन्नीसवीं सदी का रूसी साहित्य आइ. पी. मिनायेव (I. P. Minayev) अपने समय में हिन्दुस्तान और बर्मा आया था। रूस के बहुत से विद्वानों का उसने हिन्दु-स्तान के हालात बताये और हिन्दुस्तान की बाबत अधिक जानकारी हासिल करने का रूसियों में शौक पैदा किया। उसकी किताब “हिन्दुस्तान और बर्मा के सफ़र का राज-नामचा” रूस में पहली बार अब शायी हुआ है। रवीन्द्रनाथ टैगोर की कुछ चुनी हुई रचनाओं की पहली जिल्द भी रूसी भाषा में हाल में शायी हुई है। और जिल्दें निकलने वाली हैं।

خباہوں میں، جلسوں میں، ہارتھ جنوں کی اور اپنے ہارتھ دوستوں کی چرچا کی۔ اور ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس سے کہیں اُدھک ہڑے پیمانے پر ہمارے دونوں دیشوں کی زبردست کاچریں ایک دوسرے سے مل کر ایک دوسرے کو اور اُدھک مالا مال کرسکیں۔

سوویت روس کے لوگ بڑے پیار کے ساتھ بھارت کے کلچری دوتوں کا سواگت کرتے ہیں۔ اِس سال ابھی تک الگ الگ کلچری کام کرنے والوں کے علاوہ اُنہیں 'ڈیلیکیشن بھارت سے سوویت روس آجکے ہیں۔ اِن میں بھارت کی پارلیمنٹ کے ممبروں کا 'ڈیلیکیشن'، نئی ٹریڈ یونین 'ڈیلیکیشن'، ڈاکٹروں کا 'ڈیلیکیشن'، اخبار نویسوں کا 'ڈیلیکیشن'، اور سائنس دانوں کا 'ڈیلیکیشن' سب شامل ہیں۔ جنہوں میں ایسی شکتی کے شائق منہ اُپھوگروں کے بارے میں سائنس دانوں کی جوائنٹس ہونی تھی اس کے 'چیرمین' شری اُچ۔ بہاؤ بھارت کے سائنس دانوں کے 'ڈیلیکیشن' کے نمائندے تھے۔

آندھر سے بھارت نے آتم قبلیکیشن اسی عرصہ میں شروع کی
روس سے بلایے۔ ان میں روسی سائنس دانوں کا قبلیکیشن
کلچری قبلیکیشن، دانوروں کا قبلیکیشن اور ویلوں کا قبلیکیشن
شامل تھے۔

ماسکو میں ہمیں معلوم ہوا کہ روس کے مہا کوی بشکن (Pushkin) کی کویتا ”چپ سہز“ (Gypsies) کا شری ذہلو۔ آر۔ رشی نے ہندی بھاشا میں انواد کیا ہے اور وہ بھارت میں چھپ گیا ہے۔ بشکن انیسویں صدی کا روس کا سب سے بڑا کوی تھا۔ روسی جتنا اُسے سب سے ادھک چاہتی اور پسند کرتی تھی۔ اپنے سہنے کے روس کے حالات اُس نے بہت ہی چمکتے ہوئے دھنگ سے اپنی کویتاؤں میں بیان کئے ہیں۔ ہمیں اِس بات کی بڑی خوشی ہے کہ بھارت کے بڑھنے والے بھی بشکن کی رچناؤں سے واقف ہو جائینگے۔

بھارتیہ سائنس اور بھارتیہ کلا کے سنہری یگ کے سب سے چمکتے ہوئے قارے، زبردست ناکار اور نائنک کار مہاکوی گائیڈاس کے نائنک ”شکنتلا“ کا روسی میں انووان ہو چکا ہے اور اسی سال روس میں شائع ہو چکا ہے۔ کرشن چندر اور ملک راج انند کی کہانیاں اور انکی چنی ہوئی دچنائوں روس میں شائع ہو چکی ہیں۔ انیسویں صدی کا روسی سائنس داں آئی۔ بی۔ منایو (I. P. Minayev) اپنے سمنے میں ہندستان برما آیا تھا۔ روس کے بہت سے ودوانوں کو اُس نے ہندستان کے حالات بتائے اور ہندستان کی بابت ادنک جان کاری حاصل کرنے کا روسیوں میں شوق پیدا کیا۔ اُس کی کتاب ”ہندستان اور برما کے سفر کا روزنامہ“ روس میں پہلی بار اب شائع ہوا ہے۔ ریخندر ناتھ ٹیکور نے کچھ چنی ہوئی دچنائوں کی پہلی جلد بھی روسی بھاشا میں حال میں شائع ہوئی ہے۔ اور جلدیں نکلنے والی ہیں۔

روسی کلاکار (A. Gerasimov) ہال میں بھارت آئے تھے۔ انہوں نے کچھ 'بھارتیہ چٹروں' تصویروں اور خاکوں کا ایک سنگرہ کتاب کی شکل میں نکالا ہے۔ وہ کتاب روس میں اتنی جلدی وائٹوں ہاتھ یک گئی کہ پہلی ایڈیشن بالکل ختم ہو گئی اور اب انہیں سینکڑے سینکڑے کتابوں کی دکانوں پر بھی دیکھنے کو نہیں مل سکتی۔

یہاں کی وہاں اور وہاں کی یہاں نمائشوں کے ہونے سے بھی بہت بڑا فائدہ ہوا ہے۔ جواہر لال نہرو نے ماسکو میں جو بھارتیہ دستکاریوں کی نمائش کرائی یہ بڑا غصب کا خیال تھا۔ وزارتوں ماسکو نوٹسوں نے اور سوویت روس کے دولے کولے سے آئے ہونے وزارتوں لوگوں نے اس نمائش کو دیکھا اور بھارتیہ مٹا اور دستکاریوں کی ایک جیتنی جاگتی تصویر ان کے سامنے آگئی۔ اس نمائش میں ہائس ہزار نمونے تھے۔ پچھلے سال وہاں بھارتیہ چیزوں اور پتھر کی کھدائی کی چیزوں کی ایک نمائش ہوئی تھی۔ اس نمائش کے بعد ہندوستانی چیزوں کی یہ سب سے بڑی نمائش ہے جو ماسکو میں ہوئی ہے۔ ایک اور نمائش روس میں ہوئی جسکا نام تھا "بھارت کی کلچر اور مٹا۔" ایک ہندوستانی بھاشاؤں کے ساہتیہ کی نمائش ہوئی۔ ماسکو کی یہ سب نمائشیں اس سال بہت ہی کامیاب رہیں۔ ان کے علاوہ روس کے اور بہت سے شہروں میں بھارت کی چیزوں کی نمائشیں ہوئیں جیسے لینن گراڈ (Leningrad)، اڈیسار (Odessa)، کیوبیشو (Kuibyshev)، چیلیابینسک (Cheliabinsk)، سوردلوسک (Sverdlovsk)، ایوانووا (Ivanovo)، کیو (Kiev)، کیو (Kiev)، لور (Lvov)، تلیسی (Tbilisi)، آلتا (Alma Ata)، کاراگانڈا (Karaganda)، گومل (Gomel)، پیتروزاوڈسک (Petrozavodsk)، تاشکند، باکو، یشکباد، یرےوان (Yerevan)، ریگا (Riga) تیلین (Tillhn) وغیرہ۔ ان سب نمائشوں کے لئے ہدائتیں سوویت روس کے وہ آدمی دیتے تھے جو بھارت میں ہیں۔ اور ان کی ہدایتوں کے مطابق ان شہروں اور جگہوں کی ساروجنک سہولتیں وہاں کی لائبریریاں، وہاں کی کلچری سوسائٹیاں اور وہاں کے ویدیش سمبندھی محکمے اور خاص خاص آدمی ان نمائشوں کا سارا سرانجام کرتے تھے۔

دوسری طرف سوویت روس کی ویدیشوں کے ساتھ کلچری سمبندھ کی سوسائٹی نے اس سال نیچے لکھا نوماہشوں بھارت بھیجیں:— "سوویت روس کے کھڑا ملوں میں کام کرنے والے مہذبوں کا کام اور انکا جیون"، "سوویت روس کی سندر دستکاریوں"، "بچوں کی کتابوں اور گڈیوں کی نوماہش" فوڈ کی نوماہش "سوویت وڈبگستان" وغیرہ۔ یہ نوماہشیں دلیلی کی انٹراشرقیہ نوماہش میں حصہ لانے کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ دلی میں یہ روسی نمائشیں بھارت کی بھارت روس کلچرل سوسائٹی، وہاں کی روسی کلچر سوسائٹی، ڈاکٹر بالیگا (Dr. Baliga)، شریتمی

دوسری طرف سوویت روس کی ویدیشوں کے ساتھ کلچری سمبندھ کی سوسائٹی نے اس سال نیچے لکھا نوماہشوں بھارت بھیجیں:— "سوویت روس کے کھڑا ملوں میں کام کرنے والے مہذبوں کا کام اور انکا جیون"، "سوویت روس کی سندر دستکاریوں"، "بچوں کی کتابوں اور گڈیوں کی نوماہش" فوڈ کی نوماہش "سوویت وڈبگستان" وغیرہ۔ یہ نوماہشیں دلیلی کی انٹراشرقیہ نوماہش میں حصہ لانے کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ دلی میں یہ روسی نمائشیں بھارت کی بھارت روس کلچرل سوسائٹی، وہاں کی روسی کلچر سوسائٹی، ڈاکٹر بالیگا (Dr. Baliga)، شریتمی

دوسری طرف سوویت روس کی ویدیشوں کے ساتھ کلچری سمبندھ کی سوسائٹی نے اس سال نیچے لکھا نوماہشوں بھارت بھیجیں:— "سوویت روس کے کھڑا ملوں میں کام کرنے والے مہذبوں کا کام اور انکا جیون"، "سوویت روس کی سندر دستکاریوں"، "بچوں کی کتابوں اور گڈیوں کی نوماہش" فوڈ کی نوماہش "سوویت وڈبگستان" وغیرہ۔ یہ نوماہشیں دلیلی کی انٹراشرقیہ نوماہش میں حصہ لانے کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ دلی میں یہ روسی نمائشیں بھارت کی بھارت روس کلچرل سوسائٹی، وہاں کی روسی کلچر سوسائٹی، ڈاکٹر بالیگا (Dr. Baliga)، شریتمی

دوسری طرف سوویت روس کی ویدیشوں کے ساتھ کلچری سمبندھ کی سوسائٹی نے اس سال نیچے لکھا نوماہشوں بھارت بھیجیں:— "سوویت روس کے کھڑا ملوں میں کام کرنے والے مہذبوں کا کام اور انکا جیون"، "سوویت روس کی سندر دستکاریوں"، "بچوں کی کتابوں اور گڈیوں کی نوماہش" فوڈ کی نوماہش "سوویت وڈبگستان" وغیرہ۔ یہ نوماہشیں دلیلی کی انٹراشرقیہ نوماہش میں حصہ لانے کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ دلی میں یہ روسی نمائشیں بھارت کی بھارت روس کلچرل سوسائٹی، وہاں کی روسی کلچر سوسائٹی، ڈاکٹر بالیگا (Dr. Baliga)، شریتمی

رائےشنری نہرو اور دوسرے ہندوستانی میٹروں کی سہائت سے سنگتیت کی گئیں اور سجتانی گئیں ۔

حال میں سوویت روس کے اندر भारत کے مشہور لہوک اور مالک کار حواچہ احمد عباس ہمارے مہمان تھے ۔ روس کا ایک مہمان نامی افاناسی نیکیتن (Afanasi Nikitin) پندرہویں صدی عیسوی میں بھارت آیا تھا ۔ خراجہ احمد عباس اُس زمانہ کے حالات و نگاہ میں رہتے ہوئے افاناسی نیکیتن کے اُس لمبے سفر کی ایک تھوڑی پرشہہ ہومی نیا کر رہے ہیں ۔ اُس پرشہہ ہومی کے دھار پر روس اور بھارت کے تلم ہمالے والے مل کر بھارت کے اُس مچھے مٹر روسی یادری کے سفر کی ایک تلم تیار کریں گے ۔

سن 1951 میں روسی فلمکار پودوونکین (Pudovkin) اور روسی فلم ایکٹر چرکاساوا (Cherkassov) دونوں بھارت آئے ۔ اُنہی سال ہندستان کے فلم والوں کا ایک ڈیلیکیشن جس کے بیٹا ایم ۔ بھٹا چارپ بے سوویت روس آیا ۔ تب سے اب تک زندگی کے اِس خاص مدد کے اندر سوویت روس کے لاکھوں کے اور بھارت کے لاکھوں کے سمجندہ برابر بڑھتا اور اس کے مضبوط ہونا جا رہا ہے ۔ فلا کا ہ میدان اور سب میدانوں سے زبانہ سروپریہ اور دلچسپ ہے ۔ ج ہزاروں میٹر لمبے تیار ہو چکی ہیں جو بھارت کے جیون کو رسمیں کے سامنے اور روس کے جیون کو بھارت واسیوں کے سامنے بھائی رھتی ہیں اور ایک دوسرے کی مہابت ایک دوسرے کی جان کاری بڑھاتی رھتی ہیں ۔ فلم کے کی مدد سے ہں بھارت کے کھوں آدمی یہ دیکھ سکے کہ روس نے اپنے پیارے مہمان جواہر ل نہرو کا کس طرح اور کتنا زبردست سواگت کیا ۔

جواہر لال نہرو کے سوویت یونین آنے سے ایک دوسرے کی جانکاری بہت بڑھی اور دونوں میں دوستی اور مضبوط مٹھی ۔ س سے بھارت اور روس میں کلچرل سہولت کا بڑھنا بھی آسان ہو گیا ۔ ہم سوویت روس کے لوگوں کو پورا وشواس ہے کہ ابن ۔ بے بلگانن اور ابن ۔ ایس ۔ کوشچنیکو کے اب بھارت آنے سے ہمارے مٹرنا کے بندھن اور اس کے مضبوط ہونے اور بھارت اور سوویت روس میں کلچری سمجندہ اور تیزی سے بڑھنا ۔ کلچر اور ترقی کا سب سے بڑا مددگار اور دوست دنیا کا امن یعنی اِس دھرتی کے سب دیشوں اور سب لوگوں میں شانتی اور بھائی چارا ہے ۔ ہمیں پورا وشواس ہے کہ بلگانن اور کوشچنیکو کی اِس جوابی بھارت یابا سے اُن کوششوں کو بڑی مدد ملیگی جو بھارت اور روس دونوں مل کر اِس عام کھر شانتی اور بھائی چارے کی جہت کے لئے کر رہے ہیں ۔

سن 1951 میں روسی فلم کار پودوونکین (Pudovkin) اور روسی فلم ایکٹر چرکاساوا (Cherkassov) دونوں بھارت آئے ۔ اُنہی سال ہندستان کے فلم والوں کا ایک ڈیلیکیشن جس کے بیٹا ایم ۔ بھٹا چارپ بے سوویت روس آیا ۔ تب سے اب تک زندگی کے اِس خاص مدد کے اندر سوویت روس کے لاکھوں کے اور بھارت کے لاکھوں کے سمجندہ برابر بڑھتا اور اس کے مضبوط ہونا جا رہا ہے ۔ فلا کا ہ میدان اور سب میدانوں سے زبانہ سروپریہ اور دلچسپ ہے ۔ ج ہزاروں میٹر لمبے تیار ہو چکی ہیں جو بھارت کے جیون کو رسمیں کے سامنے اور روس کے جیون کو بھارت واسیوں کے سامنے بھائی رھتی ہیں اور ایک دوسرے کی مہابت ایک دوسرے کی جان کاری بڑھاتی رھتی ہیں ۔ فلم کے کی مدد سے ہں بھارت کے کھوں آدمی یہ دیکھ سکے کہ روس نے اپنے پیارے مہمان جواہر ل نہرو کا کس طرح اور کتنا زبردست سواگت کیا ۔

جواہر لال نہرو کے سوویت یونین آنے سے ایک دوسرے کی جانکاری بہت بڑھی اور دونوں میں دوستی اور مضبوط مٹھی ۔ س سے بھارت اور روس میں کلچرل سہولت کا بڑھنا بھی آسان ہو گیا ۔ ہم سوویت روس کے لوگوں کو پورا وشواس ہے کہ ابن ۔ بے بلگانن اور ابن ۔ ایس ۔ کوشچنیکو کے اب بھارت آنے سے ہمارے مٹرنا کے بندھن اور اس کے مضبوط ہونے اور بھارت اور سوویت روس میں کلچری سمجندہ اور تیزی سے بڑھنا ۔ کلچر اور ترقی کا سب سے بڑا مددگار اور دوست دنیا کا امن یعنی اِس دھرتی کے سب دیشوں اور سب لوگوں میں شانتی اور بھائی چارا ہے ۔ ہمیں پورا وشواس ہے کہ بلگانن اور کوشچنیکو کی اِس جوابی بھارت یابا سے اُن کوششوں کو بڑی مدد ملیگی جو بھارت اور روس دونوں مل کر اِس عام کھر شانتی اور بھائی چارے کی جہت کے لئے کر رہے ہیں ۔

سن 1951 میں روسی فلم کار پودوونکین (Pudovkin) اور روسی فلم ایکٹر چرکاساوا (Cherkassov) دونوں بھارت آئے ۔ اُنہی سال ہندستان کے فلم والوں کا ایک ڈیلیکیشن جس کے بیٹا ایم ۔ بھٹا چارپ بے سوویت روس آیا ۔ تب سے اب تک زندگی کے اِس خاص مدد کے اندر سوویت روس کے لاکھوں کے اور بھارت کے لاکھوں کے سمجندہ برابر بڑھتا اور اس کے مضبوط ہونا جا رہا ہے ۔ فلا کا ہ میدان اور سب میدانوں سے زبانہ سروپریہ اور دلچسپ ہے ۔ ج ہزاروں میٹر لمبے تیار ہو چکی ہیں جو بھارت کے جیون کو رسمیں کے سامنے اور روس کے جیون کو بھارت واسیوں کے سامنے بھائی رھتی ہیں اور ایک دوسرے کی مہابت ایک دوسرے کی جان کاری بڑھاتی رھتی ہیں ۔ فلم کے کی مدد سے ہں بھارت کے کھوں آدمی یہ دیکھ سکے کہ روس نے اپنے پیارے مہمان جواہر ل نہرو کا کس طرح اور کتنا زبردست سواگت کیا ۔

جواہر لال نہرو کے سوویت یونین آنے سے ایک دوسرے کی جانکاری بہت بڑھی اور دونوں میں دوستی اور مضبوط مٹھی ۔ س سے بھارت اور روس میں کلچرل سہولت کا بڑھنا بھی آسان ہو گیا ۔ ہم سوویت روس کے لوگوں کو پورا وشواس ہے کہ ابن ۔ بے بلگانن اور ابن ۔ ایس ۔ کوشچنیکو کے اب بھارت آنے سے ہمارے مٹرنا کے بندھن اور اس کے مضبوط ہونے اور بھارت اور سوویت روس میں کلچری سمجندہ اور تیزی سے بڑھنا ۔ کلچر اور ترقی کا سب سے بڑا مددگار اور دوست دنیا کا امن یعنی اِس دھرتی کے سب دیشوں اور سب لوگوں میں شانتی اور بھائی چارا ہے ۔ ہمیں پورا وشواس ہے کہ بلگانن اور کوشچنیکو کی اِس جوابی بھارت یابا سے اُن کوششوں کو بڑی مدد ملیگی جو بھارت اور روس دونوں مل کر اِس عام کھر شانتی اور بھائی چارے کی جہت کے لئے کر رہے ہیں ۔

("نہرو اینڈ ویز فرام دی سوویت یونین" سے)

("نیکیتن اینڈ پودوونکین کی دوستی" سے)

ہماری سازش

شری بلگانن اور شری کھرشچہو بھارت میں

نومبر 1955 میں سوویت روس کے प्रधान منتری شری نیکولائی الیکزینڈرو وچ بلگانن اور روس کی کمونسٹ پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے فاسٹ سیکرٹری شری نیکیتا سرگےویچ خروشچےو کا भारत آنا आजکل کی دنیا کی شاہد سب سے अधिक महत्व की घटना है.

श्री निकोलाई एलेक्जेंडरोविच बुलगानिन सन् 1895 में एक बहुत ही गरीब घर में पैदा हुए थे. उनके पिता किसी दफ्तर में एक छान्टे से क्लर्क थे. बाइस साल की उमर में वह कम्युनिस्ट पार्टी के मेम्बर बने. तब से अब तक उनका सारा जीवन कम्युनिस्ट पार्टी के साथ देश के मजदूरों की सेवा में बीता है. आज वह सोवियत रूस की कम्युनिस्ट पार्टी के बड़े से बड़े नेताओं में गने जाते हैं और वहां के मंत्रिमंडल के चेयरमैन हैं.

श्री बुलगानिन केवल राज-नीतिज्ञ ही नहीं हैं, वह एक हाशियार कारीगर और एनजीनयर भी हैं. मास्को के एक विजली के कारखाने के वह मैनेजर रह चुके हैं. बंक और साहूकार के काम का भी उन्हें खासा तजरबा है. सोवियत रूस के स्टेट बंक के बंड के वह एक समय सभापति थे. कौजी कामों का भी उन्हें काफी तजरबा है. सन् 1941 से 1944 तक की जंग में वह अपने देश की कई कई कौजी बौनसिलों के मेम्बर थे.

दूसरे सज्जन श्री निकीता सरगेयेविच ख्रुशचेव सन् 1894 में एक छोटे से गांव में और भी आधक गरीब घर में पैदा हुए थे. उनके पिता किसी खान में मजदूरी करते थे. श्री ख्रुशचेव का छोटी उमर से ही मजदूरी पर लगा दिया गया. बहुत दिनों वह भेड़ें चराते रहे. कई कारखानों में उन्होंने फटर का काम किया. चौबीस बरस की उमर में वह कम्युनिस्ट पार्टी के मेम्बर हुए. सन् 1941 से 1944 तक की जंग में वह एक मामूली सपाही की हैसियत से जर्मनी की कौज से लड़े. जंग के बाद वह फिर खानों और कारखानों में मजदूरी करते रहे. मजदूर की हैसियत से ही उन्होंने एक ऐसे स्कूल में लिखना पढ़ना सीखा जो खास

शरी بلگانن اور شری کھرشچہو بھارت میں

نومبر 1955 میں سوویت روس کے پردھان منتری شری نیکولائی الیکزینڈرو وچ بلگانن اور روس کی کمونسٹ پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے فاسٹ سیکرٹری شری نیکیتا سرگےویچ خروشچےو کا بھارت آنا آجکل کی دنیا کی شاہد سب سے ادھک مہتو کی گھٹنا ہے .

شری نیکولائی الیکزینڈرو وچ بلگانن سن 1895 میں ایک بہت ہی غریب گھر میں پیدا ہوئے تھے . ان کے پتا کسی دفترو میں ایک چھوٹے سے کلرک تھے . بائیس سال کی عمر میں وہ کمونسٹ پارٹی کے میمبر بنے . تب سے اب تک انکا سارا جیون کمونسٹ پارٹی کے ساتھ دیس کے مزدوروں کی سیوا میں بیٹا ہے . آج وہ سوویت روس کی کمونسٹ پارٹی کے بڑے سے بڑے لیڈروں میں گنے جاتے ہیں اور وہاں کے منتری منزل کے چیئرمین ہیں .

شری بلگانن کوہل راج نیتکیہ ہی نہیں ہیں ، وہ ایک ہوشیار کاریگر اور اینجینئر بھی ہیں . ماسکو کے ایک بجلی کے کارخانے کے وہ منیجر رہ چکے ہیں . ہند کے اور ساھوکار کے کام کا بھی انھیں خاصہ تجربہ ہے . سوویت روس کے اسٹیٹ بینک کے بورڈ کے وہ ایک سنیے سپہایتی تھے . فوجی کاموں کا بھی انھیں کافی تجربہ ہے . سن 1941 سے 1944 تک کی جنگ میں وہ اپنے دیس کی نئی نئی فوجی کونسلوں کے میمبر تھے .

دوسرے سجن شری نیکیتا سرگےویچ خروشچےو سن 1894 میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں اور بھی ادھک غریب گھر میں پیدا ہوئے تھے . ان کے پتا کسی کھان میں مزدوری کرتے تھے . شری کھروشچےو کو چھوٹی عمر سے ہی مزدوری پر لگا دیا گیا . بہت دنوں وہ بھڑوں چراتے رہے . نئی کارخانوں میں انھوں نے فٹر کا کام کیا . چوبیس برس کی عمر میں وہ کمونسٹ پارٹی کے میمبر ہوئے . سن 1941 سے 1944 تک کی جنگ میں وہ ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے جرمنی کی فوج سے لڑے . جنگ کے بعد وہ پھر کھانوں اور کارخانوں میں مزدوری کرتے رہے . مزدور کی حیثیت سے ہی انھوں نے ایک ایسے اسکول میں لکھنا پڑھنا سیکھا جو خاص

توڑ کر بڑی عمر کے مزدوروں کے لیے खोला گیا تھا۔ جنگ کے آخر کے دنوں میں وہ ایک علاقے کی فوجی کونسل کے ممبر تھے۔ ستمبر سن 193 سے بڑھ کر ان کم్యونیست پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے فکسٹ سیکریٹری تھے، جو روسی کم్యونیست پارٹی کا سب سے اہمک جیمہگاری کا آؤدھا ہے۔

شری بلگانت اور شری کورشچیو دونوں لینن کے وفادار چیلے ہیں اور اسٹیلین کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ ان دونوں چوٹی کے روسی نیٹاؤں کے بھارت آئے کے آرمی کو سمجھ کے لئے ہمیں اس سٹہ کی دنیا کی راجگلی حالت پر ایک نگاہ ڈالنی ہوگی۔

اس میں سندیہ نہیں کہ دنیا دھورے دھورے شانتی 'ایکٹا' سب کی آرائی 'ترمی' اور خوشحالی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے نہ ہاندروجن ہم نے جہم لیکر اور لچہ کیا ہوا نہ کہا ہو اس نے جنگ کو مار ڈالا۔ ایک طرح یہ ایک شبہ لکشن ہے۔ پر مارگ کی ساری ہتھائیاں ابھی دور نہیں ہوئی ہیں۔

اس میں سندیہ نہیں کہ دنیا دھورے دھورے شانتی 'ایکٹا' سب کی آرائی 'ترمی' اور خوشحالی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے نہ ہاندروجن ہم نے جہم لیکر اور لچہ کیا ہوا نہ کہا ہو اس نے جنگ کو مار ڈالا۔ ایک طرح یہ ایک شبہ لکشن ہے۔ پر مارگ کی ساری ہتھائیاں ابھی دور نہیں ہوئی ہیں۔

حال میں جینیوا میں چار بڑے بڑے دیشوں—امریکا، انگلینڈ، فرانس اور روس—کے ویدش منتریوں کی جا کانفرنس ہوئی تھی اس کے سامنے چار آسٹا سواال تھے۔ ایک یہ کہ جرمنی کے دونوں حصوں کو ملا کر پھر سے ایک سنیٹ آزاد چرمنی بنا دیا جاوے، دوسرا ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کی مفاہی ردی جاوے اور ہائی سب طرح کے ہتھیاروں اور فوجوں کو سب دیشوں میں دھورے دھورے دم کر کے ہتھیاروں اور فوجوں کا ہوجہ دنیا پر سے ہٹا لیا جاوے۔ تیسرا یہ کہ یورپ کے سب راٹروں کے ملے جملے سمجھوتے سے یورپ کے امن کو سورکشت اور یورپ میں جنگ کی سمبھوتا کو حتم کیا جاوے۔ چوتھا یہ کہ یورپ اور پچھم کے بیچ تجارت، لین دین، آنا جانا، اس طرح کھول دیا جاوے کہ آؤس کا من مٹو مٹے اور منزل ملپ اور دوستی بڑھے۔

چاروں دیشوں کے ویدش منتریوں میں کئی دن تک کافی بات چیت ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا سب شانتی چاہتے ہیں، کوئی جنگ نہیں چاہتا، لیکن پھر بھی ان چاروں میں سے کسی بات پر بھی وہ ملکر کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ جینیوا کی اس کانفرنس سے کوئی نیکسان تو نہیں ہوا، بھ فزول بھی نہیں گئی، لیکن اس سے کوئی آسٹا سواال بھی نہیں نکل سکا۔

جینیوا کی اس کانفرنس کا سمبندھ کھول یورپ سے تھا۔ یہ ایک بات کافی مدرتجک ہے کہ آؤپر جو دو شبد 'یورپ' اور 'پچھم' استعمال کئے گئے ہیں اور جینیوا کی بحث میں بار بار آئے تھے ان میں 'یورپ' سے مطلب روس اور یورپی یورپ کے ان چھوٹے چھوٹے دیشوں سے ہے جو

طرو پر بڑی عمر کے مزدوروں کے لئے کھولا گیا تھا۔ جنگ کے آخر کے دنوں میں وہ ایک علاقے کی فوجی کونسل کے ممبر تھے۔ ستمبر سن 193 سے بڑھ کر ان کمئونیست پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے فکسٹ سیکریٹری تھے، جو روسی کمئونیست پارٹی کا سب سے اہمک جیمہگاری کا آؤدھا ہے۔

شری بلگانت اور شری کورشچیو دونوں لینن کے وفادار چیلے ہیں اور اسٹیلین کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ ان دونوں چوٹی کے روسی نیٹاؤں کے بھارت آئے کے آرمی کو سمجھ کے لئے ہمیں اس سٹہ کی دنیا کی راجگلی حالت پر ایک نگاہ ڈالنی ہوگی۔

اس میں سندیہ نہیں کہ دنیا دھورے دھورے شانتی 'ایکٹا' سب کی آرائی 'ترمی' اور خوشحالی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے نہ ہاندروجن ہم نے جہم لیکر اور لچہ کیا ہوا نہ کہا ہو اس نے جنگ کو مار ڈالا۔ ایک طرح یہ ایک شبہ لکشن ہے۔ پر مارگ کی ساری ہتھائیاں ابھی دور نہیں ہوئی ہیں۔

حال میں جینیوا میں چار بڑے بڑے دیشوں—امریکا، انگلینڈ، فرانس اور روس—کے ویدش منتریوں کی جا کانفرنس ہوئی تھی اس کے سامنے چار آسٹا سواال تھے۔ ایک یہ کہ جرمنی کے دونوں حصوں کو ملا کر پھر سے ایک سنیٹ آزاد چرمنی بنا دیا جاوے، دوسرا ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کی مفاہی ردی جاوے اور ہائی سب طرح کے ہتھیاروں اور فوجوں کو سب دیشوں میں دھورے دھورے دم کر کے ہتھیاروں اور فوجوں کا ہوجہ دنیا پر سے ہٹا لیا جاوے۔ تیسرا یہ کہ یورپ کے سب راٹروں کے ملے جملے سمجھوتے سے یورپ کے امن کو سورکشت اور یورپ میں جنگ کی سمبھوتا کو حتم کیا جاوے۔ چوتھا یہ کہ یورپ اور پچھم کے بیچ تجارت، لین دین، آنا جانا، اس طرح کھول دیا جاوے کہ آؤس کا من مٹو مٹے اور منزل ملپ اور دوستی بڑھے۔

چاروں دیشوں کے ویدش منتریوں میں کئی دن تک کافی بات چیت ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا سب شانتی چاہتے ہیں، کوئی جنگ نہیں چاہتا، لیکن پھر بھی ان چاروں میں سے کسی بات پر بھی وہ ملکر کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ جینیوا کی اس کانفرنس سے کوئی نیکسان تو نہیں ہوا، بھ فزول بھی نہیں گئی، لیکن اس سے کوئی آسٹا سواال بھی نہیں نکل سکا۔

جینیوا کی اس کانفرنس کا سمبندھ کھول یورپ سے تھا۔ یہ ایک بات کافی مدرتجک ہے کہ آؤپر جو دو شبد 'یورپ' اور 'پچھم' استعمال کئے گئے ہیں اور جینیوا کی بحث میں بار بار آئے تھے ان میں 'یورپ' سے مطلب روس اور یورپی یورپ کے ان چھوٹے چھوٹے دیشوں سے ہے جو

کامنویسٹ یا اُردھ-کامنویسٹ یا روس کے साथیہ سمجھے جاتے ہیں۔ 'پچھم' سے मतलब अमेरीका, इंग्लैंड, फ्रान्स और हालैंड, बेलाजियम, पुर्तगाल जैसे दूसरी तरफ के देशों से है। कुछ साल पहले तक एशिया को पूरब और यूरोप को पच्छिम कहा जाता था। आज से पचास साल पहले के रूस-जापान युद्ध में जब उस समय का रूस जापान से जंग में हार गया तो एक बहुत बड़े यूरोपीय विद्वान ने जापान को न्याय की ओर मानते हुए और जापान की जीत पर सन्तोश प्रगट करते हुए भी कहा था:—"But After all the question is between the East and the West." यानी "कुछ भी हां सवाल पूरब और पच्छिम का है।" रूस उस समय एक पच्छिमी देश था और उन्हें इस बात का दुख था कि एक पूरबी देश जापान ने एक पच्छिमी देश रूस का नीचा दिखाया। पचास बरस के अन्दर हवा बदल गई। चीन और भारत के साथ सब छोटे बड़े देशों की आजादी के लिये खड़ा होने वाला रूस आज एक 'पूरबी' देश है।

साम्राजशाही का मैदान अब धीरे धीरे सुकड़ता जा रहा है। इंग्लैंड और फ्रान्स अपने साम्राजशाही रुझानों में आज शायद इतने पक्के नहीं रहे जितना अमेरीका। कारण भी साफ है। यहाँ हम केवल यह कहना चाहते हैं कि हमें कोई अचरज न हागा अगर कुछ बरसों के बाद इंग्लैंड और फ्रान्स भी 'पूरब' में शामिल कर लिये जायें और पच्छिम से मतलब केवल सयुक्त राज अमेरीका से रह जायें! हैं भी इंग्लैंड और फ्रान्स अमेरीका के पूरब में और अमेरीका इंग्लैंड और फ्रान्स के पच्छिम में। यह है दुनिया के शब्दों की गति।

जहाँ तक हमारा सम्बन्ध है हम अपने पुराने आदर्श "वसुदैव कुटुम्बक" (सारी धरती एक छोटा सा कुटुम्ब है) के अनुसार चाहते हैं कि सारी दुनिया इस पूरब और पच्छिम के भेद भाव से ऊपर उठ जाय और इस धरती के सब रहने वाले एक मानव कुटुम्ब की तरह रहने लगें।

हमें इस बात की भी बड़ी खुशी है कि स्वयं श्री बुल-गानिन ने वित्ली में एक बात ऐसी कही जिससे मालूम होता था कि वह सावियत रूस के एशियाई देश मान जाने में बहुत खुश हैं। कुछ लोग यह भी सोच रहे हैं कि एशिया अफ्रीकन कानफ्रेंस में रूस को एक एशियाई देश की हैसियत से बराबर की जगह दी जावे।

एशिया, यूरोप और सब मिलाकर दुनिया की शान्ति के रास्ते में आज खास खास बड़ी रुकावटें यह हैं:—

(1) ऐटमी हथियारों के इस्तेमाल की पूरी पूरी मनाही कर देने और बाकी सब तरह के हथियारों और कौजों का धीरे-धीरे कम करने में कुछ देशों का आना कानी करना।

कमनोन्स या अर्द्ध कमनोन्स या रूस के साथी समझे जाते हैं। 'पचम' से مطلب अमेरिका, انگ्लैंड, फ्रान्स और हालैंड, बेलाजियम, पुर्तगाल जैसे दूसरी तरफ के देशों से है। कुछ साल पहले तक अशा को पूरब और यूरोप को पचम कहा जाता था। आज से पचास साल पहले के रूस-जापान युद्ध में जब उस समय का रूस जापान से जंग में हार गया तो एक बहुत बड़े यूरोपीय विद्वान ने जापान को न्याय की ओर मानते हुए और जापान की जीत पर सन्तोश प्रगट करते हुए भी कहा था:—"But After all the question is between the East and the West." यानी "कुछ भी हां सवाल पूरब और पचम का है।" रूस उस समय एक पचमी देश था और उन्हें इस बात का दुख था कि एक पूरबी देश जापान ने एक पचमी देश रूस का नीचा दिखाया। पचास बरस के अन्दर हवा बदल गई। चीन और भारत के साथ सब छोटे बड़े देशों की आजादी के लिये खड़ा होने वाला रूस आज एक 'पूरबी' देश है।

सम्राज शाही का मैदान अब धीरे धीरे सुकड़ता जा रहा है। इंग्लैंड और फ्रान्स अपने साम्राज शाही रुझानों में आज शायद इतने पक्के नहीं रहे जितना अमेरिका। कारण भी साफ है। यहाँ हम केवल यह कहना चाहते हैं कि हमें कोई अचरज न हागा अगर कुछ बरसों के बाद इंग्लैंड और फ्रान्स भी 'पूरब' में शामिल कर लिये जायें और पच्छिम से मतलब केवल सयुक्त राज अमेरिका से रह जायें! हैं भी इंग्लैंड और फ्रान्स अमेरिका के पूरब में और अमेरिका इंग्लैंड और फ्रान्स के पच्छिम में। यह है दुनिया के शब्दों की गति।

जहाँ तक हमारा सम्बन्ध है हम अपने पुराने आदर्श "वसुदैव कुटुम्बक" (सारी धरती एक छोटा सा कुटुम्ब है) के अनुसार चाहते हैं कि सारी दुनिया इस पूरब और पचम के भेद भाव से ऊपर उठ जाय और इस धरती के सब रहने वाले एक मानव कुटुम्ब की तरह रहने लगें।

हमें इस बात की भी बड़ी खुशी है कि स्वयं श्री बुल-गानिन ने वित्ली में एक बात ऐसी कही जिससे मालूम होता था कि वह सावियत रूस के एशियाई देश मान जाने में बहुत खुश हैं। कुछ लोग यह भी सोच रहे हैं कि एशिया अफ्रीकन कानफ्रेंस में रूस को एक एशियाई देश की हैसियत से बराबर की जगह दी जावे।

एशिया, यूरोप और सब मिलाकर दुनिया की शान्ति के रास्ते में आज खास खास बड़ी रुकावटें यह हैं:—

(1) ऐटमी हथियारों के इस्तेमाल की पूरी पूरी मनाही कर देने और बाकी सब तरह के हथियारों और कौजों को धीरे धीरे कम करने में कुछ देशों का आना कानी करना।

(2) اس طرح کے کڑی سمجھوتے اور فوجی کٹ بندیاں جن میں ایک خاص طرح کے دیشوں کو ہی شامل کیا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی مثالیں یورپ میں 'نائٹو' (NATO) اور ایشیا میں 'سیٹو' (SEATO) ہیں۔ حال میں روس نے یورپ کی سربکھا کے لیے نائٹو میں شامل ہونے کی ہکھا، پرگٹ کی تھی، کیر بھی وے نہیں لیا گیا۔ جب تک اس طرح کی فوجی گٹیں دنیا میں رہیں گی دنیا کی شانتی پر خطرہ بنا رہیگا۔

(3) جرمنی کے دو ٹکڑوں کا بنا رہنا اور ان میں سے ایک ٹکڑے کا نائٹو کٹ کی طرف سے ہتیاروں سے لیس کیا جانا۔ یورپ کی ہی نہیں دنیا کی شانتی کے لیے اوشیک ہے کہ جرمنی کے ان دونوں حصوں کے لوگوں کو، باہر کی کڑیوں کے دباو یا اثر سے آزاد ہوکر، ایک سوتنتر، سوانہمن اور سنیٹ جرمنی بنانے کا موقع دیا جائے۔

(4) ہند چین کی باہت جو سمجھوتہ روس، چین، ہارت اور دوسرے شانتی پریمی دیشوں کی کوششوں سے سن 1954 میں جانیوا میں ہو چکا ہے اس کے خلاف ہند چین کے کچھ لوگوں کو اپنی خاص فوجی کٹ میں ملاز باہر کے کچھ دیشوں کا اس میں رکاوٹیں ڈالنے رہنا۔ جب تک باہر کے کچھ دیشوں کی اس طرح کی دخل اندازی بند نہیں ہوگی اور سن 1954 والے جلیوا کے سمجھوتے پر ایمانداری سے عمل نہیں ہوگا، ایشیا کے اس ابھانے کوئے سے دنیا کی شانتی کے بھنگ ہونے کا خطرہ بنا رہیگا۔

(5) نانوان یعنی نارموسا میں امریکی فوجوں کا رہبر دستی تیرے ڈالے رہنا۔ نانوان چین کے شریر کا ایک انگ ہے۔ کسی باہر کی شکتی کو یہ حق نہیں ہے کہ لٹے چین اور نانوان کے تھریلو معاملے میں کسی طرح کا دخل دے۔ امریکی فوجوں اگر نانوان سے ہٹائی جاویں تو نئی چینی سرکار اور نانوان کے کچھ لوگوں کے بیچ کا آپسی جھگڑا ہذا کسی طرح کی لڑائی کے ایک دن میں طے ہو سکتا ہے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا تب تک چین کو اور دنیا کے امن کو خطرہ بنا رہیگا۔

(6) ڈاکین کوریا کو براہر بڑاوا دے دے کر کوریا کے ایک سنیٹ اور آزاد دیش بنانے میں کچھ لوگوں کا رکاوٹیں ڈالنا۔ کوریا جب تک باہر کی شکتیوں کے دباو سے آزاد ہاکر ایک سنیٹ اور آزاد ملک بن جائیگا تب تک اس طرف سے چین کو، ایشیا کو اور دنیا کی شانتی کو خطرہ بنا رہیگا۔

(7) جاپان اور دوسرے کچھ دیشوں میں باہر کی شکتیوں کے فوجی اڈوں اور جہازنیوں کی موجودگی۔ جب تک کسی بھی ویشی شکتی کے اس طرح کے فوجی اڈے جاپان یا

(2) اس طرح کے فوجی سمجھوتے اور فوجی کٹ بندیاں جن میں ایک خاص طرح کے دیشوں کو ہی شامل کیا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی مثالیں یورپ میں 'نائٹو' (NATO) اور ایشیا میں 'سیٹو' (SEATO) ہیں۔ حال میں روس نے یورپ کی سربکھا کے لیے نائٹو میں شامل ہونے کی ہکھا، پرگٹ کی تھی، کیر بھی وے نہیں لیا گیا۔ جب تک اس طرح کی فوجی گٹیں دنیا میں رہیں گی دنیا کی شانتی پر خطرہ بنا رہیگا۔

(3) جرمنی کے دو ٹکڑوں کا بنا رہنا اور ان میں سے ایک ٹکڑے کا نائٹو کٹ کی طرف سے ہتیاروں سے لیس کیا جانا۔ یورپ کی ہی نہیں دنیا کی شانتی کے لیے اوشیک ہے کہ جرمنی کے ان دونوں حصوں کے لوگوں کو، باہر کی فوجوں کے دباؤ یا اثر سے آزاد ہوکر، ایک سوتنتر، سوانہمن اور سنیٹ جرمنی بنانے کا موقع دیا جائے۔

(4) ہند چین کی باہت جو سمجھوتہ روس، چین، ہارت اور دوسرے شانتی پریمی دیشوں کی کوششوں سے سن 1954 میں جانیوا میں ہو چکا ہے اس کے خلاف ہند چین کے کچھ لوگوں کو اپنی خاص فوجی کٹ میں ملاز باہر کے کچھ دیشوں کا اس میں رکاوٹیں ڈالنے رہنا۔ جب تک باہر کے کچھ دیشوں کی اس طرح کی دخل اندازی بند نہیں ہوگی اور سن 1954 والے جلیوا کے سمجھوتے پر ایمانداری سے عمل نہیں ہوگا، ایشیا کے اس ابھانے کوئے سے دنیا کی شانتی کے بھنگ ہونے کا خطرہ بنا رہیگا۔

(5) نانوان یعنی نارموسا میں امریکی فوجوں کا رہبر دستی تیرے ڈالے رہنا۔ نانوان چین کے شریر کا ایک انگ ہے۔ کسی باہر کی شکتی کو یہ حق نہیں ہے کہ لٹے چین اور نانوان کے تھریلو معاملے میں کسی طرح کا دخل دے۔ امریکی فوجوں اگر نانوان سے ہٹائی جاویں تو نئی چینی سرکار اور نانوان کے کچھ لوگوں کے بیچ کا آپسی جھگڑا ہذا کسی طرح کی لڑائی کے ایک دن میں طے ہو سکتا ہے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا تب تک چین کو اور دنیا کے امن کو خطرہ بنا رہیگا۔

(6) ڈاکین کوریا کو براہر بڑاوا دے دے کر کوریا کے ایک سنیٹ اور آزاد دیش بنانے میں کچھ لوگوں کا رکاوٹیں ڈالنا۔ کوریا جب تک باہر کی شکتیوں کے دباؤ سے آزاد ہوکر ایک سنیٹ اور آزاد ملک بن جائیگا تب تک اس طرف سے چین کو، ایشیا کو اور دنیا کی شانتی کو خطرہ بنا رہیگا۔

(7) جاپان اور دوسرے کچھ دیشوں میں باہر کی شکتیوں کے فوجی اڈوں اور جہازنیوں کی موجودگی۔ جب تک کسی بھی ویشی شکتی کے اس طرح کے فوجی اڈے جاپان یا

کिसی بھی دہش میں موجود ہیں دنیا کے امن کو خطرہ ہے۔

(8) یو. این. آو. میں نہ چین جیسے ساٹھ کروڑ آدمیوں کا اچھا استھان کا نہ ملنا۔ تائیوان کی شہنی سوکار کے نمائندہ کو چین کا نمائندہ مانکر یو. این. آو. میں بیٹھانا ایک ایسا بڑا کھلا تعزیر اور آہٹ ہے کہ جب تک یہ جاری ہے نہ یو. این. آو. صحیح معنی میں سلطنت و اشعار سلطنت کھلا سکتا ہے نہ اس سے دنیا کے امن کو قائم رکھنے میں مدد مل سکتی ہے اور نہ دنیا سے جنگ کا خطرہ جا سکتا ہے۔

(9) افریقہ میں یا دنیا کے کسی حصے میں کسی دہش یا کسی قوم کے اوپر کسی بھی دہشی شکنی کے شائبہ پر پھرتی یا دہاک کا قائم رہنا یا دنیا کے کسی حصے میں بھی رنگ یا نسل کے आधार پر انسانوں کے ساتھ الگ الگ طرح کا بے ہمارا ہونا۔ دنیا میں جب تک غلام دہش یا اس طرح کے بے ہمد ہواؤں موجود ہیں تب تک دنیا کے امن کو خطرہ رہیگا۔

(9) افریقہ میں یا دنیا کے کسی حصے میں کسی دہش یا کسی قوم کے اوپر کسی بھی دہشی شکنی کے شائبہ پر پھرتی یا دہاک کا قائم رہنا یا دنیا کے کسی حصے میں بھی رنگ یا نسل کے आधार پر انسانوں کے ساتھ الگ الگ طرح کا بے ہمارا ہونا۔ دنیا میں جب تک غلام دہش یا اس طرح کے بے ہمد ہواؤں موجود ہیں تب تک دنیا کے امن کو خطرہ رہیگا۔

سوویت روس اور بھارت کے نیوٹروں کے سرکاری اور غیر سرکاری بیانات اور ابھی حال میں شری بلگائن اور شری کوشچو کے دلی کے ہاشنوں سے صاف ظاہر ہے کہ اوپر کی سب باتوں میں روس اور بھارت یعنی ان دونوں دہشوں کی جگہ اور ان کی سرکاری بالکل ایک رائے ہیں۔ یہی شری بلگائن اور شری کوشچو کے بھارت آنے کا سب سے بڑا مطلب ہے۔ جب تک دنیا کی شانتی، ترقی اور مہمندی کے راستے ہی یہ سب رکاوٹیں دور نہیں ہوتیں تب تک ہمارا فرض ہے، ہمارا دھرم ہے اور ہماری اور دنیا کی سلامتی اسی میں ہے کہ ہم ملکر کھڑے ہوں۔ دنیا کی جگہ کو ایک کر کے لے لیں اور ساری دنیا کے بے لے کے لئے آؤشیک ہے کہ پہلے ایشیا اور افریقہ کے سارے دہش، جن میں سے ادھکتر پروانہوتی کے گردے انہیوں میں سے نکل چکے ہیں یا نکل رہے ہیں، ملکر کھڑے ہوں۔ ایشیا اور افریقہ کے سب دہشوں کے ملکر کھڑے ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایشیا کے تین سب سے بڑے دہش—روس، چین اور بھارت—دنیا کے امن اور سب کے بے لے کے نام پر ملکر کھڑے ہوں۔ اس وہمہارک نگاہ سے شری بلگائن اور شری کوشچو کا بھارت آنا اس سب سے سب سے ادھک مہم کی گھڑانا ہے۔ یہاں پر اس سب سے نہ روس، چین اور بھارت نے اس طرح ملکر کھڑے ہونے کے بعد دنیا کے امن کے راستے کی سب رکاوٹیں ایک ایک کر دور ہوجاؤں گی اور سارا مانو سماج ایک بار سب کے بے لے، سب کی ترقی اور سب کی خوشحالی کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دینگا۔ یہی مسئلہ گاندھی کا بتایا ہوا سرودھ کا آدھس ہے۔

24. 11. '55

—سندھ لال۔

کسی بھی دہش میں موجود ہیں دنیا کے امن کو خطرہ ہے۔

(8) یو. این. آو. میں نہ چین جیسے ساٹھ کروڑ آدمیوں کا اچھا استھان کا نہ ملنا۔ تائیوان کی شہنی سوکار کے نمائندہ کو چین کا نمائندہ مانکر یو. این. آو. میں بیٹھانا ایک ایسا بڑا کھلا تعزیر اور آہٹ ہے کہ جب تک یہ جاری ہے نہ یو. این. آو. صحیح معنی میں سلطنت و اشعار سلطنت کھلا سکتا ہے نہ اس سے دنیا کے امن کو قائم رکھنے میں مدد مل سکتی ہے اور نہ دنیا سے جنگ کا خطرہ جا سکتا ہے۔

(9) افریقہ میں یا دنیا کے کسی حصے میں کسی دہش یا کسی قوم کے اوپر کسی بھی دہشی شکنی کے شائبہ پر پھرتی یا دہاک کا قائم رہنا یا دنیا کے کسی حصے میں بھی رنگ یا نسل کے आधार پر انسانوں کے ساتھ الگ الگ طرح کا بے ہمارا ہونا۔ دنیا میں جب تک غلام دہش یا اس طرح کے بے ہمد ہواؤں موجود ہیں تب تک دنیا کے امن کو خطرہ رہیگا۔

سوویت روس اور بھارت کے نیوٹروں کے سرکاری اور غیر سرکاری بیانات اور ابھی حال میں شری بلگائن اور شری کوشچو کے دلی کے ہاشنوں سے صاف ظاہر ہے کہ اوپر کی سب باتوں میں روس اور بھارت یعنی ان دونوں دہشوں کی جگہ اور ان کی سرکاری بالکل ایک رائے ہیں۔ یہی شری بلگائن اور شری کوشچو کے بھارت آنے کا سب سے بڑا مطلب ہے۔ جب تک دنیا کی شانتی، ترقی اور مہمندی کے راستے ہی یہ سب رکاوٹیں دور نہیں ہوتیں تب تک ہمارا فرض ہے، ہمارا دھرم ہے اور ہماری اور دنیا کی سلامتی اسی میں ہے کہ ہم ملکر کھڑے ہوں۔ دنیا کی جگہ کو ایک کر کے لے لیں اور ساری دنیا کے بے لے کے لئے آؤشیک ہے کہ پہلے ایشیا اور افریقہ کے سارے دہش، جن میں سے ادھکتر پروانہوتی کے گردے انہیوں میں سے نکل چکے ہیں یا نکل رہے ہیں، ملکر کھڑے ہوں۔ ایشیا اور افریقہ کے سب دہشوں کے ملکر کھڑے ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایشیا کے تین سب سے بڑے دہش—روس، چین اور بھارت—دنیا کے امن اور سب کے بے لے کے نام پر ملکر کھڑے ہوں۔ اس وہمہارک نگاہ سے شری بلگائن اور شری کوشچو کا بھارت آنا اس سب سے سب سے ادھک مہم کی گھڑانا ہے۔ یہاں پر اس سب سے نہ روس، چین اور بھارت نے اس طرح ملکر کھڑے ہونے کے بعد دنیا کے امن کے راستے کی سب رکاوٹیں ایک ایک کر دور ہوجاؤں گی اور سارا مانو سماج ایک بار سب کے بے لے، سب کی ترقی اور سب کی خوشحالی کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دینگا۔ یہی مسئلہ گاندھی کا بتایا ہوا سرودھ کا آدھس ہے۔

—سندھ لال۔

24. 11. '55

सांस्कृतिक साहित्य

سانسکرتک ساہتیہ

हज़रत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हज़रत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आज़ाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फ़िराक़, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता मल्ले का पत्ते

حضرت محمد اور اسلام

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولیہ—تین روپیہ
اسلام کے پیغمبر کے سببندہ میں بھارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولیہ—ڈیڑ روپیہ

ہاتما زر تھستور اور ایرانی سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

یہودی دھرم اور سامی سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

اچین مصر کی سبھیتا اور سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

بیل بابل اور اسوریائی پر اچین سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

اچین یونانی سبھیتا اور سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سنوہ)

لیکھک—شری مجیب رضوی، قیمت—دو روپیہ

اگ اور آنسو

(بھاؤپورن سماجک کہانیاں)

لیکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑ روپیہ

قرآن اور دھارمک متبھید

لیکھک—مولانا ابولکلام آزاد، قیمت—ڈیڑ روپیہ

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیاں کا سنگره)

لیکھک—رگھوپتی سہائے فراق، قیمت—تین روپیہ

ہندستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلتھر سوسائٹی

145 منہی گنج، الہ آباد 145 मुट्ठीगंज, इलाहाबाद

ہندی घर

ہندی گھر

کلیچر پر ہر तरह کی کتابیں ملنے کا ایک بڑی کےन्द्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیڈان : شری منچر آلی، مورٹا

سکے 225، کرمیت داں رپیا

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بھوت دلچسپ کتاب)

لکھک—کودسیا جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاڈ، موتا ٹائپ، بھوت-سی رنگین تصویروں

دام داں رپیا

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کوران

275 سکے، دام ڈاڈ رپیا

ہندو مسلم اکوتا

100 سکے، دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبک

کرمیت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سیکھاتا ہے

کرمیت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

کرمیت داں آنے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

145 مٹھوگنج ایلہاباد

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لیکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیڈان : شری منچر علی سوختہ

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لیکھک—کدسیہ جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاڈ، موتا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویروں

دام دو روپیہ

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کوران

275 صفحہ، دام ڈاڈ رپیا

ہندو مسلم اکوتا

100 صفحہ، دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

145 مٹھوگنج ایلہاباد

دسمبر 1955 دسمبر

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Ramblai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from —

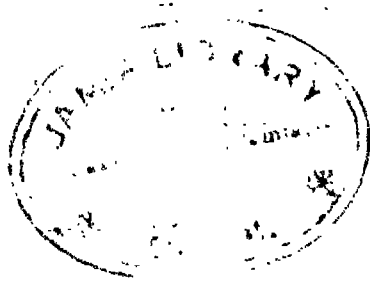
Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

ہندوستان کا نیا ہند

نمبر 6 نمبر 20 جلد 20 جلد

5 JAN 1956



5 JAN 1956

دسمبر 1955 دسمبر

ہندوستانی کلچر سوسائٹی کولچر سوسائٹی
ہندوستان کا

145 مڈلنگز، کولچر سوسائٹی

145 مڈلنگز، کولچر سوسائٹی

دسمبر 1955 ديسمبر

کيا کيس سے	صفحہ	کيا کيس سے
1. ہندوستانی کلچر (ایک اُلچنا)	...	1. ہندوستانی کلچر (ایک اُلچنا)
—پنڈت سندر لال	309	—پنڈت سندر لال
2. چینی عروج کی کہانی	...	2. چینی عروج کی کہانی
—شری لی تانگو	319	—شری لی تانگو
3. گاندھی اور کبیر	...	3. گاندھی اور کبیر
—شری امبشکر ناگر ایم۔ اے۔	328	—شری امبشکر ناگر ایم۔ اے۔
4. سولتیرنا کی یاترا کی چوتھی پڑوسی	...	4. سولتیرنا کی یاترا کی چوتھی پڑوسی
—شری مگن بھائی دیسانی	331	—شری مگن بھائی دیسانی
5. محمد صاحب کے کچھ اُپدیش	...	5. محمد صاحب کے کچھ اُپدیش
—انوارک شری مجیب رضوی	336	—انوارک شری مجیب رضوی
6. دنیا بھر کی ماؤں کے نام	...	6. دنیا بھر کی ماؤں کے نام
—شریمتی چین کوآنگ۔ یو	339	—شریمتی چین کوآنگ۔ یو
7. قومن قوموں کے بیچ دوستی (بھاشن)	...	7. قومن قوموں کے بیچ دوستی (بھاشن)
—شری نکیٹا خورشیدچور	344	—شری نکیٹا خورشیدچور
8. ہماری رائے—	...	8. ہماری رائے—
ہمارے روسی مہمان؛ راجکمار		ہمارے روسی مہمان؛ راجکمار
امرتنور کے چھن کے انوپہر—		امرتنور کے چھن کے انوپہر—
سندر لال؛ سمجھ کی خوبی؛ گڑوں		سندر لال؛ سمجھ کی خوبی؛ گڑوں
کی چاہ—سریش رام بھائی		کی چاہ—سریش رام بھائی
ہمارے روسی مہمان؛ راجکمار		ہمارے روسی مہمان؛ راجکمار
امرتنور کے چھن کے انوپہر—		امرتنور کے چھن کے انوپہر—
سندر لال؛ سمجھ کی خوبی؛ گڑوں		سندر لال؛ سمجھ کی خوبی؛ گڑوں
کی چاہ—سریش رام بھائی		کی چاہ—سریش رام بھائی

हिन्दुस्तानी कलचर

هندستانی کاچر

[एक आलोचना]

हैदराबाद की एशियाई अध्ययन समिति (Institute of Asian Studies) के डाइरेक्टर, मराहूर विद्वान, श्री भगवत शरण उपाध्याय ने अपना एक छपा हुआ अंगरेजी निबन्ध हमारे पास भेजा है. जिसका नाम है 'भारतीय संस्कृति की प्रगति' (March of Indian Culture). निबन्ध की कुछ चीजें लगभग उर्दू के शब्दों में हम नीचे देते हैं.

कलचर या संस्कृति की परिभाषा करते हुए लेखक ने लिखा है कि :—

“इतिहास की तरह कलचर या संस्कृति भी एक ऐसी चीज है जो लगातार फूजती फलती और बढ़ती रहती है और जिसका सम्बन्ध सारी दुनिया से है। कोई देरा या कोई काल ऐसा नहीं है कि जहां खड़ा होकर कोई आदमी भी यह कह सके कि इसके आगे किसी चीज से मेरा कोई सम्बन्ध नहीं। कलचर के अलग अलग रूप आस पास की तब्दीलियों के साथ बदलते रहते हैं, और यह तब्दीलियां अधिकतर अलग अलग जातियों के मिलने से पैदा होती हैं। इसलिये कलचर हम सब की मिली जुली बपौती है जो हम सबकी मिली जुली कोशिश से पैदा होती है। कलचर के अलग अलग हिस्से मिलकर एक शरीर बनाते हैं, फिर यह शरीर खुद एक इकाई बन जाता है, और इस तरह की बहुत सी इकाइयां मिलकर लगातार अपने में दूसरे हिस्सों और दूसरी इकाइयों को मिलाती और समोती रहती है, यहां तक कि यह सिलमिला सारी धरती के ऊपर फैला हुआ दिखाई देता है। कलचर हम सबकी सबको देन है।”

इसके बाद लेखक ने शुरू से अब तक की दुनिया की बड़ी बड़ी सभ्यताओं, उनके विकास और एक दूसरे के साथ उनके सम्बन्ध की चरचा की है.

भारत की चर्चा करते हुए लेखक ने कहा है कि :—

“इस मामले में कोई देश प्रकृति (कुदरत) का इतना चहेता नहीं दिखाई देता जितना हिन्दुस्तान, अनगिनत जातियाँ, सभ्य और असभ्य, हमारी सरहद को पार कर इस देश में आती रहीं और यहां के समाजी ताने बाने में मिलकर एक होजाती रही हैं. हमारे समाजी ढांचे को उन सब से बल मिला है और उसकी शान और सुन्दरता बढ़ी है. सरहद सरहद के नमूने और सरहद सरहद की शकलें मिलकर

[ایک آلوچٹا]

حیدرآباد کی ایشیائی اُدھین سسٹی (Institute of Asian Studies) کے ڈائریکٹر، مشہور ودوان، شہری بہکرت شرن آبادھیائے نے اپنا ایک چہپا ہوا انگریزی نبلدہ 'ہمارے پاس ہیجا ہے، جس کا نام ہے 'بھارتیہ' سنسکرتی کی پرگتی' (March of Indian Culture) نبلدہ کی کچھ چھڑیں لگ بھیگ اُنھیں کے شبدوں میں ہم نہ چھپے دیتے ہیں ۔

کلچر یا سنسکرتی کی پربہاشا کرتے ہوئے لیکھک نے لکھا ہے کہ:—

’اتھاس کی طرح کلچر یا سنسکرتی بھی ایک ایسی چیز ہے جو لگانار پھولتی پھلتی اور پڑھتی رہتی ہے اور جس کا سمبندھ ساری دنیا سے ہے۔ کوئی دیہی یا کوئی کال ایسا نہیں ہے کہ جہاں کھڑا ہو کر کوئی آدمی بھی یہ کہہ سکے کہ اس کے آگے کسی چیز سے میرا کوئی سمبندھ نہیں۔ کلچر کے الگ الگ روپ اس لباس کی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں‘ اور یہ تبدیلیاں ادھکتور الگ الگ جانتیوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے کلچر ہم سب کی ملی جلی بیوتی ہے جو ہم سب کی ملی جلی کشش سے پیدا ہوتی ہے۔ کلچر کے الگ الگ حصے ملکر ایک شریز بناتے ہیں، پھر یہ شریز خود ایک اڑانی بن جاتا ہے‘ اور اس طرح کی بہت سی اڑانیاں ملکر لگانار اپنے میں دوسرے حصوں اور دوسری اڑانیوں کو ملاتی اور سموتی رہتی ہے‘ یہاں تک کہ یہ سلسلہ ساری دھرتی کے اوپر پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کلچر ہم سب کی سب کو دین ہے۔“

اس کے بعد لیکچرک نے شروع سے اب تک کی دنیا کی بڑی بڑی سیٹھ میٹاؤں، اُن کے دکھ اور ایک دوسرے کے ساتھ اُن کے سببندہ کی چرچا کی ہے۔

بھارت کی چرچا کرتے ہوئے لیکچر لے کہا ہے کہ:—

”اس معاملے میں کوئی دہی پروکرتی (قدرت) کا انفا
چھپتا نہیں دکھائی دیتا جتنا ہندوستان۔ انگنت جاتیاں، سبھیہ
اور آسبھیہ، ہماری سرحد کو پار کر اِس دہی میں آتی
رہیں اور یہاں کے سماجی قانے بانے میں ملکر ایک
ہو جاتی رہی ہیں۔ ہمارے سماجی قمانچے کو اُن
سب سے بل ملا ہے اور اُس کی شان اور سندرتا بڑھی
ہے۔ طرح طرح کے نمونے اور طرح طرح کی شکلیں ملکر

اس دیش کی کلچر میں سیکڑوں طرح کے نئے نئے رنگ اور فنی شان پیدا کرتے رہے ہیں۔ ہزاروں برس کے اندر انکنت جانوں کے میل سے آجکل کی بھارتیہ سانسرتی بنی ہے۔

لوہک کا وچار ہے کہ سندھو ندی کی پرانی سپہیتا اور دجلہ اور فرات ندیوں کے کنارے کی پراچین سومیری سپہیتا دونوں میں گہرا سہمیلہ تھا۔

جب جب کوئی دو جاتیان اس دیش میں ملتی تھیں تو پہلی گھر میں لڑائیاں اور جھگڑے ہوتے تھے۔ پر تھوڑے ہی دنوں میں دونوں کے میل سے ایک نئی اور دونوں سے ادھک سندھ چیز پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ دونوں کے الگ الگ وجود کا نشان تک نہ رہ جاتا تھا۔

آریہ لوگوں نے اپنے سے پہلے کے باشندوں کو نفرت کے ساتھ 'کرشن' (کالے آدمی)، 'اناس' (جن کی ناک دی ہوئی تھی)، 'ادیو' (ایشور کو نہ ماننے والے)، 'ایجن' (یکم نہ کرنے والے)، 'ششن دیو' (لنگ پوجنے والے)، 'داس' (غلام)، 'داسیو' (قاتل) جیسے ناموں سے پکارا۔ اُس سمنے کے آریہ ادھکتر یا تو اُٹھاؤ چولہا رھتے تھے یا چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بستے تھے۔ یہاں کے پرانے باشندے جو دروز کہلاتے تھے بڑے بڑے شہروں میں رھتے تھے جن کے چاروں طرف پکی اینٹوں کی اونچی دیواریں ہوتی تھیں۔ صدیوں دونوں میں لڑائیاں ہوتی رھیں۔ آخر دونوں ماکر ایک دوسرے کے رنگ میں رنگ گئے۔

آریہ لوگوں نے اپنے سے پہلے کے باشندوں کو نفرت کے ساتھ 'کرشن' (کالے آدمی)، 'اناس' (جن کی ناک دی ہوئی تھی)، 'ادیو' (ایشور کو نہ ماننے والے)، 'ایجن' (یکم نہ کرنے والے)، 'ششن دیو' (لنگ پوجنے والے)، 'داس' (غلام)، 'داسیو' (قاتل) جیسے ناموں سے پکارا۔ اُس سمنے کے آریہ ادھکتر یا تو اُٹھاؤ چولہا رھتے تھے یا چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بستے تھے۔ یہاں کے پرانے باشندے جو دروز کہلاتے تھے بڑے بڑے شہروں میں رھتے تھے جن کے چاروں طرف پکی اینٹوں کی اونچی دیواریں ہوتی تھیں۔ صدیوں دونوں میں لڑائیاں ہوتی رھیں۔ آخر دونوں ماکر ایک دوسرے کے رنگ میں رنگ گئے۔

دنیا کے انہاس میں انٹر کم سپہیہ جانوروں نے ادھک سپہیہ جانوروں کو چیتا ہے۔ لیکن انت میں کلچر نے معاملہ میں جیتنے والی جاتی نے ہاری ہوئی روم کے سامنے جوا ڈال دیا۔ ایران میں آریوں کے اندر شوقر جانی نہیں تھی۔ انھرو وید لکھ جانے کے سمنے تک اس دیش میں چاروں بڑی بڑی جانیں روپ لے چکی تھیں جن میں شوقر سب سے نیچے تھے۔ دروزوں اور آریوں کے مل جانے سے شوقروں کی گنتی بہت بڑھ گئی۔ دروزوں کے دیونا 'شو' کی پوجا سارے دیش میں ہونے لگی اور دھیرے دھیرے لنگ کے روپ میں سب جگہ چل پڑی۔ یوگ اور دھیان، سانت اور گامہ کی پوجا کا بھی اس سمنے رواج ہوا۔ سانت نے ندی کا روپ لیا۔ گامہ کے لئے وشیش اندر بھی آریوں نے اس دیش کے پرانے باشندوں سے سیکھا۔ دھیرے دھیرے آریوں کے بہت سے نئے نئے شہر یہاں آباد ہو گئے جن میں پشلاوتی، کشلا، ہستناپور، اندر پرستہ، کشی، ایردھیا اور مہاتل ادھک مشور رھیں۔

ہے کہ 'اثر' وہد کے ایک منتر میں جو دو شبد 'الہی' اور 'ہلی' آتے ہیں وہ سومہریا کے دو مشہور راجاؤں 'ایللو' اور 'ہیللو' کے نام ہیں۔ لیکھک کا خیال ہے بھارت کی انیک ہاشاڑاں میں جر آئمہ بلائم' شبد چلے ہیں وہ انہیں ایللو اور ہیللو سے بنے ہیں۔ انہروہد کے بہت سے جادو اور منتر پراچین ہیبیلونیا (بابل) کے سامتہ اور وہاں کے رواج سے لئے گئے ہیں ۔

بھارت کے منتر 'شپت پتہ براہمن' میں توفان کی کہانی ہجرت نھ کے کسی توفان کی کہانی ہے جو کہا جاتا ہے ایسا سے لگبھگ تین ہزار برس پہلے بابول میں آیا تھا۔ یہ کہانی شپت پتہ براہمن کے لئے چلے گئے سے کم سے کم ایک ہزار برس پہلے پراچین اسوریا میں موجود تھی ۔ سومہریا ساہتہ میں اس کہانی کے ساتھ زبو سدو کا نام لیا جاتا ہے 'انجیل اور قرآن میں اسی کے ساتھ حضرت نوح کا نام لیا جاتا ہے اور سنسکرت ساہتہ میں منو کا نام لیا جاتا ہے۔ سنسکرت ساہتہ میں لکھا ہے کہ جب ائمہ ہجرے طوفان کے بعد منو کی کشتی کسی پہاڑ پر جا کر لگی اور منو نے دیکھا کہ اُن کی کشتی میں طرح طرح کے جانداروں کے جڑے بیج گئے ہیں جن سے سرشتی اُگے کو چل سکے تو انہوں نے بھوکاں کو دھنیا باں دیا اور یکہ کرنا چاہا ۔ پر انہوں نے دیکھا کہ یکہ کرانے کے لئے پروہت اِس دیش میں نہیں تھے' تب اسوریا یعنی بابل دیش سے پروہت بلائے گئے جنہیں شپت پتہ براہمن میں 'اسور براہمن' کہا گیا ہے ۔ اسوریا کے لوگوں کو اُن دنوں اسور کہا جاتا تھا ۔

اس کے بعد بھارت میں ایرانیوں کا آنا ہوا۔ ایرانی سمرات دارا کا سندھ اور پنجہی پنجاب تک راج تھا ۔ یہ راج ۳۰ برس سے اُپر تک رہا ۔ چانکیہ اور چندرگپت موریا نے اپنے دربار میں ایرانی طور طریقہ اور ایران کے درباری ریت رواج جاری کیئے ۔ ایران کے اثر سے ہی بھارت میں وہ کھروشتھی لہی چلی جو فارسی کی طرح داہنے سے بائیں کو لکھی جاتی تھی ۔ سمرات اشوک کے بہت سے شلا لیکھ اسی کھروشتھی میں ہیں اور اُن میں بہت سے ایرانی شبد آتے ہیں ۔ پہاڑوں' چٹانوں اور اُونچے اُونچے کہمیں پر اس طرح کے لیکھ یا کتبہ کھودنے کا رواج بھی' جسے سمرات اشوک نے دنیا میں اُتلا ادھک چمکایا' بھارت نے ایران سے اور ایران نے اسوریا سے لیا ۔

اُس زمانے کے بھارت کی موتی نورمان کلا پر ایران اور اُس کے اُس پاس کے دیشوں کا گہرا اثر پڑا ۔ مصر کے اندر عیسوی سے تین ہزار برس پہلے سائڈ کی پوجا' بابل اور اسوریا میں سائڈ کی پوجا اور بھارت میں نندی کی پوجا کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا سمبندھ ہے ۔ کشلا اور دوسرے استھانوں کی ہودہ سورتھیں میں ایرانی اور یونانی

بھارت کے گرنتم 'شپت پتہ براہمن' میں طوفان کی کہانی حضرت نوح کے اُسی طوفان کی کہانی ہے جو کہا جاتا ہے عیسوی سے لگ بھگ تین ہزار برس پہلے بابل میں آیا تھا ۔ یہ کہانی شپت پتہ براہمن کے لئے چلے گئے سے کم سے کم ایک ہزار برس پہلے پراچین اسوریا میں موجود تھی ۔ سومہریا ساہتہ میں اس کہانی کے ساتھ زبو سدو کا نام لیا جاتا ہے 'انجیل اور قرآن میں اسی کے ساتھ حضرت نوح کا نام لیا جاتا ہے اور سنسکرت ساہتہ میں منو کا نام لیا جاتا ہے۔ سنسکرت ساہتہ میں لکھا ہے کہ جب ائمہ ہجرے طوفان کے بعد منو کی کشتی کسی پہاڑ پر جا کر لگی اور منو نے دیکھا کہ اُن کی کشتی میں طرح طرح کے جانداروں کے جڑے بیج گئے ہیں جن سے سرشتی اُگے کو چل سکے تو انہوں نے بھوکاں کو دھنیا باں دیا اور یکہ کرنا چاہا ۔ پر انہوں نے دیکھا کہ یکہ کرانے کے لئے پروہت اِس دیش میں نہیں تھے' تب اسوریا یعنی بابل دیش سے پروہت بلائے گئے جنہیں شپت پتہ براہمن میں 'اسور براہمن' کہا گیا ہے ۔ اسوریا کے لوگوں کو اُن دنوں اسور کہا جاتا تھا ۔

اس کے بعد بھارت میں ایرانیوں کا آنا ہوا۔ ایرانی سمرات دارا کا سندھ اور پنجہی پنجاب تک راج تھا ۔ یہ راج ۳۰ برس سے اُپر تک رہا ۔ چانکیہ اور چندرگپت موریا نے اپنے دربار میں ایرانی طور طریقہ اور ایران کے درباری ریت رواج جاری کیئے ۔ ایران کے اثر سے ہی بھارت میں وہ کھروشتھی لہی چلی جو فارسی کی طرح داہنے سے بائیں کو لکھی جاتی تھی ۔ سمرات اشوک کے بہت سے شلا لیکھ اسی کھروشتھی میں ہیں اور اُن میں بہت سے ایرانی شبد آتے ہیں ۔ پہاڑوں' چٹانوں اور اُونچے اُونچے کہمیں پر اس طرح کے لیکھ یا کتبہ کھودنے کا رواج بھی' جسے سمرات اشوک نے دنیا میں اُتلا ادھک چمکایا' بھارت نے ایران سے اور ایران نے اسوریا سے لیا ۔

اُس زمانے کے بھارت کی موتی نورمان کلا پر ایران اور اُس کے اُس پاس کے دیشوں کا گہرا اثر پڑا ۔ مصر کے اندر عیسوی سے تین ہزار برس پہلے سائڈ کی پوجا' بابل اور اسوریا میں سائڈ کی پوجا اور بھارت میں نندی کی پوجا کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا سمبندھ ہے ۔ کشلا اور دوسرے استھانوں کی ہودہ سورتھیں میں ایرانی اور یونانی

اکسیر भारतीय رنگ سے رنگे हुए साफ दिखाई देते हैं. सांची जैसी जगहों के 'स्तूप' हमें मिस्र के 'पिरेमिड' और सुमेर के 'जिगुरत' की याद दिलाते हैं. तीनों का मृत्यु के साथ सम्बन्ध था.

ईसा की शुरू की सदियों में भारत के अन्दर शहर के शहर यूनानियों के आबाद थे. बहुत से दूसरे शहरों में यूनानियों के बड़े बड़े मोहल्ले थे. यूरप का दक्खिन पूरब का सारा हिस्सा, मिस्र का उत्तर का भाग और आक्सस और गंगा नदी तक सारा एशिया यूनानियों के कब्जे में था. पाटलीपुत्र (पटना) तक उनके हमले हुए. उस जमाने की लिखी हुई गागी संहिता में इन यूनानियों का 'दुष्ट विक्रान्त यवन' यानी बदमाश और बहादुर यवन कहा गया है. लिखा है कि इन लोगों के पाटलीपुत्र के एक हमले के बाद आस पास के तमाम इलाक़े से मर्द इतने अधिक मारे गए थे कि बाद में सारा काम काज औरतों को करना पड़ता था, कई कई औरतें मजबूर होकर एक मर्द से शादी करने लगी थीं और जब कभी इधर उधर अचानक कोई मर्द दिखाई दे जाता था तो औरतें उसे हैरान होकर देखती थीं. लेकिन इस कलेशाम के बाद भी जब यूनानी और हिन्दु-स्तानी मिल गए तो दोनों दूध और चीनी की तरह एक हो गए और दोनों ने मिलकर भारतीय संस्कृति की रचना की.

उस जमाने में भारत के अन्दर यूनानी डामे खेले जाते थे. यूनानी साहित्य का भारत की भाषाओं में अनुवाद होता था, और लोग उन किताबों को खूब शौक से पढ़ते थे. यूनानी भाषा का भी भारत की भाषाओं पर गहरा असर पड़ा. संस्कृत डामों में 'यवनिका' शब्द यूनानी से लिया हुआ है. भारतीय डामों पर यूनानी डामों का असर है. उस जमाने के भारतीय सिक्के बाहर करते हैं कि इस वंश के बहुत से लोग उन दिनों यूनानी और खराष्ट्रि दोनों भाषाओं को समझते थे.

भारत की ज्योतिष विद्या पर भी यूनानी ज्योतिष का बहुत बड़ा असर पड़ा. आज तक हिन्दुओं की जन्म पत्री में जो 'होराचक्र' बनता है उसमें 'होरा' वही है जो अंगरेजी शब्द 'होरास्कोप' का हारो है और दोनों मिस्र के सूर्य देवता 'होरास' से लिये गए हैं. हिन्दू विवाह के लिये सबसे शुभ लग्न जिसमें कालिदास ने शिव और पार्वती की शादी कराई है 'जामित्र' है जो यूनानी 'ज्यामेत्रान' से लिया गया है. गागी संहिता में लिखा है कि ज्योतिष विद्या का जन्म यवनों से ही हुआ और इसके लिये वह "पूज्य" है.

उससे पहले के हमारे सिक्के दूसरी शकल के होते थे. आजकल के सिक्कों की शकल हमने यूनानियों से ली. हिन्दी शब्द दाम, जिसके मानी मोल या कीमत है, यूनानी शब्द है.

اور ہمارے رنگ میں رنگے ہوئے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ ساंची جیسی جگہوں کے 'استوپ' ہمیں مصر کے 'پیرمڈ' اور سومر کے 'زگورت' کی یاد دلاتے ہیں۔ تینوں کا مروتی کے ساتھ سمبند تھا۔

عیسوی کی شروع کی صدیوں میں بھارت کے اندر شہر کے شہر یونانیوں کے آباد تھے۔ بہت سے دوسرے شہروں میں یونانیوں کے بڑے بڑے محلے تھے۔ یورپ کا دھنیں یورپ کا سارا حصہ، مصر کا اتر کا بھاگ اور آکسس اور گنگا ندی تک سارا ایشیا یونانیوں کے قبضے میں تھا۔ پانٹی پٹر (پٹنہ) تک ان کے حملے ہوئے۔ اُس زمانے کی لکھی ہوئی لڑکی سنگھیتا میں ان یونانیوں کو دشت وکرات یونہ، یعنی بد معاش اور بھادر یون کہا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ ان لوگوں کے پانٹی پٹر کے ایک حملے کے بعد اُس پاس کے تمام علاقے سے مرد اتنے ادھک مارے گئے تھے کہ بعد میں سارا کلم کچ عورتوں کو کرنا پڑتا تھا، کئی کئی عورتیں مجبور ہو کر ایک مرد سے شادی کرتے لگی تھیں اور جب کبھی اندر ادھر اچانک کوئی مرد دکھائی دے جاتا تھا تو عورتیں اُسے حیران ہو کر دیکھتی تھیں۔ لیکن اِس ذل عالم کے بعد جب یونانی اور ہندستانی مل گئے تو دونوں دودھ اور چھنی کی طرح ایک ہو گئے اور دونوں نے ملکر ہارتیہ سنسکرتی کی رچنا کی۔

اُس زمانے میں بھارت کے اندر یونانی ذرا مے کھیلے جاتے تھے۔ یونانی ساحتیہ کا بھارت کی بھاشاؤں میں انوراد ہوتا تھا اور لوگ اُن کتابوں کو خوب شوق سے پڑھتے تھے۔ یونانی بھاشا کا بھی بھارت کی بھاشاؤں پر گہرا اثر پڑا۔ سنسکرت ڈراموں میں 'یونیکا' شبد یونانی سے لیا ہوا ہے۔ ہارتیہ ڈراموں پر یونانی ڈراموں کا اثر ہے۔ اُس زمانے کے بھارتیہ سکھ ظاہر کرتے ہیں کہ اِس دیش کے بہت سے لوگ اُن دنوں یونانی اور کھروشیہ دونوں بھاشاؤں کو سمجھتے تھے۔

بھارت کی جیوتھی ودیا پر بھی یونانی جیوتھی کا بہت بڑا اثر پڑا۔ آج تک ہندوؤں کی جنم پتری میں جو 'ہورا چکر' بنتا ہے اُس میں 'ہورا' وہی ہے جو انگریزی شبد 'ہوروسکوپ' کا ہارو ہے اور دونوں مصر کے سوربہ دیوتا 'ہورس' سے لئے گئے ہیں۔ ہندو رواد کے لئے سب سے شیعہ لگن جس میں گائیداس نے شو اور پاروتی کی شادی کرائی ہے 'جامت' ہے جو یونانی 'زیا میتران' سے لیا گیا ہے۔ لڑکی سنگھیتا میں لکھا ہے کہ جیوتھی ودیا کا جنم یونہ سے ہی ہوا اور اِس کے لئے وہ "پوجیہ" ہیں۔

اُس سے پہلے کے ہمارے سکھ دوسری شکل کے ہوتے تھے۔ آجکل کے سکوں کی شکل ہم نے یونانیوں سے لی۔ ہندی شبد 'دाम' جس کے معنی مول یا قیمت ہے، یونانی شبد ہے۔

مہاتما बुद्ध थे अपने चेलों को साक शक्वीं में बना किया था कि मेरी किसी तरह की मूर्ति हरगिब न बनाना. उसी का नतीजा था कि शुरू के बौद्ध धर्म में जिसे 'हीनयान' कहा जाता है बुद्ध की कोई मूर्ति न बनती थी, और जहाँ किसी चिन्ह की जरूरत पड़ती थी तो केवल छत्र या चक्र या बोधि ध्वज की बसबीर बना दी जाती थी. लेकिन बुद्ध के मरने के कई सौ बरस बाद पहली सदी ईसवी में जब बौद्ध धर्म की महायान सम्प्रदाय कायम हुई तो बुद्ध की मूर्तियाँ भी जगह जगह बनने लगीं, यहां तक कि दुनिया में शायद जितनी बुद्ध की मूर्तियाँ बनी हैं उतनी आज तक किसी दूसरे की नहीं बनीं. शुरू से अब तक बुद्ध की इन मूर्तियों में और बौद्ध मन्दिरों में यूनानी असर साफ दिखाई देता है लेकिन वह सारा असर गहरे भारतीय रंग में रंगा हुआ है.

धीरे धीरे जीवन के हर मैदान में यूनानी और हिन्दु-स्तानी मिलकर एक हो गए. सैकड़ों यूनानियों ने वैष्णव धर्म स्वीकार किया और लाखों ने बौद्ध धर्म अपनाया.

यूनानियों के बाद शाक जाति के लोगों ने बाहर से आकर भारत के बड़े बड़े हिस्सों पर राज किया, मालवा और महाराष्ट्र तक उनकी बसातियाँ और उनकी हुकूमत थी. उनके राजाओं और यहां के राजाओं में लड़ाइयाँ भी हुईं. धीरे धीरे वह सब भी भारत के जीवन में रल मिल गए. आजकल की संस्कृत भाषा और संस्कृत साहित्य को सबसे ज्यादा उन्नत विदेशी शक राजाओं ही न दा. ज्यादा ने भी उनके जमाने में बहुत बड़ी तरफ़दारी की. ज्यादा का मशहूर भारतीय विद्वान बराह मिहिर खुद शक जाति का था. उसका नाम ईरानी नाम था. यूनानी विद्वान भी उन दिनों इस देश में खूब पढ़ा जाता था.

हमारी आजकल की राष्ट्रीय पोशाक अच्छकन और पाजामा शुरू में शक जाति के लोगों ने इस देश में जारी की, बाद में मुगल बादशाहों ने और अबध क नवाबों ने इसे और अधिक सुन्दर रूप दिया. कुरता और शलवार की चाल भी इस देश में शक लोगों से ही आई.

भारत में 'सूर्य' की जा सब से पुरानी मूर्ति मिलती है वह पहली सदी ईसवी की बनी हुई है. उसके शरीर पर यही विदेशी कुरता, विदेशी शलवार और विदेशी चोरा दिखाई देता है. पांव में ऊँचे पशियाइ जूते हैं, सिर पर ईरानी टोपी और कभर से खंजर लटकता हुआ. किसी हिन्दुस्तानी देवता को बससे पहले इस तरह के कपड़े नहीं पहनाए जाते थे, न इस तरह की टोपी, न इस तरह के जूते.

वैदिक धर्म में भी सूर्य की पूजा का चिक्र आता है लेकिन शकों से पहले यहां सूर्य की मूर्ति नहीं बनती थी. सूर्य की जा मूर्तियाँ धाती पहने हुए और दुपट्टा ढाके हुए मिलती

महाराष्ट्र के अनेक जंगलों में सफ़ेद छंदों में मिले हुए हैं. मौर्य की मूर्ति हरेक न बना. असी का निष्कर्ष है कि शुरु के बौद्ध धर्म में जिसे 'हीनयान' कहा जाता है बुद्ध की कोई मूर्ति न बनती थी, और जहाँ किसी चिन्ह की जरूरत पड़ती थी तो केवल छत्र या चक्र या बोधि ध्वज की बसबीर बना दी जाती थी. लेकिन बुद्ध के मरने के कई सौ बरस बाद पहली सदी ईसवी में जब बौद्ध धर्म की महायान सम्प्रदाय कायम हुई तो बुद्ध की मूर्तियाँ भी जगह जगह बनने लगीं, यहां तक कि दुनिया में शायद जितनी बुद्ध की मूर्तियाँ बनी हैं उतनी आज तक किसी दूसरे की नहीं बनीं. शुरू से अब तक बुद्ध की इन मूर्तियों में और बौद्ध मन्दिरों में यूनानी असर साफ दिखाई देता है लेकिन वह सारा असर गहरे भारतीय रंग में रंगा हुआ है.

दूसरे दूसरे जंगलों के हर मैदान में यूनानी और हेल्लेनिकी मूर्तियाँ एक हो गईं. सैकड़ों यूनानियों ने वैष्णव धर्म स्वीकार किया और लाखों ने बौद्ध धर्म अपनाया.

यूनानियों के बाद शाक जाति के लोगों ने बाहर से आकर भारत के बड़े बड़े हिस्सों पर राज किया, मालवा और महाराष्ट्र तक उनकी बसातियाँ और उनकी हुकूमत थी. उनके राजाओं और यहां के राजाओं में लड़ाइयाँ भी हुईं. धीरे धीरे वह सब भी भारत के जीवन में रल मिल गए. आजकल की संस्कृत भाषा और संस्कृत साहित्य को सबसे ज्यादा उन्नत विदेशी शक राजाओं ही न दा. ज्यादा ने भी उनके जमाने में बहुत बड़ी तरफ़दारी की. ज्यादा का मशहूर भारतीय विद्वान बराह मिहिर खुद शक जाति का था. उसका नाम ईरानी नाम था. यूनानी विद्वान भी उन दिनों इस देश में खूब पढ़ा जाता था.

हमारी आजकल की राष्ट्रीय पोशाक अच्छकन और पाजामा शुरू में शक जाति के लोगों ने इस देश में जारी की, बाद में मुगल बादशाहों ने और अबध क नवाबों ने इसे और अधिक सुन्दर रूप दिया. कुरता और शलवार की चाल भी इस देश में शक लोगों से ही आई.

भारत में 'सूर्य' की जा सब से पुरानी मूर्ति मिलती है वह पहली सदी ईसवी की बनी हुई है. उसके शरीर पर यही विदेशी कुरता, विदेशी शलवार और विदेशी चोरा दिखाई देता है. पांव में ऊँचे पशियाइ जूते हैं, सिर पर ईरानी टोपी और कभर से खंजर लटकता हुआ. किसी हिन्दुस्तानी देवता को बससे पहले इस तरह के कपड़े नहीं पहनाए जाते थे, न इस तरह की टोपी, न इस तरह के जूते.

वैदिक धर्म में भी सूर्य की पूजा का चिक्र आता है लेकिन शकों से पहले यहां सूर्य की मूर्ति नहीं बनती थी. सूर्य की जा मूर्तियाँ धाती पहने हुए और दुपट्टा ढाके हुए मिलती

ہے وہ سب باد کی ہے۔ جہاں تک ماحول ہوتا ہے سورج کی مورتی بنا کر پوجنے کا رواج اس देश میں شک جاتی کے لوگوں سے ہی آیا۔ ہمارے پورائوں میں یہ تھا آتی ہے کہ ملتان میں جب سورج کا پہلا مندر بنایا گیا تو مورتی کی استہانہ کرنے اور گھنٹی کی پوجا شروع کرنے کی دہی یہاں کے کسی براہمن کو نہیں آتی تھی۔ اس لئے اس کام کے لئے ہمارے سے ”شاک دوہی براہمن“ بلاتے گئے تھے۔ آج تک بھارت میں شاک دوہی براہمن موجود ہیں اور اتر بھارت میں بہت سے دوسرے براہمن ان ’ودیشی‘ براہمنوں کا چھوٹا پانی نہیں پیتے۔

شاک جاتی کے لوگوں کی بڑی تعداد بھارت کے رہنے والوں میں مل گئی۔ آج بھارت واسیوں کے خون میں، ان کے سادھنوں میں، ان کی کلا اور حیوان میں، اور ان کی کلچر میں وہ بڑی طرح سمائی ہوئی ہے۔ ان کے بہت سے راجا اور سردار جو ’شاهی‘ اور ’شہان شاهی‘ کہلاتے تھے بھارت سے نکل کر بہت دنوں تک افغانستان میں راج کرتے رہے۔ ساتھ پڑھوں تک وہ اتر پچھمی سرحد پر جم کر باہر کے حملوں سے بھارت کی رکشا کرتے رہے۔ شری بھکت شرن آبادیائے کا کہنا ہے کہ:—”سنسکرت ہماری ان کا چھوٹا گھنڈ کتنا چمک اُٹھتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس سے ہمارے پوجیہ راجا بھوج اس اہلوارا کے شہر کو لوٹ رہے تھے جس کا راجا مسلمان حملہ آوروں سے لڑنے دور گیا ہوا تھا“ ٹھیک اس سے بھارت کے پچھمی بھاگ کے یہ بھادر سنتری، ہندوکش کی پہاڑیوں کے نذر چوکھدار (شاک راجا) اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے لگاتار اتر پچھم کے ان زبردست شتروں سے لڑ رہے تھے جو بھارت پر حملہ کرنے کے لئے اُدھر بڑھتے تھے۔ انت میں وہ اس بارے کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور بے عزتی کی زندگی بتانے کی جگہ انہوں نے آگ میں کود کود کر اپنے کو ختم کر دیا۔“

شاک جاتی کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد بھارت کے رہنے والوں میں مل گئی۔ آج بھارت واسیوں کے خون میں، ان کے سادھنوں میں، ان کی کلا اور حیوان میں، اور ان کی کلچر میں وہ بڑی طرح سمائی ہوئی ہے۔ ان کے بہت سے راجا اور سردار جو ’شاهی‘ اور ’شہان شاهی‘ کہلاتے تھے بھارت سے نکل کر بہت دنوں تک افغانستان میں راج کرتے رہے۔ ساتھ پڑھوں تک وہ اتر پچھمی سرحد پر جم کر باہر کے حملوں سے بھارت کی رکشا کرتے رہے۔ شری بھکت شرن آبادیائے کا کہنا ہے کہ:—”سنسکرت ہماری ان کا چھوٹا گھنڈ کتنا چمک اُٹھتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس سے ہمارے پوجیہ راجا بھوج اس اہلوارا کے شہر کو لوٹ رہے تھے جس کا راجا مسلمان حملہ آوروں سے لڑنے دور گیا ہوا تھا“ ٹھیک اس سے بھارت کے پچھمی بھاگ کے یہ بھادر سنتری، ہندوکش کی پہاڑیوں کے نذر چوکھدار (شاک راجا) اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے لگاتار اتر پچھم کے ان زبردست شتروں سے لڑ رہے تھے جو بھارت پر حملہ کرنے کے لئے اُدھر بڑھتے تھے۔ انت میں وہ اس بارے کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور بے عزتی کی زندگی بتانے کی جگہ انہوں نے آگ میں کود کود کر اپنے کو ختم کر دیا۔“

اس میں سنسکرت نہیں اُتھتا ہے بہت سے بولے ہوئے ہلنے ہمارے لئے کافی منورجک اور شمشاد ہو سکتے ہیں۔^{۹۰}

آج تک ودیشی کنشک کا چلایا ہوا شاکا سموت سودیشی وکرماندیتھ کے نام پر چلے ہوئے وکرماندیتھ کے مقابلہ میں بھارت کے ایک بھاگوں میں خاص کر جنم پتروں اور پنچانگوں میں ادھک پوتر مانا جاتا ہے۔

کنشک کے راج میں مدھیہ ایشیا کا بہت سا حصہ، کشمیر، پنجاب اور اتر پردیش کا بہت سا حصہ شامل تھا۔ دھرم کے معاملے میں وہ حد درجہ کا آدار، سب دھرموں کو ایک نگاہ سے دیکھنے والا اور سب کے ساتھ ایکسا برتاؤ کرنے والا تھا۔ ہودہ دھرم کی سیوا ایک اشوک کو چھوڑ کر کسی بھارتیہ راجا نے اس سے ادھک نہیں کی۔ چین کے ساتھ بھی اس کا گہرا سمبندھ تھا۔ پردہی پنجاب میں چینیوں کی سب سے پہلی آبادی ’چین مکتی‘ اسی کی

کنشک کے راج میں مدھیہ ایشیا کا بہت سا حصہ، کشمیر، پنجاب اور اتر پردیش کا بہت سا حصہ شامل تھا۔ دھرم کے معاملے میں وہ حد درجہ کا آدار، سب دھرموں کو ایک نگاہ سے دیکھنے والا اور سب کے ساتھ ایکسا برتاؤ کرنے والا تھا۔ ہودہ دھرم کی سیوا ایک اشوک کو چھوڑ کر کسی بھارتیہ راجا نے اس سے ادھک نہیں کی۔ چین کے ساتھ بھی اس کا گہرا سمبندھ تھا۔ پردہی پنجاب میں چینیوں کی سب سے پہلی آبادی ’چین مکتی‘ اسی کی

آج تک کنشک کا چلایا ہوا شاکا سموت سودیشی وکرماندیتھ کے نام پر چلے ہوئے وکرماندیتھ کے مقابلہ میں بھارت کے ایک بھاگوں میں خاص کر جنم پتروں اور پنچانگوں میں ادھک پوتر مانا جاتا ہے۔

کنشک کے راج میں مدھیہ ایشیا کا بہت سا حصہ، کشمیر، پنجاب اور اتر پردیش کا بہت سا حصہ شامل تھا۔ دھرم کے معاملے میں وہ حد درجہ کا آدار، سب دھرموں کو ایک نگاہ سے دیکھنے والا اور سب کے ساتھ ایکسا برتاؤ کرنے والا تھا۔ ہودہ دھرم کی سیوا ایک اشوک کو چھوڑ کر کسی بھارتیہ راجا نے اس سے ادھک نہیں کی۔ چین کے ساتھ بھی اس کا گہرا سمبندھ تھا۔ پردہی پنجاب میں چینیوں کی سب سے پہلی آبادی ’چین مکتی‘ اسی کی

क्रावम की हुई थी. आबू और नाशपाती दोनों चीन से उसी के समय में आये. कनिष्क के जमाने के हालात को पढ़ने से मालूम होता है कि भारत की कलचर का रूप देने में चीन का भी बहुत बड़ा हिस्सा है. चीनी सम्राट 'रग' के पुत्र' कहलाते थे. उसी चाल पर कनिष्क 'देव पुत्र' कहलाता था. कनिष्क के सिक्के जिन पर कई कई धर्मों के देवी देवताओं के चित्र होते थे साबित करते हैं कि धर्म के मामले में भी उस समय चीनियों की मशहूर उदारता और उनके सर्व धर्म सम्भाव का हम पर गहरा असर पड़ा. उस जमाने की कला, चित्रकारी आदि में साफ़ अनेक देशों और अनेक धर्मों के रंग और उनकी छाप दिखाई देती है., बाद के गुप्ता युग की सारी कला उसी उदार युग की पैदावार है.

श्री भगवत् शरण का कहना है कि भारत के इतिहास में 'राष्ट्रियता' की यानी भारत के एक राष्ट्र होने की सबसे पहली झलक हमें उस समय मिलती है जब कि विदेशी शक और कुशन बादशाहों ने जिन्हें शाही कहा जाता था सुबुक्तगीन और उसके बेटे महमूद के हमलों से भारत की रक्षा करने के लिये देश की सब शक्तियों को पहली बार मिलाने की कोशिश की. इतिहास में भारत की एकता हमें सबसे पहले उसी समय चमकती हुई दिखाई देती है.

गुप्ता युग भारत का सुनहरा युग माना जाता है। वास्तव में उस युग का सारा बड़प्पन इन ही बाहर के असरों को देन था।

हुए जाति के लोग जो सब से आखीर में भारत आए चीन की हूण-नु जाति से सम्बन्ध रखते थे, यह वही हुए थे जिन्होंने रोमन साम्राज्य की कमर ताड़ी, यही लोग भारत के मैदानों में भी आकर बसे, चार हिन्दू जातों के अन्दर यह आसानी सेन खप सके, वह इतने शक्तिशाली थे कि उन सब ने शुद्ध बनकर रहना स्वीकार नहीं किया, इसलिये उन्हें क्षत्री मानना पड़ा, बहुत बड़े पैमाने पर आबू पहाड़ के ऊपर एक शुद्ध संस्कार हुआ, और पाँच राजपूत कुलों के नाम से जिन्हें 'अभिकुल' कहा जाता है वे सब कं सब हिन्दुओं में मिला लिये गए, कहा गया कि वे हवन कुण्ड में से पैदा हुए हैं, इस तरह यह सब सोलह आने क्षत्री हो गए, राजपूत स्त्रियों में 'जौहर' का रिवाज उन्होंने से पड़ा, 'जौहर' एक विदेशी शब्द है जिसका विकास एक इबरानी शब्द से है जिसके मानी आग और राशनी हैं.

अहीर, गूजर, जाट और राजपूत हिन्दू समाज का एक जबरदस्त अंग होते हुए भी अपने सुन्दर सुडौल शरीरों और खास स्वभाव के कारण आज भी इस देश में सब से अधिक अलग चमकते हैं। कहने को यह सब विदेशी हैं।

लेखक का कहना है कि इसके बाद भारत में वह लोग आए जिन्होंने आजकल की भारत की कलचर को रूप देने

قائم کی ہوئی تھی۔ آرد اور ناشتہ دہن چھین سے اُسی کے سہ میں اُٹے۔ کنشک کے زمانے کے حالات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کی نلچر کو روپ دیلمہ میں چھین کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ چامی سمرات 'سورگ کے پتر' کہلاتے تھے۔ اُسی چال پر کنشک 'دیو پتر' کہلاتا تھا۔ کنشک کے سہ جن پر نئی کئی دھرم کے دہی دوتاؤں کے چتر ہوتے تھے ڈھت کرتے ہیں کہ دھرم کے معاملے میں بھی اُس سہ چٹنوں کی مشہور اُدارنا اور اُن کے سہ دھرم سپھاؤ کا ہم پر گہرا اثر پڑا۔ اُس زمانے کی 'لا' چتر کا ہی ادی میں صاف اُنیک دہشوں اور اُنیک دھرم کے رنگ اور اُن کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ بعد کے گھتا یک کی ساری 'لا اُسی اُدار یک کی پیدوار ہے۔

شہری بھگت شرن کا کہنا ہے کہ بھارت کے انہاس میں 'راشدیت' کی یعنی بھارت کے ایک راشد ہونے کی سب سے پہلی جھلک ہمیں اُس سہ ماہی میں ملتی ہے جب وہ دیشی شک اور کشن بادشاہوں نے جلیہیں شاعی کہا جاتا تھا سہتکین اور اِس کے بیچے محمود کے حملوں سے بھارت کی رکشا کرنے کے لئے دیہ کی سب شکستوں کو پہلی بار ملانے کی کوشش کی . انہاس میں بھارت کی ایکنا ہمیں سب سے پہلے اُسی سہ ماہی چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے .

گھٹ: یک بھارت کا سنہرا یک مانا جاتا ہے۔ راستو میں اُس یک کا سارا ہڑپن اُن ہی ہاتھ کے اُڑوں کی دین تھا۔

ہن جاتی کے لوگ جو سب سے اخیر میں بھارت آنے چھوئی کی ہیروئک - نو جاتی سے سمبند رکھتے تھے . یہ دہی ہن تھے جنھوں نے رومن سامراجیہ کی کمزوری . بھی لوگ بھارت کے مہندانوں میں بھی آکر بسے . چار ہندو جاتوں کے اندر یہ آسانی سے نہ کہیں سکے . وہ اتنے شکی شالی تھے کہ اُن سب نے شہر بن کر رہنا سوچنا نہیں کیا . اس لئے انھیں چھتری ماننا پڑا . بہت بڑے پھالے پر ابو پھار کے اُپر ایک شدھی سنسکار ہوا . اور پانچ راجپوت نلوں کے نام سے جنھیں 'اگنی کل' کہا جاتا ہے وہ سب کے سب ہندوؤں میں مل گئے . کہا گیا کہ وہ ہون کڈ میں سے پیدا ہوئے ہیں . اس طرح یہ سب سولہ آئے چھتری ہو گئے . راجپوت اِستریوں میں 'جھر' کا رواج انھیں سے پڑا . 'جوھر' ایک ودیشی شدھ ہے جس کا نکلس ایک عبرانی شدھ سے ہے جس کے معنی آگ اور روشنی ہیں .

اھیر، گوجر، جات اور راجپوت ہندو سماج کا ایک زبردست
انگ ہوتے ہوئے بھی اپنے سندر، سدول شریروں اور خاص سپھاؤ
کے کارن آج بھی اس دیہی میں سب سے ادھک انگ چمکتے
ہیں۔ کہنے کو یہ سب ویدیشی ہیں۔

لیکچر کا کہنا ہے کہ اِس کے بعد بھارت میں وہ لوگ آئے جنہوں نے اُچل کی بھارت کی کلچر کو روپ دیا

میں شاہد سب سے ایک حصہ لیا۔ سن 712 عیسوی میں محمد بن قاسم کے انہیں عربوں کا حملہ ہوا۔ ایک کے شد میں سب "مانو سپہا" کو چمکائے اور بڑھائے میں عربوں نے سب سے ایک سمجھداری کا حصہ لیا ہے۔ محمد صاحب کی مرتبہ کے اسی برس کے اندر یورپ میں سندھو ندی اور آکسس ندی سے لیکر پچھم میں اسپین پہلی اٹلانٹک مہاساگر کے کنارے تک اور اتر میں کیپ سپین سندھ سے لیکر دکھن میں نیل ندی تک کا سارا علاقہ عربوں کے اندھن تھا۔ اس سارے علاقہ میں انہوں نے سب جگہ دنیا کی خوب رکشا کی اور اُس کو ایک جگہ سے لیجا کر دوسری جگہ پرچار کیا۔ انہوں نے یونانی فلسفہ اور یونانی دکان کی رکشا کی اور انہیں سارے یورپ میں بھلایا۔ بھارت سے گلوٹ اور ویدک کو لیجا کر اُن کی مدد سے انہوں نے یورپ کے گہان کو بڑھایا۔ چھن سے گائڈ اور چھاپنے کی کا کو لیجا کر انہوں نے دنیا بھر میں بھلایا۔ دنیا اور دکان کے اس طرح بھالنے سے بعد میں جو جو چمکار دیکھنے کو ملے وہ سب کو معلوم ہیں۔ یہ سب اچکل کی دنیا کو عربوں کی دین ہے۔

اس کے بعد جو مسلمان جانتیاں الگ الگ دیشوں سے بھارت میں آئیں اور پس گئیں انہوں نے بھی بھارت کی ملی جلی کلچر کو روپ دیا۔ میں بہت بڑا اور گہرا حصہ لیا۔ فارسی اور عربی دونوں زبانیں اُس دیش میں آکر ایک بڑے درجہ تک بھارت کے رنگ میں رنگ گئیں۔ بہت سے باہر سے آئے والے مسلمانوں نے بھارت کی پہاڑوں اور بولوں میں لکھنا اور کاویہ رچنا کرنا شروع کیا۔ اتر میں کھڑی بولی کا ایک نیا روپ سامنے آیا جسے اردو کہا جاتا ہے۔ لائپہ اور سوندریہ فصاحت اور بلاغت میں کھڑی بولی کا یہ نیا روپ پہلے کے روپ سے کہیں بڑھ گیا۔ ہندوں اور مسلمانوں دونوں نے ملکر کھڑی بولی کے اِس نئے روپ کو چمکایا۔ اردو کا اسلام دھرم سے کوئی خاص سمبندھ نہیں، یہ بولی بھارت سے باہر کسی بھی دوسرے دیش میں نہیں بولی جاتی۔ یہ سب بھارت واسیوں کی ملی جلی سپہتی ہے۔ دھیرے دھیرے ہندی گدیہ سادھتہ کی رچنا میں بھی اِس نے بہت بڑی مدد دی۔ اسلام کے ساتھ ساتھ مانو ایکٹا کی اپورو کلپنا نے اِس دیش میں جلم لیا۔ تصنیف یعنی ضنی وچاروں نے اِس دیش میں ایک نئی سماجی کرائنتی پیدا کر دی۔ کبیر، نانک اور اُنک اور اُنک اور سنت مہاتما اسی کرائنتی کی پیدوار اور اُس کے علم بردار تھے۔

اس کے بعد جو مسلمان جانتیاں الگ الگ دیشوں سے بھارت میں آئیں اور پس گئیں انہوں نے بھی بھارت کی ملی جلی کلچر کو روپ دیا۔ میں بہت بڑا اور گہرا حصہ لیا۔ فارسی اور عربی دونوں زبانیں اُس دیش میں آکر ایک بڑے درجہ تک بھارت کے رنگ میں رنگ گئیں۔ بہت سے باہر سے آئے والے مسلمانوں نے بھارت کی پہاڑوں اور بولوں میں لکھنا اور کاویہ رچنا کرنا شروع کیا۔ اتر میں کھڑی بولی کا ایک نیا روپ سامنے آیا جسے اردو کہا جاتا ہے۔ لائپہ اور سوندریہ فصاحت اور بلاغت میں کھڑی بولی کا یہ نیا روپ پہلے کے روپ سے کہیں بڑھ گیا۔ ہندوں اور مسلمانوں دونوں نے ملکر کھڑی بولی کے اِس نئے روپ کو چمکایا۔ اردو کا اسلام دھرم سے کوئی خاص سمبندھ نہیں، یہ بولی بھارت سے باہر کسی بھی دوسرے دیش میں نہیں بولی جاتی۔ یہ سب بھارت واسیوں کی ملی جلی سپہتی ہے۔ دھیرے دھیرے ہندی گدیہ سادھتہ کی رچنا میں بھی اِس نے بہت بڑی مدد دی۔ اسلام کے ساتھ ساتھ مانو ایکٹا کی اپورو کلپنا نے اِس دیش میں جلم لیا۔ تصنیف یعنی ضنی وچاروں نے اِس دیش میں ایک نئی سماجی کرائنتی پیدا کر دی۔ کبیر، نانک اور اُنک اور اُنک اور سنت مہاتما اسی کرائنتی کی پیدوار اور اُس کے علم بردار تھے۔

تھرہ تھرہ کی کلا اور کاریگری میں بھی اِس دیش کے اندر اسلام کے آنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔ عمارتوں کے بنانے میں مہل کا اُس سے تک کی سب سے

طرح طرح کی کا اور کاریگری میں بھی اِس دیش کے اندر اسلام کے آنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔ عمارتوں کے بنانے میں مہل کا اُس سے تک کی سب سے

شاندار اور سب سے سندر کا تھی۔ نئے تھانگ کی میناریں اور نئے گمبد، محرابیں، محل، قلعے اور مسجدیں، سندر مقبرے، باغ اور نئی نئی طرح کے پھل اور پھول دیس بہر میں دکھائی دیئے گئے۔ آگرے کا تاج بھارت کے مستک پر جھومر کی طرح چمکے لگا اور دنیا بہر کی سندر سے سندر عمارتوں میں گنا جانے لگا۔ میل چتر کا اپنے پرانے نمونے ایرانی چتر کا سے سندرنا میں کہیں بڑھ گئی۔ سنگیت میں بھی اُس زمانے کی دین اُنکی ہی گہری تھی۔ نئے راگوں اور نئی نئی لہروں نے بھارت کے سنگیت میں چار چاند لگا دیئے۔

شری بھگوت شرمن اپادھیائے کا کہنا ہے کہ سمرات اکبر کی دھارمک ادارنا کو دیکھ کر ہمیں سمرات اشوک کی پھر سے یاد آ جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنے دین الہی کے اندر سب دھرموں کی بنیادی باتوں کو ملا دیئے کی کوشش میں اکبر سمے سے شاید تین سو برس پہلے پیدا ہو گیا تھا۔ مغلوں نے ہی بھارت کی راشٹریہ پوشاک کو روپ دیا۔ روٹی اور نوا، کپڑے بہ درنہں شبد ہی باہر کے نہیں ہیں اُن کا اُپوگ بھی ہم نے آگتک مسلمانوں سے ہی سیکھا۔ آج روٹی شبد چھاتی کے معنی میں بھی اور سادھارن بھوجن کے معنے میں بھی بھارت کے کولے کولے میں بولا جاتا ہے۔

شری بھگوت شرمن کے انوسار یورپ والوں یا انگریزوں کی دین بھی ہندوستانی کلاچر کو اتنی کم نہیں ہیں۔ ہماری آجکل کی راشٹریٹا کی کلپنا، بھارت کے ایک دیس ہونے کا وچار، راجکاجی آزادی کا پریم، ہمارا آج کا سماجی جیون، ہمارے کل کارخانے، نیا وگیاں، ہماری پارلیمنٹ، ہماری راجکاجی سنسٹھائیں، ہماری شکشا، ہمارا ساہتیہ ان سب کے اسدر یورپ کا اثر ہمیں صاف چمکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ یورپ والوں کی فیت میں کہیں کہیں جو کچھ برائی رہی ہو، اور برائی گئی تھی، اس میں سندیہ نہیں کہ یورپ والوں نے ہی ہمارے بہت سے پرانے خزانوں کو کھود کر ہمارے سامنے رکھا۔ انہوں نے ہی سمرات اشوک کے شالیہوں سے ہماری جانکاری کرائی۔ سیمڑوں ہرائیوں کے ہوتے ہوئے بھی ہندوستانی کلاچر کو اُن کی دین ایک استھانی دین ہے۔

انت میں شری بھگوت شرمن اپادھیائے نے سنسار کی کلاچر کو بھارت کی دین کی چرچا کی ہے۔ انہوں نے دکھایا ہے کہ بھارت نے ہمیشہ اپنے دل سے دوسروں سے لیا ہے اور اپنے دل سے دوسروں کو دیا ہے۔ اُن کی رائے میں مہاتما بدھ کے سمے سے لیکر مہاتما گاندھی تک اور آج تک دنیا میں شانکی قائم کرنے کے لئے بھارت کے پرتن کچھ کم کرد کی چیز نہیں ہیں۔ ابھی دنیا اتنی تیزی سے بدل رہی ہے کہ اُس پر آنکھوں کا ٹک سنا بھی کلہن ہے۔

دنیا اسنی چھوٹی ہو گئی ہے کہ ساری دنیا ہتھیلی پر رکھ کر ایک ساتھ دیکھی جاسکتی ہے۔ ”دنیا کے لئے یہ ایک شبہ نہیں ہے کہ اب ہم ساری دنیا کو دیکھ سکتے ہیں اور ایک ایک ٹکڑیوں سے آپر اٹھ کر سارے مائو سماج کو اپنا کم سکتے ہیں۔ پچھم نے باہر کی مادی ترقی میں کمال کیا ہے۔ پورب نے مادے کو ہی روحانی روپ دیا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ یہ دونوں ملکر ایک مائو شریہ کو روپ دیں۔ بہارت اپنے ہر دن کو وشال کر کے ایک نیک اور ضروری کام میں دنیا کو بہت بڑی مدد دے سکتا ہے۔“ ہم شری بہکوت شرن آپادھائیہ کو ان کے ادار پریتنوں پر بدھائی دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اس سے کہیں ادھک بڑے گرنٹ کے روپ میں اپنی کوجوں اور ان کے نفعوں کو جلد سے جلد دیہی کے سامنے رکھ سکیں۔

دنیا اسنی چھوٹی ہو گئی ہے کہ ساری دنیا ہتھیلی پر رکھ کر ایک ساتھ دیکھی جاسکتی ہے۔ ”دنیا کے لئے یہ ایک شبہ نہیں ہے کہ اب ہم ساری دنیا کو دیکھ سکتے ہیں اور ایک ایک ٹکڑیوں سے آپر اٹھ کر سارے مائو سماج کو اپنا کم سکتے ہیں۔ پچھم نے باہر کی مادی ترقی میں کمال کیا ہے۔ پورب نے مادے کو ہی روحانی روپ دیا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ یہ دونوں ملکر ایک مائو شریہ کو روپ دیں۔ بہارت اپنے ہر دن کو وشال کر کے ایک نیک اور ضروری کام میں دنیا کو بہت بڑی مدد دے سکتا ہے۔“ ہم شری بہکوت شرن آپادھائیہ کو ان کے ادار پریتنوں پر بدھائی دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اس سے کہیں ادھک بڑے گرنٹ کے روپ میں اپنی کوجوں اور ان کے نفعوں کو جلد سے جلد دیہی کے سامنے رکھ سکیں۔

—سندرلال۔

—سندرلال۔

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

“CHINA TODAY”

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be wide'y known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

چینی علاج کی کہانی

چینی علاج کی کہانی

شری لی تاओ

شری لی تاओ

پ्राचीन समय में अनेक बार दवाएं तैयार करने में, उन्हें बरतने में और जर्सीही यानी चीर फाड़ की बिद्या में चीन दुनिया का रास्ता बिखता रहा है. लेकिन सामन्तशाही यानी खानदानी राजाओं और सरदारों का राज हमारे यहां इतने अधिक दिनों तक रहा कि उसके कारण जनता में बल न आ सका और हमारी प्राचीन वैद्यक बिद्या का बढ़ना रुक गया. उसके बाद हमारे राजकाजी और कलचरी जीवन पर देशी और बिदेशी सम्राजशाही का जोर रहा जिससे हमारे देश के नई तालीम पाए हुए डाक्टरों ने देश की पुरानी वैद्यक बिद्या की तरफ से बेपरवाही की.

फिर भी चीन की पुरानी वैद्यक बिद्या बराबर जारी रही. उसके अनुसार इलाज करने वाले हकीम लाखों और करोड़ों जनता की सेवा करते रहे हैं और उन्हें अच्छा करते रहे हैं. सन् 1949 से, जब से हमारा मुल्क आजाद हुआ है, बहुत से उसूल जिन्हें हमारी पुरानी वैद्यक बिद्या ने मान रखा था और उसके इलाज के तरीके साइंसी ढङ्ग से परखे जा चुके हैं और आजकल के उन्नत से उन्नत बिचारों के अनुसार ठीक साबित हो चुके हैं. इस तरह हमारी पुरानी वैद्यक बिद्या की महान उपयोगिता साबित हो चुकी है.

आजकल के चीन में पुराने ढङ्ग से इलाज करने वाले लोग और नए ढङ्ग से सीखे हुए डाक्टर दोनों मौजूद हैं. दोनों मिलकर काम करते हैं और दोनों एक दूसरे से सीखते हैं. पर चीनी वैद्यक बिद्या और बाकी दुनिया के इलाज के तरीके इन दोनों के बीच सदियों से एक खाई पैदा हो गई है. इस खाई पर जिस दिन एक पुल बन जायगा तो हमें बिश्वास है कि उससे चीनी जनता की तन्दुरुस्ती को और सारे मानव समाज की तन्दुरुस्ती दोनों को बड़ा लाभ होगा.

चीन की वैद्यक बिद्या कितनी पुरानी है इसका अन्दाजा इस बात से लग सकता है कि चीन में ईसा से तेरह सौ बरस पहले के इस तरह के लेख हड्डियों पर मिले हैं जिनमें आदमी की बहुत सी बीमारियों का जिक्र और उनका ययान दिया हुआ है. इसके थोड़े दिनों बाद का एक ग्रंथ The Book of Rites (रिवाजों की किताब) मौजूद है जिसमें अलग अलग रंगों के लिये दवाओं, जर्सीही, ताकत की दवाओं, शक्ति देने वाले खानों और जानवरों

प्राचीन समे में अनेक बार दवाओं तैयार करने में, उन्हें बरतने में और जर्सीही यानी चीर फाड़ की बिद्या में चीन दुनिया को रास्ता बिखता रहा है. लेकिन सामन्त शाही यानी खानदानी राजाओं और सरदारों का राज हमारे यहां इतने अधिक दिनों तक रहा कि उसके कारण जनता में बल न आ सका और हमारी प्राचीन वैद्यक बिद्या का बढ़ना रुक गया. उसके बाद हमारे राजकाजी और कलचरी जीवन पर देशी और बिदेशी सम्राजशाही का जोर रहा जिससे हमारे देश के नई तालीम पाए हुए डाक्टरों ने देश की पुरानी वैद्यक बिद्या की तरफ से बेपरवाही की.

फिर भी चीन की पुरानी वैद्यक बिद्या बराबर जारी रही. उसके अनुसार इलाज करने वाले हकीम लाखों और करोड़ों जनता की सेवा करते रहे हैं और उन्हें अच्छा करते रहे हैं. सन् 1949 से, जब से हमारा मुल्क आजाद हुआ है, बहुत से उसूल जिन्हें हमारी पुरानी वैद्यक बिद्या ने मान रखा था और उसके इलाज के तरीके साइंसी ढङ्ग से परखे जा चुके हैं और आजकल के उन्नत से उन्नत बिचारों के अनुसार ठीक साबित हो चुके हैं. इस तरह हमारी पुरानी वैद्यक बिद्या की महान उपयोगिता साबित हो चुकी है.

आजकल के चीन में पुराने ढङ्ग से इलाज करने वाले लोग और नए ढङ्ग से सीखे हुए डाक्टर दोनों मौजूद हैं. दोनों मिलकर काम करते हैं और दोनों एक दूसरे से सीखते हैं. पर चीनी वैद्यक बिद्या और बाकी दुनिया के इलाज के तरीके इन दोनों के बीच सदियों से एक खाई पैदा हो गई है. इस खाई पर जिस दिन एक पुल बन जायगा तो हमें बिश्वास है कि उससे चीनी जनता की तन्दुरुस्ती को और सारे मानव समाज की तन्दुरुस्ती दोनों को बड़ा लाभ होगा.

चीन की वैद्यक बिद्या कितनी पुरानी है इसका अन्दाजा इस बात से लग सकता है कि चीन में ईसा से तेरह सौ बरस पहले के इस तरह के लेख हड्डियों पर मिले हैं जिनमें आदमी की बहुत सी बीमारियों का जिक्र और उनका ययान दिया हुआ है. इसके थोड़े दिनों बाद का एक ग्रंथ The Book of Rites (रिवाजों की किताब) मौजूद है जिसमें अलग अलग रंगों के लिये दवाओं, जर्सीही, ताकत की दवाओं, शक्ति देने वाले खानों और जानवरों

کی بیماریوں کے علاج کا بیان ہے۔ اسی زمانہ کی ایک اور کتاب The Book of Odes (گیتوں کا संग) ہے جس میں سو سے زائد جڑی بوٹیوں اور دواؤں کو بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد چین کے الگ الگ حصوں میں تجارت بڑھتی گئی اور چینی ویدک دوا بھی تجارت کے ساتھ ساتھ دیکھ میں پہنچتی گئی۔ ان دنوں چینی وید ایک طرح کی پتھر کی چھری سے ہونے والی ہے۔ اس چھری کو ”پین شیہ“ کہتے تھے۔ روگوں کے علاج کے لئے وہ طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کو کام میں لاتے تھے۔ دواؤں اور چھری کے علاوہ ان دنوں کے علاج کے دو طریقہ خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک طریقہ میں لمبی پتلی دسات کی سونڈوں کے ذریعہ ان سونڈوں کو جسم کے اندر داخل کر کے آدمی کی سست پڑی ہوئی نسیں کو پھر سے جگایا اور ٹھیک کیا جاتا ہے۔ یہ علاج الگ الگ بیماریوں کے لئے شریروں کے الگ الگ حصوں پر کیا جاتا ہے۔ اسے انگریزی میں ایکوپنچر (Acupuncture) کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ ہے خاص طرح کی بوٹیوں کو جلا کر ان سے جسم کے کسی خاص حصہ کو سینکا۔ اس سے بھی نسیں میں جان آجاتی ہے پر ہال کو نقصان نہیں پہنچنے پاتا۔ اسے انگریزی میں موکسیشن (Moxibustion) کہتے ہیں۔ یہ دونوں طریقہ عیسوی سے بارہ سو برس پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ اور آج تک چین کے سرکاری اسپتالوں تک میں بہت سے روگوں کو اچھا کرنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ روگوں کے علاج کے لئے شریروں کی مالش بھی ان دنوں طرح طرح سے کی جاتی ہے۔

اسی سے پانچ سو برس پہلے چین میں عام وید ایک ہوتے تھے جو جنتا کا علاج کرتے تھے اور درباری وید ایک ہوتے تھے جو سمرات اور ان کے گھر والوں کا علاج کرتے تھے۔ روگ کا پتا ان دنوں روگی کے سانس لینے کے ڈھنگ سے، اس کے چہرے کے رنگ سے اور اس کی آواز سے لگایا جاتا تھا۔

عیسیٰ سے پانچ سو برس پہلے چین کے ایک مشہور حکیم ہون چو۔ ایچ نے دنیا میں پہلی بار نبض (ناڑی) سے روگ کا پتہ لگانے کا طریقہ ایجاد کیا۔ دنیا کی ویدک دوا میں یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔ نبض یعنی ناڑی سے روگ کے پتا لگانے کا طریقہ چھٹی صدی عیسوی میں چین سے کوریا اور وہاں سے جاپان پہنچا۔ نویں صدی عیسوی میں یہ طریقہ عرب پہنچا۔ مشہور مسلم حکیم بوعلی ابو سینا نے دسویں صدی عیسوی میں ویدک کے اوپر اپنی مشہور کتاب لکھی جس میں اس نے نبض سے روگوں کا پتا لگانے کی چھٹی کی۔ بوعلی کی یہ کتاب اٹھارہویں صدی عیسوی تک یورپ کے سب حکیموں اور

اس کے بعد چین کے الگ الگ حصوں میں تجارت بڑھتی گئی اور چینی ویدک دوا بھی تجارت کے ساتھ ساتھ دیکھ میں پہنچتی گئی۔ ان دنوں چینی وید ایک طرح کی پتھر کی چھری سے ہونے والی ہے۔ اس چھری کو ”پین شیہ“ کہتے تھے۔ روگوں کے علاج کے لئے وہ طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کو کام میں لاتے تھے۔ دواؤں اور چھری کے علاوہ ان دنوں کے علاج کے دو طریقہ خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک طریقہ میں لمبی پتلی دسات کی سونڈوں کے ذریعہ ان سونڈوں کو جسم کے اندر داخل کر کے آدمی کی سست پڑی ہوئی نسیں کو پھر سے جگایا اور ٹھیک کیا جاتا ہے۔ یہ علاج الگ الگ بیماریوں کے لئے شریروں کے الگ الگ حصوں پر کیا جاتا ہے۔ اسے انگریزی میں ایکوپنچر (Acupuncture) کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ ہے خاص طرح کی بوٹیوں کو جلا کر ان سے جسم کے کسی خاص حصہ کو سینکا۔ اس سے بھی نسیں میں جان آجاتی ہے پر ہال کو نقصان نہیں پہنچنے پاتا۔ اسے انگریزی میں موکسیشن (Moxibustion) کہتے ہیں۔ یہ دونوں طریقہ عیسوی سے بارہ سو برس پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ اور آج تک چین کے سرکاری اسپتالوں تک میں بہت سے روگوں کو اچھا کرنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ روگوں کے علاج کے لئے شریروں کی مالش بھی ان دنوں طرح طرح سے کی جاتی ہے۔

عیسیٰ سے پانچ سو برس پہلے چین کے ایک مشہور حکیم ہون چو۔ ایچ نے دنیا میں پہلی بار نبض (ناڑی) سے روگ کا پتہ لگانے کا طریقہ ایجاد کیا۔ دنیا کی ویدک دوا میں یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔ نبض یعنی ناڑی سے روگ کے پتا لگانے کا طریقہ چھٹی صدی عیسوی میں چین سے کوریا اور وہاں سے جاپان پہنچا۔ نویں صدی عیسوی میں یہ طریقہ عرب پہنچا۔ مشہور مسلم حکیم بوعلی ابو سینا نے دسویں صدی عیسوی میں ویدک کے اوپر اپنی مشہور کتاب لکھی جس میں اس نے نبض سے روگوں کا پتا لگانے کی چھٹی کی۔ بوعلی کی یہ کتاب اٹھارہویں صدی عیسوی تک یورپ کے سب حکیموں اور

ڈاکٹریں کو پکارے جاتی تھیں اور یورپی ڈاکٹری کی جوتیا کی کتاب مانی جاتی تھی۔ ہندستان کی ویدک کی کتابوں میں ترہویں صدی عیسوی سے پہلے نبض دیکھنے کا ذکر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان نے بھی نبض دیکھنے کا طریقہ چین سے لیا۔

چین کی پुरانی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس زمانے کا ایک چینی راجہ بیمار پڑا۔ وہ بہوش ہو گیا۔ دربار کے ویدوں نے کہہ دیا کہ راجہ مرنے والا ہے۔ پین چو نے نبض دیکھ کر بتا دیا کہ راجہ ابھی زندہ ہے۔ اس نے علاج کیا اور راجہ بچ گیا۔

پین چو نے چین کی مختلف ریاستوں میں گیا۔ اس نے سب جگہ کے حکمرانوں کا مشورہ کیا۔ اس سے پہلے چین میں کئی جگہ رोगों کا علاج جادو دانوں سے کیا جاتا تھا۔ پین چو نے اس طرح کے افسانوں کا کٹا کر دیا اور سائنسی دیکھ بھال سے شریک کے مختلف اعضاء اور ان کے کاموں کے مطابق علاج کے طریقے پر کتابیں لکھیں۔

اس سے دو سو برس پہلے سارے چین پر پہلی بار ایک راجہ فام ہوا۔ چینی ویدک دیکھ بھال اور تیزی کے ساتھ ترقی پزیر ہوئی۔ عیسوی سے چھ سو برس پہلے لی۔ چو۔ کوئی نام کے ایک چینی حکیم نے بہت سی پرانی چینی کتابوں کو دیکھا۔ ان میں ایک مشہور کتاب 'ہیووانگ می نیٹی چنگ' ہسٹری پزیر ہوئی۔ چینی حکیموں کو کام دیتی رہی۔ اس کتاب نے ایک خاص بات یہ ہے کہ آجکل کے نئے نئے ڈاکٹری اصول کے انوسار یہ دباؤ رک کے پیدا ہو جانے پر اس کا علاج کرنے کی نسبت دباؤ کے پیدا ہونے کی روک تھام پر اہمیت دیتی ہے۔ اس کے انوسار آدمی کا شریک سارے دباؤ کا ایک حصہ ہے اور آدمی اگر دباؤ کی تبدیلیوں کے انوسار اپنی عادات کو بھی بدلتا رہے تو وہ دباؤ سے بچا رہ سکتا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بیماری آجکل کے بعد اس کا علاج کرنا ایسا ہی ہے جیسا پیاس لگنے پر کھانا کھانا یا لڑائی چھڑ جانے پر ہتھیار ڈالنا۔ بیماریوں کا علاج بیمار بننے سے پہلے ہونا چاہیے اور اس کا طریقہ ہے ٹھیک جیون بنانا۔ ٹھیک طرح کا کھانا کھانا، ٹھیک طرح سے کام اور آرام کرنا، اور اپنے دل اور دماغ دونوں کو سدا شانت رکھنا۔

ایک اور پورانی کتاب 'شین ننگ پن تسانو چیگ' ہے جو عیسوی سے لگ بھگ ایک سو برس پہلے لکھی گئی۔ اس میں تین سو سے زائد دواؤں اور ان کے استعمال کی چرچا

ڈاکٹریں کو پکارے جاتی تھیں اور یورپی ڈاکٹری کی جوتیا کی کتاب مانی جاتی تھی۔ ہندستان کی ویدک کی کتابوں میں ترہویں صدی عیسوی سے پہلے نبض دیکھنے کا ذکر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان نے بھی نبض دیکھنے کا طریقہ چین سے لیا۔

چین کی پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس زمانے کا ایک چینی راجہ بیمار پڑا۔ وہ بہوش ہو گیا۔ دربار کے ویدوں نے کہہ دیا کہ راجہ مرنے والا ہے۔ پین چو نے نبض دیکھ کر بتا دیا کہ راجہ ابھی زندہ ہے۔ اس نے علاج کیا اور راجہ بچ گیا۔

پین چو نے چین کی مختلف ریاستوں میں گیا۔ اس نے سب جگہ کے حکمرانوں کا مشورہ کیا۔ اس سے پہلے چین میں کئی جگہ رोगों का علاج جادو دانوں سے کیا جاتا تھا۔ پین چو نے اس طرح کے افسانوں کا کٹا کر دیا اور سائنسی دیکھ بھال سے شریک کے مختلف اعضاء اور ان کے کاموں کے مطابق علاج کے طریقے پر کتابیں لکھیں۔

عیسوی سے دو سو برس پہلے سارے چین پر پہلی بار ایک راجہ فام ہوا۔ چینی ویدک دیکھ بھال اور تیزی کے ساتھ ترقی پزیر ہوئی۔ عیسوی سے چھ سو برس پہلے لی۔ چو۔ کوئی نام کے ایک چینی حکیم نے بہت سی پرانی چینی کتابوں کو دیکھا۔ ان میں ایک مشہور کتاب 'ہیووانگ می نیٹی چنگ' ہسٹری پزیر ہوئی۔ چینی حکیموں کو کام دیتی رہی۔ اس کتاب نے ایک خاص بات یہ ہے کہ آجکل کے نئے نئے ڈاکٹری اصول کے انوسار یہ دباؤ رک کے پیدا ہو جانے پر اس کا علاج کرنے کی نسبت دباؤ کے پیدا ہونے کی روک تھام پر اہمیت دیتی ہے۔ اس کے انوسار آدمی کا شریک سارے دباؤ کا ایک حصہ ہے اور آدمی اگر دباؤ کی تبدیلیوں کے انوسار اپنی عادات کو بھی بدلتا رہے تو وہ دباؤ سے بچا رہ سکتا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بیماری آجکل کے بعد اس کا علاج کرنا ایسا ہی ہے جیسا پیاس لگنے پر کھانا کھانا یا لڑائی چھڑ جانے پر ہتھیار ڈالنا۔ بیماریوں کا علاج بیمار بننے سے پہلے ہونا چاہیے اور اس کا طریقہ ہے ٹھیک جیون بنانا۔ ٹھیک طرح کا کھانا کھانا، ٹھیک طرح سے کام اور آرام کرنا، اور اپنے دل اور دماغ دونوں کو سدا شانت رکھنا۔

ایک اور پرانی کتاب 'شین ننگ پن تسانو چیگ' ہے جو عیسوی سے لگ بھگ ایک سو برس پہلے لکھی گئی۔ اس میں تین سو سے زائد دواؤں اور ان کے استعمال کی چرچا

کی گئی ہے۔ دنیا میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں کھال کی بیماریوں کے لیے پارے اور گंधک کا इस्तेمال बताया गया है। इन बीमारियों के लिए यह इलाज अरब और हिन्दुस्तान में इसके एक हजार बरस बाद चला और यूरोप में सोलहवीं सदी ईसवी से जारी हुआ।

दूसरी सदी ईसवी में चाँग चुंग-चिंग नाम के एक हकीम ने तरह तरह के बुखारों पर एक किताब लिखी जिसका नाम 'शाँग हान लुन' है। उसी ने वैद्यक विद्या के बुनियादी उसूलों पर एक और किताब लिखी जिसका नाम 'चिंग कुए याआ लुएह' है। इन दोनों किताबों से चीन की वैद्यक विद्या में बहुत बड़ी तरक्की हुई। इनमें तरह तरह के बुखारों और दूसरी बीमारियों के लिये अलग अलग नुसखे दिये हुए हैं। इसमें दुखार के इलाज के लिये, दस्त लाने के लिये, पेटाव लाने के लिये, क़ै कराने के लिये, ठंडक पैदा करने के लिये, गरमी लाने के लिये, हाजमा ठाक करने के लिये और दस्तों को रोकने के लिये लगभग अस्सी इस तरह के नुसखे दिये हुए हैं जो आज तक चीनी डाक्टरों को बहुत बड़ा काम देते हैं और उनके इलाज के तरीकों का बुनियाद कहे जा सकते हैं। 'शाँग हान लुन' का प्रचार कोरिया और जापान में भी खूब हुआ और उसके द्वारा वहाँ के लोगों की तन्दुरुस्ती का बहुत बड़ा फ़ायदा पहुँचा।

जराही यानी चार फाड़ की विद्या ने भी प्राचीन चीन में काफी तरक्की की थी। ईसा की सदा का एक मशहूर हकीम 'हुआ तां' दवा के ज़ारिये यह प्रबन्ध करके कि रागी का पीड़ा अनुभव न हाने पावे, पेट के बड़े बड़े आपरेशन (Major abdominal operations) कर लेता था। अताइया के पीड़ा का इलाज करने के लिये वह क़ै की दवाएँ देता था और जख्मों का तरह तरह का इलाज वह पानी से करता था। आदमी के तन्दुरुस्त रहने के लिये उसने एक नई तरह की कसरत ईजाद की थी जिसमें पाँच तरह के जानवरों की चालें शामिल थीं—चीता, बारहसिंगा, रीछ, बन्दर और बिड़िया। इस कसरत के ज़ारिये वह पुरानी पुरानी बीमारियों को अच्छा कर लेता था।

चीन के दुर्भाग्य से उस ज़माने के एक अन्यायी शासक ने हुआ-तो को पकड़ कर फांसी पर लटका दिया जिसके बाद उसकी लिखी हुई बहुत सी किताबें सदा के लिये नष्ट हो गईं।

इसके बाद की सदियों में बौद्ध धर्म के चीन पहुँचने के बाद प्राचीन ताओ धर्म के लोगों ने बहुत सी पुरानी चीनी वैद्यक किताबों का फिर से सम्पादन किया। बौद्ध धर्म के लोगों ने भारत की बहुत सी वैद्यक किताबों का चीनी में अनुवाद किया। जीवक और सुश्रुत की मशहूर संस्कृत किताबों का उसी समय चीनी में अनुवाद हुआ। इस तरह भारत की वैद्यक विद्या और चीनी वैद्यक विद्या दोनों चीन में मिल

की गئی ہے۔ دنیا میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں کھال کی بیماریوں کے لیے پارے اور گंधک کا استعمال बताया گیا ہے۔ ان بیماریوں کے لیے یہ علاج عرب اور ہندستان میں اس کے ایک ہزار برس بعد چلا اور یورپ میں سولہویں صدی عیسوی سے جاری ہوا۔

دوسری صدی عیسوی میں چانگ چونگ جنگ نام کے ایک حکیم نے طرح طرح کے بخاروں پر ایک کتاب لکھی جس کا نام 'شانگ ہان لن' ہے۔ اسی نے ویدیک ویدیا کے بنیادی اصولوں پر ایک اور کتاب لکھی جس کا نام چنگ کوئے باؤ لو ایہہ' ہے۔ ان دونوں کتابوں سے چین کی ویدیک ویدیا میں بہت بڑی ترقی ہوئی۔ ان میں طرح طرح کے بخاروں اور دوسری بیماریوں کے لئے الگ الگ نسخے دیئے ہوئے ہیں۔ اس میں بخار کے علاج کے لئے دست لانے کے لئے، پیشاب لانے کے لئے، قے کرانے کے لئے، تھنڈک پیدا کرنے کے لئے، گرمی لانے کے لئے، ہاضمہ ٹھیک کرنے کے لئے اور دستوں کو روکنے کے لئے لگ بھگ اسی طرح کے نسخے دیئے ہوئے ہیں جو آج تک چینی ڈاکٹروں کو بہت بڑا کام دیتے ہیں اور ان کے علاج کے طریقوں کی بنیاد کہہ جا سکتے ہیں۔ 'شانگ ہان لن' کا پرچار کوریا اور جاپان میں بھی خوب ہوا اور اس کے دوارا وہاں کے لوگوں کی تندرستی کو بہت بڑا فائدہ پہونچا۔

جراحی یعنی چیر پھار کی ویدیا نے بھی پراچین چین میں کافی ترقی کی تھی۔ عیسوی کی شروع کی صدی کا ایک مشہور حکیم 'ہوانو' دواؤں کے ذریعہ یہ پر بندھ کر کے کہ روگی کو بڑا انبوہ نہ ہونے پاوے، پٹ کے بڑے بڑے آپریشن (Major abdominal operations) کر لیتا تھا۔ انتقروں کے کھڑوں کا علاج کرنے کے لئے وہ قے کی دوائیں دیتا تھا اور زخموں کا طرح طرح کا علاج وہ پانی سے کرنا تھا۔ آدمی کے تندرست رہنے کے لئے اس نے ایک نئی طرح کی کسرت ایجاد کی تھی جس میں پانچ طرح کی جانوروں کی چالیں شامل تھیں—چیٹا، بارہ سنگا، ریحہ، بندر اور چڑیا۔ اس کسرت کے ذریعہ وہ پرانی پرانی بیماریوں کو اچھا کر لیتا تھا۔

چین کے دریا گدھ سے اس زمانے کے ایک آئیٹائی شاسک نے ہوانو کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا جس کے بعد اس کی لکھی ہوئی بہت سی کتابیں سدا کے لئے نشت ہو گئیں۔

اس کے بعد کی صدیوں میں ہودہ دھرم کے چین پہونچنے کے بعد پراچین تاؤ دھرم کے لوگوں نے بہت سی پرانی چینی ویدیک اور کتابوں کا پھر سے سپہان کیا۔ ہودہ دھرم کے لوگوں نے بھارت کی بہت سی ویدیک کتابوں کا چینی میں انواد کیا۔ چیوک اور سو شروت کی مشہور سنسکرت کتابوں کا اسی سلسلہ چینی میں انواد ہوا۔ اس طرح بھارت کی ویدیک ویدیا اور چینی ویدیک ویدیا دونوں چین میں مل

گئی۔ اسکا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ عیسوی سے سو برس پہلے کی لکھی ہوئی 'چینی' کتب 'شین ننگ پین تساو چنگ' کو پانچسویں عیسوی کے ایک بیگ جب دہرایا گیا تو تین سو دواؤں کی جگہ اب اس میں چھ سو سے آدھ دو انہیں درج ہو گئیں۔

ساتویں صدی عیسوی سے نویں صدی عیسوی تک یورپ میں ایسی اندھکار (Dark ages) کا زمانہ تھا۔ بھارت ان دنوں بہت سی چوٹی چوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس سئمے ویدک ویدیا کی نگاہ سے چین دنیا کا کیلبر تھا۔ عرب 'کریا' جاپان اور دوسرے دیشوں سے بڑے بڑے دواؤں ویدک پڑنے کے لئے چین آتے تھے اور چوٹی حکیم تعلیم دینے کے لئے باہر کے دیشوں میں بلائے جاتے تھے۔ اس سے پہلے جاپان میں روگن کا علاج جادو ٹونوں سے ہوتا تھا۔ چینی ویدک ویدیا نے وہاں پہونچکر لوگوں کو ان اندھ وشواسوں سے آزاد کیا اور علاج کا ٹھیک طریقہ بتایا۔ اس نئے طریقہ کا جاپان میں بڑا آدر ہوا۔

دنیا بھر میں ویدک کا سب سے پہلا ویدیا (First Medical School) ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں چین میں قائم ہوا۔ اس کا نام 'ویدیکوں کا شاہی ویدیا' تھا۔ اٹلی کا 'سالرنو میڈیکل اسکول' اس کے دو سو برس بعد قائم ہوا، جو یورپ کا سب سے پہلا میڈیکل اسکول تھا۔ اس چینی ویدک ویدیا کے قائم ہونے سے پہلے کے چین کے حکیم اپنے اپنے شاگردوں کو ساتھ رکھکر ہی ویدک سکھایا کرتے تھے۔

چین کے اس شاہی ویدیا میں ویدک کے چار محکمے تھے جن میں ایک بیگ سارے تین سو ویدیا تھی شکشا پاتے تھے۔ ان چار محکموں میں دواؤں کے علاوہ وہ چدر پھاڑ، کن، ناک، منہ اور دانت کے روگن کا علاج اور دوائیں بنانا آدی سب سکھایا جاتا تھا۔ سرکار کی منظور کی ہوئی نتائیں پڑھائی جاتی تھیں اور ویدیا تھیں کو تین سال سے ایک سو سات سال تک تعلیم دی جاتی تھی۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

کو دھرایا۔ اسی সময় چین میں جاننے کی کلا بڑا ہوا جسکی بدولت چین کا بھارت ساہتہ دیش ہر میں خوب پھیل گیا۔

دسویں سدی عیسوی سے چودھویں سدی عیسوی تک چین، عرب اور پورے یورپ کے دیشوں میں جانا جانا بڑا ہوا۔ ان سب دیشوں میں تجارت بھی خوب ہونے لگی۔ چینی ویدک دنیا اُن دنوں ہی یورپ پہونچتی۔ اِس اُنے جانے کے کارن چینی ویدک دنیا میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ ادرک، (چائنا روٹ) کاسیا (Cassia)، رباب (Rhubarb) چین سے دوسرے دیشوں کو پہونچے۔ چینی ویدک دنیا کے اس سے لگ بھگ تیرہ الگ الگ دہاک بن گئے جن میں دواؤں کا دہاک، چتر پھاڑ، استریوں کی بیماریاں، آنکھ، اور گلے کی بیماریاں، نسون کو سونٹوں سے ٹھیک کرنا اسی الگ الگ دہاک سمجھے جانے لگے۔ نسون کی بیماریاں (نروس ڈیپریژن) کو سونٹوں سے ٹھیک کرنے کا طریقہ جسے acupuncture کہتے ہیں چین کا پرانا طریقہ ہے جو آج تک چینی اسپتالوں میں خوب کام میں لایا جاتا ہے۔ پندرہویں سدی کے شروع میں چین کے بنہ ہوئے جہاز چین سے دکن کے دیشوں اور یورپ تک خوب آتے جاتے تھے اور چینی دوائیں اُن دنوں یورپ میں خوب بکتی اور استعمال کی جاتی تھیں۔

سولہویں سدی میں چینی حکیموں کا دھیان چھک کی بیماری کو رکنے کی طرف گیا۔ پچاس سے زور کتاہے اس بپہی پر لکھی گئی۔ اک کراس مہکما اسی بیماری کے لیے کرایم ہوا۔ اسی سدی میں چینی حکیموں نے چھک کا اک ترہ کا ایکا بڑا دیا۔ چھک کے دانوں میں سے مباد نکال کر اسے سوا لیا جاتا اا اور فیر اسے با تو فوکنی کے زریے آدمی کے نثنوں میں پھنچا دیا جاتا اا یا رڈ پر راکر نثنوں کے زور راکر دیا جاتا اا، ااکی سانس کے ساا اندر چلا ااے۔ جن لوگوں کے ساا یہ کیا جاتا اا وہ پھر چھک کے دالے سے بچ جاتے تھے۔ یعنی آجکل کے چھک کے ٹیکے کی طرح یہ بھی تندرست آدمی کو چھک کے دالے سے بچانے کے لیے کا ایک طریقہ اا۔ سترہویں اور اٹارہویں صدیوں میں یہ طریقہ سارے چین میں پھیل گیا۔ سترہویں سدی میں روس سے کچھ حکیموں نے چین آکر اِس طریقہ کو سیکھا۔ روس سے اِس کا رواج ترکی میں پھلا۔ سن 1717 میں انگریزوں نے اِس ترک سے سیکھا۔ اِس کے اسی برس بعد یورپ میں جینرلے گائے کی چھک کے مواد سے ٹیکے لگائے کا وہ طریقہ نکالا جو آج تک جاری ہے۔ اِس طرح آجکل کے چھک کا ٹیکہ پرانے چینی طریقہ سے ہی نکالا ہے اور اُس کا ایک سدھارا ہوا روپ ہے۔ دنوں کا اصول ایک ہے۔

سن 1578 عیسوی میں مشہور چینی حکیم لی شہ چین

دسویں سدی عیسوی سے چودھویں سدی عیسوی تک چین، عرب اور پورے یورپ کے دیشوں میں جانا جانا بڑا ہوا۔ ان سب دیشوں میں تجارت بھی خوب ہونے لگی۔ چینی ویدک دنیا اُن دنوں ہی یورپ پہونچتی۔ اِس اُنے جانے کے کارن چینی ویدک دنیا میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ ادرک، (چائنا روٹ) کاسیا (Cassia)، رباب (Rhubarb) چین سے دوسرے دیشوں کو پہونچے۔ چینی ویدک دنیا کے اس سے لگ بھگ تیرہ الگ الگ دہاک بن گئے جن میں دواؤں کا دہاک، چتر پھاڑ، استریوں کی بیماریاں، آنکھ، اور گلے کی بیماریاں، نسون کو سونٹوں سے ٹھیک کرنا اسی الگ الگ دہاک سمجھے جانے لگے۔ نسون کی بیماریاں (نروس ڈیپریژن) کو سونٹوں سے ٹھیک کرنے کا طریقہ جسے acupuncture کہتے ہیں چین کا پرانا طریقہ ہے جو آج تک چینی اسپتالوں میں خوب کام میں لایا جاتا ہے۔ پندرہویں سدی کے شروع میں چین کے بنہ ہوئے جہاز چین سے دکن کے دیشوں اور یورپ تک خوب آتے جاتے تھے اور چینی دوائیں اُن دنوں یورپ میں خوب بکتی اور استعمال کی جاتی تھیں۔

سولہویں سدی میں چینی حکیموں کا دھیان چھک کی بیماری کو رکنے کی طرف گیا۔ پچاس سے زور کتاہے اس بپہی پر لکھی گئی۔ اک کراس مہکما اسی بیماری کے لیے کرایم ہوا۔ اسی سدی میں چینی حکیموں نے چھک کا اک ترہ کا ایکا بڑا دیا۔ چھک کے دانوں میں سے مباد نکال کر اسے سوا لیا جاتا اا اور فیر اسے با تو فوکنی کے زریے آدمی کے نثنوں میں پھنچا دیا جاتا اا یا رڈ پر راکر نثنوں کے زور راکر دیا جاتا اا، ااکی سانس کے ساا اندر چلا ااے۔ جن لوگوں کے ساا یہ کیا جاتا اا وہ پھر چھک کے دالے سے بچ جاتے تھے۔ یعنی آجکل کے چھک کے ٹیکے کی طرح یہ بھی تندرست آدمی کو چھک کے دالے سے بچانے کے لیے کا ایک طریقہ اا۔ سترہویں اور اٹارہویں صدیوں میں یہ طریقہ سارے چین میں پھیل گیا۔ سترہویں سدی میں روس سے کچھ حکیموں نے چین آکر اِس طریقہ کو سیکھا۔ روس سے اِس کا رواج ترکی میں پھلا۔ سن 1717 میں انگریزوں نے اِس ترک سے سیکھا۔ اِس کے اسی برس بعد یورپ میں جینرلے گائے کی چھک کے مواد سے ٹیکے لگائے کا وہ طریقہ نکالا جو آج تک جاری ہے۔ اِس طرح آجکل کے چھک کا ٹیکہ پرانے چینی طریقہ سے ہی نکالا ہے اور اُس کا ایک سدھارا ہوا روپ ہے۔ دنوں کا اصول ایک ہے۔

سن 1578 عیسوی میں مشہور چینی حکیم لی شہ چین

نے 27 برس کی लगाاتار سوج کے باءد چینی دواؤں پر "پین تسانو کاँग مو" نام کی کتاب لکھی۔ یہ کتاب نہ کھول چیلی ویدک ویدیا کی دواؤں کی سب سے بڑی کتاب ہے، بلکہ آجکل کی یورپیہ ڈاکٹری میں بھی اس نے بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اس میں 1892 دواؤں کا ذکر ہے اور ان کے لگ بھگ دس ہزار نسخے درج ہیں۔ ان 1892 دواؤں میں سے 1094 ہنسپتی سے بنتی ہیں۔ ان کی سولہ قسمیں ہیں اور سولہ کی ہر ساٹھ قسمیں ہیں۔ کتاب میں ان سب ہنسپتیوں کے چتر بھی دیئے ہوئے ہیں۔ اس طرح ہنسپتی وگدان یعنی ہائٹی کے پڑھنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس چینی کتاب کا انورڈ لاطینی، فرانسیسی، روسی، انگریزی، جرمن اور جاپانی چھ بھاؤں میں ہوچکا ہے۔

ساترہویں صدی کے آخری میں چین میں مانچو خاندان کا راج شروع ہوا۔ مانچو سمراٹوں نے ویدیشیوں کے اثر سے بچنے کے لئے باہر کے دیشوں سے تجارت اور آنا جانا بند کر دیا۔ یہ وہم یہاں تک بڑھا کہ جب چین کے کچھ جوتشیوں نے یورپ کی جوتش ویدیا میں کھوج کرنا چاہا تو انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا یا دیہی نکالا دے دیا گیا۔ ایک یورپین عیسائی پادری نے شریر ویدچھد ویدیا یعنی ایٹاناسی پر ایک فرانسیسی کتاب کا چینی میں ترجمہ کیا تو اس کتاب کا چلن چین میں قانوناً بند کر دیا گیا۔ چینی ویدک ویدیا کی بھی اُنٹلی رک گئی۔ کھول پرانی چیزوں پر بحثیں رہ گئیں۔ لگ بھگ تھائی سو برس کے مانچو شاسن میں چین آئے بڑھلے کے بجائے ہر طرح کیوں پیدچھے ہی کو ہٹتا رہا۔

یورپ کے سامراج وادی پونجی پتہوں نے زبردستی چین کے دروازے اپنے لئے کھولائے۔ سن 1840 میں چین کی مشہور "اڈیم جنگ" کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے چین کے دو شہروں —مکاؤ اور کینٹن—میں اپنے اسپتال کھولے۔ پر اس سہم یورپ کی ڈاکٹری کسی طرح بھی چینی ڈاکٹری یا چیلی ویدک ویدیا سے بڑھی ہوئی نہیں تھی۔

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہانے لگی جینسے جاکھم سڈنے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلیوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڈی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری "اکریم جگ" کے جالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسللیے چینییوں کے دلیوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رھا۔

ڈاکٹر سونیاٹ سہن کی اگواہی میں سن 1911 میں مانچو شاسن کا انت ہو گیا۔ سن 1912 میں چینی

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہانے لگی جینسے جاکھم سڈنے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلیوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڈی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری "اکریم جگ" کے جالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسللیے چینییوں کے دلیوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رھا۔

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہانے لگی جینسے جاکھم سڈنے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلیوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڈی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری "اکریم جگ" کے جالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسللیے چینییوں کے دلیوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رھا۔

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہانے لگی جینسے جاکھم سڈنے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلیوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڈی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری "اکریم جگ" کے جالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسللیے چینییوں کے دلیوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رھا۔

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہانے لگی جینسے جاکھم سڈنے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلیوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڈی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری "اکریم جگ" کے جالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسللیے چینییوں کے دلیوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رھا۔

ڈاکٹر سہن یات سہن کی اگواہی میں سن 1911 میں مانچو شاسن کا انت ہو گیا۔ سن 1912 میں چینی

سرکار یو آئن شہ کائی نے کرائیوکاریوں کے ساتھ دغا کر کے دیہی کو یورپ کے سامراج وادیوں کا اور ادھک غلام بنا دیا۔ سرکاری لوگوں میں پرانی چینی ویدک ویدیا غیر سائنسی اور پچھڑی ہوئی سمجھی جانے لگی۔ نئے سرکاری اسکول قائم ہوئے جن میں کٹر یورپ کی ڈاکٹری پڑھائی جاتی تھی۔ اس کے بعد چیانگ کائی شیک کا زمانہ آیا۔ سن 1929 میں چیانگ کائی شیک نے پرانے چینی طریقے سے علاج کرنا تک غور قانونی اعلان کر دیا۔ چینی حکیموں کے لئے اب کوئی جگہ نہ رہ گئی۔ لوگوں نے اس پر زبردست اعتراض کیا۔ جنتا کی اُنیجنا سے اور جنتا کے ساتھ ملکر تین سو چینی حکیموں نے کومن ٹانگ کی راجدھانی نانکنگ میں ایک بہت بڑا پردیشن کیا۔ کومن - ٹانگ کو کچھ جھینا پڑا لیکن پھر بھی وہ چینی ویدک ویدیا کے راستے میں رکاوٹیں ہی ڈالتے رہے، انہوں نے اُسے پنہنے نہ دیا اور یورپیہ تھنگ کے ڈاکٹروں اور پرانے تھنگ کے چینی حکیموں کو ایک دوسرے سے لڑاتے رہے۔

سن 1949 میں نئے جناتا کی سرکار کرایم ہوئی۔ اس نے اسی وقت سے یورپیہ ڈاکٹری اور چینی ویدک کے بیچ کی کھائی کو پاٹنا شروع کیا۔ سن 1950 میں چین کی پہلی راشنری سوائسٹم کانفرنس ہوئی۔ اس نے یہ بنیادی اصول طے کیا کہ دونوں طرح کے علاج کے طریقوں سے پورا پورا نایدہ اُٹھایا جاوے اور علاج کے اُن طریقوں پر سب سے زیادہ زور دیا جاوے جو غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں کا بھلا کر سکیں اور جن میں روگ کے پیدا ہو جانے پر علاج کرنے کی نسبت روگوں کے پیدا نہ ہونے پر زیادہ زور دیا جاوے۔

پچھلے سال یعنی سن 1954 میں چین کے سب سے بڑے سماچار پتر "پیپلس ڈیلی" (جن دینک) نے پورانی چینی ویدک ویدیا کی طرف سرکار کے رخ کو بالکل صاف کر دیا۔ اُس نے کہا کہ چینی ویدک کے پچھلے ہزاروں سال کا تجربہ ہے، اس سارے عرصہ میں اُس نے جنتا کے سوائسٹیم کو ٹھیک کرنے اور ٹھیک رکھنے میں بہت بڑی مدد دی ہے۔ ساتھ ہی اُس میں قدرتی طور پر کچھ کمیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ اور ادھک نہیں بڑھ سکی۔ سرکار چاہتی ہے کہ جو چینی لوگ یورپ کی ڈاکٹری میں تعلیم پائے ہوئے ہیں وہ پرانے تھنگ کے چینی ویدیبوں اور حکیموں کے ساتھ ملکر کام کریں تاکہ پرانے طریقے کی کمیاں پوری دور ہو سکیں، اُسے سائنسی تھنگ سے چلیا جائے اور آجکل کی چینی ڈاکٹری ویدیا کا وہ ایک آرٹیک اور خاص انگ بن جاوے۔

اسی آدھار پر سرکار نے سب جن سوائسٹیم محکموں کو عملی ہدایتیں بھیج دی ہیں۔ نئی آزادی کے بعد چین کے سوائسٹیم مندرائے میں پرانے چینی علاج کے طریقے کا

سن 1949 میں نئی جنتا کی سرکار قائم ہوئی۔ اُس نے اسی سہ سے یورپیہ ڈاکٹری اور چینی ویدک کے بیچ کی کھائی کو پاٹنا شروع کیا۔ سن 1950 میں چین کی پہلی راشنری سوائسٹم کانفرنس ہوئی۔ اُس نے یہ بنیادی اصول طے کیا کہ دونوں طرح کے علاج کے طریقوں سے پورا پورا نایدہ اُٹھایا جاوے اور علاج کے اُن طریقوں پر سب سے زیادہ زور دیا جاوے جو غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں کا بھلا کر سکیں اور جن میں روگ کے پیدا ہو جانے پر علاج کرنے کی نسبت روگوں کے پیدا نہ ہونے پر زیادہ زور دیا جاوے۔

پچھلے سال یعنی سن 1954 میں چین کے سب سے بڑے سماچار پتر "پیپلس ڈیلی" (جن دینک) نے پرانی چینی ویدک ویدیا کی طرف سرکار کے رخ کو بالکل صاف کر دیا۔ اُس نے کہا کہ چینی ویدک کے پچھلے ہزاروں سال کا تجربہ ہے، اس سارے عرصہ میں اُس نے جنتا کے سوائسٹیم کو ٹھیک کرنے اور ٹھیک رکھنے میں بہت بڑی مدد دی ہے۔ ساتھ ہی اُس میں قدرتی طور پر کچھ کمیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ اور ادھک نہیں بڑھ سکی۔ سرکار چاہتی ہے کہ جو چینی لوگ یورپ کی ڈاکٹری میں تعلیم پائے ہوئے ہیں وہ پرانے تھنگ کے چینی ویدیبوں اور حکیموں کے ساتھ ملکر کام کریں تاکہ پرانے طریقے کی کمیاں پوری دور ہو سکیں، اُسے سائنسی تھنگ سے چلیا جائے اور آجکل کی چینی ڈاکٹری ویدیا کا وہ ایک آرٹیک اور خاص انگ بن جاوے۔

اسی آدھار پر سرکار نے سب جن سوائسٹیم محکموں کو عملی ہدایتیں بھیج دی ہیں۔ نئی آزادی کے بعد چین کے سوائسٹیم مندرائے میں پرانے چینی علاج کے طریقے کا

ایک الگ محکمہ قائم ہوا۔ اس محکمہ کو اب بہت بڑھا دیا گیا ہے۔ پہلنگ میں ایک راشنریہ ایکادمی قائم ہوئی ہے جس کا کم ہی پرانی ویدک ویدیا میں پوری پوری کہوچ کرنا ہے۔ شکھائی، ناننگ، اور دوسرے شہروں میں سرکاری اسپتال کھول دیئے گئے ہیں جن میں پرانی ویدک ویدیا کے طریقے سے ہی روگیوں کا علاج کیا جاتا ہے، اور پرانے ڈنگ سے باریک سونپوں کے ذریعے نرسوں کی بیماریوں (Nervous diseases) کا علاج کیا جاتا ہے۔ پہلنگ میں ایک سنسٹھا قائم کی گئی ہے جس میں نرسوں کے علاج کے اس پرانے طریقے (acupuncture) اور جڑی بوٹیوں سے داغ کر دردوں کو دور کرنے کے پرانے طریقے (Moxibustion) دونوں پر تجربے کر کے نئے نئے ڈاکٹری طریقوں سے ان کا مقابلہ کرے، اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ بیماری اور تندرستی کا نرسوں کے ساتھ کتنا گہرا سمبندھ ہے، ان دونوں پرانے طریقوں کو نئے سائنسی تھنگ پر چلایا جا رہا ہے۔ نرسوں کی بیماریوں کے علاج میں، پوسٹ یعنی ہاضمہ کی بیماریوں کے علاج میں اور ہاتھوں پیروں کی بیماریوں کے علاج میں ان پرانے طریقوں سے بہت اچھے اچھے نتیجے پیدا کئے جاتے ہیں۔

چین میں یورپی ڈاکٹری کے بھی اسپتال موجود ہیں۔ ان میں سے بہت سے اسپتالوں نے اپنے الگ محکمہ کھول دیئے ہیں جن میں پرانے ڈنگ سے ہی روگیوں کا علاج ہوتا ہے۔ ان اسپتالوں کے ادھیکاری پرانے ڈنگ کے چینی ڈاکٹروں کو اپنے یہاں رکھتے ہیں اور سب چیزوں میں ان سے صلاحیت کرتے ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں چین کے بہت سے میڈیکل کالجوں میں پرانی ویدک کی کتابیں اور ان کے علاج کے طریقے بھی ویدیاتھوں کو پڑھائے اور سکھائے جاتے ہیں۔ پرانی چینی ویدک کی کتابیں پھر سے چھاپی جا رہی ہیں اور ہمارے نئے ڈنگ کے ڈاکٹر ان کتابوں کو دھیان کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ چین میں دوائیں تیار کرنے کی جو سب سے بڑی سوسائٹی ہے The Chinese Pharmaceutical Society، اگلے پانچ برس کے اندر کئی سو پرانی چینی دواؤں پر تجربے کر کے انھیں ٹھیک ٹھیک تیار کرنے کی پوجنا بنا رہی ہے۔ چین میں ڈاکٹروں کی سب سے بڑی ایسوسی ایشن 'چائینیز میڈیکل ایسوسی ایشن' ہے۔ پہلے اس کے ممبر کیول یورپین ڈنگ کے ڈاکٹر ہی ہو سکتے تھے۔ اب اس ایسوسی ایشن نے دیہیں پھر میں اپنی سب شاخوں کو ہدایت بھیج دی ہیں کہ پرانے ڈنگ کے تجربہ کار چینی حکیموں کو بھی اسی طرح سے ایسوسی ایشن کا ممبر بنایا جائے جس طرح نئے ڈنگ کے ڈاکٹروں کو۔

دونوں طرح کے ڈاکٹر چین میں ملکر کم کر رہے ہیں۔ دونوں طریقوں میں کہوچ جاری ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دیہیں میں جو عام علاج کے طریقے آگے کو چلیں ان میں پرانی چینی

دونوں طرح کے ڈاکٹر چین میں ملکر کم کر رہے ہیں۔ دونوں طریقوں میں کہوچ جاری ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دیہیں میں جو عام علاج کے طریقے آگے کو چلیں ان میں پرانی چینی

ویدک کی ساری وراثت کو کھپا لیا جاوے۔ اس کام میں ابھی برسوں لگیں گے۔ لیکن جب یہ پورا ہو جائیگا تو چین کے لوگوں کی تندرستی کو اس سے بہت بڑا فائدہ پہونچےگا اور دنیا بھر کا ویدک دیکان اس سے اور ادھک مالامال ہوگا۔

ویدک کی ساری وراثت کو کھپا لیا جاوے۔ اس کام میں ابھی برسوں لگیں گے۔ لیکن جب یہ پورا ہو جائیگا تو چین کے لوگوں کی تندرستی کو اس سے بہت بڑا فائدہ پہونچےگا اور دنیا بھر کا ویدک دیکان اس سے اور ادھک مالامال ہوگا۔

(“چائنا ریکانسٹرکٹس” سے)

(“چائنا ریکانسٹرکٹس” سے)

گاندھی اور کبیر

گاندھی اور کبیر

شری امبا شنکر ناگر ایم. اے۔

شری امبا شنکر ناگر ایم. اے۔

ان دونوں مہاپروشوں کا جہوں ایک دوسرے سے اتنا زیادہ ملتا جلتا ہے کہ ایک کے بارے میں دچار کرتے وقت دوسرے کا خیال آئے بلنا نہیں رہتا۔ دونوں نے اپنے زمانے کی مانگ کو محسوس کیا تھا۔ دونوں نے وقت اور حالات کی ضرورتوں کو سمجھا تھا اور دونوں ہی عام جنتا کی مشکلوں کو رفع کرنے میں جہوں بھر لگے رہے۔ اتنا ہی نہیں، ان دونوں مہاپروشوں نے آگے بڑھکر آندھروں میں بہکتے ہوئے لوگوں کو اس سمت سہارا دیا تھا جس سمت انہیں اس امداد کی بڑی ضرورت تھی۔

ان دونوں مہاپروشوں کا جہوں ایک دوسرے سے اتنا زیادہ ملتا جلتا ہے کہ ایک کے بارے میں دچار کرتے وقت دوسرے کا خیال آئے بلنا نہیں رہتا۔ دونوں نے اپنے زمانے کی مانگ کو محسوس کیا تھا۔ دونوں نے وقت اور حالات کی ضرورتوں کو سمجھا تھا اور دونوں ہی عام جنتا کی مشکلوں کو رفع کرنے میں جہوں بھر لگے رہے۔ اتنا ہی نہیں، ان دونوں مہاپروشوں نے آگے بڑھکر آندھروں میں بہکتے ہوئے لوگوں کو اس سمت سہارا دیا تھا جس سمت انہیں اس امداد کی بڑی ضرورت تھی۔

دونوں ہندو مسلم ایکٹ کے سرٹھک

دونوں ہندو مسلم ایکٹ کے سرٹھک

کبیر اور گاندھی دونوں ہی کچلے اور سٹاپے وگ کے پیغمبر تھے۔ اونچ نیچ اور جاتی پانتی کے بھید کو فصول مانتے تھے۔ دونوں نے ہر لئی روزہدوں اور اندھ و شواسوں کے حلق آواز اٹھائی تھی۔ دھرم اور مذہب، مندر اور مسجد، ایشور اور اللہ کے نام پر لڑنے والے ہندو اور مسلمانوں میں ایکٹ قائم کرنے کے لئے تو یہ دونوں ہی مہانتا جیوں بھر لگے رہے۔

کبیر اور گاندھی دونوں ہی کچلے اور سٹاپے وگ کے پیغمبر تھے۔ اونچ نیچ اور جاتی پانتی کے بھید کو فصول مانتے تھے۔ دونوں نے ہر لئی روزہدوں اور اندھ و شواسوں کے حلق آواز اٹھائی تھی۔ دھرم اور مذہب، مندر اور مسجد، ایشور اور اللہ کے نام پر لڑنے والے ہندو اور مسلمانوں میں ایکٹ قائم کرنے کے لئے تو یہ دونوں ہی مہانتا جیوں بھر لگے رہے۔

کبیر اگر کہتے تھے—

کبیر اگر کہتے تھے—

“باہرے، دھ جگدیس کھائے تے آایا۔

“باہرے، دھ جگدیس کھائے تے آایا۔

“باہرے، دھ جگدیس کھائے تے آایا۔

“باہرے، دھ جگدیس کھائے تے آایا۔

“باہرے، دھ جگدیس کھائے تے آایا۔

“باہرے، دھ جگدیس کھائے تے آایا۔

“باہرے، دھ جگدیس کھائے تے آایا۔

“باہرے، دھ جگدیس کھائے تے آایا۔

दोनों अछूतों के मसीहा

कबीर ने अगर—

“जात पांत पूछै नहीं कोई ।

हरि को भजै सा हरि का होई ॥

कह कर सबको भक्ति का अधिकारी माना था तो गाँधी ने युग युग से दलित अछूतों को सामाजिक कार्यों में शरीक होने का और मंदिरों में प्रवेश करने का अधिकारी करार दिया था. गाँधी अछूतों के मसीहा थे. अछूत उद्धार के जिस नेक काम को कबीर ने शुरू किया था गांधी ने अपने प्राणों की बाजी लगाकर उसे पूरा कर दिखाया.

दोनों की 'करनी' और 'कथनी' में समानता

ये दोनों ही महात्मा सत्य और ज्ञान के पुजारी थे. असत्य और अज्ञान का मिटाना ही जैसे इनके जीवन का मकसद था. दोनों ही आचार और विचार की शुद्धि को व्यक्ति और समाज के लिए जरूरी मानते थे. सबसे बड़ी बात तो यह है कि इन दोनों महापुरुषों की 'करनी' और 'कथनी' में जरा सा भी भेद नहीं था. जैसा रुद करते थे वैसा ही वे दूसरों का करने के लिए कहते थे. 'करनी' के बिना 'कथनी' बिलकुल बेकार है; इस सचाई को समझ कर ही इन महापुरुषों ने अपने काम में हाथ डाला था. यही वजह है कि इनकी ज़बान में वह तासीर पैदा हुई कि जिसका वजह से न केवल इस देश का बल्कि एक युग की काया पलट हा गई. जो काम कबीर की बाणी न सालहवीं सदी में किया था वही काम इस बीसवीं सदी में महात्मा गांधी का ज़बान ने किया. इस तरह अगर हम चाहें तो गाँधी का बीसवीं सदी का कबीर भी कह सकते हैं.

दोनों अहिंसा के पुजारी

कबीर और गांधी दोनों अहिंसा के उसूल को मानते थे. जानवरों का मारकर उनका मांस खाने का वे अप्राकृतिक कहते थे. कबीर ने गोशत-जारों का इस तरह फटकारा है—

“बकरी पाती खात है,

तिसकी कादी खाल ।

जे नर बकरी खात है,

तिनका कौन हवाल ?”

“बकरी पत्ते खाती है, इस पर तो हम उसकी खाल खींच लेते हैं, जो आदमी बकरी का खाते हैं उनकी क्या दशा हागी ? जरा कल्पना तो कीजिये !”

दोनों ने भ्रम का महत्व बढ़ाया

इन दोनों महात्माओं ने भ्रम के महत्व को समझा था. कबीर अगर रात दिन सूत का ताना बुनते रहते थे तो गांधी जी भी सदा चरखे और तकली का लेकर सूत कातने में लगे रहते थे. गांधी ने अपने जीवन में जो बड़े काम किए

दोनों अछूतों के मसीहा

कबीर ने अगर—

“जात पांत पूछै नहीं कोई

हरी को भजै सा हरी का होई ॥

कह कर सब को भक्ति का अधिकारी माना था तो गाँधी ने युग युग से दलित अछूतों को सामाजिक कार्यों में शरीक होने का और मंदिरों में प्रवेश करने का अधिकारी करार दिया था. गाँधी अछूतों के मसीहा थे. अछूत उद्धार के जिस नेक काम को कबीर ने शुरू किया था गांधी ने अपने प्राणों की बाजी लगा कर उसे पूरा कर दिया.

दोनों की 'करनी' और 'कथनी' में समानता

ये दोनों ही महान्मा सत्य और ज्ञान के पुजारी थे. असत्य और अज्ञान को मिटाना ही जैसे उन दोनों का मकसद था. दोनों ही आचार और विचार की शुद्धि को व्यक्ति और समाज के लिए जरूरी मानते थे. सबसे बड़ी बात तो यह है कि इन दोनों महापुरुषों की 'करनी' और 'कथनी' में जरा सा भी भेद नहीं था. जैसा रुद करते थे वैसा ही वे दूसरों का करने के लिए कहते थे. 'करनी' के बिना 'कथनी' बिलकुल बेकार है; इस सचाई को समझ कर ही इन महापुरुषों ने अपने काम में हाथ डाला था. यही वजह है कि इनकी ज़बान में वह तासीर पैदा हुई कि जिससे न केवल इस देश का बल्कि एक युग की काया पलट हा गई. जो काम कबीर की बाणी न सालहवीं सदी में किया था वही काम इस बीसवीं सदी में महात्मा गांधी का ज़बान ने किया. इस तरह अगर हम चाहें तो गाँधी का बीसवीं सदी का कबीर भी कह सकते हैं.

दोनों अहिंसा के पुजारी

कबीर और गांधी दोनों अहिंसा के उसूल को मानते थे. जानवरों को मारकर उनका मांस खाने का वे अप्राकृतिक कहते थे. कबीर ने गोशत-जारों का इस तरह फटकारा है—

“बकरी पाती खात है,

तिसकी कादी खाल ।

जे नर बकरी खात है,

तिनका कौन हवाल ?”

“बकरी पत्ते खाती है, इस पर तो हम उसकी खाल खींच लेते हैं, जो आदमी बकरी का खाते हैं उनकी क्या दशा हागी ? जरा कल्पना तो कीजिये !”

दोनों ने भ्रम का महत्व बढ़ाया

इन दोनों महान्माओं ने भ्रम के महत्व को समझा था. कबीर अगर रात दिन सूत का ताना बुनते रहते थे तो गांधी जी भी सदा चरखे और तकली का लेकर सूत कातने में लगे रहते थे. गांधी ने अपने जीवन में जो बड़े काम किए

ہیں انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے اہمیت شرم کی پھر سے پرستش کی۔ انگریزی سہولت کی چکاچوند سے لوگوں کی آنکھیں چکرا گئی تھیں۔ دماغ میں باہرگہری کی ایک ایسی بو بھر گئی تھی کہ لوگ ہاتھ سے کام کرنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ایسے سمے میں گاندھی جی جہازو لیکر خود بھنگی کا کام کرنے لگے۔ جو کام سب سے نہیچا سمجھا جاتا تھا اسی سے انہوں نے شروعات کی۔ پیشوں میں جلائے کا پیشہ برا مانا جاتا تھا اُسے بھی گاندھی جی نے ایسی عزت بخشی کہ چرخہ کٹنا آج سب عزت کا کام سمجھتے ہیں۔

भाषा की समस्या पर दोनों एक मत

کहाँ تک کھوں، میں تو ہر کام میں ان دونوں کو ایک پاتا ہوں۔ ہر مسئلے پر ان کے وچار اتنے ملتے جلتے نظر آتے ہیں کہ تعجب ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ آجکل بھاشا کا سوال ایک اہم سوال بنا ہوا ہے۔ پر اسی سوال پر بھی ان دونوں پر مرشدوں کی ایک ہی رائے تھی۔ کبیر کہا کرتے تھے—

“संस्क्रित जलकूप कबीरा,
भाषा बहता नीर।”

گاندھی جی بھی سرل اور چلتی भाषा کے حمایتی تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بھاشا تو وچار کا وطن ہے۔ ہمیں بھاشا پر دھیان دینے سے زیادہ بھاؤ یا وچار پر دھیان دینا چاہئے۔

जीवन ही नहीं मृत्यु में भी समानता

ن کےवल जीवन में बल्कि इन दोनों महात्माओं की मृत्यु में भी मुझे तो एक अजीब गरीब क्रिस्म की समानता दिखाई देती है۔

کبیر مگر میں جاکر مرے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہندوں کا یہ خیال غلط ہے کہ کشی میں مرنے سے آدمی سرگ میں اور مگر میں مرنے سے نرک میں جاتا ہے۔ وہ ہندو مسلمانوں کے اندر وشواسوں کو متاثر نہیں بنیادی اپنا قائم کرنا چاہتے تھے۔

کبیر کی مورتی کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔ وہ مگر میں جاکر مرے۔ ان کی لاش کو لیکر ہندو مسلمان لڑے لگے۔ ہندو ان کے شو کو جلانا چاہتے تھے اور مسلمان گڑا۔ لڑائی کی فہم کو اٹھائے دیکھا تو وہلی صرف ایک پھولوں کا دھیر ! دونوں نے پھولوں کو آدھا آدھا بانٹ لیا۔ ہندو نے کشی میں انہیں ہندو ودھی سے جلایا، مسلمانوں نے مگر میں گڑا۔

میں تو یہ کہنا کہ کبیر نے نہ کیوں جیتے جی بلکہ مرکز بھی ہندو مسلمانوں کو ایک کے سوتر میں باندا۔

بھاشا کی مسیحا پر بھی دونوں ایک مت

کہاں تک کہوں، میں تو ہر کام میں ان دونوں کو ایک پاتا ہوں۔ ہر مسئلے پر ان کے وچار اتنے ملتے جلتے نظر آتے ہیں کہ تعجب ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ آجکل بھاشا کا سوال ایک اہم سوال بنا ہوا ہے۔ پر اسی سوال پر بھی ان دونوں پر مرشدوں کی ایک ہی رائے تھی۔ کبیر کہا کرتے تھے—

“संस्कृत जल कूप कबीरा,
भाषा बहता नीर।”

گاندھی جی بھی سرل اور چلتی भाषा کے حمایتی تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بھاشا تو وچار کا وطن ہے۔ ہمیں بھاشا پر دھیان دینے سے زیادہ بھاؤ یا وچار پر دھیان دینا چاہئے۔

جہوں میں ہی نہیں مورتیوں میں بھی سمانتا

نہ کیوں جہوں میں بلکہ ان دونوں مہاتماؤں کی مورتیوں میں بھی مجھے تو ایک عجیب و غریب قسم کی سمانتا دھائی دیتی ہے۔

کبیر مگر میں جاکر مرے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہندوں کا یہ خیال غلط ہے کہ کشی میں مرنے سے آدمی سرگ میں اور مگر میں مرنے سے نرک میں جاتا ہے۔ وہ ہندو مسلمانوں کے اندر وشواسوں کو متاثر نہیں بنیادی اپنا قائم کرنا چاہتے تھے۔

کبیر کی مورتی کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔ وہ مگر میں جاکر مرے۔ ان کی لاش کو لیکر ہندو مسلمان لڑے لگے۔ ہندو ان کے شو کو جلانا چاہتے تھے اور مسلمان گڑا۔ لڑائی کی فہم کو اٹھائے دیکھا تو وہلی صرف ایک پھولوں کا دھیر ! دونوں نے پھولوں کو آدھا آدھا بانٹ لیا۔ ہندو نے کشی میں انہیں ہندو ودھی سے جلایا، مسلمانوں نے مگر میں گڑا۔

میں تو یہ کہنا کہ کبیر نے نہ کیوں جیتے جی بلکہ مرکز بھی ہندو مسلمانوں کو ایک کے سوتر میں باندا۔

स्वतंत्रता کی यात्रا کی چوتھی پیڈی

جو کام ان کے جیون نے نہ کیا وہ ان کی مرتبہ نے کر دکھایا۔ آج کبیر پنہ کے مانہ والے ہندو اور مسلمان دونوں ہیں۔ اور دونوں جیون کے بنیادی اصولوں میں ایک ہیں۔

گاندھی جی نے بھی اسی ہندو مسلم ایکٹا کی خاطر اپنے پران دیئے۔ اپنے جیون کی آخری سانس تک وہ ان دونوں جاتہوں میں ایکٹا قائم کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ جیون کی ہی طرح گاندھی جی کی مرتبہ بھی مہان تھی۔ وہ اُس سے مرے جب وہ پڑتھنا کر رہے تھے، رلم نام لے رہے تھے اور لوگوں کو جینے کا صحیح طریقہ سکھا رہے تھے۔

گاندھی جی کی سوتی بھی کبیر کی سوتی کی طرح سماج کے لئے بڑی پرभावشالی ثابت ہوئی۔ اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے مارکر ہینڈوؤں کا کلےجا ٹنڈا ہوا۔ شرم سے ہینڈوؤں کا سر اپنے آپ جھک گیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو پتہ نہیں اُس سے جوہی جنوں میں لوگ اُرد کیا کیا کرتے!

سوئنگرا کی باترا کی چوتھی پیڈی

گاندھی جی نے بھی اسی ہندو مسلم ایکٹا کی خاطر اپنے پران دیئے۔ اپنے جیون کی آخری سانس تک وہ ان دونوں جاتہوں میں ایکٹا قائم کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ جیون کی ہی طرح گاندھی جی کی مرتبہ بھی مہان تھی۔ وہ اُس سے مرے جب وہ پڑتھنا کر رہے تھے، رلم نام لے رہے تھے اور لوگوں کو جینے کا صحیح طریقہ سکھا رہے تھے۔

گاندھی جی کی سوتی بھی کبیر کی سوتی کی طرح سماج کے لئے بڑی پرभावشالی ثابت ہوئی۔ اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے مارکر ہینڈوؤں کا کلےجا ٹنڈا ہوا۔ شرم سے ہینڈوؤں کا سر اپنے آپ جھک گیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو پتہ نہیں اُس سے جوہی جنوں میں لوگ اُرد کیا کیا کرتے!

گاندھی جی کی سوتی بھی کبیر کی سوتی کی طرح سماج کے لئے بڑی پرभावشالی ثابت ہوئی۔ اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے مارکر ہینڈوؤں کا کلےجا ٹنڈا ہوا۔ شرم سے ہینڈوؤں کا سر اپنے آپ جھک گیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو پتہ نہیں اُس سے جوہی جنوں میں لوگ اُرد کیا کیا کرتے!

स्वतंत्रता की यात्रा की चौथी पीढ़ी

سوئنگرا کی باترا کی چوتھی پیڈی

श्री मगनभाई देसाई

श्री मगनभाई देसाई

दक्षिण अफ्रिका से 1915 में गांधी जी भारत आये। यूरोपीय जंग उस समय शुरू हो चुका था। भारत आने के बाद उन्होंने जो काम अपने हाथ में लिये उनमें एक खास काम रंगरूटों की भरती का था। उसके साथ ही साथ 1917 से दूसरे काम भी शुरू हुए—चंपारण और खेड़ा का सत्याग्रह अहमदाबाद की मजदूर हड़ताल, विरमगाम की नाकाबंदी इत्यादि सत्याग्रह का प्रयोग थे। और उसके साथ साथ स्वतन्त्र यात्रा की नई, हमारी गिनती के मुताबिक चौथी, पीढ़ी शुरू हुई।

इस चौथी पीढ़ी को 1915 या 1920 से गिना जाय तो उसे तब से लेकर 1948 तक माना जा सकता है। मतलब यह कि वह पूरी तीस साल की पीढ़ी है कि जिसके दरमियान एक नई पीढ़ी भी पैदा हो सकती है और हुई भी है। फिर भी उस पीढ़ी ने अपनी बुजुर्ग पीढ़ी के मातहत रहकर ही काम किया है, वह अपना खुद का असर डाल सके उतनी

दक्षिण अफ्रिका से 1915 में गांधी जी भारत आये। यूरोपीय जंग उस समय शुरू हो चुका था। भारत आने के बाद उन्होंने जो काम अपने हाथ में लिये उनमें एक खास काम रंगरूटों की भरती का था। उसके साथ ही साथ 1917 से दूसरे काम भी शुरू हुए—चंपारण और खेड़ा का सत्याग्रह अहमदाबाद की मजदूर हड़ताल, विरमगाम की नाकाबंदी इत्यादि सत्याग्रह का प्रयोग थे। और उसके साथ साथ स्वतन्त्र यात्रा की नई, हमारी गिनती के मुताबिक चौथी, पीढ़ी शुरू हुई।

इस चौथी पीढ़ी को 1915 या 1920 से गिना जाय तो उसे तब से लेकर 1948 तक माना जा सकता है। मतलब यह कि वह पूरी तीस साल की पीढ़ी है कि जिसके दरमियान एक नई पीढ़ी भी पैदा हो सकती है और हुई भी है। फिर भी उस पीढ़ी ने अपनी बुजुर्ग पीढ़ी के मातहत रहकर ही काम किया है, वह अपना खुद का असर डाल सके उतनी

شکست شالی یا اپنے الگ ادھی دیکھ والی نہیں تھی۔ اس طرح یہ ایک سلسلے وار بگ ہونے سے آئے ہم گاندھی بگ بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس بگ کا انتہاس ہمارے دیہات کا ایک شاندار اور بہت بلند انتہاس ہے۔ اس کا صحیح مول ہوشیہ کے انتہا کار آنگ کہیں۔ اس کا اثر ساری دنیا کے انتہاس پرواہ پر بھی ہو رہا ہے، اس سے وہ حقیقت وشو انتہاس میں بھی ایک نیا باب شروع کرنے والی ثابت ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ودیشوں کی غلامی کا انت ہو کر بھارت کا اپنا سولتکر انتہاس پھر سے شروع ہوا ہے، بلکہ اس گھٹا سے، وشو انتہاس میں آنسوہیں مدی میں جو سلسلہ جیہ بگ اور پندرہویں گراد شروع ہوئے، اس میں بھی بھاری پھر بھار اور مہان کرائی کے بیج اس نے بوئے ہیں۔

اس کرائی سے اب دنیا میں نئے سوال اور نیا پرشتہ شروع ہوتا ہے، جس کی پہلی کڑی بھارت کی سولتکر ہے۔ گاندھی بگ کی پیڑھی نے ایسی مہان گھٹا کو دیکھا، اس میں حصہ لیا اور اسے پیدا کرنے میں یہ پیڑھی خاص سبب بنی۔ سولتکر یہ بائرا کے وچار کے پیڑھی نامہ کو مختصر میں ایک بار یاد کر کے اس کی اس چوتھی پیڑھی کے خاص خاص مدوں کو ہم دیکھیں گے۔

ہم نے اس پرکار پیڑھیوں کی چرچا کی ہے :-

پہلی پیڑھی—راجا رامموہن راج۔

دوسری پیڑھی—سن 1867 اور اس کے بعد کی سرکشی کا زمانہ۔

تیسری پیڑھی—جائتگی سے راجر سبھا کا یوگ۔ اس کے دو پرہا—جہال اور موال۔

اس کے بعد آئے والی۔ چوتھی، پیڑھی—راشتر کی سب شکستوں کو ملا کر اکٹھا کرنے کا بگ۔

[2]

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

(1) جنٹا کا گیلان، اس کی سمجھ، سدھار اور وکاس اتیادی شکستوں کے ذریعہ آگے بڑھنے کا طریقہ، جو راجا رام موہن رائے سے شروع ہوا، ایسا کہا جاسکتا ہے۔

آگے چل کر یہ طریقہ بندھارنہ پدھنی اتیادی گام سے پہچانا گیا، جو آگے چل کر گاندھی بگ میں شانت ستیاگرہ تک وکست ہوا۔

(2) گھنہاروں اور باہر کی راجہداری مدد سے لڑ کر کام آگے چلانے کی کوشش۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

[2]

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

(1) جنٹا کا گیلان، اس کی سمجھ، سدھار اور وکاس اتیادی شکستوں کے ذریعہ آگے بڑھنے کا طریقہ، جو راجا رام موہن رائے سے شروع ہوا، ایسا کہا جاسکتا ہے۔

آگے چل کر یہ طریقہ بندھارنہ پدھنی اتیادی گام سے پہچانا گیا، جو آگے چل کر گاندھی بگ میں شانت ستیاگرہ تک وکست ہوا۔

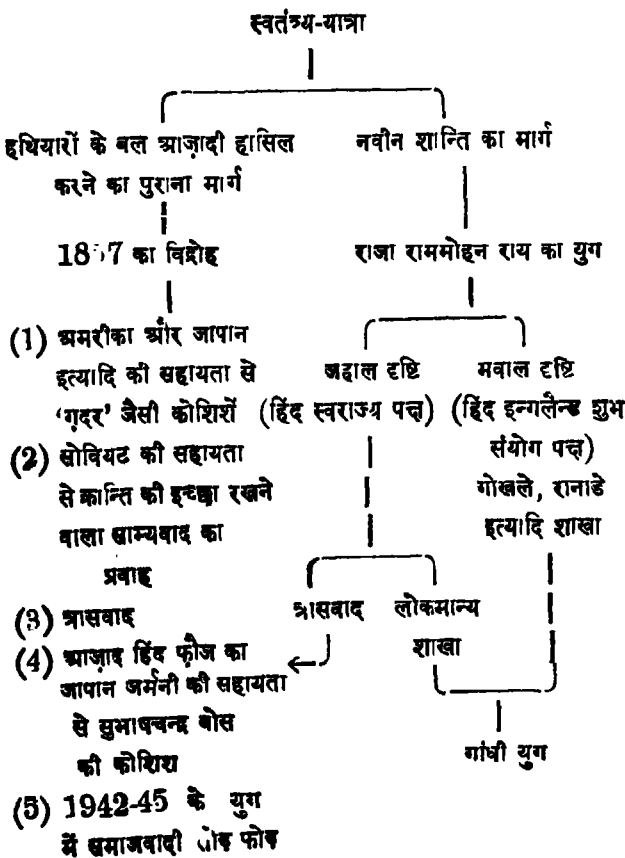
(2) گھنہاروں اور باہر کی راجہداری مدد سے لڑ کر کام آگے چلانے کی کوشش۔

स्वतंत्रता کی यात्रا کی پہلی پیڑی

یہ طریقہ عیسوی سن 1757 سے 1857 تک کے سو سال میں برتا گیا ہے۔ 1857 کے بعد، شستر ہندی کے ہوتے ہوئے بھی، وہ ایک یا دوسرے تھنگ سے چلتا رہا ہے اور اُس کا پروا 1947 تک چلتا دکھائی دیتا ہے۔

پہلا طریقہ نیا ہے اور دوسرا طریقہ اتنا پرانا ہے، جتنا مانوسماج کا اِنہاس۔ پہلے طریقہ کی ریتی رسمیں ارواچین میں، ہم نے انہیں انگریزوں کے اِنہاس اور ان کے ساتھ میں سے تنہا بھارت میں ان کے راجہ تختہ کے انہیں میں سے سیکھا اور اُسے آپہنگ میں لاکر گرہن کرتے گئے۔ ان بدھتہوں کو بدھارنیہ بدھتہاں کہیں یا لوک شامی کی بدھتہاں، ان کے ایک ایک روپ یا بہن بہن پرکر بتاتے ہیں۔ اِس کا کارن یہ ہے کہ اُس میں جتنا کی شکتی، ودروہ، ہتیار بندی یا راج کارن کے داؤں پہنچوں کے راستے سے نہیں، بلکہ اُس کی سمجھ شکتی تنہا سنکارتا اور میل جول اُنہادی گنوں کے ذریعہ کلم دیتی ہے۔ گاندی جی نے اِس میں اُس کے کلفی سو روپ ستیاگرہ کا نوہن شستر چور دیا۔

آزادی کی منزل کی قسمیں اور ترقی وکس سمبندی اِس وچار کا مختصر میں اِس طرح آلیکھن کیا جاسکتا ہے—

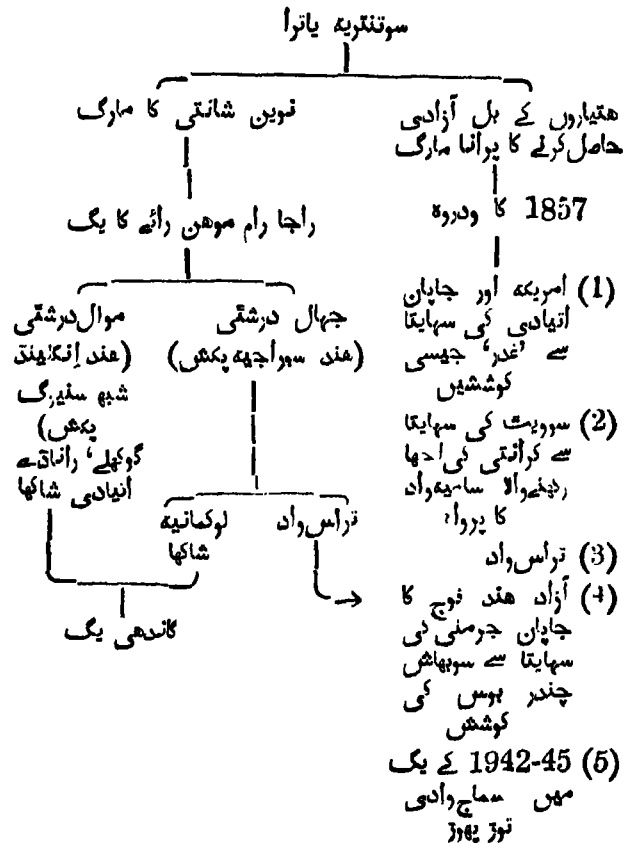


سونتکریہ یا ترا کی چوٹی پہنچی

یہ طریقہ عیسوی سن 1757 سے 1857 تک کے سو سال میں برتا گیا ہے۔ 1857 کے بعد، شستر ہندی کے ہوتے ہوئے بھی، وہ ایک یا دوسرے تھنگ سے چلتا رہا ہے اور اُس کا پروا 1947 تک چلتا دکھائی دیتا ہے۔

پہلا طریقہ نیا ہے اور دوسرا طریقہ اتنا پرانا ہے، جتنا مانوسماج کا اِنہاس۔ پہلے طریقہ کی ریتی رسمیں ارواچین میں، ہم نے انہیں انگریزوں کے اِنہاس اور ان کے ساتھ میں سے تنہا بھارت میں ان کے راجہ تختہ کے انہیں میں سے سیکھا اور اُسے آپہنگ میں لاکر گرہن کرتے گئے۔ ان بدھتہوں کو بدھارنیہ بدھتہاں کہیں یا لوک شامی کی بدھتہاں، ان کے ایک ایک روپ یا بہن بہن پرکر بتاتے ہیں۔ اِس کا کارن یہ ہے کہ اُس میں جتنا کی شکتی، ودروہ، ہتیار بندی یا راج کارن کے داؤں پہنچوں کے راستے سے نہیں، بلکہ اُس کی سمجھ شکتی تنہا سنکارتا اور میل جول اُنہادی گنوں کے ذریعہ کلم دیتی ہے۔ گاندی جی نے اِس میں اُس کے کلفی سو روپ ستیاگرہ کا نوہن شستر چور دیا۔

آزادی کی منزل کی قسمیں اور ترقی وکس سمبندی اِس وچار کا مختصر میں اِس طرح آلیکھن کیا جاسکتا ہے—



पाठक देखेंगे कि बंशवृक्ष में गाँधी युग के अन्दर जहाल और मवाल पक्ष के दो अलग अलग धाराओं का संगम बताया है, मतलब यह कि गाँधी जी लोकमान्य पीढ़ी और रानाडे-गोखले पीढ़ी के इकट्ठा पीढ़ीधर थे. गाँधी जी ने अपनी सियासी पहचान 'गोखले मेरे सियासी गुरु हैं,' इस प्रकार की है. इन दो पक्षों में अगर कोई बुनियादी भेद है तो वह यह कि, गोखले शाखा की ऐसी मान्यता थी कि हिन्द और इंग्लैण्ड का संयोग ईश्वरदत्त शुभ वस्तु है; जबकि तिलक-शाखा की मान्यता थी कि भारत एक स्वतन्त्र राष्ट्र है और उसका स्वराज्य स्वतन्त्र ही हो सकता है. गाँधी जी 1915 में जब भारत आये तब पहले मत के थे, फिर भी वे गोखले शाखा की राजकीय रीति-रस्मों के अतिरिक्त सत्याग्रह की पद्धति में भी श्रद्धा रखते थे, और उस शक्त का सफल प्रयोग करने के बाद ही भारत आये थे. उनके व्यक्तित्व और उनकी प्रतिभा का यह अंश उन्हें गोखले-राज्य कारण में शामिल होकर, उनके भारत सेवक समाज के द्वारा कार्य करने में बाधा रूप हुआ. दूसरी ओर, इस चीज के कारण तिलक-राज्यकारण-शाखा को, उसमें अपने जहाल राजकारण से कुछ नवीनता का अनुभव जरूर हुआ, लेकिन उसकी उग्रता के कारण उसमें उन्होंने सहधार्मिकता और समानता का अनुभव किया. इस प्रकार गाँधी युग के प्रारम्भ में, गाँधी जी में जहाल और मवाल दोनों दृष्टियों का संगम देखने को मिलता है.

इतना ही नहीं, दोनों पक्षों की कार्य-प्रणालियाँ उनके युग में एकत्र होकर एक अखंड कार्य प्रणाली के रूप में जन्म लेती हैं. इस पद्धति के लिए जिस प्रकार की रहनुमाई चाहिये वैसा ही गाँधी जी की जीवन प्रतिभा पूरा करती है.

इससे क्रौम के अन्दर एक दृष्टि, एक कोशिश, तथा एक नीति-नेतृत्व बगैरह एक नये ही ढङ्ग से अपने आप पैदा होते गये. स्वराज्य प्राप्ति अब सारी जनता का पुरुषार्थ बनता है, उसके अंग उपांगों की गहराई तक जाकर वह अपना असर डालने लगता है. ऐसा ही कहना चाहिए कि शस्त्रास्त्र के परंपरागत हिंसा मार्ग को छोड़कर, प्रजा, शांति-अहिंसा मार्ग के नये प्रयोग की पूर्ण रूप से आज्ञामाईश करने के लिए कमर कसती है। जग के व्यापक राज कारण पर गाँधी युग का जो कुछ भी असर हुआ वह इसी कारण से हो सका है. गाँधी जी का वर्णन करते हुए श्री गोखले ने कहा था कि इस व्यक्ति में भारतीय संस्कृति अपने आला दर्जे तक पहुंची है. गाँधी जी के गुरु ने 1916 से भी पहले उनका जो वर्णन किया था उसे गाँधी जी पूर्ण रूप से सिद्ध कर दिखाते हैं. न केवल राजनीति में बल्कि भारत की

पाठक देखेंगे कि बंशवृक्ष में गाँधी युग के अन्दर जहाल और मवाल पक्ष के दो अलग अलग धाराओं का संगम बताया है, मतलब यह कि गाँधी जी लोकमान्य पीढ़ी और रानाडे-गोखले पीढ़ी के इकट्ठा पीढ़ीधर थे. गाँधी जी ने अपनी सियासी पहचान 'गोखले मेरे सियासी गुरु हैं,' इस प्रकार की है. इन दो पक्षों में अगर कोई बुनियादी भेद है तो वह यह कि, गोखले शाखा की ऐसी मान्यता थी कि हिन्द और इंग्लैण्ड का संयोग ईश्वरदत्त शुभ वस्तु है; जबकि तिलक-शाखा की मान्यता थी कि भारत एक स्वतन्त्र राष्ट्र है और उसका स्वराज्य स्वतन्त्र ही हो सकता है. गाँधी जी 1915 में जब भारत आये तब पहले मत के थे, फिर भी वे गोखले शाखा की राजकीय रीति-रस्मों के अतिरिक्त सत्याग्रह की पद्धति में भी श्रद्धा रखते थे, और उस शक्त का सफल प्रयोग करने के बाद ही भारत आये थे. उनके व्यक्तित्व और उनकी प्रतिभा का यह अंश उन्हें गोखले-राज्य कारण में शामिल होकर, उनके भारत सेवक समाज के द्वारा कार्य करने में बाधा रूप हुआ. दूसरी ओर, इस चीज के कारण तिलक-राज्यकारण-शाखा को, उसमें अपने जहाल राजकारण से कुछ नवीनता का अनुभव जरूर हुआ, लेकिन उसकी उग्रता के कारण उसमें उन्होंने सहधार्मिकता और समानता का अनुभव किया. इस प्रकार गाँधी युग के प्रारम्भ में, गाँधी जी में जहाल और मवाल दोनों दृष्टियों का संगम देखने को मिलता है.

इतना ही नहीं, दोनों पक्षों की कार्य-प्रणालियाँ उनके युग में एकत्र होकर एक अखंड कार्य प्रणाली के रूप में जन्म लेती हैं. इस पद्धति के लिए जिस प्रकार की रहनुमाई चाहिये वैसा ही गाँधी जी की जीवन प्रतिभा पूरा करती है.

इससे क्रौम के अन्दर एक दृष्टि, एक कोशिश, तथा एक नीति-नेतृत्व बगैरह एक नये ही ढङ्ग से अपने आप पैदा होते गये. स्वराज्य प्राप्ति अब सारी जनता का पुरुषार्थ बनता है, उसके अंग उपांगों की गहराई तक जाकर वह अपना असर डालने लगता है. ऐसा ही कहना चाहिए कि शस्त्रास्त्र के परंपरागत हिंसा मार्ग को छोड़कर, प्रजा, शांति-अहिंसा मार्ग के नये प्रयोग की पूर्ण रूप से आज्ञामाईश करने के लिए कमर कसती है। जग के व्यापक राज कारण पर गाँधी युग का जो कुछ भी असर हुआ वह इसी कारण से हो सका है. गाँधी जी का वर्णन करते हुए श्री गोखले ने कहा था कि इस व्यक्ति में भारतीय संस्कृति अपने आला दर्जे तक पहुंची है. गाँधी जी के गुरु ने 1916 से भी पहले उनका जो वर्णन किया था उसे गाँधी जी पूर्ण रूप से सिद्ध कर दिखाते हैं. न केवल राजनीति में बल्कि भारत की

स्वतन्त्रता की यात्रा की चौथी पीढ़ी

जनता के समस्त जीवन में नया प्रकाश, नई दृष्टि, नया प्रर्थ, नयी सार्थकता और नया सिरजन इस युग में प्रकट होता है. हिन्द की आजादी जनता की सर्वतामुखी शक्ति ग्रंथ के बल पर हासिल हो सकी है, और ऐसा होने से हिन्द के इतिहास ने अपना रुख पलटा है।

ऊपर के वंशवृक्ष में पाठक देखेंगे कि परंपरागत हिंसा-मार्ग की धारा भी 1857 से लेकर कई शक्तियों में वक्र के मुताबिक तबदील होकर 1945 तक चालू रही है. इस धारा में भी पीढ़ियाँ और दृष्टियाँ रही हैं. स्वतंत्र यात्रा के इतिहास में उसका भी एक अलग प्रकरण है. उस पद्धति को ग्रन्थ में यश प्राप्त नहीं हुआ, बाकी उसमें भी त्याग और ललिदान पूर्वक अपने आपका अर्पण करने वाले और स्वतंत्र यात्रा का जलता रखने वाले देशभक्त अवश्य थे.

त्रासवाद और तोड़-फाड़ की प्रवृत्ति की भी इसके साथ जनता की है क्योंकि उनका प्रकार हिंसावत की परंपरागत वचार पद्धति का था.

अनुवादक—कनुभाई नानालाल पटेल

सुतल्लुना की यात्रा की चतुर्थी पीढ़ी

जल्ला के समस्त जीवन में नया प्रकाश, नई दृष्टि, नया अर्थ, नयी सार्थकता और नया सिरजन इस युग में प्रकट होता है. हिन्द की आजादी जनता की सर्वतामुखी शक्ति ग्रंथ के बल पर हासिल हो सकी है, और ऐसा होने से हिन्द के इतिहास ने अपना रुख पलटा है।

ऊपर के वंशवृक्ष में पाठक देखेंगे कि परंपरागत हिंसा-मार्ग की धारा भी 1857 से लेकर कई शक्तियों में वक्र के मुताबिक तबदील होकर 1945 तक चालू रही है. इस धारा में भी पीढ़ियाँ और दृष्टियाँ रही हैं. स्वतंत्र यात्रा के इतिहास में उसका भी एक अलग प्रकरण है. उस पद्धति को ग्रन्थ में यश प्राप्त नहीं हुआ, बाकी उसमें भी त्याग और ललिदान पूर्वक अपने आपका अर्पण करने वाले और स्वतंत्र यात्रा का जलता रखने वाले देशभक्त अवश्य थे.

त्रासवाद और तोड़-फाड़ की प्रवृत्ति की भी इसके साथ जनता की है क्योंकि उनका प्रकार हिंसावत की परंपरागत वचार पद्धति का था.

अनुवादक—कनुभाई नानालाल पटेल

मेरे मत से कम्युनिज्म कोई बुरी चीज हो ऐसी बात नहीं है. बुरी चीज यह है कि वह हिंसा से लादा जाता है. मुझे कम्युनिज्म से डर बिलकुल नहीं लगता, क्योंकि हिन्दुस्तान की हजारों बरसों की कलचर हिंसा विरोधी है और गांधी जी ने हमारे देश को अहिंसा की ताकत दी है. मुझे यकीन है कि हिन्दुस्तान उसी की बदौलत बचने वाला है. मुझे यह भी विश्वास है कि अमरीका जैसा देश डर को छोड़ कर अगर अहिंसा की ताकत को आजमा कर देखेगा, तो वह सारी दुनिया को निडर करेगा और खुद भी निडर बनेगा.

—विनोबा

मेरे मत से कम्युनिज्म कोई बुरी चीज हो ऐसी बात नहीं है. बुरी चीज यह है कि वह हिंसा से लादा जाता है. मुझे कम्युनिज्म से डर बिलकुल नहीं लगता, क्योंकि हिन्दुस्तान की हजारों बरसों की कलचर हिंसा विरोधी है और गांधी जी ने हमारे देश को अहिंसा की ताकत दी है. मुझे यकीन है कि हिन्दुस्तान उसी की बदौलत बचने वाला है. मुझे यह भी विश्वास है कि अमरीका जैसा देश डर को छोड़ कर अगर अहिंसा की ताकत को आजमा कर देखेगा, तो वह सारी दुनिया को निडर करेगा और खुद भी निडर बनेगा.

—विनोबा

محمد صاحب نے کہا:—”نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ اُن کی طرف منہ کر کے دعا مانگو۔“

—ابو مرثد الغنوی، مسلم۔

محمد صاحب نے کہا:—”اے اللہ! مہری قبر کو بت بنا کر کوئی اُسے نہ پرچے؛ اللہ کا زبردست کردہ اُن پر نازل ہوتا ہے جو اپنے پیغمبروں کی قبروں کو بوجتے ہیں!“

—عطاء بن یسار، مالک۔

محمد صاحب نے کہا:—”دو بھوکے بھڑیے اگر بھیڑوں کے کسی گلے میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ بھیڑوں کو اپنا برباد نہیں کر سکتے جتنا دھن اور بڑپن کا اویہ آدمی کے دین کو برباد کر دیتا ہے۔“

—کعب بن مالک، ترمذی، داریمی۔

محمد صاحب نے کہا:—”کوئی ظالم جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

—عقبہ بن عامر، ابو داؤد، احمد، داریمی۔

محمد صاحب نے کہا:—”سب سے بڑا جہاد وہ آدمی کرنا ہے ظالم حاکم کے سامنے بھی سچی بات کہتا ہے۔“

—ابو سعید، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، طارق بن شہاب، نسائی، احمد۔

محمد صاحب نے کہا:—”جیسے تم ہو گے ویسے ہی وہ ہو جائیگے جو تمہارے اوپر حاکم بنائے جائیگے۔“

—یعقوب بن ہاشم نے یونس بن ابو اسحاق سے اور اُس نے اپنے باپ سے سنا، بیہقی۔

ایک عورت نے پیغمبر سے آکر کہا:—”میرا بیٹا سچے سچ اس میرے بیٹے کا گھر بنا رہا ہے، میری چھاتی اس کی مشک تھی جس سے یہ اپنی بھوک پیاس بجھاتا تھا؛ میری گود وہ جگہ بھی جہاں اسے اشرے ملتا تھا؛ اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دیا ہے اور اسے بھی مجھ سے لے لینا چاہتا ہے۔“ پیغمبر نے کہا:—”تمہیں اس لڑکے کو رکھنے کا زیادہ حق ہے، جب تک کہ تم دوسری شادی نہ کرو۔“

ابوہریرہؓ سے آکر کہا:—”میرا بیٹا سچے سچ اس میرے بیٹے کا گھر بنا رہا ہے، میری چھاتی اس کی مشک تھی جس سے یہ اپنی بھوک پیاس بجھاتا تھا؛ میری گود وہ جگہ بھی جہاں اسے اشرے ملتا تھا؛ اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دیا ہے اور اسے بھی مجھ سے لے لینا چاہتا ہے۔“ پیغمبر نے کہا:—”تمہیں اس لڑکے کو رکھنے کا زیادہ حق ہے، جب تک کہ تم دوسری شادی نہ کرو۔“

—امرو بن شعیب، ابوہریرہؓ۔

—امرو بن شعیب، ابوہریرہؓ۔

محمد صاحب نے کہا:—”رات کو مہمان کی सेवा خاطر داری کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، چاہے کوئی بھی اس کے صحن میں آکر اترے۔“

محمد صاحب نے کہا:—”رات کو مہمان کی سیوا اور خاطر داری کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، چاہے کوئی بھی اس کے صحن میں آکر اترے۔“

میں نے پوچھا:—”اے اللہ کے رسول! ایک آدمی ہے جو جب میں سفر میں ہوتا ہوں تو میرے ساتھ مہمان کے حق کو نہیں نبھاتا؛ تو کیا جب وہ سفر میں ہو تو میں اسے اپنا مہمان مانوں اور اس کے ساتھ اپنے فرض کو پورا کروں؟“

میں نے پوچھا:—”اے اللہ کے رسول! ایک آدمی ہے جو جب میں سفر میں ہوتا ہوں تو میرے ساتھ مہمان کے حق کو نہیں نبھاتا؛ تو کیا جب وہ سفر میں ہو تو میں اسے اپنا مہمان مانوں اور اس کے ساتھ اپنے فرض کو پورا کروں؟“ پیغمبر نے جواب دیا:—”ہاں، اس کا سواکت کرو اور اس کی خاطر داری کرو۔“

پیغمبر نے جواب دیا:—”ہاں، اس کا سواکت کرو اور اس کی خاطر داری کرو۔“

—عرف بن مالک، ترمذی۔

—عرف بن مالک، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا:—”سچے سچ آدمی کے جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جیسے دل کہتے ہیں: جب وہ ٹھیک رہتا ہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے، اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔“

محمد صاحب نے کہا:—”سچے سچ آدمی کے جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جیسے دل کہتے ہیں: جب وہ ٹھیک رہتا ہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے، اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔“

—نومان بن بشیر، بخاری: مسلم: ابوہریرہؓ: ترمذی: نسائی۔

—نومان بن بشیر، بخاری: مسلم: ابوہریرہؓ: ترمذی: نسائی۔

محمد صاحب نے کہا:—”کلمہ، کروہ، لوہ، مودہ کے بعد دوزخ ہی آف ہے، اور دشمنوں نے بعد جدت ہے۔“

محمد صاحب نے کہا:—”کلمہ، کروہ، لوہ، مودہ کے بعد دوزخ ہی آف ہے، اور دشمنوں نے بعد جدت ہے۔“

—ابوہریرہؓ، بخاری: مسلم۔

—ابوہریرہؓ، بخاری: مسلم۔

محمد صاحب نے کہا:—”منازک یا نیا دین کی تین پہچانیں ہیں، وہ روزے رکھنا ہے اور نماز پڑھنا ہے اور سمجھنا ہے کہ میں مسلمان ہوں، پر جب بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا، اور جب اس پر اعتبار کیا جاتا ہے تو دغا دیتا ہے۔“

محمد صاحب نے کہا:—”منازک یعنی تین پہچانیں ہیں، وہ روزے رکھنا ہے اور نماز پڑھنا ہے اور سمجھنا ہے کہ میں مسلمان ہوں، پر جب بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا، اور جب اس پر اعتبار کیا جاتا ہے تو دغا دیتا ہے۔“

—ابوہریرہؓ، مسلم۔

—ابوہریرہؓ، مسلم۔

محمّد صاحب نے کہا:—”ایک دن آنے کا جب ایسے رگ پیدا ہونگے جو دین کے نام پر دنیا کو دعو کا دینے، لوگوں کے سامنے وہ نمرتا سے بھڑ بنے رہیں گے، ان کی زبان چینی سے ہی آدھک میٹھی ہوگی پر ان کے دل بھیڑیوں کے سے دل ہونگے۔ اللہ کہتا ہے:—”کہا وہ دھیان نہ دینے؟ اور مجھ پر چھوٹی تہمت لگائیں گے؟ میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ان ہی میں سے ایسے لوگ پیدا کر دوں گا جو ان کے لئے آفت ہو جائیں گے اور ان میں جو سب سے آدھک بنے ہوئے ہوں گے وہ پھرا جائیں گے۔“

—ابو ہریرہ، ترمذی۔

محمّد صاحب نے کہا:—”سچ سچ آدم کی اولاد میں شیطان کا بھی زور ہے اور فرشتے کا بھی زور ہے، شیطان کا زور آدمی کو بدی کی طرف اور سچ کو جہوت بتانے کی طرف لے جاتا ہے، اور فرشتے کا زور اُسے نیکی کی طرف اور سچ، سچ جاننے کی طرف لے جاتا ہے؛ اس لئے جو کبھی جتنا اپنے اندر فرشتے کا زور آنہو کرے اُسے جاننا چاہئے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اس کے لئے اُسے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے؛ اور جو کبھی جتنا اپنے اندر شیطان کا زور آنہو کرے اُسے چاہئے کہ شیطان سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ لے۔“

—ابن مسعود، ترمذی۔

محمّد صاحب نے کہا:—”جو کوئی کسی آدمی کی کسی کمزوری کو دیکھ لیتا ہے اور اُسے دوسروں سے چھپاتا ہے وہ اُس آدمی کی طرح ہے جو کسی زندہ گزی مرغی کو نکال کر پھر سے پال لیتا ہے۔“

—عقبہ بن عامر، ابوداؤد۔

محمّد صاحب نے کہا:—”جو آدمی چیزوں کے خریدنے یا بیچنے میں یا اپنے قرضداروں سے قرضہ وصول کرنے میں نرمی سے کام لیتا ہے اللہ اُس پر رحم کرے گا۔“

—جابر، بخاری۔

محمّد صاحب نے کہا:—”جو آدمی چیزوں کے خریدنے یا بیچنے میں یا اپنے قرضداروں سے قرضہ وصول کرنے میں نرمی سے کام لیتا ہے اللہ اُس پر رحم کرے گا۔“

—انورادک—شرعی معجب رضوی۔

—جابر، بخاری۔

—انورادک—شرعی معجب رضوی۔

دُنیا بھر کی ماؤں کے نام

دُنیا بھر کی ماؤں کے نام

شریمنی چین کوآنگ یو

شریمنی چین کوآنگ یو

[جولائی سن 1955 میں سوئٹزرلینڈ کے شہر لاہسن میں 'دُنیا بھر کی ماؤں کی پہلی کانگریس' ہوئی تھی۔ اس میں دور دور کے چھیاسٹھ دیشوں سے بارہ سو مائیں آکر جمع ہوئی تھیں۔ چین اور ہندوستان کی کچھ ماؤں نے بھی اس میں حصہ لیا تھا۔ یہ لکھ ایک ایسی چینی ماں کا لکھا ہوا ہے جو کسی کارن اس کانگریس میں نہیں پہونچ سکی—ایڈیٹر۔]

[جولائی سن 1955 میں سوئٹزرلینڈ کے شہر لاہسن میں 'دُنیا بھر کی ماؤں کی پہلی کانگریس' ہوئی تھی۔ اس میں دور دور کے چھیاسٹھ دیشوں سے بارہ سو مائیں آکر جمع ہوئی تھیں۔ چین اور ہندوستان کی کچھ ماؤں نے بھی اس میں حصہ لیا تھا۔ یہ لکھ ایک ایسی چینی ماں کا لکھا ہوا ہے جو کسی کارن اس کانگریس میں نہیں پہونچ سکی—ایڈیٹر۔]

جس سمے سب دیشوں کی ماؤں کے نمائندے لاہسن میں جمع رہے تھے میں پیننگ کے پانچویں مونسپل اسپتال کے زچہ خانے (میڈرنٹی وارڈ) میں پڑی ہوئی تھی۔ میرے بچہ ہونے والا تھا۔ اسپتال کا وہ وارڈ مجھے بہت ہی پیارا لگتا تھا، ٹھنڈی اور شانت جگہ، سکےد بسترے، سکےد دیواریں اور سفید وردیاں پہنے ہوئے نرسیں۔ بھڑی بھڑی دیر کے بعد کوئی نرس دواؤں کا تاس خانہ میں آئے ٹپ ٹپ کرنی ہوئی کسی ایک زچہ کھر کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی جس سے پتہ لگ جاتا تھا کہ کسی کمرے میں ایک اور نئی جان پیدا ہونے والی ہے۔ بڑی بڑی کھڑکیوں کے باہر سنہر درختوں کی ہری کومل شاخیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ کبھی کبھی جھینگر کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

جس سمے سب دیشوں کی ماؤں کے نمائندے لاہسن میں جمع رہے تھے میں پیننگ کے پانچویں مونسپل اسپتال کے زچہ خانے (میڈرنٹی وارڈ) میں پڑی ہوئی تھی۔ میرے بچہ ہونے والا تھا۔ اسپتال کا وہ وارڈ مجھے بہت ہی پیارا لگتا تھا، ٹھنڈی اور شانت جگہ، سکےد بسترے، سکےد دیواریں اور سفید وردیاں پہنے ہوئے نرسیں۔ بھڑی بھڑی دیر کے بعد کوئی نرس دواؤں کا تاس خانہ میں آئے ٹپ ٹپ کرنی ہوئی کسی ایک زچہ کھر کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی جس سے پتہ لگ جاتا تھا کہ کسی کمرے میں ایک اور نئی جان پیدا ہونے والی ہے۔ بڑی بڑی کھڑکیوں کے باہر سنہر درختوں کی ہری کومل شاخیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ کبھی کبھی جھینگر کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

2 جولائی کو میرے بچہ پیدا ہوا۔ یہ میرا چوتھا بچہ تھا۔ جب میں نے اس کا چھوٹا سا کلاسی چہرہ، کالے بال اور گدگدے چہرے چہرے ہاتھ دیکھے تو میں اپنے گریہوتی دھنکے کے دنوں کی ساری تلبیسوں اور بچہ پیدا ہونے کے سمے کے سب درد بھول گئی۔ میں نے اپنی آنکھ پھرا کر وارڈ کی دوسری عورتوں کی طرف دیکھا۔ کئی کے ابھی ابھی اُن کا پہلا بچہ پیدا ہوا تھا۔ اور کئی کے پہلے بھی کئی کئی بچے ہو چکے تھے۔ وہ بھی میری طرف دیکھ کے مسکرائے لگیں۔ ظاہر ہے وہ سب اُننی ہی خوش تھیں جتنی میں۔ اور خوش کھوں نہ ہوتیں؟ بچے ہی ماؤں کی اُمیدیں ہوتے ہیں۔ بچے مانو سماج کے بھول ہوتے ہیں۔

2 جولائی کو میرے بچہ پیدا ہوا۔ یہ میرا چوتھا بچہ تھا۔ جب میں نے اس کا چھوٹا سا کلاسی چہرہ، کالے بال اور گدگدے چہرے چہرے ہاتھ دیکھے تو میں اپنے گریہوتی دھنکے کے دنوں کی ساری تلبیسوں اور بچہ پیدا ہونے کے سمے کے سب درد بھول گئی۔ میں نے اپنی آنکھ پھرا کر وارڈ کی دوسری عورتوں کی طرف دیکھا۔ کئی کے ابھی ابھی اُن کا پہلا بچہ پیدا ہوا تھا۔ اور کئی کے پہلے بھی کئی کئی بچے ہو چکے تھے۔ وہ بھی میری طرف دیکھ کے مسکرائے لگیں۔ ظاہر ہے وہ سب اُننی ہی خوش تھیں جتنی میں۔ اور خوش کھوں نہ ہوتیں؟ بچے ہی ماؤں کی اُمیدیں ہوتے ہیں۔ بچے مانو سماج کے بھول ہوتے ہیں۔

اپنے بسترے میں پڑی ہوئی میں بہت کچھ سوچتی رہی۔ سب سے ادھک مجھے یہ دچار آتا تھا کہ پہلے کے مقابلے میں ماؤں کے ساتھ چین میں اب کتنا ادھک اچھا سلوک ہوتا ہے۔ پرانے چین میں عورت ہونا کوئی مذاق

اپنے بسترے میں پڑی ہوئی میں بہت کچھ سوچتی رہی۔ سب سے ادھک مجھے یہ دچار آتا تھا کہ پہلے کے مقابلے میں ماؤں کے ساتھ چین میں اب کتنا ادھک اچھا سلوک ہوتا ہے۔ پرانے چین میں عورت ہونا کوئی مذاق

نہیں تھا۔ ایک گیت میں یہ شہد آتے ہیں:—

پُرانا چین ایک گڈھا تھا،
آٹھا بھینکر اور منکوس

عام چلتا اُس گڈھے میں کچلی جاتی تھی،
پوسپ سے ادھک درگت عورتوں کی ہوتی تھی۔

بات بالکل سچی ہے۔ اُن دونوں ماں باپ اپنی لڑکیوں کو ایک ایسے نام سے پکارتے تھے جس کے معنی ہیں ”وہ“۔ مال جس پر گھاتا ہی گھاتا ہو۔“ بہت سی مائیں اگر اُن کے لڑکی ہوتی تھیں تو پیدا ہوتے ہی اُسے پانی میں ڈبو کر مار ڈالتی تھیں۔ لڑکیاں جب بڑی ہو جاتی تھیں تو بیلکھال مال اسباب کی طرح بیچی اور خریدی جاتی تھیں۔ عام طور پر بچپن میں ہی اُن کی سگائی کر دی جاتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جس لڑکے کے ساتھ کسی لڑکی کی سگائی کر دی جاتی تھی وہ لڑکا اگر شادی سے پہلے مر جاتا تھا تو اُس لڑکی کی شادی لڑکی کی ایک ایسی بچی کے ساتھ کر دی جاتی تھی جس پر اُس لڑکے کا نام لکھا ہوتا تھا۔ سمجھا جاتا تھا کہ اِس طرح لڑکی کی ”شادی“ لڑکے کی روح کے ساتھ ہو گئی۔ جو لڑکیاں چھوٹی عمر میں دھوا ہو جاتی تھیں انہیں اُس زمانے کے رواج کے अनुसार دوسری شادی کرنے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جو مائیں چاہتی تھیں کہ اُن کے بچے ہوں انہیں قہراً جانا تھا، کیونکہ ہر نئے بچے کا مطلب یہ تھا کہ ایک اور نئے منہ کو کھانا دینا پڑے گا۔ جو مائیں یہ چاہتی تھیں کہ اُن کے بچوں کو بیلے دن دیکھنے کو ملے اُن کی آشاؤں کے راستہ میں ایک ہزار ایک مصیبتیں تھیں۔ بھوک، سردی، بیماری اور موت تک سدا بچوں کے سامنے ناچتی رہتی تھیں۔ ماں کا جیون اُن دنوں دکھ اور چنٹاؤں سے بھرا رہتا تھا۔

اس کے بعد اِٹھاس نے نیا پننا پلٹا۔ سن 1949 میں چین کے اندر جنٹا کے راج نے جنم لیا۔ ہم عورتوں کو جنہیں اُس سے پہلے کچلا جاتا تھا اور غلام بنا کر رکھا جاتا تھا، اب سماج کے اندر گرو کے ساتھ اُچت استہان ملا۔ تب سے لیکر عورتوں کو راجکاجی، مالی، ساجی اور گڑھستی کے جیون میں مردوں کے ساتھ ساتھ برابر کے ادھکار ملنے لگے۔ سرکار نے عورتوں اور بچوں کی خاص طرح سے رکھا کرنی شروع کی۔ نئے چین کے ودھان میں عورتوں کے ادھکار ایسے شعبوں میں لکھے ہوئے ہیں جن کے کوئی دو اُرتہ نہیں لگائے جاسکتے۔

عورتوں کو سب طرح کی نوکریاں ملنے لگیں۔ سب دھندے اور سب کاربار اُن کے لئے کھول دیئے گئے۔ سماچار پتروں میں آئے دن طرح طرح کی ”پہلی عورتوں“ کی چرچا ہونے لگی، جیسے—پہلی ٹریکٹر چلانے والی عورت، پہلی ہوائی جہاز چلانے والی عورت، پہلی انجن چلانے والی عورت، پہلی ہوائی جہاز چلانے

پُرانا چین ایک گڈھا تھا،
آٹھا بھینکر اور منکوس

عام چلتا اُس گڈھے میں کچلی جاتی تھی،
پوسپ سے ادھک درگت عورتوں کی ہوتی تھی۔

اس کے بعد اِٹھاس نے نیا پننا پلٹا۔ سن 1949 میں چین کے اندر جنٹا کے راج نے جنم لیا۔ ہم عورتوں کو جنہیں اُس سے پہلے کچلا جاتا تھا اور غلام بنا کر رکھا جاتا تھا، اب سماج کے اندر گرو کے ساتھ اُچت استہان ملا۔ تب سے لیکر عورتوں کو راجکاجی، مالی، ساجی اور گڑھستی کے جیون میں مردوں کے ساتھ ساتھ برابر کے ادھکار ملنے لگے۔ سرکار نے عورتوں اور بچوں کی خاص طرح سے رکھا کرنی شروع کی۔ نئے چین کے ودھان میں عورتوں کے ادھکار ایسے شعبوں میں لکھے ہوئے ہیں جن کے کوئی دو اُرتہ نہیں لگائے جاسکتے۔

عورتوں کو سب طرح کی نوکریاں ملنے لگیں۔ سب دھندے اور سب کاربار اُن کے لئے کھول دیئے گئے۔ سماچار پتروں میں آئے دن طرح طرح کی ”پہلی عورتوں“ کی چرچا ہونے لگی، جیسے—پہلی ٹریکٹر چلانے والی عورت، پہلی انجن چلانے والی عورت، پہلی ہوائی جہاز چلانے

بالی اورت، بویرا بویرا، آج اورتے کارخانوں کی ڈائریکٹر ہیں، اورتے سرکاری بویر ہیں۔ آج یہ سب باتیں بیلکول مامولی ہو گئی ہیں۔

بیلی سرکار جناتا کی سرکار ہے۔ اس جناتا کی سرکار نے اورتوں اور بچوں کے لیے بڑی بڑی آجیہ باتیں کر ڈالی ہیں۔ میں پیکنگ کے نمبر 4 سٹوڈنٹسپل گارڈس میڈیکل سکول میں پڑاتی تھی۔ سن 1949 سے پہلے میں وہاں پڑاتی تھی۔ پر ان دنوں میری نوکری ہر সময় ختم ہوتی رہتی تھی۔ یہ بڑا بڑا تھا کہ جہاں کسی پڑھانے والی عورت کے ایک اور بچہ پیدا ہوا تو نہ تو اس کی نوکری سے انکے گھر کی دوسری نوکری کے معاملے میں میں ہلکے بچے پیدا ہونے کے سلسلے 56 دن کی چھٹی پوری تنخواہ پر ملتی ہے۔ اسپتال میں مجھے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ راج کی طرف سے مجھے مفت دوا اور اچھے سے اچھا علاج ملتا ہے۔ ابھی جو میرے بچے ہوئے وہ نوکری ہے۔ میری اس نوکری کا نوکری اس کی ماں کے نوکری کے مقابلہ میں کہیں ادھک سکے سے بیٹھا۔ نئی سرکار کی بدولت اب نوکری اور نوکری سب کے لئے ہزاروں نرسری ہیں، کونٹرکٹن ہیں، پرائمری اور سیکنڈری اسکول ہیں اور کالج ہیں۔ ساری تعلیم یا تو بالکل مفت ہے اور یا نام کو تھوڑی سی فیس لی جاتی ہے۔ ان سب سسٹمز کو سرکار سے بڑی بڑی گرانٹیں ملتی ہیں۔ میری نوکری کو ہر طرح کی تعلیم ٹھیک ٹھیک مل سکے گی۔ اپنی طبیعت اور اپنے رجحان کے انوسار وہ جس دھڑے یا جس کمرے کو چاہیگی اپنا سکیم بنائے گی۔ سارا ہی یہ کہ اپنے دیہ اور اپنے سماج کے لئے ایک ایسی آسوی ہانپ کا اُسے پورا پورا اوسر ملے گا۔

میں اب جانتی ہوں کہ دنیا میں ابھی تک مٹی بھر آدمی اس طرح کے ہیں جو اپنی جیبیں بھرنے کے لئے دنیا کی جناتا کو ایک دوسرے سے لڑانا اور ایک دوسرے سے کٹوا دینا چاہتے ہیں۔ یہ مٹی بھر لوگ تر اور گہراہٹ کی سوا پیدا کر رہے ہیں اور ایک نئی بڑی جنگ کھڑی کر دیلے کی فکر میں ہیں۔ بینکوں میں اپنی جمع بڑھانے کے لئے اور ادبوں کی کل کارخانوں میں اپنے حصوں کی قیمت بڑھا دینے کے لئے یہ لوگ جان بوجھ کر اس طرح کی سازشیں کر رہے ہیں جن سے لاکھوں آدمی مجبور ہو کر ان کی توہین کا چارہ بن جاویں اور دنیا کی عورتوں سے ان کے بچے اور ان کے بچے جن جاویں۔

میں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لکھ رہی ہیں میرے سامنے دو دن کا ایک پرانا اخبار پڑا ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سائیکٹ راج امریکہ میں 15 جون سے 17 جون تک ہائڈروجن بم کے ہگلے کا ایک پرदर्शन کیا گیا۔ یہ

والی عورت، بویرا بویرا، آج عورتیں کارخانوں کی ڈائریکٹر ہیں، عورتیں سرکاری بویر ہیں۔ آج یہ سب باتیں بالکل معمولی ہو گئی ہیں۔

چینی سرکار جناتا کی سرکار ہے۔ اس جناتا کی سرکار نے عورتوں اور بچوں کے لئے بڑی بڑی عظیم باتیں کر ڈالی ہیں۔ میں پیکنگ کے نمبر 4 سٹوڈنٹسپل گارڈس میں پڑاتی تھی۔ سن 1949 سے پہلے میں وہاں پڑاتی تھی۔ پر ان دنوں میری نوکری ہر سہ خطرے میں رہتی تھی۔ یہ بڑا بڑا تھا کہ جہاں کسی پڑھانے والی عورت کے ایک اور بچہ پیدا ہوا تو نہ تو اس کی نوکری سے انکے گھر کی دوسری نوکری کے معاملے میں میں ہلکے بچے پیدا ہونے کے سلسلے 56 دن کی چھٹی پوری تنخواہ پر ملتی ہے۔ اسپتال میں مجھے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ راج کی طرف سے مجھے مفت دوا اور اچھے سے اچھا علاج ملتا ہے۔ ابھی جو میرے بچے ہوئے وہ نوکری ہے۔ میری اس نوکری کا نوکری اس کی ماں کے نوکری کے مقابلہ میں کہیں ادھک سکے سے بیٹھا۔ نئی سرکار کی بدولت اب نوکری اور نوکری سب کے لئے ہزاروں نرسری ہیں، کونٹرکٹن ہیں، پرائمری اور سیکنڈری اسکول ہیں اور کالج ہیں۔ ساری تعلیم یا تو بالکل مفت ہے اور یا نام کو تھوڑی سی فیس لی جاتی ہے۔ ان سب سسٹمز کو سرکار سے بڑی بڑی گرانٹیں ملتی ہیں۔ میری نوکری کو ہر طرح کی تعلیم ٹھیک ٹھیک مل سکے گی۔ اپنی طبیعت اور اپنے رجحان کے انوسار وہ جس دھڑے یا جس کمرے کو چاہیگی اپنا سکیم بنائے گی۔ سارا ہی یہ کہ اپنے دیہ اور اپنے سماج کے لئے ایک ایسی آسوی ہانپ کا اُسے پورا پورا اوسر ملے گا۔

میں اب جانتی ہوں کہ دنیا میں ابھی تک مٹی بھر آدمی اس طرح کے ہیں جو اپنی جیبیں بھرنے کے لئے دنیا کی جناتا کو ایک دوسرے سے لڑانا اور ایک دوسرے سے کٹوا دینا چاہتے ہیں۔ یہ مٹی بھر لوگ تر اور گہراہٹ کی سوا پیدا کر رہے ہیں اور ایک نئی بڑی جنگ کھڑی کر دیلے کی فکر میں ہیں۔ بینکوں میں اپنی جمع بڑھانے کے لئے اور ادبوں کی کل کارخانوں میں اپنے حصوں کی قیمت بڑھا دینے کے لئے یہ لوگ جان بوجھ کر اس طرح کی سازشیں کر رہے ہیں جن سے لاکھوں آدمی مجبور ہو کر ان کی توہین کا چارہ بن جاویں اور دنیا کی عورتوں سے ان کے بچے اور ان کے بچے جن جاویں۔

میں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لکھ رہی ہیں میرے سامنے دو دن کا ایک پرانا اخبار پڑا ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سائیکٹ راج امریکہ میں 15 جون سے 17 جون تک ہائڈروجن بم کے ہگلے کا ایک پرदर्शन کیا گیا۔ یہ

ایک بہت بڑا پردرشن تھا جس کے گھبرے میں واشنگٹن اور نیویارک کو ملا کر 50 سے اوپر شہر آگئے تھے۔ یونائیٹڈ پریس نام کی خبر دینے والی ایجنسی نے اس کی بابت لکھا ہے کہ اس طرح کا اتنا بڑا پردرشن کبھی نہیں ہوا تھا اور ”یہ ایک پھینکر پوری پوری نقل تھی جو بالکل اصل کے مطابق تھی۔“

یہ سب کبھی ہو رہا ہے؟ کیا کوئی امریکہ کے اوپر ہانڈ - روجن ہم پھینکنے جا رہا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! امریکہ کے کل کارخانوں کے بڑے بڑے آرب پتی اور کھرب پتی سرمایہ دار اور وہاں کے فوجی جنرل ہی ایٹم بم اور ہانڈ روجن بم پر اتنے ادھک لگو ہیں۔ وہ ہی اس طرح کی ”نقلیں“ کراتے ہیں اور ان سے آجکل کی ٹھنڈی جنگ کو گرما گرم جنگ میں بدل دینا چاہتے ہیں۔ جو دیش امن اور جنگ کے ہمت کی طرف ہیں وہ شروع سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ایٹمی ہتھیاروں پر بندش لگادی جارے اور عام ہتھیار بھی کم نہ جائیں۔ سب مائیں امن چاہتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اپنے بستروں میں شانتی سے سوئیں۔ ہم نے کبھی دوسروں کو دھمکیاں نہیں دیں، اور نہ ہم دوسروں کی دھمکیوں سے ڈرتے ہیں۔

دوسری دوسری بیٹی بیٹی بیٹی نے جب کسی کو یہ کہتے سنا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شانتی پسند نہیں کرتے اور جنگ چھیڑ دینا چاہتے ہیں تو اس نے گھبرا کر مہری طرف دیکھا اور پوچھا:—”کیا ان لوگوں کے سارے بدن پر جان-ہروں کی طرح بال ہیں؟ کیا ان کے بڑے بڑے دانت اور تیز پنچے ہیں؟“

ہم ہنس پڑے۔ پر سچی بات یہ ہے کہ یہ بات اتنی ہنسی کی نہیں ہے۔ مہری وہ بچی اپنے چہرے سے دماغ سے یہ سمجھتی ہے کہ ہر آدمی میں کچھ شان اور آن ہونا ضروری ہے۔ سچ مچ جو لوگ آدمیوں کے خون سے ڈالر تھالنا چاہتے ہیں وہ آدمی نہیں ہیں۔ وہ آدمیوں کے روپ میں درندے ہیں۔

مہرے سب سے بڑے بیٹے کا نام کانگ کانگ ہے۔ وہ اب دو برس سے اسکول جا رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں کچھ جانتا ہوں۔ اس نے کہا کہ:—”اگر وہ لوگ درندے ہیں تو انہیں زنجیروں سے باندھ کر رکھنا ہوگا۔ ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ وہ لوگوں کو کھا جائیں۔“ اس کا کہنا بھی ٹھیک ہے۔ ہمیں ایسا کرنا ہی پڑیگا۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے بیٹیاں جنگ میں مٹ جائیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری ماؤں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری ماؤں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

ہم ہنس پڑے۔ پر سچی بات یہ ہے کہ یہ بات اتنی ہنسی کی نہیں ہے۔ مہری وہ بچی اپنے چہرے سے دماغ سے یہ سمجھتی ہے کہ ہر آدمی میں کچھ شان اور آن ہونا ضروری ہے۔ سچ مچ جو لوگ آدمیوں کے خون سے ڈالر تھالنا چاہتے ہیں وہ آدمی نہیں ہیں۔ وہ آدمیوں کے روپ میں درندے ہیں۔

مہرے سب سے بڑے بیٹے کا نام کانگ کانگ ہے۔ وہ اب دو برس سے اسکول جا رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں کچھ جانتا ہوں۔ اس نے کہا کہ:—”اگر وہ لوگ درندے ہیں تو انہیں زنجیروں سے باندھ کر رکھنا ہوگا۔ ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ وہ لوگوں کو کھا جائیں۔“ اس کا کہنا بھی ٹھیک ہے۔ ہمیں ایسا کرنا ہی پڑیگا۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری ماؤں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری ماؤں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری ماؤں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری ماؤں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری ماؤں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری ماؤں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری ماؤں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری ماؤں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

دُنیا بھر کی ماؤں یہ کبھی نہیں بھول سکتیں کہ دوسرے مہابھ میں چار کروڑ سے اوپر آدمی مرے تھے جن میں بہت سے اُن کے اپنے بچے اور بچے تھے۔ ہم مائیں ایک، بیلسین اور آسٹریشن کے اُن جیل کیمپوں کو کبھی نہیں بھولیں گے جن میں لاکھوں بچے کے قہری رکھے جاتے تھے۔ لیڈائس شہر کے قتل عام کو ہم کبھی نہیں بھولیں گے، نہ ہم ہیروشا اور ناگاساکی پر ایٹم بم برسائے جانے کو کبھی بھولیں گے، نہ ہم حال میں جنگ کے کارن کرپا اور ویتنام کی بربادی کو بھول سکتے ہیں۔ چین کی ماؤں کو جنگ کا کافی بھینکر تجربہ ہے۔

یہ سب چیزیں ہمارے دماغوں میں ابھی تازہ ہیں۔ ایسی حالت میں دوسرے مہابھ کے ختم ہونے کے دس برس کے اندر ہمیں ایسا لگتا ہے کہ ایک نئے مہابھ کا خطرہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے سامنے ہے۔

یہی کارن تھا کہ جب میں نے اسپتال میں پڑے پڑے بائرنلےس سے یہ خبر سنی کہ دُنیا بھر کی ماؤں کی پہلی کانگریس ہونے جا رہی ہے تو جوش اور خوشی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد جب میں گھر واپس گئی تو میں نے اخباروں میں وہ اعلان پڑھا جو اُس کانگریس نے شائع کیا تھا۔ اُس اعلان میں یہ مانگ کی گئی تھی کہ سب ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال بند کر دیا جائے اور اِس طرح کے سب ہتھیاروں کو نشٹ کر دیا جائے، ایٹمی شہتی کو شانتی کے رجحان تک کموں میں لگایا جائے، سب دیشوں میں ہتھیاروں اور فوجوں کو کم کیا جائے، اور جو روپیہ اِس طرح سے بچے اُسے سماج سیوا کے کاموں میں اور بچوں کی بھلائی کے کاموں میں لگایا جائے۔ دُنیا بھر کی ماؤں نے سانجکت راشٹر سنگھ سے اور چار ہڑی سرکاروں کی کانفرنس سے یہی اپیل کی ہے۔

میرا حال کا بچہ یعنی میری چوتھی لڑکی ابھی جاگ گئی ہے۔ مجھے اُسے دودھ پلانا ہے۔ میں اور میرے بچے اُس کے بسترے کی طرف جارہے ہیں۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی پیاری آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھ رہی ہے۔ پاس کی میز پر سے سفید چمچائی کے پیواریں کی بھیننی بھیننی مہک اُڑی ہے۔ سنہری مچھلیاں خوشی خوشی پاس کے تالاب میں تیر رہی ہیں۔ ہمارا دو برس کا بچہ یونین صحن میں اُدھر اُدھر کھیل رہا ہے اور خوشی سے چلا رہا ہے، ہر چیز جیون اور آند سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پھولوں کی سوغند کا آند لیں اور بارود کی دُغاب سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پھولوں کی سوغند کا آند لیں اور بارود کی دُغاب سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پھولوں کی سوغند کا آند لیں اور بارود کی دُغاب سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پھولوں کی سوغند کا آند لیں اور بارود کی دُغاب سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پھولوں کی سوغند کا آند لیں اور بارود کی دُغاب سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پھولوں کی سوغند کا آند لیں اور بارود کی دُغاب سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

ماہوں کی کونگریس نے جو اعلان نکالا ہے اس سے میں پوری طرح جہمت ہوں۔ مہری اپنی چھوٹی سی کوششوں سے بہت کچھ نہیں ہو سکتا، پر بڑی سب دیشوں کی مائیں اٹھ کھڑی ہوں اور اس کلم میں لگ جاویں تو مجھے وشواس ہے کہ ہم جنگ کے خولی ہاتھ کو روک سکتے ہیں، اور اس بات کا پکا پربندہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے بچوں کا بیوشیہ شانتی اور سکھ سے بھرا ہوا ہو۔

بڑی ہم سب ملکر ہرگز ہرجاویں تو کئی ہمیں جوت نہیں سکتا۔

("پیپرس چائنا" سے)

میں کی کونگریس نے جو اعلان نکالا ہے اس سے میں پوری طرح جہمت ہوں۔ مہری اپنی چھوٹی سی کوششوں سے بہت کچھ نہیں ہو سکتا، پر بڑی سب دیشوں کی مائیں اٹھ کھڑی ہوں اور اس کلم میں لگ جاویں تو مجھے وشواس ہے کہ ہم جنگ کے خولی ہاتھ کو روک سکتے ہیں، اور اس بات کا پکا پربندہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے بچوں کا بیوشیہ شانتی اور سکھ سے بھرا ہوا ہو۔

بڑی ہم سب ملکر ہرگز ہرجاویں تو کئی ہمیں جوت نہیں سکتا۔

("پیپرس چائنا" سے)

کروموں کروموں کے بیچ دوستی

کروموں کروموں کے بیچ دوستی

شی نکیٹا خورشچیر

شی نکیٹا خورشچیر

[24 نومبر سن 1955 کی شام کو بھارت میں ہندو-سویات کھیلوں کی سوسائٹی کی طرف سے شی نکیٹا خورشچیر کی سوانح میں نکیٹا خورشچیر کا بیان .]

[24 نومبر سن 1955 کی شام کو بمبئی میں ہندو-سویات کھیلوں کی سوسائٹی کی طرف سے شی نکیٹا خورشچیر کا بیان .]

❀

❀

❀

❀

❀

❀

دوستو،

دوستو،

ہم سب دوست ہیں، کیونکہ یہ جلسہ ایک ایسی سوسائٹی کی طرف سے ہے جس کا مقصد ہی بھارت اور سوویت یونین میں دوستی کو بڑھانا اور مضبوط کرنا ہے۔

ہم سب دوست ہیں، کیونکہ یہ جلسہ ایک ایسی سوسائٹی کی طرف سے ہے جس کا مقصد ہی بھارت اور سوویت یونین میں دوستی کو بڑھانا اور مضبوط کرنا ہے۔

اپنے دوست نیکولائی بگلانین کی طرح میں بھی اس سوسائٹی کے پریسیڈنٹ ڈاکٹر بالیکا کو دھنیواد دیتا ہوں۔ میں بمبئی کے گورنر شری مہتاب کو بھی دھنیواد دیتا ہوں کیونکہ وہ اس سوسائٹی کے کام میں مدد دیتے ہیں اور انہوں نے کرپا کر کے ہمیں آپ کے اس ادبیت شہر میں آنے کی دعوت دی ہے۔

اپنے دوست نیکولائی بگلانین کی طرح میں بھی اس سوسائٹی کے پریسیڈنٹ ڈاکٹر بالیکا کو دھنیواد دیتا ہوں۔ میں بمبئی کے گورنر شری مہتاب کو بھی دھنیواد دیتا ہوں کیونکہ وہ اس سوسائٹی کے کام میں مدد دیتے ہیں اور انہوں نے کرپا کر کے ہمیں آپ کے اس ادبیت شہر میں آنے کی دعوت دی ہے۔

میں آپ کی ریاست کے چیف منسٹر شری دیپتی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ سب کو جو ہم سے ملنے کے لئے یہاں آئے ہیں دھنیواد دیتا ہوں۔

میں آپ کی ریاست کے چیف منسٹر شری دیپتی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ سب کو جو ہم سے ملنے کے لئے یہاں آئے ہیں دھنیواد دیتا ہوں۔

کرمیوں کرمیوں کے بیچ دوستی

کرمی کرمی جب آواز دہی بولنے لگتا ہے تو ماضی کتا کی بجز سے بھ اپنے ماضی کا ڈیک ڈیک رپ نہیں دے پاتا۔

پیدا لگتا ہے کہ اس سیمے مہرے لئے سب سے ملسب مہمون قوموں قوموں کے بیچ کی دوستی ہے۔

دوستیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک دوستی وہ ہوتی ہے کہ جس میں لوگ ایک دوسرے سے کھل مکر سچ سچ دوستوں کی طرح رہتے ہیں۔ لیکن ایک طرح کی ”دوستی“ وہ بھی ہوتی ہے جس میں لوگ ایک دوسرے کے پاس پاس پڑوسوں کی طرح رہتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو اپنے بہاں آنے کی دعوت نہیں دیتے۔ یہی حالت دیشوں اور راجیوں کی ہے۔ کچھ لوگ اگرچہ ایک ہی دھرتی پر رہتے ہیں پھر بھی اُن میں سچی دوستی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں آپ پسند کریں یا نہ کریں آپ کو کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے نبھانا ہی پڑتا ہے۔

ہمارا مہان نیتا لینن اس طرح کے نبھانے کو ”کو-پگنٹسٹنس“ یا ”ساخ-ساخ رہنا“ کہا کرتا تھا۔

یہ ساخ ساخ رہنے کی بات بھت ہی مچے کی ہے۔ دنیا میں کھ لوگ ایسے ہیں جو پوچھتے ہیں کہ کیا اس طرح ساخ ساخ رہنا ممکن ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ یہ سوال ہی نہیں اُٹھتا، کیونکہ اس طرح کے دیش عمل میں ساخ ساخ رہ رہے ہیں۔ پھر بھی لوگ یہ سوال اُٹھاتے رہتے ہیں۔ میں آپ سے کہا چاہتا ہوں کہ بچہ پیدا ہو یا نہ ہو یہ بات ماں باپ کے ہاتھوں میں ضرور ہے لیکن یہ بات اُن کے ہاتھوں میں نہیں ہے کہ بچہ کس دن اور کس گھڑی پیدا ہو یا بچہ ویسا ہی ہو جیسا وہ چاہتے ہیں۔

انہاس کی پرگتی کو روک سکتا کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور نئی نئی سماجی ویسٹھاؤں کی پیداہش کو بھی کون روک سکتا ہے؟ جس طرح سورج روز صبح نکلتا ہے اُسی طرح پرانے سماجی ڈمانچوں کی جگہ نئے اور ادھک پرگتی شیل ڈمانچوں کا پیدا ہوتے رہنا بھی ضروری ہے۔

ٹھیک اسی قسم کے انوسار ہمارے سوویت راج کا جنم ہوا۔ دنیا میں اپنے ہاتھ پاؤں سے کام کرے والوں کا یہ پہلا راج تھا۔ یہ مزدوروں اور کسانوں کا راج ہے۔ جب یہ نیا راج پیدا ہوا تو اور سب دیشوں اور راجوں نے گھنٹے بجا کر اُس کا سواکت نہیں کیا۔

روس کے اندر پرانی زار شاهی کا ڈمانچہ بالکل کھولا ہو چکا تھا اور سر چکا تھا۔ اس لئے ہمارا اکتوبر (1917) کا انقلاب لگ بیک بڑا حرن ہوا ہی سہل ہو گیا۔ لیکن بعد میں ہم سے یہ نہا کیا شبدوں میں نہیں اور سرکاری طور پر نہیں لیکن کاموں کے ذریعہ نہا گیا کہ اس سوویت راج کے پیدا ہونے کی

قوموں قوموں کے بیچ دوستی

کبھی کبھی جب آدمی بولنے لگتا ہے تو ہاؤکٹا کی وجہ سے اپنے ہاشن کو ٹھیک ٹھیک رپ نہیں دے پاتا۔

ایسا لگتا ہے کہ اس سیمے مہرے لئے سب سے ملسب مہمون قوموں قوموں کے بیچ کی دوستی ہے۔

دوستیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک دوستی وہ ہوتی ہے کہ جس میں لوگ ایک دوسرے سے کھل مکر سچ سچ دوستوں کی طرح رہتے ہیں۔ لیکن ایک طرح کی ”دوستی“ وہ بھی ہوتی ہے جس میں لوگ ایک دوسرے کے پاس پاس پڑوسوں کی طرح رہتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو اپنے بہاں آنے کی دعوت نہیں دیتے۔ یہی حالت دیشوں اور راجیوں کی ہے۔ کچھ لوگ اگرچہ ایک ہی دھرتی پر رہتے ہیں پھر بھی اُن میں سچی دوستی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں آپ پسند کریں یا نہ کریں آپ کو کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے نبھانا ہی پڑتا ہے۔

ہمارا مہان نیتا لینن اس طرح کے نبھانے کو ”کو-پگنٹسٹنس“ یا ”ساخ-ساخ رہنا“ کہا کرتا تھا۔

یہ ساخ ساخ رہنے کی بات بھت ہی مچے کی ہے۔ دنیا میں کھ لوگ ایسے ہیں جو پوچھتے ہیں کہ کیا اس طرح ساخ ساخ رہنا ممکن ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ یہ سوال ہی نہیں اُٹھتا، کیونکہ اس طرح کے دیش عمل میں ساخ ساخ رہ رہے ہیں۔ پھر بھی لوگ یہ سوال اُٹھاتے رہتے ہیں۔ میں آپ سے کہا چاہتا ہوں کہ بچہ پیدا ہو یا نہ ہو یہ بات ماں باپ کے ہاتھوں میں ضرور ہے لیکن یہ بات اُن کے ہاتھوں میں نہیں ہے کہ بچہ کس دن اور کس گھڑی پیدا ہو یا بچہ ویسا ہی ہو جیسا وہ چاہتے ہیں۔

انہاس کی پرگتی کو روک سکتا کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور نئی نئی سماجی ویسٹھاؤں کی پیداہش کو بھی کون روک سکتا ہے؟ جس طرح سورج روز صبح نکلتا ہے اُسی طرح پرانے سماجی ڈمانچوں کی جگہ نئے اور ادھک پرگتی شیل ڈمانچوں کا پیدا ہوتے رہنا بھی ضروری ہے۔

ٹھیک اسی قسم کے انوسار ہمارے سوویت راج کا جنم ہوا۔ دنیا میں اپنے ہاتھ پاؤں سے کام کرے والوں کا یہ پہلا راج تھا۔ یہ مزدوروں اور کسانوں کا راج ہے۔ جب یہ نیا راج پیدا ہوا تو اور سب دیشوں اور راجوں نے گھنٹے بجا کر اُس کا سواکت نہیں کیا۔

روس کے اندر پرانی زار شاهی کا ڈمانچہ بالکل کھولا ہو چکا تھا اور سر چکا تھا۔ اس لئے ہمارا اکتوبر (1917) کا انقلاب لگ بیک بڑا حرن ہوا ہی سہل ہو گیا۔ لیکن بعد میں ہم سے یہ نہا کیا شبدوں میں نہیں اور سرکاری طور پر نہیں لیکن کاموں کے ذریعہ نہا گیا کہ اس سوویت راج کے پیدا ہونے کی

کيا ضرورت تھی ؟ مزدوروں اور کسانوں کو حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا کیا حکم تھا ؟

لوگوں نے یہ سرف کہا ہی نہیں انہوں نے نئے پیدا ہوئے سوویت راج کے خلاف اپنی فوجیں میدان میں اتار دیں ۔ فرانسیسیوں نے زبردستی اپنی فوجیں ہمارے اتردیس کے بلندگاہ پر اتاریں ۔ انگریزی فوجیں آرک ایلنڈس پر آدھمکیں ۔ امریکی فوجیں ولینڈیا سٹک میں پہنچ گئیں ۔ ان سب کے پیچھے پیچھے جاپانی فوجیں بھی ہمارے خلاف پہنچ گئیں ۔ اس سب سے نکلنے کا یہ ساری دنیا کو اچھی طرح معلوم ہے ۔ سوویت روس کے لوگوں نے ان سب حملہ آور فوجوں کو اسی طرح کھدیز کے اپنے ملک سے باہر نکال دیا جس طرح ایک اچھی سکڑ عورت اپنے گھر سے کوزے کچرے کو جہاز بھار کر باہر پھینک دیتی ہے ۔ لیکن کچھ دیشوں کو اس سے بھی سلتش نہیں ہوا ۔ وہ اپنے تجربے کو دہرانے چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے دوسرا مہادھ کھڑا کر دیا ۔ ان لوگوں نے سوویت روس کے خلاف ہٹلری جرمنی کی انکنت ہتھیار بند فوجوں کو بھڑا دیا ۔

ساری دنیا اچھی طرح جانتی ہے کہ اس کا بھی نتیجہ کیا ہوا ۔ سوویت یونین نے پھر ایک بار اپنے دشمنوں پر وجہ پراپت کی ۔ اس جنگ سے قبول اتفاقی نہیں ہوا کہ سوویت یونین کمزور نہیں ہوئی بلکہ اس کی شکتی اور بڑھ گئی ۔ اس جنگ سے جو گھاؤ ہمارے لئے تھے آج سوویت یونین کے لوگوں کی کوششوں سے وہ سب گھاؤ بھر چکے ہیں اور اچھے ہو گئے ہیں ۔ پھر کے کارن ہمارا جو کاربار برباد ہو گیا تھا اسے سوویت کے لوگوں نے پھر سے تھیک کر لیا ہے ۔ یہاں تک کہ ہم نے کامیابی کے ساتھ جنگ کے بعد کی اپنی پہلی پنیج ورشی یوجنا پوری کر لی ہے اور ہم دوسری پنیج ورشی یوجنا پوری کر رہے ہیں ۔ ہمارا دیش تیزی سے بڑھ رہا ہے اور شانہ کے ساتھ پھلنا پھولتا جا رہا ہے ۔

مجموعہ اکتوبر کے انقلاب کے شروع کے دن یاد ہیں ۔ مجھے اپنے یہاں کی گھریلو جنگ کی بھی یاد ہے ۔ اس سمنے کوئل ایک لیٹن دیش کے بھوشہ کو صاف صاف دیکھ سکتا تھا ۔ لیٹن کو ہی اس کا اندازہ تھا کہ نیا پیدا ہوا سوویت راج تھوڑے دنوں میں کتنا شکتی شالی ہو جائیگا ۔

جو لوگ یہاں اس جلسہ میں موجود ہیں ان میں بہت بڑی تعداد دماغی کام کرنے والوں کی ہے ۔ اس سببندہ میں میں آپ کو اپنا اس سمنے کا ایک تجربہ بتانا چاہتا ہوں ۔ اس زمانے کے روس کے دماغی کام کرنے والوں میں اس انقلاب کو کس نگاہ سے دیکھا گیا ۔ بہت سے دماغی کام کرنے والوں نے اس کا سراکت کیا اور وہ ایمانداری کے ساتھ لئے سوویت راج کی سیوا میں لگ گئے ۔ لیکن کچھ

دیواری کام کرنے والوں کو तरह तरह کی دلیلیں سونپنے لگیں۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا ہونے جا رہا ہے؟ لنین نے اور کمونسٹوں نے دہش کے شائن کا کام مچھڑوں اور کسانوں کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ مچھڑے ان پڑھ ہیں۔ کسان ان سے بھی ادھک انہڑے ہیں۔ یہ لوگ دہش کے نیچے بن گئے ہیں! اب روسی کالچر کا کیا ہونگا؟ روسی آرٹ کی کدھر کون کرے گا؟ وہ روسی بیلے (ناچ) جو ساری دنیا میں مشہور تھے وہ اب سدا کے لئے ختم ہو جائیں گے۔ روسی آپرہ (ڈراما) کی وہ انقلاب سے پہلے اتنی زبردست ترقی کر چکی تھی اب مٹ جائیگی! اسی طرح دوسری طرح کے آرٹ، ناچ اور غزب بھی اب مٹ جائیں گے! کیونکہ ان کی سچی قدر کرنے والا اب کوئی نہ رہیگا!

لیکن اتنے دنوں کے انتہاس نے ان سب شکوں کو چھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ نئی سوویت دلچسپی پرانی روسی دلچسپی کے مقابلے میں اتنی اونچی پہنچ چکی ہے کہ دونوں میں کوئی تفرق نہیں رہی۔

آپ میں سے بہت سے اسی سال سوویت یونین جا چکے ہیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ سوویت یونین کے اندر آرٹ اور کلا کی جتنی قدر آج ہوتی ہے اتنی انقلاب سے پہلے کے روس میں نہیں ہوتی تھی۔ سوویت نے اپنے پہلے کبھی بھی اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ مزدوروں اور کسانوں نے اپنے اندر سے اچھے سے اچھے ہونہار لوگوں کو چن کر یونیورسٹیوں اور اسی طرح کی دوسری سنسٹھوں میں بھیجا۔ جو مزدور اور کسان اپنے کام میں لگے رہے ان میں بھی دلچسپی نے بہت اگنتی لی۔ ہمیں اس کا اہمیان ہے۔ ہمارے دشمن اسے پسند کریں یا نہ کریں سوویت یونین زندہ ہے اور کیول زندہ ہی نہیں ہے، بڑھ رہی ہے اور اگنتی کر رہی ہے۔ ہمارا کاروبار اور ہماری مالی حالت بہت مضبوط ہے، دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ لوگوں کی خوشحالی بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

یہ سب ایسی حالت میں ہو رہا ہے جب کہ اس طرح کی شکایاں موجود ہیں جہاں ہم سے دشمنی ہے، جہاں لے ابھی تک ہمارے دہش کا کلا کھونٹ کر آئے ختم کردینے کا وچار چہرزا نہیں ہے۔ ہمیں مجبور ہو کر اپنے دہش کی رکشا کے لئے اپنی بہت سی شکتی اور اپنا بہت سا دھن سامان خرچ کرنا پڑ رہا ہے۔ جتنا دھن اور سامان ہم ہتھاروں پر خرچ کر رہے ہیں اس سب کو اگر ہم شانتی کے کاموں میں لگا سکتے تو ہمارے دہش کے لوگوں کی خوشحالی اس سے بھی کہیں ادھک بڑھ جاتی، جس کا اندازہ کر سکتا بھی نہیں ہے۔

ہمارے دشمن اس بات کو سمجھتے ہیں۔ یہی کارن ہے کہ کچھ وڈیشی راج نہتیکہ اب ہتھیار بندی کی سچی

لیکن اتنے دنوں کے انتہاس نے ان سب شکوں کو چھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ نئی سوویت دلچسپی پرانی روسی دلچسپی کے مقابلے میں اتنی اونچی پہنچ چکی ہے کہ دونوں میں کوئی تفرق نہیں رہی۔

آپ میں سے بہت سے اسی سال سوویت یونین جا چکے ہیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ سوویت یونین کے اندر آرٹ اور کلا کی جتنی قدر آج ہوتی ہے اتنی انقلاب سے پہلے کے روس میں نہیں ہوتی تھی۔ سوویت نے اپنے پہلے کبھی بھی اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ مزدوروں اور کسانوں نے اپنے اندر سے اچھے سے اچھے ہونہار لوگوں کو چن کر یونیورسٹیوں اور اسی طرح کی دوسری سنسٹھوں میں بھیجا۔ جو مزدور اور کسان اپنے کام میں لگے رہے ان میں بھی دلچسپی نے بہت اگنتی لی۔ ہمیں اس کا اہمیان ہے۔ ہمارے دشمن اسے پسند کریں یا نہ کریں سوویت یونین زندہ ہے اور کیول زندہ ہی نہیں ہے، بڑھ رہی ہے اور اگنتی کر رہی ہے۔ ہمارا کاروبار اور ہماری مالی حالت بہت مضبوط ہے، دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ لوگوں کی خوشحالی بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

یہ سب ایسی حالت میں ہو رہا ہے جب کہ اس طرح کی شکایاں موجود ہیں جہاں ہم سے دشمنی ہے، جہاں لے ابھی تک ہمارے دہش کا کلا کھونٹ کر آئے ختم کردینے کا وچار چہرزا نہیں ہے۔ ہمیں مجبور ہو کر اپنے دہش کی رکشا کے لئے اپنی بہت سی شکتی اور اپنا بہت سا دھن سامان خرچ کرنا پڑ رہا ہے۔ جتنا دھن اور سامان ہم ہتھاروں پر خرچ کر رہے ہیں اس سب کو اگر ہم شانتی کے کاموں میں لگا سکتے تو ہمارے دہش کے لوگوں کی خوشحالی اس سے بھی کہیں ادھک بڑھ جاتی، جس کا اندازہ کر سکتا بھی نہیں ہے۔

ہمارے دشمن اس بات کو سمجھتے ہیں۔ یہی کارن ہے کہ کچھ وڈیشی راج نہتیکہ اب ہتھیار بندی کی سچی

بات کرنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ دیشوں کے بیچ کے تلاء کو مثلاً نہیں چاہتے۔ انہیں تو ہے کہ روس کا جو دھن اور جو شکتی اس سب سے فوجی رکشا کے کاموں میں خرچ ہو رہی ہے اسے پھر ہم بچا کر دیہی کی شانتی میں رچنا کے کاموں میں لگا سکیں گے۔

باد چود اس سب کے ہمیں پورا دشواری ہے کہ آجکل کی حالتوں میں بھی پونجی پتی دیہستہ (کیپی ٹیلیسٹ سسٹم) اور سماج وادی دیہستہ (سوشلسٹ سسٹم) دونوں اگر شانتی کے ساتھ چلتے اور دوسروں کو چھٹے دیں اور ملکر چلیں تو آخر میں ہم جیتیں گے۔ سماج وادی جیتے گا۔

ایکبار کریملن (ماسکو) کے ایک جلسے میں میں نے یہی بات صاف صاف کہہ دی۔ اس پر پونجی پتی دیشوں کے اخبار والوں نے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دیا کہ خرشچیو نے مارا بھد کھل دیا اور بالمشووکوں نے اپنی راجکاجی پرچندوں کو چھڑا نہیں ہے۔ نہیں، میں نے کوئی بھد نہیں کھولا تھا اور نہ میں نے کوئی بھول کی تھی۔ میں نے وہی بات کہی تھی جو ہم ماننے میں آ رہی ہے۔ اپنا راج کاجی کام ہم نے نہ کبھی چھڑا تھا اور نہ ہم کبھی چھڑیں گے۔ یہ وہ راستہ ہے جو مہان لینن نے ہمیں دکھایا ہے۔ اپنا راجکاجی پروگرام ہم نے کبھی نہیں چھڑا اور نہ ہم چھڑیں گے۔

ہمارے یہاں کی ایک کہات ہے—”جس کسی کے پاس کوئی اچھی چیز ہے وہ پھر کسی گھٹیا چیز کی طرف نگاہ نہیں ڈالتا۔“

ہمارا دیش سیکڑوں برس تک ایک پچھڑا ہوا دیش رہنے کے بعد جس چیز کی بدولت اس حالت سے نکل کر ان دیشوں کے برابر میں پہنچ گیا ہے جو آدیوگ دھندوں کی نگاہ سے اور آرتھک نگاہ سے سب سے اچھک آننت اور بڑے چڑھے ہیں، اس چیز کو ہم کیوں چھڑیں؟ اسے ہم کیوں اور کس چیز کے لئے چھڑیں؟

اسی لئے ہم ان بڑے مانسوں سے، جو یہ امید کرتے ہیں کہ سوویت یونین اپنا راجکاجی پروگرام بدل دیگی، یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنی امید کے پورا ہونے کے لئے اس سے تک انتظار کیجئے جب تک کہ مچھلیاں سیٹی بجانا نہ شروع کر دیں! اور آپ جانتے ہیں مچھلیاں سیٹی بجانا کب شروع کریں گی!

اسی لئے راستہ ایک ہے۔ وہ یہ کہ دونوں دیہستہ انیں ساتھ ساتھ رہیں۔ پونجی وادی دیہستہ بھی رہے اور سماج وادی دیہستہ بھی رہے۔ اسی کا نام ”پیسفول کو-ایگزیسٹنس“ ہے۔

میں خود پونجی وادی دیہستہ کو پسند نہیں کرتا۔ میں ساتھ رہنے کی بات اس لئے نہیں کہتا کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ پونجی وادی چلتا رہے، بلکہ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پونجی وادی دیہستہ بھی

بات کرنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ دیشوں کے بیچ کے تلاء کو مثلاً نہیں چاہتے۔ انہیں تو ہے کہ روس کا جو دھن اور جو شکتی اس سب سے فوجی رکشا کے کاموں میں خرچ ہو رہی ہے اسے پھر ہم بچا کر دیہی کی شانتی میں رچنا کے کاموں میں لگا سکیں گے۔

باد چود اس سب کے ہمیں پورا دشواری ہے کہ آجکل کی حالتوں میں بھی پونجی پتی دیہستہ (کیپی ٹیلیسٹ سسٹم) اور سماج وادی دیہستہ (سوشلسٹ سسٹم) دونوں اگر شانتی کے ساتھ چلتے اور دوسروں کو چھٹے دیں اور ملکر چلیں تو آخر میں ہم جیتیں گے۔ سماج وادی جیتے گا۔

ایکبار کریملن (ماسکو) کے ایک جلسے میں میں نے یہی بات صاف صاف کہہ دی۔ اس پر پونجی پتی دیشوں کے اخبار والوں نے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دیا کہ خرشچیو نے مارا بھد کھل دیا اور بالمشووکوں نے اپنی راجکاجی پرچندوں کو چھڑا نہیں ہے۔ نہیں، میں نے کوئی بھد نہیں کھولا تھا اور نہ میں نے کوئی بھول کی تھی۔ میں نے وہی بات کہی تھی جو ہم ماننے میں آ رہی ہے۔ اپنا راج کاجی کام ہم نے نہ کبھی چھڑا تھا اور نہ ہم کبھی چھڑیں گے۔ یہ وہ راستہ ہے جو مہان لینن نے ہمیں دکھایا ہے۔ اپنا راجکاجی پروگرام ہم نے کبھی نہیں چھڑا اور نہ ہم چھڑیں گے۔

ہمارے یہاں کی ایک کہات ہے—”جس کسی کے پاس کوئی اچھی چیز ہے وہ پھر کسی گھٹیا چیز کی طرف نگاہ نہیں ڈالتا۔“

ہمارا دیش سیکڑوں برس تک ایک پچھڑا ہوا دیش رہنے کے بعد جس چیز کی بدولت اس حالت سے نکل کر ان دیشوں کے برابر میں پہنچ گیا ہے جو آدیوگ دھندوں کی نگاہ سے اور آرتھک نگاہ سے سب سے اچھک آننت اور بڑے چڑھے ہیں، اس چیز کو ہم کیوں چھڑیں؟ اسے ہم کیوں اور کس چیز کے لئے چھڑیں؟

اسی لئے ہم ان بڑے مانسوں سے، جو یہ امید کرتے ہیں کہ سوویت یونین اپنا راجکاجی پروگرام بدل دیگی، یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنی امید کے پورا ہونے کے لئے اس سے تک انتظار کیجئے جب تک کہ مچھلیاں سیٹی بجانا نہ شروع کر دیں! اور آپ جانتے ہیں مچھلیاں سیٹی بجانا کب شروع کریں گی!

اسی لئے راستہ ایک ہے۔ وہ یہ کہ دونوں دیہستہ انیں ساتھ ساتھ رہیں۔ پونجی وادی دیہستہ بھی رہے اور سماج وادی دیہستہ بھی رہے۔ اسی کا نام ”پیسفول کو-ایگزیسٹنس“ ہے۔

میں خود پونجی وادی دیہستہ کو پسند نہیں کرتا۔ میں ساتھ رہنے کی بات اس لئے نہیں کہتا کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ پونجی وادی چلتا رہے، بلکہ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پونجی وادی دیہستہ بھی

موجود ہے اور مجھے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس دوستی کا وجود دنیا میں ہے۔

لیکن دوسری طرف کے لوگ یہ ماننا ہی نہیں چاہتے کہ سماج وادی دوستی یہی ہے۔ وہ اسے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ حالانکہ انکے ہم سوویت روس والے ہی نہیں ہیں جنہوں نے اپنے یہاں سماج وادی دوستی قائم کر رکھی ہے۔ اور یہی بہت سے دہش اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ ہمارے بڑے دوست مہان چینی راشٹر کے لوگ بھی اپنے یہاں سماج وادی کی رچنا کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جسے کوئی آنکھ سے اوجھل نہیں کر سکتا۔ یورپ اور ایشیا کے کئی دیہات جو سوویت یونین کے ساتھ کھڑے ہیں اپنے اپنے یہاں سماج وادی کی رچنا کر رہے ہیں۔ بھارت کے پردھان منتری شری نہرو نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ بھارت بھی اسی سماج وادی راہ پر چل رہا ہے۔ یہ بات بہت اچھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم 'سماج وادی' سے جو کچھ سمجھتے ہیں وہ اور چیز ہے۔ آپ جو سمجھتے ہیں وہ کچھ اور ہے۔ پھر بھی ہم اس اعلان کا اور اس طرح کے رجحان کا स्वागत کرتے ہیں۔

بس سماج وادی دوستی دنیا میں ہے اور اس کے لئے ہمیں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہیں کہول اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم اپنے وجود کی رکشا کرنے کی بھی اپنے میں شکتی رکھتے ہیں۔ اگر ہم اب تک دوسروں سے یہی پورا نہیں کرتے رہتے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ ساتھ دو تو ہم اب تک کبھی کے مقابلہ میں گتے ہوتے۔

اور ہمارے دشمن اتنا بھی یہ چاہیں کہ ہم مٹ جاویں مگر ہمیں متانا ان کے ہوتے کی چیز نہیں ہے۔ اس کا اہم یہ ہے کہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں، پسند کریں یا نہ کریں، سماج وادی راج اور پونجی وادی راج دونوں کو اسی دھڑی پر رہنا ہے۔

ہم پونجی وادی دیشوں سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں پسند نہیں کرتے تو ہمیں اپنے یہاں بلاکر دعوت نہ دیجئے، لیکن اس کے بنا ہی ہم نایم رہیں گے۔

آج دنیا کی حالت ٹھیک یہی ہے۔ ہم اس طرح سے ساتھ ساتھ رہنا چاہتے ہیں جس سے سب قوموں کی آنتی میں مدد ملے، جس سے سب دیشوں کے آپسی سمبندھ بڑھیں۔ خاصکر ہم سب دیشوں کے ساتھ تجارت کرنے کے پکھ میں ہیں۔ وہ ہم سے چیزیں خریدیں، ہم ان سے چیزیں خریدیں۔

اس سے تجارت کے معاملے میں وہ لوگ ہم سے بھید بھاؤ ہرنامہ کی کوشش کر رہے ہیں۔ خاص خاص طرح کی اور کام کی چیزوں میں وہ ہمارے ساتھ تجارت کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ان کی اس کوشش کے باوجود ہمارا دیش بڑھ رہا ہے اور ادھک شکتی شالی ہوتا جا رہا ہے۔

آج دنیا کی حالت ٹھیک یہی ہے۔

ہم اس طرح سے ساتھ ساتھ رہنا چاہتے ہیں جس سے سب قوموں کی آنتی میں مدد ملے، جس سے سب دیشوں کے آپسی سمبندھ بڑھیں۔ خاصکر ہم سب دیشوں کے ساتھ تجارت کرنے کے پکھ میں ہیں۔ وہ ہم سے چیزیں خریدیں، ہم ان سے چیزیں خریدیں۔

اس سے تجارت کے معاملے میں وہ لوگ ہم سے بھید بھاؤ ہرنامہ کی کوشش کر رہے ہیں۔ خاص خاص طرح کی اور کام کی چیزوں میں وہ ہمارے ساتھ تجارت کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ان کی اس کوشش کے باوجود ہمارا دیش بڑھ رہا ہے اور ادھک شکتی شالی ہوتا جا رہا ہے۔

اور میں آپ کو ایک گہٹ بات بتانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ان کے اس بھید بھاؤ کا نتیجہ کچل رہا تھا کہ ہمیں مجبور ہو کر اپنی ساری شکتی ان چیزوں کے پیدا کرنے میں لگانی پڑی جو یہ پونجی پتی ہمارے ہاتھ بیچنا نہیں چاہتے تھے۔ اب ہم اس طرح کا سب مال خود پیدا کر رہے ہیں اور اس کام میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اس طرح تجارتی بھید بھاؤ کی اس چال نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ ہمیں اور مدد دی ہے۔

ہم اس بات کے پکڑ میں ہیں کہ کیسے کیسے کے درمیان کھل چری سمبندھ بڑھے۔ ہم اسے پسند کریں گے کہ پونجی پتی سے اور انھیں لوگ ہمارے دیشوں میں آویں اور ہمارے لوگ ان کے دیشوں میں جاویں۔

ہم پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ ہم نے کسی طرح کا ”اٹلی پروڈ“ بنا کر اپنے اوپر ڈال رکھا ہے۔ پر کچل اس سال کے اندر امریکہ کی سینیٹ کے بہت سے ممبر سوویت روس آئے، بہت سے امریکی سائنسدان ہمارے یہاں آئے، وہاں کے اخباروں کے پرتیڈھی ہمارے یہاں آئے، امریکہ اور انگلستان کے کسان ہمارے یہاں آئے، اور دوسرے مہائے کے تھ ہوئے امریکی سپاہی بھی ہمارے یہاں آئے۔

جو لوگ ہمارے دیش آنا چاہتے ہیں انہیں ہم ”وسا“ یعنی آئے کی اجازت دینے سے انکار نہیں کرتے۔

میں سمجھتا ہوں آپ نے انجیل کے اندر نوح کی کشتی کی کہانی سن رکھی ہوگی۔ ہجرت نوح نے اپنی کشتی میں رکھنے کے لیے جب جانور چنے تو انہوں نے سات جوڑے پاک جانوروں کے اپنے ساتھ لائے اور سات ناپاک جانوروں کے لائے۔ میں آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ پاک کے مقابلے میں ہمارے یہاں ناپاک ادھک آئے ہیں۔ پر ہم نے ان سب کا سواگت کیا۔ ہمیں کسی کھت نہیں۔ ہم نے یہی سوچا کہ اگر کوئی ناپاک بھی ہمارے پاس آئیگا تو وہ ہمیں ناپاک نہیں کر دیگا۔

اسی کا مطلب یہ ہے کہ اگر دیشوں دیشوں کے بیچ کلچری آنا جانا اتنی تیزی سے نہیں بڑھ رہا ہے جتنی تیزی سے بڑھنا چاہئے تو اس میں قصور ہمارا نہیں ہے۔

پیسٹل کوایگزسٹینس‘ یعنی شانتی پرورک ساتھ ساتھ رہنے کے سوال کے یہ کچھ پہلو ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ کو پیسٹل کوایگزسٹینس کا سب سے اچھا نمونہ چاہئے تو بھارت کے ساتھ ہمارا سمبندھ اس کا سب سے اچھا نمونہ ہے۔ یہی نہیں ہے کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ موجود ہیں بلکہ کئی سوالوں پر ہمارا الگ الگ درشتی کونٹہ ہوتے ہوئے بھی ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس دوستی کی بنیاد یہ ہے کہ ہم دونوں ملکر امن قائم کرنے کی کوششوں میں لگے ہیں۔ اسی لئے ہمیں اس

اور میں آپ کو ایک گہٹ بات بتانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ان کے اس بھید بھاؤ کا نتیجہ کچل رہا تھا کہ ہمیں مجبور ہو کر اپنی ساری شکتی ان چیزوں کے پیدا کرنے میں لگانی پڑی جو یہ پونجی پتی ہمارے ہاتھ بیچنا نہیں چاہتے تھے۔ اب ہم اس طرح کا سب مال خود پیدا کر رہے ہیں اور اس کام میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اس طرح تجارتی بھید بھاؤ کی اس چال نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ ہمیں اور مدد دی ہے۔

ہم اس بات کے پکڑ میں ہیں کہ کیسے کیسے کے درمیان کھل چری سمبندھ بڑھے۔ ہم اسے پسند کریں گے کہ پونجی پتی سے اور انھیں لوگ ہمارے دیشوں میں آویں اور ہمارے لوگ ان کے دیشوں میں جاویں۔

ہم پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ ہم نے کسی طرح کا ”اٹلی پروڈ“ بنا کر اپنے اوپر ڈال رکھا ہے۔ پر کچل اس سال کے اندر امریکہ کی سینیٹ کے بہت سے ممبر سوویت روس آئے، بہت سے امریکی سائنسدان ہمارے یہاں آئے، وہاں کے اخباروں کے پرتیڈھی ہمارے یہاں آئے، امریکہ اور انگلستان کے کسان ہمارے یہاں آئے، اور دوسرے مہائے کے تھ ہوئے امریکی سپاہی بھی ہمارے یہاں آئے۔

جو لوگ ہمارے دیش آنا چاہتے ہیں انہیں ہم ”وسا“ یعنی آئے کی اجازت دینے سے انکار نہیں کرتے۔

میں سمجھتا ہوں آپ نے انجیل کے اندر نوح کی کشتی کی کہانی سن رکھی ہوگی۔ ہجرت نوح نے اپنی کشتی میں رکھنے کے لیے جب جانور چنے تو انہوں نے سات جوڑے پاک جانوروں کے اپنے ساتھ لائے اور سات ناپاک جانوروں کے لائے۔ میں آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ پاک کے مقابلے میں ہمارے یہاں ناپاک ادھک آئے ہیں۔ پر ہم نے ان سب کا سواگت کیا۔ ہمیں کسی کھت نہیں۔ ہم نے یہی سوچا کہ اگر کوئی ناپاک بھی ہمارے پاس آئیگا تو وہ ہمیں ناپاک نہیں کر دیگا۔

اسی کا مطلب یہ ہے کہ اگر دیشوں دیشوں کے بیچ کلچری آنا جانا اتنی تیزی سے نہیں بڑھ رہا ہے جتنی تیزی سے بڑھنا چاہئے تو اس میں قصور ہمارا نہیں ہے۔

پیسٹل کوایگزسٹینس‘ یعنی شانتی پرورک ساتھ ساتھ رہنے کے سوال کے یہ کچھ پہلو ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ کو پیسٹل کوایگزسٹینس کا سب سے اچھا نمونہ چاہئے تو بھارت کے ساتھ ہمارا سمبندھ اس کا سب سے اچھا نمونہ ہے۔ یہی نہیں ہے کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ موجود ہیں بلکہ کئی سوالوں پر ہمارا الگ الگ درشتی کونٹہ ہوتے ہوئے بھی ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس دوستی کی بنیاد یہ ہے کہ ہم دونوں ملکر امن قائم کرنے کی کوششوں میں لگے ہیں۔ اسی لئے ہمیں اس

ماہلوں میں اپنی کوششوں کو ڈیلا ہونے دینا نہیں چاہیے۔
رہائی پورک ساتھ ساتھ رہنے کے راستے میں جیتنی دکانیں
ہیں ان سب کو ہمیں دور کرتے رہنا چاہئے اور الگ الگ دیہوں
کے شانتی پورک ساتھ ساتھ رہنے میں جتنی چیزیں مدد دے
سکتی ہیں انہیں ہمیں مضبوط کرنا چاہئے۔

اس سبب سے ہمیں حال میں جانیوا میں چار بڑی شکایات
کے رد میں ملتوی کی جو کانفرنس ہوئی ہے اس سے ہمیں
بہت ہی کم سہلنا ملی ہے یا یہ کہنا چاہئے کہ جو سہلنا ملی
ہے وہ اتنی کم ہے کہ اسے دیکھنے کے لئے خوردبین کی ضرورت ہے۔
یہ کانفرنس ابھی حال میں ختم ہوئی ہے۔ پر اس سے جن
نتیجوں کی آشا تھی وہ پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن اس سے ہمیں
کئی خاص دیکھ بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ابھی وقت نہیں
آیا۔ ابھی یہ سوال اتنا پک نہیں پایا ہے کہ طے ہو سکے۔ ہمارے
دوسری طرف کے ساتھی ابھی تک یہی چاہتے ہیں کہ ”اپنا
ہل دکھاؤ“ ہم سے سمجھوتے کی بات چیت کریں۔ انہوں نے
ابھی تک اس وچار کو چھڑا نہیں ہے۔

مجبور ہو کر مجھے پھر ایک بار ان لوگوں کو سادھان کر دینا
پڑتا ہے کہ جو لوگ ”اپنا ہل دکھاؤ“ ہم سے بات چیت کرنا
چاہتے ہیں وہ کوئی ایسا نہیں آتا سکتے۔

ظاہر ہے کہ جو سوال جانیوا کانفرنس کے سامنے پیش
تھے ان سب کے حل ہونے کے لئے ابھی ہمیں کچھ اور انتظار کرنا
پڑے گا۔ اس میں بات ہی کیا ہے؟ ہم انتظار کرنے کو تیار ہیں۔
ہم پر کوئی آفت نہیں آ رہی ہے۔ ہم موسم کے ادھک اچھا ہونے
تک انتظار کریں گے۔ ہم اس وقت تک انتظار کریں گے جب تک
کہ ان سب سوالوں کا فیصلہ دنیا کی جنتا کے ہاتھ میں نہ
ہو سکے۔

حال میں بھارت میں رہتے ہوئے میں نے کئی ویدیشی
نیکوگوں کی تقریریں پڑھی ہیں جن میں انہوں نے جانیوا
کانفرنس پر اپنی اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ مجھے اس بات سے
تسلی ہے کہ جانیوا کانفرنس میں جن لوگوں نے حصہ لیا تھا
ان کی تقریروں میں کافی سکون ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ
وہ کوئی اس طرح کے بھاؤ پرگٹ کرنا نہیں چاہتے جن سے
اندر اشقریہ تناؤ کے بڑھنے کا ڈر ہو۔

اب میں اپنا بھاشن ختم کرنا چاہتا ہوں۔ سب کو ساتھ
ساتھ تو رہنا ہی ہے۔ اس کے لئے نہ ہم کسی سے کوئی مانگ
کرتے ہیں اور نہ کسی سے کوئی درخواست کرتے ہیں۔ ہم دنیا
میں ہیں ویسے ہی جیسے کہ پونجی وادی دیہ میں ہیں۔ کوئی
ہمیں پکڑ کر اس دھرتی سے منسلک نرے میں نہیں بھیج سکتا۔
ابھی تک سائنس دانوں نے بھی اس کا کوئی طریقہ نہیں
لازلا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ پونجی وادی دیہ میں یہاں سے

उठकर संगल तारे में बसे जाना नहीं चाहते। इसका मतलब यह है कि हम दोनों को इसी धरती पर रहना है। और दोनों के रहने का मतलब ही "साथ साथ रहना" है।

इन हालात में हमारे लिये काम केवल यह है कि जो देश अपनी शक्ति दिखाते रहते हैं उन्हें नई जंग न छेड़ने दिया जावे।

सारे मानव समाज की कोशिश यही होनी चाहिये कि शान्ति पूर्वक साथ साथ रहने के इस सवाल को हल होने में मदद मिले। जितना जितना हम एक दूसरे को अधिक अच्छी तरह समझने लगेंगे, जितना जितना हम मिलकर काम करेंगे, जितनी जितनी हम एक दूसरे की मदद करेंगे, उतना उतना ही शान्ति की ताकतों को बल मिलेगा, और उतना उतना ही जंगजू ताकतें रुकी रहेंगी। इस तरह के जंगजू लोगों को जंग की चाह से हटाना असम्भव है। लेकिन अगर दुनिया की जनता शान्ति बनाए रखने के लिये अमली कोशिश करती रहे तो उन्हें जंग छेड़ने से रोका जा सकता है और रोक कर रखा जा सकता है।

आप जितने लोग यहां मौजूद हैं और जितने लोग पूरी लगन के साथ इस मकसद के लिये काम करते हैं उन सबकी तन्दुरुस्ती के नाम पर मैं अपना प्याला ऊँचा करता हूँ और उनकी तन्दुरुस्ती के लिये दुआ करता हूँ !

दोस्तो ! मैं दोस्ती के लिये और आप सबकी तन्दुरुस्ती के लिये दुआ करता हूँ।

अनुवादक—मुन्दरलाल।

इन्सान आम तौर पर सांप को बिना जान से मारे नहीं छोड़ता, चाहे वह जहरीला हो या बिना जहर के, चाहे वह चोट करे यह नहीं, अपने भाइयों की मौत का सांप अगर बदला लेने पर उतारू हो जाये तो वह क्या नहीं कर सकता। गनीमत है कि इन्सान और सांप अलग अलग रहते हैं। कहने को सांप बदनाम है मगर आज इन्सान इन्सान को डस रहे हैं। सांप से बचना मुमकिन है क्योंकि वह अपने जहर को अपनी रक्षा के लिये ही काम में लाता है मगर जब इन्सान इस जहर को काम में लाये तो फिर भगवान ही खैर कर सकता है।

—अज्ञात

अपने मूल तल्ले में चले जाते हैं। इस का मतलब यह है कि हम दोनों को इसी धरती पर रहना है। और दोनों के रहने का मतलब ही "साथ साथ रहना" है।

इन हालात में हमारे लिये काम केवल यह है कि जो देश अपनी शक्ति दिखाते रहते हैं उन्हें नई जंग न छेड़ने दिया जावे।

सारे मानव समाज की कोशिश यही होनी चाहिये कि शान्ति पूर्वक साथ साथ रहने के इस सवाल को हल होने में मदद मिले। जितना जितना हम एक दूसरे को अधिक अच्छी तरह समझने लगेंगे, जितना जितना हम मिलकर काम करेंगे, जितनी जितनी हम एक दूसरे की मदद करेंगे, उतना उतना ही शान्ति की ताकतों को बल मिलेगा, और उतना उतना ही जंगजू ताकतें रुकी रहेंगी। इस तरह के जंगजू लोगों को जंग की चाह से हटाना असम्भव है। लेकिन अगर दुनिया की जनता शान्ति बनाए रखने के लिये अमली कोशिश करती रहे तो उन्हें जंग छेड़ने से रोका जा सकता है और रोक कर रखा जा सकता है।

आप जितने लोग यहां मौजूद हैं और जितने लोग पूरी लगन के साथ इस मकसद के लिये काम करते हैं उन सबकी तन्दुरुस्ती के नाम पर मैं अपना प्याला ऊँचा करता हूँ और उनकी तन्दुरुस्ती के लिये दुआ करता हूँ !

दोस्तो ! मैं दोस्ती के लिये और आप सबकी तन्दुरुस्ती के लिये दुआ करता हूँ।

अनुवादक—सुन्दरलाल

इन्सान आम तौर पर सांप को बिना जान से मारे नहीं छोड़ता, चाहे वह जहरीला हो या बिना जहर के, चाहे वह चोट करे यह नहीं, अपने भाइयों की मौत का सांप अगर बदला लेने पर उतारू हो जाये तो वह क्या नहीं कर सकता। गनीमत है कि इन्सान और सांप अलग अलग रहते हैं। कहने को सांप बदनाम है मगर आज इन्सान इन्सान को डस रहे हैं। सांप से बचना मुमकिन है क्योंकि वह अपने जहर को अपनी रक्षा के लिये ही काम में लाता है मगर जब इन्सान इस जहर को काम में लाये तो फिर भगवान ही खैर कर सकता है।

—अज्ञात

ہماری ہمارا

ہمارے روسی مہمان

ہمارے روسی مہمان

جس সময় ہم یہ لکھ رہے ہیں شری نیکولائی بولگانین، شری نیکیتا خروشچےف اور ان کے ساتھیوں کی भारत यात्रा आधी से अधिक समाप्त हो चुकी है. जगह जगह भारत सरकार और भारत की जनता दोनों ने जिस तरह अपने प्यारे रूसी मेहमानों का स्वागत किया और उनके स्वागत में जितना जोश दिखाया उसने दुनिया भर में एक तहलका सा मचा दिया है. एशिया और अफ्रीका के अधिकतर देशों में इस स्वागत से एक नया उत्साह, नई आशा और नई उमंग पैदा हो गई है. कुछ साम्राज्यी देश थोड़ा बहुत चबरा गए हैं, और उनमें से कुछ तो बीखलाकर इस तरह की बातें भी करने लगे हैं कि जिनसे न मानबला का मान बढ़ सकता है और न किसी को कोई लाभ हो सकता है.

कलकत्ते में तो जनता का उत्साह हृद को पहुंच गया. कम से कम 20 लाख आदमी अपने प्यारे मेहमानों को देखने के लिये चारों तरफ से उमड़ पड़े. उनकी बाड़ रोके न रुकी. यहाँ तक की सरकार को अपना प्रोग्राम बदलना पड़ा. कहा जाता है कि जनता की इतनी बड़ी भीड़ आज तक किसी मौके पर दुनिया में कहीं जमा नहीं हुई थी. उनका जोश और उनका उबलता हुआ प्रेम उनकी तादाद को भी मात कर रहा था. फिर भी यह एक बड़ी बात है कि स्वर्ण जवाहरलाल जी ने जनता के जोश को सराहते हुए यह कहा कि इतनी बड़ी भीड़ ने पूरी शान्ति, शिस्त और राजब के अनुशासन से काम लिया. किसी तरह की एक भी दुर्घटना कहीं नहीं हो पाई.

हमारे रूसी मेहमानों के दिलों पर भी इस सब का बहुत गहरा असर हुआ. रूसी मेहमानों में दो मुसलमान थे, उजबेकिस्तान के बड़े बखीर श्री राशिद और वहाँ के खेती बखीर श्री रसूल. इन दोनों ने कलकत्ते के स्वागत के बाद अपने और अपने साथियों के भाव प्रगट करते हुए कहा कि—“यह स्वागत कुछ थोड़े से आदमियों या थोड़े से लोगों

जस سمٹ ہم یہ لکھ رہے ہیں شری نیکولائی بولگانین، شری نیکیتا خروشچےف اور ان کے ساتھیوں کی भारत यात्रा आधी से अधिक समाप्त हो चुकी है. जगह जगह भारत सरकार और भारत की जनता दोनों ने जिस तरह अपने प्यारे रूसी मेहमानों का स्वागत किया और उनके स्वागत में जितना जोश दिखाया उसने दुनिया भर में एक तहलका सा मचा दिया है. एशिया और अफ्रीका के अधिकतर देशों में इस स्वागत से एक नया उत्साह, नई आशा और नई उमंग पैदा हो गई है. कुछ साम्राज्यी देश थोड़ा बहुत चबरा गए हैं, और उनमें से कुछ तो बीखलाकर इस तरह की बातें भी करने लगे हैं कि जिनसे न मानबला का मान बढ़ सकता है और न किसी को कोई लाभ हो सकता है.

कलकत्ते में तो जनता का उत्साह हृद को पहुंच गया. कम से कम 20 लाख आदमी अपने प्यारे मेहमानों को देखने के लिये चारों तरफ से उमड़ पड़े. उनकी बाड़ रोके न रुकी. यहाँ तक की सरकार को अपना प्रोग्राम बदलना पड़ा. कहा जाता है कि जनता की इतनी बड़ी भीड़ आज तक किसी मौके पर दुनिया में कहीं जमा नहीं हुयी थी. उनका जोश और उनका उबलता हुआ प्रेम उनकी तादाद को भी मात कर रहा था. फिर भी यह एक बड़ी बात है कि स्वर्ण जवाहरलाल जी ने जनता के जोश को सराहते हुए यह कहा कि इतनी बड़ी भीड़ ने पूरी शान्ति, शिस्त और राजब के अनुशासन से काम लिया. किसी तरह की एक भी दुर्घटना कहीं नहीं हो पाई.

हमारे रूसी मेहमानों के दिलों पर भी इस सब का बहुत गहरा असर हुआ. रूसी मेहमानों में दो मुसलमान थे, उजबेकिस्तान के बड़े बखीर श्री राशिद और वहाँ के खेती बखीर श्री रसूल. इन दोनों ने कलकत्ते के स्वागत के बाद अपने और अपने साथियों के भाव प्रगट करते हुए कहा कि—“यह स्वागत कुछ थोड़े से आदमियों या थोड़े से लोगों

کی طرف سے نہیں ہے، یہ سواگت بھارت کی جلتا کی طرف سے ہے۔ اُسے دیکھ کر یہ پکا وشواس جم جاتا ہے کہ بھارت اور روس کی دوستی اب کسی کے تیزے ٹوٹ نہیں سکتی!“

اسمیں سدیدہ نہیں شری نیکولائی بولگانین، شری نیکیتا خروشچےف اور انکے ساثریوں کے سواگت نے یف ساثریت کر دیا کی بھارت کی جناتا روس اور روسیوں کے ساثر ن کےبال سچھی اور گھری دوستی ہی رلختی ہے بلکن سبب اپنے آگے کے راستے کے لئے بھارت کی دوستی ہی رکھتی ہے بلکن سبب اپنے آگے کے راستے کے لئے بھی تھری یا بھارت، روس کی طرف نگاہ لگائے ہوئے ہے۔

‘ہندی بینی بائی بائی’ کی آواض سارے بھارت اور سارے بینی میں گونج چکی ہے۔ ہمارے روسی مہمانوں کی اس یاثر کے سبب ‘ہندی روسی بائی بائی’ کی نئی آواز آئی اور یہ آواز بھی ترمیت بجلی کی طرح بھارت اور روس دونوں میں گونج گئی۔

اس سواگت میں نیچے لکھی پانچ باتیں سب سے اذیک بامک وئی :—

(1) یف ٹیک ہے کی بھارت کی جناتا اپنی سرکار کی بیبیشی نیاتی سے سہمات اور خورا ہے۔ پر یف سواگت جن لوگوں نے اور جس طرح کیا وہ کہول سرکار کی ویشی نیاتی سے سہمات ہوئے کا ہی نتیجے نہیں تھا۔ سرکار اور سرکاروں کو الگ رکھ کر وہ جناتا کے ہردے کی آسنگ تھی۔ بیبئی کے اندر ان لوگوں نے بھی جو تھیک یا بے تھیک کسی بات پر سرکار سے کافی استکشف تھے، اس استکشف کو اور اور سب بانوں کو تھری دیر کے لئے الگ رکھ کر، اپنے مہمانوں کا دل کہول سواگت کیا۔ کلکتہ کی جناتا بھی سب کی سب اپنے یف کی سرکار سے پوری طرح سمنتش نہیں ہے۔ اس استکشف کے پردرشن انیک بار کلکتہ میں ہو چکے ہیں اور سرکار کی طرف سے بھی ان کا کرائی کے ساتھ جواب دیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کلکتہ کی جناتا کا یہ اپورو انساہ سرکار طرف جناتا کے بیباؤں سے کوئی سبلدہ نہیں رکھتا۔ یہ نتیجے تھا روس کے ساتھ جناتا کے پریم کا سرکاری لوگ کہیں کچھ بھی سمجھ بیٹھیں، اس میں سندیہ نہیں جناتا سرکار کو چلاتی ہے، سرکارین جناتا کو نہیں چلائیں۔ جناتا کا بل ہی سرکار اور سرکاروں کا ایک ماتر بل ہوتا ہے۔

(2) اسمیں بھی سدیدہ نہیں کی ہمارے روسی مہمان بھارت کے سچے دوست ہونے ہوئے بھی کافی سمجھدار اور جاگروک ہیں۔ شاید ہم سے سچے پریم کے کارن ہی وہ انہ اذیک جاگروک ہیں۔ انہوں نے ہماری اچائیوں کے ساتھ ساتھ ہماری کمزوریوں کو بھی کافی دیکھ لیا۔ انہوں نے اپنے وچاروں کو چھپایا بھی نہیں۔ سچے پریم کا یہی نقلہ تھا۔ ہمارے انجینیریوں کو جہاں کنکریٹ سے کام چل سکتا

کی طرف سے نہیں ہے، یہ سواگت بھارت کی جلتا کی طرف سے ہے۔ اُسے دیکھ کر یہ پکا وشواس جم جاتا ہے کہ بھارت اور روس کی دوستی اب کسی کے تیزے ٹوٹ نہیں سکتی!“

اس میں سندیہ نہیں شری نیکولائی بولگانین، شری نیکیتا خروشچےف اور ان کے ساتھیوں کے سواگت نے یہ ثابت کر دیا کہ بھارت کی جلتا روس اور روسیوں کے ساتھ نہ کہول سچھی اور گہری دوستی ہی رکھتی ہے بلکہ سبب اپنے آگے کے راستے کے لئے بھی تھری یا بھارت، روس کی طرف نگاہ لگائے ہوئے ہے۔

‘ہندی چینی بھائی بھائی’ کی آواز سارے بھارت اور سارے چین میں گونج چکی ہے۔ ہمارے روسی مہمانوں کی اس یاثر کے سبب ‘ہندی روسی بھائی بھائی’ کی نئی آواز آئی اور یہ آواز بھی ترمیت بجلی کی طرح بھارت اور روس دونوں میں گونج گئی۔

اس سواگت میں نیچے لکھی پانچ باتیں سب سے اذیک چمک آئیں :—

(1) یہ تھیک ہے کہ بھارت کی جلتا اپنی سرکار کی ویشی نیاتی سے سہمات اور خوش ہے۔ پر یہ سواگت جن لوگوں نے اور جس طرح کیا وہ کہول سرکار کی ویشی نیاتی سے سہمات ہوئے کا ہی نتیجے نہیں تھا۔ سرکار اور سرکاروں کو الگ رکھ کر وہ جناتا کے ہردے کی آسنگ تھی۔ بیبئی کے اندر ان لوگوں نے بھی جو تھیک یا بے تھیک کسی بات پر سرکار سے کافی استکشف تھے، اس استکشف کو اور اور سب بانوں کو تھری دیر کے لئے الگ رکھ کر، اپنے مہمانوں کا دل کہول سواگت کیا۔ کلکتہ کی جناتا بھی سب کی سب اپنے یہاں کی سرکار سے پوری طرح سمنتش نہیں ہے۔ اس استکشف کے پردرشن انیک بار کلکتہ میں ہو چکے ہیں اور سرکار کی طرف سے بھی ان کا کرائی کے ساتھ جواب دیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کلکتہ کی جناتا کا یہ اپورو انساہ سرکار طرف جناتا کے بیباؤں سے کوئی سبلدہ نہیں رکھتا۔ یہ نتیجے تھا روس کے ساتھ جناتا کے پریم کا سرکاری لوگ کہیں کچھ بھی سمجھ بیٹھیں، اس میں سندیہ نہیں جناتا سرکار کو چلاتی ہے، سرکارین جناتا کو نہیں چلائیں۔ جناتا کا بل ہی سرکار اور سرکاروں کا ایک ماتر بل ہوتا ہے۔

(2) اس میں بھی سندیہ نہیں کی ہمارے روسی مہمان بھارت کے سچے دوست ہونے ہوئے بھی کافی سمجھدار اور جاگروک ہیں۔ شاید ہم سے سچے پریم کے کارن ہی وہ انہ اذیک جاگروک ہیں۔ انہوں نے ہماری اچائیوں کے ساتھ ساتھ ہماری کمزوریوں کو بھی کافی دیکھ لیا۔ انہوں نے اپنے وچاروں کو چھپایا بھی نہیں۔ سچے پریم کا یہی نقلہ تھا۔ ہمارے انجینیریوں کو جہاں کنکریٹ سے کام چل سکتا

یا وہاں ککریٹ کی جگہ کولاہ (کولی) ہستمال کرتے دیکھ کر وہ کہہ ہی بیٹھے کہ بھارت جیسے غریب دیہے کے لئے یہ طریقہ غلط ہے۔ ہمارے انجینئروں کے سامنے بچھائے پر انہوں نے یہ بھی صاف کہا کہ کچھ دنوں پہلے روس کے انجینئر بھی اپنی سرکار کو اور وہاں کی جنتا کو اسی طرح سمجھا بچھا دیا کرتے تھے۔ پر اب وہاں یہ چیز نہیں چلتی۔ بھارت سرکار کے اس اعلان کا स्वागत کرتے ہوئے بھی کہ بھارت آگے کو سماج وادی وپستھا کی طرف جائیگا، انہوں نے یہ صاف کہہ دیا کہ ہم سماج واد سے جو کچھ سمجھتے ہیں اور وہ سماج واد کا جو کچھ مطلب لیتے ہیں دونوں میں فرق ہے۔ انہوں نے بھارت کو ابھی اُن دیہوں میں ہی گنا ہے جن کے ساتھ وہ 'کو-ایگزسٹ' کرنا چاہتے ہیں، یعنی کئی فرق کے ہوتے ہوئے بھی 'ساتھ ساتھ جینا' اور 'ساتھ ساتھ رہنا' چاہتے ہیں۔ ہماری سرکار بھی अधिकतर یہی کہتی رہتی ہے اور اسی پر زور دیتی رہتی ہے۔ پنچ شیل کے اصول پر ایمانداری سے عمل کرتے ہوئے ہمارے روسی دوست ہمارے اندر کے معاملوں میں ہماری اچھا کے درودہ کسی طرح کا دخل دینا نہیں چاہتے۔ پر روسی مہمانوں کی اس باترا کے سببے جنتا کے آتساہ اور اُس کے رخ نے ثابت کر دیا کہ جنتا کچھ اور آگے بڑھنا چاہتی ہے اور ہمارے روسی مہمانوں نے بھی یہ دکھا دیا کہ جنتا ہم بڑھنا چاہیں اتنا وہ بھی بڑھنے کو تیار ہیں۔ ہمیں اِس میں کوئی سندیہہ نہیں کہ اِس بڑھنے کے لئے بھی ابھی کافی گنجائش ہے۔

(3) جس دن دلی میں روسی مہمانوں کا آگمن ہوا اُس دن ہمارے مقرر بھارت کے پرانے انقلابی راجا مہیندر پرتاپ بھی کچھ گھنٹوں کے لئے دلی میں تھے۔ وہ ہمیں ایک چھوٹی سی گھنٹا سناتے تھے کہ ٹھیک جس سے स्वागत کا جلوس نکلتا والا تھا دلی کے ایک پل کے نیچے ایک بیمار بھمنگا ہاتھ پسرے پاس سے نکلتا والی موٹرروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کچھ بھدک لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ دلی ایک شاندار شہر ہے، بھارت کی راجدھانی ہے۔ پر لجا اور دہلی کے ساتھ یہ ماننا پڑتا ہے کہ دلی میں بھمنگوں کی تعداد سیکڑوں نہیں ہزاروں ہے۔ स्वागत میں جنتا کا جوش ہمیں بھی بہت اچھا لگا پر سرکار نے स्वागत کی تیاری میں اور مہمانوازی میں جس طرح سے خرچ کیا آئے دیکھ کر اور سن کر ہمیں ایسا لگا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے شامک اور نیٹا یہ بھول جاتے ہیں کہ جو دھن وہ خرچ کر رہے ہیں وہ نہ اُن کا پیدا کیا ہوا ہے نہ کسی یونجی بلی یا سرکاری انس کا پیدا کیا ہوا ہے، وہ اُن غریب کسانوں اور مزدوروں کا پیدا کیا ہوا ہے جنہوں نے خون پسینہ ایک کر کے اُسے پیدا کیا ہے، اور جن سے اب بھی خرچ کے معاملے میں کوئی

یا وہاں ککریٹ کی جگہ کولاہ (کولی) ہستمال کرتے دیکھ کر وہ کہہ ہی بیٹھے کہ بھارت جیسے غریب دیہے کے لئے یہ طریقہ غلط ہے۔ ہمارے انجینئروں کے سامنے بچھائے پر انہوں نے یہ بھی صاف کہا کہ کچھ دنوں پہلے روس کے انجینئر بھی اپنی سرکار کو اور وہاں کی جنتا کو اسی طرح سمجھا بچھا دیا کرتے تھے۔ پر اب وہاں یہ چیز نہیں چلتی۔ بھارت سرکار کے اس اعلان کا स्वागत کرتے ہوئے بھی کہ بھارت آگے کو سماج وادی وپستھا کی طرف جائیگا، انہوں نے یہ صاف کہہ دیا کہ ہم سماج واد سے جو کچھ سمجھتے ہیں اور وہ سماج واد کا جو کچھ مطلب لیتے ہیں دونوں میں فرق ہے۔ انہوں نے بھارت کو ابھی اُن دیہوں میں ہی گنا ہے جن کے ساتھ وہ 'کو-ایگزسٹ' کرنا چاہتے ہیں، یعنی کئی فرق کے ہوتے ہوئے بھی 'ساتھ ساتھ جینا' اور 'ساتھ ساتھ رہنا' چاہتے ہیں۔ ہماری سرکار بھی अधिकतर یہی کہتی رہتی ہے اور اسی پر زور دیتی رہتی ہے۔ پنچ شیل کے اصول پر ایمانداری سے عمل کرتے ہوئے ہمارے روسی دوست ہمارے اندر کے معاملوں میں ہماری اچھا کے درودہ کسی طرح کا دخل دینا نہیں چاہتے۔ پر روسی مہمانوں کی اس باترا کے سببے جنتا کے آتساہ اور اُس کے رخ نے ثابت کر دیا کہ جنتا کچھ اور آگے بڑھنا چاہتی ہے اور ہمارے روسی مہمانوں نے بھی یہ دکھا دیا کہ جنتا ہم بڑھنا چاہیں اتنا وہ بھی بڑھنے کو تیار ہیں۔ ہمیں اِس میں کوئی سندیہہ نہیں کہ اِس بڑھنے کے لئے بھی ابھی کافی گنجائش ہے۔

(3) جس دن دلی میں روسی مہمانوں کا آگمن ہوا اُس دن ہمارے مقرر بھارت کے پرانے انقلابی راجا مہیندر پرتاپ بھی کچھ گھنٹوں کے لئے دلی میں تھے۔ وہ ہمیں ایک چھوٹی سی گھنٹا سناتے تھے کہ ٹھیک جس سے स्वागत کا جلوس نکلتا والا تھا دلی کے ایک پل کے نیچے ایک بیمار بھمنگا ہاتھ پسرے پاس سے نکلتا والی موٹرروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کچھ بھدک لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ دلی ایک شاندار شہر ہے، بھارت کی راجدھانی ہے۔ پر لجا اور دہلی کے ساتھ یہ ماننا پڑتا ہے کہ دلی میں بھمنگوں کی تعداد سیکڑوں نہیں ہزاروں ہے۔ स्वागत میں جنتا کا جوش ہمیں بھی بہت اچھا لگا پر سرکار نے स्वागत کی تیاری میں اور مہمانوازی میں جس طرح سے خرچ کیا آئے دیکھ کر اور سن کر ہمیں ایسا لگا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے شامک اور نیٹا یہ بھول جاتے ہیں کہ جو دھن وہ خرچ کر رہے ہیں وہ نہ اُن کا پیدا کیا ہوا ہے نہ کسی یونجی بلی یا سرکاری انس کا پیدا کیا ہوا ہے، وہ اُن غریب کسانوں اور مزدوروں کا پیدا کیا ہوا ہے جنہوں نے خون پسینہ ایک کر کے اُسے پیدا کیا ہے، اور جن سے اب بھی خرچ کے معاملے میں کوئی

راہ نہیں لہی جاتی اور نہ اس دیوستھا میں لی جاسکتی ہے۔ ہم اس معاملہ کو اس سے بڑھانا نہیں چاہتے۔ پر ہمیں وشواس ہے کہ سواگت کا بہت سا خرچ گھٹایا جاسکتا تھا اور اس سے سواگت کی شان بڑھتی ہی، گھٹتی نہیں۔

دلی سچ سچ اب سواگتوں، دعوتوں، لنگھوں، تھروں اور رسیپشنوں کا شہر بنتا جا رہا ہے۔ باتیں یہ سب اچھی ہیں اور ایک حد تک ضروری بھی ہیں۔ پر یہ راہ بڑی پسلی راہ ہے۔ اس پر سنبھل سکتا بھی خاصکر اُن کے لئے بہت مشکل ہے جن کے پاؤں میں خرد کبھی ہوائی نہ پھٹی ہو۔

(4) اُس پہاڑ بھری باترا میں ایک خاص بات یہ بھی چمکی کہ ہمارے روسی مہمان کئی ماہ پہلے ہوں۔ خاصکر روسی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکرٹری شری نکیتا خروشچوہو تو اس معاملے میں رقم ہی نکلیے۔ اُن کی باتوں میں ایک سادگی، صفائی، سچائی اور تازگی تھی جو طبیعت کو کھلکا دیتی تھی۔ کہیں کہیں تو ہمیں ترہ ہے کہ وہ انٹرا انٹریہ راجاچی ششتاچار کے نیموں کا بھی اُلٹا نہیں کر گئے۔ کم سے کم اس میں کوئی شک نہیں انہوں نے کئی باتیں ایسی کہیں جملہیں دیہ کے کچھ سرکاری درباری یہ ضرور چاہتے تھے کہ وہ نہ کہتے تو لچھا تھا۔ ظاہر ہے نوجاکرت روس پرانے نیموں اور فارمولوں میں اتنا ادھک بندھکر نہیں رہنا چاہتا۔ ہیں بھی تو وہ کل کے مزدور، درباری ششتاچار کا انہوں نے اتنا تجربہ بھی کہاں ہے! نمونے کے طور پر ہم شری نکیتا خروشچوہو کی بمبئی کی ایک تقریر ”نہا ہند“ میں دے رہے ہیں۔

(5) آخری چیز جس کی طرف ہمارا دھیان اس باترا کے کارن اور ادھک زور کے ساتھ جانے لگتا ہے ہمارا اپنا بھوشہ کا مارگ ہے۔ ہمیں یہ بہت غلط اور ہائیپر خطبہ ہو گیا ہے کہ دیہ کی اوپر اُٹھانے کے لئے ہمیں باہر سے پیسے کی مدد کی ضرورت ہے۔ قدرتی طور پر اس خطبہ میں پوکھ ہم بار بار باہر کے سامراج والی دیہوں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ جہاں تک غلط ہے۔ جہاں تک دھن کا سوال ہے ہمیں ایک پیسے کی بھی باہر سے ضرورت نہیں ہے۔ سات سال پہلے چین بھی ہم سے کم غریب دیہ نہیں تھا۔ اُس نے اپنے سدھار اور ترقی کے لئے کسی سے ایک پیسے ادھار یا دان نہیں لیا۔ روس کے ساتھ اس سببندہ میں چین کا جو کچھ سمجھوتا ہوا ہے وہ بھی کھول ویاپاری تھنگ کا لین دین ہے۔ جتنی دیر کے لئے روس کا مال چین میں اٹکتا ہے یعنی چین اُس کے بدلے کا مال روس نہیں بھیج پاتا اتنی دیر کے لئے چین ایک فیصدی سالانہ سود دیتا ہے جو مال ہی کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ گاندھی جی کے وچار بھی اس بارے میں ٹھیک بھی تھے اور بڑے پکے تھے۔ غلطی ہماری نکاہیں

دلی سچ سچ اب سواگتوں، دعوتوں، لنگھوں، تھروں اور رسیپشنوں کا شہر بنتا جا رہا ہے۔ باتیں یہ سب اچھی ہیں اور ایک حد تک ضروری بھی ہیں۔ پر یہ راہ بڑی پسلی راہ ہے۔ اس پر سنبھل سکتا بھی خاصکر اُن کے لئے بہت مشکل ہے جن کے پاؤں میں خرد کبھی ہوائی نہ پھٹی ہو۔

(4) اُس پہاڑ بھری باترا میں ایک خاص بات یہ بھی چمکی کہ ہمارے روسی مہمان کئی ماہ پہلے ہوں۔ خاصکر روسی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکرٹری شری نکیتا خروشچوہو تو اس معاملے میں رقم ہی نکلیے۔ اُن کی باتوں میں ایک سادگی، صفائی، سچائی اور تازگی تھی جو طبیعت کو کھلکا دیتی تھی۔ کہیں کہیں تو ہمیں ترہ ہے کہ وہ انٹرا انٹریہ راجاچی ششتاچار کے نیموں کا بھی اُلٹا نہیں کر گئے۔ کم سے کم اس میں کوئی شک نہیں انہوں نے کئی باتیں ایسی کہیں جملہیں دیہ کے کچھ سرکاری درباری یہ ضرور چاہتے تھے کہ وہ نہ کہتے تو لچھا تھا۔ ظاہر ہے نوجاکرت روس پرانے نیموں اور فارمولوں میں اتنا ادھک بندھکر نہیں رہنا چاہتا۔ ہیں بھی تو وہ کل کے مزدور، درباری ششتاچار کا انہوں نے اتنا تجربہ بھی کہاں ہے! نمونے کے طور پر ہم شری نکیتا خروشچوہو کی بمبئی کی ایک تقریر ”نہا ہند“ میں دے رہے ہیں۔

(5) آخری چیز جس کی طرف ہمارا دھیان اس باترا کے کارن اور ادھک زور کے ساتھ جانے لگتا ہے ہمارا اپنا بھوشہ کا مارگ ہے۔ ہمیں یہ بہت غلط اور ہائیپر خطبہ ہو گیا ہے کہ دیہ کی اوپر اُٹھانے کے لئے ہمیں باہر سے پیسے کی مدد کی ضرورت ہے۔ قدرتی طور پر اس خطبہ میں پوکھ ہم بار بار باہر کے سامراج والی دیہوں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ جہاں تک غلط ہے۔ جہاں تک دھن کا سوال ہے ہمیں ایک پیسے کی بھی باہر سے ضرورت نہیں ہے۔ سات سال پہلے چین بھی ہم سے کم غریب دیہ نہیں تھا۔ اُس نے اپنے سدھار اور ترقی کے لئے کسی سے ایک پیسے ادھار یا دان نہیں لیا۔ روس کے ساتھ اس سببندہ میں چین کا جو کچھ سمجھوتا ہوا ہے وہ بھی کھول ویاپاری تھنگ کا لین دین ہے۔ جتنی دیر کے لئے روس کا مال چین میں اٹکتا ہے یعنی چین اُس کے بدلے کا مال روس نہیں بھیج پاتا اتنی دیر کے لئے چین ایک فیصدی سالانہ سود دیتا ہے جو مال ہی کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ گاندھی جی کے وچار بھی اس بارے میں ٹھیک بھی تھے اور بڑے پکے تھے۔ غلطی ہماری نکاہیں

हमारी समझ, हमारे तरीकों और हमारी योजनाओं में है। इसके लिये अगर हम गांधी जी के उपदेशों और उनके विचारों को फिर से कुछ प्रेम और भ्रष्टा के साथ पढ़ें, और रूस और चीन जैसे देशों की व्यवस्थाओं और उनके कामों को भी ध्यान से देखें और समझें तो हम बहुत सी मुसीबतों से बच सकते हैं। यदि हमारे रूसी मेहमानों की भारत यात्रा से यह नतीजा भी निकल सके कि हमारा लेन देन, सलाह, मशविरा रूस और चीन जैसे देशों के साथ बढ़े और हमारी निगाहें इस तरह के मामलों में पूँजीपति देशों की तरफ से कुछ हटें, तो इस में हमारा भी भला है, दूसरों का भी भला है और खुद आज के पूँजीपती देशों का भी भला है।

3-12-'55

—सुन्दरलाल

राजकुमारी अमृतकौर के चीन के अनुभव

भारत की हेल्थ मिनिस्टर राजकुमारी अमृतकौर हाल में चीन गई हुई थीं। वहाँ से लौटकर 31 अक्टूबर को दिल्ली में उन्होंने एक प्रेस कानफरेन्स में चीन के अपने अनुभव बयान किये। राजकुमारी अमृतकौर खुद डाक्टर नहीं हैं। लेकिन वह सारे देश के स्वास्थ्य विभाग की वजीर हैं। इसलिये डाक्टरी के काम से उनका गहरा सम्बन्ध है। अधिकतर उसी के सम्बन्ध में वह चीन गई थीं। फिर भी वहाँ के दूसरे आम हालात पर उन्होंने जो बातें कही हैं उनमें से कुछ हम निचे देते हैं।

राजकुमारी ने कहा कि—“जनता की तन्दुरुस्ती के उसूलों के बारे में, देश के अन्दर इस तरह की समाजी हवा पैदा कर देने के बारे में जिमें चोरी और शराब पीकर बहववासी की घटनाएँ हों, उस देश से लगभग गुप्त हो गई हैं, और इसी तरह की और बातों में भारत को चीन से बहुत कुछ सीखना है।”

वहाँ की तालीम के बारे में उन्होंने ने कहा कि—“चीन के अन्दर हर तरह की तालीम मुफ्त दी जाती है। विद्यार्थियों को रहने की जगह भी मुफ्त दी जाती है उन से केवल खाने का खर्च लिया जाता है जो एक विद्यार्थी पर बाईस रुपये माहवार से छब्बीस रुपये माहवार तक पड़ता है। मेडिकल स्कूलों और कालिजों में सरकार औसतन हर विद्यार्थी पर दो हजार रुपया सालाना खर्च करती है।”

“डाक्टरी की तालीम पाने वाले विद्यार्थियों को केवल अपने खाने और कितानों का खर्च देना होता है।”

हमारी समझ, हमारे तरीकों और हमारी योजनाओं में है। इसके लिये अगर हम गांधी जी के उपदेशों और उनके विचारों को फिर से कुछ प्रेम और भ्रष्टा के साथ पढ़ें, और रूस और चीन जैसे देशों की व्यवस्थाओं और उनके कामों को भी ध्यान से देखें और समझें तो हम बहुत सी मुसीबतों से बच सकते हैं। यदि हमारे रूसी मेहमानों की भारत यात्रा से यह नतीजा भी निकल सके कि हमारा लेन देन, सलाह, मशविरा रूस और चीन जैसे देशों के साथ बढ़े और हमारी निगाहें इस तरह के मामलों में पूँजीपति देशों की तरफ से कुछ हटें, तो इस में हमारा भी भला है, दूसरों का भी भला है और खुद आज के पूँजीपती देशों का भी भला है।

—सुन्दरलाल

3. 12. '55

राजकुमारी अमृतकौर के चीन के अनुभव

भारत की हेल्थ मिनिस्टर राजकुमारी अमृतकौर हाल में चीन गयी हुयी थीं। वहाँ से लौट कर 31 अक्टूबर को दली में अन्होंने एक प्रेस कानफरेन्स में चीन के अपने अनुभव बयान किये। राजकुमारी अमृतकौर खुद डाक्टर नहीं हैं। लेकिन वे सारे देश के स्वास्थ्य विभाग की वजीर हैं। इसलिये डाक्टरी के काम से अं का गहरा सम्बन्ध है। अधिकतर उसी के सम्बन्ध में वह चीन गई थीं। फिर भी वहाँ के दूसरे आम हालात पर अन्होंने ने जो बातें कही हैं अन्होंने से कुछ हम निचे देते हैं।

राजकुमारी ने कहा कि—“जनता की तन्दुरुस्ती के उसूलों के बारे में, देश के अन्दर इस तरह की समाजी हवा पैदा कर देने के बारे में जिमें चोरी और शराब पीकर बहववासी की घटनाएँ हों, उस देश से लगभग गुप्त हो गई हैं, और इसी तरह की और बातों में भारत को चीन से बहुत कुछ सीखना है।”

वहाँ की तालीम के बारे में अन्होंने ने कहा कि—“चीन के अन्दर हर तरह की तालीम मुफ्त दी जाती है। विद्यार्थियों को रहने की जगह भी मुफ्त दी जाती है उन से केवल खाने का खर्च लिया जाता है जो एक विद्यार्थी पर बाईस रुपये माहवार से छब्बीस रुपये माहवार तक पड़ता है। मेडिकल स्कूलों और कालिजों में सरकार औसतन हर विद्यार्थी पर दो हजार रुपया सालाना खर्च करती है।”

“डाक्टरी की तालीम पाने वाले विद्यार्थियों को केवल अपने खाने और कितानों का खर्च देना होता है।”

انہوں نے بتایا کہ:—”گوں میں سواستھہ کھلدروں پر اور ماؤں اور بچوں کی تندرستی پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ شروع سے لیکر بچوں کی خبرگیری اور اُن کی تندرستی کا خیال چین میں سب سے ضروری کام سمجھا جاتا ہے۔“

پکنگ میں پہلی اکتوبر کو چینی راشنریہ دیوس کے جلسوں میں چھ لاکھ لوگوں نے भाग लिया۔ راجکماری نے ان لوگوں کی شست کی بڑی تعریف کی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ چین میں سب کے رہنے کے لئے نئے مکان جس تیزی سے بنائے جارہے ہیں اُسے دیکھ کر وہ چکت رہ گئیں۔ اچھی اور چوری سڑکوں پر وہاں بہت زور دیا جاتا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر خوش ہو گئیں کہ کھلی جگہوں میں جنگل لگانے اور چاروں طرف درخت لگانے کا چینوں کو کتنا زبردست شوق ہے۔ کوئی آدمی بنا اجازت کے کوئی درخت نہیں کاٹ سکتا۔ ”خاص خاص بڑی بڑی سڑکوں اور راستوں پر چلتے ہوئے بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی درختوں کے کچھ میں سے چٹ جا رہا ہے۔ جہاں پرانے گھٹیا مکانوں کو گرایا اور صاف کیا گیا ہے وہاں اکثر بچوں کے لئے باغیچے اور کھیلنے کے میدان بنا دیئے گئے ہیں۔“

راجکماری کا کہنا ہے کہ:—”بھارت کے ساتھ دوستی کی इच्छा और शान्ति की इच्छा चीन والوں में सच्ची और साफ चमकती है۔ चीन کے لوگوں میں एकता और जोश उनकी उन्नति के खास कारण हैं۔“

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ:—”چین میں ’کمیلٹی پلیننگ‘ یعنی بچوں کی پیدائش کو روکنے کا پروگرام نہیں چلتا اور چینی سرکار کو آبادی کے بڑھ جانے کی کوئی چنتا نہیں ہے۔“ پر اس دیہ میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ کوئی ایک سے ادھک شادی نہ کرے۔ داشتہ یا دکھت رکھنے کا پرانا رواج بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ کوئی لڑکی اثبارہ برس کی عمر سے پہلے اور کوئی لڑکا ایکس سال کی عمر سے پہلے شادی نہیں کر سکتا عورتوں کی ایک بڑی سلسلہ ہے جس کا نام ’ویمینس ڈیموکریٹک فیڈریشن‘ ہے۔ یہ سلسلہ بہت ہی شکتی شالی اور با اثر سلسلہ ہے۔ وہ دیکھتی رہتی ہے کہ شادی وغیرہ کے بارے میں کوئی اس طرح کا نیم نہ توڑنے پاوے۔

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی اُن کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ:—”چین میں ’کمیلٹی پلیننگ‘ یعنی بچوں کی پیدائش کو روکنے کا پروگرام نہیں چلتا اور چینی سرکار کو آبادی کے بڑھ جانے کی کوئی چنتا نہیں ہے۔“ پر اس دیہ میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ کوئی ایک سے ادھک شادی نہ کرے۔ داشتہ یا دکھت رکھنے کا پرانا رواج بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ کوئی لڑکی اثبارہ برس کی عمر سے پہلے اور کوئی لڑکا ایکس سال کی عمر سے پہلے شادی نہیں کر سکتا عورتوں کی ایک بڑی سلسلہ ہے جس کا نام ’ویمینس ڈیموکریٹک فیڈریشن‘ ہے۔ یہ سلسلہ بہت ہی شکتی شالی اور با اثر سلسلہ ہے۔ وہ دیکھتی رہتی ہے کہ شادی وغیرہ کے بارے میں کوئی اس طرح کا نیم نہ توڑنے پاوے۔

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی اُن کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی اُن کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی اُن کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی اُن کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

نہیں لگا دیا جاتا۔ ہسپتالوں کے بارے میں کوئی کسی کو ہناں یا بکشیہ نہیں لیتا دیتا۔ شراب پی کر بدحواس رہا توئی دکھائی نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی اس طرح شراب پیئے پایا جاتا ہے تو سماج میں اس کا بائیکاٹ ہو جاتا ہے۔“

یہاں تک تو ہم نے چین کے بارے میں راجکمار کے عام نوبہ بیان کئے ہیں۔ پر ان کے علاوہ راجکمار امرت کو نے چین میں نئی ڈاکٹری، وہاں کی پرانی ویدک دنیا اسی کے بارے میں کئی ایسی باتیں کہی ہیں جن میں سے کچھ کو پڑھکر ہمیں اچرج اور دہ بھی ہوا۔ راجکمار دیہی کی طبیعت منسٹر ہیں۔ انگریزی علاج، دیسی علاج وغیرہ کے بارے میں راجکمار کے بچار بھی سب کو معلوم ہیں۔ اس سبب ہمیں چین کی بابت جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس سے اس سچائی کا ثبوت ملتا ہے کہ جن باتوں میں ہمارے بچار زوروں سے جہہ ہونے ہوتے ہیں ان میں ہم اندر وہی دیکھتے ہیں جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں اور وہی سنتے بھی ہیں جو ہم سننا چاہتے ہیں۔ شاید ہم میں سے کوئی بھی نلکی انہوں سے دنیا کو نہیں دیکھ سکتا۔ ہمارے اپنے پہلے سے بلہ بچاروں، وشواسوں، مانتاؤں اور ہواؤں کا چشمہ ہماری آنکھوں پر برابر لگا ہی رہتا ہے، اور اسی چشمے کے اندر سے ہم دنیا کو دیکھتے ہیں۔ فرق کھول اٹھا ہوتا ہے کہ کسی کے چشمے کا رنگ گہرا ہوتا ہے اور کسی کا ہلکا۔ پھر بھی راجکمار نے کچھ باتیں ایسی کہی ہیں جن سے کافی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

راجکمار نے کہا ہے کہ بھارت میں ڈاکٹری تعلیم کا اسٹر چین کے اسٹر سے اونچا ہے۔ اور یہاں ڈاکٹر بھی چین کے ڈاکٹروں سے گنتی میں ادھک اور ادھک ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ چین کی آبادی ساٹھ کروڑ ہے اور آجکل کی پچھلی ڈاکٹری میں ہو گئے رکھنے والے ڈاکٹر وہاں کھول تیس ہزار اور چالیس ہزار کے بیچ میں ہیں۔ بھارت کی آبادی چین سے بہت کم ہے پر یہاں ہو گئے ڈاکٹروں کی تعداد ان کے انوسار اس سے لگ بھگ دو گنی ہے۔ اس سے راجکمار نے شاید یہ بتانا چاہا ہے کہ چنانچہ کے سواستہ کی دیکھ ریکھ جتنی بھارت میں کی جاتی ہے اتنی چین میں نہیں کی جاتی۔

اس بات کا راجکمار کی نگاہ میں ادھک مہم نہیں ہے کہ نئی چینی سرکار پچھلی ڈاکٹری کے ان ماہروں کے علاوہ پرانی چھلی ویدک دنیا کے جانکار اور تجربہ کار حکیموں یا ویدوں سے لاپ اٹھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ان کی مدد سے جگہ جگہ گلوں کے اندر سواستہ کیندر بنے ہوئے ہیں، جہاں کھول روگیوں کا علاج ہی نہیں کیا جاتا، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ

راجکمار نے کہا ہے کہ بھارت میں ڈاکٹری تعلیم کا اسٹر چین کے اسٹر سے اونچا ہے۔ اور یہاں ڈاکٹر بھی چین کے ڈاکٹروں سے گنتی میں ادھک اور ادھک ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ چین کی آبادی ساٹھ کروڑ ہے اور آجکل کی پچھلی ڈاکٹری میں ہو گئے رکھنے والے ڈاکٹر وہاں کھول تیس ہزار اور چالیس ہزار کے بیچ میں ہیں۔ بھارت کی آبادی چین سے بہت کم ہے پر یہاں ہو گئے ڈاکٹروں کی تعداد ان کے انوسار اس سے لگ بھگ دو گنی ہے۔ اس سے راجکمار نے شاید یہ بتانا چاہا ہے کہ چنانچہ کے سواستہ کی دیکھ ریکھ جتنی بھارت میں کی جاتی ہے اتنی چین میں نہیں کی جاتی۔

اس بات کا راجکمار کی نگاہ میں ادھک مہم نہیں ہے کہ نئی چینی سرکار پچھلی ڈاکٹری کے ان ماہروں کے علاوہ پرانی چھلی ویدک دنیا کے جانکار اور تجربہ کار حکیموں یا ویدوں سے لاپ اٹھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ان کی مدد سے جگہ جگہ گلوں کے اندر سواستہ کیندر بنے ہوئے ہیں، جہاں کھول روگیوں کا علاج ہی نہیں کیا جاتا، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ

اس بات کا راجکمار کی نگاہ میں ادھک مہم نہیں ہے کہ نئی چینی سرکار پچھلی ڈاکٹری کے ان ماہروں کے علاوہ پرانی چھلی ویدک دنیا کے جانکار اور تجربہ کار حکیموں یا ویدوں سے لاپ اٹھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ان کی مدد سے جگہ جگہ گلوں کے اندر سواستہ کیندر بنے ہوئے ہیں، جہاں کھول روگیوں کا علاج ہی نہیں کیا جاتا، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ

اس بات کا راجکمار کی نگاہ میں ادھک مہم نہیں ہے کہ نئی چینی سرکار پچھلی ڈاکٹری کے ان ماہروں کے علاوہ پرانی چھلی ویدک دنیا کے جانکار اور تجربہ کار حکیموں یا ویدوں سے لاپ اٹھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ان کی مدد سے جگہ جگہ گلوں کے اندر سواستہ کیندر بنے ہوئے ہیں، جہاں کھول روگیوں کا علاج ہی نہیں کیا جاتا، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ

لوگ "بیمار نہ ہوں۔" یہ پرانے ڈنگ کے چینی حکیم اور وید ادھکتر علاج تو اپنے پرانے سستے طریقوں اور جڑی بوٹیوں سے ہی کرتے ہیں، پر راجکمار ہی کے انوسار سرکار ان سب کو لکھنؤ اور صفاٹی کے نئے سے نئے اصول، زخموں کی مرہم پٹی کے نئے سے نئے طریقے اور کچھ سیدھی سستی نئی دواؤں کا استعمال ہی سکھا دیتی ہے۔ راجکمار ہی کے انوسار سرکار کے دواؤں اہلانہ ہونے اس طرح کے حکیموں کی تعداد چھین میں لگ بھگ تین لاکھ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے ڈاکٹروں کے علاوہ چینی سرکار کچھ کم پڑے لکھے لیکن سستے ڈاکٹر بھی تین تین سال کی تعلیم دے کر تیار کر رہی ہے۔ راجکمار ہی کے انوسار اس طرح کے تین سال کے کورس میں پڑھنے والوں کی تعداد اس سے آٹھاون ہزار ہے۔ وہاں کے انٹیکس بڑے بڑے مڈیکل کالجوں میں اس سے چونتیس ہزار "یوگہ" ڈاکٹر بھی اور تیار ہو رہے ہیں۔

بات بڑی سیدھی سی ہے۔ راجکمار ہی کے انوسار کچھ ہونے لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان "یوگہ" پچھمی ڈھنگ کے ڈاکٹروں کا علاج معمولی غریب آدمیوں کی تو بات ہی کیا ہمارے بیچ کے درجے کے دیہاتی وادیوں کے لئے بھی کتنا مہنگا اور مصیبت کا ہوتا ہے۔ ہمارے ایک مٹر کو جنہیں آٹھ سو روپیہ مہنگے دیتے ملتے ہیں پست کا آپریشن کرائے کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپریشن کے خرچ کے علاوہ انہیں کئی ہزار کی اوپر سے استعمال کی پڑتھیت دواؤں خریدنی پڑتی ہے جن میں سے تین چوتھائی سے ادھک کسی بھی کام نہ آئیں اور پھینکی پڑتی ہیں۔ اپنے اس علاج میں انہیں اپنی پتنی کا زہر بیچنا پڑتا ہے یہ کیوں ایک مثال نہیں ہے۔ لگ بھگ ہر مڈیکل کلاس کے گھر سے اسی طرح کی کہانی سنی جاسکتی ہے۔ ہمارے ادھکتر پچھمی ڈھنگ کے ڈاکٹر بیچارے آجکل کی حالت میں اس غریب دیہات کے اندر کروڑوں روپیہ کے بدیشی پڑتھیت دواؤں کے منکولے اور رکھنے والے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں اور ہمیں رشواس ہے کہ ان میں سے ادھکتر دواؤں نکسی ہی نہیں ہانپکر بھی ہیں۔ یہ 'ہانپکر' شدہ ہم لے سوچ سمجھکر ابلوگ کیا ہے۔ اُن دن کے اپنے تجربوں کو چھوڑ کر کچھ دن ہوئے ہم نے یورپ کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کی جو چالیس سال تک دنیا کے ایک بہت بڑے اسپتال کے چارج میں رہ چکے تھے، پچھمی دواؤں کی بات یہ رائے پڑی تھی:—

"If the contents of all the apothecaries' shops could be emptied into the sea, the consequences to the fish may be dangerous, but mankind will be happier and healthier."

"If the contents of all the apothecaries' shops could be emptied into the sea, the consequences to the fish may be dangerous, but mankind will be happier and healthier."

جواباً—”یہ ڈاکٹری کی سب دکانوں کی ساری شیشیوں سمندر میں اٹک کر خالی کر لی جائیں تو نکتہ جاتی مچھلیوں کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے لیکن مانو سماج ادھک سکی اور ادھک سوستہ رہیگا۔“

ہمیں دھیان رکھنا چاہئے کہ اوپر کے واقعہ میں ایلوپیتھک دواؤں کی بات کہی گئی ہے۔ پرانی ویدک یا یونانی جڑی بوٹیوں یا لہی لہی ہوئی ویدیک گولوں کی نہیں۔

ہم نے سنا تھا کہ آجکل جو بہت سے ہمارے ڈیپلکیشن چین اور روس جا رہے ہیں ان میں سے ایک ڈیپلکیشن کے ایک ہندستانی ممبر نے روس کے وزارت صحت سے پوچھا تھا کہ کیا آپ امریکی دوائیں اپنے دیہ میں نہیں اسپورٹ کرتے۔ سنا ہے روسی نے جواب دیا کہ ہم نہ ان کی دوائیں اسپورٹ کرتے ہیں اور نہ ان کی بیماریاں۔ اس جواب میں ادھامدانی ضرور تھا پر اس کا ادھا سچ بہت گہرا ہے۔

ہمیں وشواس ہے کہ مہاتما گاندھی اس دیہ کے پچھلی تھلک کے ڈاکٹروں کو جب دیہ کے دو سب سے خطرناک اور ہانپکر گروہ میں گنا کرتے تھے تو ان کی بات میں بہت بڑی سچائی تھی۔ ہم آجکل پوری نیک نیکی کے ساتھ پر انی ہی پوری ناسمجھی کے ساتھ اس معاملہ میں اسی خطرے کی طرف قہقہے چلے جا رہے ہیں جس سے گاندھی جی ہمیں بچانا چاہتے تھے۔

چینی شامک اس بارے میں ہم سے کہیں ادھک سچیدار ہیں۔ جہاں تک عام جنتا کا سوال ہے چین آج اتنا غریب دیہ نہیں ہے جتنا بھارت۔ پھر بھی وہ ہر سال کروڑوں روپیہ ہمیشی دواؤں پر نہیں کھوتے اور—یہ ایک مانی ہوئی چیز ہے کہ—اپنی جنتا اور اپنے بچوں کو ہم سے کہیں ادھک تندرست، موٹا تازہ اور خوش رکھ رہے ہیں۔

اپنے دیہ کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف چینی سرکار کا جو رخ ہے اس کی بابت راجکماری کے بیان سے کافی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ راجکماری نے کہا کہ چینی سرکار پرانے علاج کے طریقے کو ختم کر دینا اور اس کی جگہ پچھم کی نئی سائنسی ڈاکٹری کو ہی چلانا چاہتی ہے۔ اس پر کسی سماچار پر کے پرتی ندھی نے پوچھا ہی لیا کہ—”چین کی مثال کے خلاف“ کیا بھارت سرکار آجکل آپریٹ اور دوسرے دیہی علاج کے طریقوں کو الگ طریقوں کی حیثیت سے بڑھاوا نہیں دے رہی ہے؟“ راجکماری نے مانا کہ سرکار بڑھاوا دے رہی ہے پر اسے غلطی سوچنا کرتے ہوئے راجکماری نے اس پر دھ پرکٹ کیا! کسی نے انہیں بتایا کہ حال میں یونین کوننگ مینسٹر شری گولچاری لال نندا نے آئیوے

ہمیں دھیان رکھنا چاہئے کہ اوپر کے واقعہ میں ایلوپیتھک دواؤں کی بات کہی گئی ہے۔ پرانی ویدک یا یونانی جڑی بوٹیوں یا لہی لہی ہوئی ویدیک گولوں کی نہیں۔

ہم نے سنا تھا کہ آجکل جو بہت سے ہمارے ڈیپلکیشن چین اور روس جا رہے ہیں ان میں سے ایک ڈیپلکیشن کے ایک ہندستانی ممبر نے روس کے وزارت صحت سے پوچھا تھا کہ کیا آپ امریکی دوائیں اپنے دیہ میں نہیں اسپورٹ کرتے۔ سنا ہے روسی نے جواب دیا کہ ہم نہ ان کی دوائیں اسپورٹ کرتے ہیں اور نہ ان کی بیماریاں۔ اس جواب میں ادھامدانی ضرور تھا پر اس کا ادھا سچ بہت گہرا ہے۔

ہمیں وشواس ہے کہ مہاتما گاندھی اس دیہ کے پچھلی تھلک کے ڈاکٹروں کو جب دیہ کے دو سب سے خطرناک اور ہانپکر گروہ میں گنا کرتے تھے تو ان کی بات میں بہت بڑی سچائی تھی۔ ہم آجکل پوری نیک نیکی کے ساتھ پر انی ہی پوری ناسمجھی کے ساتھ اس معاملہ میں اسی خطرے کی طرف قہقہے چلے جا رہے ہیں جس سے گاندھی جی ہمیں بچانا چاہتے تھے۔

چینی شامک اس بارے میں ہم سے کہیں ادھک سچیدار ہیں۔ جہاں تک عام جنتا کا سوال ہے چین آج اتنا غریب دیہ نہیں ہے جتنا بھارت۔ پھر بھی وہ ہر سال کروڑوں روپیہ ہمیشی دواؤں پر نہیں کھوتے اور—یہ ایک مانی ہوئی چیز ہے کہ—اپنی جنتا اور اپنے بچوں کو ہم سے کہیں ادھک تندرست، موٹا تازہ اور خوش رکھ رہے ہیں۔

اپنے دیہ کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف چینی سرکار کا جو رخ ہے اس کی بابت راجکماری کے بیان سے کافی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ راجکماری نے کہا کہ چینی سرکار پرانے علاج کے طریقے کو ختم کر دینا اور اس کی جگہ پچھم کی نئی سائنسی ڈاکٹری کو ہی چلانا چاہتی ہے۔ اس پر کسی سماچار پر کے پرتی ندھی نے پوچھا ہی لیا کہ—”چین کی مثال کے خلاف“ کیا بھارت سرکار آجکل آپریٹ اور دوسرے دیہی علاج کے طریقوں کو الگ طریقوں کی حیثیت سے بڑھاوا نہیں دے رہی ہے؟“ راجکماری نے مانا کہ سرکار بڑھاوا دے رہی ہے پر اسے غلطی سوچنا کرتے ہوئے راجکماری نے اس پر دھ پرکٹ کیا! کسی نے انہیں بتایا کہ حال میں یونین کوننگ مینسٹر شری گولچاری لال نندا نے آئیوے

اپنے دیہ کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف چینی سرکار کا جو رخ ہے اس کی بابت راجکماری کے بیان سے کافی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ راجکماری نے کہا کہ چینی سرکار پرانے علاج کے طریقے کو ختم کر دینا اور اس کی جگہ پچھم کی نئی سائنسی ڈاکٹری کو ہی چلانا چاہتی ہے۔ اس پر کسی سماچار پر کے پرتی ندھی نے پوچھا ہی لیا کہ—”چین کی مثال کے خلاف“ کیا بھارت سرکار آجکل آپریٹ اور دوسرے دیہی علاج کے طریقوں کو الگ طریقوں کی حیثیت سے بڑھاوا نہیں دے رہی ہے؟“ راجکماری نے مانا کہ سرکار بڑھاوا دے رہی ہے پر اسے غلطی سوچنا کرتے ہوئے راجکماری نے اس پر دھ پرکٹ کیا! کسی نے انہیں بتایا کہ حال میں یونین کوننگ مینسٹر شری گولچاری لال نندا نے آئیوے

اور ہومیوپیتھی کے پکھ میں رات ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ علاج کے یہ دونوں طریقے ایلوپیتھک طریقے سے سست ہیں اور کارگر ہیں یعنی لوگ ان سے اچھے ہوتے ہیں۔ راجکماری نے اس پر صاف کہا:—”میں شری لنڈا کی رائے سے اتفاق نہیں کرتی۔“ ”ایروید“ یونانی اور ہومیوپیتھی جیسے علاجوں کو سرکار جو کچھ بھی بڑھاوا یا مدد دے رہی ہے وہ راجکماری کی رائے میں غلط ہے! راجکماری نے اس بات پر بھی دم پرکٹ کیا کہ سوسائٹی کے معاملے میں الگ الگ پرائنٹ یا پردہس چونکہ آزاد ہیں اس لئے یونین سرکار انہیں اس طرح کی غلطیوں سے نہیں روک سکتی! ظاہر ہے ان کا بس چلے تو وہ سارے بھارت کے لئے ذرا ان جاری کر دیں کہ سوائے ایلوپیتھی کے ان سب اور ’نصولیات‘ کو بند اور ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس پر بھی استغش پرکٹ کیا کہ پرائنٹوں کی سرکاری کافی بڑی بڑی ڈانڈواہیں دیکر سچ میج ’یوکیہ‘ ڈانڈروں کو ’گلوں گلوں‘ میں نیکٹ نہیں کر رہی ہیں!

راجکماری نے اسی طرح کی اور بھی کچھ باتیں نہیں جن پر ہمیں اس سے کہیں ادھک دھوا جتنا راجکماری کو شری گزاری لال لنڈا کے بیان پر یا سرکار یا سرکاروں کے ایلوپیتھی کے علاوہ علاج کے دوسرے طریقوں کو بڑھاوا دینے پر ہے۔ ان سب باتوں پر ہم کبول ’انڈاھی‘ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم راجکماری بہن سے بالکل اسہمت ہیں۔ چین میں وہاں کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف فنی چینی سرکار کا کیا رخ ہے یہ ایک صاف اور سیدھا سوال ہے۔ پینکگ سے انگریزی بھاشا میں ایک ماسک پٹریکا نکلتی ہے ’China Reconstructs‘ اترہات ’نئے چین‘ کی پھر سے تعمیر! اس میں وہاں کی سرکار بڑے گرو کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ وہ اپنے دیس کی نئے سرے سے تعمیر کس کس طرح کر رہی ہے، اور کیا کیا کر رہی ہے۔ اس پٹریکا کا حال کا انک راجکماری کی بات چیت کے ساتھ ساتھ ہمیں ملا ہے۔ سوہاگیتھ سے اس میں چینی ودوان لی تاؤ کا ایک بڑا سندہ لیکم The Story of Chinese Medicine اترہات ’چینی علاج کی کہانی‘ پر ہے۔ ہم اس پورے لیکم کا ہندستانی انواد ’’نہانند‘‘ میں دوسری جگہ دے رہے ہیں۔ اس لیکم سے پاتھوں کو پتہ چلا کہ نئی چینی سرکار اپنے یہاں کے علاج کے پرانے طریقے کی کتنی قدر کرتی ہے، اُسے کتنا بڑھاوا دیتی ہے، اُسے ختم کرنے کے بجائے کس طرح اُسے امر بنانے کی فکر میں ہے، اپنی پرانی ویدک ودیا پر پرانی کتابوں کے لئے ایڈیشن نکال رہی ہے، یوجنائیں بنا رہی ہے کہ پرانے علاج کے طریقے دیس کے میڈیکل کالجوں میں سکھائے جائیں اور ان کی کتابیں سب کو پڑھائی جائیں۔ وہ نئی پچھلی ڈانڈری کو پرانی ویدیک ودیا کی جگہ دینا نہیں چاہتی بلکہ

اور ہومیوپیتھی کے پکھ میں رات ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ علاج کے یہ دونوں طریقے ایلوپیتھک طریقے سے سست ہیں اور کارگر ہیں یعنی لوگ ان سے اچھے ہوتے ہیں۔ راجکماری نے اس پر صاف کہا:—”میں شری لنڈا کی رائے سے اتفاق نہیں کرتی۔“ ”ایروید“ یونانی اور ہومیوپیتھی جیسے علاجوں کو سرکار جو کچھ بھی بڑھاوا یا مدد دے رہی ہے وہ راجکماری کی رائے میں غلط ہے! راجکماری نے اس بات پر بھی دم پرکٹ کیا کہ سوسائٹی کے معاملے میں الگ الگ پرائنٹ یا پردہس چونکہ آزاد ہیں اس لئے یونین سرکار انہیں اس طرح کی غلطیوں سے نہیں روک سکتی! ظاہر ہے ان کا بس چلے تو وہ سارے بھارت کے لئے ذرا ان جاری کر دیں کہ سوائے ایلوپیتھی کے ان سب اور ’نصولیات‘ کو بند اور ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس پر بھی استغش پرکٹ کیا کہ پرائنٹوں کی سرکاری کافی بڑی بڑی ڈانڈواہیں دیکر سچ میج ’یوکیہ‘ ڈانڈروں کو ’گلوں گلوں‘ میں نیکٹ نہیں کر رہی ہیں!

راجکماری نے اسی طرح کی اور بھی کچھ باتیں نہیں جن پر ہمیں اس سے کہیں ادھک دھوا جتنا راجکماری کو شری گزاری لال لنڈا کے بیان پر یا سرکار یا سرکاروں کے ایلوپیتھی کے علاوہ علاج کے دوسرے طریقوں کو بڑھاوا دینے پر ہے۔ ان سب باتوں پر ہم کبول ’انڈاھی‘ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم راجکماری بہن سے بالکل اسہمت ہیں۔ چین میں وہاں کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف فنی چینی سرکار کا کیا رخ ہے یہ ایک صاف اور سیدھا سوال ہے۔ پینکگ سے انگریزی بھاشا میں ایک ماسک پٹریکا نکلتی ہے ’China Reconstructs‘ اترہات ’نئے چین‘ کی پھر سے تعمیر! اس میں وہاں کی سرکار بڑے گرو کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ وہ اپنے دیس کی نئے سرے سے تعمیر کس کس طرح کر رہی ہے، اور کیا کیا کر رہی ہے۔ اس پٹریکا کا حال کا انک راجکماری کی بات چیت کے ساتھ ساتھ ہمیں ملا ہے۔ سوہاگیتھ سے اس میں چینی ودوان لی تاؤ کا ایک بڑا سندہ لیکم The Story of Chinese Medicine اترہات ’چینی علاج کی کہانی‘ پر ہے۔ ہم اس پورے لیکم کا ہندستانی انواد ’’نہانند‘‘ میں دوسری جگہ دے رہے ہیں۔ اس لیکم سے پاتھوں کو پتہ چلا کہ نئی چینی سرکار اپنے یہاں کے علاج کے پرانے طریقے کی کتنی قدر کرتی ہے، اُسے کتنا بڑھاوا دیتی ہے، اُسے ختم کرنے کے بجائے کس طرح اُسے امر بنانے کی فکر میں ہے، اپنی پرانی ویدک ودیا پر پرانی کتابوں کے لئے ایڈیشن نکال رہی ہے، یوجنائیں بنا رہی ہے کہ پرانے علاج کے طریقے دیس کے میڈیکل کالجوں میں سکھائے جائیں اور ان کی کتابیں سب کو پڑھائی جائیں۔ وہ نئی پچھلی ڈانڈری کو پرانی ویدیک ودیا کی جگہ دینا نہیں چاہتی بلکہ

دونوں کے میل سے ایک نیا سمندری یا سنگم بنانا چاہی ہے جس سے چین کی سرکار کو یقین ہے کہ کھول چھین ہی کے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کے ساتھ کو بہت برا لاہ ہوگا۔ اُس لیے سے پانچوں کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اپنے دیہی کے علاج کے پرانے طریقوں کی طرف اور ایلو پیٹھی کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں کی طرف رجحان کی طرف کور اور ان کے ہم خیال شاکسوں کا ٹھیک دھبی رخ ہے جو چھانگ کانی شہک کے شاسن کے دنوں میں کومنگانگ شاکسوں کا چین کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف تھا۔ نئی چینی سرکا کا رخ اس معاملے میں بالکل دوسرا اور کہیں ادھک سمجھداری کا ہے۔

دلی کے چینی دوتاؤس سے بھی انگریزی سماچار بولتین نکلتا ہے۔ اُس کے دو نمبر سنہ 55ء کے انک میں مشہور چینی نیوز ایجنسی Hsinhua News کی طرف سے انسیفیلائٹس (Encephalitis) نام کی بیماری کے بارے میں، جس میں دماغ کے اندر سوجن آجاتی ہے اور جس کا ٹھیک ٹھیک کارن یا علاج ایلو پیٹھک ڈاکٹروں کو بھی نہیں سوجھا، نیچے لکھی خبر اسی سرنامہ کے ساتھ چھپی ہے:—

“اینسےفیلائٹس کے علاج میں کامیابی”

“چین کے اسسٹینٹ مینسٹر آف پبلک ہیلتھ شری کوٹزو-ہوآ نے 20 اکتوبر کے پبلیک کے سرکاری اخبار “پیپلس ڈیلی” میں ایک خاص لکھ میں بیان کیا ہے کہ اس سال جولائی اور اگست کے مہینوں میں انسیفیلائٹس کے روگ کے بیس روگی دیکھے گئے جن میں نوے فیصدی چین کے پرانے علاج کے طریقے سے اچھے ہو گئے۔

“ڈاکٹروں کا ایک گروہ تھا جن میں نئی پچھلی ڈیننگ کے چینی ڈاکٹر اور پرانے ڈیننگ کے چینی ڈاکٹر دونوں شامل تھے۔ اُس کے نیٹا تھے جن سواستہ کے نائب وزیر شری کوٹزو-ہوآ۔ ان لوگوں نے پچھلے اگست کے مہینے میں شہی چھا چوان کے ایک اسپتال میں جاکر انسیفیلائٹس کے علاج کا ادھن کیا۔

“نائب وزیر نے کہا ہے کہ ہم نے جن بیس روگیوں کو دیکھا ان کی عمریں چھ مہینے سے لیکر اکتھ سال تک کی تھیں۔ ان بیس روگیوں میں سے کھول تھیں مرے۔ ان تین میں سے ایک کو کچھ دوسری بیماریاں بھی تھیں۔ نائب وزیر نے یہ بھی کہا ہے کہ پچھلے سال اس اسپتال میں اسی طرح اکتھس روگیوں کا علاج کیا گیا تھا جن میں آدھے سے ادھک کی حالت بہت گھبر تھی۔ اسی علاج سے سو فیصدی یعنی سب کے سب اچھے ہو گئے۔

“کوٹزو-ہوآ نے دیکھا کہ پرانی چینی ویدک کی کتابوں میں اس بیماری (انسیفیلائٹس) کا ذکر ہے اور شہی چھا چوان کے اسپتال میں پرانے چینی ڈیننگ سے اس روگ

دلی کے چینی دوتاؤس سے بھی انگریزی سماچار بولتین نکلتا ہے۔ اُس کے دو نمبر سنہ 55ء کے انک میں مشہور چینی نیوز ایجنسی Hsinhua News کی طرف سے انسیفیلائٹس (Encephalitis) نام کی بیماری کے بارے میں، جس میں دماغ کے اندر سوجن آجاتی ہے اور جس کا ٹھیک ٹھیک کارن یا علاج ایلو پیٹھک ڈاکٹروں کو بھی نہیں سوجھا، نیچے لکھی خبر اسی سرنامہ کے ساتھ چھپی ہے:—

“انسیفیلائٹس کے علاج میں کامیابی”

چین کے اسسٹینٹ مینسٹر آف پبلک ہیلتھ شری کوٹزو-ہوآ نے 20 اکتوبر کے پبلیک کے سرکاری اخبار “پیپلس ڈیلی” میں ایک خاص لکھ میں بیان کیا ہے کہ اس سال جولائی اور اگست کے مہینوں میں انسیفیلائٹس کے روگ کے بیس روگی دیکھے گئے جن میں نوے فیصدی چین کے پرانے علاج کے طریقے سے اچھے ہو گئے۔

“ڈاکٹروں کا ایک گروہ تھا جن میں نئی پچھلی ڈیننگ کے چینی ڈاکٹر اور پرانے ڈیننگ کے چینی ڈاکٹر دونوں شامل تھے۔ اُس کے نیٹا تھے جن سواستہ کے نائب وزیر شری کوٹزو-ہوآ۔ ان لوگوں نے پچھلے اگست کے مہینے میں شہی چھا چوان کے ایک اسپتال میں جاکر انسیفیلائٹس کے علاج کا ادھن کیا۔

“نائب وزیر نے کہا ہے کہ ہم نے جن بیس روگیوں کو دیکھا ان کی عمریں چھ مہینے سے لیکر اکتھ سال تک کی تھیں۔ ان بیس روگیوں میں سے کھول تھیں مرے۔ ان تین میں سے ایک کو کچھ دوسری بیماریاں بھی تھیں۔ نائب وزیر نے یہ بھی کہا ہے کہ پچھلے سال اس اسپتال میں اسی طرح اکتھس روگیوں کا علاج کیا گیا تھا جن میں آدھے سے ادھک کی حالت بہت گھبر تھی۔ اسی علاج سے سو فیصدی یعنی سب کے سب اچھے ہو گئے۔

“کوٹزو-ہوآ نے دیکھا کہ پرانی چینی ویدک کی کتابوں میں اس بیماری (انسیفیلائٹس) کا ذکر ہے اور شہی چھا چوان کے اسپتال میں پرانے چینی ڈیننگ سے اس روگ

کا جو इलाज किया गया वह अठारहवीं सदी के एक चीनी इकीम यू शिह-यू की एक किताब के आधार पर था."

हम मानते हैं कि पच्छिम की ऐलोपैथिक डाक्टरी से भी हम बहुत कुछ फायदा उठा सकते हैं, हमें उठाना चाहिये और चीनी भी उस से पूरा पूरा फायदा उठा रहे हैं. नई और पुरानी हर चीज से हमें जो लाभ मिल सकता हो लेना चाहिये. पर हमें वैद्यक और यूनानी जैसे अपने पुराने तरीकों और होमियोपैथी, नैचुरोपैथी जैसे दूसरे नए तरीकों को भी हर तरह का मौका और बढ़ावा देना चाहिये और उनसे पूरा लाभ उठाना चाहिये. भारत जैसे देशों की जनता के लिये यही कल्याण का माग है. इसके खिलाफ पक्षपात संकीर्णता है, नासमझी है और देश की करोड़ों गरीब जनता के साथ और खुद विद्या के साथ अन्याय है.

5-11-55

—सुन्दरलाल

समझ की खूबी

बोड़े दिन हुए मध्यभारत के उत्तरी हिस्से में पुलिस और डाकुओं के एक गिरोह का मुकाबिला हुआ. उसमें दोनों तरफ के कई आदमियों की जानें गईं. जाने वालों में डाकू भी बताया जाता था जिसकी बहुत दिनों से तलाश थी और जिसकी गिरफ्तारी या मौत के लिये हजारों रुपयों की बाजी लगाई गई थी.

इस घटना के बाद मरने वाले की लाश का फोटो सरकार की तरफ से अखबारों में भेजा और छपाया गया. उसके बदन पर रस्सियां बंधी थीं, और भी निशान थे. चेहरा देखने में कोई ऐसा भयानक तो लगता नहीं था कि कई प्रदेशों की सरकारें उससे डरा करें या पुलिस वाले उसका पीछा करने से घबराया करें. लेकिन कोई ऐसी सुन्दर चीज भी नहीं थी कि जिसकी अच्छी या मीठी छाप देखने वालों पर पड़ती. शायद मध्यभारत की सरकार ने अपने निजाम का इसे सबसे बड़ा कारनामा समझा और उसका ज्यादा से ज्यादा प्रोपेगन्डा कराकर बाहवाही खूटने की कोशिश की. आजकल के वैज्ञानिक जमाने में, हुकूमतों या सरकारों का इस तरह एक व्यक्ति पर लट्टू हो जाना कोई ज्यादा बहादुरी नहीं मानी जायेगी. और न इसमें राजनीतिक दूरअवैशी ही है.

लेकिन हमें ज्यादा ताज्जुब तो तब हुआ जब हमने मध्यभारत के पुलिस मिनिस्टर का एक बयान पढ़ा. इसमें उन्होंने कहा कि मैंने कसम खाई थी कि अगर एक साल के अंदर वह (मरने वाला) नहीं मारा जाता है तो मैं मिनिस्त्री से इस्तीफा दे दूंगा. हमें पता नहीं कि उन्होंने अपना यह इरादा इस घटना के पहले जाहिर किया था या नहीं. अगर

का जो علاج کیا گیا وہ اٹھارہویں صدی کے ایک چینی حکیم یو . شہ . یو کی ایک کتاب کے आधार پر تھا .

ہم مانتے ہیں کہ پچھم کی ایلوپیتھک ڈاکٹری سے بھی ہم بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ہمیں اٹھانا چاہئے اور چینی بھی اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں . نئی اور پرانی ہر چیز سے ہمیں جو فائدہ مل سکتا ہو لینا چاہئے . پر ہمیں ہندک اور یونانی جیسے اپنے پرانے طریقوں اور ہومیوپیتھی، نیچورو پیتھی جیسے دوسرے نئے طریقوں کو بھی ہر طرح کا موقع اور بڑھاوا دینا چاہئے اور ان سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے . بھارت جیسے دیہوں کی جنگا کے لئے بھی کلہاں کا مارگ ہے . اس کے خلاف پکشتات سلہکرتا ہے، ناسمجھی ہے اور دیہی کی کروڑوں غریب جنگا کے ساتھ اور خود ویدیا کے ساتھ اٹھائے ہے.

—سندھلال

5.11.55

سمجھ کی خوبی

تھوڑے دن ہوئے مدھیہ بھارت کے اتری حصے میں پولس اور ڈاکوؤں کے ایک گروہ کا مقابلہ ہوا . اس میں دونوں طرف کے کئی آدمیوں کی جانیں گئیں، جانے والوں میں ایک ڈاکو بھی بتایا جاتا تھا جس کی بہت دنوں سے تلاش تھی اور جس کی گرفتاری یا موت کے لئے ہزاروں روپیوں کی بازی لگائی گئی تھی .

اس گھٹنا کے بعد مرنے والے کی لاش کا نوٹو سرکار کی طرف سے اخباروں میں بھیجا اور چھپایا گیا . اس کے بدن پر دسٹیاں بندھی تھیں، اور بھی نشان تھے . چہرہ دیکھنے میں کوئی ایسا بھانک تو لگتا نہیں تھا کہ کئی پردیشوں کی سرکاریں اس سے ڈرا کریں یا پولس والے اس کا پیچھا کرتے سے گھبرایا کریں . لیکن کوئی ایسی سندر چیز بھی نہیں تھی کہ جس کی اچھی یا مٹیھی چھاپ دیکھنے والے پر پڑتی . شاید مدھیہ بھارت کی سرکار نے اپنے نظام کا اسے سب سے بڑا کارنامہ سمجھا اور اس کا زیادہ سے زیادہ پروپےگنڈا کرانر واہ وادی لوٹنے کی کشش کی . آجکل کے ویکھانک زمانے میں، حکومتوں یا سرکاروں کا اس طرح ایک ویکتی پر لٹو ہو جانا کوئی زیادہ بھاندی نہیں مانی جائیگی . اور نہ اس میں راجنیک دور - اندیشی ہی ہے .

لیکن ہمیں زیادہ تعجب تو تب ہوا جب ہم نے مدھیہ بھارت کے پولس منسٹر کا ایک بیان پڑھا . اس میں انہوں نے کہا کہ میں نے تم کھائی تھی کہ اگر ایک سال کے اندر وہ (مرنے والا) نہیں مارا جاتا ہے تو میں منسٹری سے استعفی دے دوںگا . ہمیں پتہ نہیں کہ انہوں نے اپنا یہ ارادہ اس گھٹنا کے پہلے ظاہر کیا تھا یا نہیں . اگر

آہیر کیا تھا تو انہیں بدھائی کی امید کوئی چاہئے اور وہ ہم بھی دے دیئے۔ اگر نہیں ظاہر کیا تھا تو وہ چاہئے کہ 'چند سواروں' میں اُن کا نام بھی درج کر لیا جائے۔ سو ایسا کر لیا میں کسی کا کیا کہتا جاتا ہے؟ پر منسٹر صاحب اپنی قسم بتا کر ہی نہیں رہ گئے۔ انہوں نے (یا شاید اُن کے کسی کو لگے) یہ بھی کہا کہ آزادی کے بعد مدھیہ بھارت کی یہ سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ یہی نہیں 'مدھیہ بھارت'—'وشیش کر گوالہر'، 'بھنڈ'، 'موریل' اور 'اُس' پلس کے لوگ—اب یہ سچ سچ محسوس کر لیتے کہ انہیں آزادی حاصل ہوئی!

ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مدھیہ بھارت میں—منسٹر صاحب کی نگاہ سے—آزادی کا چراغ اب روشن ہوا۔ پر ہم اسے سچ مانتے لیتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ مانتے لیتے ہیں کہ یہ مدھیہ بھارت کی ان کئی برسوں کی سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ پر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مدھیہ بھارت میں جو 'وکاس' نام سے انہیک یوجناں چل رہی ہیں، تو کیا وہ کھول گھٹ پر ہیں؟ کیا ان یوجناؤں کا کوئی واسطہ مدھیہ بھارت کے جنوں سے نہیں ہے؟ اگر ایک ایک آدمی کی زندگی یا موت پر پورے علاقے کی آزادی یا غلامی منحصر تھی تو ہم جاننا چاہتے کہ اُس کے پیچھے ساری طاقت کیوں نہیں لگا دی گئی؟ اُس وقت تک یوجناؤں کا نائک کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اور نہ اب رنگ بھوم میں ضرورت رہ جاتی ہے جب وہ آزادی حاصل ہوگئی جس کے لئے مدھیہ بھارت کے لوگوں کو—اگر منسٹر صاحب کی باتوں پر ہم وہ اُس کریں—بڑی لالسا تھی۔ منسٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مرنے والے کو زندہ پکڑنا تو اس وجہ سے مشکل تھا کہ اُسے اپنے علاقے کے لوگوں کی ہمدردی حاصل تھی۔ کوئی اُس کا راز بتاتا ہی نہیں تھا۔ تو کیا اس سے ہم یہ سمجھیں کہ اُس علاقے میں سرکار سے زیادہ اثر اُس ایک آدمی کا تھا اور اُس نے عام یا غریب جتنا پر اپنا جادو کر رکھا تھا؟ تب پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس کے چلے جانے کے معنے یہ ہو گئے کہ مانو اُس علاقے کے لوگوں کو آزادی حاصل ہوگئی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ منسٹر صاحب کی سمجھ کی کیا تعریف کریں۔

شاید جانے والے کی موت پر منسٹر صاحب خوشی سے بھولے نہ سمائے اور آپ سے باہر ہو گئے۔ ایسے موقع پر تل کا تار کڑدینا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن جب ایک منسٹر کی ہی بات میں وزن نہ ہوگا تو کون اُس کا لحاظ کریگا اور تب کیسے کوئی حکومت قوی رہ سکتی ہے۔ مرنے والا چلا ہی گیا۔ ہمیں اُس سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ نہ ہم بھی جانتے ہیں کہ اُس کا کہل، کیسا

ظاہر کیا تھا تو انہیں بدھائی کی امید کوئی چاہئے اور وہ ہم بھی دے دیئے۔ اگر نہیں ظاہر کیا تھا تو وہ چاہئے کہ 'چند سواروں' میں اُن کا نام بھی درج کر لیا جائے۔ سو ایسا کر لیا میں کسی کا کیا کہتا جاتا ہے؟ پر منسٹر صاحب اپنی قسم بتا کر ہی نہیں رہ گئے۔ انہوں نے (یا شاید اُن کے کسی کو لگے) یہ بھی کہا کہ آزادی کے بعد مدھیہ بھارت کی یہ سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ یہی نہیں 'مدھیہ بھارت'—'وشیش کر گوالہر'، 'بھنڈ'، 'موریل' اور 'اُس' پلس کے لوگ—اب یہ سچ سچ محسوس کر لیتے کہ انہیں آزادی حاصل ہوئی!

ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مدھیہ بھارت میں—منسٹر صاحب کی نگاہ سے—آزادی کا چراغ اب روشن ہوا۔ پر ہم اسے سچ مانتے لیتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ مانتے لیتے ہیں کہ یہ مدھیہ بھارت کی ان کئی برسوں کی سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ پر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مدھیہ بھارت میں جو 'وکاس' نام سے انہیک یوجناں چل رہی ہیں، تو کیا وہ کھول گھٹ پر ہیں؟ کیا ان یوجناؤں کا کوئی واسطہ مدھیہ بھارت کے جنوں سے نہیں ہے؟ اگر ایک ایک آدمی کی زندگی یا موت پر پورے علاقے کی آزادی یا غلامی منحصر تھی تو ہم جاننا چاہتے کہ اُس کے پیچھے ساری طاقت کیوں نہیں لگا دی گئی؟ اُس وقت تک یوجناؤں کا نائک کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اور نہ اب رنگ بھوم میں ضرورت رہ جاتی ہے جب وہ آزادی حاصل ہوگئی جس کے لئے مدھیہ بھارت کے لوگوں کو—اگر منسٹر صاحب کی باتوں پر ہم وہ اُس کریں—بڑی لالسا تھی۔ منسٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مرنے والے کو زندہ پکڑنا تو اس وجہ سے مشکل تھا کہ اُسے اپنے علاقے کے لوگوں کی ہمدردی حاصل تھی۔ کوئی اُس کا راز بتاتا ہی نہیں تھا۔ تو کیا اس سے ہم یہ سمجھیں کہ اُس علاقے میں سرکار سے زیادہ اثر اُس ایک آدمی کا تھا اور اُس نے عام یا غریب جتنا پر اپنا جادو کر رکھا تھا؟ تب پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس کے چلے جانے کے معنے یہ ہو گئے کہ مانو اُس علاقے کے لوگوں کو آزادی حاصل ہوگئی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ منسٹر صاحب کی سمجھ کی کیا تعریف کریں۔

شاید جانے والے کی موت پر منسٹر صاحب خوشی سے بھولے نہ سمائے اور آپ سے باہر ہو گئے۔ ایسے موقع پر تل کا تار کڑدینا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن جب ایک منسٹر کی ہی بات میں وزن نہ ہوگا تو کون اُس کا لحاظ کریگا اور تب کیسے کوئی حکومت قوی رہ سکتی ہے۔ مرنے والا چلا ہی گیا۔ ہمیں اُس سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ نہ ہم بھی جانتے ہیں کہ اُس کا کہل، کیسا

بکسر ہے۔ ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ اُس کا چل جانا بہت اچھا ہوا۔ لیکن اُس چیز کو ایک تاریخی مہم دینا اور اُس کو اتنی شہرت دینا کسی بھی طرح سے جائز نہیں۔

ایک بات اور بھی ہے۔ مسئلہ مراد ہے کہ کجس کا بے باک چور۔ تو آج جو ہمارے دیش میں چوریاں، ڈاکے بڑے رہے ہیں، کیا اسکے لیے ہمارے یہاں کا آئینی اور سماجی ڈاکہ جیمہ دار نہیں ہے؟ جب آئے دن پورانی دستکاریاں مٹائی جائیں گی، کریکر لوگوں کی روٹی ماری جائے گی—تب چوریاں اور ڈاکے نہیں بڑھیں گی تو اور کیا ہوگا؟ جب ہمارے یہاں آدیر کی اور نیچے کی تنخواہوں میں، آدیر کی اور نیچے کی آمدنیوں میں سینکڑوں اور ہزاروں کا فرق رہے گا، جب سماج میں دھلی کا دھن بڑھنے اور دھلی کا دھن—تو سرکار اور پرچا میں تنازع بڑھنے کی اور آدمی وہ وہ کام کرنے پر مجبور ہوگا جنہیں وہ غلط اور نامناسب سمجھتا ہے۔ اگر ذرا باریک نگاہ سے دیکھیں تو کیا ہمارے سینکڑوں دیپاری، منسٹر، جج، وکیل اور پروفیسر دن کے ڈاکو یا لٹیرے نہیں ٹھہرائے جائیں گے۔ یہ تو انسانی کی بات ہے کہ دن دھارے کی چوری دیکھنے کو سہیلتا، شرافت اور پرچاؤنگ کا نام دے دیا گیا ہے۔ ان بہادروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور جو بیچارے مجبوری سے رات میں اپنی گھر کھوجتے پھرتے ہیں انہیں سماج میں بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ دن والے اچھے ہیں اور رات والے برے؟

ہمیں یہاں رام کرشن پرم ہنس کی کہی ایک کथा یاد آ رہی ہے۔ ایک بار وہ سالانہ تہہ کہ کسی بڑے مندر کے پاس ہی ایک ویشیا رہتی تھی۔ مندر کے پوجاری بڑے بھگت مانے جاتے تھے۔ دن رات پوجا پات میں لگے رہتے اور کیرتن کرتے تھے۔ ان کے ج्ञان، ان کے گالے اور ان کے دھرم-نیم کی تریف بھی بہت تھی۔ ویشیا پوجاری کا کہنا ہی تھا، ویشیا ٹھہری۔ کسی طرح دن کاٹتی تھی۔ ہونہار کی بات کہ بڑے پوجاری جی اور اُس ویشیا کی موت ایک ہی گھڑی میں ہوئی تو دونوں کو لوانے ہم راج کے دوت پہنچے۔ پندت نے اُن سے پوچھا—”مجھے کہاں جانا ہے؟“ جواب دیا گیا—”نرک جانا ہے۔“ پندت جی نے اُن سے کہا—”نرک جانا ہے؟“ اور اُس چوڑیل (ویشیا) کو کہاں لے جاؤ گے؟“ دونوں نے کہا—”سورگ میں۔“ اب تو پندت جی کا پارہ اور بھی چڑھ گیا اور بولے—”یہ اندھیر نہیں چل سکتا۔ میں جاؤں نرک میں اور وہ ویشیا کی ذات جاتے سورگ میں! ضرور تمہارے گھڑوں میں کچھ اندراج غلط ہو گئے ہوں۔ ضرور کہیں دھوکا ہوا ہے۔ جاؤ تھیک سے تحقیقات کر کے آؤ کہ کسے کہاں لیجانا ہے۔“

ایک بات اور بھی ہے۔ مسئلہ مراد ہے کہ کجس کا بے باک چور۔ تو آج جو ہمارے دیش میں چوریاں، ڈاکے بڑے رہے ہیں، کیا اسکے لیے ہمارے یہاں کا آئینی اور سماجی ڈاکہ جیمہ دار نہیں ہے؟ جب آئے دن پورانی دستکاریاں مٹائی جائیں گی، کریکر لوگوں کی روٹی ماری جائے گی—تب چوریاں اور ڈاکے نہیں بڑھیں گی تو اور کیا ہوگا؟ جب ہمارے یہاں آدیر کی اور نیچے کی تنخواہوں میں، آدیر کی اور نیچے کی آمدنیوں میں سینکڑوں اور ہزاروں کا فرق رہے گا، جب سماج میں دھلی کا دھن بڑھنے اور دھلی کا دھن—تو سرکار اور پرچا میں تنازع بڑھنے کی اور آدمی وہ وہ کام کرنے پر مجبور ہوگا جنہیں وہ غلط اور نامناسب سمجھتا ہے۔ اگر ذرا باریک نگاہ سے دیکھیں تو کیا ہمارے سینکڑوں دیپاری، منسٹر، جج، وکیل اور پروفیسر دن کے ڈاکو یا لٹیرے نہیں ٹھہرائے جائیں گے۔ یہ تو انسانی کی بات ہے کہ دن دھارے کی چوری دیکھنے کو سہیلتا، شرافت اور پرچاؤنگ کا نام دے دیا گیا ہے۔ ان بہادروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور جو بیچارے مجبوری سے رات میں اپنی گھر کھوجتے پھرتے ہیں انہیں سماج میں بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ دن والے اچھے ہیں اور رات والے برے؟

ہمیں یہاں رام کرشن پرم ہنس کی کہی ایک کथा یاد آ رہی ہے۔ ایک بار وہ سالانہ تہہ کہ کسی بڑے مندر کے پاس ہی ایک ویشیا رہتی تھی۔ مندر کے پوجاری بڑے بھگت مانے جاتے تھے۔ دن رات پوجا پات میں لگے رہتے اور کیرتن کرتے تھے۔ ان کے ج्ञان، ان کے گالے اور ان کے دھرم-نیم کی تریف بھی بہت تھی۔ ویشیا پوجاری کا کہنا ہی تھا، ویشیا ٹھہری۔ کسی طرح دن کاٹتی تھی۔ ہونہار کی بات کہ بڑے پوجاری جی اور اُس ویشیا کی موت ایک ہی گھڑی میں ہوئی تو دونوں کو لوانے ہم راج کے دوت پہنچے۔ پندت نے اُن سے پوچھا—”مجھے کہاں جانا ہے؟“ جواب دیا گیا—”نرک جانا ہے۔“ پندت جی نے اُن سے کہا—”نرک جانا ہے؟“ اور اُس چوڑیل (ویشیا) کو کہاں لے جاؤ گے؟“ دونوں نے کہا—”سورگ میں۔“ اب تو پندت جی کا پارہ اور بھی چڑھ گیا اور بولے—”یہ اندھیر نہیں چل سکتا۔ میں جاؤں نرک میں اور وہ ویشیا کی ذات جاتے سورگ میں! ضرور تمہارے گھڑوں میں کچھ اندراج غلط ہو گئے ہوں۔ ضرور کہیں دھوکا ہوا ہے۔ جاؤ تھیک سے تحقیقات کر کے آؤ کہ کسے کہاں لیجانا ہے۔“

ہمیں یہاں رام کرشن پرم ہنس کی کہی ایک کथा یاد آ رہی ہے۔ ایک بار وہ سالانہ تہہ کہ کسی بڑے مندر کے پاس ہی ایک ویشیا رہتی تھی۔ مندر کے پوجاری بڑے بھگت مانے جاتے تھے۔ دن رات پوجا پات میں لگے رہتے اور کیرتن کرتے تھے۔ ان کے ج्ञان، ان کے گالے اور ان کے دھرم-نیم کی تریف بھی بہت تھی۔ ویشیا پوجاری کا کہنا ہی تھا، ویشیا ٹھہری۔ کسی طرح دن کاٹتی تھی۔ ہونہار کی بات کہ بڑے پوجاری جی اور اُس ویشیا کی موت ایک ہی گھڑی میں ہوئی تو دونوں کو لوانے ہم راج کے دوت پہنچے۔ پندت نے اُن سے پوچھا—”مجھے کہاں جانا ہے؟“ جواب دیا گیا—”نرک جانا ہے۔“ پندت جی نے اُن سے کہا—”نرک جانا ہے؟“ اور اُس چوڑیل (ویشیا) کو کہاں لے جاؤ گے؟“ دونوں نے کہا—”سورگ میں۔“ اب تو پندت جی کا پارہ اور بھی چڑھ گیا اور بولے—”یہ اندھیر نہیں چل سکتا۔ میں جاؤں نرک میں اور وہ ویشیا کی ذات جاتے سورگ میں! ضرور تمہارے گھڑوں میں کچھ اندراج غلط ہو گئے ہوں۔ ضرور کہیں دھوکا ہوا ہے۔ جاؤ تھیک سے تحقیقات کر کے آؤ کہ کسے کہاں لیجانا ہے۔“

पंडित जी के हुक्म पर दूत यमराज के पास लौटे और सब हाल कह सुनाया। यमराज ने उन्हें समझा दिया कि पहले बाला फैसला ही सही है। दूतों ने फरमान पंडित जी को सुना दिया। पंडित जी के काटो तो खून नहीं। लेकिन पंडित जी जो ठहरे, फिर खिद की और बोले कि, “मेरी समझ में नहीं आता तुम लोगों की हरकत क्या है। आखिर कोई बजह भी है जो मेरे साथ यह अन्याय हो रहा है। दुनिया में मेरी इज्जत है, मेरी अर्थी किस शान के साथ उठेगी, नगर का कोई बड़ा आदमी ऐसा नहीं है जो उसमें शरीक न हो। मेरा तो यह हाल। लेकिन उस चुड़ैल को वहाँ ले जाओगे और यहाँ उसे कोई पूछता तक नहीं। उस की लाश को उठाने वाला भी कोई नहीं। कुत्ते और कौबे खायेंगे।” यह सुन कर दूतों में जो सब से बुजुर्ग थे उन्होंने ने कहा, “पंडितजी! आप सही कह रहे हैं। दुनिया वाले आपकी बहुत भक्ति व इज्जत करते हैं और उस बेचारी को निची निगाह से देखते हैं। लेकिन इन दुनिया वालों को किसी के दिल के अन्दर का हाल क्या मालूम? वह तो बाहर का रूप-रंग देखते हैं और उसी के झुलावे में रहते हैं। पर मैं आप से पूछता हूँ। आप अपना दिल टटोल कर देखिये। आप ही कहिये कि किया आप उस वैश्या के जीवन पर ईर्ष्या की निगाह से नहीं देखते थे? उसे देख कर आप के हृदय में वासना की लपट नहीं उठती थी? आप यही चाहते रहे कि कहाँ पूजा-आरती के जंजाल में पड़ गया, ठाठ से उस वैश्या की तरह जीवन बिताता और आनन्द करता। लेकिन वह दुखिया पाप तो करती थी मगर मजबूरी से। समाज में उसके लिये दूसरा चारा नहीं। घर वाले उसे लेते नहीं थे। वह करती तो क्या करती? मगर उसकी नेकी देखिये कि उसे हमेशा आपके जीवन से ईर्ष्या होती थी। वह मन ही मन यही कहा करती कि कब मुझे इस पाप से छुट्टी मिले और आप (पंडितजी) की तरह भक्ति और पूजा की जिन्दगी बिताये। दुख में भी वह भगवान की याद किया करती पर आपको इतना समय कहाँ कि किसी को याद करें।” पंडितजी के पास कोई जवाब नहीं रहा और चुप हो गये।

जैसा हमने ऊपर कहा हम मध्यभारत सरकार को उसके कारनामे पर बर्खास्त देते हैं। मगर उससे इतना जरूर अपेक्षा करेंगे कि वह अपना बैलेंस न खोये, चीजों को उनके सही व असली रंग में देखकर ही लोगों के आगे रखला करे, और मध्यभारत के अन्दर जो आर्थिक असमानता और गरीबी है उसे बुनियाद से दूर करने की कोशिश करे।

—सुरेश रामभाई

पंडित जी के हुक्म पर दूत यमराज के पास लौटे और सब हाल कह सुनाया। यमराज ने उन्हें समझा दिया कि पहले बाला फैसला ही सही है। दूतों ने फरमान पंडित जी को सुना दिया। पंडित जी के काटो तो खून नहीं। लेकिन पंडित जी जो ठहरे, फिर खिद की और बोले कि, “मेरी समझ में नहीं आता तुम लोगों की हरकत क्या है। आखिर कोई बजह भी है जो मेरे साथ यह अन्याय हो रहा है। दुनिया में मेरी इज्जत है, मेरी अर्थी किस शान के साथ उठेगी, नगर का कोई बड़ा आदमी ऐसा नहीं है जो उसमें शरीक न हो। मेरा तो यह हाल। लेकिन उस चुड़ैल को वहाँ ले जाओगे और यहाँ उसे कोई पूछता तक नहीं। उस की लाश को उठाने वाला भी कोई नहीं। कुत्ते और कौबे खायेंगे।” यह सुन कर दूतों में जो सब से बुजुर्ग थे उन्होंने ने कहा, “पंडितजी! आप सही कह रहे हैं। दुनिया वाले आपकी बहुत भक्ति व इज्जत करते हैं और उस बेचारी को निची निगाह से देखते हैं। लेकिन इन दुनिया वालों को किसी के दिल के अन्दर का हाल क्या मालूम? वह तो बाहर का रूप-रंग देखते हैं और उसी के झुलावे में रहते हैं। पर मैं आप से पूछता हूँ। आप अपना दिल टटोल कर देखिये। आप ही कहिये कि किया आप उस वैश्या के जीवन पर ईर्ष्या की निगाह से नहीं देखते थे? उसे देख कर आप के हृदय में वासना की लपट नहीं उठती थी? आप यही चाहते रहे कि कहाँ पूजा-आरती के जंजाल में पड़ गया, ठाठ से उस वैश्या की तरह जीवन बिताता और आनन्द करता। लेकिन वह दुखिया पाप तो करती थी मगर मजबूरी से। समाज में उसके लिये दूसरा चारा नहीं। घर वाले उसे लेते नहीं थे। वह करती तो क्या करती? मगर उसकी नेकी देखिये कि उसे हमेशा आपके जीवन से ईर्ष्या होती थी। वह मन ही मन यही कहा करती कि कब मुझे इस पाप से छुट्टी मिले और आप (पंडितजी) की तरह भक्ति और पूजा की जिन्दगी बिताये। दुख में भी वह भगवान की याद किया करती पर आपको इतना समय कहाँ कि किसी को याद करें।” पंडितजी के पास कोई जवाब नहीं रहा और चुप हो गये।

जैसा हमने ऊपर कहा हम मध्यभारत सरकार को उसके कारनामे पर बर्खास्त देते हैं। मगर उससे इतना जरूर अपेक्षा करेंगे कि वह अपना बैलेंस न खोये, चीजों को उनके सही व असली रंग में देखकर ही लोगों के आगे रखला करे, और मध्यभारत के अन्दर जो आर्थिक असमानता और गरीबी है उसे बुनियाद से दूर करने की कोशिश करे।

—सुरेश रामभाई

گاؤں کی چاہ

گاؤں کی چاہ

حال ہی میں ہمارے راشٹری حیدرآباد گئے تھے۔ وہاں پر، کئی نچدیہ میں، وہ کسٹوربا سمارک نیچ سے دھات میں چلنے والے ایک کینڈر کو بھی دیکھنے گئے۔ بھنوں کے کام کی تارک کرتے دئے انھنے کہا کہ میں رھتا تو جرر شھر میں ہوں لیکن میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپ ہی کی طرح دیہات میں جائز رہوں۔ راشٹری کے دل اور دماغ کی یہ تر بہت یرانی ہے۔ چادل سملن کے موقع پر بھی (مارچ 1953) انھوں نے اے ظاہر کیا تھا۔ اُس گر کے اگانار قائم رھتے ہوئے راشٹری اتنا زیادہ کم سنبھال لیتے رھیں۔ دل اور دماغ کو اس طرح الگ الگ رکھنا کسی معمولی آدمی کے بس کی تو بات ہو یہی نہیں سکتی۔

پر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک طرف جہاں راشٹری نے بھنوں کو اپنے کام میں لکے رھنے کی نیک صلح دی، وہاں دوسری طرف حیدرآباد کو اپنی آپ راجدھانی بنا یا۔ حیدرآباد شھر کے نزدیک جو انگریزی ریڈیڈنٹ کا محل تھا، اُسے کینڈریہ سرکار کی طرف سے لیکر اُسے اپنے حیدرآباد ٹھرنے کا استھان بنایا اور نام دیا راشٹری نیلیم۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انگریزی سرکار کے جہاں دو ٹکالے تھے—نئی دلی اور شملہ، وہاں بھارت سرکار کے تین رھنے—نئی دلی، شملہ اور حیدرآباد۔ ظاہر بات ہے کہ اس سے حکومت کا خرچ اور بھی بڑھ جائیگا اور جنت کو نیا رچہ آٹھانا پڑیگا۔

گلوں کی چاہ رھنے والے راشٹری سے اُمید تو یہ تھی کہ انگریزی سرکار کے دو اقدوں میں سے ایک کو ختم کر کے دیہات کا بھار ہلکا کرتے، لیکن ہو اٹھا ہی رھا ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں اتر پردیش کی ایک خبر کا دھیان ہو آیا۔ پتہ نہیں وہ سچ ہے یا غلط۔ اگر سچ ہے تو بڑی دکھدانی ہے۔ انگریزی راج کال میں یہاں کی جنتا کہا، اُس کے نہتا کیانسنہی انگریزی سرکار کو لعنت بھیجتے تھے کہ وہ نہنی نال میں گرمیوں میں دفترو لہجا کر ناحق خرچ بڑھاتی اور حاتم محکم کے بیچ دیوار کھڑی کرتی ہے۔ ہماری کانگریس سرکار مائو اُس درد کو بھول گئی اور، نہنی نال کی گدی کر بدستور بنائے رکھا۔ شاید اُس کی ایک وجہ یہ بھی رھی ہو کہ یہاں کے پچھلے مکیمہ منتری نہنی نال ضلع کے رھنے والے تھے۔ لیکن اب پتہ چلا ہے کہ اگلی گرمیوں میں اتر پردیش کے نئے مکیمہ منتری اگلے سال گرمیوں میں پندرہ دن یا کچھ سٹم کے لئے دفترو سہت مصوری رھنے اور اس سونی کی جانے والی بستی

پر تاجزوب کی بات رھا ہے کہ ایک طرف جہاں راشٹری نے بھنوں کو اپنے کام میں لکے رھنے کی نیک صلح دی، وہاں دوسری طرف حیدرآباد کو اپنی آپ راجدھانی بنا یا۔ حیدرآباد شھر کے نزدیک جو انگریزی ریڈیڈنٹ کا محل تھا، اُسے کینڈریہ سرکار کی طرف سے لیکر اُسے اپنے حیدرآباد ٹھرنے کا استھان بنایا اور نام دیا راشٹری نیلیم۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انگریزی سرکار کے جہاں دو ٹکالے تھے—نئی دلی اور شملہ، وہاں بھارت سرکار کے تین رھنے—نئی دلی، شملہ اور حیدرآباد۔ ظاہر بات ہے کہ اس سے حکومت کا خرچ اور بھی بڑھ جائیگا اور جنت کو نیا رچہ آٹھانا پڑیگا۔

گلوں کی چاہ رھنے والے راشٹری سے اُمید تو یہ تھی کہ انگریزی سرکار کے دو اقدوں میں سے ایک کو ختم کر کے دیہات کا بھار ہلکا کرتے، لیکن ہو اٹھا ہی رھا ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں اتر پردیش کی ایک خبر کا دھیان ہو آیا۔ پتہ نہیں وہ سچ ہے یا غلط۔ اگر سچ ہے تو بڑی دکھدانی ہے۔ انگریزی راج کال میں یہاں کی جنتا کہا، اُس کے نہتا کیانسنہی انگریزی سرکار کو لعنت بھیجتے تھے کہ وہ نہنی نال میں گرمیوں میں دفترو لہجا کر ناحق خرچ بڑھاتی اور حاتم محکم کے بیچ دیوار کھڑی کرتی ہے۔ ہماری کانگریس سرکار مائو اُس درد کو بھول گئی اور، نہنی نال کی گدی کر بدستور بنائے رکھا۔ شاید اُس کی ایک وجہ یہ بھی رھی ہو کہ یہاں کے پچھلے مکیمہ منتری نہنی نال ضلع کے رھنے والے تھے۔ لیکن اب پتہ چلا ہے کہ اگلی گرمیوں میں اتر پردیش کے نئے مکیمہ منتری اگلے سال گرمیوں میں پندرہ دن یا کچھ سٹم کے لئے دفترو سہت مصوری رھنے اور اس سونی کی جانے والی بستی

کو ہندو-بھرا بنانا ہے۔ اس کے پیچھے کبھی کاروبار ہو سکتے ہیں—
یا تو بھارتیہ یا ساروچنک۔ بھارتیہ یہ کہ انہیں
وہیں سے روک دیا جائے اور اس لئے انہیں مصری
لواس ضروری ہو۔ ساروچنک یہ کہ مصری طرح دھڑا دیں
میں پڑتا ہے جس کی اہمیت کی سچی جوتھی شکایت
پہچان کر پڑھیں والے کرتے ہیں اور ایک پڑھیں کی
مانگ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی اس شکایت کو دور کرنے کے
لئے اور پڑھیں کی تقسیم روکنے کے لئے مصری ہی مکہ
ملتری کو دھنا چاہیئے؟ ہم نہیں جانتے اصلیت کیا ہے؟ لیکن
ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ مکہ ملتری کا مصری کو آپ -
راجدھانی بنانا سبب ہاتھی کو رائے دینا ہے اور جتنا کے جملے
گھٹا پر نمک چھونکا ہے۔

اس روشنی میں جب ہم پڑھان ملتری کی اس نصیحت
کو دیکھتے ہیں—کہ مکہ میں رہنے کا خیال چھوڑ کر سرکاری
کرمچاریوں کو جتنا سے گھل مل جانا چاہیئے—تو ایسا لگتا ہے
کہ یہ نصیحت عمل کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک محض
خیال ہے جسے بڑھیا کافڑ پر لٹ کر سلہر سلہرے ہرگز سے سجا کر
آئے والی پیڑھیں کو دکھانے کی خاطر سنہال کر رکھا جائے۔ جس
سوگڑ کے حکم کو لوگوں کی چاہ ہوگی اور دیہاتوں کا درجہ
اٹھاتا منظور ہوگا وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتی۔

—سوریش رام بھائی

—سوریش رام بھائی

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نام کتاب	لکھک	قیمت	نام کتاب	لکھک	قیمت
1. شہر و شاعری	شری ابودھیا پرساد گولہ	8 0 0	1. شہر و شاعری	شری ابودھیا پرساد گولہ	8 0 0
2. شہر و سخن	"	8 0 0	2. شہر و سخن	"	8 0 0
3. گھرے پانی پیتے	"	2 8 0	3. گھرے پانی پیتے	"	2 8 0
4. ہمارے آراء	شری بنارس داس چکرورتی	3 0 0	4. ہمارے آراء	شری بنارس داس چکرورتی	3 0 0
5. سنسکرت	"	3 0 0	5. سنسکرت	"	3 0 0
6. دو ہزار برس پرانی کہانیاں	شری جگدیش چندر جین	3 0 0	6. دو ہزار برس پرانی کہانیاں	شری جگدیش چندر جین	3 0 0
7. ج्ञान गंगा	شری نارائن پرساد جین	6 0 0	7. ج्ञान गंगा	شری نارائن پرساد جین	6 0 0
8. पंच धिन्	شری شانتی پریم دوی	2 0 0	8. पंच धिन्	شری شانتی پریم دوی	2 0 0
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0
10. आकाश के तारे धरती के फूल	شری कल्याणल महर प्रभाकर	2 0 0	10. आकाश के तारे धरती के फूल	شری कल्याणल महर प्रभाकर	2 0 0
11. मुक्ति दूत	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	0 0	11. मुक्ति दूत	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	0 0
12. मिलन यामिनी	श्री बरचन	4 0 0	12. मिलन यामिनी	श्री बरचन	4 0 0
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुखारिया	2 8 0	14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुखारिया	2 8 0
15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0
16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	0 0	16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	0 0
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	17. भारतीय शासन	"	3 0 0
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0
19. साम्राज्य और जनता पतन	"	2 8 0	19. साम्राज्य और जनता पतन	"	2 8 0
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0
21. सर्वोदय अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	21. सर्वोदय अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0
22. हमारी आदिम जातियां	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	22. हमारी आदिम जातियां	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. श्री गजाधर प्रसाद, एम्बिस्ट, श्री भगवानदास केला	2 0 0	23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. श्री गजाधर प्रसाद, एम्बिस्ट, श्री भगवानदास केला	2 0 0
24. नागरिक शिक्षा	श्री भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	24. नागरिक शिक्षा	श्री भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0
26. जनानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	26. जनानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0
27. मारने की हिम्मत !	"	1 0 0	27. मारने की हिम्मत !	"	1 0 0
28. सखीना सच	"	0 8 0	28. सखीना सच	"	0 8 0
29. मेरे साथी	"	1 0 0	29. मेरे साथी	"	1 0 0

मिलने का पता—

मैनेजर 'बया हिन्ड'

145, मुलीगंज, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'بیا هند'

145، ملین گنج، ایلہ آباد-3.

میلے کا پتہ—

सांस्कृतिक साहित्य

सान्स्कृतिक साहित्य

हजरत मोहम्मद और इसलाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इसलाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा जयधुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

मेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

हिन्दुस्तानी कलचर रोसायती

145 मुद्दीगंज, इलाहाबाद 145 मंथी कंज, अलहाबाद

हजरत मोहम्मद और इसलाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इसलाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा जयधुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

मेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

हिन्दी घर

ہندی گھر

کلتچر پر ہر तरह کی کتابیں ملانے کا ایک بڑی کےन्द्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-पसन्द کتابों के लिये हमें लिखें।

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملانے کا ایک بڑا کیندر۔۔۔ پاٹھک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

हमारी नई کتابें

ہماری نئی کتابیں

महात्मा गान्धी की वसीयत

مہاتما گاندھی کی وصیت

(हिन्दी और उर्दू में)

(ہندی اور اردو میں)

लेखक—गान्धीवाद के माने जने

لیکھک—گاندھی واں کے مانے جانے

विद्वान : श्री मन्तर अर्ल, मारुता

ویدواں : شری منظر علی سوخته

सं० 225, कीमत दो रुपये

صحفہ 225 قیمت دو روپیہ

गान्धी बाबा

گاندھی بابا

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

लेखिका—कुदसिया खैदी

لیکھیکا—کودسیہ خدی

भूमिका—पि. एन. जवाहरलाल नेहरू

بیومکا—پنڈت جواہر لال نہرو

मोटा कासत्र, मोटा टाउप, बहुत-सी रंगीन तमचीरें

مونا کاسٹر، مونا تاپ، بہت سی رنگین تمبریں

दाम दो रुपये

دام دو روپیہ

पंडित मुन्दरलाल श्री की लिखी किताब

پنڈت مندرلال جی کی لکھی کتاب

गान्धी और कृष्ण

گیتا اور قرآن

275 صفحہ, दाम दो रुपये

275 صحفہ, دام دو روپیہ

हिन्दू मुसलिम एकता

ہندو مسام ایکتا

100 صفحہ, दाम बारह आने

100 صحفہ, دام بارہ آنے

महात्मा गान्धी के वलिदान से सबक

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبق

कीमत बारह आने

قیمت بارہ آنے

पंजाब हमें क्या सिखाता है

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

कीमत चार आने

قیمت چار آنے

बंगाल और उससे सबक

بنگال اور اُس سے سبق

कीमत दो आने

قیمت دو آنے

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

145 مٹی گنج اہلآباد

